اِمدادُ الاحکام

امداد الفتاویٰ کا تکملہ جو ۱۳۴۰ئہ کے بعد کے فتاویٰ پر مشتمل ہے

تالیف

حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عُثمانی رحمۃ اللہ علیہ

زیرِ نگرانی

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

مکتبہ دار العلوم کراچی ۱۴

امداد الاحکام

امداد الفتاویٰ کا تکملہ

جو ۱۳۴۰ھ کے بعد کے فتاویٰ پر مشتمل ہے

تالیف

حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت مولانا عبدالکریم گمتھلوی رحمۃ اللہ علیہ

زیر نگرانی

حکیم الامت مجدد الملّت

حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہ

ناشر

مکتبہ دار العلوم کراچی

پوسٹ کوڈ : ۷۵۱۸۰

طبع جدید .... محرم الحرام ۱۴۳۰ھ
جنوری 2009ء

باہتمام .... محمد قاسم گلگتی

ملنے کے پتے

- مکتبہ دارالعلوم کراچی
احاطہ جامعہ دارالعلوم کراچی
فون نمبر
021-5042280
021-5049455
ای میل
mdukhi@cyber.net.pk

- مکتبہ معارف القرآن، احاطہ جامعہ دارالعلوم کراچی
- ادارۃ المعارف، احاطہ جامعہ دارالعلوم کراچی
- دارالاشاعت، اردو بازار کراچی
- ادارہ اسلامیات، اُردو بازار کراچی
- بیت القرآن، اردو بازار کراچی
- بیت الکتب، بالمقابل اشرف المدارس گلشن اقبال کراچی
- ادارہ اسلامیات ۱۹۰ انارکلی لاہور

بسمِ اللّٰہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیم

پیش لفظ

"امداد الاحکام" ان فتاویٰ کا نادر روزگار مجموعہ ہے جو حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی خصوصی رہنمائی میں خانقاہ امدادیہ اشرفیہ تھانہ بھون سے جاری ہوئے۔ ان میں اکثر فتاویٰ تو حضرت شیخ الاسلام علامہ ظفر احمد عثمانی قدس سرّہ نے تحریر فرمائے ہیں اور کچھ حضرت مولانا مفتی عبد الکریم گمتھلوی رحمۃ اللہ علیہ کے تحریر فرمودہ ہیں۔

اس عظیم الشان علمی ذخیرہ کا تعارف "امداد الاحکام جلد اوّل" کے مقدمہ میں استاد محترم مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب دامت برکاتہم نے کروایا ہے۔ اس تعارف کیلئے مقدمہ جلد اوّل کی مراجعت کرنا مناسب ہے۔

جلد اوّل اور جلد دوم کے طبع ہو کر منظر عام پر آنے کے بعد اس علمی و تحقیقی مجموعے کے تعارف کی اب چنداں حاجت نہیں، جلد اوّل و دوم کی طباعت کے بعد ہر شخص اسکی بقیہ جلدوں کی اشاعت کیلئے بے قرار تھا، مگر بوجوہ تاحال اس عظیم سرمایہ کے بقیہ ابواب پر کام میں تاخیر ہوتی چلی گئی۔

واضح رہے کہ جلد اوّل و دوم "باب النّفقات" تک کے ابواب پر مشتمل ہیں اور اسکے بقیہ ابواب یعنی "کتاب الأیمان والنذور" سے کتاب الفرائض تک کے جمیع ابواب تشنۂ تکمیل تھے۔ اگرچہ ان ابواب پر بھی کام جاری تھا، لیکن ذمہ داری کے ساتھ اس پر کام کرنے کا موقع کسی کو نہ ملا جسکے باعث بقیہ کام غیر معمولی تاخیر کا شکار ہوا۔

دراصل یہ کام پہلی دو جلدوں کی حد تک براہ راست استاد محترم حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدّظلّہ نے بحسن و خوبی انجام دیا ہے، مگر ہجومِ مشاغل کے باعث بقیہ کام استادِ محترم حضرت مولانا محمود اشرف عثمانی صاحب مدظلّہم کے سپرد تھا۔ حضرت استاد محترم مدظلّہم نے اپنی زیر نگرانی اس پر کافی حد تک کام کروالیا تھا، مگر تدریس، افتاء و تصنیف و تالیف کی مشغولیات کے باعث گزشتہ سال بندہ کو اس کام کی تکمیل کیلئے اپنے ساتھ ملالیا اور شفقت

فرماتے ہوئے قدم قدم پر اس کام کی تکمیل میں بندہ کی رہنمائی فرمائی اور محض اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ہم اس قابل ہوئے کہ بقیہ ابواب کی فہرست و ترتیب جلد سوم و جلد چہارم کی شکل میں تیار کر سکے۔ اللہ تعالیٰ ہماری سعی کو قبول فرمائے اور اس مجموعہ کو زیادہ نافع اور مفید بنائے (آمین)۔

جلد سوم "کتاب الأیمان والنذور" سے "کتاب الضمان" اور جلد چہارم "کتاب الھبہ" سے "کتاب الفرائض" تک کے ابواب پر مشتمل ہے۔ جسکی اجمالی اور تفصیلی فہرستیں شامل اشاعت ہیں۔ جلدِ سوم و چہارم پر کام کے دوران عبارات کی تصحیح عنوانات کی معنون کے ساتھ مطابقت کی پوری کوشش کی گئی ہے۔ جہاں جہاں عربی عبارات کی تصحیح کیلئے اصل کتاب کی مراجعت کی ضرورت پڑی تو مراجعت کے بعد مروّجہ نسخہ کا حوالہ بقیدِ صفحات و جلد نمبر حاشیہ میں لگادیا گیا ہے۔ عربی عبارات کی تصحیح، اسی طرح سوال و جواب کی اردو عبارات کی بھی تصحیح کی کوشش کی گئی ہے۔ تاہم کتابت کی غلطیاں رہ جانے کا امکان پھر بھی رہ جاتا ہے۔ لہٰذا استفادہ کرنے والے حضرات سے گزارش ہے کہ اگر کوئی غیر معمولی غلطی طباعت کی یا کتابت کی پائیں تو اس کی اطلاع فرمادیں تاکہ آئندہ طباعت میں اسکی تصحیح کر دی جائے۔

آخر میں اپنے تمام مشفق اساتذہ کرام کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں اور دل سے دعاگو ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان حضرات کا سایہ عاطفت ہمارے سروں پر عافیت کے ساتھ تادیر قائم رکھے جنہوں نے اپنی انتھک محنت سے ہمیں اس قابل بنایا کہ دین کی ادنیٰ خدمت کی توفیق نصیب ہوئی۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ مجھے اخلاص و للہیت کے ساتھ دین کی زیادہ سے زیادہ خدمت کی توفیق نصیب فرمائے اور شہرت طلبی اور جاہ پسندی سے کوسوں دور رکھے (آمین)۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین
بندہ محمد افتخار بیگ عفا اللہ عنہ
رفیق دار الافتاء، دار العلوم کراچی۔ ۱۴

فہرست امداد الاحکام جلد سوم

صفحہ

کتاب الأیمان والنذور

کتاب اللقطة و اللقيط

كتاب الوقف

عنوان	صفحہ

احکام المساجد و المدارس

احکام المقابر

صفحہ	عنوان

صفحہ	عنوان

| | **فصل فی خیار الرؤیة و خیار الشرط و خیار العیب** |

عنوان	صفحہ

فصل فی البیع الفاسد والباطل

فصل فی البیع الأراضی و البساتین والزروع و الثمار

فصل فی بیع السلّم

عنوان	صفحہ

فصل فی بیع الوفاء

باب الحقوق

مسائل جدیدہ متعلقہ بیوع

کتاب الربوا و القمار

عنوان	صفحہ

مسائل جدیدہ متعلقہ ربوا و قمار

باب القرض و الدّین

کتاب الرّھن

کتاب الإجارہ

عنوان	صفحہ

کتاب الودیعة و العاریة

کتاب الغصب

کتاب الضمان

کتاب الأیمان والنذور

نذر میں قواعد قربانی کے موافق جانور دینا لازم ہے جبکہ نذر کسی خاص جانور کی نہ ہو

سوال :- اگر کسی نے نذر کی کہ اگر میرا بیٹا یا بیٹی فلاں بیماری سے اچھی ہوجائے تو ایک بکری یا گائے للہ کسی فقیر کو دونگا تو کیسی بکری دگائے دینا ہوگا؟ آیا دو برس کی گائے یا ایک برس کی بکری جو قربانی میں شرط ہے وہ دینا چاہیئے یا جس سن کی ہو دینے سے نذر ادا ہوجائیگی؟

الجواب

اگر نذر میں کوئی خاص جانور معین نہیں کیا تو قواعد سے قربانی کے موافق جانور دینا لازم ہوگا یعنی بکری ایک سال کی اور گائے وغیرہ دو سال کی لانه هو المعهود فی الشرع والله اعلم ويمكن الاستيناس له بما فی الهداية قال: مالی فی المساكين صدقة فهوعلى ما فيه الزكوٰة - استحسانًا، وجه الاستحسان ان ايجاب العبد يعتبر بايجاب الله تعالىٰ فينصرف ايجابه الى ما اوجب الشارع فيه الصدقة من المال اه (ص ۱۳۴ - ج ۳)

والله اعلم

۱۵ محرم ۴۵ھ

(تنقید) اس میں نقل کی ضرورت ہے کیونکہ احتمال یہ بھی ہے کہ شاید قیمت کے اعتبار سے وسط واجب ہو اور ان دونوں مفہوموں میں عموم خصوص من وجہ ہے۔

الشرف

اقول وبالله التوفيق - ما قاله الشيخ دام مجده وعلاه من احتمال ايجاب الوسط من حيث القيمة وان كان محتملًا ولكن يختلج فی صدری التفرقة بين العبادات والمعاملات فی ذالك فالمبهم فی باب العبادات ينبغی ارجاعه الى ايجاب الشارع وفی باب المعاملات الى المتعارف ثم وجدت نظيره فی الهداية فی باب الهبة من نذر ان يتصدق بماله يتصدق بجنس ما يجب فيه الزكوٰة (ص ۲۷۷ ج ۳)

وفيه ايضًا فی باب القضاء: من قال: مالی فی المساكين صدقة فهوعلى

ما فیه الزکوٰۃ و ان اوصی بثلث ماله فهو علی ثلث کل شیٔ و القیاس (فی الاول) ان یلزمه التصدق بالکل و به قال زفرؒ: لعموم اسم المال کما فی الوصیة وجه الاستحسان ان ایجاب العبد یعتبر بایجاب الله تعالیٰ فینصرف ایجابه الی ما اوجب الشارع فیه الصدقة من المال اھ (ص ۱۳۵، ج ۳)

قال المحشی ناقلاً عن الکفایة (ص ۱۳۴، ج ۳) ای یجب علیه صدقة جمیع ما یملك من اجناس الاموال التی یجب فیها الزکوٰۃ کالنقدین و مال السوائم و اموال التجارۃ بقلیلها و کثیرها ولا یفرق بین قدر النصاب و ما دونه لان ذالك یتعلق به الزکوٰۃ اذا انضم الیه غیرہ فکانهم اعتبروا الجنس دون القدر ولا یجب علیه التصدق بما لا یکون من جنس ما یجب فیه الزکوٰۃ کالعقار والرقیق واثاث المنزل و ثیاب البذلة و غیر ذالك اھ فهذا یشعر بان المبهم فی باب النذر و التصدق یرجع الیه ایجاب الشرع فکذا اذا نذر بتصدق حیوان غیر معین ینبغی ارجاعه الی ما اوجب الشرع تصدقه من الحیوان۔

و قال فی البحر (ص ۲۹۶ ج ۴) و لو قال لله علیّ ان اذبح جزورا و اتصدق بلحمه فذبح سبع شیاه جاز اھ دل علی ان الجزور فی کلامه یحمل علی ما هو المعتبر فی الاضحیة فان سبع شیاہ انما تکون قائمه مقامه لا مادونه مع ان التصدق باللحم یجوز من کل جزور سواء کان ابن سنتین او اقل و مع ذالك حملوا الجزور علی ما تکون سبع شیاہ بدلاً عنه سواء کان نذر بالذبح او بالتصدق من اللحم[1]

واللہ اعلم

۱۸/ محرم ۴۵ھ

جب تک حج ادا نہ کر دں بیٹے کی شادی نہیں کراؤں گی، پھر حج ادا کرنے سے عاجز ہو تو اس صورت میں نکاح کا کیا کرے؟

سوال:- ایک عورت نے نذر مانی تھی کہ اگر حق تعالیٰ مجھ کو اولاد بخشے تو میں جب تک حج ادا نہ کردں اسکی شادی نہ کردں گی خدا کے فضل سے اسکا لڑکا پیدا ہوا اب وہ لڑکا شادی کے لائق بھی ہوگیا مگر وہ عورت حج ادا کرنے سے عاجز ہے تو کیا کرے امید آں ذات والا درجات سے یہ ہے کہ مسئلہ مذکورہ کی تصریحات سے سرفراز فرمائیں فقط

احقر محمد عبدالجلیل عفا اللہ عنہ

[1] کذا فی الدر مع الشامیۃ ج ۳ ص ۴۰۔

الجواب

جب وہ لڑکا بالغ ہے تو وہ خود اپنا نکاح کرلے یا کوئی دوسرا بزرگ سرپرست اس کا نکاح کردے یہ عورت اس کے نکاح کا بندوبست وانتظام نہ کرے اور یہ حکم جب ہے کہ مسماۃ مذکورہ نے یہ کلام قسم کے ساتھ خدا تعالیٰ کا نام لیکر کہا ہو کہ واللہ جب تک حج ادا نہ کردں اس کی شادی نہ کروں گی اور اگر قسم کا لفظ خدا تعالیٰ کا نام لیکر نہیں کہا تھا صرف نذر یا منت کا لفظ کہا ہو تو یہ نذر منعقد نہیں کیونکہ نذر کے لئے قربتِ مقصودہ ہونا ضروری ہے اور اولاد کا نکاح کرنا قربتِ مقصودہ نہیں اور یہاں نذر فقط فعلِ حج پر نہیں ہے بلکہ بغیر حج کے بیٹے کی شادی نہ کرنے پر ہے اور بیٹے کی شادی کرنا قربتِ مقصودہ نہیں۔[1]

واللہ اعلم
۷ر شوال ۴۳ھ

مسجد کے لئے نذر کا حکم

سوال:۔ ایک مسئلہ میں چند آدمیوں کے درمیان تنازع ہو کر حضور کو ثالث مانا لہٰذا جواب کو مدلل تحریر فرما کر ممنون فرمائیں اور مہربانی فرما کر حوالہ کُتب بھی تحریر فرمائیں اور وہ مسئلہ یہ ہے کہ:۔

ایک شخص نے اپنے مرض میں اس طرح منت مانی کہ اگر خدا تعالیٰ شفا دے تو فلاں مسجد میں مبلغ ۱۰؎ روپیہ للہ دوں گا اور بعد اس کے وہ شخص شفا پایا اب یہ منت ہوئی یا نہیں؟ اور ادا کرنا لازم ہوگا یا نہیں؟ اور اس روپیہ کو مسجد کی بنا میں خرچ کرسکتا ہے یا نہیں؟

مہربانی فرما کر جواب عطا فرمائیں۔ والسلام

العارض محمد نور الہدیٰ ملک بنگالہ ضلع نواکھالی

الجواب

مسجد میں روپیہ دینے سے اگر مسجد کی تملیک بطور ہبہ کے مراد ہے تو یہ نذر صحیح نہیں۔ گو احوط ایفاء نذر ہے اور اگر یہ مراد ہے کہ ان روپیوں کی کوئی چیز خرید کر مسجد کے لئے وقف کی جائے جیسے لوٹا اور بوریا وغیرہ تو اس صورت میں نذر صحیح ہے اور اس کا پورا کرنا بعد وجود شرط کے واجب ہے۔

قال ابن العابدین، فی حاشیة البحر عن البدائع : ومن شروطه ای

[1] الدر المختار ج ۳ ص ۱۰۴

النذر ان یکون قربة مقصودة فلا یصح النذر بعیادة المریض وتشییع الجنازة والوضوء والاغتسال ودخول المسجد ومس المصحف والاذان وبناء الرباطات والمساجد وغیر ذالك وان کانت قربة لانها غیر مقصودة اھ فھذا صریح فی ان الشرط کون المنذور نفسه عبادة مقصودة لا ما کان من جنسه ویدل علیه انھم صححوا النذر بالوقف لان من جنسه واجبا وھو وقف مسجد للمسلمین وقد علمت ان بناء المسجد غیر مقصودة اھ (ص۲۹۶ ج-۴)

قلت: وکذا الھبة للمسجد وان کانت قربة فھی غیر مقصودة، ووقف مصالحه علیه من القربة المقصودة ومن جنسھا واجب وھو وقف مسجد کما مر۔

واللہ تعالیٰ اعلم

از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ

۲۶ر جمادی الاول ۴۴ھ

ایصالِ ثواب کی نذر کرنا **سوال:** اگر کوئی شخص کسی مردے کو ایصالِ ثواب کی منت مانے تو یہ نذر منعقد ہوگی یا نہیں؟ یعنی اس کا ادا کرنا (شرعی قواعد کے مطابق) واجب ہوگا یا نہیں؟ مثلاً اگر کوئی شخص یہ منت مانے کہ اگر میرا فلاں کام ہو جائے تو میں فقراء و مساکین کو کھانا یا شیرینی وغیرہ کھلا کر یا اور طرح سے صدقہ دے کر فلاں بزرگ یا عام مؤمن کی روح کو ایصالِ ثواب کروں گا تو اس مقصد کے پورا ہونے کے بعد انہیں انہی ارواح مخصوصہ کو ایصالِ ثواب نذرِ معینہ کی طرح اس شخص کے ذمہ واجب ہوگا یا نہیں؟ اور ایصالِ ثواب خاص اسی صورت سے واجب ہوگا جو بوقتِ نذر اس نے اپنے ذہن میں قرار دی تھی یا بر بناء مصلحتِ وقت صدقہ کی صورت بدل دینے کا اختیار بھی ہوگا؟

عبدالرافع متعلم بی کوم بچھراون ادن ضلع
مرادآباد (بی اے تجارت) لکھنؤ یونیورسٹی

الجواب

ایصالِ ثواب کی نذر منعقد نہیں ہوتی کیونکہ اس کی جنس سے کوئی واجب نہیں اور یہ قاعدہ کلیہ ہے کہ ما لیس من جنسه واجب لا ینعقد النذر به، اور گو تصدق کی جنس سے واجب ہے مگر یہاں اصل مقصود ایصالِ ثواب بروحِ میت ہے تصدق کی نذر تبعاً ہے اور نذرِ صحیح

میں بھی بعد صحت نذر کی تعیین مکان و زمان و تعیین فقیر لازم نہیں بلکہ اس میں تغیر کا اختیار رہتا ہے
واللہ اعلم
از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ
۱۷ ذی الحجہ ۴۴ھ

نذر اور گھر کا طعام خلط کرنا

سوال: (۱) یہ کہا تھا کہ تنخواہ میں سے کچھ بھوکوں کو اور کچھ لڑکیوں کو دوں گا تنخواہ مقرر ہوگئی اب جس قدر بھوکوں کے واسطے تنخواہ میں سے نکالنا چاہا ہے اس میں یہ خیال ہے کہ اندازہ سے بھوکوں کا حصہ نکالدیں اور کچھ دوستوں وغیرہ کو دعوت دیدیں لیکن کھانا ایک جگہ پکوالیا جائے یہ مناسب ہے یا نہیں؟

(۲) اور اگر جنس وغیرہ گھر کی ہوں اور اسی رقم کے مطابق یعنی جتنی جنس ان داموں میں آتی ہو اور گھر سے لے کر کھلادے تو اس طرح ادا ہو جائے گا یا نہیں؟ یا اُن ہی داموں سے خریدنے کی ضرورت ہے؟

محمد ساقی خان از بستی

الجواب

(۱) اگر بھوکوں کو کھلانے کی منت نہیں مانی تھی بلکہ بدون لفظِ نذر اور منت کے یوں ہی ارادہ کیا تھا تب تو بھوکوں اور دوستوں کے لئے ملا کر کھانا پکانے میں کچھ بھی حرج نہیں اور اگر نذر و منت کا لفظ کہا تھا جب بھی خلط کر کے پکانے میں تو حرج نہیں لیکن پکانے کے بعد اتنی مقدار الگ کر دی جائے جو بھوکوں کے واسطے نذر کی گئی تھی پھر ما بقی کو دوستوں کی دعوت میں خرچ کر دیا جائے دونوں کو ملحوظ رکھ کر ملا جلا تقسیم نہ کیا جائے ورنہ ادائے نذر میں شبہ رہے گا۔

(۲) رقم کی جگہ جنس دینا یا کھانا پکا کر دینا جائز ہے مگر شرط یہ ہے کہ ہر فقیر کو کھانے یا جنس کا مالک بنا دیا جائے بطور دعوت کے نہ کھلایا جائے۔

قال فی الدر: نذر ان یتصدق بعشرۃ دراھم من الخبز فتصدق بغیرہ اجاز ان ساوی العشرۃ کتصدقہ بثمنہ اھ (ص ۱۰۸، ج ۳)

قلت: والمدار علی المساوات وقد جوزوا دفع الزکاۃ بالعین والنقد سواء فکذا ھذا۔

لیکن جب نذر نقد کی ہو تو نقد ہی دینا افضل ہے۔

واللہ اعلم
۲۷ ذی الحجہ ۴۴ھ

نذر میں نقد کے بجائے جنس دینا جائز ہے

سوال: جس قدر بھوکوں کو کھلانا ہے اور جتنے دوست وغیرہ شامل کرنے ہیں دونوں کا اندازے سے ملا کر یکجائی کھانا پکا کر یعنی جتنی جنس بھوکوں کے نام کی ہے اور جتنی دوست وغیرہ کے نام کی دونوں کو ایک جگہ پکا کر اور یہ خیال کر کے کہ اس جنس یعنی کھانے کو اس قدر آدمی کھا دیں گے اور دوسرے کھانے کو اسقدر کھلائیں تو درست ہے یا نہیں؟ جیسا اس سے اگلے سوال میں بیان کیا گیا ہے۔ یا بھوکوں کا علیحدہ اور دوست وغیرہ کا علیحدہ کھانا پکایا جائے گا؟

محمد ساقی خان از بستی

الجواب

اس کا جواب پچھلے سوال کے جواب سے معلوم ہو چکا۔

واللہ اعلم
۲۷ ذی الحجہ ۴۴ھ یوم الجمعہ

"اگر میں اچھی ہو جاؤں تو ایک روپیہ کی شیرینی لڑکوں کو بانٹ دوں" کے الفاظ سے نذر منعقد نہیں ہوتی۔

سوال: ایک عورت نے یہ کہا کہ "اگر میں اچھی ہو جاؤں تو ایک روپیہ کی شیرینی لڑکوں کو بانٹ دوں" بعد اچھی ہو جانے کے اس نے لڑکوں کو بانٹ دی اس صورت میں نذر ادا ہوئی یا نہیں؟ اور نذر ماننے سے غریبوں کا حق ہوتا ہے اور لڑکے امیر کے اکثر ہوتے ہیں۔ غریب کا لڑکا ایک یا دو ہوں گے تو پھر سے بانٹنا ہوگا یا نہیں؟

تنقیح

کیا اس کی نیت میں خاص غریب لڑکے تھے یا عام تھے؟

جواب تنقیح

متعلق مسئلہ نذر اس عورت نے نیت عام لڑکوں کی کی تھی۔

الجواب

الفاظ مذکورہ فی السوال سے نذر منعقد نہیں ہوئی اس لئے اول تقسیم ہی ضروری نہیں تھی

پس اعادہ کیسا؟

کما فی العالمگیریة: (ص ۴۳ ج ۳) رجل قال: ان برئتُ من مرضی هذا ذبحت شاةً فبرأ لا یلزمه شئ الا ان یقول: ان برأت فلِلّٰه علیّ ان اذبح شاةً۔

اور اگر الفاظ مسطورہ کے ساتھ خدا کے واسطے بھی کہا تھا تب بھی اعادہ کی حاجت نہیں کیونکہ اغنیاء پر تصدق کی نذر صحیح نہیں ہوتی اور فقراء کے متعلق صحیح ہوگئی ہو تو پوری ہو چکی۔

وفی القنیة: نذر التصدق علی الاغنیاء لم یصح مالم ینو بناء السبیل (ص ۱۰۵ درِ مختار مع الشامی)

ولم ار ان النذر بالتصدق علی الفقیر والغنی جمیعًا یصح ام لا؟ والظاهر انه لایصح لان من شرطه ان یکون من جنسه واجب والتصدق علی الفقیر والغنی جمیعًا لیس کذالك۔

الاجوبة صحیحة
ظفر احمد عفا عنہ
۱۹ ذی الحجہ ۴۳ھ

واللہ اعلم
کتبہ الاحقر عبدالکریم گمتھلوی عفی عنہ

قرآن مجید پر حلف اٹھانا سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ اگر کوئی مسلمان کسی معاملہ میں قرآن مجید کی قسم اُٹھائے تو کیا اس پر از روئے احکامِ شرعیہ کفارۂ قسم لازم ہے یا نہ؟

الجواب

قرآن شریف کی قسم کھاکر اگر خلاف کرے تو کفارہ لازم ہے۔

کما فی العالمگیریة (ص ۳۵ ج ۳): وقال محمّد بن مقاتل الرازی: لوحلف بالقرآن یکون یمینًا وبه اخذ جمهور مشائخنا کذا فی المضمرات۔

وفی الدر المختار: قال الکمال: ولایخفی ان الحلف بالقرآن الآن متعارف فیکون یمینًا (شامی ص ۸۷ ج ۳)۔

الجواب صحیح
ظفر احمد عفا عنہ
۱۹-ج-۲-۴۴ھ

عبدالکریم عفی عنہ
۱۸-ج-۲-۴۴ھ

ولکن ینبغی ان یفرق بین قوله حلفت بالقرآن او بکلام اللہ وبین حلفہ بوضع المصحف علی یدہ و قوله احلف بهذا المصحف فان الاول کحلفه بعزة اللہ وجلاله والثانی لیس کذالک فان المصحف لیس من صفات اللہ تعالیٰ۔

واللہ اعلم

ایک شخص نے ان الفاظ سے نذر مانی کہ "فلاں کام ہو جائے تو چار مسکینوں کو کھلادوں" تو چار مساکین کے بجائے ایک مسکین کو چار وقت کھلا سکتا ہے یا نہیں؟

سوال:- ایک شخص نے بطور نذر یہ کہا کہ اگر میرا فلاں کام ہو جائے تو چار آدمیوں کو ایک وقت کھانا کھلاؤں لیکن اس کی بابت خاص طور سے یہ نہیں سوچا کہ چار آدمیوں کو ایک وقت یا ایک آدمی کو چار وقت کھلانے سے نذر ادا ہو جائے گی یا نہیں فقط

فریدالدین از بجنور، ۱۷ر مارچ ۲۶ھ

الجواب

فی الشامی (ص ۱۰۸ ج ۳): قلت: وکما لا یتعین الفقیر لا یتعین عددہ ففی الخانیة: ان تزوجت بنتی فالف درهم من مالی صدقة لکل مسکین درهم فزوج ودفع الالف الی مسکین جملة جاز اھ۔

اس سے معلوم ہوا کہ دونوں اختیار ہیں خواہ چار مساکین کو ایک وقت کھلائے یا چار وقت ایک مسکین کو کھلادے فقط

الجواب صحیح عبدالکریم عفی عنہ

ظفر احمد عفا عنہ ۸ر رمضان ۴۴ھ

تحریم الحلال یمین

سوال:- ہندہ اور زید دونوں صبح کو سفر کے واسطے تیار تھے کہ سفر کے واسطے روٹی کا ذکر آیا ہندہ نے غصّہ سے زید کو کہا کہ تو ہمارا خرچ کرائے گا اس واسطے روٹی پکانی پڑی اس بات سے زید نے قسم کھائی کہ میں تمہاری روٹی سفر میں نہ کھاؤں گا۔ صبح کو ہندہ نے روٹی پکالی زید نے کہا کہ زیادہ نہ پکاؤ میں تو راستہ میں تمہاری روٹی نہیں کھانی ہے اور روٹی لیکر اس وقت مکان پر کھانے کا ارادہ کیا ہندہ نے غصّہ ہو کر کہا کہ حرام کھادے جو ہماری روٹی کھادے اس پر زید نے غصّہ میں آکر روٹی پھینکدی اور کہدیا کہ میرے پر تمام عمر کو حرام ہے مراد روٹی سے تھی، جواب میں ہندہ نے کہا کہ میرے پر تیری ساری چیزیں حرام ہیں مراد ہر قسم کی

چیزیں متعلق خورد و نوش پوشاک وغیرہ تھی ہفتہ کے بعد دونوں نے باہم ایک دوسرے کی چیز کھاپی لی، آیا کیا اس کی بابت کفّارہ ہے؟

ان دونوں مذکور الصدر کا باہم نکاح کا ارادہ ہے بوقت قسم دونوں جانتے تھے کہ ہمیں نکاح کرنا ہے اور خیال تھا مگر غصّہ میں قسم کھائی گئی اب اگر فریقین کا نکاح ہو جائے تو کیا اس قسم کا اثر باقی رہے گا اور جب قسم ٹوٹ چکی ہے تو اب جو کفّارہ واجب الادا ہوگا وہ دیکر پھر بعد نکاح تو کوئی کفارہ نہ دینا پڑے گا یا کیا کرنا چاہیئے۔ الحاصل

(۱) آیا قسم شرعًا درست ہوئی؟ اگر درست ہوئی تو کیا کفّارہ ہوگا؟

(۲) خلاف ورزی کے وقت اوّل نیتِ کفّارہ ادا کرنے کی کرکے قسم توڑی گئی۔

(۳) بعدِ نکاحِ فریقین کیا قسم کا اثر باقی رہے گا اور کیا کفّارہ دینا ہوگا؟

الجواب

"تحریم الحلال یمین" قاعدہ فقہیہ ہے اس بناء پر زید و ہندہ دونوں کو قسم کا کفّارہ دینا چاہیئے جو دس مسکینوں کا کفّارہ ہے یا تو دس مسکینوں کو صبح و شام پکا ہوا کھانا پیٹ بھر کر کھلا دیا جائے یا ہر مسکین کو نصف صاع گیہوں (جو پونے دو سیر ہندوستانی وزن سے ہے یعنی اسّی روپیہ کے سیر سے ہے) دیدیا جائے، یا ہر مسکین کو نصف صاع کی قیمت دیدی جائے اگر اسکی وسعت نہ ہو تو پے درپے تین روزے رکھدئے جائیں اور چونکہ سوال سے معلوم ہوتا ہے کہ زید و ہندہ میں اس وقت تک تعلق نکاح کا نہ تھا آئندہ نکاح کا ارادہ تھا لہٰذا اس لفظ سے طلاق نہیں ہوتی لعدم صحۃ الطلاق الناجز بدون النکاح نیز زید نے لفظ "میرے پر تمام عمر کو حرام ہے" سے ہندہ کی روٹی کا حرام کرنا مراد لیا تھا فلم یکن یقع الطلاق بوجود النکاح ایضاً اور اس قسم کا اثر بعد نکاح کے کچھ نہ رہے گا پس ایک دفعہ کا کفارہ ادا کرنا واجب ہے خواہ قبل نکاح دیدیا جائے یا بعد نکاح۔

واللہ اعلم

۳۰ شعبان ۴۵ھ

یہ نیت کی کہ "اس بکری کو اللہ کے واسطے دوں گا" تو اس کو خود رکھ کر قیمت دینا کیسا ہے؟	**سوال:۔** (۱) ایک شخص نے یہ نیت کی کہ "اس بکری کو خدا کے واسطے دیدوں گا" یا "اس کی قیمت کا کھانا کھلادوں گا" اور زبان سے بھی الفاظ مذکورہ کہے ——— اب سوال

یہ ہے کہ اگر وہ شخص اس بکری کو خود رکھ لے اور اس کی قیمت کا کھانا کھلا دے یہ جائز ہے یا نہیں ؟

② اور چند روز ہوئے اس نے اس بکری کو فروخت کرنا چاہا تو جو انتہائی قیمت خریداروں نے کہی اس قیمت پر اس نے خود رکھ لیا کہ میں خود اتنی رقم لگا دوں گا، لیکن کچھ روز گذر گئے اور اس نے اب تک کھانا نہیں کھلایا، اب اس کی قیمت (یعنی بکری) زیادہ ہو گئی ہے تو اب وہ شخص پیشتر طے کردہ قیمت دیدے یا حال کی قیمت دینا پڑے گی۔

③ اور وہ شخص اس بکری کو عقیقہ میں ذبح کر سکتا ہے یا نہیں ؟

سائل رونق علی چھٹی رساں تھانہ بھون

١٨ ر رمضان ٤٥ھ

الجواب

① ہاں جائز ہے۔

قال فی الدر: نذر التصدق بھذہ المأۃ یوم کذا علی زید فتصدق بمأۃ اخریٰ جاز اھ۔

وفیہ ایضاً: نذر التصدق بعشرۃ دراھم من الخبز۔ فتصدق من غیرہ جاز ان ساوی العشرۃ کتصدقہ بثمنہ اھ۔

قال الشامی: وانما لم یختص النذر بزمان ونحوہ خلافاً لزفر لان لزوم ما التزمہ باعتبار ما ھو قربۃ لا باعتبارات اُخر لا دخل لھا فی صیرورتہ قربۃ اھ (ص ١٠٨ ج ٣)

قلت: والسائل لم ینذر ذبح ھذہ الشاۃ وانما نذر التصدق بھا للّٰہ تعالیٰ فلا یتقید النذر بالذبح ولا بھذہ الشاۃ بل یجوز بثمنہ ایضاً لان التصدق بھا وبثمنھا سواء فلا دخل لتعیینہ الشاۃ فی القربۃ ولا یقاس ذالک علی شراء الشاۃ للاضحیۃ فانھا تتعین لھا بشروط احدھا: الشراء فلو کانت فی ملکہ فنوی ان یضحی بھا لا تتعین والثانی الشراء للاضحیۃ فلو اشتراھا ولم ینو الاضحیۃ لا تتعین والثالث: کون المشتری فقیراً فلو کان غنیاً لا تتعین الا بعد مضی ایام النحر واما قبلھا فلا وفی الصورۃ المسئولۃ لم توجد نیۃ الاضحیۃ ولا نیہ الذبح ولا وجہ للتعین

فی مثل ہذہ الصورۃ واللہ اعلم لاسیما وقد ر دالناذر فی کلامہ بین تصدقہا و تصدق قیمتہا۔

(۲) یوم الاداء کی قیمت کا اعتبار کیا جائے گا پس جس دن نذر کو پورا کرنا چاہے اس دن یا تو اس بکری کو خیرات کردے یا اس کی قیمت جو اس دن ہو وہ خیرات کردے اور ایک قول پر ممکن ہے کہ یوم الوجوب یعنی یوم النذر کی قیمت کا اعتبار کیا جائے، والمسئلۃ قیاس علی مسئلۃ الغاصب اذا ہلک المغصوب ہل یضمن قیمتہ یوم الغصب او یوم الہلاک او یوم الاداء، اور اقرب یہ ہے کہ انفع للفقراء کا اعتبار کیا جائے یوم الاداء و یوم الوجوب میں سے جس دن کی قیمت فقراء کے لئے انفع ہو وہ ادا کی جائے، ولم ارہ صریحًا اور بہتر یہ ہے کہ نذر کو صورت نذر ہی پر ادا کردیا جائے خروجًا من الخلاف فان تادی الکفارات والنذور والصدقات بالقیمۃ مختلف فیہ بین الائمۃ - واللہ اعلم۔

(۳) سائل کے الفاظِ نذر یہ ہیں کہ "اس بکری کو خدا کے واسطے دیدوں گا" یا "اسکی قیمت کا کھانا کھلادوں گا" پس اگر عقیقہ میں ذبح کرکے فقراء کو اس کا کھانا پکاکر کھلا دیا جائے اور وہ پکا ہوا کھانا لاگت میں اس بکری کی قیمتِ حیات کے برابر ہوجائے تو نذر اور عقیقہ دونوں ادا ہوجائیں گے۔ اما العقیقۃ فباراقۃ الدم فہی حقیقتہا و اما النذر فبتصدق القیمۃ

واللہ اعلم

۱۹/ رمضان ۴۵ھ

سوال:۔ گذارش خدمت میں یہ ہے کہ مسئلہ مندرجہ ذیل میں ہمارے ملک میں بہت زور و شور سے بحث ہورہی ہے، بدیں وجہ قوی امید ہے کہ کرم فرماکر جواب مدلل مع حوالہ	تفصیل الکلام فی الحلف بکلام اللہ الملک العلام، یعنی قرآن کی قسم کا حکم اور اس کی تفصیل۔

کتب معتبرہ دیکر عند اللہ ماجور ہوں۔

(۱) مسئلہ یہ ہے کہ زید کہتا ہے کہ غیر اللہ کی قسم کھانا جائز نہیں گو کلام اللہ ہی کیوں نہ ہو اگر کوئی شخص کلام اللہ کی قسم کھائے تو بھی معتبر اور جائز نہیں، کھانے کے بعد حانث نہیں ہوگا۔

(۲) عمر کہتا ہے کہ میں نے مانا کہ غیر اللہ کی قسم نہیں کھا سکتا ہے لیکن فی زمانناا اگر کوئی شخص کلام اللہ کی قسم کھائے بعدہ توڑدے ضرور حانث ہوگا کھانا جائز ہے یعنی معتبر ہے کیونکہ کلام اللہ صفات اللہ میں شامل ہے۔ بینوا توجروا۔

خادم محمد صدیق رنگونی حجرہ ۸ مدرسہ دار العلوم دیوبند

الجواب

قرآن کی قسم کھا کر کوئی بات کہی تو قسم ہوگئی (یعنی شرعاً یہ قسم منعقد ہے اگر توڑ دے گا تو کفارہ لازم آئے گا) ہاں اگر کلام مجید کو ہاتھ میں لیکر یا اس پر ہاتھ رکھ کر کوئی بات کہی لیکن قسم کے الفاظ استعمال نہیں کئے تو قسم نہ ہوگی (ص ۵۲ ج ۳ درمختار وشامی) وکذا فی بہشتی زیور (ص ۱۷ ج ۳) والمسئلة معروفة" البتہ قرآن کی قسم کھانا بوجہ ایہام حلف بغیر اللہ کے جائز نہیں۔ کہ اس سے عوام کو سند ملتی ہے اور وہ صفت وغیر صفت کا فرق نہیں جانتے۔ واللہ اعلم

۹ صفر ۱۳۴۶ھ از تھانہ بھون

تفصیل الکلام فی الحلف بکلام اللہ الملك العلام

قال فی الدر: او بصفة یحلف بها عرفاً من صفات اللہ تعالیٰ صفة ذات لا یوصف بضدها (و تتقید بکون الحلف بها متعارفاً سواء کانت صفة ذات او فعل وهو قول مشائخ ما وراء النهر و لمشائخ العراق تفصیل آخر وهو ان الحلف بصفات الذات یمین لا بصفات الفعل وظاهره انه لا اعتبار عندهم للعرف وعدمه فتح ملخصاً و مثله فی الشرنبلالیة عن البرهان بزیادة التصریح بان الاوّل هو الاصح - وقال الزیلعی: والصحیح الاول، شامی) کعزة اللہ وجلاله و کبریائه و ملکوته وجبروته وعظمته و قدرته او صفة فعل یوصف بها وبضدها کالغضب والرضاء فان الایمان مبنیة علی العرف فما تعورف الحلف به فیمین و ما لا فلا لا بقسم بغیر اللہ تعالیٰ کالنبی والقرآن و الکعبة - قال الکمال: ولا یخفیٰ ان الحلف بالقرآن الآن متعارف فیکون یمیناً و اما الحلف بکلام اللہ فیدور مع العرف (" قوله قال الکمال الخ" مبنی علی القرآن بمعنی کلام اللہ تعالیٰ فیکون من صفاته کما یفیده کلام الهدایة حیث قال: ومن حلف بغیر اللہ تعالیٰ لم یکن

حالفاً کالنبی والکعبة لقوله علیه السلام من کان منکم حالفاً فلیحلف باللّٰه اولیذر وکذا اذا حلف بالقرآن لانه غیر متعارف اھ فقوله وکذا یفید انه لیس من قسم الحلف بغیر اللّٰه تعالیٰ بل هو من قسم الصفات ولذا علله بأنه غیر متعارف ولوکان من القسم الاوّل کما هو المتبادر من کلام المصنف (صاحب التنویر) والقدوری لکانت العلة فیه النهی المذکور لان التعارف انما یعتبر فی الصفات المشترکة لا فی غیرها۔

وقال فی الفتح: وتعلیل عدم کونه یمیناً بانه غیره تعالیٰ لانه مخلوق لانه حروف وغیر المخلوق هو الکلام النفسی منع بان القرآن کلام اللّٰه منزل غیر مخلوق ولا یخفیٰ ان المنزل فی الحقیقة لیس الا الحروف المنقضیة المنعدمة وما ثبت قدمه استحال عدمه غیر انهم اوجبوا ذالك لان العوام اذا قیل لهم ان القرآن مخلوق تعدوا الی الکلام مطلقاً اھ۔ وقوله ولا یخفیٰ الخ" رد للمنع وحاصله ان غیر المخلوق هو القرآن بمعنی کلام اللّٰه الصفة النفسیة القائمة به تعالیٰ لا بمعنی الحروف المنزلة غیر انه لا یقال القرآن مخلوق لئلا یتوهم ارادة المعنی الاوّل۔

قلت: فحیث لم یجز ان یطلق علیه انه مخلوق ینبغی ان لا یجوز ان یطلق علیه انه غیره تعالیٰ بمعنی انه لیس صفة له لان الصفات لیست عیناً ولا غیراً کما قرر فی محله ولذا قالوا من قال بخلق القرآن فهو کافر ونقل فی الهندیه عن المضمرات وقد قیل هٰذا فی زمانهم اما فی زماننا فیمین وبه نأخذ ونعتقد وقال محمد بن مقاتل الرازی: انه یمین وبه اخذ جمهور مشائخنا اھ فهذا مؤید لکونه صفة تعورف الحلف بها کعزة اللّٰه وجلاله قوله فیدور مع العرف الخ "لان الکلام صفة مشترکة (شامی) ــــــــ قلت: ولکن کلام اللّٰه فی عرفنا مرادف للقرآن فیکون یمیناً۔

قال فی الدر: وقال العینی وعندی ان المصحف یمین لا سیّما فی زماننا (عبارته وعندی انه لو حلف بالمصحف او وضع یده علیه وقال وحق هٰذا فهو یمین واقرّه فی النهر وفیه نظر ظاهر اذا المصحف لیس صفة للّٰه تعالیٰ حتی یعتبر فیه العُرف والا لکان الحلف بالنبی والکعبة یمیناً لانه متعارف نعم لو قال: اقسم بما فی

المصحف من کلام اللہ تعالٰی ینبغی ان یکون یمیناً اھ (ص ۷۷، ۷۸، ۷۹ - ج ۳)

قلت: وفی عرفنا القرآن والمصحف وکلام اللہ کلہ بمعنی واحد قال فی الدر وعند الثلاثة المصحف والقرآن وکلام اللہ یمین اھ (صفحة مذکورہ فینبغی ان یکون الحلف بالثلاثة یمیناً فی عرفنا لکون القرآن من صفات اللہ والمصحف وکلام اللہ بمعناہ لا یراد بھما الا القرآن فقط نعم لو وضع المصحف علی یدہ وقال احلف بہ لا یکون یمینا لکون المراد بہ الجلد والنقوش ونحوھما لکن قال الشیخ ان الحلف بوضع الید علی المصحف ابلغ عند العوام من الحلف بالقرآن وبکلام اللہ واشد ولیس ذالک لکون الجلد والنقوش اعلیٰ عندھم من القرآن بل لکونھم یریدون بالحلف بوضع الید علیہ الحلف بالقرآن ویضعون الید علیہ استحضاراً للعظمة بمعنی زیادة مایتضمنہ وعلیٰ ھٰذا فینبغی ان یکون الحلف بوضع الید یمیناً کما ھو قول الزیلعی، نعم وضع الید بدون صیغة الحلف لا یکون یمیناً اھ۔

قلت: ولعل الحق لا یتجاوز عنہ واما القرآن وکلام اللہ وان کان المراد بہ عند العوام الکلام اللفظی ولکنہ لا یجوز علیہ اطلاق انہ مخلوق اوغیرہ تعالٰی کما مر فیلتحق بالکلام النفسی فی کونہ یمیناً لا سیّما اذا تعورف الحلف بہ ھذا۔

واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم

۱۰ر صفر سنہ ۴۶ھ

الفاظِ قسم کے بغیر محض قرآن مجید سر پر رکھنا قسم نہیں!!

سوال:۔ اگر کسے قرآن شریف بر سر نہادہ خبرے کند و لفظ قسم بقرآن شریف یا بخدا نگوید ایں را قسم گفتہ شود شرعاً یا نہ؟

الجواب

محض قرآن سر پہ رکھنا جب تک لفظ قسم زبان سے نہ کہے قسم نہیں۔

واللہ اعلم

۸ر شعبان سنہ ۴۲ھ

نذر کی ایک خاص صورت کا حکم

سوال:۔ میاں بیوی نے اولاد کی خاطر بارگاہِ تبارک و تعالٰی میں یہ منت مانی تھی کہ اگر ان کی اولاد ہوئی تو وہ بعد فراغتِ نفاس اکیس اکیس بار سورۃ

یٰسین شریف ورد کریں گے اور دس دس روزے رکھیں گے اور ساتھ ہی یہ شرط بھی تھی کہ صرف شب پنجشنبہ میں یکجائی کی جائے گی اگر اس کے خلاف ہوا تو ہر سہو کے معاوضہ میں تین تین روزے مزید رکھے جائیں گے چنانچہ ان سے تین مرتبہ سہو ہوا اور ان کے یہاں بفضلہ تعالیٰ اولاد ہوئی اور خاوند نے جملہ انیس روزے رکھے اور اکیس اکیس بار سورۂ یٰسین شریف بھی پڑھی لیکن چونکہ بیوی کے دودھ زیادہ نہ تھا بچہ کی پرورش کے خیال سے وہ روزے نہ رکھ سکیں اور پھر حمل ہوگیا۔ اس خاطر سے بھی وہ مجبور ہیں تو ایسی حالت میں وہ کفارہ ادا کرنا چاہتی ہیں تو براہ کرم احکام کفارہ کا خلاصہ تحریر فرمایا جائے اور یہ بھی صراحت فرمائی جائے کہ ہر دو صورتوں کا کس طرح کفارہ ادا کیا جائے۔ فقط۔

خواجہ حسن محلہ کروڑ گری نامدیر
دکن ریاست حضور نظام

الجواب

سائل کا یہ قول کہ "اگر اس کے خلاف ہوا تو ہر سہو کے معاوضہ میں تین تین روزے رکھے جائیں گے" اس میں صیغۂ نذر صراحۃً مذکور نہیں اس لئے قیاساً روزے واجب نہ ہوں گے مگر استحساناً روزے واجب ہیں۔ لکون النذر مراداً عرفاً ولکونه متضمناً تحریم الحلال۔

قال الشامی عن البزازیة: لو قال: ان سلم ولدی اصوم ما عشت فهذا وعد ولکن فی البزازیة ایضاً: ان عوفیت صحت کذا لم یجب مالم یقل لله علیّ، وفی الاستحسان یجب ولو قال: ان فعلت کذا فانا احج ففعل یجب علیه اھ (ص ۱۰۷ ج ۳)

وفیه ایضاً: وان علقه بما لم یرده کان زنیت بفلانة مثلاً فحنث وفی نذره او کفر لیمینه اھ (ص ۱۰۵ ج ۳)

قلت: ولا یشترط فی النذر المعلق بشرط لا یرید کونه ان یکون الشرط معصیة بل الشرط لا یرید وقوعه سواء کان معصیة او غیر معصیة۔

قال فی الفتح القدیر: ان المراد بالشرط الذی تجزئ فیه الکفارة الشرط الذی لا یرید کونه مثل دخول الدار وکلام فلان فانه اذا لم یرد کونه یعلم انه لم یرد کون المنذور حیث جعله مانعاً من فعل ذالك الشرط لان تعلیق النذر علی مالا یرید کونه بالضرورة یکون لمنع نفسه عنه اھ (ص ۳۷۶ ج ۴)

اور اگر روزے نہ رکھ سکیں یا رکھنا نہ چاہیں تو کفارۂ یمین بھی کافی ہے یعنی دس مسکینوں کو ہر ایک کو نصف صاع گیہوں دیدینا ایک مسکین کو دس روز تک دو دفعہ پیٹ بھر کر کھانا کھلادینا یا ایک دن میں دس مسکینوں کو دو وقتہ کھانا کھلادینا۔

واللہ اعلم
۱۸؍ صفر ۴۷ھ

نذر غیر معین میں بجائے جانور کے اس کی قیمت ادا کرنے سے نذر ادا ہوگی یا نہیں؟

سوال:۔ نذر غیر معین میں بجائے جانور کے اس کی قیمت فقراء پر صدقہ کرنے سے نذر ادا ہوگی یا نہیں اور بہتر جانور دینا ہے یا اس کی قیمت؟

واللہ اعلم
احقر اطہر علی جامعہ ملیہ
شہر کملا، ضلع تیرہ

الجواب

اگر نذر ذبح حیوان کی تھی تو ذبح ہی واجب ہے تصدق قیمت کافی نہیں اور اگر ذبح کی نیت نہ تھی تو تصدق قیمت بھی کافی ہے۔

واللہ اعلم
۲۳؍ رجب ۴۷ھ

متعدد مساجد میں تراویح پڑھانے کی نذر کا حکم!

سوال:۔ ایک شخص نے یہ کہا کہ میں اگر اس مقام پر رہ گیا تو جتنی یہاں مسجدیں رہیں گی اُن میں حتی الوسع تراویح پڑھاؤنگا بشرطیکہ وہاں کے مصلّیاں سُننے پر راضی ہوں تو صرف ان الفاظ سے نذر منعقد ہوگی یا نہیں؟ کیا نذر کے انعقاد کے لئے لفظ اللہ یا اس کے مثل دوسرا لفظ کہنے کی ضرورت ہے مدلل و مشرح جواب ارسال فرمائیں۔

سائل محمد ایوب اسرادی

الجواب

بیس رکعات سے زیادہ یہ شخص تراویح پڑھا ہی نہیں سکتا پس اگر اس کو نذر مان بھی لیا جائے جب بھی اس کے ذمہ سب مسجدوں میں تراویح پڑھانا لازم نہیں، کیونکہ نذر بلفظِ

تراویح تھی اور تراویح بیس رکعت سے زائد نہیں ہو سکتی اور یہ سب مسجدوں میں تراویح پڑھا ہی نہیں سکتا مگر حقیقت یہ ہے کہ یہ الفاظ نذر کے لئے کافی نہیں ہیں کیونکہ ان میں کوئی لفظ لزوم و التزام کا نہیں ہے نہ لفظ نذر ہے نہ لفظ منت ہے نہ کوئی اور لفظ مفید لزوم ہے۔

واللہ اعلم
۱۲ رمضان ۷۳ھ

ایضاً ایضاً ایضاً ایضاً **سوال**: اگر کسی نے کہا کہ "میں اگر یہاں رہا تو جتنی مسجدیں خالی رہیں گی وہاں تراویح پڑھاؤں گا" صرف ان لفظوں سے نذر منعقد ہوگی یا نہیں۔ کیا انعقاد نذر کے لئے "للہ" یا اس کے مثل دیگر الفاظ کی ضرورت ہے۔ اور لفظ "تراویح" بجائے "للہ" کافی ہے یا نہیں؟ مولانا ثناء اللہ امرتسری نے فتویٰ دیا ہے کہ "تراویح" کا لفظ بجائے "للہ" کافی ہے کیونکہ نماز خود "للہ" ہے۔

السائل:
محمد ایوب حنفی

الجواب

تراویح بیس رکعت سے زائد نہیں لہذا اگر اس کو نذر مان بھی لیا جائے جب بھی یہ شخص اس نذر کی وجہ سے بیس سے زائد تراویح دوسروں کو نہیں پڑھا سکتا کیونکہ وہ تراویح نہ ہوگی بلکہ محض نفل ہوگی اور نذر مقید بالتراویح ہے۔

دوسرے: نذر میں تعیین مکان لغو ہے اگر کوئی نذر کرے کہ میں ہر مسجد میں دو دو رکعت پڑھوں گا اس کے ذمہ ہر مسجد میں پڑھنا لازم نہ ہوگا بلکہ ایک مسجد میں پڑھ لینا کافی ہے۔

قال الشامی: لو عین درهما او فقیراً او مکاناً للتصدق او للصلاۃ فالتعیین لیس بلازم فتح و بحر اھ (ص۱۰۳ ج-۳)

لھذا ان لفظوں سے وہ نذر منعقد نہیں ہوئی جو مولانا عبدالحیؒ رح کی مخلص میں مراد ہے مولانا کی مراد یہ ہے کہ تراویح سے الگ تراویح کے بعد یوں نذر کرے کہ میں اللہ کیلئے اپنے اوپر اتنی رکعات نافلہ لازم کرتا ہوں پھر ان رکعات منذورہ میں دوسرے لوگ بہ نیت تراویح اسکی اقتداء کرلیں، یہ جواب تو اس صورت میں تھا کہ جبکہ ان الفاظ مذکورۂ سوال کو نذر کیلئے کافی مان لیا جائے مگر درحقیقت یہ الفاظ نذر کے واسطے کافی نہیں کیونکہ نذر کی حقیقت التزام قربت غیرلازمہ عرف من جنسھا واجب شرعًا (کشاف اصطلاحات نقلاً عن جامع الرموز والکبیر للرازی وشرح المنهاج فتاویٰ الشافعیہ

اور التزام کیلئے صیغہ دال بر لزوم ہونا چاہئے اور صورت مسؤلہ میں کوئی صیغہ مفید لزوم نہیں ہے۔ اور کسی کا یہ کہنا کہ "تراویح" بجائے "للہ" کافی ہے غلط ہے کیونکہ اس میں لزوم کے معنی نہیں اور جو دلیل بیان کی ہے کہ نماز خود للہ ہے عجیب ہے کیونکہ مقتضا یہ ہے کہ نماز، روزہ، حج وغیرہ کی نذر منعقد ہونے کیلئے صیغہ لزوم کی ضرورت ہی نہ ہو بس جہاں زبان سے اتنا نکلا کہ "میں نماز پڑھونگا، روزہ رکھونگا، حج کرونگا" اسی وقت اس کے ذمہ نذر لازم ہوجائیگی کیونکہ نماز، روزہ، حج وغیرہ للہ ہوتا ہے حالانکہ فقہاء تصریح کرتے ہیں کہ صرف اتنا کہدینا کہ "اصوم کذا، واصلی کذا" نذر منعقد کیلئے کافی نہیں جب تک صیغہ لزوم کا اسکے ساتھ نہ ہو جیسے "للہ علیّ ان اصوم کذا یا علیّ ان اصوم او اصلی کذا" جس سے معلوم ہوا کہ عبادت کا فی نفسہ للہ ہونا کافی نہیں بلکہ صیغہ لزوم کا استعمال ضروری ہے اور لفظ تراویح کو کوئی عاقل مفید لزوم نہیں کہہ سکتا فقط واللہ اعلم

۲۰ رمضان ۴۷ھ

نذر کی ایک صورت کا حکم | **سوال ۵۔** فاطمہ و عبداللہ دونوں حقیقی بھائی بہن ہیں فاطمہ ایک معمولی حیثیت کے یہاں بیاھی ہے اور عبداللہ متمول آدمی ہے اور اکثر بسلسلہ تجارت باہر رہا کرتا ہے اسطرف کئی ماہ سے بعارضہ ضعف قلب بیمار تھا اب گھر آیا ہے تو فاطمہ اسکی بہن اسکو دیکھنے آئی۔ دیکھکر اس نے منت اسطرح مانی کہ "یا اللہ اگر میرا بھائی اچھا ہوجائے

تو میں دس روزے رکھونگی، اور عبداللہ ساٹھ محتاجوں کو کھانا کھلائیگا، فاطمہ چونکہ نادار ہے اس وجہ سے دس روزے کی منت اپنے ذمہ مانی اور ساٹھ محتاجوں کے کھانے کی منت عبداللہ کے ذمہ مانی۔ بغیر اطلاع و اجازت عبداللہ کے پس اگر عبداللہ اچھا ہو گیا تو اطعام مسکین کی منت صحیح ہوگی یا نہیں؟ اگر صحیح ہوگی تو کس کے ذمہ اسکی ادائیگی واجب ہوگی۔

کمترین احمد علی۔ از علی آباد ضلع بارہ بنکی۔

الجواب:۔ صورت مسئولہ میں جب عبداللہ تندرست ہوجائے تو فاطمہ کے ذمہ تو دس روزہ رکھنا لازم ہے لیکن فاطمہ کے کہنے سے عبداللہ کے ذمہ مساکین کو کھلانا واجب نہیں فقط واللہ اعلم

احقر عبدالکریم عفی عنہ	الجواب صحیح
خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون	ظفر احمد عفا عنہ
یکم رجب ۴۸ھ	یکم رجب ۴۸ھ

"فلاں کام کروں تو جنت حرام" کہنے سے یمین نہیں ہوتی

سوال:۔ اگر کوئی کہے کہ "تیرے ہاتھ کی لائی ہوئی چیز اگر کھاؤں تو اس پر جنت حرام ہے" یمین ہوگی یا نہیں؟ مجموعۃ الفتاویٰ سے معلوم ہوتا ہے کہ یمین نہ ہوگی۔

الجواب:۔ فی العالمگیریۃ: ولو قال: حرم اللہ علیہ الجنۃ ان فعل کذا او عذبہ بالنار فشیئ من ھذا لا یکون یمینا (ص ۳۶ ج ۳)

اس سے معلوم ہوا کہ مجموعۃ الفتاویٰ کا جواب صحیح ہے اور اس صورت میں یمین نہ ہوگی۔

واللہ تعالیٰ اعلم

از خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون

۲ر صفر ۴۹ھ

وقد عزمت علی الرحیل الیٰ رنگون بعد غدٍ وفقنی اللہ تعالیٰ للعود الیٰ الخانقاہ باتم سرور و افضل وجہ فایم اللہ انہ لاحب البقاع الیّ بعد بیت اللہ وبیت رسولہ ولکن الحاجۃ اضطرتنی الی السفر البعید جعلہ اللہ سببا للفوز المزید وذریعۃ لرضاء وجہہ الکریم۔

دو میرے لڑکے کو خدا نے صحت دی تو هم اور یہ لڑکا اور آپ تینوں حج کو چلیں گے الخ کہنے سے نذر نہیں ہوتی۔

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے بکر سے کہا کہ میرا یہ لڑکا جو بی۔ اے پاس ہے اور تین سال سے مجنون ہے اگر خدا نے اسے صحت دی تو هم اور یہ لڑکا اور آپ یعنی بکر تینوں حج کو چلیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے لڑکے کو صحت دی، صحت کے بعد اسکی شادی بھی ہوگئی اب زید کا خیال ہے کہ یہ نذر نہیں ہے جو پورا کرنا واجب ہے۔

دریافت طلب یہ ہے کہ یہ منت یعنی نذر کی صورت ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو صرف زید کے واسطے یا تینوں کے واسطے؟

معرفت مولانا محمد شفیع صاحب لکھنوی

الجواب: اگر الفاظ یہی تھے جو سوال میں مذکور ہیں تو نذر منعقد نہیں ہوئی۔

قال الشامی عن الخانیة: قال ان برئت من مرضی هذا ذبحت شاة فبرئ لایلزمه شئ الا ان یقول فللّٰہ علیّ ان اذبح شاة اھ وھی عبارة متن الدرر وعللها فی شرحه بقوله لان اللزوم لایکون الا بالنذر والدال علیه الثانی لا الاول اھ فافاد ان عدم الصحة لکون الصیغة المذکورة لاتدل علی النذر ای لان قوله ذبحت شاة وعد لکن فی البزازیة: ان عوفیت صمت کذا لم یجب مالم یقل للّٰہ علی وفی الاستحسان یجب ولو قال: ان فعلت کذا فانا احج ففعل یجب علیه الحج (ص ۱۰۰ ج ۳)۔ ای لما علم ان المواعید باکتساء صور التعلیق تکون لازمة فان قوله انا احج لایلزم به شئ ولو علق وقال: ان دخلت الدار فانا احج یلزمه الحج اھ

(ص ۳۸۳ ج ۲ شامی)

قلت: وهذا استحسان مبناه ما علم من عرف ذالك الزمان من ارادة الایجاب بمجرد التعلیق والا فالاصل عدم الایجاب بدون الصیغة الموضوعة له والتعلیق لیس للایجاب وضعًا فالظاهر عدم انقضاء النذر فی الصورة المسئول عنها لکون قوله ظاهرًا فی الوعد دون النذر لکون المعلق فعله وفعل غیره وابنه وما هکذا یکون الا یجاب عرفًا وانما

الایجاب فی مثل قولہ ان فعلت کذا فانا احج اذا جعل الحج مانعاً من الفعل او فی مثل قولہ ان عوفیت صمت کذا اذا کان الجزاء مطلوباً و لکنہ فعل القائل او وصفہ واما وھو فعلہ و فعل غیرہ فالظاھر عدم تعارف النذر بمثل ھذا التعلیق۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۲۳، رمضان ۵۷ھ

کتاب اللقطة واللقیط

کیا تعریف کے بعد تصدق لقطہ تملیکاً ضروری ہے یا بدون تملیک بھی جائز ہے۔

سوال :۔ مال لقطہ کے تبدل کے بارہ میں ایک مسئلہ کی سخت ضرورت ہے ازروئے مہربانی بحوالہ کتب ارشاد فرمادیں۔ ایک شخص کے پاس مال لقطہ کا بہت سارو پیہ ہے اور لقطہ کی تعریف باقاعدہ ہوچکی ہے اب وہ چاہتا ہے کہ اس روپیہ سے ایک غریب مفتی عالم کو چند کتب معتبرہ فقہی خرید کر دیدے آیا یہ جائز ہے یا نہیں؟ شرح وقایہ میں مرقوم ہے "و یتصدق بھا فقیراً"۔ اب اس تصدق میں تبدل کرنا جائز ہے یا نہیں؟ حضور تصدق میں تملیک متصدق علیہ صرف رکن ہے کیا یہاں تملیک نہیں پائی جاتی ہے حضور مال زکوٰۃ میں عند الفقہاء تبدل جائز ہے یعنی زکوٰۃ کے روپیہ سے اگر مسکین کو غلہ یا کپڑا خرید کر کے دیدے تو جائز ہے کیونکہ تملیک تو موجود ہے پس مالِ لقطہ میں یہ کیوں جائز نہ ہوگا۔ خیر اگر تبدل جائز نہ ہو تو اسطرح یہ کہ ایک غریب کو دیدے۔ وہ مفتی کو دیدے یہ حیلہ کرنے سے کیا وہ ملتقط گناہگار ہوگا یا نہیں؟ حضور صاف طور سے لکھیں۔ اس مسئلہ میں علماء دیار حیران ہیں با تحقیق بحوالہ کتب ازروئے مہربانی جلد تحریر فرمائیں۔

عرضگذار محمد عبد المجید غفرلہ ہیڈ مولوی دولت خان
ہائی اسکول بریسال

الجواب :۔ لقطہ کے بارہ میں فقہاء کے اقوال سے اتنا تو ثابت ہے کہ غنی پر اس کا تصدق واجب ہے لیکن آیا اس کا یہ مطلب ہے کہ لقطہ کا حکم وقت تصدق صدقہ

واجبہ کا ہے (حتی یجب فیه التملیك کالصدقات الواجبة) یا مطلب یہ ہے کہ صرف تصدق واجب ہے اور صدقات واجبہ کے مثل نہیں ہے کما اذا اجمع مالاً من کسب حرام فیجب علیه التصدق به ولا یکون کالصدقة الواجبة حتی یبرأ ذمته بالتصدق علی ابنه الکبیر الفقیر۔ احقر اب تک اسکو مثل صدقات واجبہ کے لازم التملیک سمجھتا تھا اور حضرت حکیم الامت واجب التصدق سمجھتے ہیں صدقہ واجبہ نہیں سمجھتے اور ابتک کسی جزئیہ صریحہ سے یہ اختلاف مرتفع نہیں ہوا البتہ رجحان قول حضرت حکیم الامت کو معلوم ہوتا ہے وجداناً۔ بعد میں جزئیہ مل گیا کہ اس میں دونوں قول ہیں مگر مشہور تملیک فقیر ھے رہا یہ کہ اس میں تبدل جائز ہے یا نہیں؟ سو بظاہر لقطہ کا حکم امانت کا حکم ہے اور امانت میں اداء عین واجب ھے اسلئے جب تک عین قائم ہو اسی کو تصدق کیا جائے اگر غلطی سے ہلاک کیا جائے تو پھر تصدق قیمت سے بھی ذمہ بری ہو جائیگا و بہ افترق عن الزکاة۔ پس یہی رقم مفتی کو دیدی جائے یا حیلہ کرکے دیدی جائے۔ واللہ اعلم

از تھانہ بھون خانقاہ اشرفیہ

تتمة الجواب

قال: فی الدر فی مصارف بیوت المال: مانصه ورابعها الضوائع مثل مالا یکون له اناس وارثوا الی ان قال ورابعها فمصرفه جهات تساوی النفع فیها المسلمون اھ

قال الشامی: قوله الضوائع جمع ضائعة ای اللقطات وقوله مثل مالا الخ ای مثل ترکة لاوارث لها اصلاً او لها وارث لایرد علیه کاحد الزوجین الخ وقوله ورابعها فمصرفه جهات الخ موافق لما نقله ابن الضیاء فی شرح الغزنویة عن البزدوی من انه یصرف الی المرضٰی والزمنی واللقیط و عمارة القناطیر والرباطات والثغور والمساجد وما اشبه ذلك اھ ولکنه مخالف لما فی الهدایة والزیلعی افاده الشرنبلالی ای فان الذی فی الهدایة وعامة الکتب ان الذی یصرف فی مصالح المسلمین هو الثالث کما مر واما الرابع فمصرفه المشهور هو اللقیط الفقیر والفقراء الذین لااولیاء لهم فتعطی منه نفقتهم وادویتهم وکفنهم۔ وعقل

جنا بتھم کما فی الزیلعی وغیرہ۔ وحاصلہ ان مصرفہ العاجزون الفقراء فلو ذکر الناظم الرابع مکان الثالث ثم قال: وثالثھا حواہ عاجز وتا ورابعھا فمصرفہ الخ یوافق ما فی عامۃ الکتب اھ (ص۹۳ ج ۳)

وفی الھدایۃ: ولا یتصدق باللقطۃ علی غنی لان المامور بہ ھو التصدق لقولہ علیہ السلام فان لم یأت یعنی صاحبھا فلیتصدق بہ والصدقۃ لا یکون علی غنی فاشبہ الصدقۃ المفروضۃ اھ (ص ۵۹۳ ج ۲) وھذا یفید قوۃ ما اجبت بہ من اشتراط التملیک فیہ۔ واللہ اعلم

۲۲ رجب ۴۶ھ

کتاب الوقف

مالِ وقف سے ملازم کو اسکی اجرت سے زیادہ دینا

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ موقوفہ زمین پر مسجد اور مدرسہ قائم کیا اور مسجد کی خدمت کیلئے دو شخص امام اور مؤذن مالِ موقوفہ سے مقرر کئے ہیں اور مدرسہ میں چند مدرس پڑھانے کیلئے معین کئے۔ مگر جس دن صاحبانِ مذکور غیر حاضر رہتے ہیں اس دن کی تنخواہ متولی مالِ موقوفہ سے دے سکتا ہے یا نہ؟ بینوا توجروا۔

الجواب:۔ جس دن مؤذن اور امام غیر حاضر ہوں اور غیر حاضری بلا عذر کے ہو اس دن کی تنخواہ کے وہ مستحق نہیں ہیں، البتہ اگر کسی کو نائب کردیں تو پھر اجرت کے مستحق ہونگے۔ یا غیر حاضری سال بھر میں ایک ہفتہ سے زیادہ نہ ہو تب بھی مستحق ہونگے۔ اور اگر غیر حاضری کیلئے متولی نے کوئی قاعدہ تجویز کر رکھا ہو تو اس قاعدہ کے موافق عمل ہوگا۔

قال فی الشامیۃ (ص ۶۳۱ ج ۳): وفی القنیۃ من باب الامامۃ: امام یترک الامامۃ لزیارۃ اقربائہ فی الرساتیق اسبوعًا او نحوہ او لمصیبۃ او لاستراحۃ لا باس بہ ومثلہ عفو فی العادۃ والشرع اھ

وقد ذکر فی الاشباہ فی قاعدۃ العادۃ محکمۃ عبارۃ القنیۃ ھذہ وحملھا علی انہ یسامح اسبوعاً فی کل شھر واعترضہ بعض محشیہ بان قولہ فی کل شھر

لیس فی عبارۃ القنیۃ ما یدل علیہ۔

قلت: والاظھر ما فی آخر شرح منیۃ المصلی للحلبی ان الظاھر ان المراد فی کل سنۃ اھ

قال الطرطوسی: ومقتضاہ ان المدرس ونحوہ اذا اصابہ عذر من مرض او حج بحیث لا یمکنہ المباشرۃ لا یستحق المعلوم لانہ اراد الحکم فی المعلوم علی نفس المباشرۃ فان وجدت استحق المعلوم والا فلا وھذا ھو الفقہ اھ ملخصًا۔

قلت: ولا ینافی ھذا ما مر من المسامحۃ باسبوع ونحوہ لان القلیل مغتفر کما سومح بالبطالۃ المعتادۃ علی ما مر بیانہ فی محلہ اھ

قال الخیر الرملی: وکل ھذا اذا لم ینصب نائبًا عنہ والا فلیس لغیرہ اخذ وظیفۃ اھ۔ واللہ اعلم

۲۱ محرم ۱۳۴۰ھ

سوال: کیا وقف کے مال سے متولی کسی شخص کو بخشش کر سکتا ہے یا نہیں؟ بینوا بالبینۃ وبالدلیل توجروا بالاجر الجزیل مع حوالۃ	متولی کے مالِ وقف سے بخشش دینے کا حکم

الکتب الفقہیۃ لکن لنا کالبدھیۃ۔

الجواب: متولی کو مالِ وقف سے بخشش دینا ان لوگوں کو جائز ہے جو اس وقف کے ملازم اور مستحق ہیں بشرطیکہ اس نیت سے ہو کہ یہ لوگ وقف کا کام اچھی طرح کریں گے۔ متولی کسی اپنی غرض سے بارعایت اور لحاظ سے نہ دیتا ہو۔ نیز یہ بھی شرط ہے کہ وہ بخشش اس قدر ہو جس قدر عام طور پر کام لینے والے کام کرنے والوں کو دیدیا کرتے ہیں اس سے زیادہ نہ ہو۔

تجوز الزیادۃ من القاضی علی معلوم الامام اذا کان لا یکفیہ وکان عالمًا تقیاً الخ

قلت: ویؤیدہ ما فی البحر من جواز اخذ الامام فاضل الشمع فی رمضان اذا جرت بہ العادۃ الخ۔ واللہ اعلم

۲۱ محرم ۱۳۴۰ھ

وقف علی الاولاد کی ایک صورت	**سوال :** وقف کے متعلق تین سوالات دریافت طلب ہیں ان مسائل کا جواب بالتفصیل بحوالہ کتب تحریر فرماکر عنداللہ ماجور ہوں۔

سوال اول یہ کہ علاوہ مساجد وخانقاہ ودیگر کار خیر کے اپنی اولاد کیلئے جائیداد کا وقف کرنا جائز ہے یا نہیں؟

اگر زید نے اپنی کل جائیداد اسطرح وقف کردی ہو کہ

(۱) اسکی کل جائیداد موقوفہ کا متولی بڑا بیٹا ہوگا اور بعد وفات بڑے بیٹے کے بڑے بیٹے کا بڑا بیٹا متولی ہوگا علی ھذا القیاس اور جب بڑے بیٹے کی نسل منقطع ہوجائیگی تب جائیداد کی تولیت اسکے بعد جو بڑا بیٹا ہوگا اسکے خاندان میں منتقل ہوجائیگی تو تولیت بڑے لڑکے کے چھوٹے بھائیوں اور بہنوں کو جائیداد سے کوئی سروکار نہوگا۔

(۲) جائیداد کی کل آمدنی متولی اپنے ذاتی تصرف میں لائے اور جس طرح چاہے خرچ کرے کسی کو اس سے محاسبہ کا حق نہوگا جائیداد موقوفہ کی صرف ایک ربع آمدنی مرمت مساجد وامداد فقراء کیلئے ہے۔

اس پر یہاں سے سوال کیا گیا

اور دوسری اولاد کہاں گئی اس سوال کے جواب کے بعد دوسرے سوالات کا جواب دونگا۔

اسکا یہ جواب آیا

حضور کے اس سوال کا جواب کہ اور دوسری اولاد کہاں گئی مفصلہ ذیل میں ہے۔

زید کو انتقال کئے ہوئے قریب ڈھائی سال ہوگئے انتقال کے وقت زید نے دو لڑکے اور تین لڑکیاں چھوڑیں۔ بڑا لڑکا جائیداد کا متولی ہے دوسرا لڑکا اپنے والد کی حیات ہی سے نوکری کرتاہے اور اب ایک سال سے اپنے سسرال میں رہتا ہے لڑکیوں میں سے دو کی شادی ہوچکی کئی سال ہوگئے اسلئے وہ اپنے اپنے شوہروں کے یہاں رہتی ہیں سب سے چھوٹی لڑکی ہنوز ناکدخدا ہے اور وہ اپنے بڑے بھائی یعنی متولی صاحب کے یہاں رہتی ہے اب بڑے بھائی صاحب کی مہربانی پر موقوف ہے کہ جسطرح اس کا سامان کردیں، سوائے اس لڑکی کے بقیہ بھائی اور دو شادی شدہ بہنوں کو جائیداد موقوفہ سے نفع نہیں پہونچتا ہے اور نہ از روئے وقف نامہ انکو کوئی دعویٰ کرنیکا حق معلوم ہوتا ہے۔ زید نے اپنی وفات سے ایک سال قبل اپنی

جائیداد وقف کی اور بنک میں کچھ نقد روپیہ جمع تھا اس سے اپنی اوقات گذاری کرتا تھا بعد مرنے زید کے جو کچھ روپیہ بنک سے نکلا سب ورثاء نے حسب حصہ شرعی تقسیم کر لیا لیکن جائیداد چونکہ حسب شرائط مندرجہ سوالات وقف ہے اسلئے ورثاء خاموش ہیں۔

(۳) جائیداد کی آمدنی صرف خرچ کرنیکا حق ہوگا ورنہ کسی متولی کو مکفول محبوس یا دین یا بیع کرنیکا حق نہ ہوگا۔

سوال دویم۔ اگر زید نے وقف مذکورہ بالا میں یہ شرط لگائی ہو کہ جب خاندانِ زید میں کوئی باقی نہ رہے اور سلسلۂ نسل منقطع ہو جائے تو اسکے بھائی کے خاندان میں جائیداد منتقل ہو جائے اور جب بھائی کے خاندان میں کوئی نہ رہے تو زید کی بہن کے خاندان میں جائیداد موقوفہ کی تولیت منتقل ہو جائے اور تولیت میں جائیداد موقوفہ کی ذکور کو اناث پر قریب کو بعید پر بڑے کو چھوٹے پر ہمیشہ ترجیح ہوگی اور اگر خاندانِ زید برادر زید وہمشیرہ زید ہر سہ میں کوئی فرد باقی نہ رہے تو عام مسلمان جائیداد موقوفہ کا انتظام کریں اور آمدنی اسکی کار خیر میں صرف کیا کریں۔ کیا یہ شرائط درست ہیں؟

سوال سویم۔ اگر زید نے اپنی بیوی کا دین مہر نہ ادا کیا ہو اور اپنی کل جائیداد اسطرح وقف کر دی ہو تو وقف جائز ہے یا نہیں؟

تتمہ۔ مندرجہ بالا ہر سوالات میں زید حنفی المذہب ہے

پھر یہاں سے یہ سوال کیا گیا۔

واقف نے ایک ربع آمدنی تو فقراء کیلئے وقف کی ہے باقی تین ربع جو وقف علی الاولاد ھے اسمیں یہ تصریح ھے یا نہیں کہ اگر نسل بالکل منقطع ہو جائے تو سب مساکین کیلئے وقف ہے اس کا جواب ضروری ہے اور بہتر یہ ہے کہ وقف نامہ یا اسکی نقل یہاں بھیجدی جائے۔ اور یہ سوالات بھی واپس آئیں۔

اسکا یہ جواب آیا۔

حضور نے یہ دریافت فرمایا ہے کہ ایک ربع آمدنی تو فقراء کیلئے وقف کی ہے باقی تین ربع جو وقف علی الاولاد ہے اسمیں یہ تصریح ہے یا نہیں؟ کہ اگر نسل بالکل منقطع ہو جائے تو سب مساکین کیلئے وقف ھے اسکے جواب میں یہ عرض ھے کہ بے شک یہ تصریح ھے کہ جب نسل زید، برادر زید، وہمشیرہ زید میں سے کوئی نہ رہے اور نسل بالکل منقطع

ہوجائے تو کل جائیداد بلا استثناء غرباء و مساکین کے مصرف میں خرچ ہو اور اس وقت کل جائیداد مساکین کیلئے وقف ہے لیکن جب تک کہ زید برادر زید و ہمشیرہ زید کے خاندان میں کوئی شخص بھی باقی ہے ذکور ہو یا اناث اس وقت صرف ایک ربع آمدنی غرباء و دیگر کار خیر کیلئے وقف ہے سوال دوئم کے آخر میں، میں نے اس سوال کا جواب قبل ہی احتیاطاً لکھدیا ہے سوال دوئم کے زیر تحریر عبارت ملاحظہ فرمائیں۔

"میں وقف نامہ یا اسکی نقل ضرور روانہ کرتا، لیکن چونکہ وقف نامہ ثبوت میں داخل عدالت ہے اسلئے مجبور ہوں دو مہینہ سے قبل وقف نامہ ملنے کی امید نہیں میں نے وقف نامہ کو پانچ چھ مرتبہ بخوبی پڑھا ہے اسمیں کوئی اور خاص شرط نہیں اگر یہ جواب جو کہ میں بھیج رہا ہوں قابل تشفی نہ ہو اور کوئی نئی شق معلوم ہو تو کل سوالات وجوابات واپس فرمائیں انشاء اللہ جب وقف نامہ واپس ہوگا معہ سوالات روانہ خدمت کرونگا فقط۔

میں فتوی پر عدالتی دستخط نہیں چاہتا اور نہ عدالتاً مجھے اس فتوی سے فائدہ اٹھانا ہے اتباع شرع کی کوشش کر رہا ہوں حق العباد مجھ پر یا واقف مرحوم پر نہ رہے۔

الجواب

(ا) وقف علی الاولاد جائز ہے۔

قال فی الشامیة ناقلاً عن الخانیة: وقف ضیعة نصفها علی امرأته ونصفها علی ولده زید علی انه ان ماتت المرأة فنصیبها علی اولاده ثم ماتت المرأة فالنصف لابنه زید ونصیب المرأة لسائر الاولاد ولزید اھ (ص ۲۴۳ ج ۳)

صورت مسئولہ میں زید کا بڑے بیٹے کو متولی بنانا صحیح ہے مگر دوسری اولاد کو منافع جائیداد سے محروم کردینا اور ساری آمدنی میں تصرف کرنیکا حق متولی کو دیدینا یہ شرط ناجائز ہے متولی کو لازم ہے کہ تمام اولاد ذکور و اناث کو حصہ شرعی کے موافق آمدنی تقسیم کرکے دیتا رہے۔

قال فی الشامیة ناقلاً عن الفتح: فان شرائط الواقف معتبرة مالم تخالف الشرع وهو مالك فله ان یجعل ماله حیث شاء مالم یکن معصیة اھ (ص ۵۵۸ ج ۳)

قلت: ولا یخفی ان شرط التصرف لولده الکبیر فی جمیع المال وجعل سائر الاولاد محرومین منه شرط مخالف للشرع فلا یصح تامل! — نعم لو وقف علی احد ولده معیناً ولم یقف علی غیره صح الوقف ولم یبق فیه حق لغیره وههنا لم یقف

على الولد الكبير بل شرط له التولية وجعل له التصرف فى كل المال فهو الشرط فى الوقف فلا يصح لكونه معصية ۔ و الله اعلم

پس جائیداد مذکورہ کا ایک ربع مساجد و مساکین کیلئے جدا کرکے باقی آمدنی زید کی تمام اولاد پر اور زوجہ وغیرہ وارثان شرعی پر موافق حصہ شرعی تقسیم ہونی چاہئے۔

(۲) زید نے تولیت کیلئے جو شرائط مقرر کی ہیں وہ سب معتبر ہیں مگر متولی کیلئے ساری آمدنی میں حق تصرف دینا اور بقیہ ورثاء کو محروم کردینا یہ شرط باطل ہے۔

(۳) اگر دین مہر بیوی کا ادا نہ کیا ہو تو وقف تو صحیح ہوگیا مگر آمدنی وقف میں سے بیوی کا مہر ادا کرنا متولی کے ذمہ لازم ہے بیوی متولی سے مطالبہ کرے۔

قال فى الدر عن الوهبانيه: فان مات عن عين تفى (للدين) لا يغير (الوقف) اى و الا فيبطل او للغلة يمهل و نقل فيه عن ابى السعود بان الوقف لا يصح و لا يلزم بمقدار ما شغل بالدين اھ (ص۱۱۲ ج-۳) ملخصاً

و الله اعلم

حررہ ظفر احمد عفا عنہ
ربیع الثانی ۴۰ھ

السلام علیکم۔ جواب مرسل ہے خلاصہ یہ ہے کہ جب وقف سب اولاد پر ہے تو یہ شرط لگانا کہ بڑا بیٹا کل آمدنی اپنے ذاتی تصرف میں لائے ناجائز ہے۔

اشرف علی

(نوٹ) ہم نے سوال سے یہ سمجھا ہے کہ جائیدادِ وقف تو اولاد پر ہے لیکن صرف حق تولیت بڑے بیٹے کو دیا گیا ھے پس یہ جواب اسی صورت پر ھے اور اگر سب اولاد پر وقف نہیں بلکہ صرف بڑے بیٹے پر وقف ھے اور اسی طرح آئندہ نسل میں جو بڑا ہو اسپر وقف ہے تو اس صورت میں یہ جواب نہ ہوگا اگر یہ صورت ہو تو اسکی تصریح لکھکر سوالات مع اس جواب کے پھر واپس کئے جائیں۔ والسلام۔

اپنی کل جائیداد وقف کردینے کا حکم اور مرض وفات میں وقف کرنے کا حکم

سوال: اگر کوئی شخص لاولد اپنی حالتِ صحت میں اپنی جائیداد کو بذریعہ دستاویز جس میں یہ مضمون ہو کہ میں نے اپنی جائیداد کو اسطرح وقف کردی کہ ایک حصہ مسجد

کے نام وقف کردیا اور ایک حصہ بغرض ایصال ثواب کے وقف کرکے اس کا فلاں شخص کو متولی بنادیا وقف کردے تب بعد وفاتِ واقف کے وراثت جاری ہوگی یا نہیں اور خرچ تجہیز متوفی کہاں سے کیا جائیگا؟

اور اگر کوئی شخص مرض الموت میں حسب مضمون بالا دستاویز لکھدے یا وصیت کردے اور وصیت یہ ہو کہ میری جائیداد اس طرح پر وقف کردی جائے کہ ایک حصہ مسجدِ محلہ کے نام کردیا جائے اور ایک حصہ کی آمدنی میرے ایصالِ ثواب میں صرف کی جائے اور اس کا فلاں متولی رہے اس صورت میں کل جائیداد میں وراثت جاری ہوگی یا تہائی میں؟ اور خرچ متوفی کس کے ذمہ رہے گا یعنی ثلث حصہ پانے والے کے ذمہ یا دوسرے دو ثلث میں؟ بینوا توجروا۔

السائل۔ پیرجی ظفر صاحب گنگوہی۔

الجواب:۔ جس شخص لاولد نے بحالتِ صحت اپنی جائیداد کو حسبِ مضمون دستاویز مذکور سوال وقف کردیا ہے اور جو حصہ مسجد کیلئے وقف کیا ہے اس میں یہ بھی لکھدیا ہے کہ اگر مسجد نہ رہے تو اسکی آمدنی غرباء و مساکین کو دی جائے تو یہ وقف صحیح ہوگیا اب اس میں وراثت جاری نہ ہوگی اور تجہیز و تکفین واقف کی اس زمین کی آمدنی سے جائز نہیں ہے بلکہ اگر اسکی اور کوئی چیز اسباب و متاع و مکان مسکونہ کی قسم سے ہو تو اس میں سے تجہیز و تکفین کی جائے اور اگر اس کے ترکہ میں کچھ بھی نہ ہو تو عام مسلمانوں سے چندہ کیا جائے۔

اور دوسری صورت میں یعنی جبکہ دستاویز وقف مرض الموت میں لکھی ہو اس کا حکم یہ ہے کہ اگر اس نے زبانی وقف حالتِ صحت میں کردیا تھا صرف دستاویز کا لکھنا مرض الموت میں ہوا اور حالتِ صحت میں وقف کرنیکے گواہ بھی دو آدمی کم از کم ہیں تب بھی یہ وقف صحیح ہوگیا بشرطیکہ اس نے یہ بھی کہدیا ہو کہ اگر مسجد نہ رہے تو آمدنی مساکین کو دی جائے اور وراثت جاری نہ ہوگی اور اگر زبانی وقف حالتِ صحت میں بالکل نہیں کیا بلکہ مرض الموت ہی میں زبانی وقف بھی کیا یا صحت میں وقف کرنیکا مریض مدعی ہے مگر گواہ نہیں ہیں اور ورثاء بھی تسلیم نہیں کرتے تو اسی صورت میں یہ وقف ثلث مال میں جاری ہوگا بشرطیکہ یہ بھی کہدیا ہو کہ اگر مسجد نہ رہے تو مسجد کے حصہ کی آمدنی مساکین کو دی جائے۔

اور تیسری صورت میں جبکہ مریض نے مرض الموت میں محض وصیت کی ہو کہ میرے بعد میں جائیداد کو اسطرح وقف کردیا جائے اس صورت میں بھی یہ وصیت ثلث مال میں جاری ہوگی البتہ اگر ورثاء راضی ہوجائیں تو کل میں بھی جائز ہوجائیگی۔ واللہ اعلم [1]

۱۰ر شوال ۴۰ھ

[1] تفصیل ملاحظہ ہو۔ شامی ص ۲۹۷ ج ۳ مطبع کوئٹہ، فتح القدیر: ج ۵ ص ۴۲۳۔ ایضاً تاتارخانیہ: ج ۵ ص ۶۰۹

اگر حالتِ مرض میں ثلث سے زائد مال وقف کردیا اور بعد میں تندرست ہوگیا تو وقف صحیح ہے

سوال: اڑہائی سو بیگہ میرے پاس زمین ہے اولاد ذکور میری نہیں دو لڑکیاں اور ایک بیوی سردست وارث ہیں۔ جائیداد وقف کرنے کا بہت بڑا ثواب ہے۔ یہ سنکر میں نے ایک سو ستر بیگہ اراضی خدا کے نام وقف کردیا ہے وقف کرنے کے بعد یہاں کے لوگ کہنے لگے کہ اسقدر جائیداد وقف کرنا جائز نہیں۔ تم سخت گناھگار ہوگئے، تم نے ورثاء کی حق تلفی کی، تیسرے حصہ سے زیادہ وقف اور ہبہ جائز نہیں باین وجہ میں نے اس اطراف کے عالموں سے فتویٰ کرایا ہے یہاں کے عالموں نے بھی فتویٰ دیا کہ تیسرے حصہ سے زیادہ جائیداد وقف کرنا جائز نہیں ہے وقف کو توڑ دینا چاہئے فتویٰ بھی ارسال خدمت ہے ملاحظہ فرما کر جواب عنایت فرمائیں۔ آپ کے جواب سے تسکین ہو جائیگی۔

سائل۔ یوسف منڈل از موضع لاڈ بھانگا

پوسٹ بارہ گھریہ ضلع مالدہ۔

الجواب:۔ قال فی العالمگیریۃ: وان نجز الوقف فی المرض فھو بمنزلۃ المعلق بالموت فیما ذکرہ الطحاوی والصحیح انہ بمنزلۃ المنجز فی الصحۃ عند ابی حنیفۃؒ فلا یلزم وعندھما یلزم من الثلث کذا فی التبیین۔ واذا کان الملک یزول عندھما یزول بالقول عند ابی یوسفؒ وھو قول الائمۃ الثلاثۃ وھو قول اکثر اھل العلم وعلی ھذا مشائخ بلخ۔ وفی المنیۃ: وعلیہ الفتویٰ کذا فی الفتح وعلیہ الفتویٰ کذا فی السراج الوھاج وقال محمد: لا یزول حتی یجعل للوقف ولیا ویسلمہ الیہ وعلیہ الفتویٰ کذا فی السراجیۃ وبقول محمد یفتی کذا فی الخلاصۃ فصح عند ابی یوسفؒ وقف المشاع خلافاً لمحمدؒ اھ (ص ۱۹۸ ج ۳)

وفیہ ایضاً: وقف المشاع المحتمل للقسمۃ لا یجوز عند محمدؒ وبہ اخذ مشائخ بخارا وعلیہ الفتویٰ کذا فی السراجیۃ والمتاخرون افتوا بقول ابی یوسفؒ انہ یجوز وھو المختار کذا فی خزانۃ المفتین اھ۔

وفی احکام الاوقاف للخصاف: فان وقف ارضاً لہ فی مرضہ .... علی المساکین ثم برأ وصح ثم توفی بعد ذالک قال: ھذا قد صار وقفاً فی الصحۃ لما برأ من مرضہ ذالک اھ (ص ۲۶۴)۔

صورتِ مسئولہ میں یہ وقف بتمامہ صحیح ہوگیا ثلث مال تک محدود نہیں کیونکہ ثلث مال یہ

وقف مریض اس وقت موقوف ہوتا ہے جبکہ اس مرض میں واقف مرجائے اور جب اس مرض سے صحت ہوگئی تو یہ وقف مثل وقف صحت کے کل مال میں صحیح ہوگا [1]

رہا یہ کہ اتنی جائیداد کے وقف کرنے سے ورثاء کے محروم کرنے کا گناہ ہوگا یا نہیں؟ اسکے متعلق یہ تفصیل ھے کہ جتنی زمین واقف نے اپنے ورثاء کیلئے چھوڑی ہے وہ اگر انکے لئے کافی ہے تب تو کچھ گناہ نہیں اور اگر کافی نہیں تو واقف کو چاہئے کہ اپنی آمدنی میں سے ورثاء کی امداد کرتا رہے اور جو زمین اس نے اپنے واسطے رکھی ہے آئندہ اسکو وقف نہ کرے بلکہ ورثاء کیلئے چھوڑ جائے۔ واللہ اعلم۔

۲، رجمادی الثانیہ ۱۳۸۱ھ

موروثی زمین وقف کرنے کا حکم

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید ایسی اراضی خرید کر وقف کرنا چاہتا ہے جو کہ کاشتکار دخیلکار کے قبضہ میں ہے اور بکر عرصہ دراز سے اس اراضی کا دخیلکار کاشتکار ہے زید کا نام ترتیباً کاغذات سرکاری میں بخانہ مالک درج ہوسکتا ہے اور کاشتکار سے لگان مجوزہ عدالت پانے کا مستحق ھے لیکن اراضی پر کسی قسم کا قبضہ زید کا نہیں ہوسکتا پس اگر زید ایسی اراضی دخیلکاری کو خرید کر مسجد کے نام وقف کردے تو یہ وقف شرعاً صحیح ہوسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: قال فی العالمگیریة:۔ بعد بیان شرائط الوقف مانصه واما عدم تعلق حق الغیر کالرھن والاجارة فلیس بشرط فلو آجر ارضا عامین ثم وقفها قبل مضیها لزم الوقف بشرطه ولا یبطل عقد الاجارة فاذا انقضت المدة رجعت الارض الی ماجعلها له من الجهات وکذا لو رھن ارضه ثم وقفه قبل ان یفتکه لزم الوقف ولا یخرج عن الرھن بذالك اھ (ص ۱۹۹ ج ۳)۔

وفی تنقیح الفتاوی الحامدیة: سئل فیما اذا کان لزید مشد مسکة فی ارض وقف سیخة ومات عن ابن وفوض المتولی المشد المزبور له علی وجه الاحقیة من الغیر فهل یکون ذالك واقعاً موقعه الشرعی؟ —— الجواب: نعم اھ (ص ۲۰۵ ج ۲)

صورت مسئولہ میں زید ایسی اراضی کو خرید کر وقف کرسکتا ہے جو بکر کی کاشتکاری و دخیلکاری میں ہے اور یہ وقف صحیح ولازم ہوجائیگا اور زمین مذکور کا لگان مصالح وقف میں صرف کیا جائیگا۔ اور بکر دخیلکار کو واجب ہے کہ زمین وقف کا لگان پورا کردے یعنی جو لگان عرفاً اس زمین کا ہونا چاہئے وہ ادا کرے حق دخیلکاری کی وجہ سے اگر لگان کم ادا کردے گا تو

[1] سوال میں واقف کے مریض ہونے کا ذکر نہیں۔ اور جواب وقفِ مریض کا ہے۔ تاہم حالتِ صحت میں مذکورہ وقف بلاشبہ درست ہے۔

عنداللہ ماخوذ وگناھگار ہوگا۔ واللہ اعلم۔

۱۸ ر رجب ۱۳۴۱ھ

مقروض شخص کے وقف کا حکم | **سوال:** کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید پر بار قرض کثیر تھا اور جائیداد سکنائی وصحرائی اس کے پاس کم مالیت کی تھی اور وہی اسکی معاش تھی قرضہ ادا کرنیکی قدرت نہ رکھتا تھا اس نے قرضہ مارنے کی نیت سے اپنی جائیداد کو وقف علی الاولاد لکھدیا اور اب اس وقت قرضہ دین مہر ڈگری شدہ ھے تو کیا۔

(۱) ایسا وقف شرعاً صحیح وجائز ھے؟

(۲) جائیداد بغرض ادائیگی قرضہ فروخت ہوسکتی ہے

سائل۔ سید واجد علی ولد سید عباس علی۔ محلہ مغل پورہ حصہ اول متصل مکان مولوی نور الحسن صاحب ممبر۔

الجواب

(۱) صورتِ مسئولہ میں وقف صحیح ہوگیا۔

(۲) اب اسکو بغرضِ ادائیگی قرضہ کے فروخت نہیں کرسکتے۔

قال فی الدر: وبطل وقف راھن معسر ومریض مدیون بمحیط بخلاف صحیح لوقبل الحجر اھ

قال الشامی: قولہ بخلاف صحیح ای وقف مدیون صحیح فانہ یصح ولو قصد بہ المماطلۃ لانہ صادف ملکہ کما فی انفع الوسائل عن الذخیرۃ۔ قال فی الفتح وھو لازم لاینقضہ ارباب الدیون اذا کان قبل الحجر بالاتفاق لانہ لم یتعلق حقھم بالعین فی حالۃ صحتہ اھ وبہ افتی فی الخیریۃ من البیوع وذکر انہ افتی بہ ابن نجیم وسیاتی فیہ کلام عن المعروضات اھ (ص ۶۱۱ ج ۳)

قلت: والکلام الذی یأتی عن المعروضات ردہ الشارح بانہ خلاف المنقول الصریح الا ان یخصص بالمدیون المریض (ص ۶۱۲ ج ۳) وبعد ذالک فلا یلتفت الیہ۔ واللہ اعلم۔

رہا یہ امر کہ اس وقف کی آمدنی سے بھی قرضہ وصول کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟ سو اس کا فیصلہ وقف نامہ کی عبارت دیکھ کر ہو سکتا ہے اس کے بغیر نہیں ہو سکتا اگر وقف نامہ کی نقل بھیجی جائے تو اس کے ساتھ یہ سوال و جواب بھی واپس کیا جائے۔ واللہ اعلم۔

۷ رجب ۴۲ھ

اس وقفِ قدیم کا حکم جس کے وقف ہونیکا ثبوت موجود نہ ہو۔

سوال :۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم حامداً و مصلیاً کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک مسجد ہے جسکی مدت نہ معلوم ہے یعنی بہت عرصہ کی پرانی مسجد ہے اور ہمیشہ سے مسلمان قابض ہیں اور اس مسجد کے متعلق کچھ زمین ہے جو مسلمانوں نے اس کو عیدگاہ قرار دے رکھا ہے اس وقت سے جب سے مسجد بنی تب سے عیدگاہ قرار دیا گیا اور ہمیشہ عیدین کی نمازیں اُس بقیہ زمین میں مع مسجد کے ہوتی ہیں جسکی شکل میں جناب کی خدمت میں پیش کرتا ہوں۔ شکل یہ ہے۔

جنوب

اس زمین پر مقدمہ ہے۔ دعویٰ ہے کافروں کا۔

A A A

یہ مسجد ہے

یہ دروازہ ہے

یہ کل زمین مسجد کے احاطہ میں ہے اور مسجد کی اس زمین پر جو عیدگاہ ہے اس پر کفار نے دعویٰ کیا ہے کہ یہ عیدگاہ نہیں ہے مسلمانوں کی بلکہ یہ زمین ہم لوگوں کی ہے لہذا عرض ہے کہ ہم مسلمانوں پر اسکی محافظت فرض ہے یا نہیں یعنی ہم مسلمانان اپنی جان و مال قربان کریں یا نہیں؟ اور یہ مسجد اور عیدگاہ وقف ہے پھر اسکی حفاظت سے ہم مسلمانوں کو روگردانی کرنا کیسا ہے؟ فقط

نور محمد میاں صاحب نمازیپوری حال بھاٹ باڑا۔

الجواب: قال فی احکام الاوقاف للخصاف (ص ۱۳۴): ارأیت هذه الوقوف التی تقادم اهلها ومات الشهود الذین یشهدون علیها ما السبیل فیها؟ — قال ماکان فی ایدی القضاۃ منها وماکان لها رسوم فی دواوین القضاۃ اجریت علی الرسوم الموجودۃ فی دواوینهم استحسانا اذا تنازع اهلها فیها ومالم یکن لها رسوم فی دواوینهم یعمل علیها فالقیاس فیها اذا تنازع القوم فیها ان یحملوا علی التثبیت فمن ثبت فی ذالک شیئاً حکم له به اھ۔

صورتِ موجودہ میں اگر اس زمین کے متعلق پرانے کاغذات میں کوئی تصریح مل سکے تو اسکو تلاش کیا جائے اگر وقف ہونا معلوم ہوجائے تو بقدر وسعت اسکی حفاظت میں کوشش کی جائے فساد اور جنگ وجدال ہرگز نہ کیا جائے۔ اور اگر پرانے کاغذات سے کچھ پتہ نہ ملے تو مسلمانوں کی ظاہری قبضہ سے گو بظاہر یہ مسلمانوں کی زمین معلوم ہوتی ہے مگر یقین نہیں کیا جا سکتا لاختلاف حال المسلمین فی معاملۃ الاراضی فربما یقبضون علی ملک الغیر ویدخلونه فی المسجد ومضافاته قهراً۔ بلکہ مدعی سے کہا جائے گا کہ وہ اپنی ملکیت کا ثبوت دے اگر وہ اپنی ملکیت قاعدہ شرعیہ کے موافق شہادت رجال یا شہادت کاغذات قدیمہ سے ثابت کردے تو مسلمانوں کو یہ زمین مدعی کے حوالہ کردینی چاہئے ورنہ نہیں۔ واللہ اعلم

۱۸ ر ذی قعدی ۱۳۴۲ھ

کسی شخص اور اسکی اولاد پر کچھ زمین نسلاً بعد نسل امامت کے واسطے وقف کرنیکا حکم۔

سوال: ۱ واقف نے زید اور انکی اولاد نسلاً بعد نسلٍ الی یوم القیمۃ کیلئے ایک مسجد میں امامت کرنے کیلئے تھوڑی زمین وقف کی اور اس شرط کے موافق ابتک جاری رہا اور اب زید کی اولاد تین چار پشت ہوکر انکے خاندان میں سو آدمی سے زیادہ ہوگئیں اب اس وقف کی زمین کی آمدنی ان لوگوں کو کفایت نہیں ہوتی ھے اور ان میں اکثر آدمی نماز پڑھانیکو لائق ہیں پس ان لوگوں میں کون امامت اور وظیفہ پانے کو مستحق ھے؟

۲ واقف نے زید کو ایک مسجد میں امامت کرنے کو تھوڑی زمین وقف کیا اب جماعت والے ان کو اس مسجد میں نماز پڑھانیکو حسد وغصہ کی وجہ سے منع کرتے ہیں اور جماعت والوں نے چندہ کرکے دوسرا امام مقرر کرلیا ہے حالانکہ زید امامت کرنیکو لائق تھا اب زید نے دوسرے محلے میں ایک مسجد بنائی اسمیں وقف زمین کی آمدنی سے وظیفہ پاکر زید کیلئے نماز پڑھانا جائز

ہے یا نہیں ؟

الجواب

(۱) اس وقف میں صرف وہ وارث مستحق ہیں جو اقرب بطن میں ہوں اور مسجد مذکور میں امامت کرے بقیہ اس میں مستحق نہیں ہیں اگر زید کی اولاد میں بطن اقرب میں لائق امامت چند اشخاص ہوں تو اس میں تفصیل ہے ۔ اگر اہل مسجد ان میں سے کسی ایک ہی کی امامت تجویز کریں بوجہ کسی ترجیح وافضیلت کے تب تو وہی شخص واحد آمدنی وقف کا مستحق ہے اور اگر سب کی امامت کو نوبت بہ نوبت منظور کرلیں تو ہر قابل امامت جو امامت کو بجالائے مستحق ہوگا اور آمدنی وقف ان سب پر تقسیم کی جائے گی پس جو شخص اولاد زید میں قابل امامت نہیں یا قابل امامت ہے مگر اہل محلہ واہل مسجد اسکی امامت منظور نہیں کرتے وہ اس وقف میں مستحق نہ ہوگا ھذا ما فھمتہ من القواعد ۔ واللہ اعلم

(۲) سوال دوم کا جواب بدون عبارت وقف نامہ دیکھے ہوئے نہیں دیا جاسکتا فقط

۲۹ ر ذی الحجہ ۱۳۴۲ھ

(دلیل الاول) قال فی الفتاوی الحامدیہ : ونقل فی الاسعاف فی باب الوقف علی الاولاد واولاد الاولاد ولو ذکر البطون الثلاثۃ ثم قال : علی الاقرب فالاقرب اوقال : علی ولدی ثم علی ولد ولدی ثم وثم اوقال : بطناً بعد بطن یبدأ بما بدأ بہ الواقف ولا یکون للبطن الاسفل شیٔ ما بقی من الاعلیٰ احداً اھ (ص ۱۳۷ ج ۱) ۔

قلت : فقولہ : نسلاً بعد نسلٍ فی معنیٰ قولہ بطناً بعد بطن فلا یستحق الاسفل شیئاً ما بقی من الاعلیٰ احد ویصلح للامامۃ ولیس للاناث فی ھذا الوقف شیٔ لانھن بمعزل عن الامامۃ ۔

وفیہ ایضاً : لا یستحق الا من باشر العمل اھ

وفی الاشباہ : وقد اغتر کثیر من الفقھاء فی زماننا فاستباحوا معالیم الوظائف من غیر مباشرۃ اھ (ص ۲۰۵ ج ۱)

قلت ، ومباشرۃ الامامۃ لیس باختیار المباشر بل تتوقف علیٰ نصب

اهل المحلة اياه لها۔ واللہ اعلم۔

مرض الموت میں وقف کرنیکا حکم

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء دین اس صورت میں کہ ہندہ نے اپنے مرض الموت میں اپنا حصۂ مکان متروکہ پدری غیر منقسمہ حسب دستاویز وقف نامہ مصدقہ تحریر شدہ وقف لوجہ اللہ بمسجد محلہ کیا اور اپنی حیات میں اسپر متولیانہ قابض رہی مکان مذکور میں کرایہ دار حسب دستور سابق رہتے ہیں لهذا شرعاً واقفہ کی طرف سے بعد الوقف تسلیم اور قبضہ متولیانہ صحیح ہوا یا نہیں؟ نیز وقف نامہ مذکور میں یہ بھی لکھا گیا ہے کہ بعد میرے اس کا متولی فلاں بجائے میرے رہیگا اور متولی موصوف کو اختیار ہوگا وہ حصہ موقوفہ کو فروخت کرکے زر ثمن اس کا مسجد موصوف تعمیر طلب میں لگادے چنانچہ بعد انتقال واقفہ کے متولی نے شئ موقوفہ پر بحیثیت متولیانہ۔ تحریر کرایہ نامہ، کرایہ دار سے حصہ رسدی کرالیا مگر چونکہ وہ موقوفہ نہایت قلیل ہے قابل المنفعت نہیں تقریباً آٹھ نو گز عریض اور بارہ گز طویل تقسیم میں آتی ہے جو سوائے فروختگی اس سے کوئی حصول منفعت نہیں بدیں لحاظ متولی کو حسب شرائط واقفہ بمشورۂ واقفان صاحبان اہل الرای دیندار کے فروخت کرکے زر ثمن اس کا تعمیر مسجد موصوف میں صرف کردینا درست ہے یا نہیں **بینوا توجروا۔**

الجواب:۔ اگر یہ حصۂ مکان متروکہ پدری و مملوکہ ذاتی ہندہ کے تمام ترکہ کا ثلث ھے یا ثلث سے کم ہے تو وقف صحیح و نافذ ہوگیا اور اگر زائد ثلث سے کم ھے تو ثلث میں وقف صحیح ہے اور زائد کا وقف ہندہ کے وارثوں کی رضا پر موقوف ہے اگر وہ جائز رکھیں تو جائز ھے اور اگر راضی نہ ہوں تو زائد از ثلث میں وقف صحیح نہیں۔ اگر یہ زمین موقوفہ نہایت قلیل غیر قابل منفعت ھے تو متولی مسجد کو چاہئے کہ اسکو فروخت کرکے اس کے ثمن سے کوئی دوکان مسجد کیلئے چھوٹی یا بڑی تعمیر کردے یا کوئی زمین خریدے جس کا کرایہ مسجد میں آتا ہے یا مسجد میں تعمیر کی ضرورت ہو تو تعمیر مسجد میں لگادے واللہ اعلم

قال فی الدر فی بیان شرائط الاستبدال: ما نصه وكون البدل عقاراً۔

و قال الشامی: وزاد العلامة قنالی زاده فی رسالته (شرطاً) ثامناً وهو ان يكون البدل والمبدل من جنس واحد ثم قال: والظاهر عدم اشتراط اتحاد الجنس فی الموقوفة للاستغلال لان المنظور فيه كثرة الريع وقلة المرمة والمؤنة فلو استبدل الحانوت بارض تزرع و تحصل منها غلة قدر اجرة

الحانوت كان احسن لان الارض ادوم و ابقٰى و اغنى عن كلفته الترميم والتعمير اھ (ص ٦٠١ ج ٣ - شامى)

قلت: دل قوله: لان المنظور فيه كثرة الريع على عدم جواز الاستبدال بما لاريع فيه اصلاً - والله اعلم -

وفى الخلاصة: ولو شرط فى الوقف ان يبيعه ويجعل ثمنه فى وقف افضل منه له ان يبيعه ولا يبيعه الامام الحاكم لكن اذا رأه الحاكم اذن له اھ (ص ٢١٤ ج ٤)

قلت: ظهر منه جواز صرف ثمن الدار فى عمارة المسجد لاجل اجازة الواقف واذنه فى ذالك ولعل منعهم الحاكم عن ذالك لوقايته من التهم فقط - والله اعلم

٢٦ ذى الحجه ۱۳۴۲ھ

وقف علی الاولاد میں لڑکوں اور لڑکیوں کی برابری بعض وارثوں کو مالدار یا کسی وجہ سے محروم یا حصہ کم رکھنے کا حکم

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ سرکاری قانونِ جدید وقف علی الاولاد کی رُو سے اپنی جائیداد کی آمدنی کا کل یا جزو اپنی اولاد واقارب کی پرورش کیلئے وقف کرنے کی صورت میں اگر کوئی شخص بیٹے اور بیٹیوں کا برابر حصہ رکھے یا مثلاً تین چار بھائیوں یا بھتیجوں وغیرہ میں سے بعض کو مالدار ہونیکی وجہ سے محروم رکھے تو ایسا کرنے میں واقف گناہگار ہوگا یا نہیں؟ نیز غیر مانوس یا ناخوش ہو جانے کی وجہ سے واقف کا بعض وارثوں کو محروم کردینا یا ترکہ کے اعتبار سے کم مقرر کرنا یا بعض ان اقارب کو جو کہ شرعی وارث نہیں ہیں مثلاً ایک یا دو بیٹیوں کے ہوتے ہوئے نواسی یا نواسے کو آمدنی جائیداد موقوفہ میں سے ایک بیٹی کے برابر حصہ مقرر کرنا یا مثلاً بیٹی کے ساتھ اخیافی بھائی کیلئے آمدنی وقف سے حصہ مقرر کرنا اور اس کے ساتھ ہی بھتیجے یا چچازاد بھائی کیلئے جو کہ عصبہ ہے وقف کی آمدنی سے حصہ مقرر نہ کرنا شرعاً درست ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا -

داؤد ھاشم یوسف از رنگون -

الجواب: وقف علی الاولاد بحالتِ صحت کا حکم ھبہ بحالت صحت کا ہے۔

" بدلیل انہ ینفذ ویصح فی کل المال ولا یتقید بالثلث "، اور وقف علی الاولاد بحالتِ مرض کا حکم وصیت کا حکم ہے " بدلیل انہ یقسم الورثۃ حسب الفرائض الشرعیۃ ویتقید بالثلث "، اس کے بعد اب سمجھنا چاہئے کہ وقف علی الاولاد میں ایک روایت میں بہتر یہی ہے کہ لڑکوں اور لڑکیوں کا حق برابر رکھا جائے اکثر مشائخ نے اسی کو افضل کہا ہے اور بعض نے قول محمدؒ کے موافق تفاضل کو افضل کہا ہے یعنی للذکر مثل حظ الانثیین۔

قال فی الشامیۃ: فالعدل من حقوق الاولاد فی العطایا والوقف عطیۃ فیسوی بین الذکر والانثیٰ لانھم فسروا العدل فی الاولاد بالتسویۃ فی العطایا حال الحیاۃ الیٰ ان قال: وفی الظھیریۃ قبیل المحاضر والسجلات عند الکلام علی کتابۃ صک الوقف ان اراد الوقف علیٰ اولادہ یقول للذکر مثل حظ الانثیین وان شاء یقول الذکر والانثیٰ علی السواء ولکن الاول اقرب الی الصواب واجلب للثواب اھ فھذا نص صریح فی التفرقۃ بین الھبۃ والوقف فتکون الفریضۃ الشرعیۃ فی الوقف ھی المفاضلۃ اھ ملخصاً (ص ۶۵۴-۶۵۵ ج-۳)

پس وقف علی الاولاد میں لڑکیوں اور لڑکوں کا حصہ برابر رکھنا بدون گناہ کے جائز ہے گو اس میں اختلاف ہے کہ افضل کیا ہے؟ یہ حکم تو تسویۂ اولاد کے بارے میں ہے باقی وارثوں کے متعلق سوال کا جواب یہ ہے کہ واقف اگر کسی کو محروم کرنا چاہے تو اسکو یہ حق حاصل ہے اب اگر یہ محروم کرنا کسی شرعی وجہ سے ہے مثلاً فسق وایذاء رسانی وظلم وغیرہ تب تو محروم کرنے میں گناہ بھی نہ ہوگا اور اگر بغیر وجہ محروم کیا ہے تو گناہ ہوگا پس جو اقارب شرعی وارث نہیں ہے ان کیلئے وقف کرنا اور شرعی وارثوں کو محروم کرنا بلا وجہ شرعی جائز نہیں ہاں کوئی شرعی وجہ ہو کہ وارث بدکار فاسق یا ایذاء رساں ہوں اور غیر وارث صالح و محتاج ہوں تو ایسا کرنے میں گناہ نہیں رہا یہ کہ کسی وارث کو وقف اولاد میں حصہ کم دینا اور کسی کو زائد دینا یہ جائز ہے۔

قال فی العالمگیریۃ: ولو کان فی ولدہ فاسق واراد ان یصرف مالہ فی وجوہ الخیر ویحرمہ عن المیراث ھذا خیر من ترکہ کذا فی الخلاصۃ۔

وفیہ: وھب فی صحتہ کل المال للولد جاز فی القضاء ویکون آثماً فیما صنع کذا فی فتاوی قاضی خان اھ (ص ۱۰۶۴، و، ۱۰۶۵ ج ۳ نولکشوری) [1]

[1] ایضاً فی خلاصۃ الفتاویٰ ج ۴ ص ۴۰۰۔

وفی الشامیۃ: وقع فی السوال الذی سئل عنه المصنف انه آل الوقف الی اخی المیت لامه واخیه الشقیق فاجاب بانه تقسم الغلۃ بینهما نصفین لا قسمۃ المیراث ای لا یعطی للاخ للام السدس والباقی للشقیق وقال ان هذا هو الموافق لغالب احوال الواقفین وهو قصد التفاوت بین الذکر والانثیٰ (لا بین الذکرین) فاذا قال علی حکم الفریضۃ ینزل علی غالب المذکور اھ (ص ۶۵۶ ج ۳)

قلت:- ولا یخفیٰ ان فیه تقلیل حق الاخ الشقیق ومع ذالك اذا قال الواقف یقسم علی الفریضۃ لا یعطی له الباقی بعد السدس بل یسوی بینه و بین الاخیافی وهذا یدل علی جواز المفاضلۃ بین الورثۃ فی الوقف وجواز تقلیل حق بعض عن فرضه الشرعی۔ واللہ اعلم۔

۲۲ر محرم ۱۳۴۲ھ

عیدگاہ کے موقوفہ تالاب سے مچھلی پکڑنے کا حکم

سوال:- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ یہاں عیدگاہ کی زمین میں ایک تالاب ہے اور وہ عیدگاہ کا حوض اور تالاب کی زمین موقوفہ ہے اس میں مچھلیاں بہت ہیں تو اگر لوگ ان مچھلیوں کو پکڑ لیں تو درست ہے یا نہیں؟ یا قیمۃً خریدیں بازار کے دام سے تو درست ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب:- تالاب کے وقف ہونے سے مچھلیاں وقف نہ ہونگی بلکہ جو کوئی پکڑے وہی ان کا مالک ہو جائیگا لان السمك یتولد من الماء فیکون مباحًا کاصله۔

واللہ اعلم

۲ر ربیع الثانی ۱۳۴۲ھ

قمار اور سٹہ کا کام کرنے والے کو اوقاف یا مسجد وغیرہ کا متولی بنانا۔

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص باوجود مسلمان ہونیکے دعویٰ کرتا ہے قسمیہ اعلان کرتا ہے کہ میرا کام تو اسپیکیولیشن ہے (یعنی سٹے کا کام جو اکثر چاول کی تجارت کے متعلق خرید و فروخت میں بطور ہار جیت کے ہوتا ہے کرتا ہوں) اور پکا گیمبلنگ یعنی پکا قمار بازی کا میرا کام ہے اور یہ ایسا جوا ہے جو اوپر ہی اوپر صرف کاغذ پر چلتا ہے تو ایسے شخص کو کسی مذہبی معاملہ میں مختار کرنا

اور مذہبی اوقاف میں سے کسی وقف مثلاً مسجد، مدرسہ، سرائے، مسافر خانہ، دار الکتب جامعہ ملیہ اسلامیہ وغیرہ کیلئے اسکو متولی یا ناظم و معتمد بنانے کا شرعی حکم کیا ہے؟ براہ کرم موافق مذہب حنفی کی کتاب وسنت سے سرفراز فرمائیں۔

الجواب: سائل نے یہ نہ بتلایا کہ اگر اس شخص کو متولی وقف نہ بنایا جائے تو اسکی جگہ کوئی دوسرا شخص اس سے زیادہ امانت دار اور امور انتظامیہ میں ہوشیار بآسانی مل سکتا ہے یا نہیں اور وہ دوسرا شخص تو کسی گناہ میں مبتلا نہیں۔ اگر کوئی شخص ان گناہوں سے جن میں یہ متولی مبتلا ھے محفوظ بھی ہو تو یہ بھی دیکھنا چاہئے کہ ان گناہوں سے بھی وہ بچتا ھے یا نہیں؟ اگر وہ بھی کسی گناہ میں مبتلا ھے تو وہ اور یہ دونوں برابر ہوئے پھر اس کے علیحدہ کرنے میں کیا نفع؟ فقہاء نے لکھا ھے کہ اگر ایک شخص پورا متقی ہو مگر امور انتظامیہ میں ہوشیار نہ ہو تو وہ متولی بننے کے قابل نہیں بلکہ اس سے مقدم وہ شخص ھے جو امانت میں کامل ہو اور خیانت نہ کرتا ہو اور امور انتظامیہ میں پورا ہوشیار ہو گو تقویٰ میں دوسروں سے کم ہو۔

قال فی تنقیح الفتاویٰ الحامدیة: سئل فی الصالح للنظر من هو الجواب هو من لم یسأل الولایة للوقف ولیس فیه فسق یعرف هکذا فی فتح القدیر۔

وفی الاسعاف لا یولی الا امین قادر بنفسه او نائبه ویستوی فیه الذکر والانثیٰ وکذا الاعمیٰ والبصیر وکذا المحدود فی قذف ان تاب ویشترط للصحة عقله وبلوغه (بحر ص ١٩٦ ج ١)

عبارت اسعاف سے معلوم ہوا کہ ولایت وقف کیلئے امانت وقدرت انتظام زیادہ قابل نظر ہے گو تقویٰ میں وہ دوسروں سے کم ہو حتیٰ کہ محدود فی القذف بھی توبہ کے بعد اسکے لئے اہل ھے۔

وفیه ایضاً:۔ وفی النهر عن الاسعاف: شرط لا فضل اولاده فاستویا فلا نهم فلو احدهما اورع والآخر اعلم بامور الوقف فهو اولیٰ اذا امن خیانته اھ (ص ١٩٧ ج ١)

پس صورتِ مسئولہ میں اگر متولی امانت و دیانت میں کامل ہو اور امور

انتظامیہ میں دوسروں سے زیادہ ہوشیار ہو اور اسکی مجموعی حالت اور اس کے کارناموں اور واقعات سے خیرخواہی ونفع وقف متوقع ہو اور اسکی تولیت میں اصلاح وقف کی زیادہ امید ہو تو اس کا متولی بنا دینا درست ہے۔

قال فی الدر: واھلہ (ای القضاء) اھل الشھادۃ والفاسق اھلھا فیکون اھلہ لکنہ لا یقلد وجوبًا یأثم مقلدہ کقابل شھادتہ (الیٰ ان قال) واستثنیٰ الثانی (ای ابی یوسف رح) الفاسق ذا الجاہ والمروۃ فانہ یجب قبول شھادتہ۔ بزازیہ۔ قال فی النھر: وعلیہ فلا یأثم ایضاً بتولیتہ القضاء حیث کان کذالک الا یفرق بینھما انتھیٰ۔

قلت: سیجیٔ تضعیفہ فراجعہ اھ۔

قلت: اجاب عنہ الشامی بما لا مزید علیہ (ص۴۶۴ و۴۶۵ ج ۴)۔ ورجح قول ابی یوسف متعللاً بانہ لو اعتبر ما قالہ الشارح لانسد باب القضاء خصوصًا فی زماننا فراجعہ واللہ تعالیٰ اعلم۔

ولا یخفیٰ ان تولیۃ الوقف ادنیٰ منزلۃ من القضاء فاذا جاز عند ابی یوسف رح تقلید الفاسق ذی الجاہ والمروۃ القضاء فحوان تقلیدہ تولیۃ الوقف اولیٰ فافھم۔

اور اگر متولی مذکور سٹہ بازی وقمار بازی کفار ہی کے ساتھ کرتا ہو مسلمانوں کے ساتھ نہ کرتا ہو تو اس صورت میں یہ گناہ مجتہد فیہ ہے محض اسکی وجہ سے اسکو تولیت سے الگ نہ کیا جائیگا۔ فقد قال ابوحنیفۃ رح: یجوز الربوا والقمار بین المسلم و الحربی فی دار الحرب اھ اور متولی مذکور کو بھی چاہئے کہ ایسے کاموں سے پرہیز کرے جو شرعاً گناہ ہیں یا عادۃً مسقط مروت ہیں۔ واللہ اعلم۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ
از خانقاہ امدادیہ اشرفیہ تھانہ بھون
۲۴ ربیع الثانی ۱۳۴۳ھ

الجواب صحیح
اشرف علی

ایسی زمین کا حکم جس کی آمدنی ہمیشہ سے مسجد پر صرف ہوتی رہی ہو مگر وقف اور واقف کا علم نہیں۔

سوال: حامداً ومصلیاً۔ اما بعد کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع

متین حنفیہ اس مسئلہ میں کہ کوئی قبرستان یا کوئی محلہ کے پاس کا کوئی میدان جنکے وقف ہونیکی
مطلقاً اطلاع نہیں ہے البتہ اتنی واقفیت ھے کہ قبرستان قاضی عنایت علی صاحب کی طرف
سے میت دفن کرنیکیلئے اہل محلہ ہذا کو ملی تھی اور میدان مذکور کو تمام اہل محلہ نے اپنے
دام سے خرید کر کے اسٹامپ کیا تھا اور قدیم زمانے سے ابتک اس میدان اور قبرستان
کے درختوں وغیرہ کی آمدنی مسجد محلہ میں صرف ہو رہی ہے کسی نے کبھی ان پر ملکیت کا دعوٰی
نہیں کیا اور نہ اب کوئی مدعی ہے (قالہ المسائل من اھل المحلۃ شفاھا) مگر
اس کی اطلاع نہیں کہ دونوں زمین مذکور وقف بھی کردی گئی تھیں یا نہیں؟ اور اپنے پاس
کوئی حسب استطاعت اب کوئی ذریعہ تحقیق باقی نہ رہا لھذا اس مسئلہ کو دریافت کرنا
چاھتا ہوں کہ ایسی زمین کے گھاس یا درخت خریدنا یا بیچنا اور اسکی قیمت اپنے محلہ کی
مسجد میں لگانا یا وہاں کی اینٹ خواہ قبروں کی ہو یا ویسی ہی قبروں کے لگانے سے
بچی کھچی ہوں کسی مسجد میں لگانا جائز ھے یا نہیں؟

المستفتی بدرالدین

الجواب: قال فی الدر: لو انقطع ثبوتہ فما کان فی دواوین القضاۃ اتبع
والا فمن برھن علی شئ حکم لہ بہ والا صرف للفقراء مالم یظھر وجہ
بطلانہ بطریق شرعی فیعود لملك واقفہ او وارثہ او لبیت المال اھ۔
قال الشامی: المراد علم انہ وقف بالشھرۃ ولکن جھلت شرائطہ
ومصارفہ بان لم یعلم حالہ ولا تعرف قوامہ السابقین کیف کانوا یعملون
فحینئذٍ ینظر الی ما فی دواوین القضاۃ الخ (ص ۶۵۷ ج ۳)
قلت: وقیود الفقہ احترازیۃ فاذا لم یعلم کونہ وقفاً بالشھرۃ اصلاً
فلا یتبع ما فی دواوین القضاۃ بل کل من برھن علی شئ حکم لہ بہ۔
وقال فی الھدایۃ: من بنٰی سقایۃً للمسلمین او خاناً یسکنہ بنو السبیل
او رباطاً او جعل ارضہ مقبرۃ لم یزل ملکہ عن ذالك حتی یحکم بہ الحاکم عند
ابی حنیفۃ رح (وکذا لو بنی مسجداً لم یزل ملکہ عنہ حتی یفرزہ عن ملکہ ویأذن
للناس بالصلاۃ فیہ) وعند ابی یوسفؒ یزول ملکہ بالقول کما ھو اصلہ
اذ التسلیم عندہ لیس بشرط والوقف لازم (کما یزول الملك عندہ بقولہ

ای یقول جعلتہ مقبرۃً اوجعلتہ مسجداً) وعند محمدؒ اذا استقی الناس من السقایۃ وسکنوا الخان والرباط ودفنوا فی المقبرۃ زال الملک لان التسلیم عندہ شرط والشرط تسلیم نوعہ وذالک بما ذکرناہ ویکتفی بالواحد لتعذر فعل الجنس کلہ اھ (ص ۴۴۷ ج ۵ مع الفتح) ۔

صورتِ مسئولہ میں گو یہ معلوم نہیں کہ اہل محلہ نے اس زمین کو وقف کیا یا نہیں ؟ لیکن اتنی بات معلوم ھے کہ یہ زمین مقبرہ کے واسطے خریدی گئی اور اسکو خریدنے کے بعد قبرستان ہی بنایا گیا اور اس میں مردے دفن کئے گئے اور اُس وقت سے اِس وقت تک اسکے درختوں وغیرہ پر کسی نے ملکیت کا دعویٰ نہیں کیا اور نہ اب کوئی مدعی ہے اور مقبرہ میں اصل یہ ہے کہ وقف ہوتا ہے جیسا کہ مسجد و رباط میں اصل وقف ہی ہے اس لئے اس زمین کو وقف ہی مانا جائے گا۔ لانہ ھوالظاھر من جعلہ مقبرۃ وھو الظاھر من عدم دعویٰ احد فیہ وفی اشجارہ الملک ۔ اور یہی حکم اس میدان کا ہے جو محلہ کے پاس ہے کہ سابق سے جسطرح اسمیں تصرف ہو رہا ہے اسی تصرف کو باقی رکھا جائیگا یعنی اسکی آمدنی اگر مسجد میں صرف ہوتی رہی ھے تو مسجد ہی میں صرف ہوگی اور اسکو وقف مانا جائیگا کیونکہ اس میں تصرف مثل اوقاف کے ہو رہا ہے اور کسی نے اس تصرف پر اعتراض یا دعویٰ ملک نہیں کیا ۔

قال فی الفتاوی الحامدیۃ :- رجل تصرف زماناً فی ارض ورجل آخر رأی الارض والتصرف ولم یدع ومات علی ذالک لم تسمع بعد ذالک دعویٰ ولدہ فتترک فی ید المتصرف لان الحال شاھد اھ ـــــ وقال قبل ذالک وتترک فی ید المتصرف قطعاً للاطماع الفاسدۃ لان السکوت کالافصاح قطعاً للتزویر والحیل والمسئلۃ فی کثیر من المعتبرات کالتنویر والکنز والملتقی فی مسائل شتی اھ (ص ۱۶ ج ۲) ۔

قلت : فکذالک متولی انضاء والمقبرۃ ھناک متصرف فی ریع اشجارھا للمسجد مذ زمان وکذا متولٍ قبلہ وھلم جرا ولم یدع احد فیہ ملکہ ورأی تصرفہ جمیع اھل المحلۃ وسکتوا فتترک المقبرۃ وانضاء فی تصرفہ ولا یسمع فیھا دعویٰ احد من الناس وصرف اشجار المقبرۃ وریعھا الی المسجد جائز ۔

قال فی العالمگیریۃ : سئل نجم الدین فی مقبرۃ فیہا اشجارھا ھل یجوز صرفہا الیٰ عمارۃ المسجد قال: نعم ان لم یکن وقفاً علی وجہ آخر اھ (ص۲۴۲ ج ۳) لاسیماً اذا علم من تصرف قوامہ السابقین صرف ریعہا الی المسجد فیلزم ابقاءہ علی حالہ و اللہ اعلم۔

اور جب یہ مقبرہ و میدان وقف مان لیا گیا تو اس کے درختوں میں وہی عملدرآمد کیا جائیگا جو سابق سے ہوتا رہا ہے کہ انکی آمدنی مسجد میں صرف کی جائیگی جسطرح کہ پہلے سے مسجد میں صرف ہوتی آرہی ہے۔ واللہ اعلم۔

از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ

۲۷ ربیع الثانی ۴۵ھ

وقف کی ایک صورت کا حکم

سوال : واقعہ یہ ہے کہ آج سات آٹھ برس ہوگئے ہیں کہ میرے پڑوس میں ایک بیوہ عورت تھی وہ مرض ہیضہ میں گرفتار ہو کر یہ کہا کہ میرے پاس بارہ روپیہ موجود ہے اس میں سے کفن دفن میں لگا کر جو روپیہ بچے وہ سب کسی کارِ خیر میں لگا دینا اس کے کہنے کے موافق میں نے چند کتب خرید کر کے وقف کر دیں لیکن اس عورت کے دو یتیم نواسے اس وقت موجود تھے ان دونوں کا حصہ رسد الگ نہیں کیا ہے۔

اب دریافت طلب یہ ہے کہ وہ دونوں نواسے اب بالغ ہوگئے ہیں ان دونوں کا حصہ رسد معاف کرانے سے معاف ہوگا یا نہیں ؟ ارشاد فرما کر مسرور فرمائیں۔

الجواب : اگر اس عورت کا وارث اسکی موت کے وقت بجز دو نواسوں کے کوئی نہ تھا تو اب ان کی اجازت سے یہ وقف صحیح ہوجائے گا اور اگر کوئی دوسرا وارث بھی تھا تو اس سے بھی اجازت لینا چاہئے اور صحتِ وقف کی صورت یہ ہے کہ اب یہ لوگ مستقل طور پر از سر نو وقف کریں یعنی بقیہ رقم انکو دیکر یہ کتابیں انکے ہاتھ فروخت کی جائیں پھر وہ ان کتابوں کو وقف کریں کیونکہ پہلا وقف بوجہ ملکِ غیر میں واقع ہونیکے باطل ہوچکا موقوف نہ تھا پس بدون اس صورت کے وقف صحیح نہ ہوگا۔ واللہ اعلم۔

۲۸ ربیع الثانی ۴۵ھ

مفاد عامہ کیلئے وقف یا مسجد کے نیچے سے گندہ نالہ نکالنا جائز نہیں

سوال : کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ...... کسی مال وقف میں

گورنمنٹ یا اہل ہنود یا مسلمانوں کے دیگر دنیوی مفاد یا آسائش کیلئے کوئی تصرف کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ مثلاً دنیوی مصالح کو مد نظر رکھکر مسلم یا غیر مسلم قوم کو اجتماعی یا انفرادی طور پر شریعت ایسی اجازت دے سکتی ھے کہ فرش مسجد یا دیگر وقف زمین میں اپنے مکانات اور روزمرہ کے غلیظ پانی کی نکاسی کیلئے کوئی بدررو نیچے کے طبقے میں بنالیں کیا شرعی حیثیت سے کسی وقف یا مسجد کی زمین کا داخلی طبقہ ایسی وقف یا مسجد کے خارجی اور ظاہری طبقہ کے مانند پاک متبرک اور وقف نہیں ہے جو اس میں ایسا تصرف کیا جاسکے۔ **بینوا توجروا۔**

محمد الیاس خان در قصبہ نہوڑ ضلع سہارنپور

۴؍ اکتوبر ۱۹۴۶ء

الجواب:- زمین وقف میں کوئی تصرف صرف اس کے مصالح کیلئے ہوسکتا ھے دوسرے مصالح کے لحاظ سے تصرف نہیں کیا جاسکتا خواہ وہ دوسرے مصالح خود مسلمانوں کے ہوں یا غیر مسلموں کے اور بالخصوص مسجد میں تو کوئی تصرف صرف مصالح مسجد ہی کیلئے ہوسکتا ہے اگر مسجد کے متعلق کوئی زمین وقف ہو تو اسکے مصالح سے بھی مسجد میں تصرف جائز نہیں چنانچہ دیوار مسجد پہ مکان خارج مسجد کی کھڑکی رکھنا جائز نہیں گو وہ مکان مسجد ہی کیلئے وقف ہو۔

وفی البحر من الوقف من فصل المسجد: ولا یوضع الجذع علی جدار المسجد وان کان من اوقافہ اھ کذا فی الفتاوی الحامدیہ (ص ۱۸۲ ج ۱) واذا جعل تحتہ سردابا لمصالحہ ای المسجد جاز کمسجد القدس ولو جعل لغیرھا لا ولو بنی فوقہ بیتا للامام لا یضر لانہ من المصالح اما لو تمت المسجدیۃ ثم اراد البناء منع اھ

پس صورت مسؤلہ میں مسجد کے نیچے یا کسی اور وقف کے نیچے دوسرے مکانات کی غلیظ اور ناپاک پانی کیلئے بدررو وغیرہ بنانا جائز نہیں اور اگر گورنمنٹ ایسا کرنا چاہے تو اسکو مسئلہ سے مطلع کردیا جائے امید ھے کہ مسئلہ معلوم ہونے کے بعد وہ ایسا نہ کرے گی فقط واللہ اعلم۔

از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ

مورخہ ۲؍ جمادی الاول ۱۳۶۵ھ

وقف جائیداد مرھونہ **سوال ۵:** کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ مسمیٰ شیخ علی محمد مرحوم نے اپنی جائیداد کو وقف علی النفس وعلی الاولاد کیا ہے اسی جائیداد موقوفہ میں ایک حصہ جائیداد کا رہن تھا۔ عبارت وقف نامہ حسب ذیل ہے۔

عرصہ دراز سے منمقر کا قصد تھا کہ اپنی جائیداد غیر منقولہ کا کوئی ایسا بندوبست کردوں کہ وہ قائم و برقرار رہے اور قرضہ ذمگی خود بھی ادا ہوجائے منمقر کے ورثاء میں بجز محمد مجتبیٰ پسر کے اور کوئی وارث شرعی میرا نہیں ہے اور یہی بعد میرے متولی ہوگا۔

اپنی جائیداد غیر منقولہ باقی ماندہ مصرحہ ذیل کو اچھی طرح سوچنے و سمجھنے کے بعد وقف علی النفس وعلی الاولاد کرتا ہوں آج کی تاریخ سے جملہ اختیارات انتقالات مثل بیع، ہبہ، رہن، تملیک وغیرہ کے جو منمقر کو حاصل تھے یا بعد وفات میرے وارث منمقر کو حاصل ہوسکتے تھے نسبت جائیداد مندرجہ وقف نامہ ھذا کے وہ سب ساقط ہوگئے اور یہ جائیداد اس وقت سے ملکیت اللہ جل شانہ کی ہے اور اس جائیداد کے محاصل میں سے بعد میرے دو پیسہ فی روپیہ بعد منہائی اخراجات کے خیرات وحسنات میں حسب صوابدید خود خرچ کیا کریں اور بقیہ میں سے دو ثلث خود پسر محمد مجتبیٰ اور ایک ثلث ابن الابن محمد شفیق سلمہ کو دیا کریں۔

واقف نے یہ بھی تحریر کیا ہے وقف نامہ میں، چونکہ دو کانات مسٹن روڈ پر بالاخانہ تعمیر کرانا لابدی ہے جس کیلئے معقول رقم کی ضرورت ہے اور میرے پاس کوئی سرمایہ نہیں ہے و نیز قرضہ ذمگی خود بھی ادا کرنا ہے جس کیلئے میں متولی کو یہ ھدایت کرتا ہوں کہ احاطہ نمبر ۳۹/۵۴ محدود ذیل جو زیر بار رہن بھی ہے اس کی آمدنی کرایہ یا احاطہ مذکور سے بذریعہ کسی دیگر طریقہ احسن ومناسب کے روپیہ حاصل کرکے زر قرضہ بھی ادا کردیں اور دوکانات مذکور پر بالاخانہ بھی تعمیر کردیں۔

واقف نے یہ وقف نامہ ۳۰ ستمبر ۱۹۱۹ء کو لکھا جس میں صراحت کردی ہے کہ یہ جائیداد احاطہ نمبری ۳۹/۵۴ زیر بار رہن ہے یہ رہن شرعی رہن نہیں ہے جس میں جائیداد بطور ضمان کے ہوتی ہے یہاں اس رہن کی صورت اس رہن نامہ سے جو اس وقف نامہ سے چار یوم قبل ۲۶ ستمبر ۱۹۱۹ء کو اسی جائیداد کے متعلق واقف نے لکھا تھا بیع بالوفا کی ایسی صورت معلوم ہوتی ہے جیسا کہ عبارت رہن نامہ سے ظاہر ہوتا ہے۔

عبارت رہن نامہ نوشتہ شیخ علی محمد مرحوم واقف محررہ ۲۶ ستمبر ۱۹۱۹ء حسبِ ذیل ہے۔

یہ کہ درصورت وعدہ خلافی یعنی بعد گذرنے تین سال میعاد مذکور کے مرتہن موصوف کو اختیار حاصل ہوگا کہ بذریعہ نالشِ عدالت اپنا زر رہن مع سود و بالائے سود و خرچہ نالش جائیداد مرہونہ سے وصول کریں مجھ مقر و وارثان و قائم مقامان منمقر کو کچھ عذر و حیلہ نہ ہوگا یہ کہ اگر جائیداد مرہونہ مطالبہ مرتہن کے واسطے کافی نہ ہو تو مرتہن مذکور کو اختیار حاصل ہوگا کہ بقیہ مطالبہ اپنا ذات و جائیداد منقولہ و غیر منقولہ میری سے وصول کر لیویں مجھ مقر و وارثان و قائم مقامان مجھ مقر کو کوئی عذر و حیلہ نہ ہوگا۔

اب دریافت طلب حسب ذیل امور ہیں۔

(۱) متولی کو جب چندہ و قرض حسنہ سے کوئی رقم نہ ملے تو آیا اس جائیداد مرہونہ کو بیع کرکے بار رہن ادا کر دے جس سے واقف مرحوم اور متولی اس گناہ کبیرہ سود دینے سے بچیں یا اس جائیداد مرہونہ کو رہن رہنے دے (جس کا سود اسکو دینا پڑتا ہے) اور سود در سود ادا کرتا ھے۔

(۲) منجملہ جائیداد موقوفہ کے یہ جائیداد مرہونہ احاطہ نمبر $\frac{۳۹}{۵۸}$ بار سود کے مواخذہ سے بچنے کیلئے بیع ہو سکتی ھے یا نہیں اور اسی بیع کے ذریعہ سے متولی شرط تعمیر بالاخانہ کی پوری کرسکتا ھے یا نہیں؟

(۳) اور اس صورت میں جبکہ واقف نے تین سال کی مدت گذرنے پر مرتہن کو اختیار دیدیا تھا کہ وہ جائیداد مرہونہ سے جسطرح چاھے اپنا روپیہ وصول کرلے مجھ کو کچھ عذر نہ ہوگا یہ جائیداد وقف (ملکیت اللہ جل شانہ کی) ہو سکتی ھے یا نہیں؟

(۴) جبکہ کرایہ کی آمدنی سود میں جاتی ہو اور متولی کو قرض حسنہ و چندہ سے بار کے ادا کرنے اور سود سے بچنے کیلئے رقم نہ ملے اور اجارہ وٹھیکہ پر دینے سے شرط تعمیر بالاخانہ (جس کیلئے واقف نے اپنے وقف نامہ میں لابدی و ضروری تحریر کیا ھے) پوری نہیں ہو سکتی تو کوئی طریقہ احسن ایسا ھے جس سے جائیداد بیع نہ ہو اور بار قرضہ ادا ہو جائے اور سود کا مواخذہ نہ ہو اور واقف کی شرط تعمیر بالاخانہ پوری ہو جائے اگر ہے تو از روئے شرع شریف مع حوالہ کتب بتلایا جائے۔

(۵) اگر مواخذہ سود سے بچنے اور واقف کی ہرسہ شرائط۔ تعمیر بالاخانہ۔ وادائیگی قرضہ ذمگی خود وگذر اوقات۔ متولی مع متعلقین وترقی وقف اگر جائیداد مرھونہ کو بیع کرکے کیا جائے (جس سے یہ سب امور بآسانی حل ہوسکتے ہیں) توشرعاً یہ بیع جائز ہوسکتی ہے یا نہیں مع حوالہ کتب بتلایا جائے۔ بینوا توجروا فقط

المستفتی۔ خاکسار حاجی محمد قمرالدین مالک مطبع قیومی
محلہ ٹپکاپور کانپور

الجواب:۔ قال فی العالمگیریة:۔ واما عدم تعلق حق الغیر کالرھن والاجارة فلیس بشرط الی ان قال: ولو رھن ارضه ثم وقفها قبل ان یفتکها لزم الوقف ولا یخرج عن الرھن بذالك ولو اقامت سنین فی ید المرتھن ثم افتکها تعود الی الجھة ولو مات قبل الافتکاك وترك قدر ما یفتك به افتك ولزم الوقف وان لم یترك وفاء بیعت وبطل الوقف اھ (ص ۱۹۹ ج ۳)

وفی الدر: وبطل وقف راھن (ای سیبطل کما صرح به الشامی) معسر ومریض مدیون بمحیط بخلاف صحیح فان شرط وفاء دینه من غلته صح وان لم یشترط یوفی من الفاضل عن کفایته بلا سرف ولو وقفه علیٰ غیره فغلته لمن جعله له خاصة۔

قلت: قید بمحیط لان غیر المحیط یجوز فی ثلث ما بقی بعد الدین لو له ورثة والا ففی کله اھ۔

قال الشامی: قوله: بطل فیه، مسامحة والمراد انه سیبطل (الی ان قال): ولو مات فان عن وفاء عاد الی الجھة والا بیع وبطل الوقف کذا فی الفتح اھ (ص ۶۱۱ ج ۳)

خلاصہ ان اقوال کا یہ ہے کہ مرہون کا وقف، وقفِ لازم نہیں بلکہ موقوف ہے اگر واقف وقف سے الگ اتنی رقم اور سامان چھوڑ کر مرا ہو جس کے ثلث سے زر دین ادا ہو کر رہن چھوٹ جائے تب تو وقف لازم ہے اور اگر اتنی رقم چھوڑ کر نہ مرا ہو تو اگر مرہون کی آمدنی سے دین ادا ہوجائے جب بھی وقف لازم ہوجائیگا، اگر یہ بھی نہ ہوسکے اور ثلث ترکہ اور مرہون کی آمدنی اداءِ دین کو کافی نہ ہو تو اگر کل ترکہ اور کل وقف کی آمدنی سے ادا ہوسکے

اور ورثاء اس پر راضی ہوں تو کل ترکہ اور کل وقف کی آمدنی سے دین ادا کیا جائے اور اگر ورثہ کل ترکہ اور کل وقف کی آمدنی سے دین ادا کرنا نہ چاہیں تو پھر زمین مرہون کو بیع کر دیا جائے وقف باطل ہو جائیگا اور اداء دین کے بعد جو رقم بچے اسکو مصالح وقف میں یعنی عمارت وغیرہ میں لگا دینا چاہیئے۔ واللہ اعلم

از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ

۱۱ر جمادی الاخر ۴۳ھ

حکم رجوع واقف از شروطِ وقف نامہ وتفویض برائے متولی در مخالفت شروط

سوال:۔ والدصاحب مرحوم نے وقف نامہ لکھا تھا خاکسار نے دریافت کر لیا اس پر عمل نہ کرونگا فرمادیا تھا کہ تمہارے سپرد ہے جو چاہو کرو یا نہ کرو کتابت خادم نے کیا تھا۔ درمختار و ورد المحتار میں "یجوز مخالفۃ شرط الواقف" ملا مثلاً گوشت، روٹی کی مسجد میں تقسیم کرنا شرط کیا اسکی مخالفت کرنا لکھا ہے جو سہل ہے عمل نہ کیا۔ اور والدصاحب نے شرط برادری لکھا ہے جو تصدیق لیاقت کی کریں اور جائیداد لینے کی غرض سے محی الدین کیلئے فتنہ وفساد بلکہ برادری قتل پر آمادہ ہیں کیا اس پر مخالفت کرنا جائز نہ ہوگا؟ اب آں حضور سے اگر کوئی کہے کہ شرط برادری پر عمل کرادیں تو ہرگز نہ مانیں بلکہ خلاف تحریر کریں۔

راقم آثم، مسیح الدین از الہ آباد

مدرسہ احیاء العلوم

ضمیمۂ سوال:۔ عرض یہ ہے کہ وقف نامہ والدصاحب کا لکھا ہوا وہ درحقیقت نوکروں کا لکھا ہوا تھا اور خادم نے والدصاحب سے دریافت کر لیا تھا کہ میں کسی شرط پر عمل نہ کرونگا بجز مدرسہ کے کام کے اور جس قدر میرا جی چاہے گا اسقدر تنخواہ لونگا اور آزاد رہونگا۔ اور والدصاحب نے فرمایا تھا کہ یہ وقف نامہ فرضی بغرضِ حفاظت جائیداد لکھوایا ہے اور نوکروں نے اسکی تحریر میں بہت غلطیاں کیں ہیں، فرمایا تھا کہ "تم ان باتوں پر عمل نہ کرنا" اب آنحضور اس کا خیال فرما کر جواب مسئلہ مخالفت شرط واقف تحریر فرمادیں اور وہ مخالفت بغرض سہولت عمل اور دفع فتنہ وفسادات عوام ہے۔ اور خادم مسئلہ دریافت نہ کرتا۔ مگر اس خیال سے دریافت کیا کہ شاید عدالت انگریزی میں اس کی ضرورت واقع ہو لوگ فتنہ وفساد پر آمادہ ہیں، مجھکو دعاء کی بہت ضرورت ہے تاکہ لوگوں کے شر سے محفوظ رہوں اور یہ بھی تحریر

فرمائیں کہ والد صاحب مرحوم کا فرمودہ میری مخالفت شروط کیلئے کافی ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ قال العلامة الشامی تحت قول الدر: لایجوز الرجوع عن الوقف بعد تفصیل طویل مانصه، وقد ظهر انه لیس المراد انه یجوز للواقف الرجوع عن شروط الوقف کما فهمه الشارح حتی تکلف فی شرحه علی الملتقی للجواب عما قدمه عن الدر قبیل قول المصنف اتحد الواقف والجهة من انه لیس له اعطاء الغلة لغیر من عینه لخروج الوقف عن ملکه بالتسجیل اھ فانه صریح فی عدم صحة الرجوع عن الشروط وفی الاسعاف: ولایجوز له ان یفعل الا ما شرط وقت العقد اھ۔ وفی فتاوی الشیخ قاسم وما کان من شرط معتبر فی الوقف فلیس للواقف تغییره وتخصیصه بعد تقرره ولاسیما بعد الحکم اھ فقد ثبت ان الرجوع عن الشروط لا یصح الا التولیة مالم یشرط ذالك لنفسه فله تغییر المشروط مرة واحدة اھ (۶۶۸ج۳)

اس سے معلوم ہوا کہ بعد تکمیل وقف نامہ وشروط وقف کے خود واقف کو بھی شروط سے رجوع کرنیکا حق نہیں ھے پھر متولی کو مخالفت شروط کیونکر جائز ہوگی؟ صورت مسئولہ میں واقف کا یہ کہنا کہ ان باتوں پر عمل نہ کرنا شروط سابقہ سے رجوع ھے جو کہ صحیح نہیں پس متولی کو اس کے موافق عمل جائز نہیں اور مخالفتِ شروط واقف کی جو صورت شامی میں مذکور ھے اسمیں قاضی وامام کیلئے مخالفت کو جائز کہا ہے نہ کہ متولی کیلئے، اور وہ بھی قاضی وامام کیلئے جب جائز ھے جبکہ مخالفت اصلح للوقف ہو۔ ہاں! متولی کیلئے مخالفت شرط واقف اس وقت جائز ھے کہ واقف کی شرط شرعاً معتبر نہ ہو یعنی وہ شرط خلافِ شرع ہو۔ دل علیه قوله شرط معتبر کما ذکرناه فی العبارة المذکورة۔

ونص عبارة الدر والشامی هذا واما الاستبدال بدون الشرط فلا یملکه الا القاضی والمستبدل قاضی الجنة المفسر بذی العلم والعمل وهی احد المسائل السبع التی یخالف فیها شرط الواقف قال الشامی: الثانیة شرط ان القاضی لا یعزل الناظر فله عزل غیر الاهل۔ الثالثة: شرط ان لایوجر وقفه اکثر من سنة والناس لایرغبون فی استئجار سنة او کان فی الزیادة

نفع للفقراء فللقاضی المخالفة دون الناظر (قلت: فليتنبه له) الرابعة: لو شرط ان يقرأ على قبره فالتعين باطل۔ الخامسة: شرط ان يتصدق بفاضل الغلة على من يسأل فی مسجد كذا فللقيم التصدق على سائل غير ذالك المسجد او خارج المسجد او على من لا يسأل۔ (قلت: والوجه كون الشرط خلاف الشرع) السادسة: لو شرط للمستحقين خبزاً ولحماً معيناً كل يوم فللقيم دفع القيمة من النقد وفی موضع آخر: لهم طلب المعين واخذ القيمة ای فالخيار لهم لا له وذكر فی المنتقى انه الراجح۔ السابعة: تجوز الزيادة من القاضی على معلوم الامام اذا كان لا يكفيه وكان عالماً تقياً وزاد عليها اخرى وهی جواز مخالفة السلطان الشروط اذا كان اصل الوقف لبيت المال اھ (ص ۶۰۲ ج ۳)

لحم وخبز کے جزئیہ سے جو سائل کو شبہ ہوا ہے اس کا جواب شامی کی عبارت سے واضح ہو گیا کہ اس میں متولی کو اختیار نہیں بلکہ فقراء کو اختیار ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم

از خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون

۴ رمضان ۴۳ھ

الوقف على مرمة المسجد والرباط وتسريج المزارات وفاتحة المشائخ وهدايا القوالين وامثالها، هل يصح الوقف ام لا۔

السوال: رجل وقف على مرمة المسجد والرباط وتسريج المزارات وفاتحة المشائخ وهدايا القوالين وامثالها هل يصح الوقف على الكل او على البعض؟ وعلى الثانی فهل تكون الارض كلها موقوفةً او بعضها؟ بينوا بالدليل۔

الجواب: يصح الوقف فی الارض كلها ولكن تصرف فی المصارف الشرعية فقط دون غيرها فصح الوقف على مرمة المسجد والرباط ولا يصح صرف ريعه على ما سواها۔

قال فی الهندية: ولو قال: تجری غلتها على بيعة كذا فان خربت

البیعة کانت الغلة للفقراء والمساکین فانه تجری غلتها علی الفقراء والمساکین ولاینفق علی البیعة شئ کذا فی المحیط فان وقف علی ابواب البر فابواب البر عنده عمارة البیع وبیوت النیران والصدقة علی المسکین فاجیزه من ذالک الصدقة وابطل غیرها کذا فی الحاوی اھ۔ واللہ اعلم۔

۷ رشوال ۲۳ھ

وقف کی ایک صورت کا حکم | **سوال :۔** بسم اللہ الرحمن الرحیم ؕ کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید کے انتقال کے بعد اس کا متروکہ زید کے ورثاء میں بذریعہ ایک ثالث تقسیم ہوا، نیز وقت تقسیم اسکے برادر حقیقی بکر نے دیگر ورثاء سے خواہش ظاہر کی کہ زید لاولد تھا اور اسکی یہی خواہش اور آرزو تھی اسلئے اگر بنظر ثواب آخرت نیز بقاء نام ویادگار زید قطعات اراضی بیرون موری دروازہ کوچہ معطر خان تقسیم ترکہ سے علیحدہ کردئے جائیں تو بہتر ہے بکر کی رائے سے دیگر کل ورثاء نے بھی اتفاق کیا اور روبرو ثالث اس امر کی استدعا کی۔ چنانچہ ثالث نے تقسیم نامہ میں چند قطعات اراضی بدین الفاظ تقسیم جائیداد متروکہ سے علیحدہ کردیا۔

عبارت تقسیم نامہ متعلق قطعات اراضی مذکور

سیزدھم۔ جو آٹھ قطعات زمین مع مکانات مذکورہ بالا واقع دہلی موری دروازہ اندر کوچہ معطر خان مالیت مبلغ بارہ ہزار روپیہ ملکیت زید کی تھی اور جملہ ورثاء انکے نے مجھ سے بیان کیا کہ مورث متوفی کی یہ منشا تھی کہ منجملہ جائیداد اپنی کے کسی قدر وقف کردوں مگر ان کو موقع نہ ملا۔ مگر ہم سب ورثاء انکے یہ چاہتے ہیں کہ یہ قطعات زمین کے وقف سمجھے جائیں تو بہتر ہے چنانچہ انہوں نے ۳۰ ماہ جون ۹۷ء کو ایک درخواست مہری ودستخطی اپنی میرے پاس بھیجدی پس بموجب مرضی وموافق تحریر درخواست کی بابت ان قطعات زمین کے یہ فیصلہ کرتا ہوں کہ یہ قطعات مندرجہ بالا دروبست قطعی وقف سمجھے جائیں گے اور بقبضہ بکر رہیں گے اور وہی ان کا متولی رہے گا اور جو آمدنی ہوگی وہ جمع کریں گے اور وقت موقعہ انکو اپنے اقرار سے فروخت کرکے زرقیمت ان کا مع آمدنی بیت اللہ شریف بھیجکر حسب مرضی ورثاء دیگر رباط از نام زید تعمیر کرادیں اور اس کے متولی خود رہیں یا حسب مرضی ورثاء کسی اور کو متولی کردیں۔ اور بجہ حساب آمدنی اس

جائیداد وقف کا اپنے پاس تحریر کرتے رہیں باقی ماندہ ورثاء کو اختیار ھے کہ جب چاھیں حساب آمدنی وخرچ جائیداد موقوفہ کا متولی مذکور سے سمجھتے رہیں حساب سمجھانے میں متولی کو کوئی عذر نہ ہوگا۔

کوئی وقف نامہ علیحدہ تحریر نہیں ہوا، بکر برادر حقیقی جو کہ بروئے تقسیم نامہ مذکور اس جائیداد موقوفہ پر متولیانہ قابض ودخیل ہے اور جملہ انتظام ونگرانی کر رہا ہے اور کرایہ داروں سے کرایہ وصول کر رہا ہے۔ بکر نے اپنی تمام جائیداد منقولہ وغیر منقولہ اپنی اولاد ذکور واناث میں ہبہ کردی ھے چونکہ زندگی کا کچھ بھروسہ نہیں ھے اسلئے بکر کی خواہش ھے کہ جہاں تک ہو سکے جلد اپنی زندگی میں اپنے برادر حقیقی زید کی یادگار کو قائم کردے ان قطعات اراضی کو فروخت کر کے زرقیمت ان کے سے نیز آمدنی کرایہ ان قطعات سے جو کچھ زرنقد میرے پاس باقی ھے اسکو للٰہی اور مذہبی کاموں میں صرف کردوں چونکہ موجودہ قضاء انتظام مکہ کی سخت ناقابل اطمینان ھے اور بہت مشکل معلوم ہوتا ھے کہ ان خطرات میں جبکہ زائرین حجاز کا پہونچنا ہی مشکل ھے وہاں روپیہ کا بھیجنا یا خود جاکر رباط کا حسب دلخواہ تعمیر کرنا بہت محال اور دشوار معلوم ہوتا ھے۔ اور نہ معلوم موجودہ حاکم مکہ معظمہ تعمیر رباط کی اجازت بھی دے یا نہ دے اور اگر اجازت مل بھی گئی تو سامان تعمیر کا ملنا مشکل ھے۔ یہ بھی سنا جاتا ھے کہ مکہ معظمہ میں رباطیں یا اس قسم کے اوقاف میں ان کا انتظام واقفوں اور بانیوں کی منشا اور نیتوں کے موافق نہیں اور دور دراز کی وجہ سے مالک و واقف نگرانی و دیکھ بھال بذاتِ خود نہیں کر سکتے۔ اس لئے کچھ عرصہ کے بعد اس کے نگران اس پر قابض ہو کر مالک بن جاتے ہیں کرایہ وصول کرنے لگتے ہیں۔ بہر حال آجکل مکہ معظمہ اور جدہ وغیرہ میں، امیر علی اور امیر ابن مسعود کے مابین جنگ جاری ہے جس سے راستے مخدوش ہیں انتظامات ناقابل اطمینان اور نامکمل ہیں اور پھر نہ معلوم یہ جنگ کب تک جاری رھے اور بعد جنگ کے جو حاکم ہو اس کا قانون اور طرز عمل نیز طریقہ حکومت کیا ہو اور اس قسم کے اوقاف اور رباطوں کیلئے کیا قانون ہو بصورتِ مندرجہ بالا بحالتِ موجودہ بکر چاھتا ھے کہ ان قطعات کو فروخت کر کے اسکی قیمت سے ہندوستان ہی میں از نام زید یادگار قائم کردے مثلاً تعمیر یتیم خانہ، تعمیر دار الحدیث، مساجد ومدرسہ اسلامیہ و تعمیر ومرمت مساجد نیز دیگر مذہبی و للٰہی کاموں میں صرف کردے۔

ان قطعات کی فروختگی کے بعد انکی قیمت کا روپیہ اپنے پاس یا کسی بنک میں امانت رکھنا مناسب نہیں سمجھتا حاصل یہ ھے کہ بکر برادر زید متوفی کی تحریک پر جملہ ورثاء زید چند قطعات آراضی کو من جانب زید وقف کرنے پر راضی ہوئے اور سب نے اپنی رضامندی کی تحریر لکھ کر ثالث کو دیدی ثالث نے اس تحریر کے حوالہ سے قطعات اراضی کو وقف قرار دیکر بکر کو اس کا متولی قرار دیا اور سب ورثاء نے اسکی تولیت کو تسلیم کرلیا علیٰ ھذا ثالث نے جو شرائط وقف کی اپنے فیصلہ میں درج کیں اور جو مصرف متعین کیا خواہ وہ ورثاء نے اپنی تحریر میں لکھ کردی ہوں یا ثالث نے خود تجویز کی ہوں مگر سب ورثاء نے اسکو تسلیم کرلیا۔

ثالث نے تجویز کیا جسکو واقفین نے تسلیم کیا کہ حسبِ موقع قطعات موقوفہ کو فروخت کرکے زرقیمت ان کا مع آمدنی بیت اللہ بھیجکر حسبِ مرضی ورثاء دیگر رباط از نام زید تعمیر کرائے اور متولی خود رہے لیکن بکر کو مکہ مکرمہ کے حالات اختلافی جنگ وجدل وغیرہ مذکورہ بالا کی وجہ سے اطمینان نہیں کہ وہاں جائیداد موقوفہ قائم رہ سکے یا صحیح مصرف میں صرف ہو یا اسکی نگرانی وانتظام بذات خود یا اپنے نائب کے ذریعہ سے کرسکے اس لئے چاہتا ھے کہ زرقیمت اور آمدنی سے ہندوستان میں یتیم خانہ، یا دارالحدیث، مساجد ومدارس اسلامیہ تعمیر کرکے مستقل صدقہ جاریہ قائم کردے۔

پس بنظر حالات موجودہ سوالات یہ ھیں۔

(۱) کیا بکر متولی شرعاً مجاز ھے کہ برخلافِ تصریح شرائط ثالث مسلمہ واقفین آمدنی اور قیمت کو بجائے مکہ معظمہ کے ھندوستان کے اندر تعمیر مساجد ومدارس، ویتیم خانہ، ودارالحرب میں صرف کرکے صدقہ جاریہ قائم کردے۔

(۲) اگر زید کے بعض ورثاء اس پر رضامند نہ ہوں کہ قطعات اراضی موقوفہ کے روپیہ سے ہندوستان کے اندر صدقات جاریہ قائم کردئے جائیں یا اسکو منظور تو کرتے ہیں مگر بلا وساطت بکر متولی کے اپنی رائے سے ہندوستان میں کوئی صدقہ جاریہ قائم کرنا چاھتے ہیں تو اس صورت میں بکر کو بوجہ متولی ہونیکے یہ اختیار حاصل ھے یا نہیں؟ کہ اپنے اختیار سے جملہ قیمت کو صدقات جاریہ میں صرف کردے اور ورثاء کی رضامندی واجازت کا انتظار نہ کرے۔

(۳) اور کیا شرعاً یہ صورت بھی ممکن ھے کہ بکر جائیداد موقوفہ میں سے اپنے حصے اور

نیزان ورثاء کے حصے وقف کردہ کو جو رضامند نہیں ہیں انکو اختیار دیدے کہ اپنے حصے کی جائیداد موقوفہ میں اپنے اختیار سے عملدرآمد کریں۔ بینوا توجروا۔

الجواب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

واضح ہو کہ وقف مذکور صحیح ہے کیونکہ جبکہ ورثاء نے ثالث کو وکیل بالوقف بنادیا تو وقف کردینا اس کا صحیح ہے پس جیسا کہ ورثاء اگر خود وقف کرتے تو وقف صحیح ہوتا اسیطرح جبکہ ثالث نے ان کی طرف سے ان کے اذن سے وقف کردیا تو وہ بھی صحیح ہے جیسا کہ درمختار کتاب الوکالۃ میں ہے۔

التوکیل صحیح وھو اقامۃ الغیر مقام نفسہ الخ۔ فی تصرف جائز ممن یملکہ الخ لکل ما یباشر الموکل بنفسہ الخ انتہٰی ملخصاً۔

اور اسطرح بھی وقف صحیح ہوجاتا ہے کہ بوقت وقف یہ شرط کی جائے کہ اس کو فروخت کرکے دوسری زمین و مکان وغیرہ خرید کر وقف کردیا جائے۔

کما فی الدرالمختار: وجاز شرط الاستبدال بہ ارضاً اخرٰی او شرط بیعہ ویشتری بثمنہ ارضاً اخرٰی اذا شاء فاذا فعل صارت الثانیۃ کالاولی فی شرائطھا الخ (شامی)

اور بعض صورتوں میں بلاشرط واقف بھی استبدال صحیح ہے مثلاً جبکہ وقف اول بیکار ہوجائے اور اس سے کچھ نفع حاصل نہ ہو تو قاضی عادل و عالم و عامل بلاشرط واقف بھی اسکو فروخت کرکے اس کے عوض دوسری زمین و مکان خرید کر وقف کرسکتا ہے کیونکہ غرض یہ ہے کہ جس میں نفع زیادہ اور غرضِ واقف اس سے پوری طرح حاصل ہو۔ اسکی رعایت کرنا ضروری ہے

وکذا یفتی بکل ما ھو انفع للوقف فیما اختلف العلماء فیہ حاوی القدسی ومتی قضی بالقیمۃ شری بہا عقاراً آخر فیکون وقفاً بدل الاول (در مختار) ومراعات غرض الواقفین واجبۃ (شامی)

پس بعد تمہید کے جواب سوالات کا حسب ذیل ہے:۔

(۱) بکر متولی کو جائز ہے کہ جبکہ مکہ مکرمہ میں بناء رباط وغیرہ متعذر و مخدوش ہے جسکی تفصیل سوال میں ہے کہ وہ برخلافِ تصریح ثالث اور برخلافِ شرائط مسلمہ واقفین کے ہندوستان میں کوئی مسجد یا مدرسہ یا یتیم خانہ یا دارالحدیث تعمیر کرکے وقف کردے تاکہ یہ

صدقہ جاریہ باقی رہے اور اس کا ثواب دائماً پہنچتا رہے کیونکہ غرضِ واقفین حصولِ ثواب اخروی ہے اور یا کوئی ایسی چیز بنائی جائے جو کہ صدقہ جاریہ ہو تو ہندوستان میں مسجد و مدرسہ، و یتیم خانہ، دار الحدیث بنانے میں بھی یہ غرض حاصل ہے اسلئے یہ بھی جائز ہے جیسا کہ گذرا کہ رعایت رکھنا غرض واقف کی ضروری ہے۔ مراعاة غرض الواقفین واجبۃ الخ (شامی)

(۲) بکر کو بحیثیت متولی ہونے کے یہ اختیار حاصل ہے کہ اپنے اختیار سے جملہ قیمت کو کسی صدقہ جاریہ کی تکمیل میں صرف کردے کیونکہ ورثاء کو بعد وقف ہوجانے قطعات مذکورہ کے کچھ تعلق وقف سے باقی نہ رہا لھذا انکی اجازت کی تصرف مذکور میں کچھ ضرورت نہیں ہے اور متولی خود اپنی رائے سے مصلحت کے موافق عملدرآمد کرسکتا ہے کیونکہ وقف کردینے کے بعد حق واقف وقف سے منقطع ہوجاتا ہے۔

(۳) بکر کو لازم ہے کہ موافق شرط طے شدہ بوقتِ وقف کے تمام جائیدادوں کی قیمت کو صدقہ جاریہ کی تعمیر و تکمیل میں صرف کردے اور یہ صورت جائز نہیں ہے کہ بعض حصہ داروں کے حصص میں سے خود کوئی تعمیر کرائے اور بعض حصہ داران جو کہ راضی نہیں ہیں انکو اختیار دیدے کہ وہ بطور خود عملدرآمد کریں کیونکہ وقف کامل ہوجانے کے بعد یہ ارادوں کے اختیار سے باہر ہوگیا اور شرط طے شدہ کی تکمیل متولی کے ذمہ لازم ہے اسمیں تفاضل و تساھل نہ کرے۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ عزیز الرحمٰن عفی عنہ مفتی دار العلوم دیوبند

۸ محرم الحرام ۱۳۴۴ھ

تفصیل الجواب من جامع امداد الاحکام

قال فی العالمگیریۃ (ص ۲۱۶) : ولو قال ارضی ھذہ صدقۃ موقوفۃ ابداً علی ان لی ان استبدل بھا اخری یکون الوقف جائزاً استحساناً اذا کان الشرئ بثمن الاولیٰ کذا فی محیط السرخسی وکما لو اشتری الثانیۃ تصیر الثانیۃ وقفاً بشرائط الاولیٰ قائمۃ مقام الاولیٰ ولا یحتاج الی مباشرۃ الوقف بشروطہ فی الثانیۃ کذا فی فتاویٰ قاضی خان واذا قال : علی ان استبدل ارضاً اخری لیس لہ ان یجعل البدل داراً وکذا علی العکس کذا فی فتح القدیر : ولیس للقیم

ولاية الاستبدال الا ان ينص له بذالك ولوشرط له ولم يشترط لنفسه كان له ان يستبدل بنفسه كذا فی فتح القدير ولو قال بارض من البصرة ليس له ان يستبدلہ من غيرها وينبغي ان كانت ان يجوز لانه خلاف الى خير كذا فی فتح القدير اھ (ص ۲۱۶)

وفی الشامیہ، وفی الاسعاف: ولا يجوز ان يفعل الا ما شرط وقت العقد اھ

وفی فتاوىٰ الشيخ قاسم: وما كان من شرط معتبر فی الوقف فليس للواقف تغييره ولا تخصيصه بعد تقرره ولاسيما بعد الحكم اھ.

فقد ثبت ان الرجوع عن الشروط لا يصح الا التولية ما لو يشترط ذالك لنفسه فله تغيير المشروط مرة واحدةً الا ان ينص على انه يفعل ذالك كلما بدا له والا اذا كانت المصلحة اقتضته فاغتنم هذا التحرير اھ (ص ۶۶۸ ج ۳)۔

وفی الدر: قولهم: شرط الواقف كنص الشارع ای فی المفهوم والدلالة ووجوب العمل به اھ (ص ۶۴۴ ج ۳)

حاصل ان عبارات کا یہ ہوا۔

(۱) کہ متولی پر شرائط وقف کے مطابق عمل کرنا واجب ھے۔

(۲) متولی یا واقف کوئی بھی شرائط وقف سے رجوع کرنے کا حق نہیں رکھتا۔

(۳) مگر جب مصلحت رجوع کی مقتضی ہو تو واقف رجوع کر سکتا ھے۔

(۴) اور بعض صورتوں میں متولی کو بھی مخالفت شروط واقف کی اجازت ھے۔

(۵) وقف بشرط الاستبدال جائز ھے۔

(۶) اگر کسی خاص شہر کی زمین کے ساتھ استبدال کو مقید کیا ہو تو اس کے سوا کسی اور شہر کی زمین کے ساتھ استبدال جائز نہیں مگر یہ کہ دوسرے شہر کی زمین احسن ہو تو قیاساً جواز کی گنجائش ھے مذہب میں تصریح نہیں۔

(۷) متولی کو استبدال کا حق بدون اذن صریح واقف کے نہیں ھے۔

(۸) اگر واقف نے متولی کو استبدال کی اجازت دی ہو اور اپنے لئے اس حق

لہ دل علیہ لفظ ينبغي ان كانت احسن يجوز۔

کو ذکر نہ کیا ہو تو واقف کو خود بھی حق استبدال ثابت ہوگا اب اس کے بعد صورت مسئلہ میں غور کیا جائے تو ثالث نے نفس استبدال کو بھی متولی کیلئے مطلقاً مشروط نہیں کیا بلکہ رضاء ورثاء کے ساتھ مقید کیا ھے پھر استبدال مشروط میں تغیر کرنیکا حق بدون رضاء ورثاء کے متولی کو کیونکہ حاصل ہوگا پس صورتِ مسئولہ میں متولی کو اس وقف کا بیع کرنا بغرض بناء رباط فی بیت اللہ بھی بدون رضاء واقفین جائز نہیں اور بناء رباط فی بیت اللہ کے علاوہ کسی اور جگہ رباط وغیرہ بنانیکے لئے بیع کرنا تو بدون رضاء واقفین کے کسی طرح بھی جائز نہیں کیونکہ اسکو حق استبدال مطلقاً نہیں دیا گیا۔ اور مطلقاً بھی دیا گیا ہوتا تو واقفین کو بذات خود بھی استبدال کا حق قائم رہتا کما مر فی الجزئیۃ الثالثۃ المنقولۃ عن فتح القدیر۔ لھذا مجیب سلمہ کا یہ کہنا کہ یہ صورت جائز نہیں کہ بعض حصہ داروں کے حصص میں سے خود کوئی تغیر کرائے اور بعض حصہ داران جو راضی نہ ہوں انکو اختیار دیدے الخ سمجھ میں نہیں آیا۔ اگر سب ورثاء راضی نہ ہوں تو ہر واقف کو اپنے حصۂ وقف میں برضاء خود استبدال کا حق باقی ھے وقف کرنے سے واقف کی ملک منقطع ہوجاتی ھے نہ کہ حق تولیت وتصرف وغیرہ اور واقفین کو بھی بناء رباط فی بیت اللہ کی شرط کی مخالفت اس وقت جائز ھے کہ بناء رباط فی غیر بیت اللہ احسن ہو یا بیت اللہ میں رباط کا بنانا دشوار ہو اور دشواری کا خیال محض اخباری خبروں پر قائم نہ کرنا چاھئے بلکہ براہِ راست ان معتبر لوگوں سے جو کہ مکہ میں رباطات ومدارس کے متولی ومہتمم ہیں اسکو دریافت کرنا چاھئے مکہ میں سب رباطات ومدارس کے مہتمین ومتولین خائن نہیں ہیں بعض ثقہ ومعتبر بھی ہیں مثلاً مولوی محمد سعید صاحب مہتمم مدرسہ صولتیہ سے دریافت کیا جائے کہ آیا مکہ میں کسی رباط کا بننا ممکن ھے یا نہیں؟ مدرسہ صولتیہ کیلئے تعمیر مکان برائے اقامت طلبہ کی ضرورت مدرسہ مذکورہ کی رپورٹ میں عرصہ سے ظاہر کی جارہی ھے اگر مہتمم مدرسہ صولتیہ اس کا امکان ظاہر کریں اور اس کام کو اپنے اہتمام سے انجام دے سکیں تو غرض واقفین کے یہ زیادہ موافق ومناسب ہوگا اور صرف اپنا ایک آدمی نگرانی کاروبار کیلئے بھیجنا کافی ہوگا۔ اگر وہاں تفتیش تام کے بعد بناء رباط ممکن نہ ہو تو پھر ہندوستان میں بھی واقفین کی رضاء سے بنانا جائز

ہے اگر سب راضی نہ ہوں تو ہر واقف اپنے حصۂ وقف میں استبدال و عدم استبدال کا مختار ھے فقط واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ
از خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون
۱۲ ر محرم الحرام ۴۴ھ

ھذا ھو الحق عندی
اشرف علی
۱۲ ر محرم ۴۴ھ

واقف کو شروط وقف میں تغیر و تبدل کا اختیار نہیں

سوال :۔ زید کے پاس ایک قطعہ قبرستان کا جو پیشتر سے وقف نہ تھا شرکاء سے تقسیم ہو کر سب اس کے حصہ میں آگیا اور اس قطعہ میں چند قوموں کے موتی دفن ہوتے ہیں اور زید کے جد امجد کے بھی دو مقبرے ہیں ایک مردانا اور دوسرا زنانہ زید نے اپنی لاگت اور صرف سے بیریوں کے درخت لگا دیئے جب وہ پرورش ہو گئے اور پھل دینے لگے اس قطعہ کا مع بیریوں کے للہ وقف نامہ لکھدیا اور یہ نیت کی۔ اور یہی عبارت اسمیں لکھی کہ تا زندگی نصف آمدنی اپنے صرف میں لاؤنگا اور نصف آمدنی مکہ معظمہ میں مہاجرین و مساکین پر صرف کرونگا اور بعد مرنے زید کے اس کا بیٹا متولی ہوگا اور کل آمدنی اسکے گاؤں میں جو مدرسہ اسلامیہ یا قرآن کا مکتب ہو اسمیں صرف ہوگی اور جو نہ ہو وہ گاؤں کی مساجد میں۔

اب یہ دریافت کرنا ھے کہ مصرف اس آمدنی کا جو نیت زید نے کی تھی وہی ہے یا شرعاً اور مصرف بھی ہو سکتا ہے اور وہ مصرف کیا ھے ؟

المستفتی حاجی محمد یاسین خان صاحب اسلام پوری

الجواب :۔ صورت مسئولہ میں جبکہ زید نے اس وقف کا مصرف متعین کر دیا تو اس تعیین کے موافق تا حیات صرف کرنا واجب ھے اور بعد میں اس تعیین کے موافق صرف کرنا ضروری ھے جو بعد کیلئے متعین کی گئی اسمیں تغیر کرنیکا نہ واقف کو اب حق ہے نہ متولی مابعد کو ۔

قال فی العالمگیریۃ : اذا قال ارضی صدقۃ موقوفۃ للہ تعالیٰ ابداً علی ان اضع غلتھا حیث شئتُ جاز و لہ ان یضع غلتھا حیث شاء فان وضع فی المساکین او فی الحج او فی انسان بعینہ فلیس لہ ان یرجع عنہ و کذالک لو قال

جعلتها لفلان او اعطيتها فلانًا فلا يرجع عنه اھ (ص ۲۱۷ ج ۳)

وفيه ايضاً: ولو وقف ارضه على بني فلان على ان لي ان اعطي غلتها من شئت فشاء صرفها الى واحد من بني فلان بعينه جازت مشيته وان شاء كلمة عامة فتعم الكل ولو شاء صرفها الى غير بني فلان بطلت مشيته كذا في محيط السرخسي. فان قال: جعلت الغلة لابن فلان دون اخوته جاز ولم يكن له ان يحوله اھ (ص ۲۱۸ ج ۳)

قلت: فلما لم يجز التحويل فيما اذا جعل المشيتة له ثم عين مصرفاً فان لا يجوز فيما لا يجوز المشيتة له اولىٰ

اور اگر ان مصارف میں صرف کرنا دشوار و متعذر ہو گیا ہو تو سوال دوبارہ کیا جائے۔ واللہ اعلم

۳؍ جمادی الثانی ۴۲ھ

بیع اراضی وقف و حکم تولیت | **سوال ۶۰:** عبارت تقسیم نامہ متعلق قطعات اراضی و مکانات موقوفہ جو آٹھ قطعات زمین مع مکانات مذکورہ بالا واقع دہلی موری دروازہ کوچہ معطر خان مالیت مبلغ ۔۔۔۔ روپیہ ملکیت زید کی تھی اور جملہ وارثان اسکے نے مجھے یہ بیان کیا کہ مورث متوفی کی یہ منشاء تھی کہ منجملہ جائیداد اپنی کے کسی قدر جائیداد وقف کر دوں۔ مگر ان کو موقع نہ ملا مگر ہم سب ورثاء ان کے یہ چاہتے ہیں کہ یہ قطعات زمین کے وقف سمجھے جائیں تو بہتر ہے چنانچہ انہوں نے بتاریخ ۲۴؍ جنوری سنہ کو ایک درخواست مہری و دستخطی اپنی میرے پاس بھیجدی پس بموجب مرضی اور موافق تحریر درخواست کے بابت ان قطعاتِ زمین کے یہ فیصلہ کرتا ہوں کہ یہ قطعات مندرجہ بالا درولبست قطعی وقف سمجھے جائیں گے اور بقبضۂ بکر رہیں گے اور وہی ان کا متولی ہوگا اور جو آمدنی ہو وہ جمع کریں اور وقت موقع ان کو اپنے اقرار سے فروخت کر کے زر قیمت ان کا مع آمدنی بیت اللہ شریف بھیج کر حسبِ مرضی ورثاء دیگر رباط از نام زید تعمیر کرادیں اور اسکے متولی خود رہیں یا حسبِ مرضی ورثاء کسی اور کو متولی مقرر کر دیں اور بکر حساب آمدنی اس جائیداد وقف کا اپنے پاس تحریر کرتے رہیں باقی ماندہ ورثاء کو اختیار ہے کہ جب چاہیں حساب آمدنی و خرچ جائیداد موقوفہ کا متولی مذکور سے سمجھتے

رہیں حساب سمجھانے میں متولی کو کوئی عذر نہ ہوگا۔

اب سوال بصورت مندرجہ بالا یہ ہے

بعد انتقال بکر متولی برادر حقیقی زید کے ان قطعات اراضی و مکانات موقوفہ پر بکر کے پسران بحیثیت متولیانہ قابض و دخیل ہیں اور ان کا ہر ایک قسم کا انتظام اور نگرانی و وصول کرایہ وغیرہ اپنے اختیار متولیانہ سے انجام دے رہے ہیں پسران بکر متولیان (جو کہ شرعی طور پر اس اراضی میں منجانب پدر خود حصہ دار اور حقدار ہیں) کی خواہش ہے کہ وہ اراضی و مکانات موقوفہ مذکورہ کو جہانتک ہو سکے جلد از جلد فروخت کر کے زر قیمت اسکی صدقات جاریہ میں لگا دیں تا کہ زید انکے چچا کی یادگار بہت جلد قائم ہو جائے اور ثواب اس صدقہ جاریہ کا چچا مرحوم کو پہونچ جائے نیز جس قدر کام بکر متولی نے نامکمل چھوڑے ہیں اور انکی تمنا و آرزو تھی کہ اپنی حیات میں اپنے بھائی زید کی یادگار قائم کر دوں مگر ان کی زندگی نے وفا نہ کی اور یہ تمنا اپنے ساتھ لے گئے بکر متولی کی تمنا بھی ان کے بقیہ کاموں کی تکمیل کر کے پوری کر دی جائے۔ پسران بکر کی تولیت شرعی طور پر جائز ہے یا نہیں؟ اور پسران متولیان موجودہ کو مثل بکر متولی متوفی کے جملہ اختیارات بیع و تعمیر وغیرہ حاصل ہیں یا نہیں؟

الجواب:۔ اگر ان پسران بکر کو بکر متولی سابق نے برضاء دیگر ورثاء زید اپنی حیات یا مرض موت میں متولی کر دیا تھا تو انکی تولیت صحیح ہے کیونکہ ثالث نے بکر متولی کو کسی دوسرے کے متولی بنانیکا اختیار اسی شرط سے دیا ہے پس بکر کو بدون رضاء دیگر ورثاء کسی کے متولی بنانے کا حق نہ تھا تو اگر بکر نے اپنے بیٹوں کو اپنی حیات میں متولی نہ بنایا ہو یا بنایا ہو مگر دیگر ورثاء زید کی رضاء کی رعایت نہ کی ہو تو پسران بکر کی تولیت صحیح نہیں۔ ہاں اگر بعد انتقال بکر کے دیگر ورثاء زید نے پسران بکر کو متولی بنا دیا ہو اس صورت میں بھی تولیت صحیح ہے اور اگر یہ بھی نہ ہو تو ان کی تولیت صحیح نہیں۔ اور بعد صحت تولیت کے پسران بکر کو ان اراضی موقوفہ کی بیع کرنے اور انکی قیمت سے رباط تعمیر کرنیکا حق نہیں بلکہ اب یہ حق واقفین کو ہے اگر ان سے کوئی زندہ ہو یعنی ورثاء زید کو۔

قال فی العالمگیریۃ: ولو قال: ولیتك هذا الوقف فاسماله

الولایة حال حیٰوته لا بعد وفاته (ای الواقف) اھ (ص ۲۲۰ ج ۳)
واذا مات المتولی والواقف حی فالرأی فی نصب قیم آخر الی الواقف لا الی
القاضی وان کان الواقف میتاً فوصیه اولی من القاضی وان لم یکن اوصٰی الیٰ
احد فالرأی فی ذالک الی القاضی اھ (ص ۲۲۱ ج ۳) ـــــــ ولو شرط الواقف
فی الوقف الاستبدال لکل من ولی ھذا الوقف صح ذالک ویکون لکل من
ولی الوقف ولایة الاستبدال اما اذا کان الواقف علی ان لفلان ولایة
الاستبدال فمات الواقف ولا یکون لفلان ولایة الاستبدال بعد موت
الواقف الا ان یشترط الولایة بعد وفاته کذا فی فتاوٰی قاضیخان اھ (ص ۲۱۶ ج ۳)
وفیه ایضاً: ولیس للمشروط له ذالک ان یجعل لغیرہ اولوصی
به له کذا فی البحر الرائق اھ (ص ۲۱۷ ج ۳) واللّٰہ اعلم

از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ
۲۸ر جمادی الثانی ۴۴ھ

حکم وقف ثلث ترکہ بر مسجد بدون اذن وارث

سوال: ۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسماۃ ھندہ فوت ہوئی اس نے ایک چچازاد بہن کی لڑکی مسماۃ زینب اور ایک اپنے خاوند کا رشتہ جدی کا برادر زادہ مسمٰی زید اور ایک خالہ زاد برادر مسمٰی خالد وارث چھوڑے پھر چچازاد بہن کی لڑکی مسماۃ زینب اور مسماۃ ھندہ متوفیہ کے خاوند برشتہ جدی برادرزادہ مسمٰی زید میں باہمی جھگڑا ہوا کہ میں اس کا مالک ہوں حالانکہ خاوند مرحوم نے اپنی حیات میں تمام مال و اسباب خانہ وصحرائی جائیداد و مکان کا ھبہ نامہ باقاعدہ اپنی اھلیہ کے نام کردیا تھا اب اسکے رشتہ جدی کے برادرزادہ مسمٰی زید کو متوفیہ کی جائیداد سے کچھ شرعاً تعلق نہ تھا اور چچازاد بہن کی لڑکی مسماۃ زینب نے کہا کہ ھم مالک ہیں چنانچہ یہ جھگڑا پنچائیت میں شرفا کی پیش ہوا اسکے بعد پنچائیت کو چند اشخاص مرد و عورت سے معلوم ہوا کہ متوفیہ مسماۃ ھندہ یہ بیان کیا کرتی تھی کہ میں اپنے تمام گھر کا سامان و مکان و صحرائی جائیداد تین سہام پر تقسیم کرونگی ایک حصہ مسجد کو اور ایک حصہ چچازاد بہن کی لڑکی مسماۃ زینب کو اور ایک حصہ اپنے خاوند کے جدی برادرزادے زید کو دونگی۔ چنانچہ اس کا عملدرآمد سرکاری

کاغذات میں کرنیکو ایک شخص بھی مقرر کیا تھا مگر اس کے تساہل میں عملدرآمد کاغذات سرکاری میں نہ ہوا تھا کہ وہ فوت ہوگئے چنانچہ پنچائیت نے دو عالم طلب کرکے ارادہ متوفیہ کو بیان کیا علماء نے فریقین سے دریافت کیا کہ اس تقسیم کو تم بھی منظور کرتے ہو یا نہیں؟ چنانچہ انہوں نے اپنی رضا مندی کا اظہار کرکے روبروئے پنچائیت ترکہ مذکور اسی طرح تقسیم کرلیا۔ مسجد کا حصہ مسجد کے متولیان کو دیدیا گیا چند روز کے بعد متوفیہ کا خالہ زاد بھائی آیا جس کا حال کسی کو معلوم نہ تھا اور نہ وہ یہاں کا باشندہ تھا وہ شرعاً کل ترکہ کا مالک تھا اس نے اثاث البیت وغیرہ کل ترکہ متوفیہ کا ثلث حصہ تو مسجد کو حسب فیصلہ مذکور چند معتبرین کے سامنے بخوشی دیکر کہدیا کہ متوفیہ کو اس کا ثواب پہنچیگا میں برضا و رغبت اسکو تسلیم کرتا ہوں مگر ایک حصہ چچا زاد بہن کی لڑکی مسماۃ زینب کا اور برادر زادہ جدی مسمیٰ زید متوفیہ کے خاوند کا حصہ اثاث البیت کا تیامت میں مواخذہ کرونگا اب صحرائی جائیداد اور مکان کے حصہ کی بابت برادر زادہ جدی خاوند متوفیہ مسمیٰ زید نے وارث مذکو یعنی خالہ زاد بھائی کو فریب دیا اور اس فریب میں اس کے چند اشخاص دوسرے بھی شامل ہوگئے کہ میرے نام کی تمام جائیداد میں سرکاری کاغذات میں عملدرآمد ہوگیا اب تم دعویٰ کروگے تو روپیہ بہت خرچ ہوگا۔ لھذا نصف تم مجھے دیدو اور نصف کا تم روپیہ لیکر میرے نام بیع نامہ کردو چنانچہ متوفیہ کے خالہ زاد بھائی مسمیٰ خالد نے اس کے فریب میں آکر مکان اور صحرائی حصہ کا بیع نامہ اسی طرح کردیا اور اثاث البیت کا حصہ تو کارکنان مسجد کے قبضہ میں پیشتر سے حسب رضا مندی جائز و ناجائز وارثان آہی چکا تھا اب صحرائی و مکان کے حصہ کی بابت کارکنان نے دعویٰ عدالت میں کیا چنانچہ دوران مقدمہ میں برادر زادہ خاوند نے کارکنان مسجد سے مبلغ تین سو روپیہ پر فیصلہ کرلیا اور رقعہ لکھدیا کہ روپیہ مسجد کو ادا کرونگا چنانچہ رقعہ موجود ھے ــــــ تو اب سوال یہ ھے کہ اثاث البیت کا حصہ جو قبل از بیع نامہ وارث شرعی نے مسجد کو دیدیا اور وارث ناجائز نے بھی دیا مسجد کا ہے یا کس کا؟ وارث ناجائز اب کہتا ھے کہ میں وارث جائز سے تمام اثاث البیت اور مکان اور جائیداد صحرائی کا حصہ خرید چکا ہوں لھذا حصہ اثاث البیت جو مسجد کو دیا گیا ھے مجھکو واپس دیا جائے حالانکہ بیع نامہ میں اثاث البیت کی خریداری کا لفظ کہیں موجود نہیں ھے۔

(۲) یہ کہ اب کارکنان مسجد کو بابت جائیداد صحرائی کے تین سو روپیہ خریدار سے

شرعاً لینا جائز ہے یا نہیں ؟ اور مسجد اسکی مالک ہے یا نہیں اور اثاث البیت کا حصہ جو مسجد میں موجود ہے شرعاً کس کا ہے اور اثاث البیت بلا صراحت کیا بعینا مد میں داخل ہوسکتا ہے یا نہ ؟ اور جبکہ حصہ مسجد کا ہوا تو اس کے لینے والے اور دلانے والے کو شرعاً مسجد کو دینا واجب ہوگا یا نہ ؟ اور جس وقت وارث شرعی اور دوسرا مسمّٰی زید برادر زادہ اور جدی خاوند متوفیہ بھی مسجد کو دے چکے تو واپسی کا حق شرعاً ہوگا یا نہیں ؟ اور اگر ہوگا تو کس کو ہوگا ؟ جواب حوالہ کتب سے ارقام فرمایا جائے اور تمام علماء والا قدر کی مہر بب اور دستخط سے فتویٰ مزین کرا کر بہت جلد ارسال فرمائیں ۔ فقط

الجواب :۔ صورت مذکورہ میں مسماۃ ھندہ[1] متوفیہ کا وارث شرعی اس کا خالہ زاد بھائی ہے لکونہ اقرب الی المیت پس اس کی رضا مندی سے پہلے جو فیصلہ کیا گیا تھا وہ محض لغو تھا پھر بعد میں اگر اس نے بخوشی ثلث ترکہ مسجد کو دیدیا تو جس چیز پر تقسیم کے بعد مسجد کے متولی کا قبضہ ہوگیا وہ تو مسجد کی ملک ہوگئی اور جس چیز کو ابھی تقسیم نہیں کیا گیا اور اس پر متولی مسجد کا قبضہ نہیں ہوا ۔ وہ ابھی مسجد کی نہیں ہوئی کیونکہ اس صورت میں ھبہ مشاع بھی لازم آتا ہے جو قابل تقسیم اشیاء میں مانع صحت ہے اور مشاع بھی نہ ہو تو ھبہ بدون تسلیم وقبض کے تام نہیں ہوتا اور صورتِ سوال میں خالد نے وقف کا لفظ استعمال نہیں کیا بلکہ دینے کا لفظ استعمال کیا ہے ۔

وقال فی العالمگیریة : ولو قال : وھبت داری للمسجد او اعطیتھا لہ صح ویکون تملیکاً ویشترط التسلیم کما لو قال : وقفتُ ھذہ المأة للمسجد یصح بطریق التملیك اذا سلم للقیم کذا فی الفتاوی العتابیة (ص ۲۴۰ ج ۳)۔

وفی الدر : والصدقة کالھبة لا تصح غیر مقبوضة ولا فی مشاع یقسم اھ (ص ۹۹۶ ج ۴)

پس جس اثاث البیت پر کارکنان مسجد کا برضامندی خالد قبضہ ہوچکا ہے وہ تو مسجد کا ہے اس میں کسی کا دعویٰ صحیح نہیں اور جائیداد صحرائی وسکنائی کا ثلث جس پر خالد نے

---

[1] بشرطیکہ ھندہ کے شوہر نے خود ھندہ کو ھبہ کیا ہے وہ شرائط کے موافق ہو ورنہ زید مالک رہیگا ۔ اور اس کے ورثاء کو وہ ترکہ ملیگا ۔

ہنوز مسجد کا قبضہ نہیں دلایا مسجد کی ملک نہیں ہوگی نہ اہل مسجد کو اس کے دعویٰ کرنے کا حق ہے جبتک کہ خالد خود قبضہ نہ دلائے پس اہل مسجد نے جو تین سو روپیہ پر زید سے فیصلہ کیا ہے یہ فیصلہ حرام ہے زید کے ذمہ ان تین سو روپیہ کا دینا مسجد میں واجب نہیں اور زید نے بھی جو خالد پر دباؤ ڈالکر نصف حصہ بلا معاوضہ لیا ہے یہ نصف حصہ شرعاً اس کیلئے حلال نہیں کیونکہ صرف نام ہونے سے جائیداد ملکیت نہیں ہوجاتی لہذا شرعاً زید پر واجب ہے اور اسیطرح زینب پر کہ خالد کو کل ترکہ پر قبضہ دلادے پھر چاہے وہ ان کو از خود ھبہ کردے یا ان کے ہاتھ بیع کردے۔ واللہ اعلم

۱۰ شعبان ۴۲ھ

مسجد کی موقوفہ زمین کی آمدنی سے نمازیوں کیلئے پانی گرم کرنا۔	**سوال:۔** مسجد کی ایک موقوفہ جائیداد ہے اسکی آمدنی سے کوئلہ، لکڑی خرید کر نمازیوں کیلئے پانی گرم

کرنا بالخصوص جبکہ وقف نامہ بھی گم ہوگیا ہو اور واقف کی نیت بھی معلوم نہیں کہ اس نے کون کون سی ضروریات کیلئے جائیداد وقف کی تھی تو ایسی صورت میں مسجد کی آمدنی سے پانی گرم کرنا جائز ہے یا ناجائز جواب سے مطلع فرمائیں۔

المرسل محمد میاں عفی عنہ انکوہ منصوری

الجواب:۔ صورت مسئولہ میں جبکہ وقف نامہ موجود نہیں تو پہلے متولیوں کا طرز عمل دیکھا جائے اگر پہلے متولیوں کا طرز عمل یہ رہا ہو کہ اس زمین کی آمدنی سے کوئلہ، لکڑی خرید کر نمازیوں کیلئے پانی گرم کرتے ہوں تو یہ فعل اب بھی جائز ہے ورنہ نہیں بلکہ مصالح مسجد میں اسکی آمدنی کو صرف کیا جائے البتہ اگر جاڑے کے موسم میں پانی گرم نہ کرنے سے نمازی اس مسجد میں نہ آتے ہوں یا بہت کم آتے ہوں تو ہر حال میں یہ فعل جائز ہوگا کیونکہ اب یہ مصالح مسجد میں داخل ہوگیا۔ لان تکثیر الجماعۃ من مصالحہ۔ واللہ اعلم

از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ

۲۸ ذی قعدہ ۴۲ھ

دو منزلہ مکان دو شخصوں پر اس طرح وقف ہو کہ ایک منزل ایک پر اور دوسری دوسرے پر تو پہلی منزل کی چھت کی مرمت کس کے ذمہ ہوگی	**سوال:۔** کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنا مکان دو منزلہ وقف کیا ایک منزل نچلی اپنے اہل و عیال

پر اور دوسری او پرئے گھر کے اہل و عیال پر اور وقف نامہ میں یہ تحریر کر دیا کہ ہر دو منزل کی مرمت اسکے ساکنین کے ذمہ رہیگی۔ تو سوال یہ ہے کہ پہلی منزل کی چھت کی (جو کہ پہلی منزل والوں کیلئے چھت کا کام اور دوسری منزل والوں کیلئے زمین کا کام دیتی ہے ونیز اس چھت مذکور پر تمام ضروریات کیلئے پختہ عمارت بھی بنی ہوئی ہے از قسم مکرہ کوٹھری غسل خانہ وغیرہ) مرمت کس کے ذمہ ہونا چاہئے؟ ساکنین منزل زیریں پہ یا ساکنین منزل بالا پر؟ بینواتوجروا۔

سائل محمد عبد الشہید

الجواب:۔ قال فی الفتاوی الحامدیۃ: (سئل) فی علو جار فی ملک زید وتحتہ سفل جار فی وقف بر فتکسر بعض اخشاب السفل فهل تكون عمارتها علی جهة الوقف دون زيد؟ الجواب: نعم: والمسئلة فی الخيرية من الوقف۔ وقال فی الدر: شرطه شرط سائر التبرعات اھ (ص ۵۵۵ ج ۳)۔

وفيه ايضاً: تجوز هبة حائط بين داره ودار جاره لجاره وهبة البيت من الدار اھ (ص ۷۸۶ ج ۴)

ان عبارات سے معلوم ہوا کہ یہ وقف صحیح ہے اور فتاوی حامدیہ کی عبارت سے معلوم ہوا کہ چھت کی شکست و ریخت کی مرمت حصہ زیریں والوں پر ہے حصہ بالائی والوں پر اس عمارت کی چھت اور دیواروں کی مرمت ہے جو حصہ زیریں کی چھت پر بنے ہوئے ہیں واللہ اعلم

۲ محرم ۴۵ھ

وقف زمین موہوبہ للغیر جبکہ واہب رجوع فی الھبۃ کا دعویٰ کرے اور اس وقف کی آمدنی سے مصارف مقدمہ لینے کا حکم

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ زید نے کچھ اراضی منجملہ اپنے کل حصہ کے بکر کو ہبہ کی اور قبضہ دیکر مکمل کر دیا۔ ہبہ کرنیکے کچھ عرصہ بعد زید نے واپسی ھبہ کا دعویٰ کیا جس میں دو عدالتوں سے ناکام ہو کر عدالت عالیہ میں اپیل کی ہنوز مقدمہ اپیل سے فیصلہ نہیں ہوا تھا کہ زید نے اپنا کل حصہ جس میں اراضی موہوبہ بھی ہے وقف لوجہ اللہ کرکے مکمل کر دیا اور اراضی موہوبہ کی بابت حسب ذیل عبارت تحریر وقف نامہ کیا۔

(میں نے جو جائیداد بکر کو ھبہ کی اسکی تنسیخ کا مقدمہ عدالت جوڈیشلی میں دائر ھے
اگر ہبہ نامہ منسوخ ہوکر جائیداد واپس ہوگئی تو وہ بھی شامل وقف نامہ ہذا تابع شرائط
وقف نامہ ھذا رہیگی۔

مقدمہ اپیل زید کے خلاف فیصلہ ہوا اور زید کو بکر کا خرچہ ادا کرنا پڑا۔ زید
جائیداد موقوفہ کا متولی ھے اور وقف مذکور ایک کمیٹی کی زیر نگرانی ھے زید کمیٹی سے یہ
خواہش کرتا ھے کہ اسکو وہ روپیہ جو بکر کو بعد خرچہ مقدمہ دینا پڑا ھے آمدنی وقف سے
مل جائے کیا صورت حال بموجب عبارت وقف نامہ جائیداد موہوبہ اگر واپس ہوجاتی
تو وقف شمار ہوتی اور خرچہ مقدمہ جسکی خواہش متولی واقف کرتا ھے آمدنی جائیداد
موقوفہ سے کمیٹی دے سکتی ھے اور وہ صرفہ جائز ہوگا جبکہ وقف نامہ میں اس خرچہ کا کچھ
ذکر نہیں ھے۔

احقر امتیاز علی از خیر آباد، ڈاک خانہ خراما
محلہ شیخ سرائے ضلع سیتاپور، اودھ۔

الجواب:۔ صورتِ مسئولہ میں زید نے جو زمین موہوبہ کو تعلیق کے ساتھ وقف
کیا تھا یہ وقف صحیح نہ تھا۔ کیونکہ وقف کیلئے مملوک ہونا شرط ھے اور یہ زمین مملوکہ زید
نہ تھی بلکہ مملوکہ غیر تھی اور مملوکہ غیر کا وقف تعلیقاً و تنجیزاً ہر طرح باطل ہے اگر یہ زمین
واپس آجاتی اور یہ واپسی قواعد شرع کے موافق برضاء موہوب لہ واقع ہوتی تو اس کا
وقف پہلی عبارت سے پھر بھی صحیح نہ ہوتا بلکہ وقف مستقل کی حاجت ہوتی پس زید کو اس
زمین کے مقدمہ کا صرفہ آمدنی وقف سے لینا جائز نہیں کیونکہ اس مقدمہ کو وقف سے کوئی
تعلق نہ تھا کمیٹی وقف کو بھی اس کا خرچ زید کو دینا آمدنی وقف سے جائز نہیں۔

قال فی الدر مع الشامیة: وشرطه شرط سائر التبرعات (افاد ان
الواقف لابد ان یکون مالکاً له وقت الوقف ملکاً باتاً ولو بسبب فاسد۔ ش)
وان یکون منجزاً لا معلقاً الا بکائن ولا مضافاً ولا موقتاً (لان الوقف لا
یحتمل التعلیق بالخطر لکونه مما لا یحلف به کما لا یصح تعلیق الهبة بخلاف
النذر) وقوله: الا بکائن او موجود للحال فلا ینافی عدم صحته معلقاً
بالموت قال فی الاسعاف: ولو قال: ان کانت هذه الارض فی ملکی

فهی صدقة موقوفة، فان کانت فی ملکه وقت التکلم صح الوقف والا
فلا (ھ ش (ص ۵۵۶ ج ۳)　والله اعلم

از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ
۶، محرم الحرام ۴۵ھ

ایسے مسافر خانہ کا حکم جس کا مالک معلوم نہ ہو

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ یہاں ایک چھوٹی مسجد کچی جڑاتی کی کھپرا پوش مجھ دار ہے اور اسی مسجد کے احاطہ میں مغربی جانب اسکے متعلق ایک مسافر خانہ بھی اسیطرح کھپڑا پوش بنا ہوا ہے چنانچہ اس مسجد کو شہید کر کے اور مسافر خانہ کو گرا کر ازسر نو مسجد کو ریختہ و وسیع چھت دار اور مسافر خانہ کو سامنے مشرقی جانب بنانے کا خیال ہے جس میں موذن وغیرہ کے رہنے کا بھی سامان ہوگا جس کا کل سامان ہو چکا ہے بلکہ مسافر خانہ ٹوٹ چکا ہے مگر مختلف بیانات کی وجہ سے چند شکوک ایسے پیدا ہوئے کہ اس کا فتویٰ طلب کرنا نہایت ضروری ہے۔ لھذا مندرجہ ذیل سوال معروض ہیں۔

(۱) جسطرح مسجد کے کل مال وسامان (کھپرا بتیاں، بانس و اینٹیں وغیرہ مال وقف ہیں غالباً اس مسافر خانہ کے کل سامان و اسباب کھپرا بتی، و اینٹیں وغیرہ بھی مال وقف ہونگے کیونکہ اس کا خاص کوئی مالک نہیں ہے اور رفاہ عام کیلئے ہے اور کل برتاؤ اس کے ساتھ مسجد کے متعلقات کی طرح کئے جاتے ہیں۔

الجواب:۔ تحقیق کے بعد اگر اس مسافر خانہ کا کوئی خاص مالک معلوم نہ ہو تو اسکو وقف ہی شمار کیا جائیگا کیونکہ عرف یہی ہے کہ سرائے اور مسافر خانہ بطور وقف کے بنائے جاتے ہیں۔　دوسرے جس چیز کا کوئی مالک نہ ہو اس کا مالک بیت المال ہے اور بیت المال نہ ہو تو عامہ مسلمین ہیں یعنی عامہ مسلمین کو اسکے انتظام کا حق ہے اس کا مرجع بھی وقف ہی کی طرف ہے　واللہ اعلم۔

از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ
۱۵، محرم الحرام ۴۵ھ

وقف علی الاولاد اور تعلیق تولیت علی شرط

سوال:۔ مخدوم و مکرم و معظم جناب حضرت مولانا شاہ محمد اشرف علی صاحب دام فیوضکم۔ السلام علیکم۔

بعد سلام مسنون عرض ھے کہ میرا ارادہ اپنی جائیداد کو وقف علی الاولاد اپنے پوتے انعام اللہ خاں اور اپنی پوتی چندا بیگم کے نام کرنیکا ھے انعام اللہ خاں عرصہ سے مفقود الخبر ھے، وقف نامہ میں تحریر کیا جائیگا کہ اول انعام اللہ خاں اگر آجائے تو متولی رہے ورنہ پوتی اور اس کے بعد اسکی اولاد از قسم ذکور متولی ہونگے کیا اس قسم کا وقف بنام پوتا و پوتی شرعاً جائز ھے؟

الجواب:۔ اگر بجز پوتا اور پوتی کے اور کوئی وارث نہیں یا ھے مگر ان سے مؤخر ھے تو اس وقف میں کوئی کراہت نہیں جبکہ وقف نامہ میں آخری جہت ایسی ہو جو غیر منقطع ہو مثلاً یہ لکھدیا جائے کہ اگر ان کی اولاد کا سلسلہ منقطع ہو جائے تو اس زمین کی آمدنی فقراء کو دی جائے اگر جہت غیر منقطع کا ذکر نہ کیا گیا تو وقف صحیح نہ ہوگا۔

قال الشامی: والصحیح ان التابید شرط اتفاقاً لکن ذکرہ لیس بشرط عند ابی یوسف وعند محمد لابد ان ینص علیہ وصححہ فی الھدایۃ:

ایضاً وفی الاسعاف: لوقال: وقفتُ ارضی ھذہ علی ولد زید و ذکر جماعۃ باعیانھم لم یصح عند ابی یوسف رح ایضاً لان تعیین الموقوف علیہ یمنع ارادہ غیرہ بخلاف ما اذا لم یعین لجعلہ ایاہ علی الفقراء اھ

(ص ۵۶۴ ۔ ج ۳)

وفی الخلاصۃ عن شرح الطحاوی: تعلیق العزل باطل وتعلیق الوکالۃ بالشرط جائز متعارفاً کان او غیر متعارف اھ (ص ۱۵۰ ۔ ج ۴).

قلت: والتولیۃ کالتوکیل۔

اور اگر ان دونوں کے سوا اور بھی وارث ہیں جو ان سے محجوب نہیں اور وقف سے انکو محروم الارث کرنا مقصود ھے تو کراہت سے خالی نہیں، واللہ اعلم

از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ

۲۹ ذی الحجہ ۴۵ھ

متولی اگر بدون وصیت مرجائے تو متولی مقرر کرنے کا حق کس کو ہے

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے اپنی ملکیت کی آمدنی میں سے آٹھواں حصہ وقف کیا اور وصیت نامہ لکھا جس میں واقف نے اس کے

خرچ کرنیکی تفصیل بھی بتائی اور اس کے دو متولی مقرر کئے اور خرچ کرنیکی تفصیل یہ ھے
مکہ معظمہ میں پچیس روپیہ سالانہ اور پچیس روپیہ مدینہ منورہ میں بھیجے جائیں اس کے علاوہ
جو حصہ آمدنی کا زائد رھے اس کو طالب علم وکنواں وغیرہ ودیگر کارخیر یعنی ثواب کے کاموں
میں خرچ کرنا اور اس کا اختیار مقرر کردہ متولیان کو دیتا ہوں کہ مقرر کردہ آمدنی کو جمع
خرچ کریں اور اگر ان میں سے دونوں کی یا ایک کی موت واقع ہو تو انکو اختیار ھے کہ یہ
اپنی جانب سے کسی کو متولی مقرر کردیں مذکور شخص یعنی واقف کے انتقال کے بعد دونوں متولیان
نے موقوفہ آمدنی کو اپنے قبضہ میں لیکر وصیت نامہ کے مطابق جمع خرچ اور اسکی دیکھ بھال
کی متولیان میں ایک واقف کا لڑکا تھا اور ایک بھتیجا ان میں سے ہر ایک متولیان نے
یکے بعد دیگرے انتقال کیا دونوں متولیان میں سے کسی ایک نے بھی اپنی جانب سے کسی کو
متولی مقرر نہیں کیا بلکہ وہ موقوفہ آمدنی کا حصہ بعد انتقال متولی ثانی کے جوکہ واقف کا بھتیجا
تھا اسکی اولاد نے اپنے قبضے میں لیکر اسکی آمدنی کو وصول کرکے اپنے اختیار سے وصیت
نامہ کے خلاف جسکی تفصیل اوپر گذرچکی ھے آمدنی کو خرچ کیا۔

اب سوال یہ ھے کہ آیا یہ متولی قابل تسلیم ہیں یا نہیں؟ اور یہ انکا خرچ کرنا
خلاف وصیت نامہ کے جائز ھے یا نہیں؟ اگر جائز نہیں ھے تو انہوں نے جو آمدنی وصول
کرکے وصیت نامہ کے خلاف خرچ کردی ہے اس کا بار اُن کے ذمہ ھے یا نہیں؟ یعنی جو آمدنی
وہ وصیت نامہ کے خلاف خرچ کرچکے ہیں وہ ان سے وصول کرسکتے ہیں یا نہیں؟

دوسرا سوال یہ ھے: کہ اس واقف کے وارث یعنی اولاد موجود ھے انکو یہ اختیار
ھے کہ نہیں؟ کہ موجودہ متولی جو از خود بنے ہوئے اور خلاف وصیت خرچ اپنے اختیار سے
کررہے ہیں ان کے قبضہ سے لیکر کسی دوسرے کو متولی بنائیں یا خود متولی بنیں۔

دیگر یہ کہ موجودہ متولیان نے واقف کے رشتہ داروں کو خلاف شرطِ وصیت نامہ
سب جگہ سے بند کرکے انکو اپنے اختیار سے دیدے آیا یہ جائز ھے یا نہیں؟ زیادہ حد۔ والسلام

المرسل: نیازمند محمد یوسف راندیر ضلع سوات

الجواب:۔ قال فی الدر (ص ۶۳۶ ج ۳): ثم اذا مات المشروط له
بعد موت الواقف ولم یوص لاحد فولایة النصب للقاضی اذ لا ولایة لمستحق
الا بتولیة کما مر وما دام احد یصلح للتولیة من اقارب الواقف لا یجعل

المتولی من الاجانب لانه اشفق اھ۔

وقال الشامی تحت قول الماتن: ولایۃ نصب القیم الی الواقف ثم لوصیہ ثم للقاضی اھ ما نصہ ثم اتفق المتاخرون ان لا یعلموا القاضی فی زماننا لما عرف من طمع القضاۃ فی اموال الاوقاف وکذالک اذا کان الوقف علی ارباب معلومین یحصٰی عددھم اذا نصبوا متولیا وھو من اھل الصلاح اھ (ص ۶۳۳ ج ۳)

صورت مسؤلہ میں جب دونوں متولیوں نے کسی کے واسطے تولیت کی وصیت نہیں کی تو متولیوں کے ورثاء کا از خود متولی ہو جانا درست نہیں ہوا۔ بلکہ متولی بنانے کا اختیار قاضی کو تھا اور جہاں قاضی نہ ہو یا ہو مگر عادل نہ ہو وہاں اس مقام کے اہل صلاح مسلمین کو متولی بنانے کا اختیار ہے پس اس صورت میں بلدِ واقف کے اہل صلاح علماء و رؤساء و صلحاء جس کو متولی بنادیں وہ متولی ہوگا اور مسلمانوں کو لازم ہے کہ جب تک واقف کے اقارب میں تولیت کے قابل کوئی ہو اس وقت تک اجنبی کو متولی نہ بنائیں بلکہ اقارب واقف کو مقدم کریں البتہ اگر اقاربِ واقف میں کوئی لائق نہ ہو تو اجنبی کو متولی کر دینا جائز ہے لیکن بعد میں اگر کسی وقت اقاربِ واقف میں کوئی قابل پا یا گیا تو اجنبی کو الگ کرکے قریبِ واقف کو متولی کر دینا لازم ہوگا پس اجنبی کو اس شرط کے ساتھ متولی بنایا جائے کہ جب تک اقاربِ واقف میں کوئی لائق تولیت نہ ہو اس وقت تک اجنبی متولی ہے۔

قال الشامی نقلاً عن کما فی الحاکم: ولا یجعل القیم فیہ من الاجانب ما وجد من ولد الواقف واھل بیتہ من یصلح لذالک فان یجد فیھم من یصلح لذالک فجعلہ الیٰ اجنبی ثم صار فیھم من یصلح لہ صرفہ الیہ اھ (ص ۶۳۶ ج ۳)

پس جب واقف کی اولاد موجود ہے تو وہ سب سے زیادہ مستحق تولیت ہیں بشرطیکہ ان میں صلاحیت و دیانت موجود ہو اور جو لوگ از خود متولی بنکر خلافِ شرط وصیت نامہ واقف کے عمل کر رہے ہیں ان کا یہ عمل جائز نہیں اور وہ اس رقم کے ضامن ہیں جسکو انہوں نے خلافِ شرائط وقف دوسری جگہ صرف کیا ہے وھذا ظاھر

واللہ اعلم

۱۵، صفر ۴۶ھ

ایسے وقف کا حکم جو بدون صیغۂ تابید و جہت غیر منقطعہ شخص معین پر کیا گیا ہو۔

سوال ۵:- کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ زید نے فی سبیل اللہ ۱۲ کنال زمین بکر کو وقف کردی ہے اور بکر نے اپنی گرہ سے اور نیز کوشش کرکے چند اہل اسلام مؤمنین کی امداد مالی و بدنی لسانی سے زمین وقف شدہ مذکور میں مدرسہ اسلامیہ بنا کر اس میں کتب ذیل کی تعلیم دینی شروع کردی، قرآن شریف، تفسیر، کتب فقہ، فارسی اور چند رسالے مسائل ضروریات دینیات میں سے بزبان اُردو و مصنفہ مولوی غلام قادر صاحب اور حساب و تحریرات مروج دنیاوی مدرسہ مذکورہ میں جاری کردیا اور چند معلمین کو بھی مقرر کردیا جس میں کہ گرد و نواح کے عوام الناس نے علم دینی سے بہت فیض پایا اور مدرسہ مذکورہ بالا کی رونق دن بدن ترقی پر ہوتی گئی اور ڈسٹرکٹ بورڈ کے ممتحنان نے بھی اسمیں اپنے دورے کرنے شروع کردئے اور ہر معلم کو متفرق ماہواری مقرر ہوگئی ڈسٹرکٹ بورڈ کی جانب سے یہ مسئلہ متواتر تین سال نافذ رہا۔ بعد ازیں وقف کنندہ اپنے وقف کردہ زمین مذکورہ سے صاف انکاری ہوگیا، کہ نہ میں نے زمین وقف کی ھے اور نہ میں زمین وقف کرنا چاہتا ہوں۔ القصہ! وقف کنندہ نے بعد چند دیگر اشخاص کی امداد سے عمارات آبادی شدہ بنا یا مدرسہ کی گرادی اور ایسی مدرسہ کی لکڑی پتھر وغیرہ سے بجائے مدرسہ کے مسجد اسی جگہ اور اسی وقف زمین میں بنا دی۔

(۱) کیا وقف کنندۂ زمین کو استحقاق واپسئ زمین وقف شدہ کا ھے جوکہ زمین واپس وقف شدہ کو کرے۔

(۲) مسجد کے متعلق کیا حکم ھے؟ اسمیں نماز پڑھنی جائز ھے یا نہیں؟ چونکہ مسجد کی بناء مدرسہ کی لکڑی پتھر سے ہوئی ھے۔

(۳) اور زید کے متعلق کیا حکم ھے کہ جس نے زمین وقف کرکے انکار کردیا ھے اور عمارت مدرسہ کے انہدام کا موجب ہوا ھے۔

الجواب:- سوال مذکور کے ساتھ جو دوسرا پرچہ منسلک ھے اس میں اس وقف کا جو واقعہ مذکور ھے اس سے معلوم ہوا کہ یہ وقف شرعاً درست نہیں ہوا کیونکہ زید نے بکر سے صرف یہ کہا ھے کہ اے بکر! یہ زمین اسقدر اسکو میں نے راہ اللہ تجھے وقف کردی ھے تجھے ہر قسم کے اختیارات ہیں الخ اس میں کوئی لفظ تابید کا مذکور نہیں اور تابید صحتِ

وقف کیلئے شرط ہے کہ جہت غیر منقطعہ کا ذکر ہو اور جب وقف صحیح نہیں ہوا تو یہ زمین بدستور زید کی ملک تھی جس میں اسکو ہر قسم کے تصرف کا اختیار تھا چنانچہ اس نے اس زمین میں جو مسجد بنائی ہے وہ مسجد صحیح ہے اور اب یہ زمین وقف ہوگئی البتہ مدرسہ کی لکڑی پتھر جو مسجد میں لگائی ہے اسکے متعلق یہ حکم ہے کہ اگر یہ لکڑی اور پتھر زید نے اپنی رقم سے مدرسہ میں لگایا تھا تب تو اس کا مسجد میں لگانا درست ہوا اور مسجد میں نماز بھی درست ہے اور اگر یہ چندہ عامہ سے مدرسہ میں لگایا گیا تھا تو اب بدون چندہ دینے والوں کی اجازت کے مسجد میں اس کا لگانا جائز نہیں ہوا بلکہ غصب ہوا اور جب تک چندہ دینے والوں کی صریح اجازت نہ ہو یا اس ملبہ کا ضمان ادا نہ کیا جائے اس وقت تک مسجد میں نماز پڑھنا مکروہ ہے کہ نماز پڑھنے سے فرض تو ذمہ سے ساقط ہو جائیگا لیکن ثواب کم ہوگا اور گناہ کا بھی خطرہ ہے۔

یہ جواب اس واقعہ پر مبنی ہے جو سائل نے تحریر کیا ہے اگر یہ واقعہ صحیح نہیں تو سوال دوبارہ کیا جائے۔

لا يقال: اذا لم يصح الوقف فليكن ذالك هبة من زيد لبكر وقد قبض عليه فليكن الهبة تامة لانا نقول: ان الهبة لا تصح بلفظ الوقف.

قال فى الهندية: والا فى هذه المسائل انه اذا اتى بلفظ ينبئ عن تمليك الرقبة يكون هبة واذا كان منبئا عن تمليك المنفعة يكون عارية او (ص ۲۲۸ ج ۵)

قلت: والوقف على معين انما ينبئ عن تمليك المنفعة دون الرقبة فيكون عارية والعارية مرادة الى صاحبها. والله اعلم۔

۱۵ ربیع الاول ۱۳۸۶ھ

وقف علی الفقراء سے اولاد واقف پر جبکہ وہ محتاج ہوں صرف کرنا کیسا ہے۔

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی جائیداد جسکی آمدنی ۳۶ ہزار روپیہ سالانہ ہے وقف کردی اور کہدیا کہ اس وقف سے مسجد اسمعیل حکیم کے مصارف اور روزانہ غرباء ومساکین کو روٹیاں تقسیم کی جائیں اور ایک مدرسہ اسلامیہ دینیات کی تعلیم کا جاری کیا جائے اور علاوہ اس کے سادات کرام بمبئی کو بھی اس وقف سے امداد واعانت کی جائے چنانچہ اس کے بعد عدالت نے مجموعی رقم سے دس ہزار روپیہ مدرسہ

ومسجد وغیرها کیلئے اور سادات کرام کیلئے مخصوص کردئے ہیں اور بقیہ محفوظ کرلئے واقف کی اولاد سے چند اشخاص اب بالکل نادار اور غیر مستطیع ہوگئے ہیں نان شبینہ کے محتاج ہیں موجودہ وقت بمبئی جیسے شہر میں روزمرہ کے غیر معمولی مصارف کے ہوتے ہوئے شرع شریف کا کیا حکم ہے؟ اور ان اولادوں کو کیا ملنا چاہئے ؟ بینوا توجروا۔

الجواب:۔ جب واقف نے وقف میں غرباء ومساکین کیلئے روٹیاں تقسیم کرنا لکھا ہے تو واقف کی اولاد واقرباء جب نادار ومساکین ہیں تو وہ دوسرے غرباء ومساکین سے مقدم ہیں متولی کو مناسب ہے کہ اولادِ واقف کو بھی بقدر کفایت اس میں سے دیدیا کرے جسکی کوئی مقدار ہم متعین نہیں کرسکتے بلکہ متولی یا حاکم مسلم جس قدر مناسب سمجھیں دیدیا کریں۔

قال ابوبکر: فی رجل جعل ارضاً له صدقة موقوفة لله ابدا فی ابواب البر فاحتاج ولده او ولد ولده اوقرابته هل يعطون من غلة هذا الوقف قال: نعم، يعطون من ذالك لان الصدقة من ابواب البر

قلت: فان جعلها صدقة موقوفة على المساكين فاحتاج ولده هل يعطون من غلتها قال: نعم؛

قلت: فان جعل غلتها فی الحج عنه اوفی الغزو او فی ابن السبيل اوفی الغارمين اوفی مرمة المساجد اوفی اكفان الموتى او فی حفر القبور للفقراء هل يعطون المساكين؟ قال توضع غلة هذه الصدقة فيما سمى لا يتعدى بها الى غيره

قلت: فلم قلت: اذا جعلها فی المساكين انه اذا افتقر ولده او قرابته اعطوا من الغلة قال: من قبل ان هؤلاء الذين افتقروا هم من المساكين الاترى انه جاء فی الحديث: لا تقبل صدقة ذی رحم محتاجة. فولد الواقف وقرابته احق ان يعطوا من غيرهم

قلت: افهو حق واجب لهم؟ قال: لا، ليس بحق واجب لهم لكنی استحب ان يعطوا من الوقف الذی وقف قرابته على الفقراء اه من كتاب احكام الاوقاف للخصاف ؒ (ص ٢٣٧) ثم ذكر ان تعيين القدر الى

القاضی و الناظر ۔ ولا یکون ذالک القدر المعین حقاً واجباً لھم۔
واللہ اعلم
از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ
۷ر جمادی الثانی ۱۳۶۶ھ

قرض سے بچنے کیلئے وقف کرنیکا حکم | **سوال** :۔ کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ڈاکٹر خورشید علی خان نے یکے بعد دیگرے دو نکاح کئے اول آفتاب بیگم سے دوسرے سکینہ بیگم سے تیسری ایک عورت مسماۃ نظیر بیگم برھما سے لائے تھے وہ بلا نکاح ان کے گھر میں رہتی تھی ۔ منکوحہ دونوں بیوی سے کوئی اولاد نہیں ہوئی نظیر بیگم بلا نکاح عورت سے ایک لڑکی جس کا نام احمدی بیگم ھے پیدا ہوئی بوجہ نہ ہونے اولاد کے احمدی بیگم کو نام نہاد کی غرض سے دختر کہا کرتے تھے مسماۃ آفتاب بیگم وسکینہ بیگم خورشید علی خان کے سامنے انتقال کر گئیں اور ان کا مہر بھی نہیں دیا گیا احمدی بیگم کا بالغ ہونے پر وزیر خان سے نکاح کردیا گیا اور اس سے تین لڑکے دو لڑکی پیدا ہوئیں جو اس وقت موجود ہیں خورشید علی خان نے اپنی کل جائیداد صحرائی وسکنائی وقف کرکے تمام حقوق ملکیت بذریعہ تولیت محمد مشتاق علی خان کو دیدی جو احمدی بیگم کا بڑا لڑکا ھے اور نظیر بیگم بلا نکاح عورت کا نواسہ ہوتا ہے اور دیگر اولادِ احمدی بیگم کو کچھ نہیں دیا ۔ صرف ایک مکان احمدی بیگم کو دیا ھے آفتاب بیگم کے انتقال کو تقریباً ایک سال کا عرصہ ہوتا ھے وارثوں کے محروم کرنے اور دین مہر کی ادائیگی سے بچنے کے واسطے یہ وقف کیا گیا ھے

اب سوال یہ ھے کہ یہ وقف جائز ھے یا نہیں؟ **بینوا توجروا ۔**
سائل دوست محمد خان از جلال آباد
۱۴ر جمادی الاول ۱۳۶۶ھ

الجواب :۔ وقف[ع] نامہ دیکھا گیا اس میں تمام شرائط وقف موجود ہیں اسلئے اس وقف کی صحت میں کچھ کلام نہیں اور خورشید علی خان واقف نے اس وقف نامہ میں مشتاق علی خان کو صرف متولی بنایا ھے مالک نہیں بنایا اور تولیت کی وجہ سے اس کا حق دوسرے ورثاء سے دو چند رکھا ھے اور دوسرے ورثاء کو سہام شرعیہ کے موافق دینے کی ہدایت کی ھے پس دوسرے ورثاء اپنی وراثت کا ثبوت دیکر اس وقف نامہ کی بناء پر عدالت

ع سوال کے ساتھ وقف نامہ طویلہ بھی آیا تھا جسکی نقل کی ضرورت نہیں سمجھی گئی۔ (ظفر)

سے متولی کو اپنا حق دینے پر مجبور کر سکتے ہیں۔ رہا یہ کہ وقف دوسرے ورثاء کو محروم کرنے کیلئے کیا گیا ہے تو اس سے صحتِ وقف پر کوئی اثر نہیں ہوتا اور یہ کہ ادائیگی مہر سے بچنے کیلئے کیا گیا ہے تو واقف نے وقف نامہ میں دعویٰ کیا ہے کہ ہر دو زوجہ نے دین مہر مجھکو معاف کر دیا ہے اور اس وقف نامہ پر دونوں کے نشانات انگوٹھا ہیں اسلئے مفتی اس دعویٰ کو قبول نہیں کر سکتا کہ یہ وقف دین مہر سے بچنے کیلئے کیا گیا ہے جب تک یہ ثابت نہ ہو جائے کہ ہر دو زوجہ کے نشانات انگوٹھا جعلی ہیں یا جبراً لئے گئے ہیں اور اسکی تحقیق حاکم مسلم یا حکم کر سکتا ہے اور بعد تحقیق کے بھی وقف پر اس کا کوئی اثر نہیں ہو سکتا۔

قال فی الدر: ویبطل وقف راهن معسر ومریض مدیون بمحیط بخلاف صحیح لوقبل الحجر فان شرط وفاء دینه من غلته صح وان لم یشرط یوفی من الفاضل عن کفایته بلا سرف اھ

قال الشامی تحت قوله: بخلاف صحیح: ای وقف مدیون صحیح فانه یصح ولو قصد به المماطلة لانه صارف ملکه کما فی انفع الوسائل عن الذخیرة ٭قال فی الفتح: وهو لازم لا ینقضه ارباب الدیون اذا کان قبل الحجر بالاتفاق لانه لم یتعلق حقهم بالعین فی حال صحته اھ وبه افتی فی الخیریة من البیوع: وذکر انه افتی به ابن نجیم وسیأتی فیه کلام عن المعروضات اھ (ص ۶۱۱ ج ۳)۔ وکلام المعروضات ما ذکره فی الدر بعده سئل (المفتی ابو المسعود) عمن وقف علی اولاده وهرب من الدیون هل یصح فاجاب لا یصح ولا یلزم والقضاة ممنوعون عن الحکم وتسجیل الوقف بمقدار ما شغل بالدین انتهی۔ فلیحفظ اھ وتعقبه الشامی (ص ۶۱۲ ج ۳)

واللہ اعلم

۱۲ رجادی الثانی ۱۳۴۶ھ

وقف کتب خانہ سے مدرسین یا طلبہ کو مستعار کتابیں دینا جائز ہے یا نہیں۔

سوال ۹۔ ایک کتب خانہ وقف ہے جس کے متولیان حسب عملدرآمد واقف سابق متولی اس کتب خانہ سے کتب وقتاً فوقتاً قصبہ کے وقفی مدرسہ میں بغرض تعلیم و درس و مطالعہ وغیرہ مدرسین و طلباء کو مستعار دیتے ہیں اور بیرونجات بھی بھیجتے ہیں پس ایسا تصرف متولیان کا

جائز ہے یا نہیں؟ دو بحثیں اس معاملہ میں لوگ کرتے ہیں

ع۱ یہ کہ وقف اس وجہ سے ہے کہ لوگ نفع اٹھائیں اسلئے دینا چاہئے

ع۲ یہ کہ امین کو امانت کا مستعار نہ دینا چاہئے، پس کونسا قول صحیح مان کر اس پر عمل کرنا چاہئے دیگر یہ کہ بسا اوقات مستعار لینے والے یہاں سے کتاب یا جلد بوسیدہ ہو کر خراب حالت میں آتی ہے اس کی درستی کس کے ذمہ ہے؟ یا اگر خدانخواستہ کسی سے بحالت مستعار کتاب تلف ہو جائے تو ضمان کس کے ذمہ ہے پس کن شرائط پر دینا چاہئے یا نہ دینا چاہئے؟ وقف نامہ کے الفاظ حسب ذیل ہیں ع۱ بغرض ابقاء و درستی کتبخانہ قدیم و جدید عربی و فارسی دار کا وقف فرمودہ والد ماجد منمغفر و منمغفر موجودہ لاہر پور میں بقدر مناسب صرف کیا جائے ــــ دوسرے وقف نامہ کی عبارت حسب ذیل ہے

ع۲ خریداری وطبع واضافہ کتب و مرمت جلد وغیرہ میں اس کتب خانہ کے جس کا ذکر وقف نامہ شوہر مقرہ میں ہے بوقت ضرورت حسب رائے متولیان صرف ہوتا رہے۔

ع۳ ان وقف نامہ جات کے علاوہ بعض اصحاب نے مدرسہ عربیہ لاہر پور کے واسطے کتب درسیات منگا کر داخل کتب خانہ کئے اور بہت سی درسیات آمدنی وقف سے شامل کتب خانہ بموجب وقفنامہ ع۲ شامل ہوتی رہتی ہیں۔

خاکسار، امیر احمد عفی عنہ از لاہر پور محلہ شحنولہ ضلع سیتاپور

۲۵ر جمادی

الجواب:۔ اس کتب خانہ سے مدرسین و طلبہ کو اسی شہر میں جس میں یہ کتب خانہ ہے کتب مستعار دینا جائز ہے اور شہر سے باہر بھیجنا جائز نہیں اور جو کتابیں خراب و بوسیدہ واپس آئیں یا ضائع ہو جائیں ان کے متعلق اگر یہ ثابت ہو جائے کہ مستعیر نے قصداً کتاب کو خراب کیا یا حفاظت نہیں کی تو اس کا ضمان مستعیر پر ہے اور اگر اس نے قصداً ایسا نہیں کیا بلکہ بدون اس کے فعل کے اتفاقاً ایسا ہو گیا تو مستعیر پر ضمان نہیں۔

قال فی الدر: وبہ عرف حکم نقل کتب الاوقاف من محلها للانتفاع بها والفقهاء بذلك مبتلون فان وقفها على مستحق وقفه لم يجز نقلها وان على طلبة العلم وجعل مقرها فی خزانة التی فی مكان كذا ففی جواز النقل تردد، نهر (ص ۵۸۱ ج ۳)

قلت : والنقل منه فى هذه البلدة ليس من النقل عرفاً فان اهل المدارس يعيرون الكتب لطلبة العلم وسكونتهم فى البلدة فى امكنة شتى ولا ينكره الواقفون ولا احد من العلماء وايضاً لا يحصل الانتفاع بدونه فان اجتماعهم فى المكتبة باسرهم متعذر والنقل عن البلدة لا يخلوا عن خطر الضياع عادة فيمتنع الا ان يكون الناقل من مدرس هذه المدرسة اومتولى المكتبة وهو على عزم الرجوع الى هذه البلدة ففيه مندرجة فى الجملة۔ والله اعلم

از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ
۱۹ رجمادی الثانی ۱۳۴۹ھ

وقف کی ایک خاص صورت کا حکم

سوال :- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسائل ذیل میں۔ زید نے پانچ اولاد ذکور حامد، محمود، راشد، مسعود، احمد اور زوجۂ ثانیہ اور ایک لڑکی بالغہ چھوڑ کر رحلت پائی اور مرض موت میں اپنی کل کتابیں متروکہ وقف علی اولاد الذکور بدون تعلیق بالموت کی اور مرنے سے تقریباً ایک ہفتہ پیشتر وقف نامہ لکھکر ظاہر کیا لیکن اس وقف پر حکم حاکم یا قاضی ابتک نہوا اور زید نے اپنے بڑے لڑکے حامد کو وقف نامہ میں متولی قرار دیا اور محمود برادر حقیقی حامد کو نائب متولی، لیکن کتابوں کو ان کے حوالہ کرکے قبضہ نہیں کرایا نہ الماریوں کی کنجیاں سپرد کیں کیونکہ وہ دونوں مکان پر نہیں تھے کتابیں اور کنجیاں حامد ومحمود کی سوتیلی ماں کے پاس چھوڑ کر رحلت کر گیا اور کسی سے یہ بھی نہیں کہا کہ فلاں شخص کو سب دیدینا۔

زید کی ملک میں ایک دوسرا مکان اس مکان سے جس میں رحلت کی تھی ایک میل کے فاصلہ پر تقریباً ہے حامد کو زید نے اپنی حیات میں حالت صحت میں اس مکان کو زبانی ھبہ کرکے قبضہ کرادیا تھا جس میں حامد مع اپنے اہل وعیال کے بود وباش کئے رہتا تھا اور رہے۔

حامد چاہتا ہے کہ اس مکان سے کتابیں منتقل کرکے اپنے مکان میں لے جائے اور اسکی سوتیلی ماں اور اس کے بطن کی تین اولاد راشد، مسعود، احمد چاہتے ہیں کہ کتابیں اسی جگہ رہیں جس مکان میں وقف ہوئی ہیں اسلئے کہ انکو حامد پر اعتماد

نہیں ھے انکو اپنے انتفاع کے انقطاع کا اندیشہ ھے ورنہ تقلیل انتفاع بوجہ بعد مسافت لازمی امر ہے اس صورت میں چند سوالات ہیں :

(۱) بدون حکم حاکم اشیاء موقوفہ ملک واقف سے خارج ہوجاتی ہیں یا نہیں؟ درصورتِ اختلاف مفتیٰ بہ قول کیا ھے؟

(۲) وقف منجز میں اشیاء موقوفہ متولی کو سپرد کرکے قبضہ کرادینا صحتِ وقف کیلئے شرط ھے یا نہیں؟

(۳) اگر واقف نے کسی کو متولی قرار دیا اور کاغذ پر لکھدیا اور قبضہ نہیں کرایا تو بعد رحلتِ واقف وہ خود متولی ہوجائیگا یا نصب من القاضی کی ضرورت ھے یا وقف کی عدمِ صحت کی وجہ سے متولی قرار نہیں دیا جائیگا؟

(۴) مرض موت میں وقف علی الاولاد کل ترکہ میں نافذ ہوگا یا ثلث میں، اگر ثلث میں نافذ ہو تو ثلثین میں حقداران اپنے حقوق کا مطالبہ کریں تو ان کو ان کا حق دینا واجب ھے یا نہیں؟ اور اگر ورثہ میں نابالغ ہوں تو کیا انکی اجازت سے ان کا حصہ وقف ہوسکتا ھے؟

(۵) اگر ورثاء زید : مثل برادر، و زوجہ، و اولاد، اسی مکان میں یا اس کے قریب ہیں جس جگہ زید نے وفات پائی اور کتابیں چھوڑی اور کتابوں سے تعلیم، تعلم، و افتاء کا کام جاری ھے، ان سے کتابوں کو بعید کرکے انتفاع سے منع کرنا یا اس میں تقلیل کرنا کیا شرعاً جائز ھے خصوصاً جب حامد و محمود سیکڑوں کوس پر کھانے کمانے میں مشغول ہوں اور چھ چھ ماہ پر مکان میں آتے ہوں؟

(۶) وقف نامہ میں زید نے اس قصبہ سے کتابوں کو نکالنے کی ممانعت لکھی ہے کہ عاریۃً نہ دی جائے مگر اس قصبہ کے کسی محلہ کی تخصیص نہیں لکھی کہ فلاں محلہ میں رہیں پس بصورت نزاع مرتے وقت جس جگہ کتابیں چھوڑی وہیں رہنا چاھئے یا متولی کو اختیار ھے کہ جس محلہ میں چاھے لیجا کر رکھے خصوصاً دوسری صورت میں کہ اولاد اقرباء کو انتفاع میں قلت ہو؟ بینوا بالدلائل توجروا من اللہ الجلیل۔

تنقیح :- (۱) اس وقف علی الاولاد میں واقف نے کوئی جہت غیر منقطعہ بھی بیان کی ھے یا نہیں؟ اور اگر کسی وقت سلسلۂ اولاد منقطع ہوجائے تو ان کتابوں

کو کیا کیا جائے ؟
(۲) یہ مریض مدیون تو نہیں تھا ؟ نیز زوجۂ اولیٰ و ثانیہ کا مہر ادا ہو گیا یا دونوں نے معاف کر دیا، یا کچھ نہیں ہوا ؟
(۳) متولی ان کتابوں کو دوسرے محلہ کی طرف کیوں منتقل کرتا ہے ؟ کیا انکو عدم انتقال کی صورت میں ذمہ داری کتابوں کی دشوار ہے ؟

جواب تنقیح :۔ (۱) بیان کی ہے اور کسی مدرسہ دینیہ میں دیدی جائے
(۲) مدیون نہ تھا۔ نیز مہر زوجین ادا کر چکا ہے۔
(۳) متولی حامد پہلے ہی سے دو سال الماریوں کو یہاں سے منتقل کرکے اپنے مکان میں لے گیا۔ منشا اس کی اپنے قبضہ میں اور مکان میں رکھنا ہے زوجۃ الاب اور اسکی اولاد سے عرصہ سے نزاع و مخالفت ہے جس سے انکو خطرہ ہے کہ وہ انکو استفادہ سے محروم کردے اگر الماریاں یہاں واپس لائی جائیں اور مقفل بھی ہوں توحفاظت ہو سکتی ہے بصورتِ مخالفت وہ صاف کہہ سکتا ہے کہ میں ذمہ دار نہیں ہوں مگر واقعہ یہ ہے کہ وہ اولاد زوجۃ الاب سے انکی تبعید کا خواہاں ہے کہ اسکو انپر اعتماد نہیں اور انکو متولی پر اعتماد نہیں اسلئے منتقل کرنے سے مانع ہیں تاکہ استفادہ بند نہ ہو جائے اس صورت میں منتقل کرنا جائز ہوگا یا ناجائز ؟

الجواب :۔ مرض الموت میں ثلث مال سے زیادہ میں وقف صحیح نہیں تو اب یہ بتلانا ضروری ہے کہ یہ کتب موقوفہ ثلث مال سے زائد تو نہیں۔ اگر زائد نہیں تو وقف صحیح ہو گیا اور صحتِ وقف کیلئے قول مفتیٰ بہ میں حکم حاکم شرط نہیں اور نہ تسلیم الی المتولی بھی شرط نہیں صرف قول سے وقف تام ہو جاتا ہے اور متولی بھی صرف قول یا کتابت واقف سے متولی ہو جاتا ہے قبضہ شرط نہیں اور جب واقف نے ایک شخص کو متولی قرار دیدیا اور اسکی تصریح نہیں کہ یہ کتابیں اس موضع میں کس جگہ رکھی جائیں تو متولی کو قضاءً حق حاصل ہے کہ وہ جس جگہ چاہے رکھکر ان کی حفاظت کرے اگر وہ موضعِ رحلت میں رکھکر حفاظت سے معذوری ظاہر کرے تو اس کو نقل سے روکنا قضاءً درست نہیں۔ ہاں دیانۃً اس کے ذمہ لازم ہے کہ اگر نقل میں موقوف علیہم کو انتفاع دشوار ہے اور عدم نقل میں خطرہ نہ ہو تو کتابوں کو ایسے موضع میں رکھیں جہاں

سبکو انتفاع آسان ہو۔ واللہ اعلم

اور اگر یہ کتابیں ثلثِ مال سے زائد ہیں تو سوال دوبارہ کیا جائے۔

از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ

۱۴ ذی الحجہ ۴۶ھ

کمپنی کے حصص کا وقف جائز ہے

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس بارے میں کہ سورتی بڑا بازار کمپنی رنگون کے کچھ شیرز (حصص) خرید کر کے وقف علی الاولاد یا کسی دوسرے نیک کام مسجد وغیرہ کیلئے وقف کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ سورتی بڑا بازار کمپنی رنگون کی ملکیت میں بازار کی دوکانیں اور شہر کے دوسرے مکانات ہیں جس کے حصے ہر شخص خرید سکتا ہے اُن حصوں کا منافع ہر حصہ دار کو ملا کرتا ہے۔ بینوا توجروا

الجواب:۔ چونکہ ان حصوں کا وقف متعارف ہے اس لئے جائز ہے اگر خریدار کی ملک میں مکانات و دوکانات وغیرہ ہیں جب تو یہ وقف عین مشاع ہے اور وقفِ مشاع امام ابویوسف رح کے نزدیک صحیح ہے اور اگر خریدار کی ملک میں مکانات و دوکانات نہیں بلکہ صرف رقم اور اس کا منافع ہے تو یہ وقف دراھم کی جنس سے ہے جو امام محمد رح کے نزدیک بوقتِ تعارف جائز ہے اس لئے بہر حال ان حصص کا وقف جائز ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ

یکم محرم ۴۷ھ

استفتاء ۱۴۳۵ کے جواب پر چند شبہات اور ان کا تفصیلی جواب

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسائل ذیل میں کہ: زید نے پانچ اولاد ذکور حامد، محمود، راشد، مسعود نابالغ، احمد نابالغ، اور زوجہ ثانیہ، اور ایک لڑکی بالغہ چھوڑ کر رحلت پائی اور مرض موت میں اپنی کل کتابیں متروکہ وقف علی اولاد الذکور بدون تعلیق بالموت کی اور مرنے سے تقریباً ایک ہفتہ پیشتر وقف نامہ لکھکر ظاہر کیا لیکن اس وقف پر حکم حاکم یا قاضی اب تک نہ ہوا اور زید نے اپنے بڑے لڑکے حامد کو وقف نامہ میں متولی قرار دیا اور محمود برادر حقیقی حامد کو نائب متولی لیکن

کتابوں کو ان کے حوالہ کرکے قبضہ نہیں کرایا نہ الماریوں کی کنجیاں سپرد کیں کیونکہ وہ دونوں مکان پر نہیں تھے کتابیں اور کنجیاں حامد و محمود کی سوتیلی ماں کے پاس چھوڑ کر رحلت کرگیا اور کسی سے یہ بھی نہیں کہا کہ فلاں شخص کو یہ سب دیدینا زید کی ملک میں ایک دوسرا مکان اس مکان سے جس میں رحلت کی تھی ایک میل کے فاصلہ پر تقریباً تھے حامد کو زید نے اپنی حیات میں حالت صحت میں اس مکان کو زبانی ھبہ کرکے قبضہ کرادیا تھا جس میں حامد مع اپنے اہل وعیال کے بود و باش اختیار کئے ہوئے ہے۔

حامد چاھتا ھے کہ اس مکان سے کتابیں منتقل کرکے اپنے مکان میں لے جائے اور اسکی سوتیلی ماں اور اس کے بطن سے تین اولاد راشد، مسعود، احمد چاھتے ہیں کہ کتابیں اسی جگہ پر رہیں جس مکان میں وقف ہوئی ہیں اس لئے کہ انکو حامد پر اعتماد نہیں ھے انکو اپنے انتفاع کے انقطاع کا اندیشہ ھے ورنہ تقلیل انتفاع بوجہ بُعد مسافت لازمی امر ھے اس صورت میں چند سوالات ہیں:۔

(۱) بدون حکم حاکم اشیاء موقوفہ ملک واقف سے خارج ہوجاتی ہیں یا نہیں؟ درصورتِ اختلاف مفتیٰ بہ قول کیا ھے؟

(۲) وقف منجز میں اشیائے موقوفہ متولی کو سپرد کرکے قبضہ کرادینا صحتِ وقف کیلئے شرط ہے یا نہیں؟

(۳) اگر واقف نے کسی کو متولی قرار دیا اور کاغذ پر لکھدیا اور قبضہ نہیں کرایا تو بعد رحلتِ واقف وہ خود متولی ہوجائیگا یا نصب من القاضی کی ضرورت ھے یا وقف کے عدم صحت کی وجہ سے متولی قرار نہیں دیا جائیگا۔

(۴) مرض موت میں وقف علی الاولاد کل ترکہ میں نافذ ہوگا یا ثلث میں اگر ثلث میں نافذ ہو تو ثلثین میں حقداران اپنے حقوق کا مطالبہ کریں تو ان کو ان کا حق دینا واجب ھے یا نہیں؟ اور اگر ورثاء میں نابالغ ہوں تو کیا ان کی اجازت سے ان کا حصہ وقف ہوسکتا ھے؟

(۵) اکثر ورثاءِ زید؛ مثل برادر، و زوجہ، و اولاد اسی مکان میں یا اس کے قریب ہیں جس جگہ زید نے وفات پائی اور کتابیں چھوڑی اور کتابوں سے تعلیم و تعلم و افتاء کا کام جاری ہے ان سے کتابوں کو بعید کرکے انتفاع سے منع کرنا یا اس میں

تعلیل کرنا کیا شرعاً جائز ہے؟ خصوصاً جب کہ حامد و محمود سینکڑوں کوس پر کھانے کمانے میں مشغول ہوں چھ چھ ماہ پر مکان پر آتے ہوں۔

(٦) وقف نامہ میں زید نے اس قصبہ سے کتابوں کے نکالنے کی ممانعت لکھی ہے کہ عاریۃً نہ دی جائے مگر اس قصبہ کے کسی محلہ کی تخصیص نہیں لکھی کہ فلاں محلہ میں ہیں پس بصورت نزاع مرتے وقت جس جگہ کتابیں چھوڑی وہیں رہنا چاہئے یا متولی کو اختیار ہے جس محلہ میں چاہے لے جاکر رکھے خصوصاً اس صورت میں کہ اولاد اقرباء کو انتفاع میں قلت ہو۔ بینوا بالدلیل توجروا من اللہ الجلیل۔

تنقیح

(۱) اس وقف علی الاولاد میں واقف نے کوئی جہت غیر منقطعہ بھی بیان کی ہے یا نہیں؟ اگر کسی وقت سلسلۂ اولاد منقطع ہو جائے تو ان کتابوں کو کیا کیا جائے؟

(۲) یہ مریض مدیون تو نہیں تھا زوجہ اولیٰ و ثانیہ کا مہر ادا ہو گیا یا دونوں نے معاف کر دیا، یا کچھ نہیں ہوا۔؟

(۳) متولی ان کتابوں کو دوسرے محلہ کی طرف کیوں منتقل کرتا ہے کیا ان کو عدم انتقال کی صورت میں ذمہ داری کتابوں کی دشوار ہے؟

جواب تنقیح

(۱) بیان کی ہے، کسی مدرسہ دینیہ میں دیدی جائیں

(۲) مدیون نہ تھا، مہر زوجین ادا کر چکا ہے

(۳) متولی حامد پہلے ہی سے دو سال الماریوں کو یہاں سے منتقل کر کے اپنے مکان میں لے گیا منشاء اس کی اپنے قبضہ میں اور مکان میں رکھنا ہے زوجۃ الاب اور اسکی اولاد سے عرصہ سے نزاع و مخالفت ہے جس سے انکو خطرہ ہے کہ وہ انکو استفادہ سے محروم کر دے اگر الماریاں یہاں واپس لائی جائیں اور مقفل ہوں تو حفاظت ہو سکتی ہے بصورتِ مخالفت وہ صاف کہہ سکتا ہے کہ میں ذمہ دار نہیں مگر واقعہ یہ ہے کہ وہ اولاد زوجۃ الاب سے انکی تبعید کا خواہاں ہے کہ اسکو ان پر اعتماد نہیں اور انکو متولی پر اعتماد نہیں اسلئے منتقل کرنے سے مانع ہیں تاکہ استفادہ بند نہ ہو جائے اس صورت میں منتقل

کرنا جائز ہوگا یا ناجائز؟

الجواب:۔ مرض الموت میں ثلث مال سے زیادہ میں وقف صحیح نہیں تو اب یہ بتلانا ضروری ہے کہ یہ کتب موقوفہ ثلث مال سے زائد تو نہیں اگر زائد نہیں تو وقف صحیح ہوگیا اور صحتِ وقف کیلئے قول مفتیٰ بہ میں حکم حاکم شرط نہیں اور تسلیم الی المتولی بھی شرط نہیں صرف قول سے وقف تام ہوجاتا ھے اور متولی بھی صرف قول یا کتابت واقف سے متولی ہوجاتا ھے قبضہ شرط نہیں اور جب واقف نے ایک شخص کو متولی قرار دیدیا اور اسکی تصریح نہیں کی کہ یہ کتابیں اس موضع میں کس جگہ رکھی جائیں تو متولی کو قضاءً حق حاصل ھے کہ وہ جس جگہ چاھے رکھکر انکی حفاظت کرے اگر وہ موضع رحلت میں رکھکر حفاظت سے معذوری ظاہر کرے تو اسکو نقل سے روکنا قضاءً درست نہیں۔ ہاں؛ دیانۃً اس کے ذمہ لازم ھے کہ اگر نقل میں موقوف علیھم کو انتفاع دشوار ہو اور عدم نقل میں خطرہ نہ ہو تو کتابوں کو ایسے موضع میں رکھے جہاں سب کو انتفاع آسان ہو۔ واللہ اعلم

اور اگر یہ کتابیں ثلث مال سے زائد ہیں تو سوال دوبارہ کیا جائے۔

از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ

۱۴ ذی الحجہ ۱۳۴۶ھ

الاشکال علی الجواب

دوسرے سوال (یعنی وقف منجز میں اشیاء موقوفہ متولی کو سپرد کرکے اس پر قبضہ کرادینا صحتِ وقف کیلئے شرط ھے یا نہیں) اس کے جواب میں یہ تحریر فرمایا گیا کہ: "اور تسلیم الی المتولی بھی شرط نہیں صرف قول سے وقف ہوجاتا ھے" اسکے متعلق یہ شبہ ھے کہ یہاں سوال کتابوں کے وقف کا ھے اور مجرد قول سے وقف کی صحت امام ابو یوسفؒ کا قول ھے اور امام ابو یوسف رح کے نزدیک کتابوں کا وقف جائز نہیں۔ کتابوں کا وقف امام محمد رح کے نزدیک جائز ھے اور تسلیم الی المتولی واقرار جب تک نہ ہو امام محمد رح کے نزدیک اشیاء موقوفہ ملک واقف سے نہیں نکلتی۔

کمافی الھدایۃ: وعند محمد لابد من التسلیم الی المتولی الی قولہ فینزل منزلۃ الزکوٰۃ والصدقۃ

وفی العالمگیریۃ: وقال محمدؒ: لا یزول (ای ملک الواقف) حتی

یجعل للوقف ولیاً ویسلمو الیہ وعلیہ الفتویٰ کذا فی السراجیۃ وبقول محمدؒ : یفتیٰ کذا فی الخلاصہ اھ

پس امام محمدؒ کے قول سے جواز وقف کتب اور امام ابو یوسفؒ کے قول سے بدون تسلیم واقرار وقف کے جواز کا قائل ہونا اگرچہ تلفیق حقیقی نہ ہو اور حاکم وقاضی کو اس نوع کا تصرف جائز ہے (کما فی رد المحتار مع الشامی ص ٥١٦ ج ٣ کتاب الوقف)

مگر صورتاً تلفیق معلوم ہوتی ہے کیا اس طریقہ سے وقف کا جواز ثابت کرکے اموالِ یتامیٰ ان کی ملک سے خارج کرکے وقف میں داخل کرنا جائز ہوسکتا ہے ؟ علاوہ بریں شامی وجامع الرموز، وقاضی خان وغیرہ سے معلوم ہوتا ہے کہ امام محمدؒ کا قول اس مسئلہ میں راجح ہے اگرچہ فتویٰ دونوں کے قول پر ہے

قال العلامۃ الشامی فی رد المحتار (ص ٥٠٤ ج ٣) : اما اذا خلا عن القضاء فلا یزول الا بعد ھذہ الشروط عند محمدؒ واختارہ المصنف رح تبعاً لعامۃ المشائخ وعلیہ الفتویٰ وکثیر من المشائخ اخذوا بقول ابی یوسفؒ وقالوا علیہ الفتویٰ اھ

وفی جامع الرموز (ص ٤٢٦ ج ٣) : وقول (ای ابی یوسفؒ) : قوی من حیث انہ اقرب من العتق وقول محمدؒ اقویٰ لکونہ اقرب من الآثار کما فی الکرمانی۔ وذکر فی الخلاصۃ ابوحنیفہؒ : ضیق کل التضییق لذا اخذ اکثر الاصحاب بقولہ وابو یوسفؒ قد اوسع کل التوسیع ولذا افتیٰ بقولہ : کما فی الظہریۃ والمضمرات ومحمد وسط بین القولین ولذا اخذ بہ عامۃ المشائخ کذا فی الخلاصۃ وبہ یفتیٰ کما فی الکبیری۔

وفی قاضی خان (ص ٣٠٤ ج ٤) امرأۃ وقفت داراً فی مرضھا علی ثلاث بنات لھا آخرھا للفقرآء ولیس لھا ملک غیر الدار ولا وارث لھا غیرھن قالوا : ثلث الدار وقف والثلثا لھن یصنعن ما شئن فیھا وھذا قول ابی یوسفؒ لان عندہ وقف المشاع جائز وعلیٰ قول محمدؒ لایجوز والفتویٰ علیٰ قول محمدؒ اھ

اور ظاہر ہے کہ یہ اختلاف اشتراط تسلیم وعدم اشتراط تسلیم سے پیدا ہوا ہے

اور اگر یہ بھی تسلیم کرلیا جائے کہ فتویٰ دونوں اماموں کے قول پر مساوی درجہ کا ہے تو اس صورت میں موافق قواعد کے عمل متون پر ہونا چاہئے

کما فی الشامی: من انہ اذا اختلف التصحیح والفتویٰ فالعمل علیٰ ماوافق المتون (الیٰ قولہ) عدم التصریح اصلاً اھ (ص ۶۶ ج ۱)

اور صاحب تنویر الابصار، وکنز، ودیگر متون میں تسلیم کو شرط لکھتے ہیں پس صورتِ مسئولہ وقفِ کتب بدون تسلیم الی المتولی وبدون افراز کے جواز کا قول کس کا ہے۔

امام ابوحنیفہ رح وامام ابویوسف رح کے نزدیک کتابوں کا وقف سرے سے ناجائز ہے۔ کما ھو مصرح فی الھدایۃ وعالمگیریۃ، ودرالمختار وغیرھا اور امام محمد رح کے نزدیک اگرچہ وقفِ کتب جائز ہے مگر بدون تسلیم الی المتولی ناجائز ہے جب ہمارے تینوں آئمہ کے نزدیک صورتِ مسئولہ میں وقف درست نہیں ہوا تو وقف کے جواز کا فتویٰ کس کے قول پر دیا گیا کہ اموال یتامیٰ ان کی ملک سے خارج کرکے وقف میں داخل کیا جائے اور یتامیٰ کو جو نفع حاصل ہوسکتا ہے اس سے منع کیا جائے ——— وقد قال اللہ تعالیٰ: "وَلَا تَقْرَبُوا مَالَ الْيَتِيمِ إِلَّا بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ"۔ فادفعوا ھذا الاشکال لیدفع ما تخلج فی البال واللہ یجزیکم جزاءً حسناً وھو جواد کریم کبیر متعال۔

الجواب لرفع الاشکال

قال فی رد المحتار (ص ۵۷۸ ج ۳): ونقل فی المجتبیٰ عن السیر[عہ] جواز وقف المنقول مطلقاً عند محمد رح واذا جریٰ فیہ التعامل عند ابی یوسف رح وتمامہ فی البحر والمشھور الاول اھ

وفی الدر: والملک یزول بقضاء القاضی اوبالموت اذا علق بہ ای بموتہ فالصحیح انہ کوصیۃ تلزم من الثلث بالموت لا قبلہ

قلت: ولو لوارثہ وان ردوہ الخ (ص ۵۶۰ ج ۳ مع الشامی)

اس سے معلوم ہوا کہ منقول متعارف میں امام ابویوسف رح سے بھی روایت جواز ہے لہذا صورتِ تلفیق کا شبہ مرتفع ہے۔ دوسرے وقف مریض میں زوال ملک بالموت اور اس وقف کا مثل وصیت ہونا ہی صحیح ہے اور اسی کو متون میں اختیار کیا گیا ہے لہذا

عہ وکتاب السیر متواتر عن محمدؒ

یہ اشکال بھی صحیح نہیں کہ اموال یتامیٰ کو ان کی ملک سے خارج کرکے وقف میں داخل کیا گیا ہے الخ۔ کیونکہ میت اگر وصیت کرتا تو یقیناً وصیت ثلث میں نافذ ہوتی اور انفاذ وصیت من الثلث کو مصالح یتامیٰ کے خلاف ہرگز نہیں سمجھا جاسکتا فکذا ھذا فانہ کالوصیۃ ولما کان ھذا الوقف جائزاً کان کالوصیۃ الجائزہ ـــــــ دوسرے: یہ مال دراصل میت کا ہے یتامیٰ کا نہیں یتامیٰ کی ملک بعد میں ثابت ہوگی لھذا اسمیں رعایت جانب میت اولیٰ ہے توجب میت نے مرض وفات میں کتب کو وقف کردیا اور یہ وقف قول صحیح مفتیٰ بہ پر صحیح ھے تو حق یتامیٰ اس سے متعلق نہیں اور تلفیق بین اقوال ائمۃ المذہب الواحد جائز ھے کما اعترف بہ السائل اور صورتِ مسئولہ میں تو تلفیق بھی نہیں کما ذکرناہ آنفاً فافھم ! واللہ اعلم

از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ

تتمہ مسئلہ وقف مذکورہ

سوال :- تتمۃ الجواب المذکور

قال الامام شمس الائمۃ السرخسی فی شرح السیر الکبیر لمحمد بن الحسن الامام (مطبوع دائرۃ المعارف حیدرآباد ص ۲۱۴-و-۲۱۵ ج ۲) ولو ان رجلاً فی یدہ افراس حبس فی سبیل اللہ الی آخر المسئلۃ قال: والمراد بالافراس الحبس الموقوفۃ للجھاد وذالک جائز اما علی اصل محمد رحمۃ اللہ علیہ فظاھر لانہ یجیز الوقف فی المنقولات وعلی اصل ابی یوسف رحمۃ اللہ علیہ کذالک فیما فیہ عرف ظاھر کثیاب الجنازۃ والآلات التی یغسل بھا الموتیٰ فکذالک یجوز فی الافراس التی یقاتل علیھا فی سبیل اللہ اھ

اس عبارت سے ظاہر ہے کہ وقفِ منقول میں امام محمدؒ اور امام ابو یوسف رحؒ میں اختلاف اسطرح ہے کہ امام محمدؒ وقف منقول کو مطلقاً جائز کہتے ہیں اور امام ابو یوسف منقول متعارف کے وقف کو جائز کہتے ہیں جسکی مثال ثیاب جنازہ و آلاتِ غسل موتیٰ شرح سیر میں مذکور ھے اور یقیناً وقف کتب میں بھی عرف ظاہر ھے۔ زمانۂ قدیم سے اہل اسلام میں وقف کتب خصوصاً وقف مصاحف[عہ] متعارف ھے پس یہ وقف بھی امام ابو یوسف رح کے قول پر صحیح ھے پس وقف کتب میں افراز و تسلیم الی المتولی کا مشروط ہونا اور بدون اسکے وقف کو تام کہنا تلفیق ہرگز نہیں بلکہ امام ابو یوسف رح کے قول پر فتویٰ دینا ھے

عہ ففی شرح السیر ایضاً ان حفصۃ رضی اللہ عنہا سبلت مصحفاً لھا۔

اور وقف میں انہیں کا قول مفتیٰ بہ ھے اور بعد تسلیم معترض کا یہ کہنا کہ تلفیق مجتھد قاضی ہی کو جائز ھے یہ قول باطل ھے، مدعی کو اس دعویٰ پر دلیل قائم کرنا لازم ھے۔

ولایجد الیٰ ذالک سبیلاً قال الطحطاوی فی حاشیته علیٰ مراقی الفلاح (ص۱۰۳) ـــــ وحکایة الاجماع علیٰ بطلان الملفق منظور فیها فان الاصح من مذهب الامام مالک رضی الله عنه جوازه والمنهی عنه تتبع الرخص من المذاهب اھ۔

اسمیں صاف تصریح ھے کہ مذاہب اربعہ کے درمیان میں بھی تلفیق وہ ناجائز ھے جو تتبع رخص کیلئے ہو اور اگر اس غرض سے نہو تو تلفیق بین المذاہب المختلفہ امام مالک کے نزدیک جائز ھے اور ظاہر ھے کہ یہ جواز کسی دلیل سے مقید بالمجتھد والقاضی نہیں بلکہ اطلاق کلام اسطرف مشیر ھے کہ مطلقاً ہر شخص کو جائز ھے اور بصورت مسؤلہ میں اگر مان لیا جائے کہ واقف نے تلفیق کی تو اس کی منشا تتبع رخص ہرگز نہ تھا بلکہ تتبع انفع للوقف تھا فلا شک فی جوازہ خصوصاً جبکہ یہ تلفیق بین المذاہب المختلفہ بھی نہیں بلکہ تلفیق بین اقوال الائمۃ المتحدہ اصولاً ھے اور اس تلفیق کے عدم جواز پر کوئی بھی دلیل نہیں۔ الا اذا کان لتتبع الرخص نمنهی عنه مطلقاً قال: العلامة ابن عابدین فی الحامدیه: انه لیس من الحکم الملفق الذی نقل العلامة قاسم انه باطل بالاجماع لان المراد بما جزم ببطلانه ما اذا کان من مذاهب متباینة کما اذا حکم بصحة نکاح بلا ولی بناءً علیٰ مذهب ابی حنیفة رح وبلا شهود بناءً علیٰ مذهب مالک رح بخلاف ما اذا کان ملفقاً من اقوال اصحاب المذاهب الواحد فانها لا تخرج عن المذاهب فان اقوال ابی یوسف رح و محمد رح وغیرهما مبنیة علیٰ قواعد ابی حنیفة رح اوهی اقوال مرویة عنه وانما نسبت الیهم لا الیه لاستنباطهم لها من قواعده او لاختیارهم ایاها کما اوضحت فی صدر حاشیتی علی الدر المختار بما لا مزید علیه ویؤیده ما مرّ عن الثعلبی من حکم القضاة الماضین بذالک وکذا

عہ و الذی مر قبل ما نصه ولکن الطرطوسی ذکر ان فی منیة المصلی ما یفید جواز

ما فی الدر من کتاب القضاء فی القضاء بخلاف مذهبه ناسیاً مذهبه او عامداً حیث قال: مانصه المراد بخلاف الرائی خلاف اصل المذهب کالحنفی اذا حکم علی مذهب الشافعی رح اونحوه واما اذا حکم الحنفی بماذهب الیه ابویوسف رح اومحمد رح اونحوهما من اصحاب الامام فلیس حکماً بخلاف رأیه اھ۔ ملخصاً ومن شاء التفصیل فلیراجعه (ص۱۰۹ ج ۱)۔

اسلئے ہمارے نزدیک یہ وقف صحیح ونافذ ہے اوراس کے ابطال میں سعی کرنا سعی فی الباطل ہے ــــــ رہا یہ کہ وقف جمیع کتب میں صحیح ہے یا بعض میں؟۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اگرجمیع کتب ثلث ترکہ ظاہرہ سے زائد نہ ہوں تو وقف سب میں نافذ ہے اور زائد ہوں تو قدر ثلث میں نافذ ہے زائد میں نہیں ــــــ رہا یہ کہ واقف کی تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ مجموعہ کتب ثلث کے اندر ہیں اور نقود موجودہ بھی ترکہ میں ہیں جنکو ورثاء نے دبالیا سوجب تک ورثاء پرکسی دلیل شرعی سے نقود کا دبا لینا ثابت نہ ہوجائے اس وقت تک یہ حکم نہیں کیاجا سکتا کہ کتب ثلث کے اندر ہیں۔ ہاں، متولیان کو یہ حق ضرور حاصل ہے کہ وہ اس شبہ اور تہمت کی حالت میں ورثاء متہمین سے یمین مغلظ لیں کہ ترکہ میت کل یہی ہے جو ظاہر کیا جاتا ہے اسکے سوا کچھ نہیں اگر ورثاء نے قسم کھالی تو ترکہ ظاہر ہی کو کل ترکہ قرار دیکر اس کے ثلث میں وقف کو صحیح زائد میں غیر صحیح کہا جائیگا اور واقف کے متعلق تاویل کرلی جائیگی کہ شاید اس سے تخمین قیمت میں غلطی ہوئی اور وقف مشاع امام ابویوسف رح کے نزدیک صحیح ہے وعلیٰ قوله مدار الافتاء بذالك۔ واللہ اعلم

رفع الاشکال بعد الاشکال

اشکال: رفع الاشکال میں جو حوالہ قلم ہوا اس کے اندر کچھ شبہ اور باقی رہ گیا امید کہ ایک مرتبہ اور بغور ملاحظہ فرماکر جواب مرحمت فرمائیں گے، یہاں معاملہ وقف و مال یتامیٰ کا ہے جانبین میں خطرہ ہے اور جواب استفتاء میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) حکم المرکب من مذهبین وعلی هذا یتخرج الحکم بوقف البناء علی نفسه فی مصر فی اوقاف کثیرة علی هذا النمط حکم بها القضاة السابقون لعلهم بنوه علی ما ذکرنا من جواز الحکم المرکب من مذهبین الخ (ص ۱۰۹ ج۱)

اسلئے پھر تکلیف دینے کی حاجت ہوئی شامی سے جو عبارت نقل کی گئی یعنی " ونقل عن المجتبیٰ الخ" اس روایت کو قاضی خان، اور صاحب ھدایہ، اور فتاویٰ سراجیہ، و نہایہ، وخلاصہ، اور فتح القدیر وغیرھا نے نہیں لیا اور صاحب بحر نے بھی محض نقل پر اکتفا کیا اس کے نزدیک بھی روایت مشہورہ معتبر ھے اور صاحب درمختار، وجامع الرموز نے بھی روایت مشہور کا اعتبار کیا ھے اور شامی نے بھی المشہور الاول زیادہ کرکے اس کے معتمد علیہا ہونے کی طرف اشارہ کر دیا ھے۔

الجواب :۔ سبحان اللہ کیا غیر مشہور کیلئے ضعیف ہونا لازم ھے تو بجز اخبار مشہورہ کے تمام احادیث آحاد ضعیف ہوجائینگی۔

اشکال :۔ پس بناء بر قول مشہور تلفیق ضرور پائی جاتی ھے۔ روایت مجتبیٰ جب معتمد علیہ نہیں تو اس سے استدلال کسطرح صحیح ہوگا؟

نقل عن الفقیہ ابی اللیث : انہ قال : قال ابو نصر امر الفتیا : فانی لا اریٰ احداً ان یفتی بشیٔ لا یفہمہ ولا یحمل اثقال الناس فان کان مسائل قد اشتھرت وظھرت وانجلت عن اصحابنا رجوت ان یسع لی الاعتماد علیھا (حجۃ اللہ البالغۃ ص ۱۲۶ ج ۱)

پس نزدیک ابو یوسف رح کے روایت عدم جواز وقف کتب مشہور و معتمد ھے تو اس بناء پر صورت تلفیق پائی گئی پس اس کے متعلق اولاً یہ سوال ہے کہ تلفیق کا جواز بوقت ضرورت ھے یا بلا ضرورت بھی؟ اگر کہا جائے کہ وقف کا اثبات خود ضروری ھے تو اموالِ یتامیٰ میں بیجا تصرف اور ان کے مال کا تحفظ بھی ضروری ھے۔ فاتی الضرورتین احق للرعایۃ ——— ثانیاً :۔ تلفیق کی حاجت اس وقت ہوسکتی ھے کہ امام محمد رح کا قول مفتیٰ بہ نہ ہو جب امام محمد رح کا قول درباب اشتراط تسلیم وافراز خود مفتیٰ بہ ھے جیسا کہ عبارت مرقومہ اشکال سے ظاہر ھے۔

الجواب :۔ اس سے ظاہر یہ ھے کہ کثیرین نے قول ابی یوسف رح پر فتویٰ دیا ھے اور اسی کو اخذ کیا ھے اور بعض مشائخ نے محمد رح کے قول پر فتویٰ دیا ھے واذا تعارض الافتاء فالمرجع الیٰ قوۃ الدلیل۔

اشکال :۔ تو اسکو ترک کرکے صورت تلفیق اختیار کرنیکی وجہ کیا ھے خصوصًا

اس صورت میں کہ امام محمدرح کا قول راجح ہو اور اصحاب متون اور شروح وفتاویٰ اسکی تصریح کرتے ہوں کہ امام محمدرح کے قول پر فتویٰ ھے۔

قال فی البحر الرائق : والخلاف فیما یحتملها (ای القسمۃ) فمن اخذ بقول ابی یوسف فی خروجه بمجرد اللفظ وھم مشائخ بلخ اخذ بقوله فی ھذه ومن اخذ بقول محمدرح فی القبض وھم مشائخ بخارا اخذو بقوله فی وقف المشاع وصرح فی الخلاصۃ من الاجارۃ والوقف بان الفتوٰی علی قول محمدؒ فی وقف المشاع وکذا فی البزازیۃ والولوالجیۃ، وشرح المجمع لابن الملک و التجنیس وبقوله یفتیٰ وتبعه فی غایۃ البیان۔

اور اشکال میں کبیری کی عبارت جامع رموز سے وقاضی خان کی عبارت بھی منقول ھے اور ظاہر ھے کہ وقف مشاع کا اختلاف اشتراط تسلیم وعدم اشتراط پر مبنی ھے ونیز وقف مشاع کے جواز کیلئے اصحاب متون قضاء قاضی شرط لکھتے ہیں؛ کما فی الکنز، وتنویر الابصار وغیرہ اگرچہ امام ابویوسف رح کے نزدیک شرط نہیں ھے مگر اصحاب متون کا اختیار کرنا بصورت اختلاف فتوی دلیل رجحان قول امام رح ھے پس باوجود مفتی بہ ہونے قول امام محمدرح کے تلفیق اختیار کرنیکی وجہ کیا ھے؟

ثالثاً: جب یہ وقف امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ناجائز ہے اس بناء پر وقف کتب نزد امام ناجائز ہے تو وہ کتب یتیموں کا مال اور ملک ھے اور بناء بر قول مشہور نزد امام ابو یوسفؒ بھی وقف کتب ناجائز ہے اموال یتامیٰ میں داخل ہے اور بناء بر قول امام محمدؒ بھی ناجائز ہے کہ تسلیم وافراز پایا نہیں گیا۔ اور امام زفرؒ اور امام حسنؒ وغیرہ سے کوئی قول منقول نظر نہیں آتا تو اس کا جواز ثابت کرنا دو قول کو ملاکر قاضی یا مفتی کی رائے ہوگی کہ امام ابویوسفؒ کا قول بدون اشتراط وتسلیم وافراز وقف کا جواز اس کی نظر میں راجح ھے اور وقف کتب کا جواز موافق امام محمدؒ اسکی نظر میں راجح اور مصلحت یہ سمجھتا ھے کہ دونوں قول کو ملاکر جائز ثابت کردیا جائے اس صورت میں شبہ یہ ھے کہ اس نوع کا تصرف قاضی یا مفتی کو جائز ھے یا کہ اس کے لئے کچھ شرائط ہیں۔

قال در المختار فی کتاب القضاء : اعلم ان فی کل موضع قالوا الرای فیه للقاضی فالمراد قاضٍ له ملکۃ الاجتهاد (شامی ص ۴۲۰ ج ۴)۔

وایضاً فیہ: المفتی وھو عند الاصولیین المجتہد اما من یحفظ اقوال المجتہد فلیس مُفتٍ وفتواہ لیس بفتوی بل نقل کلام کما بسطہ ابن الھام

(ص ۴۲۴ ج ۴ شامی)

رابعاً: قولکم تلفیق بین اقوال ائمۃ المذاہب جائز ہے۔ یہاں جائز سے مراد جواز مع الوجوب ہے یا محض جائز غیر واجب اگر تلفیق واجب ہے تو وجوب کی کیا دلیل ہے؟

الجواب: یجب العمل والافتاء بالقول دلیلاً فاذا کان الملفق قویاً دلیلاً وجب العمل بہ والافتاء ھھنا کذالک فان القول بجواز وقف المنقول المتعارف قوی دلیلاً وکذا القول بتمام الوقف لمجرد القول من غیر حاجۃ الی الافراز فان الذی اشترط الافراز والتسلیم انما قالہ قیاساً علی الصدقۃ وھو قیاس ضعیف فان فی الصدقۃ ید المتصدق علیہ غیر ید المتصدق فلا تتم الا بقبضہ بخلاف الوقف فان ید المتولی فیہ ید الواقف لکونہ وکیلاً عنہ وید الوکیل ید المؤکل فکیف یصح قصر تمام الوقف علی ید ھی ید الواقف بعینہ فافہم فلعلک تجدہ الفقہ بعینہ واللہ تعالیٰ اعلم۔

اشکال: اور اگر جائز غیر واجب ہو تو یہ بھی جائز ہونا چاہئے کہ تلفیق نہ کی جائے کسی ایک کا قول بشرطیکہ وہ بھی مفتیٰ بہ ہو لے لیا جائے اور اس پر فتویٰ دیا جائے اس صورت میں عامل کو اختیار ہونا چاہئے کہ غیر ملفق قول پر عمل کرے یا ملفق پر کیا یہ صحیح ہے؟ ——— مثلاً کسی نے دو مجلس میں غثیان واحد سے منہ بھر قی کی اور بدون تعدیل ارکان اسی وضو سے نماز پڑھ لی امام محمدؒ کے نزدیک وضو شکست ہوا اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک ترک تعدیل سے نماز درست ہوئی لھذا دونوں امام کے نزدیک نماز باطل ہوئی اور اگر وضو میں امام ابو یوسف کا قول اختیار کیا جائے اور نماز میں امام محمد کا تو نماز درست ہوگی اس صورت میں کیا واجب ہے؟ کہ نماز درست ہونے ہی کا فتویٰ دیا جائے یا یہ بھی جائز ہے کہ عدم جواز کا فتویٰ دیا جائے۔ بلکہ ظاہر یہ ہوتا ہے کہ اس موقع پر عدم جواز کا فتویٰ دیکر نماز کے اعادہ کا حکم دیا جائے کہ اس کے اندر احتیاط ہے۔

الجواب: جو تلفیق تتبع رخص کیلئے ہو وہ اتفاقاً جائز نہیں۔

اشکال: کہ عدم جواز پر دونوں امام کا اتفاق ہے اور جواز ان دونوں کے قول کو ملا کر مفتی نے ثابت کیا ہے نہ ان اماموں نے علی ھذا القیاس جب وقف کتب بدون تسلیم وافراز دونوں اماموں کے نزدیک ناجائز ہے تو اس کا جواز دونوں کے قول کو ترکیب دیکر ثابت کرنا خلافِ احتیاط ہونا چاہئے کہ تینوں ائمہ کے نزدیک تو وہ مال متروکہ اموالِ یتامیٰ میں داخل ہے مفتی اس کو اموال یتامیٰ سے خارج کرتا ہے اپنی طرف سے بذریعہ تلفیق کے پس اس کے وجوب کی کونسی دلیل ہے؟ اگر ممنوع نہ ہو تو خلاف احتیاط تو ضرور ہونا چاہئے، کیا یہ صحیح ہے یا غلط؟ اگر غلط ہے تو صحیح کیا ہے؟ اور اگر صحیح ہے تو جب عبادات میں اِس نوع کا تصرف خلافِ احتیاط ہے تو معاملات اور حقوقِ عباد میں خصوصاً حقوق یتامیٰ کے معاملہ میں اگر قول غیر ملفق سے فتویٰ دیا جائے تو اس میں کوئی حرج ہے؟

واما قولکم: دوسرے: وقف مریض میں زوال ملک بالموت اور اس وقف کا مثل وصیت ہونا ہی صحیح ہے۔ مامعناہ أھذا فی الوقف المنجز غیر معلق بالموت او فی المعلق ان کان المراد الثانی فالسائل یسأل عن الوقف المنجز فی مرض الموت ولا یسئل عن الوقف المعلق بالموت فلا یجد بلک نفعاً عبارۃ الدرر وان کان المراد الاول فدعوۃ الصحۃ غیر مسلو کیف؟ وقد قال فی الفتاوٰی الھندیۃ نافلاً عن التبیین وان نجز الوقف فی المرض فھو بمنزلۃ المعلق بالموت فیما ذکرہ الطحاوی والصحیح انہ بمنزلۃ المنجز فی الصحۃ فلا یلزم وعندھما یلزم من الثلث اھ (۴۵٦ ج ۲) ـــــ فلما لزم الوقف عندھما من الثلث فعند ابی یوسفؒ یصح بمجرد القول لکن عندہ لا یجوز وقف الکتب۔

الجواب: فیہ نظر کما سیأتی۔

اشکال:۔ وعند محمد لا یصح الا بعد التسلیم والافراز کما قال العلامۃ الشامی فی رد المحتار: واصلہ فی الخانیۃ حیث قال فیھا قال الشیخ الامام ابن الفضل الوقف علی ثلاثۃ اوجہ، اما فی الصحۃ،

اوفی المرض، اوبعد الموت فالقبض والافراز شرط فی الاول کالهبة دون الثالث لانہ وصیة واما الثانی فکالاول وان کان یعتبر من الثلث کالهبة فی المرض وذکر الطحاوی انہ کالمضاف الی ما بعد الموت وذکر السرخسی ان الصحیح انہ کوقف الصحة حتی لا یمنع الارث عند ابی حنیفةؒ ولایلزم الا ان یقول فی حیاتی وبعد مماتی اھ وبہ علم ان المراد بالقبض قبض المتولی وھو مبنی علی قول مجتہد باشتراط التسلیم والافراز کما مر بیانہ اھ فھذا الوجہ الثالث الذی ذکرتہ لصحة الوقف بدون التسلیم والافراز انما ھو للوقف المعلق بالموت والسوال من المنجز وفی المنجز لا بد من التسلیم والافراز عند محمد وعلیہ الفتوی کما مر سابقاً

الجواب: قلت: علیہ فتوی البعض وافتی الاخرون بقول ابی یوسف وھو الحق عندنا لکون قول ابی یوسف ھو الماخوذ بہ فی باب الوقف۔

اشکال: فما بقیت صورة للجواز الا ان یلفق قول ابی یوسفؒ بقول محمدؒ وقد مرت الاشکالات فیہ مرة ثانیة فی ھذا القرطاس فاجیبوا اجرکم اللہ۔

الاعتذار

سلسلة الکلام لاسیما بین من قراء الکتب ودرسھا لانھایة لھا ولاغایة ولسان البنان وبیان اللسان لایمنعھا مانع ولاتردھما آیة والظاھر من اعتراض المعترض السائل جمودہ علی رأیہ وظنہ فاللازم لمن لا یتکلم الا فیما یعنیہ ان یصرف عنان البیان ویخلی بینہ وبینما رأہ بعلمہ وعنہ والحق عندنا ما اشرنا الیہ اولاً لان الروایة التی نقلھا الشامی عن المجتبیٰ مذکورة فی شرح السیر للامام شمس الائمة السرخسی وذکرھا شمس الائمة جازما بھا فھی وان کانت غیر مشھورة لیست بضعیفة فلایلزم ان یکون غیر المشھور ضعیفاً کما لا یخفی وانما مدار الضعف علی ضعف الناقل اوذکرہ بصیغة التمریض وکل ذالک

ليس بموجود فكيف يجوز ادعاء الضعف فى هذه الرواية لاسيما وهى قوية بالدلائل الحديثية فان وقف الافراس وحبسها فى سبيل الله لم يزل من لدن رسول الله صلى الله عليه وسلم الى زمان الخلفاء المتقدمين منهم والمتاخرين وهلم جرا وكذا وقف المصاحف فقد ثبت فى الصحيح قول يزيد بن عبيد كنت آتى مع سلمة بن الاكوع فيصلى عند الاسطوانة التى عند المصحف ولمسلم انه كان يتحرى موضع المصحف يسبح فيه وذكر ان النبى صلى الله عليه وسلم كان يصلى فيه اھ قال الحافظ، هذا دال على انه كان للمصحف موضع خاص به اھ (ص ۴۷۷ ج۱)

قلت: وكان هذا المصحف وقفاً وكذا المصاحف السبعة التى بعث بها عثمان رضى الله عنه الى البلاد بعد ما جمع القرآن ورتبه سوراً وهذا يدلك على ان وقف الكتب متعارف من زمن الصحابة فكيف يظن بابى يوسف ان يقول ببطلان وقف المنقول مطلقاً بل الصحيح ما ذكره السرخسى ان محمد يقول بجوازه مطلقاً وابو يوسفؒ بجوازه فيما فيه عرف ظاهر كثياب الجنازة وآلات غسل الموتى ونحوها اھ فهذا هو المعتمد عن ابى يوسفؒ عندنا لقوة الدليل فلا تلفيق عندنا اصلاً وان سلمنا فالمنهى عنه من التلفيق ما كان لتتبع الرخص ولا يخفى ان ذلك معدوم فى الصورة المسئول عنها فان التلفيق ان كان فيها فلرعاية الوقف وصيانته عن الابطال ولو رائ السائل كتاب الوقف والقضاء لعلم ان المعتمد فى البابين قول ابى يوسفؒ مطلقاً وقوله هو المفتى به فى البابين وان كان بعض المشائخ اخذ بقول محمدؒ فى بعض الفروع ولكن الترجيح فى الاغلب بقول ابى يوسفؒ فيه نأخذ ونفتى وهو الحق عندنا

والله تعالیٰ اعلم

۱۵ر صفر المظفر ۴۷ھ

ارض موقوفہ یا مملوکہ کی مٹی بلا اجازت استعمال کرنیکا حکم

سوال: (۱) ارض موقوفہ خواہ مقبرہ ہو یا مدرسہ وغیرہ وہاں کی مٹی باجازت یا بلا اجازتِ متولی کسی کو اپنے ذاتی کام میں لگانا

جائز ہے یا نہیں اور اسمیں قلت وکثرت کا فرق ہے یا نہیں ؟

(۲) بلا اجازت اگر کسی کے یہاں سے کھودی ہوئی مٹی لائی جائے تو اتنی ہی مٹی اس کے بدلے میں دینے سے رہائی ہوجائیگی یا معافی لینا اور مالک کو مطلع کرنا بھی ضروری ہے بعضے لوگ بڑے رئیس ہوتے ہیں دو چار ڈھیلے کے متعلق ان کی شان کے خلاف سمجھا جاتا ہے اسکی احسن تدبیر کیا ہے ؟ اور بصورت کفایت تبادلہ میں ایک ہی رنگ اور ایک ہی قسم کی مٹی دینی چاہئے یا نہیں ؟

احقر اطہر علی مدرسہ جامعہ ملیہ شہر کملا ضلع تیرہ

الجواب

(۱) ارض موقوفہ کی مٹی کو استعمال نہ کرنا چاہئے نہ باجازت اور نہ بلا اجازت نہ قلیل نہ کثیر هذا هو الاحوط وان كان القليل الذى لا يضر بالارض فيه مندوحة بين الاباحة ولكن المنع اولىٰ سدًا للذريعة

(۲) مٹی کی قلیل مقدار ارض مملوک سے اٹھا لینا جائز ہے اور قلیل وہ ہے جس سے عرفاً منع نہ کیا جاتا ہو۔ واللہ اعلم

۲۳ رجب ۴۷ھ

اگر واقف متولی کے عزل یا سلسلۂ تولیت میں تغیر وتبدل کے اختیار کو باطل کردے تو کیا اس کا یہ اختیار باطل ہوجائیگا یا اس شرط کے بعد بھی اسکو اختیار حاصل رہے گا

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ اگر کسی واقف نے اپنے وقف کا کسی کو متولی مقرر کیا اور یہ شرط بھی لکھدی کہ اسکو کبھی معزول نہ کرونگا اور عزل کے اختیار کو باطل کرتا ہوں یا آئندہ تولیت کا ایک خاص ترتیب سے کوئی سلسلہ تجویز کیا اور یہ شرط لکھدی کہ اس میں کبھی تغیر وتبدل نہ کرونگا اور تغیر وتبدل کے اختیار کو باطل کرتا ہوں۔ آیا اس شرط سے واقف کو متولی کے عزل کا یا سلسلۂ تولیت میں تغیر وتبدل کا اختیار باطل ہو جائیگا یا باقی رہیگا ؟ بینوا توجروا۔

الجواب: یہ شرط لغو و باطل ہے واقف کو عزلِ متولی وتغیر وترتیب کا حق حاصل ہے۔

قال فی العالمگیریۃ: وان شرط ان يلبسه فلان وليس لى اخراجه

فالتولیۃ جائزۃ وشرط منع الاخراج باطل کذا فی محیط السرخسی ولو ان الواقف شرط الولایۃ لنفسہ وشرط ان لیس لسلطان او قاضٍ عزلہ فان لم یکن ھو مأموناً فی ولایۃ الوقف کان الشرط باطلاً وللقاضی ان یعزل ویولی غیرہ کذا فی قاضی خان اھ (ص ج ۳ ص ۲۲۰)

واللہ اعلم

از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ

۲۶ رجب ۴۷ھ

وقف مشروط کی ایک صورت کا حکم | سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے ایک وقف نامہ تحریر کیا جس میں منجملہ دیگر شرائط مروجہ کے ایک شرط حسب ذیل کا اضافہ کیا کہ اگر اراضی موقوفہ میں تعلیم عربی و قرآن کا انتظام نہ کیا گیا تو یہ وقف کالعدم سمجھا جائیگا اور واقف یا وارثان واقف کو حق استرداد وقف حاصل ہوگا صورت مسئولہ بالا میں آیا یہ شرط وقف کی صحت میں کچھ خلل انداز تو نہیں اور تعلیق مذکور کی صورت میں وقف صحیح ہوگا یا نہیں؟

تنقیح

(۱) اس سوال کے جواب کیلئے وقف نامہ کی بجنسہ نقل کی ضرورت ہے تاکہ یہ معلوم ہو کہ شرط مذکورہ سوال مفید تعلیق وقف ھے یا تقیید مطلق

(۲) یہ بات بھی واضح کرنا ضروری ھے کہ تحریر وقف نامہ سے پہلے واقف نے زبانی بھی وقف کیا تھا یا نہیں؟ اور زبانی وقف میں یہ شرط تھی یا نہیں؟

(۳) اگر وقف تحریراً ہوا تو یہ شرط مذکور فی السوال ایک ہی مجلس میں ذکر وقف کے ساتھ اضافہ کی گئی یا پہلے وقف کی عبارت لکھدی گئی بعد میں شرائط کا یا شرط مذکور کا اضافہ ہوا؟

(۴) اور یہ شرط خود واقف نے بڑھائی یا محرر نے بڑھادی اور واقف نے بدون دیکھے سنے دستخط کردیئے۔

سوال دوبارہ قائم کیا جائے اور ان تنقیحات کو اس میں حل کیا جائے اور وقف نامہ کی نقل بھیجی جائے تو جواب جلد دیا جائے گا

انشاء اللہ۔

والسلام

از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ

۱۰ رجب ۱۳۴۷ھ

نقل مطابق اصل وقف

(جو کہ پچاس روپیہ کے اسٹامپ پر ہے جس میں سے ایک تیس روپیہ کا اور ایک بیس روپیہ کا)

منکہ راؤ عبدالعزیز خان خلف راؤ مہتاب علی خان قوم راجپوت ساکن زمیندار قصبہ رائے پور پرگنہ فیض آباد تحصیل وضلع سہارنپور کا ہوں، میں نے بخوشی ورضاء وبحالت صحت نفس وثبات عقل خود بلا اکراہ واجبار دیگرے ہمہ گی وتمامی اپنی جائداد مع جملہ حق حقوق متعلقہ اس کے مملوک ومقبوضہ وزرخرید بذریعہ بیع نامہ مورخہ ۲۷ مئی ۱۹۰۷ء محلہ لوہانی سرائے واقع شہر سہارنپور مشتہر سابق ننو بٹھیاری اور مشتہر حال راؤ بلڈنگ دو حصوں میں کرکے چھوٹا حصہ بذریعہ وقف نامہ مورخہ امروزہ کے بنام برخورداران محمد سعید خان سلمہ وعبدالمجید خان سلمہ وقف علی الاولاد کردیا ہے اور بڑا حصہ مالیتی دس ہزار روپیہ مفصلہ ذیل بغرض کار خیر وحصول تعلیم دینیات بحق مستقل شاخ مدرسہ عربیہ مظاہر علوم سہارنپور کو اس غرض سے وقف کرتا ہوں کہ اس مقام میں مستقل شاخ مدرسہ عربیہ مظاہر علوم کی علیحدہ قائم کی جائے اور اس مدرسہ کو مدرسہ عربیہ مظاہر علوم کی مستقل شاخ قرار دیا جائے اور اس کا حساب آمد وخرچ مستقل طور سے علیحدہ رکھا جائے لھذا اقرار کرتا ہوں اور لکھ دیتا ہوں کہ شرائط حسب ذیل کا پابند رہونگا خلاف ورزی نہیں کرونگا۔

(۱) یہ کہ میں نے جائیداد مندرجہ ذیل مالیتی دس ہزار روپیہ بحق مستقل شاخ مدرسہ عربیہ مظاہر علوم سہارنپور میں اس غرض سے وقف کردیا ہے کہ اس میں علیحدہ ایک مستقل شاخ مدرسہ عربیہ مظاہر علوم سہارنپور قائم کردی جائے اور جو ممبر یا منتظم مدرسہ عربیہ مظاہر علوم سہارنپور کے ہونگے وہی اس شاخ مذکورہ کے ممبر یا منتظم ہونگے

(۲) یہ کہ میں نے قبضہ مالکانہ اپنی جائداد مفصلہ ذیل سے اٹھاکر قبضۂ ملکیت خداوندی میں بذریعہ مولوی عنایت الہٰی صاحب متولی ومہتمم مدرسہ عربیہ مظاہر علوم کے

کر دیا ہے۔

(۳) جائیداد موقوفہ زیر اہتمام و انتظام مولوی عنایت الٰہی صاحب متولی و مہتمم مدرسہ موصوف کے ہوگی اور بعد انکے بعد جو ان کا جانشین مہتمم مدرسہ عربیہ مظاہر علوم میں ہوگا وہی متولی جائیداد موقوفہ کا ہوگا۔

(۴) متولی کا فرض ہوگا کہ جائیداد موقوفہ کے اندر ایک جزو میں مستقل شاخ مدرسہ عربیہ مظاہر علوم سہارنپور کو قائم کریں جس میں تعلیم دینیات عربی و قرآن شریف حسب نصاب مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور طلبہ کو دی جائے گی اور مدرسہ قائم کردہ علیحدہ ایک مستقل شاخ مدرسہ عربیہ مظاہر علوم سہارنپور کی ہوگی۔

(۵) متولی موصوف جائیدادِ موقوفہ کی آمدنی و خرچ کا حساب باضابطہ رکھیگا اور مقر و وارثان مقر اور دیگر اہل اسلام کا یہ حق ہوگا کہ متولی وقف سے حساب کی دیکھ بھال کریں کسی متولی کو حساب دکھلانے میں کسی قسم کا عذر نہ ہوگا۔

(۶) متولی تغلب یا تصرف بیجا کسی قسم کا نہ کرسکے گا اگر متولی کی جانب سے ایسا ثابت ہو تو ممبران و منتظمانِ مدرسہ کو اختیار ہوگا کہ ایسے متولی کو تولیت سے علیحدہ کرکے دوسرا لائق متولی مقرر کریں۔

(۷) کسی متولی وقف کو جائیدادِ موقوفہ کے منتقل کرنیکا حق نہ ہوگا بلکہ جائیداد موقوفہ ہمیشہ کو ملکیتِ خداوندی میں رہیگی اور تعلیم دینیات مذکورہ ذیل ہمیشہ کو اسی عمارت میں رکھی جائیگی متولی کو یہ شاخ کسی دوسری عمارت میں منتقل کرنیکا حق نہ ہوگا۔

(۸) اگر مقر یا وارثانِ مقر جائیداد موقوفہ کی دعویدار کسی قسم کی کریگا تو وہ ذمہ دار خرچہ مدرسہ مذکور کا ہوگا۔

(۹) متولی کا فرض ہوگا کہ جس وقت دستاویز ہذا رجسٹری ہوجائے اسی وقت سے ایک مدرس عربی دینیات اور ایک مدرس حافظ قرآن شریف کا مقرر کرکے تعلیم طلبہ جاری کریں اور باقی آمدنی مرمت جائیداد و تعمیر درسگاہ وغیرہ شاخ مذکور کے عام اخراجات میں صرف ہوتی رہیگی اگر ایسا نہیں ہوگا تو مقر کو اور وارثانِ مقر کو اختیار ہوگا کہ وقف کو کالعدم کرکے جائیداد موقوفہ کو واپس لے لیں۔

(۱۰) منجملہ ان پاخانوں اور غسل خانوں کے جو منتظمات مدرسہ جائیداد موقوفہ میں قائم کرینگے

ان میں سے ایک پاخانہ اور ایک غسل خانہ فریقین کے مشترکہ استعمال میں رہیگا۔ اور حقوق آمدورفت از دروازہ صدر تا محاذ دیوار غربی قبر ننو بٹھیاری مشترکہ فریقین رہے گی اور مکانات و دروازہ شمالاً وجنوباً مع مکانات بالائی اور بارہ فٹ اراضی عرض میں اور ۶۰ فٹ اراضی طول میں جو اس وقت افتادہ ہے پس پشت پر چار دوکانیں مع آثار شمالاً جنوباً کے محاذ میں جنکو خالص محمد سعید خان صاحب سلمہ و عبدالمجید خان سلمہ کے نام وقف علی الاولاد کیا ہے انکو حق ہے کہ جس وقت جو چاہیں اس پر عمارت بنا دیں اور بارہ فٹ اراضی کے جانب جو اراضی افتادہ تا محاذ دیوار پچھم ننو بٹھیاری ہے وہ فریقین کے مشترکہ استعمال میں آئیگی اور عارضی طور سے اراضی مذکور میں کوئی موٹر یا گاڑی یا گھوڑا وغیرہ کی سواری کھڑی کرنیکا فریقین کو حق ہوگا۔

(۱۱) منتظمان و ممبران و متولی مدرسہ کا یہ فرض ہوگا کہ حق داخلہ طلبہ سہارنپور ضلع سہارنپور کا شاخ مذکور میں ہمیشہ مقدم رکھا جائیگا۔ اس واسطے یہ دستاویز وقف نامہ تحریر کردی کہ سند ہو۔ فقط تفصیل بڑا حصہ وقف بحق مستقل شاخ مدرسہ عربیہ مظاہر علوم سہارنپور رہیگی و تمامی ایک قطعہ احاطہ سکنائی شرق رویہ محلہ لوہانی سرائے واقع شہر سہارنپور مشتہر سابق ننو بٹھیاری و مشتہر حال راؤ بلڈنگ مع مکانات اندرونی ہر قسم ایک کہنی دو کہنی ایک منزلہ و دو منزلہ مع کل دوکانات بیرونی شرق رویہ خور گلاب و زینہ ہائے پختہ شرق رویہ مع چھجہ ہائے و صحن پیشی دوکان مذکور ہر دو کہنی مع مکانات بالائی مع صحن اندرونی و بیرونی مع درختان ہر قسم و دو چاہ پختہ اندرون احاطہ مذکور مع ملبہ ہر قسم متعلقہ مکانات و دوکانات مذکور مع اراضی تحتی و پاخانہ ہائے اندرون احاطہ مذکور واقعہ آبادی شہر سہارنپور مع گوشہ ہائے دیوار غربی احاطہ مذکور در شیو بوری سواد سہارنپور چک موضع سہارنپور پیوستہ پٹڑی کریگی نالہ مع حق راہ آمد برآمد باستثنائے اراضی صدر دروازہ و ہر دو کوٹھری ہائے بغلی و چار دوکانیں متصل کوٹھری ہائے مذکور جس میں سے دو صدر دروازہ مذکور سے جانب شمال میں اور دو جانب جنوب میں اور کمرہ بالائی صدر دروازہ مع صحن ہر دو جانب شمال و جانب کمرہ مذکور و چار دوکانیں مع آراضی جانب غرب متصل دوکانیں و صدر دروازہ مذکور جو اس وقت افتادہ ہے عرض میں بقدر ۱۲ فٹ شرقاً اور طول میں ۷۰ فٹ جنوباً شمالاً ہے۔

حدود اربعہ

شرقی منہ الباب و راستہ آمد برآمد ازاں بعد نالی و سڑک پختہ سرکاری و پرنالہ ہائے خصی جائیداد موقوفہ جو اسطرف جاری ہیں غربی مکانات رعایا ذوالفقار خان جس میں پرنالہ ہائے

خصی جو جائیداد موقوفہ جاری ہیں جنوبی دروازہ ہائے احاطہ موقوفہ و آبچک ازاں بعد پٹری کر گئی نالہ حدود آب و پرنالہ ہائے خصی جائیداد موقوفہ جو اس طرف جاری ہیں شمالی آبچک مشترکہ مکانات واحاطہ موقوفہ و مکانات امراؤ سنگھ و پرنالہ ہائے خصی جائیداد موقوفہ جو اسطرف جاری ہیں۔

المرقوم ۲۳ نومبر ۱۹۲۸ء بقلم رام چند قبالہ نویس تحریری

(نوٹ) پشت اول کے سطر پانچ میں نشان دیکھ حاشیہ پر وقف علی الاولاد مذکور ہے۔

العبد عبدالعزیز خان

گواہ شد

محمد اکرام الدین پسر شیخ مسینا ساکن بقلم خود و مہتمم مدرسہ حفظ القران نوگانواں۔ ضلع سہارنپور۔

گواہ شد

عبدالرحیم خان بقلم خود پسر عاشق حسین خان۔

گواہ شد

چودھری محمد خان پسر عزیز علی خان جنڈالہ ضلع کرنال بقلم خود

گواہ شد

راؤ علی احمد خان پسر فیاض علی خان بقلم خود، ساکن رائے پور

جواب تنقیح

(۱) حسبِ طلب وقف نامہ کی اصل ارسال خدمت ہے

(۲) وقف نامہ سے پہلے ارادہ وقف تھا وقف کا حال وقف نامہ کی تحریر سے معلوم ہوا

(۳) مسودہ واقف نے دیکھکر دستخط کیے واقف لکھا پڑھا آدمی تھا۔

(۴) وقف نامہ سے واضح ہے۔

از احقر جمیل الرحمٰن امروہی

الجواب

صورتِ مسئولہ میں امام ابو یوسفؒ کے نزدیک وقف صحیح ہے اور یہ شرط جو واقف نے لکھی ہے کہ اگر اس مکان میں شاخ مدرسہ مظاہر علوم قائم نہ کی گئی تو واقف یا اسکے ورثاء کو واپسی وقف کا اختیار ہوگا یہ شرط باطل ہے اگر اہل مدرسہ اس شرط پر عمل نہ کریں جب بھی یہ مکان و جائیداد وقف ہی رہیگی۔ واقف یا وارثان واقف کو وقف کی واپسی کا اختیار حاصل نہ ہوگا اور فتویٰ باب الوقف میں ابو یوسفؒ ہی کے قول پر ہے۔

قال فی الھندیۃ رسالۃ شمس الائمۃ محمود الاوزجندی: عمن وقف علی اولادہ وقال لھم ان عجزتم عن امساکہ فبیعوہ قال: لوکان ھذا شرطاً فی الوقف کان باطلاً وھذا یجب ان یکون قول محمدؒ واما علی قول ابی یوسفؒ یجوز الوقف ویبطل الشرط اھ (ج ۳ ص ۲۱۷)

اور یہ جواب اس تقدیر پر ہے کہ یہ تسلیم کرلیا جائے کہ یہ وقف نامہ کی شرط ۹ نے وقف کو مشروط کردیا ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ اس شرط سے وقف مشروط نہیں ہوا کیونکہ الفاظ وقف کے ساتھ اس کا اتصال نہیں بلکہ وقف ان لفظوں سے تام ہوچکا کہ "بڑا حصہ مالیتی دس ہزار روپیہ بغرض کار خیر حصول تعلیم دینیات بحق مستقل شاخ مدرسہ عربیہ مظاہر علوم سہارنپور اس غرض سے وقف کرتا ہوں الخ" اس عبارت میں واقف نے صرف اپنی غرض کا اظہار کیا ہے اور اس غرض کے ساتھ وقف کردیا ہے اس کے ساتھ یہ نہیں لکھا کہ اگر اس غرض کا تحقق نہ ہو تو وقف کے ابطال کا مجھے حق ہوگا یا یہ کہ اس غرض کے ساتھ وقف مشروط ہے ورنہ وقف ہی نہ ہوگا اور غرض کا بیان کرنا اسلئے ہوتا ہے کہ متولیان حتی الامکان اس غرض کے ایفاء کا اہتمام کریں اور جس وقت ایفاء غرض دشوار ہو تو اس کے مثل کسی دوسرے کار خیر میں وقف کو صرف کریں غرض کا لکھنا مطلقاً وقف کو مشروط نہیں کرتا پھر اس کے بعد جو واقف نے شرائط لکھی ہیں تو ان کو اس عنوان سے نہیں لکھا کہ یہ صحت وقف کی شرائط ہیں یا صحت وقف ان شرائط سے مشروط ہے بلکہ اس عنوان سے یہ شرائط لکھی ہیں کہ میں شرائط حسب ذیل کا پابند رہونگا پس ان شرائط سے جو اس عنوان کے بعد مذکور ہیں وقف مشروط نہیں ہوا اور باتفاق جملہ ائمہ وقف صحیح ہوگیا اور جو شرط خلاف وقف ہے وہ باطل ہوگئی ملاحظہ ہو "عالمگریہ (ص ۲۳۲ ج ۲)

الباب السابع فی ما یتعلق بالصک من قولہ رجل وقف ضیعۃ لہ وکتب صکاً واشھد شھوداً الخ۔

واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ
از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ
۶ر شعبان ۴۷ھ

نعم الجواب وھو عین الصواب
اشرف علی
۲۷ر شعبان ۴۷ھ

واقف کی ماں اگر حاجتمند ہو تو آمدنی وقف علی الفقراء ہیں وہ دوسرے حاجتمندوں سے مقدم ہے

سوال: زید نے اپنی جائیداد وقف علی الاولاد کی اس موقوفہ جائیداد کی آمدنی میں سے کچھ رقم ان سے اپنی برادری کی حاجتمند بیوہ عورتوں کیلئے مقرر کردی بعد انتقال زید والدۂ زید نے اپنا ترکہ اولاد زید کو ھبہ کردیا والدۂ زید کی کچھ ذاتی جائیداد بھی ہے جو اسکی ضروریات کیلئے کافی نہیں ہے بلکہ جو آمدنی والدۂ زید نے اپنے پوتوں کو ھبہ کردی ہے اسکو شامل کرکے بھی انکی ضروریات پوری نہیں ہوتی ہیں ایسی حالت میں اگر اولاد زید اپنی ذاتی قلت آمدنی وکثرت خرچ کی بناء پر اس موقوفہ جائیداد کی وہ رقم جو واقف نے اپنی برادری کی حاجتمند بیوہ عورتوں کیلئے مقرر کی ہے اپنی دادی کو دیں تو شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ اور اگر کچھ دیدیا ہے تو شرعاً گناہ ہوا یا نہیں اور واقف کو ثواب پہنچے گا یا نہیں

سائل۔ سعید احمد خان برہرہ ڈاک خانہ بلام ضلع اٹیہ

الجواب: واقف کی ماں اگر حاجتمند ہو تو دوسری بیوہ عورتوں سے وہ مقدم ہے اسکو وقف مد بیوگان سے دے سکتے ہیں واللہ اعلم

از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ

۲۰ رجمادی الاول ۴۸ھ

میت مسلم کے ایصال ثواب کیلئے ہندو کے وقف کی ایک صورت کا حکم

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ہمارے ملک میں یہ قاعدہ ہے کہ کچھ زمین پیرنال کے نام سے بڑے پیر صاحب کے نام پر دیکر کسی کو اس کا متولی کردیا جاتا ہے جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ متولی اس زمین کا ہر سال کی آمدنی کو اپنے اخراجات میں بھی لائے اور بقیہ سے بڑے پیر صاحب کی درگاہ بنا کر اسمیں چراغ جلائے اور فقراء کو کھلائے اسی رسم کے موافق عرصہ چار سو سال کا ہوا کہ کسی ھندو نے ایک زمین کو پیرنال کے طریقہ پر دیکر ایک مسلمان کو اس کا متولی کردیا اور مندرجہ بالا شرائط تحریر کردی کہ متولی ہر سال کی آمدنی سے خود بھی کھائے اور درگاہ بنا کر چراغ جلائے اور فقراء کو کھانا کھلائے نیز قانوناً اس میں زمین دینے والوں یا ان کے وارثوں کو یہ بھی حق ہے کہ اگر متولی شرائط مندرجہ بالا کے موافق خرچ نہ کرے تو وہ اس متولی کو علیحدہ کرسکتے ہیں البتہ یہ زمین دینے والے

خود اس زمین پر قبضہ نہیں کر سکتے اور نہ لگان وصول کر سکتے ہیں نیز متولی کو یہ حق بھی دیا گیا ہے کہ وہ حق تولیت کسی کے ہاتھ بیچ دے لیکن مشتری تولیت کو بھی اصل متولی کی طرح مندرجہ بالا اخراجات میں اسکی آمدنی کا صرف کرنا لازم ہوگا

اب سوال یہ ہے کہ وہ زمین نسلاً بعد نسل چار سو برس سے اس متولی کے وارثوں میں چلی آرہی ہے اور وارثان متولی مندرجہ بالا اخراجات میں اس آمدنی کو خرچ کرتے رہے ہیں لیکن موجودہ متولی نے چراغ کے اخراجات کو بند کردیا ہے سال بھر میں صرف ایک مرتبہ کچھ لوگوں کو جمع کر کے کھلا دیتا ہے باقی آمدنی خود کھا جاتا ہے کیا متولی کا اخراجات میں تغیر جائز ہے یا نہیں؟ نیز فقراء کو اس زمین کی آمدنی سے کھانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

وقف کا قریں اصل یہ ہے کہ جو غرض انکے اور اہل اسلام کے نزدیک قربت ہو اسکے لئے وقف صحیح ہے اور اگر اس کے ساتھ ایسی اغراض شامل کی جائیں جو اہل اسلام کے نزدیک قربت نہیں تو اُن اغراض میں آمدنی وقف کا صرف کرنا جائز نہیں پس میت مسلم کے ایصالِ ثواب کیلئے وقف کرنا صحیح ہے کیونکہ یہ قربت متفق علیھا ہے اور درگاہ وغیرہ بنانیکے واسطے وقف صحیح نہیں متولی کو درگاہ بنانا جائز نہیں صرف فقراء پر کھانا تقسیم کردیا کرے

قلت: وکون ایصال الثواب بالمال قربۃ نافعۃ متفق علیہ بین الائمۃ وکذالک الوقف علی رجل معین وعقبہ صحیح لکونہ قربۃ متفق علیھا والکل فی الاحکام الاوقاف للخصاف فقط۔ واللہ اعلم

ظفر احمد عفا عنہ

۳۰ رجمادی الاول ۴۸ھ

اس کے متعلق صریح جزئیہ تو نہیں ملا قواعد سے جواب لکھدیا گیا پس جو کچھ وہ متولی بلا کسی رسم شرک وبدعت کے کھلائے وہ فقراء کو کھانا جائز ہے اور متولی نے جو خلاف شرع امور مثل چراغ جلانے کے ترک کر دیا ہے اسکی وجہ سے متولی پر مواخذہ نہیں ہے زیادہ تحقیق مطلوب ہو تو دوسرے مدارس میں سوال بھیجدیا جائے فقط

عبدالکریم گمتھلوی

یکم جمادی الثانی ۴۸ھ

وقف علی الاولاد کی ایک صورت کا حکم | سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام ذیل کی صورت میں کہ مسماۃ لاڈو بیگم کے ورثاء میں سے کوئی اولاد نہیں اور اس کا شوہر اور والدین بھی فوت ہو گئے اور کوئی عصبہ قریب بعید کے نہیں۔ ایک بہن وارث ہے مسماۃ لاڈو بیگم بیمار ہو گئی تھی بعد بیمار ہونیکے اسی بیماری میں اپنی جائیداد غیر منقولہ کو وقف علی الاولاد کے نام سے وقف کیا اور مسماۃ واقفہ نے وقف نامہ لکھوا کر اپنی حقیقی بہن نور بیگم جو اس وقت زندہ ہے اس کا نام اس کا انگوٹھا وقف نامہ پر لگوا دیا اور وقف نامہ لکھتے وقت مسماۃ نور بیگم نے کوئی انکار یا ناراضگی ظاہر نہیں کی اور انگوٹھا لگاتے وقت بھی انکار نہیں کیا بعد اس تصرف کے اسی بیماری میں تقریباً تین ماہ کے بعد مسماۃ لاڈو بیگم فوت ہو گئی کچھ دنوں بعد مسماۃ نور بیگم واقفہ کی حقیقی بہن نے عدالت میں درخواست دی کہ میں اپنی بہن مسماۃ لاڈو بیگم مرحومہ کی وارث ہوں مجھکو اس کا ترکہ ملنا چاہئے اور جو میں نے وقف نامہ پر انگوٹھا لگایا ہے اول تو مجھے اس وقت اپنی بہن کا دل خوش کرنا منظور تھا دوسرے میں اس وقت جائیداد کی مالک نہ تھی میرے انگوٹھا لگانے سے میرا حق فوت نہیں ہوا میں تو بعد وفات مسماۃ لاڈو بیگم کے بحق وراثت مستحق ترکہ ہوئی ہوں اور مسمیٰ امیر محمد خان نے جسکو نصف آمدنی جائیداد مسماۃ لاڈو بیگم نے بلحاظ وقف علی الاولاد کے مستحق کیا تھا اس نے عدالت میں درخواست دی ہے کہ مسماۃ لاڈو بیگم واقفہ کی جائیداد میں میرا حصہ نصف مجھ کو میرے نام سے سرکاری کاغذات میں درج کر دیا جائے اور مجھ کو اس پر قابض کر دیا جائے مسمیٰ امیر محمد خان کہتا ہے کہ مسماۃ نور بیگم کا مسماۃ لاڈو بیگم واقفہ کی جائیداد میں کوئی استحقاق نہیں رہا۔ کیونکہ وقف کرتے وقت اس نے انکار نہیں کیا اور اپنی مرضی سے انگوٹھا بھی لگا دیا ایسی صورت میں مسماۃ نور بیگم حقیقی ہمشیرہ مسماۃ لاڈو بیگم واقفہ مرحومہ کی جائیداد مذکورہ بالا کی بطور وراثت مستحق ہو سکتی ہے یا نہیں؟ اگر ہو سکتی ہے تو اس جائیداد میں اسکو کتنا حصہ مل سکتا ہے اور مسمیٰ امیر محمد خان جسکو واقفہ مرحومہ نے نصف آمدنی کا بطور وقف علی الاولاد مستحق کیا ہے جائیداد مذکورہ کے تقسیم کرانیکا اور نصف اراضی پر قابض ہونیکا حق ہے یا نہیں؟ مسماۃ واقفہ نے وقف نامہ پر لکھ دیا ہے کہ میرے فوت ہونیکے بعد ہر ایک فریق آپس میں جائیداد مذکورہ کو تقسیم کرلیں اور اپنے اپنے حصہ پر قابض ہو جائیں ایسی صورت

ہیں جائیداد موقوفہ پر جو اللہ کی ملک میں ہوگئی ہے تقسیم کرکے فریقین قابض ہوسکتے ہیں یا نہیں ؟

تنقیح

اس سوال کے متعلق چند امور وضاحت طلب ہیں۔

(۱) لاڈو بیگم کا شوہر اس سے پہلے انتقال کرگیا یا بعد میں اگر بعد میں انتقال کیا تو یہ بھی بتلایا جائے کہ وہ اس وقف پر بعد انتقال لاڈو بیگم رضامندی ظاہر کرتا تھا یا ناراضی یا ساکت تھا ؟

(۲) عصبہ بعید کا نہ ہونا بعید ہے اسلئے مکرر تحقیق کامل کرکے لکھیں

(۳) لاڈو بیگم کو کیا مرض تھا اور کتنے دن سے تھا اور کس درجہ کا تھا یعنی اس مرض میں گھر کا کام کرسکتی تھی یا نہیں ؟ اور چلتی پھرتی تھی یا نہیں ؟

(۴) وقف کرنیکے بعد وہ مرض زائل ہوگیا تھا یا موت تک برابر مریض رہی ؟

(۵) نور بیگم نے لاڈو بیگم کے انتقال کے بعد وقف پر رضامندی ظاہر کی ہے یا نہیں یعنی ایسا واقعہ ہوا ہے کہ اول رضامندی ظاہر کی بعد میں درخواست دی یا انتقال کے بعد اول ہی سے ناراض رہی یا بعد انتقال کچھ دنوں خاموش رہی بعد میں درخواست دی جو واقعہ ہوا صاف لکھا جائے۔

(۶) اب جائیداد کس کے قبضہ میں ہے

(۷) مسماۃ لاڈو بیگم نے اس جائیداد موقوفہ کے علاوہ اور کیا ترکہ چھوڑا ہے اور اس ترکہ کو اس جائیداد سے کیا نسبت ہے یعنی آدھا ہے یا تہائی یا کم زیادہ

(۸) وقف نامہ کی پوری نقل روانہ کردیں فقط

احقر عبدالکریم عفی عنہ۔ از خانقاہ امدادیہ
تھانہ بھون۔ ۱۲ ربیع الثانی ۴۵ھ

جواب تنقیح

(۱) شوہر مسماۃ لاڈو بیگم کا مسماۃ کے فوت ہونے سے پانچ سال پہلے فوت ہوگیا۔

(۲) عصبات کے متعلق جہاں تک کوشش کی کوئی عصبہ بعید معلوم نہیں ہوا۔

واللہ اعلم بالصواب

(۳) مسماۃ موصوفہ کو مرض اسہال، بخار، کھانسی تھا۔ فوت ہونے سے تقریباً پانچ ماہ پیشتر اسی مرض میں مبتلا تھیں اسقدر ضعف ہو گیا تھا کہ بلا دوسرے آدمی کی امداد کے اٹھنا بیٹھنا نہیں کر سکتی تھی اور نہ کوئی کاروبار کر سکتی تھی۔

(۴) مسماۃ کے فوت ہونے تک وقف کے بعد مرض سابقہ زائل نہیں ہوا بلکہ روز بروز ترقی پر رہا وقف کی تحریر مکمل کرنے کے وقت زبان سے بات صاف نہیں معلوم ہوتی۔ اور بہت کم سنتی تھی۔

(۵) مسماۃ نور بیگم وقف کرنے سے درخواست دینے تک دل سے ناراض رہی بعد مرنے مسماۃ لاڈو بیگم کے بھی دل سے تو ناراض رہی لیکن زبان سے اتنے عرصے تک ناراضی کا اظہار نہیں کیا اور نہ اپنی رضا ظاہر کی اور نہ کوئی ایسا واقعہ پیش آیا جس سے انکی رضا مندی ثابت ہوتی۔ مرنے کے بعد تقریباً درخواست دینے تک ایک ماہ کا عرصہ گذرا۔

(۶) جائیداد پر قبضہ مسماۃ نور بیگم کا ہے اور تحصیل وصول مسماۃ نور بیگم کے داماد مسمیٰ امانت اللہ خان جو اس گاؤں کا نمبردار ہے کرتا ہے۔

(۷) جائیداد متنازعہ فیہ موقوفہ کی مالیت تخمیناً آٹھ ہزار ہے اور اس کے علاوہ کچھ جائیداد مسماۃ مرحومہ نے مسماۃ نور بیگم کے داماد امانت اللہ خان کو اسی مرض موت میں ہبہ کر دی ہے اور ان کا قبضہ کرا دیا ہے اس موہوبہ جائیداد کا تخمینہ مالیت بھی تقریباً آٹھ ہزار ہے اور ان دونوں جائیداد کے علاوہ کچھ جائیداد غیر منقولہ اسی مرض موت میں مسماۃ مرحومہ نے اپنی بہن مسماۃ نور بیگم کو ہبہ کر دی اور قابض کر دیا جس کا تخمینہ مالیت ڈیڑھ ہزار ہے اور کچھ مال از قسم زیورات علاوہ ان تینوں جائیداد کے جس کا تخمینہ غالباً پانچ سو روپیہ ہے مسماۃ نے مرض موت میں کچھ اپنے ہاتھ سے ذوی الارحام کو ہبہ کر دیا اور کچھ اپنی بھانجی کو دے گئیں اس غرض سے کہ کسی مصرف خیر میں صرف کئے دینا وہ ابتک موجود ہے بطور امانت کے۔

(۸) نقل وقف نامہ حسب طلب ارسال خدمت ہے اسمیں یہ تفصیل ہے ابتداء میں جو مضمون وقف نامہ میں لکھا گیا اس میں بعض مضمون مسماۃ مرحومہ کی رضا کے خلاف لکھا گیا جب مسماۃ کو وہ مضمون سنایا گیا تو اس نے اپنی رضامندی کے موافق اسکی تکمیل دوسرے قطعہ پر کرا کے اسکو مکمل رجسٹری کرا دیا لھذا اصل وقف نامہ اور

اس کا تتمہ دونوں کی نقل ارسال خدمت ہے

الجواب

فی الدر المختار فی شرائط الوصیۃ : (و) کون (الموصیٰ لہ حیا وقتھا (و) کونہ (غیر وارث) وقت الموت اھ ملخصاً

وقال الشامی : (قولہ غیر وارث) ای ان کان ثمہ وارث آخر والا تصح الخ (شامی ص ۶۳۷ ج ۵)

وفیہ ایضاً بعد ورقۃ : ولا تعتبر اجازتھم حال حیاتہ اصلاً بل بعد وفاتہ ۔ وقال الشامی : تحتہ ای لانھا قبل ثبوت الحق لھم لان ثبوتہ عند الموت فکان لھم ان یردوہ بعد وفاتہ بخلاف الاجازۃ بعد الموت وتمامہ فی المنح

وفی البزازیۃ : تعتبر الاجازۃ بعد الموت لا بعدہ عہ ھذا فی الوصیۃ اما فی التصرفات المفیدۃ لاحکامھا کالاعتاق وغیرہ اذا صدر فی مرض الموت واجازۃ الوارث قبل الموت لا روایۃ فیہ عن اصحابنا قال الامام علاؤ الدین السمرقندی : اعتق المریض عبدہ ورضی الورثۃ قبل الموت لا یسعی العبد فی شئ وقد نصوا علی ان وارث المجروح اذا عفا علی الجارح یصح ولا یملک المطالبۃ بعد موت المجروح اھ

اس سے معلوم ہوگیا کہ وقف مذکور پر جب مسماۃ نور بیگم اپنی ہمشیرہ کے مرض موت میں رضا مندی ظاہر کر چکی ہے تو اب اسکو اس میں سے وراثت نہ ملیگی البتہ جو جائیداد خود اسکو یعنی نور بیگم کو دی گئی ہے وہ اسکی ملک ہے کیونکہ دوسرا کوئی وارث نہیں جو اس ھبہ پر اعتراض کرے فقط

واللہ اعلم

احقر عبد الکریم عفی عنہ

۳۰ ربیع الثانی ۴۵ھ

عہ ھکذا فی الاصل والصواب لا قبلہ

اور صورت مسئولہ میں دونوں نواسے زمین وقف کو برضامندی تقسیم کر سکتے ہیں لزوماً وجبراً تقسیم نہیں کر سکتے لما فیہ من ایہام الملک

قال فی الکنز: ولا یقسم وان وقفه علی اولاده اھ۔ وذکر فی البحر فی ذالک اقوالاً: وقال ابن عابدین فی حاشیته: وقد یوفق ایضاً بان ما فی الخصاف محمول علی قسمة الجبر وما فی الاسعاف علی قسمة التراضی ولذا قال: ولمن ابی منهم بعد ذلک ابطاله اھ (ص ۲۰۸ ج ۵)

واللہ اعلم

ظفر احمد عفا عنہ

از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ

۲ر جمادی الاولی ۴۵ھ

وقف زمینِ اجارہ اور اس پر مسجد بنانے کی ایک صورت

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین (رحمکم اللہ تعالیٰ) اس مسئلہ میں کہ ایک سرکاری زمین ہے جو پچیس سال کے واسطے سرکار اپنے رعایا کو کرایہ پر دیتی ہے اور بعد اس مدت کے گذر جانے اس شخص کو اگر وہ چاہے پھر دیدیتی ہے۔ یہ سرکاری قاعدہ ہے جب تک سرکار کو اس زمین کی سخت ضرورت نہیں ہوتی اس شخص سے چھینتی نہیں اسی زمین پر وہ شخص ہر قسم کا تصرف کر سکتا ہے اگر اس پر مکان بنانا چاھے تو بنا سکتا ہے اور اگر اسکو دوسرے کے ہاتھ بیچنا چاھے تو بیچ بھی سکتا ہے اور اسی شہر میں جتنی زمینیں ہیں سب ایسی ہی ہیں اس ارض مذکورہ کو اگر سرکار واپس لینا چاہے تو اس کے عوض میں دوسری زمین دیکر واپس لیتی ہے دیگر شہروں میں دوسری زمینیں ہیں۔

ایک تو اس قسم کی زمین جو اوپر مذکور ہوئی۔ دوسری فری ہول زمین جس کا خزانہ معاف ہے لیکن اسکو بھی سرکار اس کے عوض میں دوسری زمین دیکر واپس لے سکتی ہے۔

اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ ایسی خزانہ والی زمین میں ایک مکان بھی تھا، مع مکان کے اس زمین کو مسلمانوں نے خرید کر وقف کر دیا ہے اور اسپر ایک مسجد بنائی ہے جس میں پنجگانہ نمازیں جماعت کے ساتھ ہو رہی ہیں اور جمعہ کی نماز بھی خوب اچھی طرح سے ہو رہی ہے اور روز بروز مسجد مذکور کی جماعت بفضلہ تعالیٰ ترقی پر ہے اور جو

سرکاری خزانہ قبل از بناءِ مسجد اسی زمین کیلئے مقرر تھا وہ ابتک معاف نہیں ہوا ہے سالانہ تین روپیہ تک واقفین زمین ادا کر دیا کرتے ہیں اور کوشاں ہیں کہ خزانہ معاف ہوجائے آیا یہ وقف صحیح ہوا یا نہیں ؟ اور ایسی مسجد میں نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں ؟

بینوا توجروا

الجواب

چونکہ یہ زمین وقف کرنے والوں کی ملک نہیں ہے اسلئے زمین کا وقف صحیح نہیں ہے اور بیچنے کا اختیار جو سرکار کی طرف سے ہے یہ درحقیقت بیع زمین کی نہیں بلکہ حق مستاجری ہے غرض یہ کہ صورتِ سوال سے ہم نے یہ سمجھا ہے کہ اس زمین کی مالک سرکار ہی رہتی ہے اس واسطے نہ ہمارے نزدیک یہ زمین وقف ہوئی اور نہ یہ مسجد شرعاً مسجد کہلائیگی البتہ اگر کسی طریقہ سے بطور بیع یا ھبہ یہ زمین مسلمانوں کو ھمیشہ کے واسطے ملجائے اور اس کے بعد پھر اسکو مسجد قرار دیں تو مسجد ہوجائیگی جیسا کہ ظاہر ہے اور یہ تمام تر گفتگو زمین کے متعلق تھی باقی رہی عمارت سو وہ بہرحال وقف ہوچکی ہے گو اکثر فقہاء نے وقف البناء بدون الارض کو غیر صحیح کہاہے، لیکن درمختار نے صحیح کہا ہے اور آجکل یہی قول قابل فتوی ہے کیونکہ اس زمانہ میں تعامل بدل گیا ہے یعنی پہلے اس کا دستور نہ تھا اسواسطے اس کو صحیح نہیں کہتے تھے اور اب دستور ہوگیا ہے اسلئے صحیح کہنا لازم ہے اور وجہ اسکی یہ ہے کہ منقول کا وقف جب صحیح ہوتا ہے جبکہ اس کا دستور ہو پس درحقیقت یہ اختلاف مسئلہ میں نہیں ہے بلکہ دستور کا اختلاف ہے یعنی جن فقہاء نے بوجہ دستور نہ ہونے کے اس وقف کو غیر صحیح کہا ہے ان کا یہ قول خود بتلا رہا ہے کہ اگر کسی زمانہ میں اس کا رواج ہوجائے تو وقف صحیح ہوجائیگا پس آج کل رواج ہوگیا ہے اور زمین کرایہ پر ہے اس واسطے استعمال کا حق ہے پس نماز پڑھنا اس جگہ جو صورۃً مسجد ہے جائز ہوا اگر کسی وقت سرکار نے زمین لے لی تو پھر اس کا ملبہ کسی دوسری مسجد میں صرف ہوسکتا ہے۔ اب وقف البناء بدون الارض کے متعلق فقہاء کی عبارتیں نقل کرتا ہوں تاکہ اس تحریر کی موافقت ظاہر ہوجائے۔

فی الدر المختار : (بنی علی ارض ثم وقف البناء) قصداً (بدونها ان الارض مملوکة لا یصح) وقیل : صح وعلیه الفتوی ــــــ سئل قارئ

الهداية عن وقف البناء والفراس بلا ارض فاجاب: الفتوىٰ على صحة ذالك ورجحه شارح الوهبانية واقره المصنفؒ معللاً بانه منقول فيه تعامل فيتعين به الافتاء (شامی ج ۳ ص ۳۰۴)

گو شامیؒ نے دوسری جزئیات کی بناء پر اسمیں قید لگائی ہے کہ یہ حکم ارض محتکرہ کا ہے اور محتکرہ وہ زمین ہے جو ہمیشہ کے واسطے کرایہ پر دی ہوئی ہو اور بادشاہ اسکو کبھی بھی نہ لیتا ہو لیکن جب اصل مدار تعامل پر ہے تو جس قسم کی زمین پر بنائی ہوئی عمارت کو وقف کرنیکا تعامل ہو جائیگا۔ اسی کو صحیح کہا جائیگا۔ واللہ اعلم

اور غور کرنے سے صورتِ مسئولہ کے متعلق ایک بات اور ذہن میں آئی وہ یہ کہ جب عمارت بنانیکے واسطے اینٹ چونہ وغیرہ خریدا اسی وقت وہ سب سامان وقف ہو چکا اور وقف ہونیکے بعد دیوار وغیرہ بنائی گئی ہے بخلاف اس صورت کے جس میں علامہ شامیؒ نے اختلاف کیا ہے کیونکہ اس صورت میں عمارت بنانیکے بعد وقف کرنا مفروض ہے اور اینٹ وغیرہ منقولات میں وقف صحیح ہونیکے لئے کوئی شرط ایسی نہیں ہے جو صورتِ مسئولہ میں بنائی گئی ہو پس واضح ہو گیا کہ آجکل اکثر چھاؤنی وغیرہ میں جو عارضی اجازت معین یا غیر معین مدت کے واسطے لیکر سرکاری زمین میں مسجد بنا لیتے ہیں یہ مسجد تو نہیں ہوتی مگر دیوار وغیرہ وقف ہو جاتی ہیں اور نماز پڑھنا ان مساجد میں جو کہ محض صورۃً مساجد ہیں جائز ہے گو ثواب مسجد کا نہ ملیگا۔ واللہ اعلم بالصواب

کتبہ الاحقر عبدالکریم عفی عنہ
از خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون
مورخہ ۳۰ رجمادی الاول ۵۰ھ

وقف میں کوئی مستحق نکل آئے تو وقف باطل ہو جائیگا یا نہیں

سوال :- کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اندریں مسئلہ کہ ایک بستی میں قریب پندرہ سولہ سال سے نور محمد نامی ایک شخص کی زمین میں ایک مسجد تیار کی گئی، نور محمد نے یہ زمین اسی وقت مسجد کیلئے وقف بھی کردی تھی لیکن یہ زمین نور محمد کی موروث نہ تھی بلکہ حاجی محمد ہاشم سے خریدی اور حاجی محمد ہاشم نے محمد زین کی والدہ سے اور اس نے اسعد اللہ کے بعض وارثین سے خرید کی تھی اب اس محلہ کے ایک شخص اسعد اللہ مرحوم کے وارثین

میں سے اسی مسجد کی زمین میں ہاتھ ڈیڑھ ہاتھ کا مستحق نکل گیا۔ لھذا سوال یہ ہے کہ اس استحقاق کی وجہ سے وقف مذکور باطل ہوجائیگا یا نور محمد کے وارثین سے بقدر استحقاق ضمان لیکر وقف باقی رکھا جائیگا بر تقدیر اول تمام مسجد کا وقف باطل ہوگا اور باقی زمین میں مسجد باقی رکھی جائیگی۔ بینوا توجروا

تنقیح

اس سوال کے متعلق امور ذیل دریافت طلب ہیں انکا جواب آنے پر انشاء اللہ تعالیٰ مسئلہ بتلادیا جائیگا۔

(۱) کیا اس کے شرعی ورثاء سب بالغ ہیں اور کیا وہ سب ضمان پر راضی ہیں؟

(۲) نور محمد اور حاجی ہاشم اور اصل بائع یہ سب تاحال زندہ ہیں یا بعض کا انتقال ہوچکا مفصل لکھیں

(۳) جس شخص نے دعویٰ کیا ہے وہ اس وقت جبکہ جگہ فروخت کی گئی اور مسجد بنائی گئی کیوں خاموش رہا و نیز یہ بھی تحریر کریں کہ فروخت کے وقت وہ موجود تھا یا نہیں؟

(۴) کیا اس کا استحقاق گواہوں سے ثابت ہے؟

(۵) یہ ٹکڑا کس طرح اس بیع میں شامل ہوگیا تھا؟

(٦) استحقاق کسی معین حصہ میں ثابت ہوا ہے یا غیر معین یعنی کسی جانب دیوار مسجد تھوڑی سی ہٹا کر بنائی گئی ہے یا بیچنے والے نے اپنے حصہ سے زائد بیچدی اسکو مصرح لکھا جائے اور زیادہ وضاحت کے واسطے لکھا جاتا ہے کہ استحقاق کی دو شکلیں ہوسکتی ہیں ایک تو یہ کہ بائع کی زمین الگ تھی اور مدعی استحقاق کی زمین الگ بائع نے کسی طریق پر مدعی کی زمین کا حصہ شامل کرکے فروخت کردیا۔ دوسری صورت یہ کہ بائع کو مثلاً سو گز زمین وراثت میں پہنچتی تھی مگر اس نے کسی وجہ سے ۱۰۴ گز فروخت کردی اب مدعی اپنا حصہ طلب کرتا ہے ان دونوں صورتوں میں سے جو واقعہ ہوا ہو اسکو لکھیں۔ والسلام

جواب تنقیح

(۱) نور محمد کے تمام ورثاء شرعی فی الحال بالغ ہیں اور ضمان پر راضی ہیں

لیکن مدعی قدر قلیل پر راضی نہ ہوگا۔

(۲) نور محمد کا انتقال ہو چکا ہے اور حاجی ہاشم اور انکی بائعہ محمد زرین کی والدہ اور محمد زرین کی والدہ کی بائعہ مور بی بی، شورش بی بی، محرم بی بی، عزت اللہ حشمت اللہ اور نور محمد ہیں اور یہ سب اسعد اللہ کے وارثین ہیں اور فقط ایک شخص شیخ محمد نامی اسعد اللہ کا وارث ہے وہ اس بیع میں شریک نہیں اور اصل بائعوں میں سے تاحال فقط مور بی بی زندہ ہے اور بائع ثانی محمد زرین کی والدہ اور بائع ثالث یعنی حاجی ہاشم تاحال زندہ ہیں

(۳) جب جگہ فروخت کی گئی اور مسجد بنائی گئی اس وقت اسکو علم نہیں تھا کہ اس کا بھی اس میں حق ہے کیونکہ اس کا حصہ بہت کم تھا بعد کو مسئلہ پوچھنے سے یہ معلوم ہوا کہ اسکو بھی حصہ ملیگا اور فروخت کے وقت وہ موجود تھا۔

(۴) چونکہ یہ شخص اسعد اللہ کے وارثین میں سے ہے اور جس زمین میں مسجد بنائی گئی اصل میں اسعد اللہ کی تھی لھذا اس کا استحقاق دلیل شرعی سے ثابت ہے

(۵) چونکہ تمام بائع اصل جو ۲ میں مذکور ہو چکے ہیں اسعد اللہ مرحوم کے وارث تھے اور مدعی استحقاق بھی اسی مرحوم کا ایک وارث تھا۔ اور سب نے سوائے مدعی کے متفق الرائے ہو کر موروثہ زمین قبل القسمۃ محمد زرین کی والدہ کے پاس فروخت کر دی اور مدعی استحقاق کو اسمیں شریک نہیں کیا اور نہ اس کا حصہ الگ کیا لھذا اس کا حصہ بیع میں شامل ہو گیا تھا۔

(۶) چونکہ ارض موروثہ کی تقسیم نہیں ہوئی لھذا جو حصۂ مدعی استحقاق کے مسجد میں واقع ہوا غیر معین رہا تمثیل کی دونوں صورتوں میں سے یہاں ثانی صورت واقع ہوئی پہلے سب بائع کو مناسب تھا کہ مدعی کا حصہ الگ کر کے بیچتے انہوں نے الگ نہیں کیا

دوسری گذارش یہ ہے کہ اگر ضمان دیا جائے تو کس وقت کے حساب سے دیا جائیگا؟ اگر وہ ضمان لینے پر راضی نہ ہو تو کیا کرنا چاہئے؟ والسلام

الجواب

جب ماشاء اللہ نور محمد کے سب ورثاء عاقل بالغ ہیں اور شیخ محمد کے حصہ کا

ضمان دینے پر آمادہ ہیں تو تمام[عہ] مسجد کے متعلق سوال لاحاصل ہے بس فقط شیخ محمد کے حصہ کا تصفیہ کرنا ہے سو اسکی صورت یہ ہے کہ اولاً اس کا حصہ تقسیم کرکے معین کیا جائے[عہ]۔ اگر اس کا حصہ[۱] اس سمت میں ہے جس سمت میں تعمیر نہیں ہے یعنی دروازہ وغیرہ کی طرف تب وہ خالی زمین اس کو دیدی جائے اور اگر اس حصہ میں وہ قطعہ آئے جسپر خود مسجد کی عمارت ہے یا متعلقات مسجد غسلخانہ حجرہ وغیرہ بنا ہوا ہے تو پھر یہ بھی دیکھا جائے کہ اس خالی حصہ کی کیا قیمت ہے؟ اور عمارت کی کیا قیمت ہے اگر عمارت[۲] کی قیمت زمین کی قیمت سے زیادہ ہو تو اس شخص کو زمین کی قیمت دیدی جائے (اور قیمت میں اس کے مانگنے کا اعتبار نہیں بلکہ موجودہ نرخ کے اعتبار سے دی جائیگی) اور اگر زمین[۳] کی قیمت عمارت کی قیمت سے زیادہ ہو تو اس شخص کو حق ہے کہ اپنا حصہ خالی کرالے یا اپنی مرضی کے موافق قیمت وصول کرلے اگر یہ آخری صورت یا پہلی صورت واقع ہو تو بقیہ زمین اور دوسری صورت میں تمام زمین کو وارثانِ نور محمد مرحوم مسجد رکھیں

كما في الدر المختار: (بنى احدهما) اى احد الشريكين (بغير اذن الآخر) في عقار مشترك بينهما (فطلب شريكه رفع بنائه قسم العقار (فان وقع) البناء (في نصيب الباني فبها) ونعمت (والاهدم) اهـ

وقال الشامي تحته: اوارضاه بدفع قيمته (عن الهنديه ج ۵ ص۲۶)

وايضاً في الدر: (ومن بنى اوغرس في ارض غيره بغير اذنه امر بالقلع الرد) لوقيمة الساحة اكثر كما مر وقال صاحب رد المحتار: ولو قيمتها اقل فللغاصب ان يضمن له قيمتها ويأخذها، درر عن النهاية، وهذا على قول الكرخي وقدمنا الكلام عليه آنفاً اهـ (ص ۱۸۹ ج ۵)

اور علامہ شامیؒ نے قول کرخی کے خلاف ہر حال میں ہدمِ بناء پر فتویٰ ہونا نقل کیا ہے

عہ اسکے متعلق ضروری تنبیہ آگے ملاحظہ فرمائیں عہ تقسیم کی صورت یہ ہے کہ جس قدر شیخ محمد کا حصہ ہے اُتنے اُتنے حصے تمام زمین کے ہر چار طرف کرلئے جائیں اور پھر قرعہ ڈالا جائے جو اس کے نام پر نکلے گا وہ اسکا ہے اور اگر فریقین کسی عادل کو حَکَم تسلیم کرلیں یا کوئی مسلمان حاکم بااختیار تقسیم کرے تو ان کو اختیار ہے کہ بلا قرعہ جسطرف چاہیں اس کا حصہ معین کردیں۔

لیکن اسکی جو وجہ بیان کی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صورتِ مسئولہ میں قول کرخی کو اختیار کرنے میں کوئی امر مانع نہیں ہے وجہ یہ لکھی ہے کہ مطلقاً ہدم میں باب ظلم کو مسدود کرنا ہے و نیز تحریر فرمایا ہے

ویمکن ان یفرق بین ھذا وبین مسئلۃ اللؤلؤۃ (ای اذا ابتلعت دجاجۃ لؤلؤۃ) ونحوھا بانہ امر اضطراری صدر بدون قصد معتبر واما الغصب فھو فعل اختیاری مقصود اھ ملخصاً (ص ۱۹۷)

اور ظاہر ہے کہ صورتِ مسئولہ میں کسی نے قصد غصب نہیں کیا ہے

واللہ اعلم بالصواب

تتمہ: اور اگر عمارت مسجد کی نور محمد نے اپنے روپیہ سے نہیں بنائی بلکہ چندہ سے بنی ہے تو اس تقسیم وغیرہ کے معاملہ میں عام مسلمانوں کی رائے بھی شامل ہونا ضروری ہے اس کا وارثان نور محمد تنہا تصفیہ نہ کریں۔

تنبیہ ضروری: چونکہ وارثانِ نور محمد مرحوم مسجد کو اپنی ملک میں داخل کرنے کے خواہاں نہیں ہیں اس واسطے اس پر گفتگو نہیں کی کہ ان کو اس کا حق ہے یا نہیں ؟ فقط ——— تصفیہ کی صورت لکھدی ہے اور بعد تصفیہ کے جب وہ کل یا باقی کو مسجد رکھیں گے تو وہ بہرحال مسجد رہیگی خواہ انکی طرف سے ابتداءً مسجد کر دینا ہو خواہ انکے مورث کی طرف سے ہو چکی ہو کما ھو الظاہر

ولیکن اگر اس کا حکم معلوم کرنا ہو کہ نور محمد کی طرف سے یہ مسجد بن چکی ہے یا اس کے وارثان کی طرف سے بنیگی تو تنقیح ذیل کا جواب تحریر کیا جائے۔

تنقیح

نور محمد کے متعلق سوال میں جو یہ لکھا ہے کہ نور محمد نے اسی وقت یہ زمین مسجد کیلئے وقف کردی تھی اسکی کیا صورت ہوئی ؟ کیا اس نے زبان سے یہ کہا تھا کہ میں نے یہ جگہ وقف کردی یا فقط یہ کہا تھا کہ یہاں مسجد بنا لو اور اس نے خود مسجد بنائی تھی یا دوسروں کو بنانے کی اجازت دی تھی۔ اور اگر وقف کا لفظ استعمال کیا تھا تو مسجد بننے سے پیشتر کیا تھا یا بعد میں سب امور مفصل لکھے جائیں۔ فقط والسلام۔

کتبہ الاحقر عبد الکریم عفی عنہ
از تھانہ بھون۔ ۱۹ ر رجب ۵۰ھ

تقسیم جائیداد موقوفہ مع شرائط وقف بین المتولیین

سوال :۔ عرض یہ ہے کہ ہم دونوں بھائی ایک موقوفہ جائیداد کے ایک ساتھ متولی ہیں جو والد صاحب نے وقف کی ہے اس میں ایک معینہ رقم ہوگان، ویتامی کیلئے رکھی ہے باقی متولیان کیلئے اب ہم دونوں بھائی یہ چاہتے ہیں کہ اس جائیداد موقوفہ کے نصف حصہ کا انتظام و اہتمام ایک بھائی کرے اور وہی اس حصہ کا نمبردار بروئے قانونِ عدالت قرار پاجائے اوراس حصہ کے بقدر جو خیرات ہے وہ بھی اسکے ذمہ رہے اور بقیہ منافع اس حصہ کا جو ہے وہ بعد ادخال مال گذاری وہی بھائی اپنے اوپر صرف کرے اور دوسرا نصف حصہ جو ہے اس کا اہتمام وانتظام دوسرا بھائی کرے اور وہی دوسرا بھائی اس دوسرے حصہ کا نمبردار از روئے قانون قرار پائے ۔ اوراسکی مال گذاری اوراس حصہ کے بقدر جو خیرات ہے وہ بھی اس دوسرے کے ذمہ رہے اور بقیہ منافع جواس دوسرے حصہ کا رہے بعد مال گذاری کے بہارت کے وہ دوسرا بھائی اپنے اوپر صرف کرے اسلئے ہم دونوں بھائیوں نے اس جائیداد موقوفہ کے دوقرعے بنائے ہیں اوران دوقرعوں کے متعلق یہ اقرار نامہ رجسٹری کرانا چاہتے ہیں کہ

(۱) قرعہ ۱ کا منتظم اور محصل لگان اور ذمہ دار مال گذاری ومصارف خیرات ایک بھائی رہیگا۔ اور قرعہ ۲ کا اسی طرح دوسرا بھائی رہیگا۔

(۲) ایک بھائی کو دوسرے کے قرعہ میں کسی قسم کی مداخلت کا اختیار نہ ہوگا۔

(۳) اگر ایک بھائی اپنی طرف کی رقم خیرات نہ کرے تو دوسرا اس کا ذمہ دار نہ ہوگا

(۴) اگر درخواست نمبرداری نامنظور ہوئی اور ایک ہی بھائی از روئے قانون گورنمنٹ ان دونوں قرعوں کا نمبردار رہا تو بھی نجی طور پر ایک بھائی دوسرے کے قرعہ میں مداخلت نہ کریگا مگر سوائے دوصورتوں کے :

(۱) اگر پٹی دار اپنے حصہ کی مال گذاری ادا نہ کرے ۔

(۲) اگر نمبردار پٹی دار کے قرعہ کے تحصیل کرے ۔

السائل :

جلیل احمد ، سعید احمد علی گڑھی ۔

الجواب

یہ صورت جائز نہیں ہے

کما فی الدر المختار: فلا یقسم الوقف بین مستحقیہ اجماعًا، درر، وکافی، وخلاصہ وغیرھا؛ لان حقھم لیس فی العین وبہ جزم ابن نجیم فی فتاواہ، وفی فتاوی قاری الھدایۃ: ھذا ھو المذاھب و بعضھم جوز ذالک قال الشامی: ھذا ضعیف لمخالفۃ الاجماع اھ (ج ۳ ص ۵۵۵)

واللہ اعلم

احقر عبد الکریم عفی عنہ
ازخانقاہ امدادیہ تھانہ بھون
۳ رجمادی الاولیٰ ۵۱ھ

ایضاً ایضاً ایضاً سوال :- عرض ہے کہ ہم دونوں بھائی ایک موقوفہ جائیداد کے ایک ساتھ ہی متولی ہیں جو ہم دونوں کے والد صاحب مرحوم نے وقف کی ہے اس میں ایک معین رقم بیوگان ویتامیٰ کے لئے رکھی ہے باقی ہم متولیان کیلئے اس وقت وقف کے اندر نمبردار و محصل لگان میرے چھوٹے بھائی ہیں چونکہ اس وقف میں ہم دونوں بھائی بیک وقت متولی تجویز کئے گئے ہیں کہ دونوں ایک ہی زمانہ میں متولی رہیں گے اور اس صورت کے متعلق کہ جبکہ دونوں میں اختلاف ہو یہ کچھ نہیں لکھا کہ اسکی رائے کو ترجیح ہوگی اور اختلاف برابر ہو رہا ہے اور یہی وجہ دوسری جائیداد موقوفہ کے جو اس موقوفہ جائیداد کے علاوہ ہے تقسیم کی ہے اور اس حالت میں انتظام وقف کا دشوار ہے اس لئے ہم دونوں بھائیوں نے چاہا ہے کہ اس جائیداد موقوفہ کے نصف حصہ کا انتظام و اہتمام ایک بھائی کرے اور وہی اس نصف حصہ کا نمبردار بروئے عدالت قرار پا جائے اور جتنی رقم کل خیرات کی لکھی ہے اس کا نصف اس نصف جائیداد موقوفہ کے منافع میں سے منہا کرکے بقیہ اپنے صرف میں لائے اسیطرح اس حصہ کی مال گذاری کا بھی وہی ذمہ دار ہے اور اسی طرح دوسرا نصف جو ہے اس کا اہتمام ہم میں سے دوسرا بھائی کرے اور وہی دوسرا بھائی اس دوسرے حصہ کا نمبردار بروئے قانونِ عدالت قرار پا جائے اور جتنی رقم کل خیرات کی لکھی ہے اس کا نصف اس نصف

جائیداد موقوفہ کے منافع میں سے منہا کر کے بقیہ اپنے صرف میں لائے اسی طرح اس حصہ کی مال گذاری کا بھی وہی ذمہ دار ہے اس غرض سے ہم دونوں بھائیوں نے دو قرعہ اس جائیداد موقوفہ کے بنائے ہیں اور ان کے متعلق حسب ذیل اقرار نامہ رجسٹری کرانا چاہتے ہیں گویا مقصود کام کی تقسیم ہے۔

نقل اقرار نامہ

(۱) قرعہ ۱ کا منتظم اور محصل لگان اور ذمہ دار مال گذاری و مصارف خیرات خلاں ایک بھائی رہیگا۔ اور قرعہ ۲ کا فلاں دوسرا بھائی۔

(۲) ایک بھائی کو دوسرے کے قرعہ میں کسی قسم کی مداخلت کا اختیار نہ ہوگا۔

(۳) اگر درخواست جداگانہ نمبرداری کی نامنظور ہوئی اور ایک ہی بھائی قانوناً نمبرداران دونوں قرعوں کا رہا تو بھی ایک بھائی دوسرے کے قرعہ میں مداخلت نہ کریگا مگر سوائے دو صورتوں کے۔

صورت اول: اگر پٹی دار اپنے حصہ کی مال گذاری نہ ادا کرے

صورت دوم: اگر نمبردار پٹی دار کے قرعہ کی تحصیل وصول کرے — اور شرائط بابت تولیت موافق وقف نامہ معروضہ بالا رہیں گے جو حسب ذیل ہیں۔

نقل شرائط متعلقہ تولیت مندرجہ وقف نامہ

(۱) ایک یہ کہ تا حیات خود منمقر خود متولی جائیداد موقوفہ کا رہیگا اور اس کا اہتمام و انتظام حسب منشاء وقف نامہ ہذا کریگا اور آمدنی جائیداد موقوفہ ان اغراض پر صرف کریگا جو وقف نامہ ھذا میں درج ہیں

(۲) بعد وفات منمقر کے برخورداران جلیل احمد و سعید احمد خان میرے پسران مشترکاً متولی ہوں گے اور انتظام و اہتمام جائیداد موقوفہ حسب منشاء وقف نامہ ہذا کرینگے جو وقف نامہ ہذا میں درج ہیں۔

(۳) اگر خدا نخواستہ برخورداران مذکورین سے ایک فوت ہو جائے تو دوسرا متولی حی القائم تنہا متولی رہیگا اور اہتمام و انتظام جائیداد موقوفہ کا حسب منشاء شرائط وقف نامہ ہذا کریگا اور آمدنی جائیداد موقوفہ ان اغراض پر صرف کریگا جو وقف نامہ ھذا میں درج ہیں۔

(۴) بعد وفات ہر دو متولیان مذکورہ بالا کے انکی اولاد ذکور میں جو سب سے بڑا ہوگا وہ متولی ہوگا اور اسیطرح سلسلہ تولیت نسلاً بعد نسل چلا جائیگا اور متولی وقت حسب منشاء وقف نامہ ہذا آمدنی جائیداد موقوفہ کو خرچ کریگا اور اگر خدانخواستہ انکی اولاد میں سے کوئی نہ رہے تو میرے خاندان پدری میں سے جو سب سے بڑا ہوگا وہ متولی ہوگا اگر میرے پدری خاندان میں کوئی نہ رہے تو قوم شیروانی میں جو اہل ہوگا وہ متولی ہوگا۔

لھذا دریافت طلب امر یہ ہے کہ ایسا اقرارنامہ اور اسکی رجسٹری جائز ہے یا نہیں؟ کیونکہ مقصود کام کی تقسیم ہے کیونکہ بوجہ اختلاف ہر دو متولیان بغیر کام کی تقسیم کے انتظام دشوار ہے

الجواب

تقسیم وقف تو کسی حال میں جائز نہیں بلکہ بالاجماع ممنوع ہے البتہ رفعِ اختلاف کی دو صورتیں ہیں: انمیں سے ایک جو مناسب ہو کی جائے

اول یہ کہ ایک متولی دوسرے کو اپنا وکیل بنادے بس اس صورت میں ایک ہی متولی کا تصرف صحیح ہوجائیگا۔

وفی رد المحتار (ص ۶۸۹ ج ۵): ولو وکل احدھما صاحبہ جازت نقلہ ابو السعود

اور دوسری صورت یہ ہے کہ نوبت مقرر کرلی جائے یعنی چندروز، مثلاً سال دوسال کے واسطے ایک شخص متولی رہے اور اس کے بعد اتنی ہی مدت دوسرا شخص متولی رہے۔ کما ھو المصرح فی الشامی ایضاً (ص ۵۶۸ ج ۳)

اور ان دونوں صورتوں میں بھی یہ بات ہے کہ توکیل اور مہایات لازم نہیں ہوتی بلکہ ہمیشہ اختیار رہتا ہے کہ دونوں میں سے جو چاہے اس سے رجوع کرسکتا ہے۔

کما صرح بہ الشامی ایضاً (ص ۵۶۹ ج ۳) واللہ اعلم

کتبہ الاحقر عبد الکریم عفی عنہ

از خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون

مؤرخہ ۶، شعبان ۵۱ھ

مسئلہ وقف | **سوال:** السلام علیکم یا علماء دین ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ امابعد
گذارش یہ ہے کہ عرصہ دو سال کا ہوا کہ میں عبد الحکیم نے اپنا مسکونہ مکان اور قطعہ
زمین صحرائی ہردو بلا شرکت غیر و نصف حصہ دوکان کا جو میری ملک تھا ہر سہ اشیاء
مدرسہ امدادیہ کے نام وقف کردی اور وقف کی صرف یہ شرط رکھی تھی کہ مکان فروخت
نہ کیا جائے اور تمام اختیارات ترمیم و تنسیخ کے متولی صاحب وقف کو حاصل ہیں نیز
اگر متولی صاحب مکان قطعاً توڑوانا چاہیں تو صرف اس جگہ کو مسجد بنانیکے لئے
توڑوا سکتے ہیں ایسا نہیں کہ مکان کا ملبہ مصرف میں لے لیں اور زمین خالی رہ جائے
اور دوکان و زمین کے متعلق متولیان وقف کو فروخت کا حق بھی حاصل ہے اگر متولیان
چاہیں زمین و دوکان فروخت کرکے اس کا روپیہ مدرسہ میں صرف کریں لیکن یہ وقف
نامہ بوجہ کسل و لا اعتدالی کے رجسٹری نہیں کرایا اور نہ متولیان کو قبضہ کرایا۔ بعدہ
عبد الحکیم کو کچھ روپیہ کی ضرورت پیش آئی تو زمین مذکور ایک سو پچاس روپیہ میں فروخت
کرکے تکمیل تام کرادی اور نصف حصہ دوکان مذکور اپنے شریک کو تیس روپے میں
فروخت کرکے تکمیل تام کرادیا۔ لیکن وقت فروخت ہردو اشیاء یہ نیت قائم رہی کہ
یہ ایکسو اسّی ۱۸۰ روپیہ مدرسہ کو ادا کرونگا جب کبھی میرے پاس ہوگا اب اس کو اپنی ضرورت
میں صرف کرلوں چنانچہ صرف کرلیا اور ابتک ادا نہیں کرسکا۔

(۲) مکان مذکورہ اپنی زوجہ و نابالغ بچہ کے نام مشترکہ ھبہ کردیا اور ہم سب اس
وقت بھی اسی مکان میں رہتے تھے مثل پہلے کے اور یہ صرف اس خیال سے کردیا کہ عبد الحکیم
کے ذمہ ایک ڈگری تھی جو شرعاً واجب الاداء نہیں تھی تو یہ خوف ہوا کہ اگر مکان عبد الحکیم
کے نام رہا تو ڈگری دار اس پر ڈگری قائم کردیگا۔ اس وجہ سے مکان مذکورہ فوراً زوجہ اور
نابالغ بچہ کے نام ہبہ کردیا اور اس وقت مدرسہ کے نام اسلئے وقف نہیں کیا کہ شاید
ڈگری دار عذرداری کرکے وقف ملتوی نہ کرادے جب عبد الحکیم ڈگری سے سبکدوش
ہوگیا تب صرف مکان کا جدید وقف نامہ مرتب کیا ۸؍ اسٹامپ پر اور اس وقف نامہ پر
عبد الحکیم نے بھی خوشی سے دستخط کئے اور اسکی زوجہ نے بھی خوشی سے نشانِ انگوٹھا کیا
اور نابالغ کا نشانِ انگوٹھا کراکے متولی وقف کے پاس روانہ کیا متولی وقف کو کل حال
معلوم نہ تھا یا دنہیں کہ کیا لکھ کر وقف نامہ واپس کردیا۔ اب وہ وقف نامہ گم ہوگیا

زوجہ نے اپنے شوہر سے (برضاء زوجین) طلاق لیکر عقد ثانی کر لیا نابالغ بچہ زوجہ کے پاس ہے وقت طلاق رجدائی یہ معاملہ کسی کے نہ یاد رہا نہ کوئی تذکرہ اس کا آیا۔ اب عبدالحکیم کا اسکی زوجہ پر کوئی اختیار نہیں لھذا اس معاملہ میں شریعت عبدالحکیم کو کیا حکم دیتی ہے ارشاد ہو تاکہ تعمیل کی جائے؟

السائل. عبدالحکیم عرف غلام مرحوم

الجواب وھو الموفق للصواب

واقعات مذکورہ کی بناء پر دوکان اور زمین کا وقف صحیح نہ ہوا تھا۔

کما فی رد المحتار عن الخصاف: لو قال: علی ان لی اخراجھا من الوقف الیٰ غیرہ اوعلیٰ ان اھبھا عہ والتصدق ثمنھا اوعلی ان اھبھا لمن شئت اوعلی ان ارھنھا متی بدألی واخرجھا عن الوقف بطل الوقف (ج ۳ صفحہ ۵۵۵)

وفی احکام الاوقاف: قلت: فان قال: علی ان لی ان ابیعھا واصرف ثمنھا فیما رأیت من ابواب البر قال: الوقف باطل من قبل انہ قد اشترط اخراج ھذہ الارض عن حال الوقف (ص، ۱۵)

پس ان کی بیع جو سائل نے کی ہے وہ صحیح ہو گئی اور اس کے ذمہ اس رقم کا مدرسہ میں داخل کرنا لازم نہیں اور مکان کا وقف صحیح ہو چکا تھا اسلئے بیوی اور بچہ کے نام ہبہ کرنیکا اختیار نہ تھا لھذا وہ ہبہ باطل اور لغو ہے و نیز اس ہبہ میں یہ بھی کوتاہی ہوئی کہ تقسیم کرکے قبضہ نہیں دیا گیا اگر وقف نہ ہو چکا تب بھی اس صورت میں ہبہ صحیح نہ ہوتا پس سائل کے ذمہ ضروری ہے کہ ہبہ کی رجسٹری کو بیکار کرنے اور وقف کو مصرف وقف میں صرف کرنیکی سعی کرے۔ فقط

واللہ اعلم

کتبہ الاحقر عبدالکریم عفی عنہ
ازخانقاہ امدادیہ تھانہ بھون
مورخہ ۱۷ جمادی الاولیٰ ۵۲ھ

عہ ھکذا فی الاصل ولعلہ ابیعھا۔

علماء وطلباء علوم دینیہ پر وقف کی ہوئی آمدنی کو طلبۂ علوم دنیویہ پر صرف کرنا

سوال:۔ ڈپٹی صاحب نے مدرسہ کے متعلق ایک کمیٹی تجویز کی ہوئی ہے اس میں احقر بھی شریک ہے بعض اوقات کچھ مشورہ دینا پڑتا ہے اسمیں یہ لحاظ ہوتا ہے کہ شریعت کے خلاف مشورہ نہ ہو، جناب ڈپٹی صاحب کی زیادہ توجہ دنیوی تعلیم کی طرف رہتی ہے اردو، جغرافیہ، تاریخ، فارسی، انگریزی، اس وقت بعض وجوہ سے کوئی جدید تجویز ان کی طرف سے نہیں ہے۔ البتہ فارسی درجہ میں بجائے قدیم فارسی کے منشی کامل کا کورس مدرسہ میں شروع ہوا ہے ڈپٹی صاحب کے خیال میں دنیوی تعلیم ثواب کی بات ہے اس معنیٰ پر کہ قوم کی ہمدردی ہے، قوم کا نفع ہے، احقر کا خیال ہے کہ ثواب عبادت پر ملتا ہے اور عبادت جب ہے کہ خدا تعالیٰ کی خوشنودی کیلئے ہو موجودہ صورت میں خدا کی رضا کا اصلاً خیال نہیں ہے اس بناء پر احقر ایسے مشورہ دینے سے احتراز کرتا رہتا ہے۔ اب حضرت اقدس کی خدمت میں عرض ہے کہ وقف نامہ لفافہ میں موجود ہے اسکو ملاحظہ فرمایا جائے۔

اور ڈپٹی صاحب کے خیالات اور تجاویز کے متعلق عرض ہے کہ واقف مرحوم کی غرض دنیوی تعلیم میں پوری ہوتی ہے یا نہیں؟ مثلاً اس وقت مدرسہ میں منشی کامل کا کورس شروع ہے پڑھنے والے سرکاری اسکولوں کے ملازم ہیں دین سے وہ ناواقف ہیں نہ دین کا ان کو شوق۔ صرف دنیوی ترقی کیلئے پڑھتے ہیں اس کا ثواب واقف مرحوم کے والدین کو ملیگا یا نہیں؟ نفی کی صورت میں جو وقف کا روپیہ اس تعلیم پر صرف ہوتا ہے اس کا ضمان مجوز پر آئیگا یا نہیں؟

(۲) اور مدرس کو ایسی صورت میں تنخواہ لینی جائز ہوگی یا نہ ہوگی؟

(۳) وقف کے روپیہ سے مدرسین کے نیچے بچھانیکے لئے دری یا دوسرا کوئی فرش جس سے صرف نمائش اور خوبصورتی ہو کوئی نفع جسمانی روحانی نہ ہو جائز ہے یا نہیں؟

عبارت وقف نامہ خط کشیدہ

مصارف تعمیر مدرسہ و مسجد و چاہ و مصارف علماء و طلباء و دیگر مصارف خیر کے بہ نظر ایصال ثواب بروح والدین ماجدین اسکو مع جمیع توابع اور لواحق اسکی کے بلا اکراہ و اجبار حسبۃً للہ و طلباً لمرضاتہ وقف کیا۔ یہ ناجائز یا بیجا طور پر خرچ

نہ کریں اور اگر کچھ خلاف اس کے کرینگے تو اس کا وہ صرف ناجائز شرعاً وعدالتاً ہوگا۔ اور ایسا متولی خائن واجب العزل ہوگا اور حاکم وقت اسکو معزول کر کے میری ہی اولاد میں سے دوسرے کو متولی کر دیں۔

الجواب

وقف نامہ کی عبارت سے متبادر یہ ہے کہ واقف نے یہ وقف مدرسہ ومسجد و علماء و طلباء علوم دینیہ کیلئے کیا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ منشی کامل یا مولوی فاضل کے پڑھنے والے کو طلباء علوم دینیہ نہیں کہا جاتا اسلئے ایسے کورس پر وقف کی آمدنی کا صرف کرنا واقف کی غرض کے خلاف ہے اور مجوز اس صرف بیجا کا ضامن ہوگا۔۔۔۔ رہا یہ کہ اس میں قوم کا نفع اور قوم کی ہمدردی ہے تو گو اس نیت سے ثواب مل جائے مگر وقف کی آمدنی کو اس نیت سے بھی اس میں صرف کرنا جائز نہیں ورنہ پھر اسی نیت سے صنعت وحرفت وغیرہ کی تعلیم بھی چند روز کے بعد مدرسہ میں داخل ہوگی اور اسکو وقف کے تحت میں کوئی بھی داخل نہیں کر سکتا۔

ظفر احمد عفا اللہ عنہ
۷ر شوال ۴۸ھ

بیشک کورس مذکورہ فی السوال کے طلبہ ومدرسین پر وقف میں سے اور مدرسہ دینیات کی آمدنی سے صرف کرنا جائز نہیں ہے۔۔۔۔ اور وقف نامہ میں مصارف خیر اور بنظر ایصال ثواب کا لفظ اس امر پر صراحۃً دال ہے کہ اسکی آمدنی ان امور میں خرچ ہو سکتی ہے جو از قبیل عبادت ہیں نہ ان دنیوی امور میں جنکو عبادت سے کوئی تعلق ہی نہیں البتہ وہ کتب فارسی جو خود دینی ہوں یا مقدمہ ہوں علوم دینی کا خیر میں بلاشبہ داخل ہیں واللہ اعلم

ب ضمیمہ ۲، جواب ۲: اس صورت میں جس طرح مہتمم کو اس مدرس کی تنخواہ دینا جائز نہیں ہے اسی طرح اس مدرس کو تنخواہ لینا بھی آمدنی وقف ہے اور اس چندہ سے جو کہ مدرسۂ دینیات کیلئے آیا ہو جائز نہیں ہے

جواب ۳: دری تو ضروریات میں داخل ہو سکتی ہے لیکن ایسا فرش جو کہ محض نمائش کے واسطے ہو ضرورت میں ہرگز داخل نہیں ہے بلکہ دیوار مسجد پر نقش

کرنے کے حکم میں ہے جس کے متعلق کتب فقہ میں تصریح ہے کہ متولی پر ضمان آتا ہے۔

واللہ اعلم

احقر عبدالکریم عفی عنہ — الاجوبۃ کلھا صحیحۃ

از خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون — اشرف علی عفی عنہ

۸ رشوال ۴۸ھ — ثامن رشوال ۴۸ھ

مسئلہ وقف | **سوال:۔** کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ

(۱) جانوروں کو پانی پلانے کیلئے ایک بڑا حوض گاؤں کے کنارہ پر بنا ہوا ہے اس میں پانی بھرنے کیلئے ایک شخص کو شاہی زمانہ اور اس کے بعد موجودہ ریاست بڑودہ کے راجہ کی طرف سے ایک زمین ملی ہوئی تھی اس پر قرض ہو جانیکی وجہ سے شخص مذکور نے گاؤں والوں کو فروخت کردی اور گاؤں والوں نے اسی مقصد کیلئے خرید کی جس پر آج تک عملدرآمد ہو رہا تھا اب ایک سخی سیٹھ نے گاؤں میں نل لگوایا ہے ان کا مقصد ہے کہ مذکورہ حوض بھی اسی نل سے بھرا جائے اسلئے زمین وغیرہ جو حوض بھرنے کیلئے ہے اُسے واٹر ورکس کمیٹی کے حوالہ کردی جائے جس میں عوام متفق نہیں مگر اکثروں کا خیال ہے کہ واٹر ورکس کمیٹی کو حوالہ نہ کی جائے بلکہ دوسرے کاموں میں صرف کی جائے تو کیا مذکورہ زمین اور اسکی رقم دوسرے کام میں صرف کرسکتے ہیں؟

(۲) معطی کی اصل نیت اس حوض بھرنے میں ہی صرف کرنیکی تھی اور اس وقت بھی ایک جماعت یہی کہتی ہے کہ اس کام میں صرف کی جائے اور ظاہر ہے کہ جب نل لگ چکے ہیں تو حوض بھرنے کا کام بھی یہی واٹر ورکس کمیٹی ہی کریگی اگر نہیں کرتی تو جانوروں کو تکلیف ہوگی واٹر ورکس کمیٹی حوض پر کچھ کام کرنا چاہتی تھی مگر گاؤں والوں کی نیت بدل جانیکی وجہ سے اس نے اپنا کام ملتوی کردیا ہے جس سے جانوروں کو تکلیف ہونیکا قوی اندیشہ ہے لھذا جواب ارشاد فرمائیے

سائل: یوسف میاں

تنقیح

(۱) جس کو ریاست بڑودہ کی طرف سے یہ زمین حوض میں پانی بھرنے کیلئے

ملی ہوئی تھی وہ اس زمین کا مالک تھا یا محض متولی ؟

(۲) اور گاؤں والوں میں سے جن لوگوں نے یہ زمین خریدی ہے وہ خریدار اس وقت موجود ہیں، یا ان کے ورثاء موجود ہیں، اور ورثاء سب بالغ ہیں، یا ان میں نابالغ بھی ہیں ؟

(۳) خریدنے والوں نے اس زمین کو حوض بھرنے کیلئے وقف کر دیا تھا ؟ یا اسکو اپنی مِلک میں باقی رکھا تھا ؟ ان سوالات کے جواب کے بعد حکم شرعی بتلایا جا سکتا ہے ۔

از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ

جواب تنقیح

(۱) صورت یہ تھی کہ پہلے مسلمان بادشاہوں کی طرف سے زمین گاؤں والوں کو مواشی کو پانی پلانے کیلئے ملی تھی جس طرح اور بھی بعض رفاہ عام یا مذہبی کاموں کیلئے اسی زمانہ میں اسلامی حکومت کی طرف سے مختلف قسم کے اوقاف ہوتے تھے اور بعض اب بھی ہیں لیکن بعد کو ریاست بڑودہ نے اس زمین پر ٹیکس قائم کر دیا، اور ٹیکس کیلئے ایک شخص[ع] کے نام پر زمین کر دی کہ وہ ٹیکس ادا کرے اور پانی بھرنے کا انتظام اس زمین کی آمدنی سے کرے، اس شخص نے اپنے نام پر ہونیکی وجہ سے اُس زمین پر قرض لینا شروع کیا، اس حالت کو دیکھکر گاؤں والوں نے کچھ رقم چندہ کر کے اس زمین کو بار دین سے چھڑایا ۔ یہ رقم اصل قیمت زمین سے بہت کم تھی اسلئے خریدنے کا اطلاق اسپر تقریباً درست نہیں پھر یہ کہ گاؤں والوں نے اس زمین کو اس طرح چھڑا کر چار متولیوں کے سپرد کیا اور وہ ابتک اسکی آمدنی پانی ہی کیلئے صرف کرتے رہے، غرض جسکو یہ زمین ریاست بڑودہ کی طرف سے ملی تھی وہ اس زمین کا مالک نہیں بلکہ محض متولی تھا وہ ڈبلی قوم کا ایک شخص تھا جو مزدور ہمیشہ ہوتے ہیں اور بطور نوکر، غلام کام کرتے ہیں یہ زمین بھی اسکو اسی طرح سپرد ہوئی تھی کہ بطور مزدور کام کرے یعنی پانی بھرا کرے اور زمین کی آمدنی سے ٹیکس دے اور اسی سے اپنا

ع قانوناً یہ ہے کہ ٹیکس قائم کرنے کے وقت کسی ایک شخص کے نام پر زمین کا ہونا ضروری ہے ۔

گذارا کرے

(۲) جن لوگوں نے روپیہ جمع کرکے اس زمین کو قرض سے چھڑایا تھا اُن میں سے بعض مرگئے ہیں اور بعض زندہ ہیں جو سب بالغ ہیں اور مرنے والوں کے وارث بھی سب بالغ تقریباً چالیس سال کی عمر کے ہیں۔

(۳) خریدنے والوں نے اس زمین کو پانی ھی بھرنے کیلئے باقی رکھا تھا اور چار متولیوں کو مقرر کیا تھا کہ اسکی آمدنی سے پانی کا انتظام کریں چنانچہ ایک متولی کا انتقال ہوگیا۔ اور دوسرے اس وقت موجود ہیں جو ابتک اسکی آمدنی سے پانی کا انتظام کرتے ہیں

الجواب

صورت مسئولہ میں بظاہر یہ زمین سلطان اسلام کی طرف سے رفاہ عام کے لئے وقف تھی۔ اور ریاست بڑودہ نے بھی اس وقف کو باطل نہیں کیا بلکہ اسی مصرف میں باقی رکھا اور برائے نام ایک مصلحت سے شخص معین کیلئے نامزد کردیا تھا پھر بستی والوں نے چندہ کرکے بار قرض سے چھڑایا اور چند متولیوں کے حوالہ اس کا انتظام کردیا، یہ بھی اسکی دلیل ہے کہ بستی والوں نے اسکو بطور وقف ہی کے رکھا۔ پس ضروری ہے کہ اس زمین میں کوئی ایسا تصرف نہ کیا جائے جس سے ابطال وقف کا اندیشہ ہو پس اگر واٹر ورکس کمیٹی کے حوالہ کرنے میں بطلان وقف کا خطرہ ہو تو اسکو کمیٹی کے حوالہ کرنا جائز نہیں اور اس خطرہ سے اطمینان ہو تو جائز ہے کیونکہ کمیٹی وہی کام کریگی جس کیلئے زمین وقف کی گئی تھی۔

قال المحقق فی الفتح : قد یثبت الوقف بالضرورة بان یوصی بغلة الدار للمساکین ابداً فان هذه الدار تصیر وقفاً بالضرورة والوجه انها کقوله اذامت فقد وقفت داری علی کذا اھ (ج ۵ ص ۴۱۶) عہ

قلت: فلیس التلفظ بلفظ الوقف شرطاً فلا اشکال فی اثبات الوقف فی الصورة المسئولة بدون التصریح بالوقف۔ واللہ اعلم

نعم الجواب وهو ان شاء اللہ تعالیٰ عین الصواب
کتبہ۔ اشرف علی عفی عنہ۔ ۱۲ ر رجب ۵۵ھ

ظفر احمد عفا اللہ عنہ از خانقاہ امدادیہ
تھانہ بھون۔ ۱۲ ر رجب ۵۵ھ

عہ کذا فی الشامیۃ ج ۴/۳۴۰ مطلب قد یثبت الوقف بالضرورة۔

تنبیہ :- بعد میں یہ سوال دوبارہ آیا جس میں دوسرے شخص نے یہ ظاہر کیا کہ یہ زمین ریاست کی طرف سے اس شخص مذکور کو تملیکاً دی گئی تھی کہ اسکی آمدنی سے پانی کا انتظام مویشی کیلئے کیا کرے پھر گاؤں والوں نے اس زمین کو شخص مذکور سے خرید لیا اور وقف نہیں کیا اس پر جواب دیا گیا کہ یہ زمین گاؤں والوں کی ملک ہے وہ اس میں جسطرح چاہیں تصرف کریں۔ واللہ اعلم بالصواب

ظفر احمد عفا عنہ

وقف تمام ہونے کے بعد اپنے یا اعزہ کیلئے حصہ مخصوص کرنا

سوال ۷:- کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک مخیر سیٹھ نے ۱۹۱۹ء میں سترہ ایکڑ زمین قبرستان کیلئے وقف کی اور قبرستان کی زمین میں سے کوئی قطعہ اپنے لئے یا اپنے اعزہ کیلئے مخصوص نہیں کیا، ابتداء میں بعض نے ان کو مشورہ بھی دیا تو انہوں نے تخصیص سے صاف انکار کردیا مگر اب وہ اپنے اور اپنے اعزہ کیلئے ایک قطعہ اس میں سے مخصوص کرنا چاہتے ہیں؟

الجواب

جب واقف نے ابتداء وقف میں اپنے لئے یا اپنے اعزہ کیلئے کوئی قطعہ مخصوص نہیں کیا تو اب ان کو تخصیص کا حق حاصل نہیں البتہ اگر وقف نامہ میں کوئی شرط ایسی موجود ہو جس سے آئندہ کیلئے حق تخصیص محفوظ رکھا گیا ہو تو اس شرط کو ظاہر کرکے سوال کیا جائے۔

قال فی الهندية: اذا شرط فی اصل الوقف ان يستبدل به ارضاً اخرىٰ اذا شاء ذالك فيكون وقفاً مكانها فالوقف والشرط جائز ان عند ابی يوسفؒ ولو كان الوقف مرسلاً لم يذكر فيه شرط الاستبدال لم يكن له ان يبيع ويستبدل بها وان كان الوقف ارضاً سبخة لا ينتفع بها كذا فی فتاویٰ قاضی خان (ص ۲۱۶، ۲۱۷- ج ۳)

واللہ اعلم

از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ

۲۶ رجمادی الثانی ۵۶ھ

وقف سے متعلق ایک استفتاء واسئلہ دیگر

سوال :- خلاصۂ استفتاء اول
مجھ سے مشورہ لیکر جناب دلدار خان صاحب نے میاں عبد اللطیف عرف ماٹھو سے تحریک فرمائی کہ مدرسہ اشرف العلوم کیلئے ایک مکان اور مسجد بنا دیجئے انہوں نے منظور کر لیا تو میں نے امپرومنٹ ٹرسٹ کی زمینوں میں سے ایک جگہ تجویز کی اور کوشش کرکے اس محکمہ سے دو ثلث قیمت کی رعایت منظور کرائی اس سعی میں مدرسہ سے رقم صرف ہوئی آخر کار کامیابی ہوئی اور بیع نامہ اس طرح لکھا گیا کہ "کانپور امپرومنٹ ٹرسٹ اس زمین کو رعایتی قیمت پر عبد اللطیف عرف ماٹھو متولئ مدرسہ اشرف العلوم کے ہاتھ اس شرط پر فروخت کرتا ہے کہ اس زمین میں مدرسہ ہی قائم کیا جائے اور اگر یہ زمین کسی اور مصرف میں لائی گئی تو امپرومنٹ ٹرسٹ نے جو رعایت کی ہے وہ بقدر اسکی بقیہ قیمت زمین بھی لینے کا حقدار ہوگا وغیرہ وغیرہ" بعد رجسٹری بیع نامہ کی فیس مدرسہ سے دی گئی اور اس زمین پر مکان جو بنا اس کا نقشہ مدرسہ کی رقم سے تیار ہوا نیز اسکے پھاٹک میں لوہے کی پٹری وغیرہ بھی مدرسہ کے خرچ سے لگائی گئی اور میں دوران تعمیر ماٹھو کے مشورہ سے معماروں کی نگرانی بھی کرتا رہا اور ماٹھو کی اجازت سے اس مکان میں جلسہ بھی ہوا اسکے اشتہار میں ماٹھو کو مسودہ دکھلا کر یہ الفاظ شائع ہوئے "مدرسہ اشرف العلوم کے طلبۂ فارغ التحصیل کی دستار بندی کا جلسہ مدرسہ ہذا کی اس جدید عمارت میں ہونا قرار پایا ہے جو عبد اللطیف ماٹھو نے مدرسہ ہذا کیلئے تعمیر کرائی ہے اس کے بعد ماٹھو نے خانصاحب کی معرفت میرے پاس کہلا کر بھیجا کہ مدرسہ میں تعلیم شروع کردیں، اسپر وہاں مدرسہ منتقل ہوگیا مگر چار روز کے بعد مدرسہ خالی کرنے پر مجبور کیا گیا ہم نے مجبوراً خالی کردیا اور ماٹھو کے خلاف نالش دائر کردی اور ماٹھو نے وہ زمین اور عمارت یتیم خانہ کے نام وقف کردی ہے اس پر مجھ سے کہا گیا کہ دو ہزار روپے لیکر صلح کرلوں مگر میں نے انکار کردیا۔ اب دریافت طلب امور ذیل ہیں کہ:

(۱) آیا صورتِ بالا میں یہ زمین و تعمیر جس میں ماٹھو کی رقم کثیر اور تحویل مدرسہ کی رقم قلیل صرف ہوئی یہ مدرسہ اشرف العلوم کے حق میں وقف ہوگئی یا نہیں؟

(۲) یہ وقف نامہ جو یتیم خانہ کے حق میں لکھا گیا یہ شرعاً صحیح ہے یا باطل؟

(۳) یہ صلح جو میرے سامنے پیش کی گئی آیا اس کے قبول کرنیکا بحیثیت متولی و مہتمم مدرسہ مجھے حق ہے یا نہیں؟

(۴) یہ جماعت جس نے مدرسہ اشرف العلوم کی مخالفت میں سرگرم کوششیں کیں یہ ظالم ہے یا عادل؟

(۵) اور یہ عمارت مدرسہ اشرف العلوم کی ہوگئی تو آیا اسکی تولیت یا اور کوئی حق ماٹھو کا رہا یا مدرسہ کی مخالفت کی وجہ سے ان کا یہ حق بھی جاتا رہا۔ فقط

سائل، محمد عثمان مہتمم و متولی مدرسہ اشرف العلوم
قلی بازار کانپور
۳۱ر مارچ ۱۹۳۶ء

الجواب

(۱) چونکہ یہ زمین جس کا سوال میں ذکر ہے مدرسہ اشرف العلوم کے واسطے خریدی گئی ہے، بیعنامہ میں اسکی تصریح موجود ہے پھر ماٹھو صاحب نے اس میں مدرسہ کا سامان اور طلبہ کو لے آنیکی اجازت دی اور اس میں تعلیم کا سلسلہ بھی جاری ہوگیا، اور اشتہار عام کے ساتھ اس زمین اور عمارت کو مدرسہ اشرف العلوم کی جدید عمارت کے نام سے موسوم کیا گیا۔ اسمیں مدرسہ کا جلسہ بھی کیا گیا تو اب اس میں کچھ شک نہیں کہ یہ عمارت مدرسہ اشرف العلوم کی عمارت ہے اور مدرسۂ مذکورہ کیلئے وقف ہو چکی ہے۔

(۲) جب یہ زمین و عمارت مدرسہ اشرف العلوم کیلئے وقف ہو چکی ہے تو اب یتیم خانہ کیلئے اس کا وقف بالکل باطل ہے مسلمانوں پر لازم ہے کہ اس زمین و عمارت کو مدرسہ ہی کے واسطے بحالھا قائم رکھیں اور اس میں پوری کوشش کریں، اور جو شخص وقف بدلنے کی سعی کریگا گناھگار ہوگا۔

(۳) یہ صلح ہرگز جائز نہیں

(۴) یہ جماعت سراسر ناحق پر ہے۔

(۵) یہ عمارت اور زمین مدرسہ اشرف العلوم کیلئے وقف ہو چکی ہے اگر متولی اسکو دوسرے مصرف میں منتقل کرنا چاہتا ہے تو وہ خیانت کی

وجہ سے تولیت سے معزول ہو جائیگا ۔ واللہ اعلم

ان کان السوال ذالك فالجواب کذالك — حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ

کتبہ ، اشرف علی — از خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون

۱۱۔ محرم الحرام ۵۵ھ — ۱۰ر محرم الحرام ۵۵ھ

خلاصہ استفتاء دوم

شیخ عبد اللطیف عرف ماٹھو نے ایک قطعہ زمین اس نیت سے خریدی کہ اس میں عمارت بنا کر مدرسہ اشرف العلوم کے نام وقف کر دیا جائے گا۔ قبل از تکمیل عمارت نیت بدل گئی اور بجائے مدرسہ موصوفہ کے یتیم خانہ کے نام وقف کر دیا، اراکینِ مدرسہ دعویٰ کرتے ہیں کہ یہ وقف صحیح نہیں ہوا کیونکہ

(۱) عبد اللطیف نے مدرسہ اشرف العلوم کیلئے وقف کرنیکی نیت سے اس زمین کی خریداری کی تھی۔

(۲) تکمیل عمارت سے پہلے چار دن تک کچھ طلبہ رہے تھے

(۳) عمارت میں ایک جلسہ دستار بندی مدرسہ کے فارغین طلبہ کا کیا گیا تھا اور ایک مطبوع اشتہار کے ذریعہ اعلان کیا گیا تھا کہ دستار بندی کا جلسہ مدرسہ کی نئی عمارت میں ہوگا جسکی تردید عبد اللطیف نے نہیں کی

یہ اراکین مدرسہ کا بیان ہے لیکن حقیقت امر یہ ہے کہ انہوں نے بدون رضامندی عبد اللطیف کے قفل توڑ کر چار دن تک عمارت پر قبضہ کیا تھا پھر خالی کرالی گئی۔ جلسہ دستار بندی کی اجازت نہیں لی گئی تھی بلکہ مولانا مرتضیٰ حسن صاحب کے وعظ کی اجازت لی تھی جو عبد اللطیف نے دیدی تھی اور مطبوعہ اشتہار کے الفاظ مذکورہ کی نیت عبد اللطیف کی طرف غلط ہے بلکہ انکو اشتہار کی خبر تک بھی نہیں یہ تو واقعہ ہے اب اس کے متعلق دریافت طلب یہ ہے کہ

(۱) عبد اللطیف کی اجازت اور رضامندی کے بغیر اراکین مدرسہ کا قفل توڑ کر چار دن تک اس عمارت میں رہنا جائز قبضہ تھا یا ناجائز ؟

(۲) اگر قبضہ جائز تھا تو کیا یہ قبضہ وہی قبضہ ہے جو جائیداد موقوفہ کیلئے ضروری ہے یا نہیں ؟

(۳) کیا اراکین مدرسہ کا اپنی طرف سے اعلان کرنا اور جلسہ وعظ کا منعقد کرنا (جس کے متعلق عبداللطیف کا بیان ہے کہ میری نظر سے کسی قسم کا اشتہار یا مسودہ نہیں گذرا) ان باتوں سے موقوفہ جائیداد کیلئے جس قبضہ کی ضرورت ہے وہ پایا گیا یا نہیں؟

(۴) امام ابو یوسفؒ جنکا مسلک یہ ہے کہ صرف "قول" سے وقف ہوجاتا ہے اسکی بناء پر عبداللطیف کے بیان میں کوئی ایسا لفظ ہے جس سے وقف ثابت ہوتا ہو یا نہیں؟ (عبداللطیف کا بیان اور ان کی تائید میں دلدار خان کا بیان ہمراہ استفتاء منسلک ھے)۔

(۵) کسی جائیداد کو کسی خاص مصرف میں وقف کرنیکی نیت سے خریدنا اور مالک نے ابھی تک اسکو وقف نہ کیا ہو، تو کیا وہ محض نیت ہی سے اس مصرف میں وقف ہوجائیگی؟

(۶) یتیم خانہ کیلئے جو وقف ہوچکا ہے وہ شرعاً جائز ھے یا نہیں؟

الجواب

(۱) جائیداد کے مالک کی اجازت کے بغیر قفل توڑ کر قبضہ کرنا ناجائز ہے

(۲) جب قبضہ ہی سرے سے ناجائز ہے تو اس قبضہ سے جائیداد موقوفہ کیلئے جو قبضہ ضروری ہے وہ کیونکر ثابت ہوسکتا ہے؟

(۳) ثابت نہیں ہوگا، کیونکہ جس قبضہ کی ضرورت ھے وہ واقف کی طرف سے ہونا چاھئے۔

(۴) ایسا کوئی لفظ نہیں ہے

(۵) محض نیت سے وقف نہیں ہوتا۔

(۶) یتیم خانہ کیلئے وقف کرنا بالکل صحیح ھے۔

واللہ اعلم

احقر۔ عبدالحفیظ ملیح آبادی

مدرسہ الہٰیات کانپور

۲۲ر محرم ۱۳۵۵ھ

خلاصۂ بیان شیخ عبد اللطیف عرف ماٹھو

(۱) ماٹھو کو مدرسہ اشرف العلوم کا متولی غلط طریقہ سے بیعنامہ میں لکھوادیا
(۲) نقشہ کی قیمت مولوی عثمان صاحب نے نہیں دی۔
(۳) تعمیر ہدایت اللہ کے سپرد تھی مولوی عثمان کبھی چلے جاتے ہونگے
(۴) پھاٹک میں لوہا لگانے کا جو ذکر ہے وہ بالکل غلط ہے
(۵) فارغ التحصیل لڑکوں کا جلسہ بالکل غلط ہے میرے علم میں کوئی مسودہ اشتہار وغیرہ کا نہیں آیا اور نہ میں نے مطبوعہ اشتہار دیکھا۔
(۶) میں نے کبھی خان صاحب سے نہیں کہا کہ مولوی صاحب مدرسہ کی جدید عمارت میں تعلیم شروع کردیں مدرسہ میں منتقل ہونا بالکل غلط ہے تالا توڑ کر ایک رات ایک یا دو لڑکے رہے ہوں گے۔
(۷) میں نے کبھی کوئی بات خانصاحب سے نہیں کہی کہ لڑکے مدرسہ میں آجائیں بلکہ خانصاحب نے آکر مجھ سے کہا کہ لڑکے تکلیف میں ہیں دو کمرے دیدیجئے عمارت ابھی نامکمل تھی، میں نے اجازت دیدی۔

خلاصۂ بیان حاجی دلدار خان

مجھ سے اور عبد اللطیف سے مشورہ ہوا کہ کوئی مدرسہ کی عمارت بنوادو تاکہ تمکو اس کا ثواب ملے اس کے بعد مولوی محمد عثمان کو بلا کر کہا گیا کہ تم زمین کی کوشش کرو مولوی محمد عثمان نے زمین منتخب کی اور کوشش کرنے کے بعد ٹرسٹ نے دینے کا وعدہ کرلیا اس کے بعد عبد اللطیف نے کچھ روپیہ بطور بیعانہ کے دیا وہ محمد عثمان نے جاکر وہاں جمع کیا اور بقایا جب رجسٹری کا وقت آیا تو عبد اللطیف نے روپیہ میری معرفت دیا اور کہا کہ محمد عثمان کے نام بیعنامہ کیا جاتے اس کے جواب میں میں نے کہا کہ جو روپیہ دے اس کے نام بیعنامہ ہوگا چنانچہ وہ بیعنامہ عبد اللطیف کے نام کرادیا متولی کی حیثیت سے مجھے علم ہے کہ عمارت میں مولوی مرتضیٰ حسن صاحب کا وعظ ہوا مجھے یاد نہیں کہ میں شریک ہوا یا نہیں؟ مگر اس کے بعد مدرسہ کا اس میں کوئی نہیں رہا کچھ عرصہ کے بعد عبد اللطیف نے مجھ سے کہا کہ اگر کچھ لڑکے وہاں آکر اللہ اللہ کریں تو مجھے فائدہ ہوگا میں نے عثمان کو بلا کر کہا کہ لڑکوں کو وہاں بھیجدو

ابھی عمارت مکمل نہیں تھی۔ دروازہ وغیرہ نہیں لگے تھے عبداللطیف نے چابی دینے میں کچھ ٹال مٹول کی تو میں نے عثمان سے کہا کہ تم تالا کھول کر داخل ہوجاؤ عثمان اور کچھ طلبہ وہاں داخل ہوگئے اس کے چار دن کے بعد عبداللطیف نے مجھے ڈاکٹر عبدالصمد کے ذریعہ کہلا بھیجا کہ عثمان تالا توڑ کر داخل ہورہے ہیں اسلئے مدرسہ خالی کروا دیجئے میں نے عثمان کو بلا کر کہدیا اور مدرسہ خالی ہوگیا اور مدرسہ بند کرکے چابی عبداللطیف کے پاس بھیجدی ڈاکٹر عبدالصمد نے جب یہ حالت دیکھی کہ عبداللطیف کی نیت مدرسہ کو دینے کی بالکل نہیں ہے اور محمد عثمان نے نالش دائر کردی تو اس فتنہ کو دفع کرنے کیلئے مجھ سے کہا کہ کوئی فیصلہ کیا جاتے مگر مولوی عثمان صلح پر راضی نہیں ہوئے میں نے جب دیکھا کہ عبداللطیف کی نیت بدل گئی اور اسکی علالت خطرناک ہے۔ اندیشہ ہوا کہ یہ عمارت غیر لوگوں کے پاس بُرے مصرف میں لگے گی تو میں نے مشورہ دیکر یتیم خانہ کے نام وقف کرادی۔

جواب بار دوم از خانقاہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اقول وبہ استعین۔ ان دونوں فتووں میں جو اختلاف ہے اسکی بناء اختلاف فی السوال ہے اسلئے بیانات مشمولہ میں غور کرنے کی ضرورت ہوئی تاکہ اصل واقعہ منقح ہوکر ایک فتویٰ راجح ہوجائے۔ یہ کاغذات تین بیانوں پر مشتمل ہیں۔ ایک مولوی محمد عثمان صاحب مرحوم کا جو اُن کے استفتاء کے ضمن میں درج ہے دوسرا بیان شیخ عبداللطیف عرف ماٹھو کا، تیسرا بیان حاجی دلدار خان صاحب کا یہ دونوں آخر الذکر بیان فتویٰ دوم کے ساتھ منسلک ہیں اور دوسرا استفتاء انہیں پر مبنی ہے ہرسہ بیانات میں غور کرنے سے معلوم ہوا کہ جو کچھ بھی اختلاف ھے وہ واقعات مابعد الشراء مثل رہائش طلبہ وجلسہ وغیرہ میں ہے اور خود زمین خریدنے کی نوعیت جسپر اصل مدار ہے مولانا ظفر احمد صاحب کے فتویٰ کا اسمیں کوئی اختلاف نہیں کیونکہ بیان ۱ میں صاف تصریح ہے کہ زمین مدرسہ کے واسطے خریدی گئی تھی نہ کہ عبداللطیف کی ذات کیلئے اور بیان ۳ میں بھی اسکو صاف طور پر تسلیم کیا گیا ہے اور بیان ۲ میں بھی اس نے انکار نہیں کیا بلکہ صرف یہ جرح کی ہے

کہ "ماٹھو کو مدرسہ اشرف العلوم کا متولی غلط طریقہ سے بیعنامہ میں لکھوا دیا"، اور ظاہر ہے کہ اس جرح سے اصل مدعا میں فرق نہیں آتا نیز یہ جرح بے معنی بھی ہے کیونکہ اگر وہ پیشتر سے متولی نہ تھے اور اس بیعنامہ کے وقت ان کو متولی بنا دیا تو اس میں کوئی غلطی نہیں اور غالباً اس زمین کے متعلق محکمۂ متعلقہ میں خریداری کی درخواست وغیرہ کے کاغذات دیکھے جائیں تو خاص براہ راست مدرسہ کا خریدار ہونا زیادہ واضح ہوجائے اور معلوم ہی ہے کہ دراصل شرعاً بیع وشراء ابتدائی ایجاب وقبول کا نام ہے رجسٹری پر مدار نہیں اگر اس نوعیت کو دوسرے استفتاء میں ظاہر کردیا جائے تو کانپور وغیرہ سے بھی وہی جواب ملتے جو یہاں سے مولانا ظفر احمد صاحب نے تحریر فرمایا تھا مگر سائل نے دوسرے استفتاء میں یہ ظاہر کیا کہ زمین عبد اللطیف کی ذات کیلئے خریدی گئی اور مدرسہ میں تعمیر کے بعد وقف کا صرف ارادہ تھا اس تغیر فی السوال کے بعد جواب مختلف ہونا ضروری تھا ——— یہ حقیقت ظاہر ہونے کے بعد صاف واضح ہوگیا کہ در حقیقت یہ مکان ابتداء ہی سے براہ راست مدرسہ اشرف العلوم کا ہے کیونکہ شیخ عبد اللطیف نے زمین کی خریداری کیلئے جو روپیہ دیا تھا وہ مدرسہ کے حق میں ھبہ تھا اس کے کچھ حصہ پر مولوی عثمان صاحب متولی مدرسہ کا قبضہ ہوا تھا اور بقیہ حصہ پر حاجی دلدار خان کا (جیسا کہ بیان ۱۲ میں مفصل مذکور ہے) اور گو حاجی صاحب موصوف مدرسہ کے متولی نہ تھے مگر اس کار خیر میں متولی کے مشورہ اور اجازت سے سعی بلیغ کے سبب گویا مدرسہ کے عامل تھے اسلئے ان کا قبضہ بھی حکماً متولی کا قبضہ قرار دیا جائیگا کما لا یخفیٰ ——— چونکہ اس قبضہ کے بعد ھبہ تام ہوگیا تھا اور روپیہ مدرسہ کی ملک ہوگیا تھا۔

ونظیرہ ما فی العالمگیریۃ کتاب الوقف الفصل الثانی:

رجل اعطی درھماً فی عمارۃ المسجد او نفقۃ المسجد او مصالح المسجد صح لانہ ان کان لا یمکن تصحیحہ وقفاً یمکن تصحیحہ تملیکاً بالھبۃ للمسجد واثبات الملک للمسجد علی ھذا الوجہ صحیح فیتم بالقبض کذا فی الواقعات الحسامیۃ [1]

اس بناء پر یہ زمین مدرسہ کی طرف سے مدرسہ کے روپیہ سے خریدی گئی

[1] ھندیۃ ج ۲ ص ۴۶۰ مطبع رشیدیہ کوئٹہ۔

اور شیخ عبداللطیف کی ملک میں یہ زمین بالکل داخل نہیں ہوئی۔ اب رہا قبضہ تعمیر مکان کا سو فقہاء نے تصریح فرمائی ہے "المتولی بناءه وغرسه للوقف مالو یشهد انه لنفسه قبله (درمختار وغیرہ)"، اسلئے یہ تعمیر مدرسہ ہی کیلئے ہے کیونکہ شیخ عبداللطیف حسب بیان ۱ و ۲ متولی تھا اور اس نے تعمیر سے قبل یہ ظاہر نہ کیا تھا کہ میں ذاتی مکان بنا رہا ہوں بلکہ عجب نہیں کہ تحقیق سے مدرسہ کیلئے بنانے کی تصریح کرنا بھی ثابت ہو جائے مگر اسکی ضرورت نہیں الغرض یہ زمین اور مکان ابتداء ہی سے مدرسہ اشرف العلوم کا ہے شیخ عبداللطیف کو اس سے ملکیت کا تعلق کبھی نہیں ہوا اس لئے اسکی طرف سے وقف کی تصریح اور قبضہ دلانے کی تحقیق کی حاجت نہیں۔

اور جب شیخ صاحب اس کے مالک نہ تھے تو یتیم خانہ کیلئے اس کے وقف کرنیکا بطلان یعنی صحیح نہ ہونا ظاہر ہے محتاج دلیل نہیں۔ اور انتقال مصرف وغیرہ کے باب میں اوقاف مدرسہ اور املاک مدرسہ کا ایک ہی حکم ہے اس واسطے اگر اس زمین و مکان کا وقف ہونا فرضاً ثابت بھی نہ ہو تب بھی حکم مذکور نہ بدلیگا۔ فقط واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب۔

احقر عبدالکریم عفی عنہ
از خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون
مورخہ ۶ صفر ۱۳۵۵ھ

خلاصہ یہ ہے کہ اگر یہ زمین مدرسہ اشرف العلوم کیلئے وقف ہو تب بھی، اور اگر مدرسہ کیلئے وقف نہ ہو مگر مدرسہ کی ملک ہو تب بھی یہ حکم مشترک ہے کہ یہ زمین کسی حال میں شیخ عبداللطیف کی ملک نہیں اس لئے ان کو دوسری جگہ اس کے دینے کا کچھ حق نہیں ہر حال میں مدرسہ ہی کا ہے۔

کتبہ اشرف علی عفی عنہ
۶ صفر ۱۳۵۵ھ

احکام المساجد والمدارس

مسجد کی آمدنی سے غسالۂ میت کو اجرت دینا جائز یا نہیں؟

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین صورتِ ذیل میں کہ شملہ کی آبادی کا کچھ حصہ تو گنجان آباد ہے اور باقی حصہ دور دراز تک غیر گنجان آباد ہے اور شملہ کے باشندے مستقل طور پر شملہ کے متوطن کم ہیں زیادہ تر ملازمت وغیرہ کی وجہ سے مقیم رہتے ہیں خاص کر کے موسم گرما میں زیادہ اجتماع ہو جاتا ہے ان صورتوں میں اگر کسی کے یہاں میت ہو جاتی ہے تو کنبہ وبرادری نہ ہونے اور غیر گنجان ہونیکی وجہ سے بہت دقت ہوتی ہے کوئی عورت مرجاتی ہے تو غسالہ میسر نہیں آتی، اور اگر لاوارث ہوتی ہے تو اسکو مسجد میں لاکر رکھ دیتے ہیں اسلئے کہ مساجد گنجان آبادی کے وسط میں ہیں، شملہ کے باشندوں کا خیال ہے کہ شملہ کی تین چار مساجد جو صاحب جائیداد ہیں ایک غسالہ کو بھی نوکر رکھ لیں اور مساجد کے متولی مشترکہ طور پر مساجد کی جائیداد سے غسالہ کو تنخواہ دیا کریں وہ غسالہ لاوارث عورت کو غسل دینا اپنی ملازمت سمجھے مساجد کے اوقاف کسی خاص شرط کے ساتھ وقف نہیں ہیں بلکہ چندہ وغیرہ کی کوششوں کا نتیجہ ہیں۔ سوال یہ ہے کہ جسطرح امام ومؤذن وبہشتی وغیرہ کو ہر مسجد فرداً فرداً تنخواہ دیتی ہے تو غسالہ کو مشترکہ طور پر مساجد کی جانب سے نوکر رکھنا اور اسکو تنخواہ دینا جائز ہے یا نہیں؟

عبداللطیف خان منتظم جامع مسجد
شملہ لوئر بازار

الجواب

مساجد کی آمدنی سے غسالہ کو نوکر رکھنا اور تنخواہ دینا جائز نہیں اس کیلئے مستقل چندہ کرنا چاہئے۔

قال فی الخلاصة: وھل یشتری المتولی الجنازہ؟ قال: لا، وان کان الواقف ذکر فی الوقف ان القیم یشتری جنازۃ وان

اشتریٰ ضمن لان الجنازة لیست من مصالح المسجد اھ (ص ۲۲۲ ج ۲)
قلت: و التعلیل یعم الغسالة ایضاً۔ عہ

واللہ اعلم

از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ
۶ ر جمادی الاولیٰ سنہ۴۰ھ

ہندو کی بنائی ہوئی مسجد کا حکم

سوال:۔ بحوالہ النصوص یہ تحریر فرمایا جائے کہ اگر کوئی ہندو مسجد بنوادے تو مسلمانوں کو اس میں نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ اور وہ عمارت نماز کیلئے مسجد کا حکم رکھتی ہے یا نہیں؟

السائل۔ محمد کفایت اللہ۔ مکان ۲ محلہ مہمند ھدف
شاہجہانپور

الجواب:۔ فی کتاب احکام الاوقاف للفقیہ العلامة الامام ابی بکر الخصافؒ قلت: ـــــ فما تقول فی الذمی یجعل داراً له مسجداً للمسلمین و بناه کما تبنی المساجد و اشھد علیه و اخرجه عن ملکه واذن للناس ان یصلوا فیه قال: ھذا عندنا قربة الی اللہ عزوجل یتقرب به المسلمون فاما اھل الذمة فلیس ھذا قربة عندھم الا تریٰ انه لو اوصیٰ ان تبنی داره مسجدا بعد موته ان ذالك لا یجوز وکذالك لو اوصیٰ الذمی ان یحج عنه بالف درھم کان ھذا باطلاً لا یجوز من قبل ان ھذا لیس مما یتقرب به اھل الذمة الی اللہ تعالیٰ ـــــ قلت: فما تقول ان اوصیٰ الذمی ان تبنی داره مسجدًا لقوم باعیانھم او لاھل محلة لاعیانھم قال: استحسن ان اجیز ھذا من قبل ان ھذا وصیة لقوم باعیانھم (ص ۲۳۶ و ۲۳۷)

وفیه ایضاً: قلت: ارایت النصرانی اذا وقف ارضاً له او داراً له وجعل غلتھا تنفق فی مرمة بیت المقدس و فی ثمن زیت لمصابیحه و فیما یحتاج الیه قال ھذا جائز من قبل ان ھذا قربة عند المسلمین و عندھم۔ قلت: وکذالك الیھود قال: ھو فی ذالك بمنزلة

عہ کذا فی الھندیة: ج ۲ ص ۴۶۳:

النصاریٰ قلت فما تقول فی المجوس هل یکونون فی ذالک بمنزلۃ النصاریٰ والیهود قال:
لا احسب ان المجوس یتقربون بذالک ولا یرونه قربة والجملة فی هذا ان کل ما کان قربة
عند اهل دین من الادیان وهو عند المسلمین قربة ان ذالک جائز نافذ علی ما
حده الواقف وشرطه (ص ۳۴۱ و ۳۴۲)

وفیه ایضاً:۔ (ص ۳۳۷) قال ما کان عند المسلمین قربة الی
الله تعالیٰ وما کان عند اهل الذمة قربة فاجتمع فی ذالک الامر
ان من المسلمین ومنهم انفذته وامضیته وما کان عند اهل
الذمة قربة ولیس هو قربة عند المسلمین لم یجز وکذالک
ما کان عند المسلمین قربة ولم یکن عند اهل الذمة قربة لم یجز
ذالک الا ما ذکرنا مما خص به قوماً باعیانهم اھ

وفی عالمگیریة: حربی دخل دار الاسلام بامان ووقف
جاز من ذالک ما یجوز من الذمی اھ (ص ۱۹۹ ج ۳)

حسبِ تصریحاتِ فقہاء جو مسجد کہ ہندو نے بنوادی ہے اس کا حکم مسجد کا
نہیں پس اگر زمین وعمارت دونوں اسی ہندو کے ملک ہوں تب تو اس میں نماز
پڑھنے سے مسجد کا ثواب نہیں ملیگا گو نماز صحیح ہے اور اگر زمین مسلمانوں کی ہو
جسکو انہوں نے مسجد کیلئے وقف کردیا ہو اور صرف عمارت ہندو نے بنوادی
ہو اس صورت میں وہ عمارت تو مسجد کا حکم نہیں رکھتی لیکن زمین کیلئے مسجد کا حکم
دیا جائیگا لهذا اس میں نماز پڑھنے سے مسجد کا ثواب بھی ملیگا لیکن مسجد کے ساتھ
ملکِ کافر کا تعلق پھر بھی رہیگا پس اس کے مسجد بنانیکے (صورتِ اولیٰ میں) اور
مسجد کامل بنانیکے لئے (صورتِ ثانیہ) اس ہندو سے یہ کہنا چاہئے کہ وہ یہ عمارت
وزمین (بصورت اول) یا صرف عمارت (بصورتِ ثانیہ) کسی ایک غریب مسلمان
کو یا بہت سے غریب مسلمانوں کو ھبہ کردے اور وہ قبول کرکے اور قبضہ کرکے اُسے
وقف کردیں اسطرح وہ شرعاً مسجد ہوجائیگی۔

واللہ تعالیٰ اعلم
غرۃ شوال ۴۰ھ

(نوٹ) یہ جواب اس بناء پر تھا کہ ہمارے علم میں یہ بات تھی کہ ہندوؤں کے مذہب میں مسجد بنانا یا اسکی خدمت کرنا کچھ ثواب کا کام نہیں مگر اس کے بعد احتیاطاً سائل سے یہ پوچھا گیا کہ وہ ہندوؤں کے مذہب کی تحقیق کر کے بتلائے کہ ان کے مذہب میں مسجد بنانا یا اسکی خدمت کرنا کسی درجہ میں ثواب ہے یا نہیں؟ سائل نے حسب ذیل جواب دیا

احقر نے پانچ ہندو پنڈتوں سے دریافت کیا سب نے یہی کہا کہ ہمارے مذہب میں بھی مسجد کا بنانا اور اسکی خدمت وتعظیم کرنا ثواب کا کام ہے منجملہ ان کے ایک پنڈت سے تحریری جواب بھی حاصل کیا ھے ملاحظہ فرما کر اصل سوال کے جواب سے سرفراز فرمایا جائے۔

محمد کفایت اللہ۔ از شاہجہان پور محلہ مہمند ھدف

سوال از پنڈت صاحبان

آپکے مذہب میں مسجد بنانا یا اسکی خدمت کرنا کسی درجہ میں ثواب کا کام ہے یا نہیں؟ اگر آپ کے مذہب میں خاص مسجد کا نام لیکر کچھ ثواب نہ بتلایا ہو تو کیا کوئی ایسا قاعدہ کلیہ بھی ہے جس کے تحت میں مسجد کا بنانا اور اسکی خدمت کرنا ثواب کا کام ہو جائے مثلاً کسی کتاب میں بھی یہی لکھا ہو کہ جس جگہ پرمیشر (خدا) کا نام لیا جاتا ہو اور اسکی عبادت کی جاتی ہو وہ جگہ متبرک ومعظم ہو جاتی ہے اس کا ادب کرنا چاہئے بحوالہ کتاب جواب تحریر کیا جائے۔ فقط

محمد کفایت اللہ از شاہجہان پور محلہ مہمند ہدف

چونکہ بوقت لکھے جانے ہندو بھرم مشاترموں کے اور بموجودگی مہارشیوں کے سوائے ہندو مذہب کے دیگر مذہبوں کا نام ونشان نہ تھا اسی لئے ہندوؤں کی مذہبی کتابوں میں مسجد وگرجا کے نام سے کوئی حوالہ نہیں دیا گیا لیکن بقول گوشائی تلسی داس ایشور خدا ہر موقع پر کسی نہ کسی صورت میں حاضر وناظر ہے لہذا ہر مذہب ودین کا ایک دوسرے کے عبادت گاہ کو مدد پہونچانا لازمی امر ھے اور ثواب کا کام ہے۔

تردیدی سہائے سنگٹا پاٹ شالہ سنسکرت یک ادھیا۔ شاہجہانپور جنگی

بعد کا جواب

پس اس تحقیق کی بناء پر اب جواب یہ ہے کہ جو مسجد ہندو نے بنوا دی ہے اور مسلمانوں کو اس میں نماز پڑھنے کی اجازت دیدی ہے اور اسکو مسلمانوں کیلئے وقف کردیا ہے اس میں نماز پڑھنا جائز ہے اور اس میں نماز پڑھنے سے مسجد کا ثواب بھی ملیگا اور اس کے لئے مسجد کے احکام ثابت ہونگے۔

واللہ تعالےٰ اعلم

۲۷ شوال سنہ ۴۰ھ

مسجد کی دوکانیں ہندوؤں کو کرایہ پر دینا۔

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک مسجد ھے اور اس کے صحن کے نیچے چند دوکانیں ہیں اور اس کے علاوہ مکانات جسکو بانی مسجد نے وقف کرکے وقف نامہ تحریر کردیا ھے متولی حال نے مسجد کی دوکانوں کا ٹھیکہ اور ان مکانوں کا ٹھیکہ دس سال کا ایک ہندو کو دیدیا ھے اور اس سے قرض لیا ھے معلوم یہ کرنا ھے کہ یہ جائز ھے یا نہیں؟ بحوالۂ عبارت کتاب تحریر فرمایا جائے۔

السائل: عبدالغنی جوتہ فروش محلہ شاہ گنج شہر الٰہ آباد

الجواب

واذا کان السرداب او العلو لمصالح المسجد او کانا وقفا علیہ صار مسجداً اھ (ردالمحتار)

وفیہ ایضًا: بقی لو جعل الواقف تحتہ بیتاً للخلاء ھل یجوز کما فی مسجد محلۃ الشحم فی دمشق لم ارہ مصرحاً نعم سیأتی فی کتاب الوقف انہ لو جعل تحتہ۔ سرداباً لمصالحہ جاز اھ

ان عبارات سے معلوم ہوا کہ اگر مسجد کی دوکانیں آمدنی مسجد کیلئے بنائی جائیں تو جائز ہے اور ان کو کرایہ پر دینا بھی جائز ہے خواہ کسی مسلمان کو دی جائیں یا کافر کو، لیکن فقہاء نے عمارات وقف کو مدت دراز کیلئے ایک شخص کو کرایہ پر دینے سے منع کیا ھے اور لکھا ھے کہ تین سال سے زائد کیلئے کسی عمارت

وقف کو کرایہ پر نہ دیا جائے کیونکہ زیادہ مدت کیلئے کرایہ پر دینے میں ضیاع وقف کا اندیشہ ہے لھذا متولی مسجد کا دس سال کیلئے دو کانوں کا ٹھیکہ پر دینا کراھت سے خالی نہیں، یہ تو اس وقت ہے جبکہ متولی نے مسجد کیلئے قرض لیا ہو اور اس وجہ سے دوکانیں دس سال کے واسطے ٹھیکہ پر دی ہوں اور اگر اس نے اپنے ذاتی کاموں کیلئے ہندو سے قرض لیا اور اس خوشامد میں مسجد کی دو کانیں اسکو ٹھیکہ پر دیدیں تو یہ بالکل حرام ہے اس حالت میں متولی وقف میں خائن ہے کہ اپنی ضرورتوں کے لئے وقف کو استعمال کرتا ہے۔ واللہ اعلم

از خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون
۱۸ر شوال ۱۳۴۰ھ

مسجد کی دو کانوں کی کڑیاں مسجد کی دیوار پر رکھنا جائز نہیں

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ پس پشت مسجد دو منزلہ واقع مظفر نگر بازار نواب گنج میں تین دو کانات متعلقہ مسجد ٹین پوش ہیں انکو واسطے اضافہ آمدنی مسجد کے پختہ بنانا اور کڑیاں ڈالنا منظور ہے وہ کڑیاں دیوار بجنب مسجد میں نصب ہونگی بروئے شرع شریف کیا حکم ہے؟

سائل۔ نصیر الدین۔ ساکن مظفر نگر

الجواب

مسجد کی دیوار پر دو کانوں کی کڑیاں ڈالنا جائز نہیں اگرچہ وہ دو کانیں مسجد ہی پر وقف ہوں، مسجد کی دیوار کی پشت پر دوسری دیوار اٹھا کر اس پر کڑیاں ڈال سکتے ہیں۔

قال فی الدر: ولو بنی فوقه بیتاً للامام لا یضر لانه من المصالح اما لو تمت المسجدیة ثم اراد البناء منع، ولو قال: عنیت ذالك لم یصدق، تاتارخانیة، فاذا کان هذا فی الواقف فکیف بغیره فیجب هدمه ولو علی جدار المسجد اھ — قال العلامة الشامیؒ تحت قوله، ولو علی جدار المسجد مع انه لم یأخذ من هؤلاء المسجد شیئاً اھ - ونقل فی البحر قبله ولا یوضع الجذع علی

جدار المسجد وان کان من اوقافہ اھ (ص ۵۷۳ ج ۳)

واللہ اعلم

از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ

۲۱ محرم ۱۳۴۱ھ

مسجد کی زمین میں کھودے ہوئے کنویں کو بند کر کے دوسرے کنویں کی تعمیر کا حکم

سوال :- ایک شخص نے کسی دوسرے قریہ کی ایک مسجد کے نزدیک زمینِ موقوفہ مسجد میں مسجد والوں کی اجازت سے ایک کنواں بصرف خود کھود وادیا تھا اب باقتضائے مصلحت صحن بڑھانے کی ضرورت ہوئی جس سے وہ کنواں بیچ میں واقع ہوتا ہے اور صف میں خلل واقع ہوتا ہے وغیرہ وغیرہ اگر اسکو پاٹ کر دوسری جگہ مسجد والے دوسرا کنواں کھودیں تو اول شخص کا صدقہ جاریہ موقوف ہوگا یا نہیں اور وہ ثواب سے محروم ہوگا یا نہیں؟ میں نے جواب موقوف ہوگا کہا ہے مگر وہ حضور کی رائے کا خواستگار ہے جو ارشاد ہو۔ خدائے تعالیٰ حضرت کو قائم رکھے۔ بندہ بخریت اور خدام والا کی خیریت کا خواستگار ہے زیادہ حد ادب۔

محمد اسحاق عفی عنہ۔ ڈھاکہ پانچ بھائی گھاٹ لائن ۲۹

۴ر صفر ۔

الجواب

قدیم کنویں کو پاٹ دینا جائز نہیں کیونکہ ابطال منفعت وقف ہے اور دوسرے کنویں کے بنانے میں مسجد کا ضرر ہے کہ رقم فضول لگے گی اور کنویں کا فرش کے بیچ میں واقع ہونا کچھ مضر نہیں اس فصل کو گوارا کیا جائیگا شرعاً اسکی اجازت ہے۔ واللہ اعلم۔ کذا قال حضرت العلامۃ مولانا حکیم الامۃ فاضت انہار فیوضہم ـــــ حررہ ھو یدکم الضعیف ظفر احمد عفا اللہ عنہ وکرمہ وھو یھدی الی جنابکم تحائف تحیات یخجل عبید ھا روائح الجنان ویزری سناھا بقلائد ویدعو اللہ بطول بقائکم و بستاق بصمم فوادہ

الیٰ لقائکم۔ والسلام علیکم وعلیٰ جمیع من لدیکم۔

مسجد کے قدیمی دروازہ کو ہندو بند نہیں کرسکتا

سوال :- ۷۸۶

ہاترس محلہ گولی گنج

جناب قبلہ وکعبہ فیض بابرکات عالی جناب حکیم الامت حضرت مولانا صاحب مدظلہ

گذارش یہ ہے کہ چند اشخاص ایک ہندو کے زیر اثر اور ملازم بھی ہیں، انکی رائے یہ ہے کہ دروازہ قدیمی مسجد کا بند ہوجائے اور غسل خانہ و حجرہ توڑ کر راستہ لے لیا جائے۔

(۲) نیز چند اشخاص جو کہ غریب ہیں اور وہ حسب دلخواہ تو یہ چاہتے ہیں کہ قدیمی راستہ قائم رہے دروازہ صدر ہی قائم رہے لیکن تحریک میں اظہار نہیں کرتے خاموش ہیں علاوہ ازیں چند اشخاص اس امر پر بہت زور دیتے ہیں کہ راستہ صدر دروازہ مسجد ایک ہندو کے واسطے بند نہ کیا جائے اور دروازہ صدر ہی قائم رہے خواہ راستہ کی جانب سے مل جائے، پس جملہ صاحبوں کی دست بستہ التجا ہے کہ حکم شرعی بہت جلد مرحمت فرمادیں۔ فقط جملہ مسلمانان ہاترس

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس بارے میں یعنی نقشہ مندرجہ صدر میں سرائے تھی اور سرائے کے اندر ایک مسجد قائم ہے اس سرائے کو باستثناء مسجد تمام وکمال زید ہندو نے بکر ہندو سے خرید لیا اور مسجد کی ہر چہار جانب جدید عمارت بناتا ہے اور راستہ قدیمی شرقی جو جانب سڑک پختہ واقع ہے اور اب موجود ہے اس کو بالکل بند کرتا ہے بلکہ صدر دروازہ قدیمی مسجد کا بند کرتا ہے اور اُتر کی طرف سے حجرہ وغسل خانہ قدیمی مسجد کو توڑ کر دروازہ اور راستہ جدید دیتا ہے اسمیں علماء دین شرعاً کیا حکم فرماتے ہیں۔

سوال دیگر :- جو صدر دروازہ مسجد کا پورب کی جانب قدیمی ہے وہ دروازہ قائم رہے اور گھما کر اُتر کی جانب کو موڑ سے راستہ دیا جائے اور غسل خانہ وحجرہ قائم رہے تو کہاں تک حکم شرعی نافذ ہے فقط

جملہ مسلمانان ہاترس

الجواب

اس ہندو کو دروازہ قدیم مسجد کے بند کرنیکا کسی طرح کوئی حق نہیں نہ پہلی صورت سے نہ دوسری صورت سے مسلمانوں کو اس سے مزاحمت کا حق حاصل ہے، البتہ اگر مسجد کی کوئی مصلحت ہو اور اہل محلہ سب مسلمان اس پر راضی ہوں کہ مسجد کی مصلحت سے قدیم دروازہ کو بند کر کے نیا کھولا جائے تو حسب مصلحت مسجد کے دروازہ کا بدلنا جائز ہے باقی مسلمان اہل محلہ کے سوا کوئی دوسرا مسلمان بھی دروازہ قدیم کے بند کرنیکا حق نہیں رکھتا۔ ہندو کو تو کیا حق ہوتا ہے۔

قال فی الدر: اراد اهل المحلة نقض المسجد وبناءه احكم من الاول ان البانی من اهل المحلة لهم ذالك والا لا (بزازیة)

وفی رد المحتار: ولاهل المحلة تحويل باب المسجد اھ (ص۵۷۲ ج۳)

واللہ اعلم

از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ

۲۲ صفر ۴۱ھ

ویران مسجد کی جگہ کو مدرسہ میں شامل کرنا جائز نہیں

سوال ۷- بسبب تنگی مکان مسجد سابق چھوڑ کر دوسری جگہ مسجد تعمیر کی گئی، اب یہ مسجد سابق کی جگہ تصرفِ مدرسہ وغیرہ میں لانا جائز ہے یا نہیں، یا کیا کرنا لازم ہے؟

المستفتی، محمد خان میاں صاحب

الجواب

جائز نہیں، کچھ آدمی نماز و اذان سے اسکو بھی آباد رکھیں۔

وفی البحر الرائق: قال محمدؒ: اذا خرب المسجد وليس له ما يعمر به وقد استغنى الناس عنه فانه يعود الى ملك الواقف وقال ابو يوسفؒ: هو مسجد ابداً الى قيام الساعة لا يعود ميراثاً ولا يجوز نقله ونقل ماله الى مسجد آخر سواء كانوا يصلون فيها اولا وعليه الفتوىٰ، كذا فی الحاوی القدسی اھ من فتاوى العلامة عبد الحی (ص ۳۳۰ ج ۱)

وفیہ ایضاً: قال الشرنبلالی "فی سعادة الساجد بعمارة المساجد"

فی یتیمۃ الدھر سئل علی بن احمد عن مسجد خرب ومات اھلہ و محلۃ اخریٰ فیہا مسجد ھل لاھلہا ان یصرفوا وجہ المسجد الخراب الی ھذا المسجد قال: لا انتہیٰ، واذا علمت ھذا فما ذکر فی الدر وفتاویٰ قاضی من جواز نقل المسجد اذا خرب خلاف ما علیہ الفتویٰ کما ھو فی الحاوی وخلاف الصحیح المذکور فی خزانۃ المفتین۔ ومشی الشیخ الامام محمد بن سراج الدین الحانوتی علی القول المفتیٰ بہ من عدم نقل بناء المسجد اھ۔ قال العلامۃ عبد الحی بانغربیہ وقد صرح العلامۃ المختار بن الزاھد فی المجتبیٰ بان فتویٰ اکثر مشائخ الاحناف علی عدم جواز نقل المسجد واللہ اعلم (ص ۲۳۰ ج ۱)

الخانقاہ امدادیہ تھانہ بھون

۲؍ جمادی الثانیہ ۴۱ھ

ویران مسجد کی اشیاء مدرسہ میں استعمال کرنا جائز نہیں۔

سوال:۔ سابق مسجد کا ٹین، ستون وغیرہ جواب بیکار رہے بیچ کر یا بعینہ وہ چیزیں کسی مدرسہ میں یا مسجد میں لگانا درست ہے یا نہیں؟

الجواب

نہیں، بلکہ اسی مسجد کی تعمیر درست کرنی چاہئے اور اسکی چیزیں اسی میں لگانی چاہئے۔

فی البحر الرائق: قال محمد اذا خرب المسجد ولیس لہ ما یعمر بہ وقد استغنی الناس عنہ فانہ یعود الی ملک الواقف وقال ابو یوسفؒ: ھو مسجد ابداً الی قیام الساعۃ لا یعود میراثاً ولا یجوز نقلہ ونقل مالہ الیٰ مسجد آخر سواء کانوا یصلون فیہا اولا وعلیہ الفتویٰ کذا فی الحاوی القدسی اھ من فتاوی العلامۃ عبد الحی (۲۳۰-ج ۱)

وفیہ ایضاً: قال الشرنبلالی فی "سعادۃ الساجد بعمارۃ المساجد"

فی یتیمۃ الدھر سئل علی بن احمد عن مسجد خرب و مات اھلہ ومحلۃ اُخریٰ فیھا مسجد ھل لاھلھا ان یصرفوا وجہ المسجد الخراب الیٰ ھذا المسجد قال: لا انتھیٰ واذا علمت ھذا فما ذکر فی الدر و فتاویٰ قاضی خان من جواز نقل المسجد اذا خرب خلاف ما علیہ الفتویٰ کما ھو فی الحاوی وخلاف الصحیح المذکور فی خزانۃ المفتین وقد مشی الشیخ الامام محمد بن سراج الدین الحانوتی علی القول المفتیٰ بہ من عدم نقل بناء المسجد اھ ــــ قال العلامۃ عبد الحی باتعریبہ وقد صرح العلامۃ المختار بن الزاھد فی المجتبیٰ بان فتویٰ اکثر مشائخ الاحناف علی عدم جواز نقل المسجد۔
واللہ اعلم (ص ۲۳۰۔ ج ۱)

از خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون
۲ر جمادی الثانیۃ ۴۱ھ

مسجد کی چیزیں مسجد سے باہر لیجاکر استعمال کرنا حرام ہے

سوال:۔ مسجد کا بچھونا باہر لیجاکر مجلس مہمانی یا قرآنی، یا میلاد خوانی میں استعمال کرنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب

مسجد کی چیزیں مسجد سے باہر لیجاکر استعمال کرنا حرام ہے
قال فی الخلاصۃ: لان البواری لیست من المسجد حقیقۃ لکن لھا حکم المسجد ــــ وقال ایضاً: ولا یحمل الرجل سراج المسجد الیٰ بیتہ ویحمل من بیتہ الی المسجد اھ (ص ۲۲۹ ج ۱) [1]
قلت: وقد مر فی قول ابی یوسفؒ انہ لا یجوز نقل المسجد ونقل مالہ الی مسجد آخر فالیٰ غیر المسجد بطریق الاولیٰ،
واللہ اعلم

از خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون
۲ر جمادی الثانیہ ۴۱ھ

[1] کذا فی فتاویٰ الھندیۃ ج ۲ ص ۴۶۲۔

مسجد کے چراغ کیلئے دی جانے والی رقم دوسرے مصرف میں خرچ نہیں کی جاسکتی

سوال:۔ بہ نیت چراغ مسجد میں پیسہ دیتے ہیں۔ اس پیسہ سے دوسرا کام جیسے بچھونا، سنون خریدنا یا مؤذن و امام کا مشاہرہ دینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

جب پیسہ دینے والا چراغ مسجد کا نام لیتا ہے تو دوسرے مصرف میں اس رقم کو صرف کرنا جائز نہیں، اگر چراغ کیلئے ضرورت کم ہو اور دوسرے کام کیلئے رقم کی ضرورت ہو تو پیسہ دینے والے سے بصراحت اجازت لینی چاہیئے کہ اگر تیل کی ضرورت نہ ہو تو ہم اس رقم کو دوسرے مصارف مسجد میں صرف کر دیں یا نہیں؟ اگر وہ اجازت دے دے تو پھر اس رقم کو صرف کرنا جائز ہو جائیگا۔

و فی الخلاصة: رجل قال: جعلت حجرتی لدھن سراج المسجد ولم یزد علی ھذا صارت الحجرة وقفاً علی المسجد اذا اسلمھا الی المتولی ولیس للمتولی ان یصرف غلتھا الی غیر الدھن اھ (ص ۴۴۲ ج ۴)

واللہ اعلم

از خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون

۲ رجمادی الثانیہ ۴۱ھ

منہدم مسجد کے اسباب کا حکم

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء دین و شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے ایک مسجد خام بنوایا تھا مگر فی الحال منہدم ہونے لگی تو زید نے اس مقام پر مسجد خام توڑ کر مسجد پختہ کی بنیاد ڈالی مسجد پختہ تعمیر کرانا چاہتا ہے اور جو سامان پختہ مسجد میں لگانے کے قابل نہیں ہے جیسے لکڑی، کپڑا وغیرہ، اب سامان مسجد خام فروخت کر کے مسجد پختہ میں لگانا درست ہے یا نہیں؟ یا بانی مسجد غیر سے قیمت زائد دیکر لے سکتا ہے یا نہیں؟ اگر نہ فروخت کیا گیا تو سامان مسجد خام بہرکیف ضائع و ہلاک ہو جائیگا۔

عبد العزیز مدرس مدرسہ اسلامیہ لہوا
بسم اللہ خان ضلع بستی ڈاکخانہ بھنڈریا بازار

الجواب

اگر دوسری مسجد پختہ اسی جگہ اور اسی مقام پر بنائی جا رہی ہے جہاں مسجد خام

واقع تھی تو اس صورت میں مسجد خام کا فاضل اسباب بیچکر مسجد پختہ کی مرمت میں صرف کرنا جائز ہے اور اگر پختہ مسجد اسی مقام پر نہیں بنائی گئی تو مسجد خام کا اسباب بعینہٖ یا بعد فروخت کے اسکی قیمت کا پختہ مسجد میں لگانا درست نہیں بلکہ مسجد خام کو درست کر دینا لازم ہے۔

قال العلامة عبد الحیؒ فی فتاواہ، فی السراج المنیر: ولا یحل ان یھدم المسجد لیبنیہ احکم الا ان یخاف ان ینھدم فیجوز لاھل ھذہ المحلة لا لغیرھم اذا بذا من مال انفسھم لا من مال الوقف الا بامر القاضی اھ (ص ۲۰۳ ج ۱)

وفیہ ایضاً: دربحر الرائق است: قال محمد: اذا خرب المسجد ولیس لہ ما یعمر بہ وقد استغنی الناس عنہ فانہ یعود الی ملک الواقف وقال ابو یوسفؒ: ھو مسجد ابداً الی قیام الساعة لا یعود میراثا ولا یجوز نقلہ ونقل مالہ الی مسجد آخر سواء کانوا یصلون فیھا ولا وعلیہ الفتویٰ کذا فی الحاوی القدسی اھ ونقل العلامة عبد الحیؒ عن "سعادة الساجد لعمارة المساجد" للشرنبلالی ما نصہ واذا علمت ھذا فما فی الدرر وفتاویٰ قاضی خان من جواز نقل المسجد اذا خرب خلاف ما علیہ الفتویٰ کما ھو المذکور فی الحاوی وخلاف الصحیح المذکور فی خزانة المفتین وقد مشی الشیخ الامام محمد بن سراج الدین الحانوتی علی القول المفتیٰ بہ من عدم نقل بناء المسجد اھ (ص ۲۳۰ ج ۱)

وفی المجتبیٰ: واکثر المشائخ علی قول ابی یوسفؒ ورجح فی فتح القدیر قول ابی یوسفؒ اھ فتاویٰ مذکور (ص ۴۲۹ ج ۴) عہ

وفی الخلاصة: لو علق قندیلاً او بسط حصیراً او بواری فی المسجد ثم خرب المسجد واستغنی عنہ عادت ھذہ الاشیاء الی ملک صاحبہ. والصحیح من مذھب ابی یوسفؒ انہ لا تعود الی ملک متخذھا بل یتحول الی مسجد آخر او یبیعھا قیم المسجد لاجل المسجد اھ (ص ۴۲۴ ج ۴)

عہ ھکذا فی الشامیة ج ۴ ص ۳۶۰ - اختیار

قلت : وھذا یؤذن بالفرق بین بناء المسجد حیث لا یحول و بین القنادیل والحصیر حیث یجوز تحویلھا عند ابی یوسفؒ ایضاً۔

واللہ اعلم

از خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون

اس مسجد کی زمین کے تبادلہ کا حکم جسکی عمارت دریا کی طغیانی کی وجہ سے باقی نہ رہتی ہو۔

سوال :۔ کیا فرماتے ہیں علماء دین بجواب اسکے ایک مسلمان وصیت کر کے مرا کہ میری فلاں زمین میں سے اسقدر اراضی واگذار کرا کے وہاں مسجد بنادی جائے اس کے مرنے کے بعد اسکے حسب ارادہ زمین حاصل کر کے گاؤں کے مسلمانوں نے وہاں ایک چبوترہ بنادیا جو مسجد کے نام سے مشہور ہوگیا اور کچھ مدت لوگ وہاں نماز بھی پڑھتے رہے چونکہ وہ زمین جوئے آب کے کنارہ پر تھی جو موسم برسات میں طغیانی کیا کرتی ہے چنانچہ طغیانی آنے سے وہ چبوترہ آب بردہ ہوگیا مسلمانوں نے وہاں پختہ مسجد بنانا چاہا مگر پانی کے خطرات سے بنا نہ سکے شخص فوت شدہ کے وارثوں نے مشورہ کیا اور اسی زمین کے عوض اتنی ہی زمین اور جگہ دینی چاہی ہے اور سابقہ زمین کو اپنے تصرف میں لینا چاہا جس پر وہ کاشت کرینگے یا مویشی باندھینگے اور دوسری جگہ مسجد بنوادی جائیگی تو کیا عند الشرع نام بردہ وصیت شدہ زمین کو غیر مسجد تصرف میں لانا اور اس کے عوض دوسری جگہ مسجد تعمیر کرنا جائز ہے یا ناجائز ؟ اگر مسجد سابقہ زمین پر تعمیر کی جائے تو پانی کی وجہ سے اس کا نقصان یقینی ہے، پانی کی روک تھام بھی ہوسکتی ہے مگر صرفِ کثیر سے ہوسکتا ہے جس کا متحمل کوئی نہیں۔

الجواب :۔ ایسی صورت میں مسجد اول کا سامان منتقل کر کے دوسری مسجد میں لگا دینا جائز ہے اور زمین کا مبادلہ بھی جائز ہے۔ وھذا فی قول ابی حنیفةؒ ومحمدؒ واما عند ابی یوسفؒ فلا، واللہ اعلم۔

کسی شخص نے اپنے گھر کے دروازہ پر مسجد بنائی اب اس کو توڑ کر دوسری جگہ مسجد بنانا چاہتا ہے۔

سوال :۔ کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین رحمکم اللہ تعالیٰ، اس مسئلہ میں کہ کسی شخص نے اپنے گھر کے دروازہ پر ایک مسجد

بنائی تھی اس کے مرنے کے بعد اس کا لڑکا اس مسجد کو نئے سرے سے مضبوط کر کے
بنوا کے وفات پایا اب اس کے لڑکے بوجہ متصل ہونے مسجد کے ان گھروں سے جو
انکے زنانے بود و باش کرتے ہیں دوسری ایک مسجد قریب سو ہاتھ کے فاصلہ پر چندہ کر کے
بنوائیں اور قدیم مسجد کے گھر کو توڑ کر بیچ ڈالیں اور نئی مسجد میں نماز پڑھنے شروع کر دئے
اب عرض یہ ہے کہ قدیم مسجد کو چھوڑ کر نماز نئی مسجد میں درست ہے یا نہیں؟ اور قدیم مسجد کی
بناء کو بیچنا جائز ہے یا نہیں؟ بر تقدیر جائز ہونیکے اس کے ثمن کو کیا کیا جائیگا مع حوالہ
کتب جواب رقم فرمائیں

محمد عبد الغنی مدرسہ صوفیہ نوریہ پوسٹ بہر زار ہاٹ
ضلع چاٹگام

الجواب

یہاں یہ امر قابل دریافت ہے .... کہ اس مسجد کا دروازہ شارع
عام پر ہے خواہ کوچہ ہی ہو یا یہ مسجد بانی کے مکان کے احاطہ میں ہے اور اس کا دروازہ احاطہ
مکان کے اندر ہے؟

اب جواب ملاحظہ فرمائیے۔ اگر اس کا دروازہ اس طرح پر ہے کہ بانی کے مکان کا
دروازہ بند ہونیسے مسجد کا دروازہ اس کے اندر نہ آتا ہو بلکہ دروازہ ایسے رخ پر ہے جس سے
بعد بند ہونے دروازہ مکان بانی کے بھی لوگ مسجد میں بے تکلف آسکتے ہیں یعنی دروازہ
شارع عام یا کوچہ کی طرف کھلا ہوا ہے یا دروازہ احاطہ مکان بانی کے اندر ہی ہے لیکن
بانی اور اسکے اہل وعیال کی ایک جماعت معتد بہا ہے جو دروازہ بند کرنیکے بعد بھی اسمیں
جماعت وغیرہ کرسکتے ہیں تو اس صورت میں اس جگہ کو باعوض یا بلاعوض کسی کا اپنے تصرف
میں لانا اور اسکی اشیاء کو بعوض یا بلاعوض اپنے کام میں لانا، ناجائز ہے اور ایسا شخص
گنہگار ہے اگر مسجد کو توڑ دیا گیا ہے تب بھی اس جگہ کو معمولی احاطہ سے محاط کر کے چھوڑ دیا
جائے اسے کوئی اپنے تصرف میں نہ لائے اور جو چیزیں مسجد کی فروخت کی ہیں انکی قیمت کو
اسی مسجد قدیم کی مرمت میں صرف کیا جاتے اور اگر مسجد کا دروازہ بانی کے دروازہ مکان
کے بند کرنے سے بند ہو جاتا ہے اور اندر کوئی جماعت مسجد میں جماعت کرنے والی بھی نہیں
تو یہ مسجد نہیں، اسکے متعلق پوری کیفیت لکھکر دوبارہ سوال کیا جائے۔

دار فیہا مسجد ان کانت الدار اذا غلقت کان للمسجد جماعۃ ممن کان فی الدار فھو مسجد جماعۃ تثبت فیہا احکام المسجد من حرمۃ البیع وحرمۃ الدخول للجنب اذا کانوا لایمنعون الناس من الصلوٰۃ فیہ وان کانت الدار اذا غلقت لم یکن فیہا جماعۃ واذا فتح بابہا کان لہا جماعۃ فلیس ھذا مسجدا وان کانوا لایمنعون الناس من الصلوۃ فیہ کذا فی قاضی خان عن العالمگیریۃ (ص ۰، ج۱)

وفی الخلاصہ فی فتاوی النسفی: بیع عقار المسجد لمصلحۃ المسجد لایجوز وان کان بامر القاضی وان کان خرابا فاما بیع النقص فیصح اھ (ص ۲۲۵ ج ۴) واللہ اعلم

ازخانقاہ امدادیہ تھانہ بھون
۲۱ر شوال ۱۳۴۱ھ

ضرورت کے وقت وقف مسجد کی بیع کا حکم۔

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ایک مکان کا چہارم حصہ متعلق مسجد وقف ہے اور بھی دیگر مکانات اس مسجد کے متعلق وقف ہیں جو مرمت طلب ہیں اگر چہارم حصہ موقوفہ فروخت کر کے متولی مسجد اسکی قیمت سے بقیہ مکانات متعلقہ مسجد کی مرمت کرادے جس سے آئندہ مسجد کا نفع زیادہ ہونیکی امید ہے توشرعاً اس میں کوئی ممانعت یا حرج تو نہیں ہے مفصل بروئے شرع شریف جو حکم ہو اس سے اطلاع فرمائی جائے۔ بینوا توجروا

راقم، مہدی حسن نائب ناظر کچہری کلکٹری اٹاوہ

الجواب

اگر اس چہارم حصہ کی آمدنی معقول نہ ہو یا یہ اندیشہ ہو کہ کسی وقت میں زیادہ حصہ والے مسجد کے چہارم حصہ کو شاید دبالیں گے تو اس صورت میں اسکو فروخت کر کے بقیہ مکانات سالمہ من شرکۃ الغیر کی مرمت میں اس رقم کا لگادینا جائز ہے۔

وفی فتاوی النسفی: بیع عقار المسجد لمصلحۃ المسجد لایجوز وان کان بامر القاضی وان کان خرابا فاما بیع النقص فیصح ونقل عن شمس الائمۃ الحلوانی رح انہ یجوز للقاضی والمتولی ان یبیعہ ویشتری مکانہ

آخر وان لم ينقطع ولكن يؤخذ بثمنه ما هو خير منه للمسجد لا يباع اى غلته. وقد روى عن محمد اذا ضعفت الارض الموقوفة عن الاستغلال والقيم يجد بثمنها ارضاً آخرهى اكثر ريعاً كان له ان يبيعها ويشترى بثمنها ما هو اكثر ريعاً وفى الفتاوىٰ قيم وقف خاف من السلطان اومن وارث ان يغلب على ارض وقف يبيعها ويتصدق بثمنها۔

قلت: اى اذا لم يكن للمسجد حاجة الى ثمنها۔

واللہ اعلم

ازخانقاہ امدادیہ تھانہ بھون

۱۹ر رمضان ۴۲ھ

مسجد کی رقم کسی کو قرض دینے کا حکم

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین سوال ذیل کے جواب میں، اللہ تعالیٰ آپ حضرات کو اجر عظیم عطا فرمائے

ایک غریب محلہ میں مسجد ہے اہل محلہ نے اس کے ضروری خرچ مثل لوٹے، گھڑے چراغ وغیرہ کے لئے یہ صورت کی ہے کہ محلہ کے ہر آدمی سے ایک آنہ یا دو پیسہ ماہوار بطور چندہ لیکر اس کا خرچ چلاتے ہیں اس صورت میں ماہواری چندہ تقریباً للعہ روپیہ وصول ہوجاتا ہے دو ماہ کا چندہ آٹھ روپے ایک محلہ والے شخص کے پاس جمع تھا اس محلہ میں ایک شخص کے لڑکے کا انتقال ہوا جو کاشتکار بھی ہے لیکن اس وقت نہایت تنگدستی کی حالت میں تھا چند محلہ والوں کی رائے سے اس شخص نے جس کے پاس چندہ مسجد کا جمع تھا بطور قرض کے ابوالمیت کو اس شرط پر دیدیا کہ اگر تمہارے پاس ہو تو دیدینا نہیں تو نہیں ــــــــ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ آیا اس شخص کو چند لوگوں کی رائے سے مسجد کا روپیہ ایسی ضرورت میں دینا جائز تھا یا نہیں؟ اور مقروض سے اہل محلہ تقاضا کر سکتے ہیں یا نہیں؟ اگر مقروض نہ دے تو اس روپیہ کا ذمہ دار کون ہوگا؟

الجواب

مسجد کا روپیہ اسطرح کسی کو قرض دینا جس طرح سوال میں مذکور ہے کسی حال میں جائز نہیں، اہل محلہ کو اس رقم کا مطالبہ مقروض سے بھی کرنا چاہئے اگر وہ نہ دے

پر اس شخص سے مطالبہ کرنا چاہئے جس نے اسکو قرض دیا، اگر مقروض یہ روپیہ نہ دے تو اس رقم کا ضامن وہی شخص ہے جس کے پاس رقم جمع تھی اور اس نے اسکو قرض دیا۔

واللہ اعلم

از خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون

۲۲ ذی الحجہ سنہ ۴۲ھ

مسجد کا خرچہ چلانے کے واسطے صحن مسجد میں دوکانیں بنانے کا حکم

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین سلمہم اللہ تعالیٰ یوم الدین کہ شارع عام بازار میں ایک قدیمی جامع مسجد ہے اسمیں ہر وقت راستہ چلتے باجماعت نماز پڑھتے ہیں سوائے اخیر جمعہ رمضان شریف کے اکثر صحن خالی پڑا رہتا ہے اہل محلہ اور اہل شہر سب جامع مسجد جدید کی طرف رجوع کر گئے ہیں مسجد ھذا نگھبانی سے منہ موڑ بیٹھے ہیں اس مسجد کی شکست وریخت اور مرمت کیواسطے اور کوئی اوقاف نہیں ہیں اور نہ کوئی متولی ہے نہ کوئی نگہبان ہے اور صحن مسجد کے سوا کوئی جگہ خارج نہیں اور نہ اسمیں فنا ہے اگر ھے تو صحن ہی صحن ہے مسجد کی پشت سے اور شمال دیوار ہندوں کے مکان پیوستہ ہیں جو مسجد کی چھت پر پائخانہ پیشاب کر جاتے یہاں ایک دیوار بنائی ہے بیرونی دروازہ خراب ہونے سے مسجد میں کتے بلے ہگ جاتے ہیں مسافروں کی جیبیں کتری جاتی ہیں علاوہ اس کے خرچ خادم وغیرہ بھی ہے پس جس مسجد کے واسطے اوقاف نہ ہو اور چندہ بھی کوئی نہیں دیتا ہو، متولی اور نگہبان بھی کوئی نہ ہو اور مرمت وفرودیات مندرجہ بالا میں احتیاج رکھتی ہو تو کیا صورت کی جائیگی کہ مسجد بدستور آباد رہے چند مسلمانوں نے جو ہمیشہ اسمیں نماز پڑھتے ہیں تھوڑے حصہ صحن میں بازار کے رُخ پر دو دو کانیں بنائی ہیں، کوئی جائز کوئی ناجائز کہتا ہے چونکہ ہم لوگ جاھل ہیں اسلئے تذبذب میں پڑے ہوئے ہیں، خدا کے واسطے جواب باصواب جلدی عنایت فرمایا جائے کہ ہم لوگوں کی ایسی کشمکش سے نجات ہو اللہ تعالیٰ آپکو اجر عظیم عنایت فرمائیں گے۔

الجواب

اذا اراد ان يتخذ تحت المسجد حوانيت غلة لمرمة المسجد او فوقه ليس له ذالك كذا في الذخيرة (ص ۲۳۸ ج ۲)

قلت: وفی صحن المسجد عدم جوازہ اولیٰ،

صورت مذکورہ میں صحن مسجد کے اندر دوکانیں بنانا ناجائز نہیں دوکان بنانے والے سخت جرم کے مرتکب ہوئے انکو فوراً دوکانیں مسجد سے اُٹھالینی چاہئیں اگر مسلمان مسجدوں میں ایسے تصرف کرنے لگیں گے تو کل کو حکام بھی مسجد کے کسی حصہ کو اپنے کام میں لایا کریں گے اور یہی جواب دینگے کہ جب تم کو مسجد میں دوکان بنانا جائز ہے تو ہمکو بھی مسجد کا کوئی حصہ سڑک وغیرہ میں شامل کر لینا جائز ہے اور اس میں جس قدر مفاسد ہیں ظاہر ہے، لھذا مسلمانوں کو مساجد کے صحن وغیرہ میں ایسا تصرف ہرگز نہ کرنا چاھئے باقی مرمت وغیرہ کیلئے اور مسجد کی حفاظت کیلئے بستی کے سب مسلمانوں کو امداد کرنی چاھئے جو لوگ باوجود وسعت کے امداد نہ کریں اور مسجد کی توہین کو گوارا کریں وہ گنا ھگار ہونگے، واللہ اعلم۔

ایک اور مسجد جس کے واسطے کوئی اوقاف نہیں ہیں اور ایک مسلمان کے بغیر تمام محلہ ہندووں کا ہے تقریباً ۱۲ سال سے مسلمان چلے گئے ہیں ہندو آباد ہوگئے ہیں اب بالکل غیر آباد ہے اگر اس کے نیچے مکان یا دوکانیں بنادی جائیں اور انکی چھت پر مسجد بنا کر آباد کردی جائے تو جائز ہے یا نہیں، یا اس کے واسطے کیا صورت اختیار کی جائے اللہ کے واسطے ہم لوگوں کو ظلمات سے نکالئے کہ دین وایمان خراب ہورہے ہیں فقط

الجواب

جائز نہیں، بدلیل مامر عن الھندیۃ واللہ اعلم

از خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون

۳ر صفر ۴۳ھ

مسجد میں لالٹین جلانا اور غیر مسافر ومعتکف کو سونا جائز نہیں۔

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین کہ ایک شخص مسجد میں اس غرض سے سوتا ہے کہ جب اسکی آنکھ کھلے تو وہ اپنا وقت یاد الٰہی میں صرف کرے انہوں نے اپنی ضرورت کے واسطے ایک لالٹین جس میں مٹی کا تیل رہتا ہے اپنے پاس مسجد میں ایسی جگہ رکھ لیتا ہے جو کہ نہ کسی مصلی کی نماز پڑھنے کی جگہ ھے ایسی حالت میں کوئی گناہ تو نہیں ھے

اور اگر ہے تو کوئی پناہ کی صورت بھی ہے کیونکہ موم بتی جلانے سے وہ شخص معذور ہے۔

(۲) اس قدر مٹی کے تیل و مروجہ لالٹین و دیاسلائی کی اسقدر کثرت ہے کہ موم بتی اور دوسرے تیل کی لالٹین قریب قریب نایاب ہوگئے ہیں۔ دیاسلائی سے لوگوں کو چراغ یا لالٹین جلا نیکی ایسی عادت ہوگئی ہے کہ دوسرے ذریعہ سے مجبور ہیں عموماً تمام مسجدوں میں سوائے خاص خاص جگہ کے چراغ یا روشنی بذریعہ دیاسلائی ہوتی ہے اور باہر سے چراغ جلاکر ہوا میں جانا بھی قطعی ناممکن ہوتا ہے اور اگر دیاسلائی سے نہ جلایا جاتے تو مسجد اندھیری رہتی ہے یا کسی وقت اندھیرا کا زور ہوتا ہے اور میٹھے تیل کا چراغ ٹھہر نہیں سکتا اس وقت مٹی کے تیل کی لالٹین اگر مسجد میں نہ جائے تو مسجد کے اندھیرے رھنے کا کامل یقین ہے سوائے خاص جگہوں کے یہی عمل جاری ہے کہ دیا سلائی سے چراغ روشن کیا جاتا ہے اور جب اندھیرا ہوتا ہے اس وقت لالٹین یقیناً مسجد کے اندر لے جاتے ہیں اس میں کچھ گناہ تو نہیں ہے اگر ہے تو پناہ کی کیا صورت ہے؟ فقط۔ بینوا توجروا

راقم شیخ علیم اللہ محلہ برانی سنگھت متصل مسجد شیخ بدو مرحوم ڈاکخانہ اسٹرا ضلع بلیا۔
مورخہ ۲۲ر محرم الحرام ۱۳۴۵ھ

الجواب

مسجد میں مٹی کے تیل کی لالٹین جلانا جائز نہیں، نہ مسجد میں ایسی لالٹین کا رکھنا جائز ہے اور بغلی محراب مسجد میں داخل ہے پناہ کی صورت یہ ہے کہ یہ شخص مسجد کے اندر نہ سویا کرے اپنے گھر پر سویا کرے وہاں جیسی چاھے لالٹین جلایا کرے علاوہ ازیں یہ کہ مسافر و معتکف کے سوا اور کسی کو مسجد میں سونا بھی مکروہ ہے رات کو اپنے گھر پر بھی تو ذکر اللہ ہو سکتا ہے۔

قال فی الدر: (ویکرہ فیہ) اکل ونوم الا لمعتکف وغریب واکل نحو ثوم ویمنع منہ اھ

قال الشامی ناقلاً عن العینی: ویلحق بما نص علیہ فی الحدیث کل ما لہ رائحۃ کریھۃ ماکولاً اوغیرہ وانما خص الثوم ھٰھنا بالذکر وفی

غیرہ ایضاً بالبصل والکراث لکثرۃ اکلھم لھا وکذالک الحق بعضھم بذالک من بقیہ تجس او بہ جرح لہ رائحۃ کریھۃ اھ (ص ۶۹۲ ج ۱)

(۲) آج کل لالٹین جرمنی سرسوں کے تیل کے بھی ملتی ہے اگر چراغ نہ ٹھہرتا ہو تو اسکو جلایا جائے مٹی کے تیل کی لالٹین مسجد میں جلانا جائز نہیں بوجہ بدبو کے اور دیا سلائی بدبو دار سرخ مسالہ کی وجہ سے ہوتی ہے سیاہ مسالہ کی دیاسلائی میں بدبو نہیں ہوتی۔ جو آج کل بہت رائج ہے مسجدوں میں اس کا استعمال زیادہ بہتر ہے۔

واللہ اعلم

از خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون

۲۸ صفر ۴۳ھ

ارض مملوکہ موقوفہ علی المسجد میں اگر بوقت کھودنے کے قبریں نمودار ہوجائیں تو ایسی زمین پر مسجد کی تعمیر جائز ہے یا نہیں

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ کسی شخص نے کسی دیہات میں ایک قطعہ زمین خرید کرکے اس کے بعض حصہ میں ایک کچی مسجد تعمیر کی، قبل ازیں اس دیہات کی مسجد دوسری جگہ تھی اب وہ جگہ اس دیہات والوں کی مقبرہ بن گئی ہے مگر چونکہ وہ مسجد لوگوں کے مکانات سے کچھ فاصلہ پر تھی لھذا صلوات خمسہ کی ادائیگی میں لوگوں کو دشواریاں پیش آتی تھیں بناءً علیہ محض دفع تکالیف مصلیان کی غرض سے شخص مذکور نے اپنی خریدی ہوئی زمین کے ایک حصہ میں ایک کچی مسجد تعمیر کرادی اور ایک عرصہ تک مذکورہ مسجد خام آباد و معمور رہی بعدازیں شخص مذکور نے بوجہ اس کے کہ اسکی اقتصادی اور مالی حالت ابتر ہوگئی مسجد مذکور کو اہل دِہ کیلئے وقف کر دیا، پس اہل دِہ میں سے چند اصحاب مسجد کے ممبر مقرر ہوئے اور ممبران مذکور نے بغرض توسیع مسجد یہ ارادہ کیا کہ اس مسجد خام کو منہدم کرکے اسکی جگہ ایک پختہ مسجد تعمیر کی جائے اور اس غرض سے اس زمین کے آس پاس کی کچھ زمین مالک زمین سے بلا معاوضہ مانگ کر یا بطور وقف لیکر تعمیر کا کام کیا، جب بنیاد کیلئے زمین کھودی جارہی تھی تو زمین کے اندر سے پرانی نعشیں نکلنی شروع ہوئیں اور نعشیں بتین طور پر قبلہ رُخ یعنی سرہانے اُتر کی طرف تھیں یہ معاملہ دیکھ کر لوگوں نے علماء کرام سے استفتاء کیا دیوبند وغیرہ مقامات سے عدم جواز کا فتویٰ پہنچا اس بناء پر

چند سالوں تک لوگوں نے تعمیر کے کام کو ملتوی رکھا، کئی سالوں کے بعد ایک مسافر مولوی صاحب وہاں وارد ہوئے انہوں نے اس بناء پر کہ وہ زمین خریدی ہوئی زمین ہے اور نیز بقیاس بر مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم حکم صادر فرمایا کہ زمین کے اندر سے جتنی نعشیں نکلی ہیں اسکو اور کہیں دفنا دیجائیں اور مسجد وہیں تعمیر کی جائے صحن میں نعشیں ہیں یا نہیں اُسے دیکھنے کی ضرورت نہیں چنانچہ اس فتویٰ کی بناء پر وہاں ایک پختہ مسجد بن گئی اور ایک عرصہ تک عوام الناس اس مسجد میں نمازیں پڑھتے رہے دیہات میں ہونیکی وجہ سے ابتک کوئی عالم اس امر میں مزاحم نہ ہوئے۔

واضح ہو کہ اس مسجد کے اردگرد زمینوں میں سے ابتک بکثرت نعشیں نکل رہی ہیں یہ واقعہ بیّن طور پر مشاہدہ میں آرہا ہے پس یہ امر بھی دلیل ہے اس بات پر کہ صحن میں بھی نعشیں موجود ہیں

اب سوال یہ ہے کہ قبور مسلمین پر (جو قرائن وعلائم اس پر دال ہوں)

(۱) مسجد تعمیر کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

(۲) نبش قبور کی اجازت دینے والے کے بارہ میں کیا حکم ہے؟

(۳) اب اس مسجد کا کیا حکم ہے؟

(۴) کیا اُسے ارض مشتراۃ پر بنی ہوئی مسجد کہا جائیگا؟

(۵) اور کیا اُسے مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر قیاس کیا جا سکتا ہے؟

(۶) اور ایسے قیاس کرنے والے اصحاب کا کیا حکم ہے؟

(۷) اور کیا اس زمین کو جہاں قبل ازیں مسجد تھی اور کسی وجہ سے مسجد وہاں سے نقل کی گئی یا کہ وہ ویران ہوگئی ہو مقبرہ بنانا جائز ہے؟

امید کرتا ہوں کہ ہر شقوں کا جواب مدلل ومبرھن تحریر فرما کر اجر عظیم حاصل کریں گے فقط

الجواب

جب قبر کی پہلے سے خبر نہ ہو اور ظاہر میں زمین تعمیر کے قابل معلوم ہوتی ہو اور کھودنے کے بعد قبریں نمودار ہوں پس اگر وہ پرانی قبریں ہوں جنکی نعشیں گل کر مٹی ہوگئی ہوں صرف کوئی ہڈی باقی ہو تو ان کو اسی جگہ کے آس پاس دفن کر کے مسجد بنانا جائز ہے اور اگر پہلے سے کسی جگہ مسلمانوں کو قبروں کا ہونا معلوم ہو خواہ نشانات سے

یا لوگوں کے کہنے سے، وہاں مسجد بنانا جائز نہیں اسیطرح اگر پہلے سے معلوم نہ ہو مگر کھودنیکے بعد تازی نعشیں نکلیں وہاں بھی مسجد بنانا جائز نہیں البتہ کفار کی نعشوں کا ہونا بناء مسجد کیلئے مانع نہیں انکو کھود کر ایک طرف دبا دینا اور مسجد تعمیر کرلینا جائز ہے۔

(۲) مسلمانوں کی نعشوں کو ان کی جگہ سے منتقل کرنے کا فتویٰ دینے والا جاھل ہے۔

(۳) یہ مسجد بحکم مسجد ہے کیونکہ ارض مملوکہ موقوفہ میں مسجد بنائی گئی ہے۔ جس میں قبروں کا ہونا پہلے سے معلوم نہ تھا اور قبریں بھی پرانی تھیں البتہ مسلمان مُردوں کی ہڈیوں کو اپنی جگہ سے منتقل کرنیکا گناہ ہوا اس سے توبہ واستغفار کرنا چاہئے۔

(۴) ہاں ارض مشتراۃ مملوکہ پر بنی ہوئی مسجد ہی سمجھی جائیگی۔

(۵) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں مسلمانوں کی قبریں نہ نکلیں تھیں بلکہ کفار کی قبریں نکلیں تھیں جس کا کھود ڈالنا جائز تھا۔

(۶) جاہل ہیں ان کے فتاویٰ کا اعتبار نہ کیا جائے

(۷) مسجد سابق کی جگہ کو مقبرہ بنانا اور اس میں مردوں کو دفن کرنا حرام اور بہت گناہ ہے۔ مسجد بننے کے بعد دوسرے کام میں نہیں آسکتی اب یا تو اس کو مسجد ہی کی طرح آباد کریں اگر آباد نہ ہوسکے تو اس کو بند کرکے اسی کے حال پر چھوڑ دیں اور بہتر یہ ہے کہ سارے گاؤں والے وہاں نماز نہ پڑھ سکیں تو کسی ایک ہی آدمی کو ہمیں ملازم رکھدیں جو اذان ونماز سے اسکو آباد کرے۔

(الدلیل علی المسئلة الاولى) قال فی الشامية نقلاً عن الزيلعی ولو بلى الميت وصار ترابا جاز دفن غيره فی قبره وزرعه والبناء عليه اھ۔

قال فی الامداد: ويخالفه ما فی التتارخانية اذا صار الميت ترابا فی القبر يكره دفن غيره فی قبره لان الحرمة باقية وان جمعوا عظامه فی ناحية ثم دفن غيره فيه تبركا بالجيران الصالحين ويوجد موضع فارغ يكره ذالك اھ

قلت: لكن فی هذا مشقة عظيمة فالاولى اناطة الجواز بالبلاد اذ لا يمكن ان يعد لكل ميت قبر لا يدفن فيه غيره وان صار

ترابا لا یسما فی الامصار الکبیرۃ الجامعۃ والا لزم ان تعم القبور
السہل ولو عسر علی ان المنع من الحفر الی ان لا یبقی عظم عسر جدا اھ
وفیہ ایضاً: لا بأس بان یقبر المسلم فی مقابر المشرکین اذ لم یبق
من علاما تہم شیئ کما فی خزانۃ الفتاوی وان بقی من عظامہم
شیئ تنبش وترفع الاثار وتتخذ مسجداً لما روی ان مسجد النبی صلی
اللہ علیہ وسلم کان قبل مقبرۃ للمشرکین فلبشت کذا فی الواقعات اھ
(ص ۹۳۳ ج ۱)
وقال العلامۃ العینی فی شرح البخاری تحت حدیث بناء مسجد
النبی صلی اللہ علیہ وسلم ونبش قبور المشرکین منہ ــــ فان قلت:
ھل یجوز ان تبنی المساجد علی قبور المسلمین ــــ قلت: قال ابن
القاسم لو ان مقبرۃ من مقابر المسلمین عفت فبنی قوم علیہا مسجداً
لم ار بذالک بأساً وذالک لان المقابر وقف من اوقاف المسلمین لدفن
موتاھم لا یجوز لاحد ان یملکہا فاذا درست واستغنی عن الدفن
فیہا جاز صرفہا الی المسجد لان المسجد ایضاً وقف من اوقاف المسلمین
لا یجوز تملیکہ لاحد فمعناھما علی ھذا واحد اھ
وفیہ: ان القبر اذا لم یبق فیہ بقیۃ من المیت او من ترابہ
المختلط بالصدید جازت الصلوٰۃ فیہ اھ (ص ۳۵۹ ج ۲)
(الدلیل علی السابعۃ) ولو خرب ما حولہ (ای المسجد) واستغنی
عنہ یبقی مسجد عند الامام والثانی ابدا الی قیام الساعۃ وبہ یفتی
حاوی القدسی کذا فی الدر،
وفی الشامیۃ قولہ ولو خرب ما حولہ الخ وکذا لو خرب
ولیس لہ ما یعمر بہ وقد استغنی الناس عنہ لبناء مسجد آخر
فلا یعود میراثاً ولا یجوز نقلہ ونقل مالہ الی مسجد آخر
سواء کانوا یصلون فیہ اولا وھو الفتوی، حاوی، واکثر المشائخ
علیہ، مجتبیٰ، وھو الاوجہ، فتح، اھ (ص ۳۷۵ ج ۳) ولا حاجۃ

بعد ذالك الى الدليل على باقى الشقوق۔

واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم

از خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون

۱۷ ربیع الثانی ۱۳۴۳ھ

فناء مسجد میں نماز کیلئے مسجد کا بوریہ نکالنا

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسئلہ ذیل میں کہ ہمارے یہاں کی مسجد ایسی بنی ہوئی ہے کہ چھت اور چاروں دیواریں ٹین کی ہیں اور سوائے دروازہ کے کوئی کھڑکی بھی نہیں ہے اس وجہ سے گرمی بہت ہوتی ہے اور باقاعدہ مسجد کا صحن بھی نہیں ہے البتہ زمین موقوفہ متصل مسجد اتنی ہے کہ اگر صحن بنایا جائے تو بہت بڑا صحن ہو مگر صحن بنانا تو درکنار کوئی اسکی حفاظت بھی نہیں کرتا گائے بیل ہمیشہ چرتے اور لید کرتے رہتے ہیں میں اکثر موسم گرما میں فرض مسجد کے اندر پڑھکہ مسجد کی ایک چٹائی باہر لاکر جو موقوفہ زمین خارج مسجد ہے اسمیں سنت نفل پڑھتا تھا ایک روز دفعۃً یہ خیال ہوا کہ شاید مسجد کی چٹائی باہر لاکر نماز پڑھنا جائز نہ ہو جب سے چٹائی باہر نکالنا چھوڑ دیا اور سنت نفل بھی مسجد میں پڑھتا ہوں مگر گرمی کی وجہ سے تکلیف بہت ہوتی ہے اب حضرت والا سے یہ عرض ہے کہ زمین موقوفہ لصحن المسجد میں مسجد کی چٹائی باہر نکالکر نماز پڑھنا یا ذکر شغل کرنا جائز ہے یا نہیں

الجواب

فناء المسجد له حكم المسجد حتى لو قام فى فناء المسجد واقتدى بالامام صح اقتدءه وان لم تكن الصفوف متصلة ولا المسجد ملآن اليه اشار محمدؒ فى باب الجمعة وعلى هذا يصح الاقتداء لمن قام على الدكاكين التى تكون على باب المسجد لانها من فناء المسجد متصلة بالمسجد كذا فى فتاوىٰ قاضى خان اھ من الهندية (ص ۷۰ ج ۱)

اس سے معلوم ہوا کہ مسجد کی چٹائی کا زمین موقوفہ متصلہ بالمسجد میں بچھانا اور اس پر نماز پڑھنا درست ہے کہ اتصال کی وجہ سے وہ مسجد

ہی کے حکم میں ہے ۔ واللہ اعلم ۔

از خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون

۱۵ ر محرم ۴۵ھ

مسافر کے واسطے مسجد میں اقامت جائز ہے

سوال : مسافر را بمسجد اقامت کردن جائز است یا نہ ؟ ومعنی غریب الوطن در اصطلاح فقہاء چیست

بینوا توجروا ۔

درمیان علماء این ملک در مسئلہ مذکورہ اختلاف ست ومیان عوام شک پیدا شدہ فدوی را برائے فہمیدن علم دین وماندن بر صراط مستقیم دعاء کنند ۔

فقط والسلام

عرضگذار ۔ فدوی محمد عبد الباری چاٹگامی

الجواب

مسافر ومسکینے را کہ زوجہ وخانہ ندارد بمسجد اقامت کردن رواست ۔

واللہ اعلم

از خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون

یکم ربیع الاول ۴۵ھ

مسجد کے گھڑوں، مٹکوں اور حوض کا پانی کسی کو گھر لیجانا جائز نہیں

سوال : امام کو مسجد کا پانی اپنے گھر کیلئے استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب

مسجد کے پانی سے غالباً حمام کا یا گھڑوں یا مٹکوں کا یا حوض کا پانی مراد ہے، تو مسجد کے حمام، گھڑوں، مٹکوں اور حوض کا پانی گھر لیجانا کسی کو جائز نہیں ہے ہاں مسجد کے کنویں کا پانی سب کو مباح ہے ۔ واللہ اعلم

از خانقاہ امدادیہ اشرفیہ تھانہ بھون

۵ ر ربیع الثانی ۴۵ھ

شادی کی خلاف شرع رسموں سے لوگوں کو روکنا اور اس رقم کو مسجد میں دینے کی ترغیب کا حکم ۔

سوال :۔ حامداً ومصلیاً اما بعد کیا فرماتے ہیں علماء دین و

مفتیان شرع متین حنفیہ اس مسئلہ میں کہ کوئی شادی کی خلاف شرع رسموں میں جو روپے خرچ کرنے پر مصر ہو اس کو اس خرچ سے روک کر اگر یہ کہا جائے کہ یہ روپے ضائع مت کرو بلکہ کسی مسجد میں اللہ کے واسطے دیدو، ثواب واجر ملیگا اس طرح اس کو ترغیب دینا اور حسب وعدہ اس سے روپے لینا اور مسجد میں لگانا جائز ہے یا نہیں اور اس قسم کے جو روپے لوگوں پر ہیں اس کو وصول کریں یا نہیں ؟

(جزو اخیر) سوال دوم کی حقیقت ہے کہ بجائے پہلی غیر شرعیہ رسموں کے اس چندہ کا لینا رسم ہو گیا ہے یعنی جو شخص روپے نہیں دیتا اس کا حقہ پانی بند کر دیتے ہیں اور ہر سختی کو اس پر ضروری سمجھتے ہیں ایسی حالت میں اس روپے کو لینا یا جن پر باقی ہے اس کا وصول کرنا یا جو جمع ہے ایسے طریقوں سے وصول کیا ہوا اسکو مسجد میں لگانا جائز ہے یا نہیں ؟ اور اگر ناجائز ہے تو جو جمع ہے اسکو کیا کیا جائے ؟ خصوصاً جبکہ اس کا دینے والا یا چندہ دینے والا کا کوئی رشتہ دار موجود نہیں ہے اور اس نے مسجد کی نیت سے ہی دیا تھا حسب قاعدہ بالا، بلینوا توجروا فقط، ان اللہ یحب المحسنین

المستفتی بدرالدین احمد

الجواب

ترغیب دینا تو جائز ہے مگر جس نے وعدہ کر لیا ہو اس پر تقاضا کرنا جائز نہیں کیونکہ تقاضا سے دباؤ پڑتا ہے ولاجبر فی التبرعات، ہاں یاد دہانی کا مضائقہ نہیں کہ وہ بھی ترغیب کے مثل ھے باقی صورت کہ جو مسجد میں چندہ نہ دے اس کا حقہ پانی بند کر دیا جائے بالکل حرام ہے کہ اس میں لوگوں کو تبرع پر مجبور کرنا ہے بلکہ صاف کہہ دیا جائے کہ جو چندہ دے خوشی سے دے اور جو نہ دیگا اس پر کوئی جبر اور سختی نہ کی جائیگی۔ اور جو چندہ اس طریقہ جبر سے وصول کیا ہوا ہے اور جمع ہے اس کو مسجد میں لگا دینا چاھئے کیونکہ یہ جبر اکراہ شرعی کی حد میں نہیں پہنچتا جو موجب بطلان ھبہ ہو، فکان کأنہ وھب للمسجد من غیر اکراہ، پس جس نے مسجد میں روپیہ دیا اور متولی کے سپرد کر دیا وہ روپیہ اس کی ملک سے نکل کر مسجد کی ملک میں داخل ہو گیا اب دینے والا یا اس کے ورثاء اسکو واپس نہیں لے سکتے ہاں جبر کرنے والوں کو گناہ ہوا اس سے وہ توبہ واستغفار کریں۔

وفی العالمگیریۃ: اعطی درھماً فی عمارۃ المسجد او نفقتہ او مصالحہ

صح لانہ ان کان لا یمکن تصحیحہ وقفاً یمکن تصحیحہ بالھبۃ للمسجد واثبات الملک للمسجد علی ھذا الوجہ صحیح فیتم بالقبض اھ (۲۴۰ ج ۳)

قلت: والھبۃ للمسجد فی حکم التصدق لکون المقصود منہ الثواب فلا رجوع للواھب فیھا۔

البتہ یہ رقم جو جبر سے وصول کی ہوئی ہے گو اس کو مسجد کے مصارف میں لگانا ضروری ہے مگر کراہت وخبث سے خالی نہیں: لحدیث: "الا لا یحل مال امرئ مسلم الا بطیب قلب منہ"[عہ] پس بہتر یہ ہے کہ اسکو حمام کے سوختہ میں یا اسی کے مثل کسی ایسے کام میں لگایا جائے جو متعلقات مسجد سے ہو لیکن مسجد سے ملحق نہ ہو جیسے عمارت فرش مسجد وروغنِ چراغ وصف وغیرہ اسیطرح مؤذن وامام کو بھی اس رقم کو اپنی تنخواہ میں لینے سے احتراز بہتر ہے۔ واللہ اعلم

از خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون

۲۷ ربیع الثانی ۴۵ھ

جو رقم مدرسہ میں دی گئی ہو مدرسہ بند ہونیکے بعد اسکو کہاں صرف کیا جائے

(المقلب بنقل الصدقات الی غیر الجہات)

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ میں کہ ایک گاؤں میں مدرسہ اسلامیہ کچھ عرصہ سے قائم کیا گیا تھا اب عرصہ چھ ماہ سے وہ مدرسہ اسلامیہ بوجہ نہ ہونے طلبہ کے موقوف ہوگیا ہے اب آئندہ بھی کوئی امید قائم ہونے مدرسہ کی نہیں ہے اس مدرسہ مذکورہ بالا میں جو کہ روپیہ جمع تھا چندہ وغیرہ کی صورت کا اسمیں سے اس وقت دو صد روپیہ باقی ہے اس واسطے گذارش ہے کہ یہ روپیہ دوسری جگہ مسجد یا کنویں وغیرہ پر صرف کر سکتے ہیں یا کہ نہیں کر سکتے اسکی اگر کوئی صورت یا کوئی حیلہ بموجب شریعت کے ہو تو آپ وہ صورت بتلادیں اللہ تعالیٰ آپ کو اس کارِ خیر کا اجر عظیم عطا فرمائیگا آمین

بینوا توجروا، زیادہ السلام علیکم۔

الجواب

چندہ دینے والے اگر زندہ ہوں تو چندہ ہر شخص کا اسکو واپس کر دیا جائے پھر وہ جہاں چاہے لگائے یا اسکی اجازت سے

عہ مشکوٰۃ ص ۲۵۵

عہ جس جگہ وہ کہے لگا دیا جائے البتہ اگر اس چندہ میں کوئی رقم زکوٰۃ وصدقہ فطر وفدیہ صلوٰۃ وغیرہ صدقات واجبہ کی ہو تو اس کے متعلق استفسار کی ضرورت نہیں اسکو کسی دوسرے مدرسہ کے طلبہ فقراء میں صرف کرسکتے ہیں کیونکہ بظاہر تعیین طلبہ مدرسہ مذکورہ سے نفی غیر مراد نہیں اور بہتر یہ ہے کہ اسمیں بھی چندہ دینے والوں سے دریافت کرلیا جائے للخروج من الخلاف اور صدقاتِ واجبہ کی رقم کو مسجد یا کنویں وغیرہ میں لگانا جائز نہیں کیونکہ اس میں تملیک ضروری ہے۔

وقد صرحوا بعدم تعيين المكان والزمان والفقير في الصدقات والنذور وغيرها من الصدقات الواجبة بل تتادى بالاداء الى اى فقير شاء۔

قال الشامی: تحت قول الدر: وللوكيل (فى الزكوة) ان يدفع لولده الفقير وزوجته لا لنفسه مانصه وهذا حيث لم يامره بالدفع الى معين اذ لو خالف ففيه قولان حكاهما فى القنية، وذكر فى البحر ان القواعد تشهد للقول بانه لا يضمن لقولهم لو نذر التصدق على فلان له ان يتصدق على غيره اھ (ص ۱۷ ج ۲)

اور اگر چندہ دینے والے زندہ نہ ہوں یا ان کا پتہ نہ چل سکتا ہو تو زکوٰۃ وغیرہ صدقاتِ واجبہ کا تو وہی حکم ہے جو اوپر مذکور ہوا اور صدقاتِ واجبہ کے علاوہ جو رقم ہے وہ اس مدرسہ کے ملک تھی اور اوقاف کے مملوکات کا حکم بھی مثل اوقاف کے ہے۔

وقد صرح فى الهندية عن فتاوى النسفى: سئل شيخ الاسلام عن اهل قرية افترقوا وتداعى مسجد القرية الى الخراب وبعض المتغلبة ليتولون على خشب المسجد وينقلون الى ديارهم هل لواحد ان يبيع الخشب بامر القاضى ويمسك الثمن ليصرفه

عہ اور حضرت حکیم الامت کے نزدیک چندہ والوں سے پوچھنے یا ان کو واپس کرنیکی ضرورت نہیں بلکہ کسی دوسرے قریب مدرسہ میں صرف کردیا جائے۔

الی بعض المساجد او الی ھذا المسجد قال: نعم، کذا فی المحیط،
وفیہ ایضاً: او قاف علی قنطرۃ فیبس الوادی وصار الماء الی
شعب اُخریٰ واحتیج الی عمارۃ قنطرۃ ھذا الوادی الجدید ھل
یجوز صرف غلات الاول الی الثانیۃ ینظر ان کانت القنطرۃ
الثانیۃ للعامۃ ولیس ھناك قنطرۃ للعامۃ اقرب الیھا جاز
صرف الغلۃ الیھا اھ (ص ۲۴۴ ج ۳)

پس اس رقم کو اس مدرسہ میں بھیجدیا جائے جو مدرسہ اولیٰ سے بہت قریب اور سب سے زیادہ نزدیک ہو۔ واللہ اعلم

از خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون

تفصیل الجواب الملقب بنقل الصدقات الی غیر الجھات

جواب سابق پر دو شبہے کئے گئے ہیں۔

ایک یہ کہ: جو چندہ صدقات واجبہ کی قسم سے نہیں اسمیں چندہ دینے والوں کو واپس کرنا لکھا گیا ہے یا انکی اجازت سے خرچ کرنا حالانکہ آگے چل کر اس رقم کو ملک مدرسہ مانا گیا ہے اس میں تعارض ہے

دوسرا شبہ یہ ہے کہ وکیل فی اداء الزکوٰۃ الی رجل معین کی صورت میں یہ کہا گیا ہے کہ وکیل کے حق میں تعیین لازم نہیں دوسرے مستحق کو بھی وہ دے سکتا ہے اس میں شامی کی بحث پر نظر کی گئی ہے حالانکہ قواعد سے شامی کا قول قوی ہے۔

اشکال اول کے متعلق یہ عرض ھے کہ چندہ والوں کو واپسی کا حکم کرنا اس رقم کے ملک مدرسہ ہونیکے منافی نہیں بلکہ مطلب یہ ھے کہ جب تک مدرسہ رہا اس وقت تک تو یہ رقم ملک مدرسہ تھی معطی یا اس کے وارث کو حق استرداد نہیں تھا اور جب مدرسہ نہ رہا تو یہ چندہ معطین کی ملک کی طرف عود کر جائے گا۔

قال فی الدر: ومثلہ فی الخلاف المذکور حشیش المسجد وحصرہ مع الاستغناء عنھما اھ — قال الشامی: قال الزیلعی وعلی ھذا حصیر المسجد وحشیشہ (الذی یفرش بدل الحصیر) یرجع الی مالکہ اذا استغنی عنھما عند محمدؒ وعند ابی یوسفؒ ینقل الی مسجد آخر وصح

فی الخانیۃ بان الفتویٰ علیٰ قول محمدؒ قال فی البحر وبہ علم ان الفتوی علی قول محمد فی آلات المسجد وعلی قول ابی یوسفؒ فی تابید المسجد والمراد بآلات المسجد نحو القندیل والحصیر بخلاف انقاضہ لما قدمنا عنہ (ای البحر) قریباً من ان الفتویٰ علی ان المسجد لا یعود میراثاً ولا یجوز نقلہ ونقل مالہ الی مسجد آخر اھ (ص۷۲۵ج۳)

قلت: ولا یخفیٰ ان الدراھم والدنانیر اشبہ بآلات المسجد منہا بالمسجد و بانقاضہ فالمختار فیہا قول محمد ومثلہا الکتب الموقوفۃ علی المدارس واللہ اعلم

اور صورتِ موجودہ میں قول محمدؒ پر فتویٰ دینا اسلئے بھی لازم ہے کہ مسجد و مدرسہ کیلئے دراہم[عہ] و دنانیر کا ھبہ کرنا انہی کے نزدیک صحیح ہے نہ دوسروں کے ۔

قال فی الحامدیۃ : اوصیٰ بشیٔ للمسجد لم تجز الوصیۃ الا ان یقول الموصی ینفق علیہ لانہ لیس باھل للتملیک والوصیۃ تملیک وذکر النفقۃ بمنزلۃ الوقف علی مصالحہ وعند محمد یجوز لانہ یحمل علی الامر بالصرف الی مصالحہ تصحیحاً للکلام وبقول محمد افتی مولانا صاحب البحر منح اھ (ص۲۸۷ج۲)

وکذا فی الشامیۃ عن المعراج : اوصیٰ بشیٔ للمسجد الحرام لم یجز الا ان یقول ینفق علی المسجد لانہ لیس من اھل الملک و ذکر النفقۃ بمنزلۃ النص علی مصالحہ وعند محمد یصح ویصرف الی مصالحہ تصحیحاً لکلامہ اھ (ص۶۵۲ج۵)

اور اشکال ثانی کے متعلق یہ عرض ہے کہ تعیین کی دو صورتیں ہیں ایک تعیین فقراء مکان مخصوص یعنی تعیین بالوصف الاجمالی

عہ حضرت حکیم الامت نے فرمایا کہ امام محمدؒ نے جو وجہ صحتِ ھبہ کی بیان فرمائی ہے اس پر امام ابو یوسفؒ کی نظر نہیں گئی اگر انکی نظر بھی جاتی تو وہ بھی اسکو صحیح کہتے لھذا اگر صحتِ ھبہ پر قول محمدؒ پر فتویٰ ہو اور عدم عود الی ملک المعطی میں قول ابی یوسفؒ پر تو تلفیق لازم نہ آئے گی ۔

حکاہ عنہ المولوی عبد الکریم

مسجد قیامت تک مسجد رہتی ہے | **سوال:** وقف مسجد وغیرہ کا مصرف کبھی نہیں بدلتا اسکی بابت بقدر ضرورت کچھ دلائل ائمہ کرام کے اقوال سے تحریر فرمادیئے جائیں

الجواب

قال فی الدر: لو استغنیٰ عنه وخرب ماحوله یبقی مسجداً عند الامام والثانی ابداً الیٰ قیام الساعة وبه یفتی حاوی القدسی وعاد الی الملك ای ملك البانی او ورثته عند محمدؒ (وانما یعود الی ملکه عنده ماخرج عن الانتفاع المقصود بالکلیة کحانوت احترق ولا یستاجر بشیء واما ماکان معداً للغلة فلا یعود الی الملك الا نقضه وتبقی ساحته وقفاً تؤجر ولو بشیء قلیل اھ (شامی) وعن الثانی ینقل الی مسجد آخر باذن القاضی اھ (ص ۳۰۷ و ۴۷۰ ج ۳)

واللّٰہ تعالیٰ اعلم وعلمه اتم واحکم

از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ

۶ر جمادی الثانی ۱۳۴۵ھ

صحت وقف مسجد کیلئے تسلیم الی المتولی ضروری ہے یا نہیں | **سوال:** کیا یہ ضروری ہے کہ ہر مسجد میں امام، منتظم، متولی مقرر ہی ہو کیا بدون اس کے وقف صحیح نہیں ہوسکتا؟

الجواب

صحت وقف مسجد کیلئے امام ابویوسف رحمہ اللہ کے نزدیک صرف اتنا کہدینا کافی ہے "جعلتُه مسجداً" میں نے اسکو مسجد بنادیا اور امام ابوحنیفہ اور امام محمد رحمہما اللہ کے نزدیک تسلیم بھی شرط ہے خواہ متولی کے سپرد کردے یا کم ازکم اس میں جماعت کے ساتھ ایک دفعہ نماز پڑھ لی جائے

قال فی الدر: ویزول ملکه عن المسجد والمصلی بالفعل او بقوله جعلتُه مسجداً عند الثانی وشرط محمد والامام الصلوٰة فیه بجماعة وقیل یکفی واحد وجعله فی الخانیة ظاهر الروایة اھ

وقال الشامی: وعلیه المتون کالکنز والملتقی وغیرهما وقد علمت

تصحیح الاول (ای اشتراط الجماعۃ) وصححہ فی الخانیۃ ایضاً وعلیہ اقتصر فی کافی الحاکم فھو ظاھر الروایۃ ایضاً اھ

لیکن اگر کسی مسجد کا مؤذن وامام ایک ہی شخص ہو اور اس میں وہ اکیلا نماز پڑھ لے تو تنہا اسی کی نماز سے مسجدیت کا تحقق بالاتفاق ہو جائیگا۔

قال فی الفتح :۔ ولو اتحد الامام والمؤذن وصلّٰی فیہ وحدہ صار مسجداً بالاتفاق لان الاداء علی ھذا الوجہ کالجماعۃ ـــ قال فی النھر: واذ قد علمت ان الصلوٰۃ فیہ قد اقیمت مقام التسلیم علمت انہ بالتسلیم الی المتولی یکون مسجداً دونہا ای دون الصلوٰۃ وھذا ھو الاصح کما فی الزیلعی وغیرہ فی الفتح وھو الاوجہ لان بالتسلیم الیہ یحصل تمام التسلیم الیہ تعالیٰ اھ (ص ۲۷ ج ۳۔ شامی)

واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم

از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ

۶ر جمادی الثانی ۱۳۴۵ھ

ممبر نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے کتنے درجے تھے۔

سوال : کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرعِ متین اس اس مسئلہ میں جو زید اور بکر کے قول اور اقولہ جو مندرجہ ذیل ہیں کس کا حق اور صداقت پر مبنی ہے اور کس کا شر وفساد کا سبب ہے کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ وغیرہ سے ارشاد بدلائل مع حوالہ فرمائیں۔

(قول) زید: ہمارے دیار کی مسجدوں کے ممبر تین ہی درجہ کے قدیم سے ہمارے دیار کے علماء رکھوانے کا سبب یہ ہے کہ صحیح مسلم کی صریح حدیث کریم نووی شرح مسلم شریف کی تصریح سے صریحاً ثابت ہوتا ہے کہ ممبر شریف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تین درجہ تھے اور فارسی اردو، سیر اور تاریخ کی کتابوں سے بھی تین ہی درجہ ثابت ہوتے ہیں اور چار درجہ رکھنا بھی جائز ہے کیونکہ شامی حاشیہ در مختار میں تصریح ہے کہ تین درجہ سوا اس درجہ کے ہیں جو کہ مسماۃ بالمستراح ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

(اقولہ) بکر: چار درجہ کا ممبر رکھنا سنت ہے اور چار سے زیادہ درجہ بھی کیونکہ رد المحتار اور تحفہ میں ہے ان کے برابر کوئی کتاب معتبر نہیں ہے تین درجہ ممبر رکھنا سنت

کے خلاف، مکروہ اور بُرا ہے۔ اور تین درجہ کا ممبر جہاں ہو اسکو چار درجہ بنانا چاہیئے، فارسی اُردو کی سیر اور تاریخ کی کتابوں کا اعتبار کرنا ہی نہیں فقط

الجواب

قال الحافظ فی فتح الباری: ان فی الاحادیث الصحیحۃ انہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یستند الی الجذع اذا خطب ولم یزل المنبر علی حالہ ثلث درجات حتی زادہ مروان فی خلافۃ معاویۃ ست درجات من اسفلہ ثم ذکر سبب ذالک اھ (ص ۳۳۱ ج ۲)

وروی ابو داؤد عن تمیم الداری انہ قال لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الا اتخذ لک ممبراً یارسول اللہ یجمع اویحمل عظامک قال: بلی فاتخذ لہ ممبراً مرقاتین اھ

وقال سیدی مولانا خلیل احمد دام مجدہ (فی شرحہ قال الحافظ واسنادہ جید) فاتخذ لہ ممبراً مرقاتین ای درجتین وبین مافی الصحیح انہ ثلث درجات منافاۃ،

قلت: الذی قال مرقاتین لم یعتبر الدرجۃ التی کان یجلس علیہا النبی صلی اللہ علیہ وسلم اھ (ص ۱۷۸ ج ۲)

اس سے معلوم ہوا کہ ممبر نبوی کے کل درجے تین ہی تھے مع اس درجہ کے جس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم جلوس فرماتے تھے اور جن درجوں پر چڑھا جاتا ہے وہ دو تھے، پس حاصل یہ ہوا کہ چڑھنے کی سیڑھیاں دو تھیں اور ان کو درجہ جلوس کے ساتھ ملانے سے کل درجات تین تھے، اور شامی میں جو کہا ہے "وممبرہ صلی اللہ علیہ وسلم ثلاث درج غیر المسماۃ بالمستراح اھ (ص ۸۶۰ ج ۱)"، اس میں مستراح سے مراد درجہ جلوس نہیں ہے بلکہ وہ پنکھا ہے جو درجہ جلوس پر پشت کی جانب کمر لگانیکو بنادیا جاتا ہے، مطلب شامی کا یہ ہے کہ مستراح کو یعنی مستند ظہر کو تین درجات میں شمار نہ کیا جائے بلکہ تین درجات اس کے علاوہ ہوں پس یہ عبارت فتح الباری اور عینی کی عبارت کی منافی نہیں اور اگر مستراح سے درجہ جلوس مراد لیا جائے جیسا کہ قائل دوم کہتا ہے اور اس عبارت شامی کو فتح وعینی کے منافی مانا جائے تو شامی کی عبارت کو ترجیح نہیں ہو سکتی کیونکہ وہ بلا سند نقل

کررہے ہیں اور فتح و عینی میں سند صحیح کے حوالہ سے تین درجات بتلائے ہیں اور علامہ شامیؒ سے اعلیٰ مرتبہ روایت ہیں محقق عینی کا ہے اور حافظ کا رتبہ تو اظہر من الشمس ہے پس صورت مسئولہ میں زید کا قول صحیح ہے بکر کا قول غلط ہے اور اگر وہ اس قول پر اصرار کرے تو مخطی ہے اور اگر نزاع کرے تو مفسد ہے۔

واللہ اعلم

از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ

۲۰ ررجب ۱۳۴۵ھ۔

مسجد میں کفش بردار کا تقرر اور اس کا ترک جماعت کرنا

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس بارے میں کہ یہاں رنگون کی اکثر مساجد میں یہ دستور ہے کہ متولیانِ مساجد ایک اور بعض جگہ دو، دو، دربان ملازم رکھتے ہیں، جو کہ نمازیوں کے جوتے اور چھتریاں وغیرہ اشیاء کی حفاظت کرتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ ملازم دربان جماعت میں شریک ہونے سے محروم رہتے ہیں۔ اور چونکہ تقریباً تمام مساجد رنگون میں جماعت ایک ہی وقت پر ہوتی ہے اسلئے یہ بھی نہیں ہوسکتا کہ وہ دربان دوسری مساجد میں جاکر نماز باجماعت ادا کریں اس کے علاوہ جماعت ہوجانے کے بعد بھی کسی قدر دیر تک نمازیوں کی آمد و رفت کا سلسلہ جاری رہتا ہے اس وجہ سے بھی دوسری قریبی مساجد میں نماز باجماعت ادا کرنے کیلئے نہیں جاسکتے جمعہ کی نماز میں چونکہ صفوں کا سلسلہ دربان کی حفاظت گاہ تک قائم ہوجاتا ہے اسلئے دربان جمعہ کی نماز میں شریک ہوجاتا ہے پس ارشاد ہو کہ آیا یہ دربان ترکِ جماعت کی وجہ سے گناہگار ہونگے یا نہیں؟ اور آیا متولیان مسجد دربانوں کی ترک جماعت کا سبب بننے کی وجہ سے عند اللہ ماخوذ ہونگے یا نہیں؟ اور آیا متولیان مسجد کو مسجد کی آمدنی سے دربانوں کو تنخواہ دینا جائز ہے یا نہیں؟ اور یہ بھی ارشاد ہو کہ آیا یہ مناسب ہے یا نہیں کہ بجائے مسلمانوں کے ہندو دربان جوتیوں وغیرہ کی حفاظت کیلئے ملازم رکھا جائے اس لئے کہ مسجد کا پہلا درجہ جو جماعت خانہ کے نام سے مشہور ہے سننے میں آیا ہے کہ بانی مسجد نے اس جماعت خانہ کو مسجد کیلئے وقف کیا ہے اور باقی حصہ سائبان اور صحن، دالان وغیرہ خارج مسجد ہیں اس وجہ سے سائبان میں میت کو رکھکر نماز جنازہ پڑھتے ہیں ایک صاحب یہ کہتے ہیں کہ

پُر آشوب اور پُر خطر زمانہ میں مسلمانوں کی خاص مہتم بالشان عبادت کے موقع پر کسی ہندو دربان کا دخیل ہونا ہرگز ہرگز مناسب نہیں بلکہ دور اندیشی کے خلاف ہے علاوہ ہندو کے غیر مسلم قوم کے دربان رکھے جانے میں کیا حکم ہے؟ جہانتک ممکن ہو جواب مدلل ارشاد ہوتا کہ مخالف کیلئے حجت قائم ہوسکے، بینوا توجروا۔

سر محمد عبدالرؤف، مدرسہ تعلیم الدین معلمیہ
۳۶ مغل اسٹریٹ، شہر رنگون،

الجواب

اس مسئلہ میں دو باتیں قابل لحاظ ہیں

اول۔ دربان کا ملازم رکھنا اور اس کو مسجد کی آمدنی سے تنخواہ دینا۔
دوم۔ دربان مسلم کا جماعت میں شریک نہ ہوسکنا۔

امر اول کا حکم یہ ہے کہ یہ دربان جو نمازیوں کی جوتیوں وغیرہ کی حفاظت کرتا ہے مصالح مسجد میں سے نہیں ہے ورنہ پھر نمازیوں کو پنکھا جھلنے والا بھی مصالح مسجد میں داخل ہو جائیگا، ولا یقول بہ احد هذا، جو آمدنی مسجد اور مصالح مسجد کیلئے وقف ہے اس میں سے اسکو تنخواہ دینا جائز نہیں۔ ہاں اگر کوئی جائیداد خاص اسی کیلئے وقف ہو یا کوئی شخص اسی کے واسطے کوئی رقم مسجد میں دیتا ہو کہ اس سے دربان کو تنخواہ دی جائے تو اس سے دربان کو تنخواہ دینے کا مضائقہ نہیں۔

امر دوم کا حکم یہ ہے کہ مسلمان کو ایسی ملازمت جائز نہیں جس میں باوجود قرب مسجد کے ترک جماعت لابدی ہو اور اگر اسکو ایسی ملازمت مل سکے جس میں جماعت کا ترک لازم نہ ہو تو ترکِ جماعت سے گناہ ہوگا بالخصوص اقامت اور قرب مسجد کی صورت میں، اور ملازم رکھنے والے بھی اگر نماز وجماعت کے شروع ہو جانے کے وقت اس کو خدمت دربانی سے سبکدوش نہ کریں تو سبب ترک جماعت ہونیکی وجہ سے معصیت میں گرفتار ہونگے اب اسکی چند صورتیں ہیں: یا تو اسی عہدہ کو اڑا دیا جائے اور مسجد کے اندر جا بجا چند صندوق رکھوا دئے جائیں جسمیں نمازی اپنے جوتے اور چھتریاں وغیرہ رکھدیا کریں یا دربان کو مقفل کوٹھری دی جائے جس میں وہ ان نمازیوں کی جوتی وغیرہ رکھکر قفل لگا دیا کرے جو جماعت سے پہلے آجاتے ہیں اور جو لوگ درمیان

جماعت میں آئیں انکی جوتوں کی حفاظت کا ذمہ دار نہ بنایا جاتے یا اس خدمت کیلئے کسی کافر کو مقرر کیا جائے اور یہ خدمت ایسی نہیں جس سے کافر کا عبادت میں دخیل ہونا لازم آئے۔ بلکہ ذلت کی خدمت ہے جس کیلئے کافر غیر مناسب نہیں آخر تعمیر مسجد وغیرہ میں بھی تو کفار سے خدمت لی جاتی ہے حالانکہ وہ خدمت اس سے اعلیٰ ہے، وظنی ان ھذا کلہ ظاھر۔ واللہ اعلم۔

از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ
۲۲، جمادی الاول ۱۳۴۳ھ

مسجد کے حجرے میں اہل وعیال رکھنا جائز ہے۔

سوال: بخدمت گرامی حضرت مولانا صاحب دام مجدکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

معروض کہ جس حجرہ کے متعلق استفتاء کیا گیا ہے اسکی حالت یہ ہے کہ ایک خالی میدان مسجد کے متصل تھا جہاں بول براز کیا جاتا تھا، اب جبکہ مسجد شریف کی نو تعمیر ہوئی ہے تب اس میدان کو حجرہ بنایا گیا ہے مسجد کی جنوبی دیوار اور حجرہ کی شمالی دیوار ایک ہی ہے یہاں کے بعض علماء کرام اس حجرہ کو مسجد شریف کے حکم سے خارج بتاتے ہوئے سکونت با اہل وعیال کے جواز کے قائل ہیں اور بعض فرماتے ہیں کہ یہ حجرہ فناء مسجد میں ہے جو مسجد کے حکم میں ہے اور فناء مسجد کی تعریف کرتے ہیں کہ ایسی جگہ جو اس کے اور مسجد کے درمیان شارع عام نہ ہو وہ فناء مسجد ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حجروں کو آپکی خصوصیات میں سے شمار کرتے ہیں، بندہ چونکہ غائبانہ آنحضرت کا سچا معتقد خادم ہے لہذا گذارش ہے کہ جو حق ہو اسکو مدلل طور پر ظاہر فرما کر ممنون فرمائیں۔

آپکا خادم، عبدالواحد عفی عنہ از لاڑکانہ ملک سندھ
اسٹیشن دادو شاہ بردوکانِ پیر محمد

الجواب

جائز ہے

قال فی الدر: واما المتخذ لصلاۃ الجنازۃ او عید فھو مسجد فی حق جواز الاقتداء لا فی حق غیرہ بہ یفتیٰ فحل دخولہ لجنب و حائضٍ کفناء مسجد اھ

قال الشامی: هو المکان المتصل بہ لیس بینہما طریق فہو کالمتخذ صلوٰۃ جنازۃ اوعید فیما ذکر من جواز الاقتداء وحل دخولہ لجنب ونحوہ کما فی آخر شرح المنیۃ (ص ۶۸۸ ج ۱)۔

اس سے معلوم ہوا کہ فناء مسجد میں جو حجرہ ہو اس میں دخول جنب وحائض جائز ہے پھر سکونت مع العیال میں کیا شبہ ہے البتہ اس میں چند شرائط ہیں:

(۱) متولی مسجد کی رضا اگر متولی نہ ہو تو اہل محلہ کی اجازت

(۲) بحالت جنابت مسجد میں آمدورفت نہ کرنا

(۳) حجرہ میں بول وبراز نہ کرنا جس سے مسجد میں بدبو آکر نمازیوں کو ایذاء ہو؛ ہاں اگر حجرہ بہت وسیع ہے جسکی ایک جانب میں بول وبراز کرنے سے مسجد میں بدبو نہ آسکے تو اسکی بھی گنجائش ہوگی، باقی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حجرات کو تخصیص پر محمول کرنا بلا دلیل ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ خصوصیت البتہ تھی کہ آپکو بحالت جنابت قبل از غسل بھی مسجد میں آمدورفت جائز تھی اور آپکے سوا کسی دوسرے شخص کو بحالت جنابت مسجد میں آمدورفت جائز نہیں۔

واللہ اعلم

از خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون

۹ رجمادی الثانی ۴۳ھ

نقل مسجد کی ایک صورت

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ کسی ضرورت کی وجہ سے مسجد کو نقل کرکے دوسری جگہ میں لیجانا درست ہے یا نہیں؟۔

دوسرا یہ کہ اگر تنگی مکان کی وجہ سے سب اہل محلہ متفق ہو کر مسجد کو نقل کرکے دوسری جگہ تیار کرلیں اور اس نئی مسجد میں جماعت پنجگانہ بھی ہوتی ہو تو اب اس کو مسجد کا حکم دیا جائیگا یا نہیں؟ اور اس مسجد میں نماز درست ہوگی یا نہیں؟۔

بینوا توجروا

المرسل: بندہ محمد عبد الکریم مدرس مدرسہ اسلامیہ کروائی لکی

الجواب

(۱) نقل مسجد جس ضرورت کیلئے کیگئی ہے اس ضرورت کو بیان کیا جائے تب جواب دیا جائے گا۔

(۲) تنگیٔ مکان کی وجہ سے دوسری مسجد بنانا تو جائز ہے مگر پہلی مسجد کو توڑنا جائز نہیں اور اگر ایسا کیا گیا تو دوسری مسجد تو مسجد ہو جائیگی اور اس میں نماز پڑھنا بھی درست ہوگا لیکن مسجد اول کے توڑنے کا گناہ ہوگا اور مسجد اول کی زمین کا محفوظ رکھنا واجب ہے اس میں زراعت یا تعمیر مکان جائز نہیں نہ اسکی بیع درست ہے بلکہ اس کے گرد احاطہ کھینچ کر یا تو اس میں نماز پڑھی جائے اور اگر نماز نہ پڑھ سکیں تو ویسے ہی بند کر دیں اور کسی دنیوی تصرف میں ہرگز نہ لائیں، واللہ اعلم

از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ

۸ رجب ۴۳ھ

امام ومؤذن کا تقرر بانیٔ مسجد کا حق ہے یا اہل محلہ کا۔

سوال: (۱) ما قولکم رحمکم اللہ اندریں مسئلہ کہ بانی مسجد برائے امامت، ومؤذن ومرمت وغیرہ اہل محلہ مستحق ترست یا نہ؟

(۲) رعند الضرورۃ اہل محلہ یک مسجد یک مسجد را دو ساختن و دو مسجد را یک مبتوان نمود یا چہ؟

الجواب

ا۔ اس میں تفصیل ہے کہ اگر بانیٔ مسجد نے مسجد بنانے کے بعد اہل محلہ میں سے کسی کو مسجد کا متولی بنا دیا ہے تو اس صورت میں متولی بانی سے اولیٰ ہوگا اگر بانی نے وقف کے وقت عزل متولی کا اختیار اپنے لئے ثابت نہ کیا ہو۔

قال فی العالمگیریۃ: وقف ضیعۃ لہ واخرجہا من یدہ الی قیم ثم اراد ان یأخذہ من یدہ فان کان شرط لنفسہ فی الوقف انہ العزل والاخراج من ید القیم کان لہ ذالک وان لم یکن شرط ذالک فعلی قول محمد لیس لہ ذالک وعلی قول ابی یوسف لہ ذالک ومشائخ بخارا یفتون بقول محمد وبہ یفتی اھ ملخصاً (ص ۲۲۰ ج ۳)

قلت: وھذا حکم الاخراج من ید القیم و تعرف البانی قبل الاخراج من ید القیم فالظاھر انه یلغو عند محمد لو لم یشترط العزل ویصح عند ابی یوسف ویصح عندھما لو شرط له العزل واللہ اعلم

ورنہ بانی اولیٰ ہے بشرطیکہ جس کو بانی نے امام یا مؤذن بنایا ہے وہ اہل محلہ کے تجویز کردہ امام ومؤذن سے بہتر ہو یا برابر ہو اور اگر اہل محلہ کا تجویز کردہ بہتر ہو تو اس صورت میں اہل محلہ کی تجویز بانی سے اولیٰ ہوگی۔

واما الثانی فلما فی شرح المنیة وان تنازع البانی فی نصب الامام والمؤذن مع اھل المحلة فان کان من اختارہ اھل المحلة اولیٰ من الذی اختارہ البانی فاختیار اھل المحلة اولیٰ لان نفعه وضررہ عائد الیھم وان کانا سواءً فاختیار البانی اولیٰ، کذا فی البزازیة والخلاصه اھ (ص ۵۰۱)

(۲) صحیح ہے مگر یہ ضروری ہے کہ اگر اہل محلہ ایک مسجد کو بغرضِ نفسانی دو بنائیں گے تو گناہ ہوگا اور اگر ضرورتِ شرعیہ سے ایسا کریں تو مضائقہ نہیں اور دو مسجدوں کو ایک کرنا جب جائز ہے کہ دونوں متصل ہوں، اور اگر دونوں میں کچھ فاصلہ ہے تو جائز نہیں، البتہ اگر اس فاصلہ کو بھی وقف کرکے متصل کردیں تو جائز ہے۔

واللہ اعلم

از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ

۱۲ر رجب ۴۳ھ

کرایہ کی زمین پر مسجد بنانے کا حکم

سوال: عرض یہ ہے کہ صورتِ ذیل میں بناءِ مسجد کا از روئے شرع شریف کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

(شرائط منجانب کمپنی متعلق زمین جو مسجد کے لئے دینی ہے)

(۱) یکم اپریل کو ایک روپیہ سالانہ کرایہ زمین کا ادا کرنا ہوگا۔

(۲) اسی زمین پر مسجد و دیگر مکانات ضروریاتِ مسجد بنائے جائیں نہ دوسرے۔

(۳) نقشہ جب تک کمپنی سے منظور نہ کرالیں تعمیر شروع نہ کریں۔

(۴) مسجد و دیگر عمارات کی معقول نگرانی و حفاظت کرنی ہوگی۔

(۵) بغیر اجازتِ کمپنی کوئی حصہ زمین یا عمارت کسی کو نہیں دے سکتے

(۶) نقشہ کے علاوہ کوئی جدید عمارت بغیر منظوری کمپنی نہیں بنا سکتے۔

(۷) جب کمپنی کو شدید ضرورت ہوگی تو مسجد کے علاوہ دوسری عمارت یا زمین پر نوٹس کے چھ ماہ بعد قبضہ کرلیگی اور جن دیگر عمارت پر قبضہ کریگی اس کی قیمت اس وقت کے نرخ بازار سے دیگی بصورتِ اختلاف فیصلہ کیلئے طرفین میں سے ایک مجلس شوریٰ بیٹھے گی اور اس کا فیصلہ طرفین پر واجب العمل ہوگا۔

(۸) اگر کمپنی کو کسی وقت یہ معلوم ہوگا کہ مسجد و دیگر عمارتوں کی مسلمانوں کو ضرورت نہیں ہے اس وقت بغیر معاوضہ تعمیر کل عمارات و مسجد پر قبضہ کرلیگی۔

(۹) حسب ۷ و ۸ جب کمپنی قابض ہوجائیگی اس وقت یہ شرط نامہ بیکار ہوجائیگا۔ والسلام

عظیم الدین سکریٹری انجمن حمایت الاسلام

جمشید پور۔ نمبر ۱۳۔ یم ورڈ

یکم مارچ ۱۹۲۵ء

الجواب: ۱ و ۸ مندرجہ سوال سے معلوم ہوتا ہے کہ کمپنی اس زمین کو مسلمانوں کی ملکیت نہیں کرتی بلکہ بطور اجارہ مستمرہ کے دیتی ہے اور جب زمین مسلمانوں کی ملک میں داخل نہیں ہوئی تو وقف صحیح نہیں ہوسکتا اور بدون وقف کے مسجد مسجدِ شرعی نہیں ہوسکتی اس صورت میں اس مسجد میں نماز تو درست ہوگی مگر اس کیلئے مسجد کے احکام ثابت نہ ہونگے۔ واللہ اعلم

از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ

۲۱ر شوال ۴۳ھ

سوال: ایک ریاست میں مسلمانوں نے سوبرس سے چند مساجد تعمیر کر رکھی ہیں لیکن ان مساجد کا وقف نامہ باقاعدہ عدالتہائے ریاست میں محفوظ	ان قدیم ریاستی چھاونیوں کی مساجد کا حکم جنکے وقف محفوظ نہ رہے ہوں۔

نہیں اور نہ مسلمانوں کے پاس ہے البتہ یہ امر متیقن ہے کہ اس جگہ مساجد کی تعمیر ریاست کے راجہ کے اذن سے ہوئی ہے کیونکہ شہر میں کوئی مسجد یا مندر بدون اجازت راجہ کے تعمیر نہیں ہوسکتی نیز راجگان سابقین بھی ان مساجد کو مساجد تسلیم کرتے آئے ہیں

اور ان میں سے ایک مسجد میں جمعہ کی نماز بھی باقاعدہ ہمیشہ سے ہوتی آرہی ہے اور بقیہ مساجد کے پاس بھی مسلمانوں کی آبادی کافی مقدار میں ہے لیکن راجہ حال ان مساجد کو منہدم کرنا چاہتا ہے اور بہانہ یہ ہے کہ مساجد کے لئے جو زمین ریاست کی طرف سے دی گئی تھی وہ ہمیشہ کے واسطے نہیں دی گئی تھی بلکہ یہ مساجد جن حدود میں ہیں وہ ملٹری کے رہنے کی جگہ ہے اور ملٹری کی زمین کسی کو ہمیشہ کیلئے نہیں دیجاتی بلکہ اس وقت تک کیلئے دی جاتی ہے جب تک وہاں چھاؤنی رہے اور اگر وہ چھاؤنی منتقل ہو جائے تو زمین بھی سب کرایہ داروں سے واپس لے لی جاتی ہے اور ہر شخص کو اپنی عمارت کا ملبہ اٹھانیکا اختیار ہوتا ہے پس یہ زمین مساجد کیلئے وقف نہ تھی بلکہ عارضی طور پر دی گئی تھی جس پر مسلمانوں نے غصباً دعویٰ وقف کر لیا ہے، راجہ کے پاس اس دعویٰ کا کوئی تحریری ثبوت نہیں صرف ملٹری کا قانون دلیل میں پیش کرتا ہے اور یہ جگہ جہاں یہ مساجد ہیں ہمیشہ کیلئے فوج کی چھاؤنی نہیں ہے صرف بیس سال سے یہاں چھاؤنی ہے اور مساجد بعض سٹو برس کی بناء شدہ ہیں اس صورت میں ان مساجد کے وقف یا عدم وقف کے متعلق شرعی فتویٰ کیا ہے؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب

حامداً و مصلیاً و مسلماً

مساجد متنازعہ شرعاً حقیقی اور شرعی مساجد ہیں جنکے متعلق قرآن شریف میں ارشاد ہے، وَاَنَّ الْمَسَاجِدَ لِلّٰهِ، تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ بلاعین اور فرمان روایان مملکت اپنی مملکت کے شرعاً مالک نہیں ہوتے بلکہ بدون مالکیت محل تصرف میں متصرف ہوتے ہیں چنانچہ مِلک اور مالک کا فرق صریح اس پر دلالت کرتا ہے مالک وہ ہوتا ہے جو اپنی مملوکات میں بحیثیت مالکیت تصرف کرتا ہے اور ملک وہ ہوتا ہے جو اپنی مملکت میں بحیثیتِ تسلط باعتبار اوامر ونواہی واعطاء ومنع تصرف کرتا ہے نہ کہ باعتبار مالکیت، بادشاہ جس ملک کو فتح کرتے ہیں وہ فتح عنوۃً ہوتا ہے اسکی زمینیں اور جائیدادوں پر اور املاک کا انکو اختیار ہوتا ہے کہ وہ اپنے لوگوں پر تقسیم کر دیں یا وہاں کے لوگوں کو ٹیکس لگا کر دیدیں اگر اپنے لوگوں کو دیں تو وہ انکی ملک میں داخل ہو جائینگی بلکہ جو شخص کسی افتادہ غیر مملوک زمین کو قابل کاشت بنائے

تو وہ اسکی ملک میں باذنِ فرمانروا داخل ہو جائیگی اور اگر صلحاً فتح ہوتا ہے تو اس مُلک کی مملوکات ان لوگوں کی جو وہاں رہتے ہیں ملک میں باقی رہتی ہے عالمگیری میں ہے

سلطان اذن لقوم ان یجعلوا ارضاً من ارض البلدة حوانیت موقوفة علی بعد وامرهم ان یریدوا فی مساجدهم تنظر ان کانت البلدة فتحت عنوةً یعنی رامره اذا کان لا یبض بالمارة لان البلدة اذا فتحت عنوةً صارت ملکاً للغزاة فجاز امر السلطان فیها وان فتحت صلحاً بقیت البلدة علی ملکهم فلو یجز امر السلطان فیها کذا فی محیط السرخسی وغیره (ص ۲۰۲ باب احکام المسجد کتاب الوقف)۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ مملوک زمین تو جب تک مالک کی طرف سے مسجد کا اعلان نہ ہو اور قولاً یا فعلاً مسجد نہ قرار دی جائے اور اس وقت تک مسجد نہ ہوگی، لیکن ان زمینوں میں جن پر کسی کی خاص مِلک نہیں اور والیانِ ملک کے تصرف میں وہ زمینیں ہیں انکی طرف سے اذن کے ساتھ یا بلا اذنِ صریح سکوت کے ساتھ جو مسجد بنائی جائیگی وہ مسجد ہوگی اور اس کے تمام احکام مسجد کے احکام ہونگے اور اسکا احترام قیامت تک واجب ہوگا خواہ وہ آباد ہو یا غیر آباد اور نیز کوئی تعمیر ہو یا نہ ہو، مساجد متنازعہ مسلمانوں نے اس زمین پر بنائیں جو فرمان روایانِ ملک کے تحت تصرف نہیں اور انکی عمارت پر خواہ خام تھی یا پختہ سو سال سے زائد گذر گئے اور فرمان روایانِ ملک کی طرف سے کسی قسم کا اعتراض نہیں ہوا تو کم از کم یہ بدیہی امر ہے کہ فرمان روایان کی طرف سے اس پر سکوت رہا جو بمنزلہ اذن کے ہے،

بلکہ مہاراجہ حال کے بیان سے جو مکالمہ شائع ہوا ہے صاف ظاہر ہے کہ انکے بنا نیکی مہاراجگان سابق نے ضرور اجازت دی تھی کیونکہ مہاراجہ حال فرماتے ہیں کہ ریاست میں عام حکم ہے کہ کوئی مسجد یا مندر راجہ کی اجازت کے بغیر تعمیر نہیں ہوسکتی اس سے صاف ثابت ہے کہ جب حکم عام ہے تو مساجد متنازعہ بالضرور اذن کے بغیر نہیں بنائی گئیں اور جب اذن سے بنائی گئیں تو وہ مساجد، مساجد ہوگئیں پس راجہ کی طرف سے یہ عذر کہ مساجد کی زمین راجہ کی ملکیت ہے اور نیز یہ عذر کہ ریاست نے مسجدوں کے لئے زمین نہیں دی تھی رسالہ کے افسرنے اپنی ذمہ داری پر بنوادی تھی قابل تسلیم نہیں اور نیز راجہ کی طرف سے یہ عذر کہ فوجی حدود میں تو فوجی قانون کے موافق کوئی زمین غیر فوجی اغراض کیلئے دواماً نہیں دی جاسکتی یہ بھی

تسلیم نہیں اول یہ کہ یہ قانون محض ایک انگریزی قانون ہے۔ دوسرے یہ قانون حادث ہے اور جس زمانے میں مسجدیں بنی تھیں اس وقت یہ قانون نہیں تھا۔ تیسرے یہ کہ جو فوج اس احاطہ میں رکھی گئی تھی وہ کوئی باقاعدہ فوج نہیں تھی، چوتھے یہ کہ باعتبار حکم شرعی کے اگر فوجی احاطوں میں فوج باذن اہل ملک میں مسجدیں بنالیں تو وہ مسجدیں دواماً مسجدیں رہینگی اگر یہ قانون ہمیشہ سے ہوتا۔ اور اس کا کچھ ثبوت ہوتا تو ضرور رہتا کہ راجہ کی طرف سے اپنی ثبوت میں اس قانون کو نکال کر وفد کو دکھلا دیتے اور زبانی کہنے پر اکتفا نہ کرتے اور نیز اگر کوئی ایسا قانون ہوتا تو ضروری تھی کہ وہ قانون سے زمین کی واپسی کے متعلق کوئی تحریری معاہدہ راجہ کے دفتر میں موجود ہوتا پس اس سے صاف ثابت ہے کہ مساجد متنازعہ باجازت مہاراجگانِ سابق بنائی گئی تھیں اور یہ مساجد حقیقی اور شرعی مساجد ہیں جنکا حکم یہ ہے کہ اس میں کسی قسم کا تغیر و تبدل بطور ملکیت کے اور نقل و تصرف جائز نہیں اور تا قیامت ان کا احترام ضروری ہے۔

املاہ الاحقر الضعیف خلیل احمد عفی عنہ

بقلم ضیاء

عزیزم مولوی ظفر احمد صاحب مدفیوضکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ
مساجد بھرتپور کے متعلق اور میری رائے یہی تھی کہ یہ مساجد حقیقی مساجد نہیں ہیں لیکن بعد غور میں نے اس رائے سے رجوع کیا اس کے متعلق جو میرے خیالات ہیں اس پرچہ میں لکھدئے ہیں آپ ھی دیکھ لیں اور حضرت کی خدمت میں بھی پیش کردیں فقط والسلام۔

الجواب من جامع امداد الاحکام

قال فی الاسعاف (ص ۱۳۲) : ارأیت ھذہ الوقوف التی تقادم اھلھا ومات الشھود الذین یشھدون علیھا ما السبیل فیھا؟ قال: ما کان فی ایدی القضاۃ منھا وما کان لھا رسوم فی دواوین القضاۃ اجریت علی الرسوم الموجودۃ فی دواوینھم استحساناً اذا تنازع اھلھا فیھا ومالو یکن لھا رسوم فی دواوینھم یعمل علیھا فالقیاس فیھا اذا تنازع القوم فیھا ان یحملوا علی التثبیت فمن ثبت فی ذلک

شیئاً حکم لہ بہ اھ

اس نص کا مقتضا یہ ہے کہ مساجد متنازعہ فیہا کو مساجد موقوفہ ہی قرار دیا جائے کیونکہ مساجد کا مسلمانوں کے ہاتھ میں ہونا اور عامۃ المسلمین کا اسمیں آزادی کے ساتھ بالجہر نماز جمعہ وغیرہ ادا کرنا حکماً ایسا ہی ہے جیسا کہ کسی وقف پر قضاۃ المسلمین کا قبضہ ہوا اور صورتِ نزاع میں راجہ نے اپنی ملک کا کوئی ثبوت نہیں دیا بجز اس کے کہ وہ اس قانون کی آڑ پکڑتا ہے فوجی بارک کی حدود میں کوئی زمین کسی کی ملک نہیں ہوتی اور ظاہر ہے کہ یہ دلیل ثبوت ملک راجہ کیلئے ناکافی ہے کیونکہ بہت دفعہ راجگان خلاف قاعدہ بھی جودوعطا کر دیتے ہیں تو ممکن ہے کہ اس قاعدہ کے خلاف راجگانِ سابقین نے یہ زمین مسلمانوں کو ھبہ کردی ہو جسکی تائید مسلمانوں کی تعمیر مسجد و استحکام عمارات وغیرہ سے ہوتی ہے، واذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال، نیز راجہ نے اس کا بھی کوئی ثبوت نہیں دیا کہ ملٹری (فوجی) حدود میں کسی زمین کا کسی کے ملک میں نہ ہونیکا قانون ان مسجدوں کی بناء سے سابق ہے یا مسبوق ممکن ہے کہ بناء مساجد اس قانون سے متقدم ہو تو پھر یہ دلیل اصل ہی سے باطل ہو جائیگی اور اس کے ثبوت کے بعد بھی بوجہ احتمال سابق کے یہ قانون دلیل ابطالِ وقف نہیں بن سکتا جبتک کہ راجہ اس کا کافی ثبوت نہ دے کہ مسلمانوں نے غصباً اس زمین میں مساجد تعمیر کی ہیں

اور اگر تسلیم کر لیا جائے کہ مسلمانوں نے ملک غیر ہی میں مساجد بنائی تھیں تو یہ وقف فضولی ہوا جو مالک کی اجازت کے بعد نافذ و صحیح ہو جاتا ہے۔

قال فی الاسعاف: فان قال قد جعلتُ ارض فلانٍ صدقۃً موقوفۃً للہ عز وجل ابداً علی فقراء المسلمین فبلغ صاحب الارض ذالک فقال قد اجزت ما صنعہ فلان فی ارض قال: تکون وقفاً اھ (ص ۱۲۹)

قلت: ولا یشترط لوقف المسجد قولہ وقفت بل یکفی لہ البناء واذن الناس فی الصلوٰۃ والجماعۃ کما سیأتی والاجازۃ من المالک کما تکون صراحۃً قد تکون دلالۃً ایضاً ومعاملۃ السلاطین الماضیۃ بالمتنازع فیہ معاملۃ المساجد دلیل رضاھم بھذا الوقف۔

اور بقدر منزل اگر تسلیم کر لیا جائے کہ راجگان سابقین نے تعمیر مسجد کی تو اجازت

دیدی تھی لیکن زمین مسلمانوں کی ملک نہ تھی تب بھی یہ مساجد وقف ہیں جنکے انہدام کا راجہ کو کوئی حق نہیں، بہت سے بہت وہ مسلمانوں سے زمین کا کرایہ لے سکتا ہے کیونکہ اگر ارض غیر موقوف میں عمارت بنا کر عمارت کو وقف کر دیا جائے اور وہ عمارت مالک ارض کی اجازت سے ہوئی اور مالک بھی بادشاہ ہے اور زمین، ارضِ محتکرہ کی قبیل سے ہے تو وقفِ عمارت صحیح ہو جاتا ہے اور بادشاہ کو انہدام وقف کا کوئی حق نہیں رہتا

قال فی الدر: سئل قارئ الهداية عن وقف البناء والفراس بلا ارض فاجاب، الفتوىٰ على صحة ذالك ورجحه شارح الوهبانية واقره المصنف معللاً بانه منقول فيه تعامل فيتعين به الافتاء اھ

وفی رد المحتار وذكر فی اوقاف الخصاف: ان وقف حوانيت السوق يجوز ان كانت الارض باجارة فی ايدی الذين بنوها لا يخرجهم السلطان عنها من قبل انا رأينا ها فی ايدی اصحاب البناء توارثوها وتقسم بينهم لا يتعرض لهم السلطان فيها ولا يزعجهم وانما له غلة يأخذها منهم وتداولها خلف عن سلف ومضى عليها الدهور وهی فی ايديهم يتبايعونها ويؤجرونها وتجوز فيها وصاياهم ويهدمون بناءها ويعيدونه ويبنون غيره فكذالك الوقف فيها جائز اھ

میں کہتا ہوں کہ ملٹری حدود کی زمین بھی چھاونی میں رہنے والوں کو اسیطرح راجہ کی طرف سے دی جاتی ہے جیسا کہ ارضِ سوق کا حال عبارتِ ہذا میں مذکور ہے، پس ایسی زمین میں عمارت بنا کر اگر مسلمان وقف کر دیں تو عمارت وقف ہو جائیگی اور راجہ کو اس کے انہدام کا حق نہ ہوگا غایت ما فی الباب وہ کرایہ زمین کا لے سکتا ہے اور عمارت کا وقف ہونا ظاہر ہے، لکونها مسجدا يصلی فيه المسلمون عامتهم، والله اعلم

قال فی العالمگیریة: من بنی مسجداً لم يزل ملكه عنه حتی يفرزه عن ملكه بطريقه ويأذن بالصلوة فيه اھ (ص ۲۳۸ ج ۳)

قلت :- دل على ان البناء وافرازه كافٍ ولا يشترط له القول فقط -

مسجد کے حجروں کا مسجد سے الحاق اور بیع ارضِ موقوفہ علی المسجد برائے تعمیر

سوال : (۱) کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ مسجد کی بناءِ اول کے وقت جو حجرات بغرض سہولت اماماں و متولیان و مسافر بنائے گئے تھے تنگی مسجد یا عدم تنگی کی صورت میں مسجد کے ساتھ ملائے جا سکتے ہیں یا نہیں ؟

(۲) قطعہ سفید زمین قریباً چھ مرلے بناتے مسجد سے کچھ زمانہ بعد بغرضِ مفاد مسجد خریدی گئی یا مفت حاصل کی گئی پھر اس میں باوجود حجرات قدیمہ مقبوضہ متولیان و اماماں ایک حجرہ اور بنایا گیا باقی زمین سفید پڑی رہی اور اس میں متولیان اور امامانِ مسجد اپنے جانور باندھتے رہتے ہیں اور اہل محلہ بھی عند الحاجت باجازتِ متولیان اسکو استعمال کرتے رہتے ہیں اور اسکی صفائی کا بھی کوئی اہتمام نہیں کیا جاتا مسجد کی عمارت کہنہ ہونے کے باعث متولیان و اہل محلہ اسکی تعمیر جدیدہ کا خیال رکھتے ہیں اور زمین مذکورہ کو فروخت کر کے اس کا زرِ ثمن مسجد پر لگانا چاہتے ہیں کیا اس صورت میں زمین مذکورہ کی بیع جائز ہے یا نہیں ؟ چونکہ زمین معطل پڑی ہوئی ہے اور مسجد کی ضرورت ہے اور اہل محلہ بھی بیع کرنے کو پسند کرتے ہیں لہذا کوئی صورت جواز کی مل سکتی ہے یا نہیں ؟

(۳) اس زمین سفید کی قیمت ڈیڑھ ہزار بلکہ دو ہزار فی مرلہ تک مل سکتی ہے مگر یکے از متولیان خود عالم فاضل ہیں اور بحیثیت متولی و امام ہونے کے عرصہ ۳۴ سال سے امامت کر رہے ہیں زمین مذکورہ کو اپنا رہائشی مکان بنانے کیلئے خریدنا چاہتے ہیں اس زمین کی قیمت میں رعایت خاص کے طالب ہو کر صرف ایک ہزار فی مرلہ دینا چاہتے ہیں۔ کیا شرعاً امام مذکور کو خاص رعایت پر دینی جائز ہے یا نہیں ؟ امام مذکور کے پاس اپنا قدیم رہائشی مکان بیچنے کے باعث رقم بھی ہے اور قدیم مکان کے متصل دو ڈھائی مرلہ زمین ان کے پاس اور موجود ہے مگر اس کی تعمیر میں یہ عذر پیش کرتے ہیں کہ اس میں ہوا اور روشنی کا کافی انتظام نہیں نیز مسجد سے دور فاصلہ پر چھ مرلہ سفید زمین بھی ان کے پاس موجود ہے مولوی صاحب طالب رعایت فرماتے ہیں کہ اگر مجھے خاص رعایت نہ دی گئی تو میں اپنا مکان دور ہونے کے باعث امامت چھوڑ دونگا اور مسجد کی ویرانی ہوگی طول عمری اور جہاں مکان بنائینگے وہاں کے قریب مسجد کا حق انہیں یہاں آنیسے بخیال ان کے روکتا ہے تبلیغ و وعظ رُک جانے سے نقصان عظیم ہوگا۔

المستفتی : غلام احمد
مدرس چک صحرا

الجواب

(۱) جب مسجد میں تنگی کی وجہ سے گنجائش کم ہے تو پھر بوجہ ضرورت اُن حجروں کا ملانا جائز ہے، علامہ شامیؒ نے فتح القدیر سے نقل کیا ہے:

ولو ضاق المسجد وبجنبه ارض وقف عليه اوحانوت جاز ان يوخذ ويدخل فيه. (شامی ج ۲ ص ۳۸۴)

(۲) جو زمین مصالح مسجد کیلئے خریدی گئی یا کسی کی عطا کردہ ہے وہ بھی مسجد کی طرح وقف ہے پس جس طرح کہ مسجد کے حصوں میں سے کسی حصہ کی بیع جائز نہیں اسی طرح اس زمین کا بھی فروخت کرنا جائز نہیں، فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ نے وقف کی بیع کو ناجائز فرمایا ہے

قال فی البحر: وفی الخلاصة وفی فتاوی النسفی: بيع عقار المسجد لمصلحة المسجد لا يجوز وان كان ذالك بامر القاضی ثم قال: ومن المشائخ من لم يجوز بيعه تعطل اولم يتعطل. (بحر الرائق)

وفی الشامی: ولا يملك ای لا يقبل التمليك بغيره بالبيع ونحوه،

(شامی جلد ۳ ص ۳۵۷)

وفيه ايضاً ولذا قال فی القنية: فالبيع باطل ولوقضى القاضی لصحته.

کتبہ عتیق الرحمٰن عثمانی	الجواب صواب
دار العلوم دیوبند	محمد انور عفا اللہ عنہ

جب بیع اسکی درست نہیں تو معلوم ہوا کہ متولیان اس کی بیع کی مزاحمت کرینگے اور یہ کسی اصلی قیمت یا رعایتی قیمت پر کسی طرح فروخت نہیں ہو سکتی، اور اماموں و متولیوں کو ایسے تصرفات جائز نہیں۔

الجواب صحیح
عزیز الرحمٰن
مفتی دار العلوم دیوبند

رد المحتار جلد ثالث ص ۵۶۷: جاز بیع المصحف الخرق وشراء

اخر بثمنه، شامی ص ۲، ۵۷ : باع الخشب وصرف الثمن الی مسجد آخر۔ اگر مسجد کے منافع کی ضرورت کیلئے وہ جگہ ضروری نہ ہو اور قیمت اچھی ملتی ہو اور مسجد کی بنا کی حاجت ہے تو میرے خیال میں جائز ہے کہ بیع کر کے مسجد کی بناء پر خرچ کریں مولوی صاحب جو مبالغ دینے کا ارادہ رکھتے ہیں وہ بھی قیمت میں مجرا کر دیں اور اہل محلہ کچھ چندہ کر کے مولوی صاحب کے ملک کر دیں پھر مولوی صاحب قیمت میں دیدیں۔ فقط

حسین علی بقلم خود

مقبول الرحمٰن ہزاروی عفی عنہ

اس زمین کی نسبت سوال میں واضح نہیں کیا گیا کہ وہ وقف علی المسجد کی گئی اور وقف کنندہ کون ہے متولیان کے بزرگان میں سے کسی نے اپنے ملک میں لاکر اپنی جانب سے وقف کی یا اصل مالک سے مسجد کیلئے وقف کرائی یا اصل مالک سے مسجد کیلئے بطور چندہ حاصل کر کے بیچ کر تعمیر مسجد پر لگائی جائے یا سرے سے وقف ہی نہیں اصل مالک نے خیرات کردی یا بزرگ متولیان نے اپنے ملک میں لاکر آئندہ کیلئے وصیت کردی کہ جب ضرورت ہو بیچ کر مسجد پر صرف کی جائے اس لئے جواب میں تفصیل ہوگی اگر واقع میں یہ ٹکرا بعد میں وقف کیا گیا اور اسکی تسجیل ہوگئی ہے تو اب وہ فروخت نہیں ہوسکتا کیونکہ وقف کے بارے میں مصرح ہے" فاذا تم لا یملك ولا یعار ولا یرهن تنویر الابصار"

اور اگر واقف نے اپنے بیان وقف میں صراحت کردی ہو کہ اس کی بیع بھی کر کے محل حاجت پر صرف کیا جائے تو یہ وقف نہیں ہوگا بلکہ وصیت ہو جائیگی "وشرطه شرط سائر التبرعات ای ان قال ولا ذکر معه اشتراط بیعه وصرف ثمنه لحاجته فان ذکر بطل وقفه، بزازیه درالمختار"۔ اگر وقف کی تسجیل از جانب قاضی وحاکم نہ ہوئی ہو تو قاضی وحاکم وقف کنندہ کی اولاد میں سے کسی کو بیع کی اجازت دے سکتے ہیں، درمختار میں ہے۔

اطلق القاضی بیع الوقف غیر المسجد لوارث الواقف فباع صح وکان حکماً ببطلان الوقف لعدم تسجیله حتی لو باعه الواقف او

بعده او رجع عنه او وقفه لجهة اخرىٰ حکم بالثانی قبل الحکم بطل ومر الاول صح الثانی لوقوعه فی محل الاجتهاد کما حققه المصنف (الی ان قال): ولو اطلق ای بغیر الوارث لا یصح بیعه لانه اذا بطل عاد الی ملك الوارث وبیع مال الغیر لا یجوز،

اور اگر وقف نہیں بلکہ مسجد کیلئے خیرات کیا گیا جس طرح بھی کام آئیگی، تو بمنزلہ وصیت ہے اسکی فروختگی قیم مسجد کے اختیار میں نہیں شرعاً اس میں کوئی ممانعت نہیں اور جو مال مسجد کے مفاد کیلئے ہو وہ مسجد کے شعائر پر صرف کیا جائیگا اور امام مسجد اس کے شعائر میں سے ھے۔ درمختار میں ہے:

الشعائر التی تقدم شرطه لم یشترط بعد العمارت ھی امام وخطیب ومدرس ووقاد وخراش ومؤذن و ناظر و ثمن وزیت وقنادیل وحصیر

امام کے ساتھ رعایت گویا عمارت وآبادی مسجد کے خاطر ہے پس جو چیز مفاد مسجد کیلئے ہو اس میں امام کیلئے رعایت جائز ہو سکتی ہے بشرطیکہ اس استحقاق کو امام صاحب تغلب کا حیلہ نہ بنائیں۔

واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم
حمید الدین از مانسہرہ

الجواب من جامع امداد الاحکام

اول یہ جاننا چاہئے کہ خود مسجد کا حکم الگ ہے اور اوقاف مسجد کا حکم الگ ہے مسجد کے متعلق تو مفتیٰ بہ یہ ہے کہ باوجود خراب ہو جانیکے اور مستغنی عنہ ہو جانے کے بیع نہیں ہو سکتی باقی اوقافِ مسجد کا حکم دیگر اوقاف کا حکم ہے۔

قال الشامی، وفی البرجندی:- والظاھر ان حکم عمارة اوقاف المسجد والحوض، والبئر وامثالها حکم الوقف علی الفقراء (ص۵۹۱ ج۳)

وفیه: وقال الناطفی: القیاس فی المسجد ان یجوز اجارة سطحه لمرمته محیط، وقال الدر: ومثله فی الخلاف المذکور حشیش المسجد وحصیره مع الاستغناء عنهما وکذا الرباط والبئر

اذا لم ینتفع بہما فیصرف وقف المسجد والرباط والبئر الی اقرب مسجد اورباط او بئر اوحوض الیہ اھ (ص ۵۷۴ ج ۳)

توجب ایک مسجد کے وقف کو بوقتِ استغناء دوسری مسجد میں صرف کردینا جائز ہے تو خود اسی مسجد کے وقف کو اس میں صرف کردینا کیوں جائز نہ ہوگا اور جب وقف معطل ہو جائے تو باذن قاضی یا برضاء اہل محلہ اسکو بیع کرکے بھی مسجد میں لگا دینا جائز ہے

قال صاحب الشامیۃ فی بیان الاستبدال بالوقف وبیعہ: اعلم! ان الاستبدال علی وجوہ الاول ان یشترطہ الواقف لنفسہ ولغیرہ او لنفسہ وغیرہ فالاستبدال جائز علی الصحیح وقیل اتفاقاً والثانی ان لا یشترط لکن صار بحیث لا ینتفع بہ بالکلیۃ بان لا یحصل منہ شئی اصلاً اولا یفی بمؤنتہ فھو ایضاً جائز علی الاصح اذا کان باذن القاضی ورأیہ المصلحۃ فیہ اھ (ص ۵۹۱ ج ۳)

قلت: واذا لم یوجد القاضی تقوم الجماعۃ مقامہ کما عرف

پس اس وقف کو بیع کرکے بجائے اس کے مسجد کی عمارت جدید بنا دینا ہمارے نزدیک جائز ہے جبکہ وہ زمین مسجد سے بیکار و معطل ہے اور مسجد کو تجدید کی ضرورت ہے باقی متولی کو یہ جائز نہیں کہ اسکو امام کے ہاتھ غبن فاحش سے بیع کرے پس ڈیڑھ ہزار کی زمین کو ہزار میں بیع کرنا غبن فاحش ہے بلکہ جو کوئی زیادہ قیمت دے اس کے ہاتھ بیع کرنا چاہئے اور امام کو اگر امداد کی حاجت ہو تو مسلمان اسکی امداد کریں مسجد کے مال میں کیوں طمع کی جاتی ہے۔

واللہ اعلم

از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ

۳، محرم ۴۴ھ

الحارس عن بعض مضائق المدارس

سوال: (۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس باب میں کہ ایک شخص نے مثلاً ایک ہزار رقم ایک مدرسہ دینیہ کے شعبہ تالیف کے لئے شروط ذیل پر وقف کیا یہ وقف صحیح ہو گیا یا نہیں؟

(۱) تالیف دینیات کے مصارف اسمیں سے ادا کئے جائیں۔
(۲) اور جو مؤلفات تیار ہوں ان کو طبع کرایا جائے۔
(۳) اور ان مطبوعات کو فروخت کر کے انکی قیمت کو پھر اسی مد میں جمع کر دیا جائے اور اسیطرح اس سے دوسرے مؤلفات تیار کی جائیں تالیفاً بھی طبعاً بھی وھکذا الی ماشاء اللہ۔
(۴) اور ان مطبوعات میں سے جتنے نسخے متولی صاحب مدارس دینیہ میں وقف کے طور پر داخل کر دے۔
(۵) اور جو نسخے فروخت نہ ہوں خواہ ان نسخوں کو دوسری کتب دینیہ سے بدل کر اسی مدرسہ میں وقف کر دیں۔
(۶) خواہ مساکین اھل علم پر تقسیم کر دیں۔
(۷) اسیطرح جب اس سلسلہ کو بند کرنا سمجھے اور اس مد میں جو نقد موجود ہو اس کی کتابیں خرید کر مدرسہ میں وقف کر دیں۔

سوال: (۲) مدارس میں جو رقوم یہ کہکر دی جاتی ہیں کہ ہم یہ رقم مدرسہ میں دیتے ہیں اس کا کیا حکم ہے نیز اسکی حقیقت کیا ہے؟ یہ وقف ہے یا ھبہ؟

الجواب

قال الشامی: قلت: ان الدراھم لا تتعین فھی وان کانت لاینتفع بھا مع بقاء عینھا لکن بدلھا قائم مقامھا لعدم تعینھا فکانھا باقیۃ ولا شک فی کونھا من المنقول فحیث جری فیھا تعامل دخلت فیما اجازہ محمد قال فی الفتح: ان بعض المشائخ زادوا اشیاء من المنقول علی ما ذکرہ محمد لما رأوا جریان التعامل فیھا (الی ان قال) وقف الدراھم والدنانیر تعورف فی الدیار الرومیۃ اھ (ص ۹۷۵ ج ۳)

وفی الدر: وان وقف (المصحف) علی المسجد جاز ویقرأ فیہ (وفی موضع آخر) ولا یکون محصوراً علی ھذا المسجد اھ

عہ ھذا اللفظ زادہ الشامی من الخلاصۃ وصرح بان حذفہ خطأ۔

قال الشامی: والاول هو الظاهر حیث کان الواقف عین ذالک المسجد ثم قال علی ذالک وقف الکتب ایضاً قال واما نقلها منه نفیه تردد ناشیٔ مما قدمه عن الخلاصة من حکایة القولین من انه لو وقف المصحف علی المسجد ای بلا تعیین اهله قیل یقرأ فیه ای یختص باهله المترددین الیه وقیل لا یختص به وقد علمت تقویة القول الاول بما مر عن القنیة اھ (ص ۵۸۰ و ۵۸۱ ج ۳)

وفی الهندیة: ذکر الناطفی: اذا وقف مالاً لاصلاح المساجد یجوز وان وقف لبناء القناطیر اولاصلاح الطریق اولحفر القبور واتخاذ السقایات للمسلمین اولشراء الاکفان لهم لا یجوز وهو جائز للفتوی کما فی قاضی خان اھ (ص ۲۰۲ ج ۳)

وفی الخانیة: وقف ضیعة ولم یذکر حکمها اذا خلت عن اهلها قال الامام ابوبکر محمد بن الفضل ان کان الواقف جعلها وقفاً فی صحته وحیوته وقال وقفت هذه الضیعة علی مسجد کذا ولم یزد علی هذا ولم یجعل الوقف بلفظ الصدقة صح وتصرف الی الفقراء ولم یکن للورثة حق اھ (ص ۲۹۹ ج ۴)

وفی الهندیة: ولو قال وهبت داری للمسجد او اعطیتها له صح ویکون تملیکاً ویشترط التسلیم کما لو قال وقفتُ هذه المأة للمسجد یصح بطریق التملیک اذا سلمه للقیم کذا فی الفتاوی العتابیة اھ

وفیه ایضاً: تبدله بشیٔ، رجل اعطی دراهما فی عمارة المسجد او نفقة المسجد او مصالح المسجد صح لانه ان کان لا یمکن تصحیحه وقفاً یمکن تصحیحه تملیکاً بالهبة للمسجد واثبات الملک للمسجد علی هذا الوجه صحیح فیتم بالقبض کذا فی الواقعات الحسامیة اھ (ص ۴۶۰ ج ۳)

وفی الحامدیة: وقد صرحوا بان المتولی کالوکیل فی مواضع ووقع الخلاف فی ان المتولی وکیل الواقف او وکیل الفقراء فقال: ابویوسف بالاول وقال محمد بالثانی اھ (ص ۲۰۲ ج ۱)

قلت : قال فی الدر: للواقف عزل الناظر مطلقاً بہ یفتی ، قال الشامی: ای سواء کان بجنحۃ اولا وسواء کان شرط العزل اولا وھذا عند ابی یوسف لانہ وکیل عنہ وخالفہ محمد کما فی البحر ای لانہ وکیل الفقراء عندہ اھ (قولہ بہ یفتی) والذی فی التجنیس والفتوی علی قول محمد ای بعدم العزل عند عدم الشرط وجزم بہ فی تصحیح القدوری للعلامۃ قاسم وکذالک المؤلف ای ابن نجیم فی رسائلہ وھو من باب الاختلاف فی الاختیار اھ، بیس ای فیہ اختلاف التصحیح ---- قلت : وھو مبنی علی الاختلاف فی اشتراط التسلیم ای المتولی فانہ شرط عند محمد فلا تبقی للواقف ولایۃ الا بالشرط وغیر مشروط عند ابی یوسف فتبقی ولایتہ فاختلاف التصحیح ھنا مبنی علی اختلافہم ھناک اھ (ص ۶۳۸ ج ۳)

قلت : ولا بد من اختیار قول محمد فی کون المتولی وکیلا عن الفقراء فی وقف الدراھم والدنانیر لان جوازہ مبنی علی قولہ فیراعی ما کان شرائطہ عندہ والا لزم التلفیق وھو باطل[ع] ھذا اذا کانت الدراھم والدنانیر وقفھا المعطی علی المدرسۃ او وھبھا لہا وان اعطاھا المتولی لاداء الزکوٰۃ ففیہ تامل وسنبحث عنہ۔ وقال فی الھندیۃ : وعندھما ھو حبس العین علی حکم ملک اللہ تعالیٰ

ع فیہ انہ لیس من الحکم الملفق الذی نقل العلامۃ قاسم انہ باطل بالاجماع لان المراد بما جزم ببطلانہ ما اذا کان من مذاھب متباینۃ بخلاف ما اذا کان ملفقاً من اقوال اصحاب المذھب الواحد فانھا لا تخرج عن المذھب فان اقوال ابی یوسف ومحمد وغیرھما مبنیۃ علی قواعد ابی حنیفۃ اوھی اقوال مرویۃ عنہ وانما نسبت الیھم لا الیہ لاستنباطھم لہا من قواعدہ ولاختیارھم ایاھا قالہ ابن عابدین فی تنقیح الفتاویٰ الحامدیۃ (ص ۱۰۹ ج ۱) ظفر

على وجه يعود منفعته الى العباد فيلزم ولا يباع ولا يوهب ولا يورث كذا فى الهداية، وفى العيون واليتيمة: ان الفتوى على قولهما كذا فى شرح الشيخ ابى المكارم للنقاية.

وفيه ايضاً: واذا كان الملك يزول عندهما يزول بالقول عند ابى يوسف وهو قول الائمة الثلثة وهو قول اكثر اهل العلم وعليه الفتوى كذا فى فتح القدير، وعليه الفتوى كذا فى سراج الوهاج وقال محمد لا يزول حتى يجعل للوقف وليا ويسلم اليه وعليه الفتوى، كذا فى السراجية، وبقول محمد يفتى كذا فى الخلاصة اهـ (ص ۱۹۸ ج ۳)

وفى الدر: ولو خلط زكوٰة موكليه ضمن وكان متبرعاً الا اذا وكله الفقراء اهـ ـــــ قال الشامى: (قوله وكان متبرعاً ـــــ الخ) لانه ملكه بالخلط وصار مؤدياً مال نفسه قال فى التتارخانية: الا اذا وجد الاذن او اجاز المالكان اهـ اى اجاز قبل الدفع الى الفقير لما فى البحر: لو ادّى زكوٰة غيره بغير امره فبلغه فاجازه لم يجز لانها وجدت نفاذاً على المتصدق لانه ملكه ولم يصر نائباً عن غيره فنفذت عليه اهـ، لكن قد يقال تجزئ عن الآمر مطلقاً لبقاء الاذن بالدفع ثم ذكر جزئية عن التتارخانية وقال: ويتصل بهذا العالم اذا سأل للفقراء شيئاً وخلط يضمن

قلت: ومقتضاه انه لو وجد العرف (بالخلط) فلا ضمان لوجود الاذن حينئذٍ دلالةً والظاهر انه لا بد من علم المالك بهذا العرف ليكون اذناً منه دلالةً اهـ (ص ۱۷ ج ۲)

وفى الاشباه مع الحموى: وتفريع عليه عجل الشاة عن اربعين وتم الحول وعنده تسعة وثلثون (اى اقل من النصاب) ان دفعها للفقراء لا يستردها مطلقاً يعنى سواء كان ما دفع قائماً فى يد الفقير او غير قائم وانما لا يستردها لانها وقعت نفلاً وان دفعها الى الساعى استردها ان كان ما دفعه قائماً وان كان ما دفعه

غیر قائم بان قسمها الساعی بین الفقراء ضمنها من الزکوٰۃ عند الامام وابی یوسف خلافاً لمحمد اھ (ص ١٣٨)

قلت: وھذا یفید ان الساعی لیس وکیلاً عن الفقراء من کل وجہ الا کان قیام الزکوٰۃ فی یدہ کقیامھا فی ید الفقیر ولم یکن للمالک حق الاسترداد مطلقاً لا من الفقیر ولا من الساعی ولکن صرح فی رد المحتار: ان مال الزکوٰۃ لوضاع من ید الساعی سقطت عن المعطی لان یدہ کید الفقیر (ص ٢١٨ ج ٢) ـــــ ولعلہ فرق بین التعجیل وبین الاداء بعد الوجوب وحولان الحول۔ واللہ اعلم۔

وذکر فی رد المحتار فی معنی التابید: واشتراط تفصیلاً حسناً حاصلہ ان التابید شرط بالاجماع الا ان ذکرہ لا یشترط عند ابی یوسف لان لفظ الوقف والصدقۃ منبئ عنہ ولھذا قال فی الکتاب وصار بعدھا للفقراء وان لم یسمھم وھذا ھو الصحیح وعند محمد ذکرہ شرط ھذا اذا ذکر لفظ الوقف والصدقۃ معاً واذا ذکر لفظ الوقف فقط فکذا ان لم یعین الموقوف علیہ لانصرافہ الی الفقراء عرفاً فھو مؤبد وان قال: صدقۃ موقوفۃ علی فلان فانہ وان قید بمعین لکنہ مطلق لان الصدقۃ للفقراء فکأنہ قال: وبعد فلان فعلی الفقراء لکن اذا لم یقید بمعین فھو مؤبد بلا خلاف فیصح عند محمد ایضاً۔ قال الشامی: والحاصل انہ لاخلاف عندھما فی صحۃ الوقف مع عدم تعیین الموقوف علیہ اذا ذکر لفظ التابید او ما فی معناہ کالفقراء وکلفظہ صدقۃ موقوفۃ وکموقوفۃ للہ تعالیٰ وکموقوفۃ علی وجوہ البر لانہ عبارۃ عن الصدقۃ وکذا موقوفۃ علی الجھاد او علی اکفان الموتیٰ کما فی الخانیۃ وانہ لاخلاف بینھما فی بطلانہ لو اقتصر علی لفظ موقوفۃ مع التعیین۔ کموقوفۃ علی زید وانما الخلاف بینھما لو اقتصر (علی لفظ موقوفۃ) بلا تعیین او جمع (بین الصدقۃ والوقف) مع التعیین کصدقۃ موقوفۃ علی فلان فعند

ابی یوسف یصح ثم یعود الی الفقراء وھو المعتمد اھ(ص ۵۶۵ و ۵۶۶ ج ۳)

وفیہ ایضاً عن الاشباہ معزیاً الی السبکی فرع حدث فی الاعصار القریبۃ: وقف کتب شرط الواقف ان لا تعار الا برھن او لا تخرج اصلاً والذی اقول فی ھذا ان الرھن لا یصح بھا لانھا غیر مضمونۃ فی ید الموقوف علیہ ولا یقال لھا عاریۃ ایضاً بل الآخذ لھا ان کان من اھل الوقف استحق الانتفاع ویدہ علیھا ید امانۃ فشرط اخذ الرھن علیھا فاسد وان اعطی کان رھناً فاسداً ویکون فی ید خازن الکتب امانۃ اھ(ص ۵۶۷ ج ۳)

اس کے بعد اب جواب حسب ذیل ہے۔

وقف دراھم ودنانیر جائز ہے خواہ بطور مضاربت کے ہو جیسا کہ امام زفرؒ سے منقول ہے، صرح بہ فی الشامی (ص ۵۶۷ ج ۳) یا اس طور سے ہو کہ دراھم ودنانیر سے کوئی عین حاصل کرکے اس کو وقف کر دیا جائے مثلاً روپے اس لئے وقف کئے کہ کتابیں حاصل کرکے وقف کی جائیں تو وہ بدل قائم مقام دراھم کا ہو کر وقف ہو جائیگا، ملاحظہ ہو جزئیہ اولیٰ پس شرط اول صحیح ہے، لکونہ نظیر الوقف شراء الاکفان وشراء الکتب وھی من وجوہ البر فیصح بحکم الجزئیۃ الثالثۃ، مگر بہتر یہ ہے کہ اس کی تصریح کر دی جائے کہ جو مؤلفات تیار ہونگی وہ مدرسہ پر وقف ہونگی اور عدم تصریح کی صورت میں بھی وقف ہونگی کیونکہ مال موقوف کا بدل ہے اور تابید کیلئے امام ابو یوسفؒ کے نزدیک لفظاً وقف تنہا کافی ہے پس یہ مؤلفات دائماً وقف ہونگے اسمیں میراث وغیرہ کا اجراء نہ ہو گا اور تابید کیلئے ان مؤلفات ہی کا دائماً وقف رہنا کافی ہے جب مؤلفات میں رقم صرف ہو کر ختم ہو جائے تو اس سے وقف کا انقطاع نہ ہو گا کیونکہ وقف کتب کو وقف منقطع نہیں مانا گیا بلکہ مؤبد مانا گیا ہے ملاحظہ ہو جزئیہ ثانیہ۔

رہی شرط دوم وسوم یہ بھی صحیح ہے کیونکہ یہ بھی مثل شراء اکفان کے وجوہ بر ہی سے ہے اور جو کتب مطبوع ہونگی وہ بھی وقف ہونگی لکونہا بدلاً من المال الموقوف، اور وقف میں استبدال کی شرط کر لینا واقف کو جائز ہے

اذا کان الاستبدال خیراً ولاشك فی خیریۃ الاستبدال الدراھم بالکتب والکتب بالدراھم لکونہ سبباً لامتداد ھذا الامر الدینی ای تالیف الکتب، پس یہ کہنا کہ انکو فروخت کرکے پھر اسکی قیمت کو اس مدمیں رکھا جائے شرط صحیح ہے اور اب بجائے کتب کے وہ رقم وقف ہوجائیگی نیز شرط رابع ٤ وخامس ٥ بھی صحیح ہے کیونکہ یہ کتب مطبوعہ مال وقف ہے اور اس کے لئے تعیین محل اگر نہ کی جائے تو کسی محل خاص کے ساتھ متعین نہ ہوگا اور گو رقم کو ایک خاص مدرسہ کیلئے وقف کیا گیا ہے مگر اس سے کتب حاصلہ یا رقم کا اس مدرسہ کے ساتھ مخصوص ہونا جب لازم آتا جبکہ واقف تعمیم محل کی صراحت نہ کرتا اور یہاں کتب مطبوعہ میں اسکی اجازت صراحۃً ہے پس رقم میں تصرف اور تالیف کرانیکا اختیار تو اسی مدرسہ کے ساتھ مقید ہے اور کتب مطبوعہ میں تعمیم رہیگی اور اس سے تابید کا انقطاع نہ ہوگا کیونکہ یہ کتابیں وقف ہی ہونگی نہ کہ ملک، البتہ شرط ششم ٦ درست نہیں کیونکہ جب یہ کتابیں وقف ہیں تو انکی تقسیم تملیکاً نہیں ہوسکتی البتہ قبضہ متولیانہ کے طور پر اہل علم انکو لے سکتے ہیں جیسا کہ جزئیہ ۱۱ سے معلوم ہوتا ہے کہ کتب وقف کو جو کوئی لیگا وہ اسی کے ہاتھ میں امانت ہونگی اور اگر تصرف طبع وغیرہ کو بطور مضاربت کے دیا جائے نہ بطور استبدال کے تو جب بھی طلباء و علماء کتب مطبوعہ کی تقسیم کرنا مطلقاً درست نہیں بلکہ اس قید کے ساتھ درست ہے کہ تصدق ربح میں سے ہو صرح بہ الشامی (ص ۵۷۹ ج ۳) شرط سابع ۷ میں بھی یہی کلام ہے کہ ان کتب کی تقسیم کرنیکا اختیار دینا صحیح نہیں ہاں تقسیم بھی وقفاً ہو تو درست ہے یا تصدق ربح میں سے ہو۔

رہا یہ کہ دراھم و دنانیر جو مدارس میں دئے جاتے ہیں ان سے معطی کی ملک زائل ہوجاتی ہے یا نہیں؟ —— اس کے متعلق یہ عرض ہے کہ جو رقم یہ کہکر دی جاتے کہ ہم اس کو مصالح مدرسہ پر وقف کرتے ہیں یا یہ کہکر دی جائے کہ یہ رقم ہم مدرسہ میں دیتے ہیں ان دونوں صورتوں میں قبضہ متولی سے وہ رقم ملک معطی سے خارج ہوجائیگی، اما الاول فلکونہ وقفاً صحیحاً عند محمد والوقف یتم ویلزم عندہ بالتسلیم وقد وجد۔ واما الثانی

فلکونہ تملیکاً للمدرسۃ وقد صرحوا بجواز الھبۃ للمسجد وانہ تملیک لہ فاذا ھذا فان قیل: المسجد لیس باھل للملک فکیف یکون تملیکاً۔ قلت: نعم یکونہ تملیکاً خلاف القیاس ولذا لا یجوز دفع الزکوۃ فی بناء المسجد ومصالحہ ومعناہ انہ وقف من وجہ حیث یخرج عن ملک المعطی بمجرد الاعطاء والتسلیم وھبہ من وجہ حیث لم یشترط فیہ بقاء العین او بدلہ فھذا قسم جدید للصدقۃ متوسط بین الوقف والصدقۃ یستفی من احکامھا وقلنا بہ علیٰ خلاف القیاس لاجل التعامل استحساناً فلم یقبل من السلف انھم امروا باجراء الارث فیما اعطی للمسجد ولم یصرف بعد، واللہ اعلم۔ ملاحظہ ہو جزئیہ اولیٰ ورابعہ وسابعہ وخامسہ اور جو رقم یہ کہکر دی جائے کہ یہ زکوٰۃ کی رقم ہے اس کو مستحقین طلبہ وغیرہ میں صرف کردیا جائے اسمیں متولی کے قبض سے ملک معطی زائل نہوگی بلکہ تقسیم للفقراء سے ملک زائل ہوجائیگی اور باہم اموالِ زکوٰۃ کے خلط سے ضامن ہوگا، لان الخلط استھلاک، اب اگر یہ خلط باذن ہوا ہے تب تو متولی ضامن نہ ہوگا اور اس کا بعد میں زکوٰۃ ادا کرنا ایسا ہوگا جیسا کہ کسی کے امر سے اسکی زکوٰۃ ادا کی جائے کہ اس صورت میں اداءِ غیر سے زکواۃ ادا ہوجاتی ہے متبرع فی الاداء نہ ہوگا۔ اور اگر بلا اذن خلط کیا ہے تو ضامن ہوگا اب اگر قبلِ ادا اذن ہوگیا تب بھی ضامن نہیں ورنہ اس کا ادا متبرع ہے اور ضمان اسپر باقی ہے ملاحظہ ہو جزئیہ ۵۔

واللہ اعلم

۲۲ر صفر ۴۳ھ

(تتمہ)

مدت سے یہ خلجان چلا آرہا تھا کہ مدارس اور مساجد میں جو رقوم یہ کہکر دی جاتی ہیں کہ یہ رقم مدرسہ یا مسجد میں دینی ہیں اس کا کیا حکم ہے؟ اور یہ کس عقد میں داخل ہے اگر یہ وقف ہے تو وقف کے لئے تابید شرط ہے کہ عین یا اس کا بدل باقی رہے اور یہاں یہ صورت نہیں بلکہ یہ رقوم تنخواہ مدرسین اور وظائف

طلبہ اور تنخواہ امام ومؤذن اور چراغ وتیل میں صرف کی جاتی ہے جس میں بقاء عین یا بدل نہیں ہوتا اور اگر یہ ہبہ ہے تو ہبہ کس کو ہے اگر مدرسہ اور مسجد کو ہبہ ہے تو ان میں موہوب لہ ہونیکی قابلیت کہاں ہے، دوسرے ہبہ کے احکام میں سے یہ ہے کہ جب تک موہوب لہ کا قبضہ نہ ہوجائے اور اگر اس میں قبضہ کی قابلیت نہیں تو جب تک اس کے مصالح میں صرف نہ ہوجائے اس وقت تک مِلک واہب باقی رہتی ہے تو چاہئے کہ یہ رقوم واہبین کی ملک میں وقتِ صرف تک باقی رہیں اور اس درمیان میں اگر کوئی واہب مرجاتے تو اس کی رقم میراث جاری ہونا چاہئے اگر یہ کہا جائے کہ متولی ومہتم فقراء کا وکیل ھے تو اس میں اولاً تو یہ کلام ہے کہ رقوم مساجد میں متولی کا وکیل فقراء ہونا محل تامل ہے دوسرے اگر وہ وکیلِ فقراء ھے تو مؤکل مجہول ہے اور وکالت عن المجہول صحیح نہیں اور اسکو وکالت امام وقاضی پر قیاس کرنا بھی صحیح نہیں کیونکہ وہاں ولایت عامہ ہے یہاں یہ بھی نہیں پھر وکالت من الفقراء کو تسلیم بھی کیا جائے تو چاہئے کہ رقوم زکوٰۃ وغیرہ صدقاتِ واجبہ میں مہتم مدرسہ کو تملیک کی ضرورت نہ ہونا چاہئے بلکہ محض اسی کے قبضہ سے زکوٰۃ ادا ہوجانا چاہئے۔ کما قالوہ فی الساعی ان یدہ کید الفقیر، حالانکہ قاطبۃً عمل کے خلاف ہے پھر چاہئے کہ جب مہتم کے پاس اتنی رقم ہوجاتے جس سے ہر فقیر کے حصہ میں قدر نصاب پہونچ جائے تو اب آئندہ اسکو قبولِ زکوٰۃ جائز نہ ہو اور عمل قاطبۃً اس کے بھی خلاف ہے۔ اور اگر وکیل واہب ہے تو اس کا قبضہ واہب کا قبضہ ہے اس کے قبضہ سے رقم ملک سے نہ نکلنا چاہئے آج مدت کے بعد یہ اشکال اسطرح حل ہوا کہ فقہاء نے ہبہ للمسجد کو صحیح مانا ہے جیسا کہ یہ الفاظ اسپر دال ہیں،

لانہ ان کان لا یمکن تصحیحہ وقفاً یمکن تصحیحہ تملیکاً بالھبۃ للمسجد واثبات الملک للمسجد علی ھذا الوجہ صحیح اھ چونکہ یہ وقف نہیں اسلئے بقاء عین وبدل ضروری نہیں اور چونکہ ہبہ ہے اسلئے قبض متولی شرط ہے اور بعد قبضِ متولی ملک معطی زائل ہوجائے گی۔ رہا یہ کہ زوال ملک معطی کے بعد پھر یہ کس کی ملک میں داخل ہوگا اس کا جواب یہ ہے کہ گو

وقف کے سوا صدقات وھبات میں کوئی نظیر ایسی نہیں جس میں زوالِ ملکِ مالک کے بعد کسی کی بھی ملک ثابت نہ ہو لیکن جب فقہاء نے اسکو ھبہ مان لیا ہے اور ظاہر ہے کہ بعد قبض متولی کے یہاں کسی اور کی ملک بھی ثابت نہیں کیونکہ مسجد صالح ملک نہیں لیکن فقہاء اسکو تملیک مسجد قرار دیتے ہیں تو ظاہر یہ ہے کہ یہ عقد کی جدید قسم ہے جو وقف وھبہ کے بین بین ہے اور دونوں کے احکام فی الجملہ اس کیلئے ثابت ہیں ھبہ کے احکام تو اسطرح ثابت ہیں کہ مجرد قول سے مِلکِ معطی زائل نہیں ہوتی بلکہ قبض وتسلیم متولی شرط ہے بخلاف الوقف نیز اس کے عین وبدل کا بقاء شرط نہیں بخلاف الوقف اور وقف کے مشابہ اس امر میں ہے کہ بعد قبض متولی یہ موھوب ملکِ واھب سے نکل کر ملک اللہ میں داخل ہو جاتا ہے اور گو ھبہ میں ایسا ہونا خلافِ قیاس ہے مگر تعامل کی وجہ سے یہاں قیاس کو ترک کر دیا گیا کیونکہ امت کا عمل بلا نکیر اس پر ہے کہ موھوب للمسجد وموھوب للمدرسہ میں قبض متولی سے ملکِ واھب کو منقطع مانتی ہیں سلف میں سے کسی نے اسمیں اجراء میراث یا وجوبِ زکوٰۃ وغیرہما کا امر نہیں کیا جبکہ وہ رقم موت واھب تک صرف نہ ہوئی ہو اور سلف سے تساہل بعید ہے خصوصاً تساہل عام اسلئے ماننا پڑیگا کہ تعامل کی وجہ سے فقہاء نے ھبہ کی اس جدید قسم کو صحیح مان لیا جو من وجہ وقف ہے اور من وجہ ھبہ ہے اور چونکہ اموالِ زکوٰۃ وصدقاتِ واجبہ کے متعلق فقہاء کی تصریح موجود ہے کہ ان کو تملیکاً للمسجد دینا جائز نہیں، والمدرسۃ فی حکمہا بلکہ تملیک فقیر کو صراحۃً جائز کہا ہے اس لئے ان اموال میں یہ بھی نہ کہا جائے گا کہ مجرد اعطاء فی المدرسۃ سے ملک معطی زائل ہو جائے گی بلکہ یہاں صرف الی الفقراء ہی سے زوالِ ملک کا تحقق ہوگا پس مہتممان مدارس کو لازم ہے کہ اموالِ زکوٰۃ میں یا تو معاً تملیک کو جاری کر دیا کریں یا دینے والے کی حیات وموت کا پتہ لگاتے رہیں اور اگر مزکی کی موت تک رقم زکوٰۃ صرف نہ ہوئی ہو تو ورثہ کو واپس کیا جائے، الا ان یجیز الورثۃ الکل او البعض وھم بالغون، افاد ذالک کلہ الشیخ دام علاہ۔

حکم انقاض مسجد اور ایک مسجد کا مال دوسرے پر صرف کرنا

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

(۱) ایک مسجد کا بچا ہوا مال از قسمِ اینٹ لکڑی وغیرہ اس مسجد میں جو حضور

ناتمام ہے اور غلبہ کفار سے قریب بہ انہدام ہے لگانا جائز ہے یا نہیں؟
(۲) اسی طرح پہلی مسجد کی آمدنی سے مثلاً کرایہ مکان یا چندہ مسلمانان میں سے اس پُرخطر مسجد میں لگانا اور اسکو مسجد کی اصلی صورت میں لانا جائز ہوگا یا نہیں؟
(۳) خلاصہ یہ کہ ایک مسجد کی آمدنی اشیاء زائدہ دوسری مسجد نو تعمیر میں لگانا جائز ہوگا یا نہیں؟ اور خصوصاً اس وقت جبکہ چند در چند مشکلات کا سامنا ہوگا۔
مسجد اول سالہا سال سے مکمل اور بفضلہ تعالیٰ آباد ہے جمعہ اور جماعات برابر اور بلا تکلف ہوتے ہیں، اینٹ مذکور محض مسجد اول کے متعلق مکانات بنوانے یا مرمت مکانات کرنے کیلئے خریدی گئی تھی، نفس مسجد کی کسی جُز میں لگانا مقصود نہیں تھا۔ مہربانی فرماکر جواب باصواب سے بہت جلد مطلع فرمائیں، نہایت ضروری مسئلہ ہے۔
بینوا توجروا۔ علیم اللہ، ضلع گورکھپور

الجواب

فی العالمگیریۃ: واذا خرب المسجد واستغنیٰ عنہ اھلہ وصار بحیث لا یصلی فیہ قیل ھو مسجد ابداً وھو الاصح کذا فی خزانۃ المفتیین و فی فتاوی الحجۃ لو صار احد المسجدین قدیماً وتداعی الی الخراب فاراد اھل السکۃ بیع القدیم وصرفہ فی المسجد الجدید لا یجوز اما علی قول ابی یوسفؒ فلان المسجد وان خرب واستغنیٰ عنہ اھلہ لا یعود الی ملک البانی واما علی قول محمدؒ وان عاد بعد الاستغناء ولکن الی ملک البانی وورثتہ فلا یکون لاھل المسجد علی کلا القولین ولایۃ البیع والفتویٰ علی قول ابی یوسف اھ (ص ۲۳۹ ج ۳)۔
وفیہ ایضاً: مال موقوف علی المسجد الجامع واجتمعت من غلتھا ثم نابت الاسلام نائبۃ مثل حادثۃ الروم واحتیج الی النفقۃ فی تلک الحادثۃ ان لم یکن للمسجد حاجۃ للحال فللقاضی ان یصرف فی ذالک لکن علی وجہ القرض اھ (ص ۲۴۲ ج ۳)
وفیہ ایضاً: (ص ۲۴۴ ج ۳) سئل شمس الائمۃ الحلوانی عن مسجد او حوضٍ خرب ولا یحتاج الیہ لتفرق الناس ھل للقاضی ان یصرف

او قافہ الی مسجد آخر او حوض آخر قال نعم، اھ

ان عبارات سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی مسجد اجڑ جائے تو اسکی رقم دوسری مسجد میں نہیں لگائی جاسکتی اور اس کا ملبہ اینٹ وغیرہ بھی دوسری مسجد میں لگانا جائز نہیں، ہاں، یہ جائز ہے کہ آباد مسجد کی رقم بطور قرض کے دوسری مسجد میں لگادی جائے بشرطیکہ دوسری مسجد کی آمدنی سے قرض کے وصول ہونے کا غالب گمان ہو اور ملبہ وغیرہ بطور قرض کے لگانا درست نہیں ہاں اسکو دوسری مسجد کیلئے خرید کر لگانا جائز ہے گو رقم قرض رہے کیونکہ سوال سے معلوم ہوا کہ یہ ملبہ مسجد کے انقاض میں سے نہیں ہے بلکہ متعلقات مسجد کی مرمت کے واسطے خرید اگیا تھا۔ وبیع مثل ذالك جائز۔ واللہ اعلم۔

از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ

۲۳ ربیع الاول ۴۴ھ

مسجد کے درختوں کے بیچنے کا حکم | **سوال:** کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ تین درخت شیشم کہ جو نصف ملکیت مسجد اور نصف ملکیت بھیو خان خان ہیں درختان مذکور کی قیمت مبلغ چالیس للعہ روپیہ قرار دیکر بھیو خان مذکور حصہ دار کو متولی مسجد نے بلا دریافت اہل محلہ فروخت کردئے بھیو خان نے یہ وعدہ کیا کہ مبلغ بیس عہ روپے بابت قیمت حصہ مسجد دو مہینہ میں متولی مسجد کو ادا کردونگا اس وقت عرصہ دو سال کا ہوگیا باوجود تقاضہ کے روپیہ ادا نہیں کیا فصل ربیع میں جو تقاضا کیا گیا تو فصل خریف کا وعدہ کیا اب بھیو خان نے درختان مذکور کو خفیہ خفیہ مبلغ تراسی عہ روپیہ میں سوداگر کے ہاتھ فروخت کرکے مبلغ بیس عہ روپے بابت حصہ مسجد متولی مسجد کو دیا اھل محلہ کو معلوم ہوا کہ اس میں دھوکہ ہوا ہے متولی مسجد کو روپیہ لینے سے روکا اور یہ کہا کہ تم کو مبلغ تراسی عہ روپیہ کا نصف لینا چاہئے بیس عہ مت لو۔ بھیو خان کہتا ہے کہ درختان

عہ قلت: وما افتی بہ الشیخ فی رسالتہ القول الاھلی صرف غلۃ مسجد الی مسجد آخر فھو مختص بما اذا تیقن بالظن الغالب عدم احتیاج الاول الیہ ابداً لاستغناء زائداً و اجتماع غلۃ فی حد عظیم ولیس المراد جوازہ مطلقاً لان کلمات الفقہاء متفقۃ بتقییدہ بخراب المسجد واستغناءہ عنہ لتفرق الناس عنہ۔

مذکور میری ملکیت ہو چکی تھی جس قیمت کو چاہوں فروخت کروں، اہل محلہ کہتے ہیں کہ جس حالت میں تم نے روپیہ حصہ مسجد کا ادا نہیں کیا اور عرصہ دو سال گذر چکا تم کل کے مالک نہیں ہو سکتے ایسی حالت میں مسجد بھیو خان سے مبلغ بیس روپیہ لینے کی مستحق ہے یا تراسی روپیہ کے نصف کی مستحق ہے

مرسلہ؛ احقر محمد حسین خان وسمیع اللہ خان
متولیان مسجد اقعامان قصبہ ناخود

تنقیح

(۱) کیا یہ درخت بعینہٖ مسجد کے کام میں نہ آسکتے تھے مثلاً ان درختوں کے تختے اور کڑیاں اور کواڑ چوکھٹ وغیرہ بنواکر مسجد کی ضرورت میں لگائے جاتے یا مسجد کو اس کی ضرورت نہ تھی۔

(۲) متولی نے جس وقت ان درختوں کی بیع کی ہے اس وقت ان کی بازاری قیمت بیس روپیہ ہی تھی یا کم و زیادہ، اگر کم و زیادہ تھی تو اس بیشی کو بتلایا جاتے کہ اس وقت بازاری قیمت بیس روپیہ سے زیادہ تھی اس کے بعد سوال کا جواب دیا جائیگا۔

از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ
۱۷ ربیع الثانی ۴۲ھ

جواب تنقیح

(۱) درختانِ مذکور بعینہٖ مسجد کے کام میں آسکتے تھے اور مسجد میں ضرورت بھی تھی اور اب بھی ضرورت ہے مگر بھیو خان حصہ دار نے نہ درختوں کو مسجد کے صرف کیلئے کاٹنے دیا اور نہ دوسروں کے ہاتھ فروخت کرنے دیا۔

(۲) درختانِ مذکور کی قیمت جس وقت چالیس روپیہ قرار دی گئی تو یہ درخت بازاری قیمت سے تقریباً ساٹھ روپیہ کی مالیت تھے مگر متولی نے کچھ اپنی ناواقفیت سے اور کچھ جھگڑا کاٹنے کی نیت سے چالیس روپیہ قیمت کردی تھی اور اہل محلہ سے مشورہ بھی نہیں کیا تھا دوسرے بھیو خان مذکور سے یہ بھی امید تھی کہ یہ روپیہ حصہ مسجد کا وعدہ پر نہ دیگا کیونکہ اس سے پہلے اور مطالبہ بابت درختان شیشم مسجد کی شراکت کا مبلغ چوبیس روپیہ اسکو وصول ہوا تھا جسکو عرصہ دس سال کا ہو گیا اس نے مبلغ بارہ روپیہ جو حصہ

مسجد کے ہوئے تھے ابتک نہیں دیئے اسلئے یہ سوچا گیا تھا کہ بعد وعدہ کے یہ کہا جائیگا کہ
تم نے روپیہ مسجد کے حصہ کا وعدہ پہ نہیں دیا اب تم مسجد سے اپنے حصہ کے بیس روپیہ لیلو اور
درخت کل مسجد میں رہنے دو چنانچہ ایسا ہی کیا گیا مگر ان کوٹالتے ہوئے دو سال ہوگئے
اور یہ حصہ مسجد کا نہیں دیا، اب انہیں. درختوں کو خفیہ خفیہ فروخت کر کے بیس روپیہ متولی
کو دیئے جسپر تمام اہل محلہ کہتے ہیں کہ روپیہ بیس نہ لئے جائیں بلکہ تراسی روپیہ کے نصف
مبلغ ساڑھے اکتالیس روپیہ لینے چاہئیں لہذا یہی بات دریافت طلب ہے کہ ایسی حالت
میں روپیہ مسجد کو کتنا ملنا چاہئے ؟

الجواب

صورتِ مسؤلہ میں درختوں کی بیع درست نہیں ہوئی۔

قال الشامی فی شرائط الاستبدال الوقف وبیعہ: اعلموان الاستبدال علی وجوہ الاول ان یشترط الواقف لنفسہ اولغیرہ اولنفسہ وغیرہ فالاستبدال جائز علی الصحیح وقیل اتفاقاً والثانی ان لا یشترط سواء شرط عدمہ اوسکت لکن صار بحیث لا ینتفع بہ بالکلیۃ بان لا یحصل منہ شئ اصلا اولا یفئ بمؤنۃ فھو ایضاً جائز علی الاصح اذا کان بأذن القاضی ورأیہ المصلحۃ فیہ اھ (ص ۵۹۹ ج ۳)

سوال سے معلوم ہوتا ہے کہ درختان مذکور بعینہٖ مسجد کے کام میں آسکتے تھے اور مسجد کو ان کی ضرورت تھی اس صورت میں مال موقوف علی المسجد کی بیع کرنا درست نہ تھا اور ضرورت نہ بھی ہوتی تو جواز بیع کیلئے مصلحت مسجد کی رعایت ضروری تھی اور اس بیع میں مسجد کی مصلحت فوت کی گئی ہے اس لئے بھی درست نہیں ہوئی لہذا اس بیع کو کالعدم سمجھا جائے۔ واللہ اعلم بالصواب

از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ

۲۵ ربیع الثانی ۴۲ھ

مسجد کا مال دوسرے وقف کیلئے بطور قرض دینا جائز ہے یا نہیں

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ سورتی مسجد کے دو متولی ملا ابراھیم وقف کے بھی متولی ہیں سورتی مسجد کے ان دو متولیوں نے ملا ابراھیم وقف کے بقیہ متولیوں پر حساب فہمی کا

دعویٰ کیا اور پیروی مقدمہ کیلئے سورتی مسجد کے وقف کا روپیہ لگایا پس ارشاد ہو کہ

(۱) وقف مذکور کی حفاظت کیلئے مسجد والے متولیوں کا اوقاف مسجد کی رقم سے ملا ابراہیم وقف کے حساب میں لکھکر خرچ کرنا جائز تھا یا نہیں۔

(۲) اگر ناجائز تھا تو ایسا غیر مشروع تصرف کرنے سے آیا ملا والے تینوں متولیوں یا ان کے خواہاں کے ذمہ یہ امر ضروری ہے یا مستحسن ہوگیا کہ عدالت سے چارہ جوئی کرکے ان دونوں متولیوں کو تولیت سے علیحدہ کردے (اگر ان سے ہوسکے اسلئے کہ عدالت میں واقف ہی کا مسجد کے متولیوں کا مقدمہ دائر کرنا خود مسجد کا دائر کرنا ہے اور ایسی حالت میں مسجد ہی کی جمع شدہ رقم سے خرچ کیا جاتا ہے) اور بجائے ان کے اور کوئی ایسے دو متولی بنادیں جو کہ اپنی گرہ سے یا سودی قرضہ وغیرہ لیکر وقف کی نگرانی رکھا کریں یا عدالت میں ہزاروں روپیہ خرچ ہوجانے کے اندیشہ خیانت میں اُن تینوں کے شریک ہوجایا کریں یا عدالتی گرفت سے بچنے کیلئے چشم پوشی کرکے ہر سال کے ختم پر غلط بات کو ملمع سازی کے ساتھ صحیح صحیح دکھادیا کریں۔

(۳) عدالت صرف قانونی خرچہ دلاتی ہے پس قانونی خرچہ سے زائد جو رقم خرچ ہوئی ہے ارشاد فرمائیں کہ اس رقم کا ذمہ دار کون ہے؟ آیا مسجد ہے کہ اسکے متولیوں کو یہ رقم خرچ کرنا پڑی ہے اور انکو بحکم عدالت متولی بننا پڑا تھا یا اس زائد رقم کے ذمہ دار خود یہ دونوں متولی ہونگے یا مذکور ملا ابراہیم وقف سے وصول کیا جائے یا ملا مرحوم کے خاندان والے تینوں متولیوں سے لیا جائے یا پانچوں سے لیا جائے بحالت ثانیہ یعنی مسجد کے دونوں متولیوں کے ذمہ دار ہونیکی صورت میں یہی ارشاد فرمایا جائے کہ آیا اس ذمہ داری میں سورتی مسجد کا اس مستعفی متولی جسکا ذکر سطر ۳ میں ہے وہ بھی شامل ہوگا یا نہیں اگر شامل ہوگا تو کس قدر کا؟ بینوا توجروا۔

الجواب

قال فی الخلاصۃ: واما اقتراض ما فضل من الوقف قال فی وصایا النوازل رجوت ان یکون ذالک واسعاً اذا کان احرز لغلتہ امساکہ فان فضل من غلتہ فصرف الفضل الی حوائجہ علی ان یردہ اذا احتاج الی العمارۃ قال: لا یفعل ذالک ویتنزہ غایۃ التنزہ

فان فعل مع ذالك ثم انفق فيه ان ذالك يبرأه عما وجب عليه اھ (ص ۲۲۳ ج ۴)

اصل یہ ہے کہ وقف کی فاضل رقم کسی کو قرض دیدینا اس وقت جائز ہے جبکہ قرض دینے میں رقم کی حفاظت متوقع ہو اور ضائع ہونیکا اندیشہ نہ ہو پس اگر متولیان سورتی مسجد کو وقف مسجد کی آمدنی بطور قرض کے وقف ملا ابراہیم کے مقدمہ میں لگاتے ہوئے رقم کے ضائع ہونے کا اندیشہ نہ تھا بلکہ امید قوی وصولیابی کی تھی تو اس صورت میں متولیان مذکور خائن نہیں ہوئے کیونکہ ایسے وقت میں جبکہ دوسرے وقف کے برباد ہونیکا اندیشہ ہو اس کی حفاظت کیلئے وقفِ مسجد کی فاضل آمدنی اسمیں قرض کے طور پر لگادینا جائز ہے۔

قال فی العالمگیریۃ: مال موقوف علی المسجد الجامع واجتمعت غلتھا ثم نابت الاسلام نائبۃ واحتیج الی النفقۃ فی تلك الحادثۃ ان لم یکن للمسجد حاجۃ للحال فللقاضی ان یصرف فی ذالك لکن علی وجہ القرض فیکون دیناً فی مال الفئی اھ (ص ۲۲۲ ج ۲)

قلت: وخوف ضیاع وقف علی مصالح المسلمین ملحق بنوائب الاسلام والمتولی المنصوب من الحکومۃ کالقاضی۔

اور اگر اسکو اسلامی ضرورت میں قرض دینا نہ تسلیم کیا جائے تو پھر بھی جائز ہے جبکہ متولیان کو رقم کے ضائع ہونیکا اندیشہ نہ ہو اور وصول یابی کی قوی اُمید ہو آخر سورتی مسجد کا روپیہ بنک میں بھی تو جمع کیا گیا ہے اور وہ بھی بنک کو قرض ہی کے طور پر دیا گیا ہے کیونکہ بعینہٖ رقم بنک میں کہاں محفوظ رہتی ہے لیکن چونکہ اندیشہ رقم کے ضائع ہونیکا نہیں بلکہ وصولیابی کی قوی اُمید ہے اسلئے اسکو جائز رکھا گیا ایسے ہی یہ صورت بھی ہے کہ کسی دوسرے وقف کو مسجد کی آمدنی بطور قرض کے لگادی جائے جس سے وصولیابی کی قوی امید ہے۔

رہا یہ سوال کہ عدالت صرف قانونی خرچہ دلاتی ہے اس سے زائد جو رقم صرف ہوئی ہے اس کا ذمہ دار کون ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس کا ذمہ دار وقف ملا ابراہیم ہی ہے جسکی حفاظت کیلئے یہ روپیہ لگایا گیا بشرطیکہ وہ زائد خرچہ بھی ضرورت اور مجبوری کے درجہ میں ہوا ہو محض حکام کی خوشامدی میں نہ ہو۔ واللہ اعلم۔

از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ

۲۱ رجمادی الثانی ۱۳۴۲ھ

نقل مسجد کی ایک صورت | سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین رحمکم اللہ تعالیٰ اس مسئلہ میں کہ ایک صحیح وسالم مسجد جس میں پنجگانہ نماز باجماعت نماز جمعہ وعیدین ہوتی ہو اسکو اسکی جگہ سے نقل کرکے دوسری جگہ میں لیجاکر بنانا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

شرعاً مسجد کو مسجد کی سابق جگہ سے نقل کرکے دوسری جگہ میں لیجاکر بنانا جائز نہیں مسجد میں چاہے نماز پڑھی جاتے یا نہیں، چونکہ مسجد تاابد مسجد رہتی ہے جیساکہ بحرالرائق میں ہے:

وقال ابو یوسفؒ: ھو مسجد ابداً الی قیام الساعۃ لایعود میراثا ولایجوز نقلہ ونقل مالہ الی مسجد آخر سواء کانوا یصلون فیہ اولا وھوالفتویٰ الخ

فتح القدیر میں ہے: فان الاجماع علی عدم خروج موضعھا عن المسجدیۃ الخ

ردالمحتار میں ہے: ان المسجد اذاخرب یبقیٰ مسجدا ابداً لکن علمت ان المفتی بہ قول ابی یوسفؒ انہ لایجوز نقلہ ونقل مالہ الی مسجد اخر الخ

واللہ اعلم

ازتھانہ بھون خانقاہ امدادیہ

۲۸ر رمضان ۴۳ھ

مسجد کب شرعی مسجد کہلائیگی | سوال: بانی مسجد سے ہمیشہ نماز پڑھنے کا اذن عام ملنے پر مسجد شرعاً کب سے مسجد تسلیم کی جاتی ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب

بانی مسجد سے ہمیشہ نماز پڑھنے کے اذن عام ملنے پر جس وقت سے اس میں نماز باجماعت پڑھی جائے اس وقت سے وہ شرعاً مسجد تسلیم کی جاتی ہے جیساکہ کنزالدقائق میں ہے:

وبالصلوٰۃ بجماعۃ یقع التسلیم بلاخلاف حتی انہ اذا بنی مسجداً واذن للناس بالصلوٰۃ فیہ فانہ یصیر مسجداً الخ

قاضی خان میں ہے: ثم التسلیم فی المسجد ان یصلی فیہ بالجماعۃ باذنہ الخ۔

ردالمحتار میں ہے: حتی اذا بنی مسجداً واذن للناس بالصلوٰۃ فیہ جماعۃ فانہ یصیر مسجداً الخ

ـــــ واللہ اعلم بہ وعلمہٗ اتم ،

حررہ محمد فیض اللہ غفرلہ صدر جمعیت ھذا

چھوٹی اراکانی مسجد ۶۳ مکان ۴۰ گلی رنگون

قلت : کلا الجوابین صحیح

قال فی العالمگیریۃ عن فتاویٰ الحجۃ : لوصار احد المسجدین قدیماً وتداعی الی الخراب فاراد اھل السکۃ بیع القدیم وصرفہ فی المسجد الجدید فانہ لا یجوز اما علی قول ابی یوسفؒ فلان المسجد وان خرب واستغنیٰ عنہ اھلہ لا یعود الی ملک البانی واما علی قول محمدؒ وان عاد بعد الاستغناء ولکن الی ملک البانی وورثتہ فلا یکون لاھل المسجد ولایۃ البیع والفتویٰ علی قول ابی یوسفؒ انہ لا یعود الی ملک مالک ابداً کذا فی المضمرات اھ (ص ۲۳۹ ج ۳)

قلت : واما ماورد فی جواز نقل مسجد الیٰ آخر فمعناہ نقل اوقافہ وانقاضہ الیہ اذا خرب الاول واستغنیٰ عنہ لا ان یزول مکان المسجد الاول عن المسجدیۃ ویباع ویوھب وینزع فیہ فھذا لا یجوز ،

وفی العالمگیریۃ : سئل شمس الائمۃ الحلوانی عن مسجد اوحوض خرب ولا یحتاج الیہ لتفرق الناس عنہ ھل للقاضی ان یصرف اوقافہ الی مسجد آخر اوحوض آخر قال: نعم؛ ولم یتفرق الناس قال لا اھ

وفی فتاویٰ النسفی عن شیخ الاسلام : عن اھل قریۃ افترقوا و تداعی المسجد الی الخراب وبعض المتغلبۃ یستولون علی خشب المسجد وینقلون الی دیارھم ھل لواحد من اھل القریۃ ان یبیع الخشب بامر القاضی ویمسک الثمن لیصرفہ الی بعض المساجد او الیٰ ھذا المسجد قال: نعم؛ کذا فی المحیط اھ (ص ۲۴۴ ج ۳)

والجواب الثانی لا یحتاج الی تفصیل - واللہ اعلم

از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ

۲۸ رمضان ۴۴ ھ

مسجد کا شامیانہ اگر متولی اس مسجد میں استعمال نہ کرے تو دوسری مسجد میں دینا درست ہے یا نہیں۔

سوال: معظمی مدظلکم
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ
یہاں پر ایک شخص نے مسجد کے صحن کیلئے ایک شامیانہ دیا تھا وہ مہتممین مسجد کے بے توجہی کے سبب پڑا پڑا خراب ہو رہا ہے یعنی شامیانہ لپیٹ کر رکھدیا گیا ہے چھ مہینہ کی مدت میں ایک دن بھی شامیانہ سے کام نہیں لیا گیا جمعہ کے روز کل مصلی دھوپ میں گرم صحن پر نماز پڑھتے ہیں۔ جس شخص نے شامیانہ دیا تھا وہ یہ چاہتا ہے کہ وہ شامیانہ کسی دوسری مسجد میں دیدے۔ اب سوال یہ ہے کہ ایک مسجد کی چیز حالت مذکورہ میں دوسری مسجد میں دینا جائز ہے یا نہیں؟ امید کرتا ہوں جواب سے مطلع فرماویں گے۔ فقط
خادم، مصلح الدین احمد

الجواب

وفی الهندیة:- رجل بسط من ماله حصیراً فی المسجد فخرب المسجد ووقع الاستغناء عنه فان ذالك یکون له حیا ولوارثه ان کان میتاً۔ وعند ابی یوسفؒ یباع ویصرف ثمنه الی حوائج المسجد فان استغنی عنه یحول الی مسجد آخر والفتوی علی قول محمدؒ (ای فی آلات المسجد واما فی ارضه وما یکون موقوفاً علیه من الاراضی فالفتوی فیه علی قول ابی یوسفؒ کما صرح فی الدر) اھ (ص ۲۲۹ ج ۳)

قال الشامی: لکن عند محمد انما یعود الی ملك الواقف ماخرج عن الانتفاع المقصود بالکلیة کما لو احترق ولا یستأجر بشئ اھ (ص ۵۴۲ ج ۳)

اس سے معلوم ہوا کہ صورت مسئولہ میں اگر مسجد اول اس شامیانہ سے مستغنی نہیں تو پھر متولی کو اس کے استعمال پر مجبور کیا جائے اگر نہ کرے تو اس کو معزول کیا جائے اگر اس پر قدرت نہ ہو تو پھر تحویل کیجائے۔

قال فی الدر ومثله فی الخلاف المذکور حشیش المسجد وحصره مع الاستغناء عنهما وکذا الرباط والبئر اذا لم ینتفع بهما فیصرف وقف المسجد والرباط والبئر والحوض الی اقرب مسجد او رباط او بئر او حوض الیه اھ

قال الشامی: وصرح فی الخانیة بان الفتوی علی قول محمدؒ قال فی البحر

وبه علم ان الفتویٰ علی قول محمدؒ فی آلات المسجد وعلی قول ابی یوسفؒ فی تابید المسجد اھ والمراد بآلات المسجد نحو القندیل والحصیر بخلاف انقاضه اھ (ص ۲۷۵ ج ۳) ـــــ والاصل ان آلات المسجد تعود الی ملک الواقف اذا استغنیٰ عنها، واللّٰہ اعلم

از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ

۲۸ ذی قعدہ ۴۴ھ

مسجد کے نیچے دوکانیں بنانا اور ان میں دنیاوی کام کرنا

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک مسجد کے نیچے اول دوکانیں تعمیر کرکے دوکانوں کی چھت پر مسجد تعمیر کی آیا اُن دوکانوں کو کرایہ پر دیکر کرایہ دوکان کو مسجد کے خرچ میں لا سکتے ہیں یا کہ نہیں؟ اور ان دوکانوں میں کام دنیوی کرنا جائز ہے یا نہیں؟

بندہ حاجی الٰہی بخش از نگینہ ضلع گوڑھ نوہ

الجواب

صورتِ مسئولہ میں ان دوکانوں میں دنیوی کام جائز ہے اور ان کا کرایہ مسجد کے خرچے میں لانا جائز بلکہ واجب ہے[1] مسجد کی حد کے نیچے دوکانیں بعد میں بنانا تو جائز نہیں کہ پہلے مسجد بن گئی پھر اس کے نیچے دوکانیں کھود کر بنائی گئیں اور اگر پہلے دوکانیں بنا دی جائیں پھر اُن کے اوپر مسجد بنائی جائے تو جائز ہے اس صورت میں یہ دوکانیں مسجد کے حکم میں نہ ہونگی۔

قال فی البحر عن المجتبیٰ: لایجوز لقیم المسجد ان یبنی حوانیت فی حد المسجد او فناءہ اھ (ص ۲۴۹ ج ۵)

وفیه ایضاً (ص ۲۵۱ - ج ۵) ومن جعل مسجداً تحته سرداب او فوقه بیت وجعل بابه الی الطریق وعزله فله بیعه ویورث عنه لانه لم یخلص للّٰہ تعالیٰ لبقاء حق العبد متعلقاً به وحاصله ان شرط کونه مسجداً ان یکون سفله وعلوه مسجداً لینقطع حق العبد عنه لقوله تعالیٰ: وَاَنَّ الْمَسَاجِدَ لِلّٰهِ، بخلاف ما اذا کان السرداب او العلو موقوفاً لمصالح المسجد فانه یجوز اذ لا ملک فیه لاحد بل هو من تتمیم مصالح المسجد فهو کسرداب مسجد بیت المقدس هذا هو ظاهر المذهب

[1] بشرطیکہ یہ دوکانیں مسجد کے لئے ہوں اور مسجد ہی پر وقف ہوں۔ دیکھئے ۴۹۹۔

وهناك روايات ضعيفة مذكورة في الهداية وبما ذكرناه علم انه لو بنى بيتاً على سطح المسجد لسكنى الامام فانه لا يضر في كونه مسجداً لانه من المصالح ـــــ فان قلت: لو جعل مسجداً ثم اراد ان يبني فوقه بيتاً للامام او غيره هل له ذالك ـــــ قلت: قال في التتارخانية: اذا بنى مسجداً او بنى غرفة وهو في يده فله ذالك وان كان حين بناه خلى بينه وبين الناس ثم جاء بعد ذالك يبني لا يتركه ـــــ وفي جامع الفتاوىٰ: اذا قال عنيت ذالك فانه لا يصدق اھ فاذا كان هذا في الواقف فكيف بغيره انتهىٰ كلام البحر ـ والله اعلم

از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ

۲۶ ر ذی الحجہ ۴۴ھ

آکل ربوٰ اگر تائب ہوکر مسجد میں یہ کہکر رقم دے کہ یہ رقم حلال کی ہے تو اس کو مسجد میں لگانا درست ہے یا نہیں۔

سوال: ایک شخص نے باوجود حلال مال کی مقدار کے ہوتے ہوئے سود خوری اختیار کرکے بہت مال و روپیہ جمع کرلیا ہے اور مال حلال و حرام میں کچھ تمیز و فرق نہ رہا، اس وقت توبہ کرکے سود خوری چھوڑ دی اب نیکی کی طرف بھی خیال رکھتا ہے اور ایک مسجد کہنہ ہے اس میں نماز جمعہ پڑھا جاتا تھا سود خور نے اس مسجد قدیم کہنہ میں ٹین کی چھت وغیرہ بنوا دیا ہے اور قسم کھا کر کہتا ہے کہ جسقدر روپیہ مسجد میں خرچ ہوا یہ میرے حلال مال سے ہے مصلی لوگوں نے سود خور کی قسم پر اعتبار نہ کرکے نیکی وجہ سے مسجد کہنہ میں نماز پڑھنا چھوڑ دی ہے اور ایک پختہ مسجد کتنے برسوں سے موجود ہے بسبب شبہ ضرار کے اس میں نماز جمعہ نہیں پڑھتے تھے اس صورت میں کس مسجد میں جمعہ کی نماز پڑھی جاتے مصلی لوگ کہتے ہیں کہ سود خور کی قسم پر کسطرح اعتبار کیا جاتے حالانکہ اس کا آمیختہ ہے کس طرح حلال و حرام کا فرق کیا جاتے، ان سب صورتوں میں کہاں نماز جمعہ پڑھی جاتے، بیان فرمائیں اور اسکی قسم پر اعتبار کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب

جب مسلمان قسم کھاکر یہ کہتا ہے کہ جس قدر روپیہ مسجد میں خرچ ہوا ہے یہ مالِ حلال سے ہے تو اسکی قسم کا اعتبار کیا جائیگا بلکہ وہ بدون قسم کے بھی یہ دعویٰ کرتا تو اس کا

قول معتبر ہوتا پس اس صورت میں مسجد کہنہ میں جمعہ پڑھنے سے اجتناب کی ضرورت نہیں اس میں بلا شبہ نماز درست ہے دوسرے جب اس شخص نے صرف ٹین کی چھت ڈالی ہے اور مسجد کا فرش نہیں بنایا بلکہ فرش پہلے سے حلال آمدنی کا بنا ہوا ہے تو بالفرض اگر اسکا مال حلال نہ بھی ہوتا جب بھی نماز میں خلل نہ آتا کیونکہ نماز تو فرش پر ہوتی ہے نہ کہ ٹین پر اور محل نماز مشتبہ نہیں۔

وفی الطحطاوی علی مراقی الفلاح: الصلوٰۃ فی ارض مغصوبۃ جائزۃ ولکن یعاقب بظلمہ فما کان بینہ وبین اللہ یثاب وما کان بینہ وبین العباد یعاقب کما فی فتاوی الھندیۃ اھ (ص ۲۰۹)

قلت: لما کان ھذا حکم الارض المغصوبۃ فما ظنک بارض موقوفۃ وقفاً حلالاً مسقفۃ بمال مشتبۃ عند الناس حلالاً عند البانی، فافھم!

واللہ اعلم

از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ

۹ محرم ۴۵ھ

انقاض مسجد اور اس کے بیچنے کا حکم

سوال: علیٰ ہذہ موجودہ مسجد کے اشیاء (کھپرا، بتی، وچھپر وغیرہ) جو مسجد کی ضرورت سے فاضل ہو اس کو اس نئے مسافر خانہ یا دوسرا مکان موقوفہ جو اس مسجد کے متعلق ہو اس میں لگانا جائز ہے یا نہیں؟

(۲) بصورتِ عدم جواز یا عند الجواز جو فاضل عن الضرورۃ ہو اس خیال سے کہ اسکی حفاظت آئندہ غیر ممکن ہوگی اور سڑ گل کر ضائع ہو جائیگا اسکو نیلام کر دیا جائے یا ایسے ہی کسی خریدار کے ہاتھ فروخت کر دیا جائے اور اسکی قیمت کو اس مسجد میں خرچ کیا جائے تو جائز ہے یا نہیں؟

(۳) اس مال موقوفہ کو خریدنا اور خرید کر جس طرح چاہے ادب کا لحاظ رکھ کر (مثلاً پائخانہ وغیرہ میں نہ لگایا جائے) اس کا استعمال کرنا جلانا اور گھر میں لگانا جائز ہے یا نہیں؟ اس مال موقوفہ کی بے ادبی تو نہیں ہوگی؟

الجواب: (۱) آباد مسجد کی اشیاء کو اسی مسجد کے علاوہ کسی مکان میں

نہیں لگا سکتے نہ مسافر خانہ میں نہ مکان موقوف للمسجد میں۔

فی الھندیۃ عن البحر: لو ان قوماً بنوا مسجداً وفضل من خشبھم شئ قالوا یصرف الفاضل فی بنائه ولا فی الدھن والحصیر اھ (ج۳ ص۲۴۱)

اور مسافر خانہ میں قیمۃً مسجد کا وہ سامان خرید کر لگایا جا سکتا ہے جسکی حفاظت دشوار ہے یا اُسکے خراب ہونیکا اندیشہ ہے۔

(۲) مسجد کے جس سامان کی حفاظت دشوار ہو یا اس کے خراب ہونیکا اندیشہ ہو اسکو نیلام یا بیع کرنا درست ہے اور اسکی قیمت کو مسجد ہی میں لگایا جائے اور یہی حکم مسافر خانہ کا ہے اتنا فرق ہے کہ مسافر خانہ سے فاضل اسباب کا بیع کرنا مطلقاً درست ہے خواہ حفاظت دشوار ہو یا نہ ہو اور خراب ہونیکا اندیشہ ہو یا نہ ہو۔

(۳) خریدنا اور ہر طرح استعمال کرنا جائز ہے اور ادب کی رعایت مستحب ہے

واللہ اعلم

از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ

۱۵ محرم ۴۵ھ

مسجد کی زمین پر کوئی دوسری تعمیر جائز نہیں ہے

سوال: میں نے اپنے دروازے کے صحن میں ایک مسجد کی بنیاد ڈالی، پچھم، اتر، دکھن، تین طرف کی دیواریں قریب تیاری کے آگئی تھیں صرف پورب کی باقی تھی، اتنے میں یہ معلوم ہوا کہ مسجد کا رُخ قبلہ سے کسی قدر پھرا ہوا ہے اسی وقت سے کام بند کر دیا گیا اس سال جاڑے کے دنوں میں جب حضور الہ آباد تشریف لاتے تھے تو میں نے اس کے متعلق حضور سے مسئلہ دریافت کیا تھا حضور نے فرمایا کہ نماز تو ہو جائیگی مگر عیب دار ہوگی حضور نے خرچ کی کفایت کے خیال سے یہ بھی فرمایا تھا کہ کاریگروں کو دکھلاؤ بلا منہدم کئے ہوئے اگر کسی طریقہ سے درست ہو جائے تو بہتر ہے چنانچہ دو چار کاریگروں کو دکھلایا وہ سب بالاتفاق یہی کہتے ہیں کہ بلا گرائے مسجد ٹھیک نہیں ہوگی ڈاٹ وغیرہ میں جوڑ لگے گی تو اول تو کمزور ہوگی دوسرے بدنما معلوم ہوگی، غرض گرانیکی رائے مصمم ہوگئی اب بعض ضروریات کے خیال سے یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مسجد اس جگہ سے دس پندرہ قدم جانب اتر ہٹا کر تعمیر کی جائے تو کنواں، غسل خانہ،

استنجاء خانہ وغیرہ کی جگہ اس مقام پر کافی طور سے نکل آئیگی اور یہ جگہ جہاں اب مسجد ھے دوسرے مصرف میں لیجائے ایسی صورت میں کوئی شرعی قباحت ہے یا نہیں؟

دوسری گذارش یہ ہے کہ اگر مسجد کی زمین پرانی مسجد کی زمین سے کسی قدر کم ہوجائے تو اس میں کسی قدر کوئی حرج ہے یا نہیں دو چار پڑھے لکھے آدمیوں سے میں نے اس کے متعلق دریافت کیا کسی نے کچھ بتایا کسی نے کچھ میرا اطمینان حضور کے ارشاد کے اوپر ہوگا لہذا جواب کا منتظر ہوں۔

محمد عمر ساکن چایل خاص، ضلع الہ آباد

تنقیح

(۱) اس جگہ پہلے تو مسجد نہ تھی؟

(۲) اگر نہ تھی اور نئی بنیاد پڑی ہے تو بنیاد پڑنے کے بعد اسمیں کبھی نماز تو نہیں پڑھی گئی؟

(۳) اس مسجد میں پہونچنے کا راستہ وقف ھے یا نہیں؟

جواب تنقیح

(۱) اس جگہ پہلے کوئی مسجد نہیں تھی۔

(۲) مسجد کی جس وقت سے بنیاد پڑی اسی وقت سے اس میں نماز جماعت کے ساتھ پڑھی جاتی ہے چونکہ ابھی چھائی نہیں گئی لہذا بارش کے وقت مجبوراً اس میں نماز نہیں ہوتی۔

(۳) مسجد کے راستہ کے متعلق کوئی زمین وقف نہیں ہے بلکہ سائل کی نشستگاہ کا ایک چبوترہ ۷ ھے جو راستہ سے کسی قدر اونچا ھے لوگ راستہ ۶ سے اس چبوترہ پر چڑھتے ہیں وہاں سے مسجد کے زینہ پر چڑھ کر مسجد میں داخل ہوتے ہیں چونکہ میرا ہی چبوترہ ہے اس وجہ سے میرے سامنے کوئی روک ٹوک کسی قسم کی نہیں ہوسکتی میرے بعد جو صورت پیدا ہو اسکو نہیں عرض کرسکتا آسانی کیلئے ایک نظری نقشہ مرتب کرکے ہمراہ عریضہ ھذا ارسال خدمت عالی کرتا ہوں اس سے ہر موقع حضور کے سمجھ میں آجائیگا میں بفضلہ تعالیٰ کثیر الاولاد ہوں خواہش یہ ہے کہ مسجد کی زمین جس پر ۲ پڑا ہوا ہے اُسے مکان ۱ میں شامل کرلوں اور اب

مسجد چبوترہ ۳ شمال کی طرف جس پر ۲ پڑا ہوا ہے تعمیر کرا دوں اسکی آمد و رفت راستہ ۵ سے رہیگی چبوترہ سے اسکو کوئی تعلق نہیں رہیگا اور مسجد کے محاذ میں مشرق کی طرف جو زمین چبوترہ کی باقی رہیگی اسپر کنواں اور غسل خانہ بنے گا احتیاطاً پہلا عریضہ بھی جس پر حضور کا جواب تحریر ہے ہمراہ عریضہ ھذا ارسال خدمت عالی کرتا ہوں اگر مسجد کے ہٹانے کی صورتِ جائز قرار پائے تو اس بات سے بھی مطلع فرمایا جائے کہ اگر پرانی مسجد سے یہ دوسری مسجد کسی قدر چھوٹی بنائی جائے تو اسمیں کوئی قباحت ہے یا نہیں؟ خاص مسجد کی زمین کے تو کسی قدر کم کرنیکا ارادہ ضرور ہے مگر کنواں اور غسل خانہ کی زمین ملکر پرانی مسجد کی زمین سے بڑھ جائیگی۔ نقشہ یہ ہے
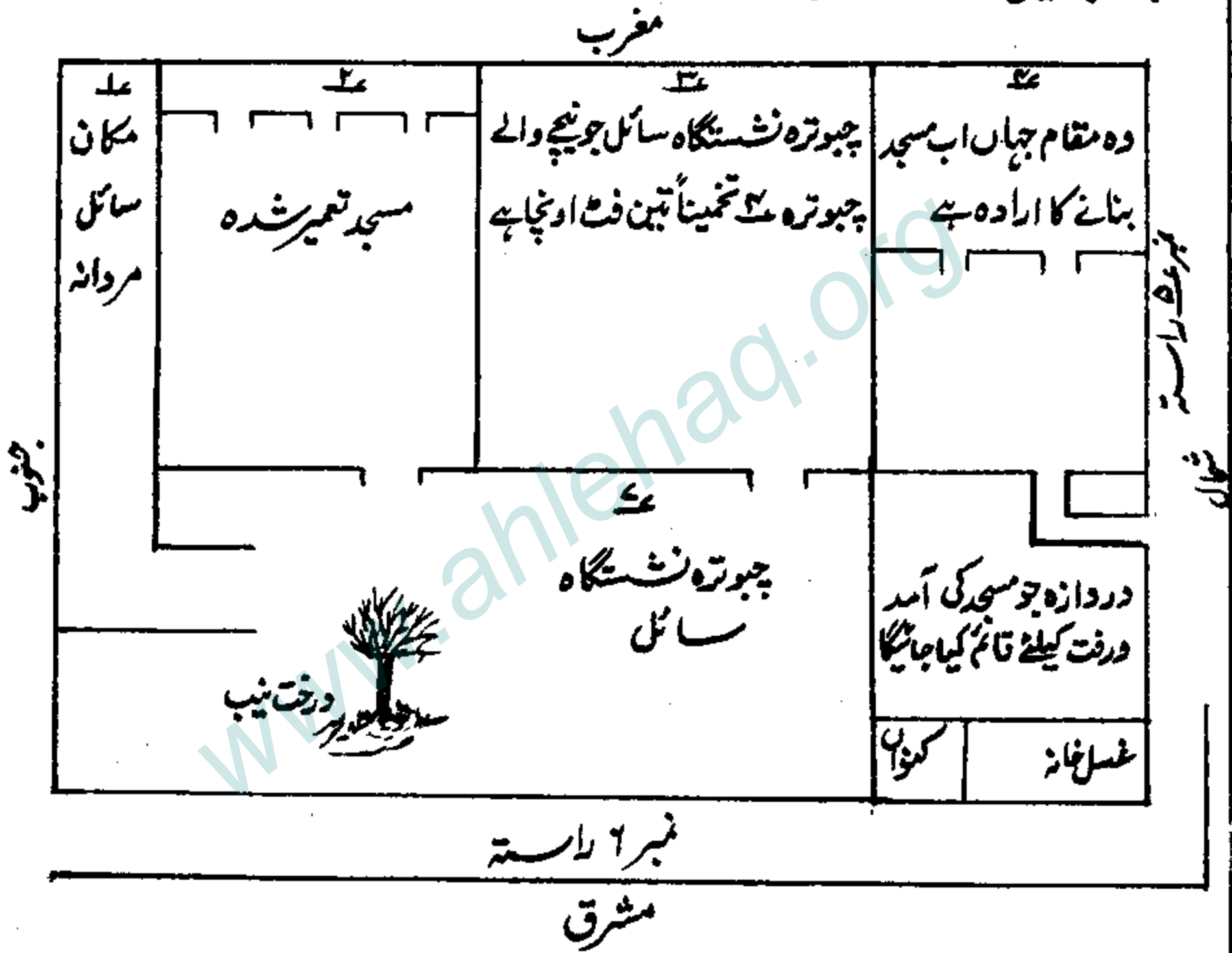
الجواب

صورتِ مسئولہ میں وہ مسجد ہوگئی اور اب اس مسجد کی جگہ اور کچھ بنانا جائز نہیں۔

قال الشامی تحت قول الدر: (بالفعل) ففی النھر عن القنیۃ: جعل وسط دارہ مسجداً و اذان للناس بالدخول والصلوٰۃ فیہ ان شرط معہ الطریق صار مسجداً فی قولھم جمیعاً والا فلا عند ابی حنیفۃؒ وقالا: یصیر مسجداً و

یصیر الطریق من حقه من غیر شرط کما لو آجر ارضه ولم یشترط الطریق اھ (ص ۱۵۷ ج ۳)

وفی الصفحة الآتیة منه، وفی الدر المنتقی: وقدم فی التنویر وغیرها قول ابی یوسفؒ وعلمت ارجحیة فی الوقف والقضاء اھ، وفی الشامیة ایضاً (ص ۵۵۲ ج ۲): ولا یلزم الا باحد امرین اما ان یکون به القاضی او یخرجه مخرج الوصیة وعندهما یلزم بدون ذالك وهو قول عامة العلماء وهو الصحیح، ثم ان ابا یوسفؒ یقول: یصیر وقفاً بمجرد القول لانه بمنزلة الاعتاق عنده، وعلیه الفتویٰ، وقال محمدؒ: لا إلّا باربعة شروط ستأتی اھ فقط

واللہ اعلم	الجواب صحیح
احقر عبد الکریم گمتھلوی عفی عنہ	ظفر احمد عفا اللہ عنہ
۲۵ ر ذی قعدہ ۴۳ھ	۲۶ ر ذی قعدہ ۴۳ھ

مسکونہ مکان کی چھت پر مسجد بنائی گئی تو اس پر مسجد کے احکام جاری ہونگے یا نہیں

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص اپنے مکان مسکونہ کی چھت پر مسجد تعمیر کرانا چاہتا ہے اور نیچے کا حصہ برابر بود و باش میں مستعمل ہے تو کیا اس مسجد پر تمام احکامات مسجد کے جاری ہونگے یا نہیں؟ اور مسجد قرار پانے کی صورت میں کسی خاص وجہ سے مثلاً خطرہ جان و مال سے یعنی مخالفین غیر مذہب والے یہ دھمکی دیتے ہیں کہ اگر تو مسجد نہ گرائے گا تو ہم تجھکو مار ڈالیں گے یا تیرا گھر پھونک دینگے بانی مسجد یا دوسرے لوگ غیر مذہب کے اسکو منہدم کریں یا منہدم کرانا چاہیں تو ایسی صورت میں منہدم کروانیوالے کے لئے کیا حکم ہوگا اور اگر مسجد شرعاً نہ قرار پاتے تو انہدام کے متعلق بانی مسجد یا غیر مذہب والے کیلئے کیا حکم ہوگا بحوالہ کتب معتبرہ، فقہ و حدیث مفصل جواب سے سرفراز فرمائیں نیز یہ بھی لکھیں کہ اگر چھت پر مسجد بن چکی ہے اور بانی مسجد نے وہی مذکورہ بالا خطرات کی وجہ سے کوئی حصہ مسجد کا گرا دیا اور اب خود یا مسلمانوں کے سمجھانے پر اور تقویت دلانے پر مسجد مذکورہ بہمہ وجوہ مکمل کرنے پر تیار ہے تو شرعاً اسکو تکمیل مسجد واجب ہے یا سکوت کرے؟ بینوا توجروا۔ سائل۔ محمد صادق عفی عنہ

از فتح پور محلہ قضیانہ

الجواب

صورت مسئولہ میں وہ مسجد نہیں ہوئی۔

کما فی الشامی (ص ۵۷۱ ج ۳) و فی القستانی: ولا بد من افرازہ ای تمییزہ علی ملکہ من جمیع الوجوہ فلو کان العلو مسجدا والسفل حوانیتاً او بالعکس لا یزول ملکہ لتعلق حق العبد بہ کما فی الکافی وھکذا فی ص ۳۷۵۔ و عالمگیریۃ (ص ۲۳۸ ج ۳)۔

کتبہ الاحقر عبدالکریم عفی عنہ
۱۰ صفر ۴۴ھ

اور جب مسجد نہیں تو اس کا گرا دینا جائز ہے اور اسکا منہدم کرنے والا مسجد کے منہدم کرنے والے کی طرح گناہ گار نہ ہوگا۔ واللہ اعلم

ظفر احمد عفا عنہ
از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ

مسجد کا ملبہ ذاتی مصرف میں لانا جائز نہیں ہے

سوال ۲: کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے تنہا اپنے مال سے ایک مسجد تعمیر کرائی اور اس مسجد کو ایک مدت (تیس پینتیس سال) کے بعد کسی وجہ سے شہید کراکر از سر نو تعمیر کرانیکا موقعہ ہوا اس صورت میں وہ لکڑی کا اسباب (جو اس شہید شدہ مسجد سے برآمد ہوا ہے وہ مسجد مذکور سے بیکار رہونیکی حالت میں) بانی مسجد یا ورثاء بانی اسکو واپس لوٹانیکا حق رکھتے ہیں یا نہیں؟ اور وہ لکڑی اگر کوئی شخص خرید کر اپنے مکان وغیرہ میں لگانا چاہے تو لگا سکتا ہے یا نہیں؟ اور اگر دوسری مسجد کی بھی تعمیر ہوتی ہو اور اس مسجد میں یہ لکڑی کام آتی ہو تو ان لکڑیوں کو اس مسجد میں بغیر قیمت کے دلوانیکا بانی یا ورثاء بانی کو حق حاصل ہے یا نہیں؟ اس کے جواب سے مطلع فرماکر ممنون فرمائیں۔

بینوا توجروا

بندہ محمد یوسف ٹیمول عفی عنہ از کٹھوری
ضلع سورت۔ مورخہ ۱۵ رجب ۱۳۴۴ھ

الجواب

فی الشامیة (ص۵۴۷ج۳): (قوله ومثله حشیش المسجد) قال الزیلعی: وعلی هذا حصیر المسجد وحشیشه اذا استغنی عنهما یرجع الی مالکه عند محمد وعند ابی یوسف ینقل الی مسجد آخر وعلی هذا الخلاف الرباط والبئر اذا لم ینتفع بهما اھ، وصرح فی الخانیة: بان الفتوی علی قول محمدؒ، قال فی البحر: وبه علم ان الفتوی علی قول محمدؒ فی آلات المسجد وعلی قول ابی یوسف فی تابید المسجد والمراد بآلات المسجد نحو القندیل والحصیر بخلاف انقاضه لما قدمنا عنه قریباً من ان الفتوی علی ان المسجد لا یعود میراثاً ولا یجوز نقله ونقل ماله الی مسجد آخر۔

پس صورت مسئولہ میں وہ اسباب اس مسجد کی ملک ہے فروخت کرکے اس پر خرچ کیا جائے بانی یا ورثاء بانی کو اس کا لوٹانا جائز نہیں اور نہ دوسری مسجد میں دلوانیکا حق ہے۔ واللہ اعلم

حررہ الاحقر عبد الکریم عفی عنہ

الجواب صحیح

ظفر احمد عفا اللہ عنہ

۵رشعبان ۴۳ھ

حکم حفر البئر فی فناء المسجد المتعلق به وفیه قبور معلومة وظهرت عظام الاموات بعد الحفر ایضاً۔

سوال: ما قولکم دام فضلکم ایها العلماء الکرام ادام اللہ نیضکم مدی الایام، فیما اذا حفر بئر جدید فی فناء المسجد الجامع فوجد فی حالت الحفر قبور مندرسة بعضها فوق بعض فکملت البئر حفراً وطوراً ووجد ایضاً فی فناء ذالک المسجد قبور ظاهرة معلمة والعادة مطردة بدفن البعض فی السعة التی امام المسجد وحوالیه فهل یجوز تعمیق

البئر فی هذه الصورة اذا انتهی الحفر الی القبر بناء علی ان الموضع فناء المسجد وانه لم یعلم وجود القبر هناک قبل الحفر وهل یاثم المتوضی من الحوض الذی یرد الیه الماء من تلک البئر وما معنی القول بجواز بناء الابنیة وحفر الآبار فی فناء المسجد علی القبور بینوا کل ذالک بیانا شافعاً و فصلوا فی الجواب تفصیلاً کافیاً جزاکم اللہ عن الاسلام واھله خیراً دیناً ودنیا واخری

السائل ، محمود عفا اللہ عنه

باسمہ تعالیٰ شانہ حامداً ومادحاً

الجواب اللّٰھم ھدایة للصواب

ان الارض التی حول المسجد ومنھا فنائه اما ان تکون موقوفةً علیه لمصالحه فتکون ملکاً له لایجوز التصرف فیھا بما ینافی مصالحه فلو دفنت الاموات فی تلک الارض لا تکون مقبرة موقوفة ولا مسبّلة بل کان الدفن غصباً فاذا بلی القبور وصار تراباً عادت الارض لمصالح المسجد فیجوز نبشه والبناء علیه وزرع تلک الارض وسائر وجوه الانتفاع بھا حسب المصلحة سواء کانت القبور ظاھرة مُعلمة اوخفیة دارسة فی فناء المسجد کما لایخفیٰ ، ففی الحاشیة العلامة الشروانی رحمه اللہ ، نقلاً عن الایعاب شرح العباب ما نصه : (ویجوز زرع تلک الارض ای التی تیقن بلاء من بھا وبناءھا وسائر وجوه الانتفاع والتصرف باتفاق الاصحاب ذکر ذالک کله فی المجموع وینبغی فرضه فی مقبرة مملوکة (وموات لامسبلة لحرمة نحو البناء فیھا مطلقاً اھ) انتھیٰ واما ان یکون بعضھا لمصالح المسجد وبعضھا لاغراض آخر کبناء الرباط والمدرسة والمجالس وبیوت الاخبیة وکدفن بعض الاعیان فتتعین تلک المواضع المخصوصة بما ذکر لما ذکر لایجوز

التصرف فیها بغیر ذالک لان مراعاة غرض الواقفین واجبة فالارض التی اطرد دفن الاموات فیها تکون مقبرة موقوفة فلا یجوز فی صورة المسئولة حفر البئر وبناء الابنیة فیها علی القبر سواء کانت القبور ظاهرة اوخفیة ولا یجوز تعمیق البئر حیث انتهی الحفر الی القبر کما لا یجوز حفراً یسیراً ابتداء علی القبر حیث علموا انها مقبرة مسبلة بالقرائن واما البناء علی ان الموضع فناء المسجد وانه لم یعلم وجود القبر هناك فباطل لان فناء المسجد هو السعة التی حوالی المسجد لم یبق فی هذه الصورة ملکاً للمسجد فقط بل تنازع لاغراض کما تقدم ولانه علم عند الانتهاء الی القبر انه مقبرة مسبلة حیث اطردت العادة بدفن بعض الاعیان فی فناء المسجد بلا انکار کما هو مشاهد فی البلاد لاسیما وقد کانت القبور بعضها فوق بعض فیأثم الساعی فی هدم تلك القبور وحفر البئر علیها ویأثم المتوضی من الحوض الذی یرد الیه الماء من تلك البیر فیجب هدمها ازالة للمنکر، ففی تحفة المحتاج شرح المنهاج ما نصه: (وینبغی ان لکل احد هدم ذالک) ای ما یبنیٰ فی المقبرة المسبلة (مالم یخش منه مفسدة فیتعین الرفع للامام اخذاً من کلام ابن الرفعة فی الصلح ولا یجوز زرع شیٔ من المسبلة وان تیقن بلی من بها لانه لا یجوز الانتفاع بها بغیر الدفن فیقلع وقول المتولی: یجوز بعد البلیٰ محمول علی المملوکة) انتهیٰ هذا ما ظهر لی فی هذا الباب۔

واللہ اعلم بالصواب وعنده ام الکتاب

حرره الفقیر لمولاه القدیر شهاب الدین

الجواب صحیح

ولکن اذا ظهر عظام المیت وقت الحفر لا یجوز القاءها

فی موضع آخر بل یجب دفنها فی موضع آخر او فی هذا المقام قریباً ان کانت الارض مقبرة۔ واللہ اعلم۔

حررہ ظفر احمد عفا اللہ عنہ
از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ
۲۲ر رجب ۴۵ھ

مال حرام سے بنائی ہوئی مسجد کا حکم | **سوال**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین کہ زید ایک مفلس آدمی تھا وہ کچھ روپیہ لیکر بیع سلم کیا اگر مدتِ معینہ مسلم الیہ مسلم فیہ ادا نہ کرسکے۔ تو روپیہ میں چار آنہ سود لیتے تھے رفتہ رفتہ وہ پیسے والا ہوگیا اور کچھ زمین خریدی اور ایک کچی مسجد تیار کی لیکن جب ان کو خوب ترقی ہوئی اور اندازاً چار یا پنچ سو بیگہ زمین بھی خریدی تو اس مسجد کو پکا کردیا کچھ دنوں سے اس نے سود لینا تو چھوڑ دیا مگر مسجد پہلے تیار کیا ہوا ہے، اور یہ معلوم نہیں کہ اس میں مال حرام کس قدر صرف ہوا اور مال حلال کس قدر، ایسی مسجد میں نماز پڑھنا جائز ہوگی یا نہیں؟ اور اگر بالفرض کوئی پہلو معلوم ہوجائے مثلاً حرام کا غالب ہونا یا حلال کا غلبہ ہونا تو اس کا کیا حکم ہوگا؟ اور اگر شریعت کی رُو سے ایسی مسجد پاک کر لینے کی کوئی صورت ہو تو وہ بھی تحریر فرمائیں اور اگر بانی مسجد اس کی تعمیل نہ کرے اس وقت کیا کیا جائیگا؟ اہل قریہ کو دوسری مسجد بنانیکی اجازت دی جائیگی یا نہیں؟ بینوا توجروا

۱۹ر رب ۴۵ھ

الجواب

مال حرام سے بنائی ہوئی مسجد وہ ہے جس میں گارا اور اینٹ و لکڑی وغیرہ مغصوب ہوں یا زمین مغصوب ہو اور اگر رقم حرام کی ہو تو وہ رقم تو مسجد میں نہیں لگتی بلکہ اس سے خریدا ہوا سامان مسجد میں لگا ہے اب اگر یہ صورت ہوئی کہ سامان اولاً ادھار منگا لیا گیا پھر قیمت مال حرام سے ادا کردی گئی تو مسجد میں مال حرام نہیں لگا، اور اگر قیمت نقد دی گئی تو اس میں دو صورتیں ہیں، ایک یہ کہ مالِ حرام دکھلا کر معاملہ کیا گیا کہ ان روپیوں کی فلاں چیز دیدو، دوسری یہ کہ مالِ حرام دکھلا کر معاملہ نہیں کیا گیا بلکہ یوں کہا کہ دس روپیہ یا پندرہ روپیہ کی چیز دیدو، اور قیمت میں روپیہ مطلق تھا پھر اس قیمت کو مالِ

حرام سے نقد ادا کردیا، صورتِ اولیٰ میں خریدی ہوئی شے حرام ہونگی اور ان کا مسجد میں لگانا ہی حرام ہوا اور دوسری صورت میں خریدی ہوئی شئے حرام نہیں ہوئی، اس کا لگانا مسجد میں درست ہوگیا۔ گو اس کا گناہ ہوا کہ دوسرے کو مال حرام سے قیمت ادا کی۔

قال الشامی عن التتارخانیة: رجل اکتسب مالاً من حرام ثم اشتریٰ فهذا علی خمسة اوجه، اما[۱] ان دفع تلك الدراهم الی البائع اولا ثم اشتریٰ منه بها، او[۲] اشتریٰ قبل الدفع بها ودفعها، او[۳] اشتریٰ قبل الدفع بها ودفع غیرها، او[۴] اشتریٰ مطلقاً ودفع تلك الدراهم، او[۵] اشتریٰ بدراهم اُخر ودفع تلك الدراهم، قال ابونصر: یطیب له ولا یجب علیه ان یتصدق الا فی الوجه الاول والیه ذهب الفقیه ابو اللیث لکن هذا خلاف ظاهر الروایة، وقال الکرخی: فی الوجه الاول والثانی لا یطیب وفی الثالث والاخیرة یطیب، وقال ابوبکر: لا یطیب فی الکل، لکن الفتویٰ الاٰن علی قول الکرخی دفعاً للحرج عن الناس؛ وفی الولوالجیة: وقال بعضهم: لا یطیب فی الکل وهو المختار، لکن الفتویٰ الیوم علی قول الکرخی دفعاً للحرج لکثرة الحرام اھ (ص ۳۲۰ ج ۴)

پس اس مسجد کے حرام ہونیکا فتویٰ اس وقت تک نہیں دیا جاسکتا جب تک کہ یہ متعین نہ کیا جائے کہ اسمیں جو اشیاء مال حرام سے خرید کر لگی ہیں ان کی خرید صُور مذکورہ میں سے کس صورت پر ہوئی نیز یہ بھی متعین کیا جائے کہ حرام غالب تھا یا حلال؟ یا دونوں مساوی؟ اور حرام غالب تھا یا مغلوب تو وہ حلال سے مخلوط تھا یا غیر مخلوط اور خلط کا یقین تھا یا محض بناء بر عادت کے ظن ہی تھا، جواب تنقیح اگر دیا جائے تو یہ پرچہ بھی واپس کیا جائے اور بستی والوں کو دوسری مسجد بنالینا ہر حال میں جائز ہے جب مسجد مندرجہ سوال بالا شرعاً قابل نماز پڑھنے کے نہ ہو۔

واللہ اعلم

از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ اشرفیہ

۲۸ رجب ۴۵ھ

مسجد کیلئے کافر کا زمین هبہ کرنا

سوال: مسلمانان نزد ھندو زمیندار درخواست کردہ بودند کہ اینجا مسجد بنا ساختن ضروریست مارا برائے مسجد قدرے جا بدھند، ھندو زمیندار درخواست منظور کردہ بر درخواست نوشتہ بود کہ این قدر زمین شمارا دادہ شد، و حد معین کردہ دادہ بود و وقف وھبہ ھیچ مذکور نہ بود و ھیچ شرائط ہم ضم نہ کردہ شدہ بود، مسلمانان بعد تعین حد بر آن زمین خاک نواندا ختہ بلند کردند و مسجد بنا ساختند و تا ہشت یا نہ سال درآں مسجد نماز و جمعہ می خوانند تا این زمان ہرچہ کہ کردہ شد نہ مسلمانان ہندو زمیندار را خبر دادند و نہ ہندو زمیندار خبر گرفت چونکہ فی الحال دل شان بر مسلمانان زیادہ ناخوش اند لھذا بوقت آغاز دیوار گفتند اینجا شمارا دادیم چرا بشکرانہ آن مارا اطلاع دادہ آغاز دیوار نہ کردید بدین سبب از پختہ نمودن دیوار منع می کنیم مسلمانان جواب دادند گاھے بوقت کار نوکہ در این جا کردیم اطلاع ندادیم اکنوں چرا خواہیم داد بعد ازان ھندو زمیندار ہیچ نمی گوید مسلمانان دیوار پختہ می کنند اکنوں جواب ارشاد می فرمایند کہ آن زمین بحسب شریعت ہبہ گردید یا وقف وہرچہ باشد در مسجدیت آن مسجد شبہ تواں شد یا نہ؟ و بشکرانہ ہندو زمیندار اطلاع ہیچ کار مسجد آغاز کردن جائز باشد یا نہ؟ اُمید کہ گستاخی عفو فرمایند۔ خادم آستان مبارک

میر اللہ عفی عنہ

پوسٹ شیر پور ٹاؤن موضع شیری ضلع میمن سکنہ بنگلہ

الجواب

صورت مسئولہ میں یہ زمین وقف تو نہیں کیونکہ ہندو زمیندار نے اسکو باقاعدہ وقف نہیں کیا البتہ جن مسلمانوں نے یہ درخواست دی ہے اگر درخواست پران کے دستخط ثبت تھے جیسا کہ عموماً درخواست پر درخواست کرنے والوں کے دستخط ہوتے ہیں اور درخواست کے جواب میں اسی درخواست پر ہندو زمیندار نے لکھدیا کہ "این قدر زمین شمارا دادہ شد" اور اس زمین کی حدود بھی معین کردی گئیں تو یہ زمین درخواست دہندگان کے لئے ہبہ ہوگئی جس پر بعد قبضہ کے ان کی ملک تام ہوگئی، اب چونکہ یہ لوگ

زمین کو فعلاً وقف کر چکے ہیں کہ اس میں نماز پڑھنے لگے تو وہ مسجد ہوگئی

قال فی الھندیۃ: اذا قال بجماعۃ من المسلمین: ھذا المال لکم یکون ھبۃ، کذا فی فتاویٰ قاضی خان اھ (ص ۲۴۹ ج ۵)

قلت: وکان ظنی ان ھذہ ھبۃ بمجھولین ولکن لیس کذالک بل ھی ھبۃ للذین خاطبھم بقولہ: "شمارا دادہ شد" وھم الذین ارسلوا الیہ الکتاب بخطوطھم فکانت ھبۃ لجماعۃ من المسلمین معینۃ بقی ان ھذا تملیک فلا بد لہ من قبول الموھوب لہ فی مجلسھا ولکن فی الھندیۃ ایضاً عن جواھر الفتاویٰ، قال رضی اللہ عنہ لما سألتہ عمن کتب قصۃ الی السلطان و سأل منہ تملیک ارض محدودۃ فامر السلطان بالتوقیع فکتب کاتب السلطان علی ظھر القصۃ الی جعلت الارض ملکا لہ ھل تصیر ملکا لہ ام یحتاج الی القبول فی المجلس ھذا ھو القیاس لکن لما تعذر الوصول الیہ اقیم السوال بالقصۃ مقام حضورہ وقبولہ فاذا امرہ بذالک واخذ منہ التوقیع بتملیک اھ (ص ۲۴۷ ج ۵)

فارتفع الاشکال، وکان السوال قائماً مقام القبول لان قید السلطان اتفاقی وفی حکمہ کل من یتعذر الوصول الیہ ومشافھتہ بالقبول عادۃً سواء کان سلطاناً او امراء القریۃ۔

البتہ اگر اس درخواست پر معین اشخاص کے دستخط نہ تھے بلکہ ویسے ہی عام طور پر سب مسلمانوں کی طرف سے درخواست بھیجدی گئی تھی تو سوال دوبارہ کیا جائے اور یہ بھی بتلایا جائے کہ سب مسلمانوں کا عدد محصور ہے یا غیر محصور اور اس ہندو کو اس بستی کے مسلمانوں کا عدد معلوم تھا یا نہیں

عہ اور اس کیلئے جیسا کہ مسلمانوں کا زبانی اتنا کہدینا کافی ہے کہ ہم نے اس جگہ کو مسجد بنادیا، یا مسجد کیلئے وقف کردیا اسیطرح صورتِ مسجد بناکر اسمیں نماز پڑھنے لگنا بھی کافی ہے کیونکہ وقف جیسا قول سے ہوتا ہے فعل سے بھی ہوتا ہے۔ صرح بہ الدر (ص ۵۷۱ ج ۳)

تکمیل الدلیل : لا یقال ان الهبة فی الصورة المسئولة هبة المشاع لانا نقول ان لواهب انما وهب الارض للمسجد لا لان یتملکها الموهوب لهم والهبة للفرض المذکور بمعنی الصدقة، ویجوز صدقة المشاع کما صرح فی الشامیة (ص۷۷۰ ج۴) ونصه هذا فی الهبة واما اذا تصدق بالکل علی اثنین فانه یجوز علی الاصح، بحراه ولعله ان الصدقة یراد بها وجه الله وهو واحد فلا شیوع کما فی الدر (ص۷۸۶ ج۴) ولا یخفی ان الواهب لو علم ان الموهوب لهم تملکوا الارض وتصرفوا فیها لانفسهم لم یرض بذالك ابداً وهذا دلیل ارادته التصدق للمسجد بالارض علی السائلین ولو لم یحمل علی الصدقة فتقول هبة الواحد لاثنین جائزة عندهما خلافاً له قالا ان هذه هبة الجملة منهما اذا لتملیك واحد فلا یتحقق الشیوع، صرح به فی الهندیة (ص۲۷۲ج۳) وینبغی جوان هذه الهبة عند الامام ایضاً لان ما حصل من الحربی برضاه جائز عنده ولو لم یوجد فیه شرائط الصحة شرعاً وهی مسئلة الربا بین المسلم والحربی فکانت الهبة صحیحة اتفاقاً۔

وایضاً قال فی الدر فی احکام هبة المشاع عن الفصولین : الهبة الفاسدة تفید الملك بالقبض وبه یفتیٰ ومثله فی البزازیة علی خلاف ما صححه فی العمادیة لکن لفظ الفتویٰ آکد من لفظ الصحیح کما بسطه المصنف مع بقیة احکام المشاع وهل للقریب الرجوع فی الهبة الفاسدة، قال فی الدر. نعم، وتعقبه فی الشرنبلالیة بانه غیر ظاهر علی القول المفتیٰ به من افادتها الملك بالقبض فلیحفظ اھ (ص۷۸۱ ج۴) فاذا تم قبض الموهوب لهم تملکوها ثم اذا جعلوا مسجداً تم الوقف فعلاً، قال فی الشامیة : ولو بینهما ارض وقفاها ودفعاها الی واحد معاً جاز اتفاقاً اھ وفی الدر ولا یجوز وقف مشاع یقسم خلافاً للثانی (ص۵۶۲ ج۳)

واللہ اعلم۔

ازخانقاہ اشرفیہ امدادیہ تھانہ بھون

۷, شعبان ۴۵ھ

مصالح مسجد کیلئے مسجد کی زمین پر دکانیں بنانے کا حکم۔

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ تعمیر مسجد کیلئے تین نمبر زمین کا پیسہ بھرا گیا، تیسرے نمبر کی زمین اس شرط پر ملی کہ اگر میری زمین پر مسجد نہ بنواؤگے تو روز قیامت میں دامن گیر ہونگا یہ زمین بس فٹ ہم چورس ہے اسکی مشرقی جانب اسی نمبر کا ایک مکان دوسرے کا تھا بیس فٹ ہم چورس پنچوں نے اس مکان کو لینے کی کوشش کی مگر نہ ملا۔

پنچوں نے مجبوراً تین در کی چھوٹی مسجد اس بناء پر بنوائی کہ اس مکان کی زمین جس وقت ملگی دو در اور بڑھا کر پانچ در کی پوری مسجد بنوائی جائیگی۔ تاکہ شرط پوری ہوجائے۔ بعد چند روز کے پنچوں نے یہ مکان قیمتاً مول لیا اب مشروطہ زمین اور منہدم مکان کی زمین پر مسجد کا فرش وغیرہ قائم کیا گیا۔ اور نماز بھی پڑھی جاتی ہے اب مشروطہ زمین اور منہدم مکان کی زمین جو مسجد بنوانے کیلئے قیمتہً لیگئی تھی اب صرف مسجد کیلئے اس زمین پر مکان بنوانا جائز ہے یا نہیں؟ بحوالہ کتب معتبرہ بیان فرمائیں۔

بینوا توجروا

المستفتی: محمد دینے لعل محمد

الجواب

جو زمین معطی نے مسجد ہی کے واسطے دی ہے اس میں صرفہ مسجد کیلئے دوکان بنانا جائز نہیں "لان شرط الواقف کنص الشارع فی وجوب العمل بہ"، اور جو زمین مسجد کے پنچوں نے خریدی ہے اس کا حکم اس وقت بتلایا جائیگا جبکہ یہ معلوم ہو کہ یہ زمین جس شخص کی رقم سے خریدی گئی ہے اس نے وہ رقم مسجد کیلئے کیا کہکر دی تھی اس کا جواب مع اس پرچہ کے واپس کیا جائے تو حکم بتلایا جائیگا واللہ اعلم۔

از تھانہ بھون خانقاہ اشرفیہ

۲۱, شعبان ۴۵ھ

ایسے مدارس اسلامیہ کی اعانت کا حکم جن میں تصویر سازی وغیرہ کی تعلیم داخل نصاب ہو۔

سوال: مخدومنا و مقتدانا حضرت مولانا شاہ اشرف علی صاحب دامت فیوضکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، غالباً حضرت والا کو یہ معلوم ہوگا کہ یہ برھما کا ملک ہم لوگوں کے لئے ایک بالکل نیا ملک ہے اور یہاں کے رہنے والے مسلمانوں کا سلسلہ بھی بہت پُرانا نہیں ہے سُنا گیا ہے کہ تقریباً ڈھائی سو سال گذرے ہونگے کہ عالمگیر بادشاہ کے بھائی شاہ شجاع کے کچھ ہمراہی مسلمان یہاں آگئے تھے وہ یہاں رہنے لگے انہوں نے یہاں بیاہ شادیاں کیں اُن سے سلسلہ قائم ہوا اگرچہ ہندوستان میں بھی کثیر تعداد مسلمانوں کی مذہبی حالت بہت ردی سے لیکن یہاں کے اصلی باشندے مسلمانوں کی حالت جنکو ”زیر بادی مسلمان“ کہا جاتا ہے وہاں کے مسلمانوں سے بھی بہت ہی گری ہوئی ہے چونکہ انکی مادری زبان برما ہے اور برمی زبان میں مذہبی تعلیم کے مدارس کا کوئی سلسلہ نہیں ہے اسلئے ”زیر بادی مسلمان“ جب اپنے بچوں کی تعلیم کا خیال کرتے ہیں تو علی العموم مشنری اسکولوں، یا برما بُت پرستوں کے اسکولوں میں داخل کر دیتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بسا اوقات وہ بچے یا تو عیسائی ہوجاتے ہیں یا برھموں میں رہکر برھما بن جاتے ہیں اور بہت سے زیر بادی بچے ایسے ہوتے ہیں کہ ان کے ماں باپ غربت کی وجہ سے ان کو تعلیم نہیں دلا سکتے لھذا وہ آوارہ ہو کر بدمعاش، ڈاکو وغیرہ ہوجاتے ہیں بعض مسجدوں میں امام مسجد مکتب خانہ کے طریقہ پر دو چار یا دس پانچ بچوں کو پڑھاتے ہیں اُن سے یہاں کی ضرورت پوری نہیں ہوتی بلکہ دیکھا یہ جاتا ہے کہ بظاہر رجسٹرڈ (سرکاری امداد اور سرکاری نگرانی والے) اسلامی مدارس میں بہ نسبت اُن مکتب خانوں کے قرآن شریف وغیرہ دینی تعلیم بھی زیادہ ہوتی ھے اسلئے کہ ان رجسٹرڈ اسکولوں کے مدرسین علی العموم ٹریننگ (طریقہ تعلیم کے امتحان میں) پاس ہوتے ہیں، انکی تنخواہیں بھی زیادہ ہوتی ہیں اس کے برخلاف اَن رجسٹرڈ (غیر رجسٹری شدہ) اسکول زیادہ تنخواہوں والے اچھے استادوں کو نہیں رکھ سکتے اور رکھیں بھی تو ان کے مہتممین باقاعدہ نگرانی ان استادوں کی نہیں کر سکتے، رجسٹرڈ اسکولوں کی نگرانی کیلئے ایک مسلمان ڈپٹی انسپکٹر انگریزی تعلیم یافتہ سرکار کی طرف سے ملازم ہے ان رجسٹرڈ اسلامی اسکولوں کی تعداد بھی سہولت کی وجہ سے بڑھتی جاتی ہے ہر اسکول کے لئے سرکار سے دو یا تین مدرس ٹریننگ (طریقہ تعلیم کا امتحان پاس کئے ہوئے) ملتے ہیں جنکو پوری تنخواہ سرکار سے ملتی ہے یہ مدرس مسلمان ہوتے ہیں جن میں بہت سے

ایسے بھی ہیں جو کہ صوم وصلوٰۃ کے پابند ہیں یعنی انگریزی تعلیم یافتہ مسلمانوں کی طرح بالکل آزاد نہیں ہوتے، ان سرکاری اسلامی مدارس میں زیادہ تر چار کلاس تک کی پڑھائی اُردو زبان میں ہوتی ہے جغرافیہ، تاریخ، اسباق الاشیاء، طریق الصحت، حساب وغیرہ سکھایا جاتا ہے اور اس کے ساتھ ہر کلاس میں روزانہ گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ اور کسی کلاس میں دو گھنٹہ قرآن شریف اور تعلیم الاسلام جناب مولانا مفتی محمد کفایت اللہ صاحب دہلوی یا کوئی رسالہ دینیات اُردو پڑھایا جاتا ہے ان سرکاری مدارس میں ایک بات کے سوا بظاہر اور کوئی شرعی خرابی نہیں معلوم ہوتی ہے وہ یہ کہ اسباق الاشیاء کا مضمون بچوں کو پڑھانے اور ان کو بخوبی ذہن نشین کرنے کیلئے شیر، بلی، شریفہ، خربوزہ جاندار اور بے جاندار چیزوں کی مٹی کی تصویریں اسکولوں میں رکھی جاتی ہیں اور مختلف چیزوں کی تصویریں بچوں کے ہاتھ سے کھینچوائی جاتی ہیں۔ پس دریافت امر یہ ہے کہ آیا ان سرکاری اسلامی مدارس میں ہم لوگوں کا مدد دینا اس خیال سے کہ ان میں قرآن شریف و دینیات کی تعلیم پر زور دیا جائے جائز ہے یا نہیں؟ اور اسلامی مدارس سرکار اس وقت رجسٹرڈ کرتی ہے جبکہ پہلے اپنے خرچہ سے مدرسہ قائم کیا جائے پھر جب مدرسہ کا مکان وغیرہ ٹھیک ہو اور پڑھنے والے بچوں کی تعداد بھی کافی ہو تو سرکار رجسٹرڈ کر کے اپنی امداد کا سلسلہ جاری کرتی ہے پس یہ ارشاد فرمائیں کہ آیا ابتداءً ایسے اسکولوں کا قائم کرنا اور پھر کسی واقف کار مدرسی کو حوالہ کر کے اسکو رجسٹرڈ کرا دینا جائز ہے یا نہیں؟ نیز یہ کہ شروع ہی سے کسی واقف کار کو آمادہ کر کے اسطرح پھر اسکی مالی مدد کرنا کہ تم فلاں بستی اور فلاں جگہ میں اردو مدرسہ قائم کرو اور پھر اسکو رجسٹرڈ کرادو اور رجسٹرڈ ہونے سے پہلے سال ڈیڑھ سال تک ہم خرچہ دیتے رہیں گے اور رجسٹرڈ ہونے کے بعد بھی تھوڑی مالی مدد وقتاً فوقتاً کرتے رہیں گے شرعاً درست ہے یا نہیں؟

الجواب

ان مدارس میں امداد کرنا اور ان کے اجراء وسعی میں اعانت کرنا شرعاً جائز ہے کیونکہ امداد کرنے والے کی نیت تعلیم اسلام و احکام اسلام میں اعانت ہے جو ان مدارس سے ان کے زعم میں بخوبی حاصل ہوتی ہے۔ رہا یہ کہ گورنمنٹ کے حکم سے ان مدارس میں تصویریں رکھی جاتی ہیں اور طلبہ سے تصویریں بنوائی جاتی ہیں تو یہ گورنمنٹ کا فعل ہے یا طلبہ کا وہ، اس کے متعلق جدا استفتاء کریں کہ ہم کو یہ فعل جائز ہے یا نہیں؟ باقی اعانت کرنے والے جبکہ نہ تصویروں کے خریدنے میں معین ہیں اور نہ اس فعل سے راضی ہیں بلکہ محض تعلیم قرآن و تعلیم احکام اسلام

کی نیت سے اعانت کر رہے ہیں ان کو اس کا گناہ نہ ہوگا، البتہ اعانت کرنے والوں کو یہ صاف کہدینا چاہیئے کہ ہماری رقم سے تصویریں نہ خریدی جائیں، ونظیرہ اعانۃ الغزاۃ و المجاھدین الذین معھم الات الغنا والمعازف التی تضرب وقت الحرب فان اعانتھم جائزۃ وفعلھم ھذا حرام۔ واللہ اعلم

از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ اشرفیہ

۵ ربیع الاول ۴۶ھ

مسجد کے اگر تالاب کے قریب ہونیکی وجہ سے منہدم ہونیکا خطرہ ہو تو اسکو منتقل کر سکتے ہیں یا نہیں

سوال: نقل مسجد بضرورتہائے ذیل بجائے دیگر جائز است یا نہ؟ قریب تالابیکہ کنارہ آن تالاب شکستہ شدہ روز بروز بسوئے مسجد می آید گمان است آن شکستگی مسجد را ضائع سازد و قریب مکانی دیوانی ہست لہذا وقت صلوٰۃ وغیر صلوٰۃ کلام مردان و زنان بگوش آید از ان در نماز و ذکر و تلاوت قرآن خلل پدید آید و اکثر وقت ازیں حال مرغ خرمش وغیرہ ناپاک شود وہم بدبوئے روث گاؤ می آید اکنون بکرانہ جنب تالاب است و باکناف مشرق آن تالاب جائے عمدہ ہست کہ مامون است از خللہائے بالا اگر جائز باشد آن جا نقل خواہم کرد۔

فقیر محمد عبد الجبار عفا عنہ

الجواب

اگر تالاب کی وجہ سے مسجد کے انہدام کا قوی اندیشہ ہے تو اس مسجد کو منتقل کر دینا جائز ہے جسکی صورت یہ ہے کہ مسجد کا سامان و خشت وغیرہ منتقل کر دیا جائے اور اس مسجد قدیم کی زمین کو زراعت وغیرہ کے کام میں نہ لایا جائے بلکہ اس کے گرد ایک احاطہ بنا کر محفوظ چھوڑ دیا جائے، فان موضع المسجد مسجد الی قیام الساعۃ کذا یظھر من العالمگیریۃ فی باب المسجد من الوقف، اور اگر یہ اندیشہ انہدام غالب نہ ہو تو باقی اعذار کی وجہ سے نقل مسجد جائز نہیں۔

واللہ اعلم

از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ اشرفیہ
یکم جمادی الثانی ۴۶ھ

مسجد و مدرسہ میں مشترک دیوار بنانا مسجدیت کے منافی اور ناجائز ہے۔

سوال ۲ جامع مسجد شاہی اور مدرسۃ الغرباء مراد آباد کی عمارت متصل ہے کہ مسجد کی دیوار سے ملی ہوئی مدرسہ کی دیوار ہے اہل مسجد نے مسجد کی دیوار کو منہدم کر کے اسپرڈاٹ قائم کرنا چاہا تو معلوم ہوا کہ دیوار ڈاٹ کا تحمل نہیں کر سکتی، اب یہ ارادہ ہوا ہے کہ مدرسہ کی دیوار کو بھی منہدم کر کے ایک چوڑی دیوار اٹھائی جائے اور ڈاٹ کو اسی حصہ پر قائم کیا جائے جو دیوار مسجد کا حصہ ہے مگر دیوار کے چوڑا ہونے سے اب وہ ڈاٹ کا تحمل کر سکے گی تو کیا یہ صورت جائز ہے کہ ایک چوڑی دیوار مسجد و مدرسہ میں مشترک رہے کہ اہل مسجد اپنی طرف اسمیں الماری وغیرہ قائم کرلیں اور اہل مدرسہ اپنی طرف الماری قائم کرلیں ؟

السائل۔ حاجی سید مرتضیٰ علی، مہتمم مدرسۃ الغرباء
قاسم العلوم مراد آباد

الجواب الاول

یہ صورت جائز نہیں کیونکہ اشتراکِ مسجدیت کے منافی ہے اس سے مسجدیت باطل ہوجائے گی۔ (ملخصاً)

کتبہ کفایت اللہ، مفتی المدرسۃ الامینیہ دہلی
ج ۱۔ ۱۳۴۶ھ

الجواب الثانی من جامع امداد الاحکام

قال فی الدر: لو بنیٰ فوقہ بیتاً للامام لا یضر لانہ من المصالح اما لو تمت المسجدیۃ ثم اراد البناء منع ولو قال عنیت ذالک لم یصدق، تاتارخانیۃ، فاذا کان ھذا فی الواقف فکیف بغیرہ فیجب ھدمہ ولو علی جدار المسجد اھ، وقال الشامی: ای مع انہ لم یأخذ من ھواء المسجد شیئاً اھ، ونقل فی البحر قبلہ، ولا یوضع الجذع علی جدار المسجد و ان کان من اوقافہ اھ

قلت: وبہ علم حکم ما یصنعہ بعض جیران المسجد من وضع الجذع علی جدار المسجد فانہ لا یحل ولو دفع الاجرۃ اھ (ج۔۳ صـ۵۷۲)

فقہاء کا جدار مسجد پر وضع جذع سے مطلقاً منع کرنا ولو کان من اوقاف المسجد

بظاہر اسکی علت یہی ہے کہ یہ فعل عرفاً شرکت کو مستلزم ہے اور مسجد کا کوئی حصہ کسی دوسرے وقف سے مخلوط و مشترک نہیں ہو سکتا۔

کما فی الدرقبلہ: والملك يزول عن الموقوف باربعة بافراز مسجد الخ. قال الشامی: عبر بالافراز لانه لو كان مشاعاً لا يصح اجماعاً وافاد انه يلزم بلا قضاء اھ (ص ۵۵۸ ج ۳)

جب مشاع کا وقف مسجد کیلئے باطل ہے تو بقاءً بھی مسجد کے کسی حصہ کو مشاع کر دینا جائز نہیں، دوسرے: اس خلط و شرکت میں خرابی یہ ہے کہ شرکت جدار سے وہ جگہ مشتبہ ہو جائیگی جسمیں دیوار مسجد قائم ہے اور دیوار مسجد کی جگہ مسجد ہے اگر کسی وقت دیوار کو الگ کر دیا جائے تو اس جگہ میں نماز پڑھنے سے مسجد کا ثواب ملیگا اور جدار مدرسہ کی جگہ کا یہ حکم نہیں پس ان دونوں کی جگہ کے اشتراک سے جدار مسجد کی مسجدیت باطل ہوئی جاتی ہے۔

وقد قال فی الحامدیة: ان التصرف فی الاوقاف باعتبار الاعظم بھالا باعتبار الاولی اھ (ص ۱۸۱ ج ۱)

پس یہ صورت جو سوال میں مذکور ہے جائز نہیں بلکہ ضروری ہے کہ دیوار اسطرح اٹھائی جائے کہ جدار مسجد و جدار مدرسہ کی جگہ ممتاز رہے اور جب چاہیں جدار مدرسہ کو مسجد سے بدون ضرر کے علیحدہ کر سکیں۔ واللہ اعلم

از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ اشرفیہ

۹ رجب ۱۳۴۶ھ

ساج مغصوب سے بنائی ہوئی سقف مسجد کا حکم اور اس کے ضمان کا طریقہ

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ہمارے گاؤں میں ایک مسجد تقریباً سو سال سے بنی ہوئی ہے اور اس مسجد کے اندر برگہ یعنی لٹو چڑھے ہوئے ہیں، اب بڑوں کی زبانی معلوم ہوا کہ وہ بڑے یہ کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے بڑوں سے سنا ھے کہ جس وقت مسجد بنانیکا ارادہ ہوا تو مسجد کے واسطے لٹو خریدنے کا ارادہ کیا تو بڑوں نے روپیہ اپنے رشتہ داروں کے یہاں دوسرے موقع میں جو کہ تقریباً دس کوس کے فاصلہ پر تھا وہاں پر روپیہ پہونچا دیا کہ ہم کو لٹو خرید کر دئے جائیں رشتہ داروں نے لٹو خرید لئے

توجس وقت لوٹ خرید کر لئے گئے تو خرید کرنے کے بعد جب غور کیا ۔ تو پسند نہیں آیا ۔ انہوں نے وہ لوٹ دوسرے شخص کے مال میں ڈالدتے اور ان میں سے اچھے ٹوڑ منتخب کر لئے اور جو خود مالک تھا اسکو معلوم نہیں ہوا ، اب دوسرے ٹوڑ چھانٹ کر بغیر اجازت مالک کے ہمارے یہاں بھیجدئے اور جو لوڑ خریدے ہوتے تھے وہ مالک کے مال میں شامل کر دیتے اور منتخب شدہ جو ٹوڑ پہونچائے گئے تھے وہ مسجد پر چڑھادئے گئے ۔ اب جب تفتیش ہوئی حالات بالا اصل طور پر دو بڑے عمر رسیدہ آدمیوں سے معلوم ہوا کہ یہ لوڑ بدلے ہوئے ہیں ۔ اب دریافت یہ کرنا ہے کہ ہماری نماز اس مسجد کے اندر جائز ہے یا نہیں اگر شرعاً وہ ٹوڑنا جائز ہوں تو ان کو اتار لیا جائے اور اب خرید و فروخت کرنے والا کوئی حیات نہیں ہے ۔ اب ان کو اتار کر کیا کریں اور کونسے استعمال میں لائیں فقط

ازطرف . میانجی محمد ابراھیم سوجیلا دیوا ڈاک خانہ جلکانہ ضلع سہارنپور ۔

الجواب

اس مسجد میں نماز تو جائز ہے لیکن جب ان بزرگوں کا مشتبہ ہونا متفق ہو گیا تو شبہ کا زائل کرنا ضروری ہے جسکی ایک صورت تو یہ ہے کہ جس کے عمدہ ٹوڑوں سے مسجد کے ٹوڑ بدلے گئے ہیں اس کے ورثاء کو دے دلا کر راضی کر لیا جائے تلاش سے اس کے ورثاء کا پتہ چل سکتا ہے اگر ورثاء سب بالغ ہوں اور وہ خوشی سے بدون معاوضہ کے یہ لوڑ مسجد کیلئے رہنے دیں تو بدون معاوضہ بھی یہ لوڑ مسجد کیلئے درست رہیں گے اور اگر ورثاء میں کچھ نابالغ بھی ہوں یا بالغ ہی ہوں مگر معاوضہ کے طالب ہوں تو ان بڑے عمر رسیدہ شخصوں سے جن سے واقعہ معلوم ہوا ہے دریافت کر لیا جائے کہ مسجد کے خراب ٹوروں اور اس شخص کے عمدہ ٹوڑوں کی قیمت میں تمہارے تخمینہ کے اندر کتنا فرق تھا جتنا فرق وہ بیان کریں اس کے حساب سے نابالغ ورثاء کو ان کے سہام کے موافق اور بالغ ورثاء کو جو طالب معاوضہ ہوں ان کے سہام کے موافق معاوضہ دیکر راضی کر دیا جائے اور اگر ورثاء کا پتہ نہ چلے تو اسی قدر رقم جو تخمینہ سے ان ٹوڑوں میں مسجد کے مال سے زائد ہو غریبوں کو خیرات کر دی جائے اور اگر ان لوڑوں کا مسجد میں لگانا ہی گوارا نہ ہو تو ان لوڑوں کو مسجد سے علیحدہ کر کے دوسرے حلال لوڑ اس کے عوض میں بہ نیت عوض لگا دئے جائیں اور ان لوڑوں کو

بعینہٖ یا فروخت کر کے ان کی قیمت غریبوں پر خیرات کردی جائے اگر مالک کے ورثاء کا پتہ نہ چلے۔ اور اگر پتہ چل جائے تو یہ لوٹا مالک کے ورثاء کو واپس دیدیتے جائیں۔ ان سے مسجد کے خراب لوٹوں کی قیمت اس وقت کے حساب سے لے لی جائے بشرطیکہ ان کے عمدہ لوٹے مسجد میں لگانے کے بعد اس قدر ناقص نہ ہو گئے ہوں کہ مسجد کے خراب لوٹوں کی قیمت کو یہ نقصان محیط ہو جائے اگر کل قیمت کو محیط ہو جائے تب تو یہ لوٹے بعینہٖ ان کو واپس کر کے ان سے کچھ نہ لیا جائے اور بعض قیمت کو محیط ہو تو اسی حساب سے جو باقی رہے اُن سے لے لیا جائے اگر وہ قیمت کچھ نہ دیں تو ان اتارے ہوئے لوٹوں کو فروخت کر کے ان کی قیمت سے اتنی رقم ان کو دیدی جائے جو مسجد کے خراب لوٹوں سے عمدہ لوٹوں میں زائد تھی موافق تفصیل سابق کے اور جو رقم باقی رہے اسکو خواہ وہ لوگ لے لیں جواب حلال لوٹے مسجد کیلئے چڑھائینگے اگر وہ بہ نیت معاوضہ ایسا کریں ورنہ باقی کو مسجد ہی کے دوسرے کاموں میں لگا دیا جائے کیونکہ باقی ماندہ رقم مسجد کے لئے حلال ہے، هذا ما فهمته من القواعد فان من وضع جذع رجل فی سقفه وبنی علیه بملكه اذا كان یضره قلعه وعلیه الضمان كما فی الهداية فی مسئلة الساجة فقال من غصب ساجة وبنی علیها زال ملك المالك عنها ولزم الغاصب قیمتها اه (ص ۳۶۲)، والغاصب هنا وكیل القیم فعلیه الضمان ولكن المغصوب قبضه المتولی ووضعه فی سقف المسجد فكان ضامناً للمغصوب لمالكه ولا یجوز وضعه فی المسجد بعد تحقق الغصب الا برضاء المالك ورد القیمة الیه كما قال فی الهداية ایضاً: ولا یحل له الانتفاع بها حتی یؤدی بدلها استحساناً (ص ۳۶۱ ج ۳) — واداء البدل هنا هو اداء ما كان بین ساج المسجد وساج المغصوب منه من الزیادة والنقصان وحین لا یوجد المالك فسبیله التصدق۔

واللہ اعلم

۱۸ رجب ۴۶ھ

عیدگاہ کی زمین پر کاشت کرنا جائز نہیں

سوال: ایک عیدگاہ میں تقریباً پندرہ برس سے

نماز عیدین ہوتی ہے اور اس کے علاوہ کوئی اور نماز نہیں ہوتی اور وہ آبادی سے علیحدہ جگہ پر واقع ہے پنج وقتہ نماز پڑھے جانے کا کوئی موقعہ نہیں اس کے کچھ حصہ میں ابتک عیدین کی نماز ہوتی ہے جس کا نقشہ حسب ذیل ہے

یہ وہ حصہ ہے جسمیں نماز عیدین ہوتی ہے

عیدگاہ میں درخت نہ ہونیکی وجہ سے نماز عید میں تکلیف ہوتی ہے اور نیز چونکہ اس کے متعلق کوئی آمدنی نہیں ہے اور نہ کہیں اور سے امداد ملنے کی امید ہے اس لئے عیدگاہ میں درخت لگانیکا ارادہ کیا گیا ہے درخت نصب کرنیکے بعد ان کی بلا صرفہ پرورش کیلئے یہ تدبیر سوچی گئی ہے کہ کسی شخص کو بغرض کاشت عیدگاہ کی زمین دینا چاہئے تاکہ شخص مذکورہ کاشت کرکے خود نفع حاصل کرے اور درختوں کی پرورش بھی کرے پرورش درختان کی ضرورت رفع ہونیکے بعد سلسلہ کاشت ختم ہوجائیگا۔ یہ بھی معاہدہ ہے کہ عیدین کی نماز کیلئے کل یا جزو رقبہ عیدگاہ حسب ضرورت وحسب طلب منتظمان بغرض نماز خالی کر دیا جائیگا خواہ اسپر کوئی فصل موجود ہو اور اس کا کوئی معاوضہ وہ شخص نہیں لیگا چنانچہ حسب ذیل سوالات پیش آتے ہیں

(۱) یہ کہ عیدگاہ جس میں نماز نہیں ہوتی ہے وہ اغراض مذکورہ بالا کی نیت سے عارضی طور پر کاشت کیلئے دیا جاسکتا ہے یا نہیں ؟

(۲) وہ حصہ جس میں نماز عیدین ہوتی ہے اسکو اغراض مذکورہ بالا کیلئے کاشت پر دیا جاسکتا ہے ؟

(۳) کاشت پر دینے کیلئے مسلم یا غیر مسلم کاشتکار ہونیکی قید تو نہیں ؟

(۴) عیدگاہ اور دیگر مساجد کا حکم حالات مندرجہ بالا کے لئے جدا گانہ ہے یا ایک ہی ؟۔

امید ہے کہ مفصل جوابات سے مع حوالہ کتب بقید صفحہ وغیرہ سے آگاہ فرما کر ممنون فرمائیں گے۔

ابرار حسین، وکیل ویٹ گنج ہردوئی

الجواب

قال فی الدر: واما المتخذ لصلاۃ العید او جنازۃ فھو مسجد فی حق جواز الاقتداء وان انفصل الصفوف رفقاً بالناس لا فی حق غیرہ بہ یفتیٰ اھ فحل دخولہ لجنب وحائض کفناء مسجد ورباط ومدرسۃ و مساجد حیاض واسواق اھ، قال الشامی: لکن قال فی البحر: ظاھرہ انہ یجوز الوطأ والبول والتخلی فیہ ولا یخفیٰ ما فیہ فان البانی لم یعدہ لذالک فینبغی ان لا یجوز وان حکمنا بکونہ غیر مسجد وانما تظھر فائدتہ فی حق بقیۃ الاحکام وحل دخولہ للجنب والحائض اھ ومقابل ھذا، المختار ما صححہ تاج الشریعۃ ان مصلی العید لہ حکم المساجد وتمامہ فی الشرنبلالیۃ اھ ملخصاً (ص ۶۸۷ ج ۱)

اس جزئیہ سے معلوم ہوا کہ مصلّٰی عید کا احترام اور تنزیہ بخاسات وغیرہ سے مثل مسجد کے واجب ہے اور اسکی جگہ کو کاشت کیلئے دینا اس احترام کے منافی ہے کیونکہ پھر وہ کھیت ہو جائیگا جس میں غلاظت اور کھاد بھی ڈالا جائیگا لوگ بھی ان میں پیشاب پاخانہ سے احتراز نہ کرینگے لھذا جس حصہ میں نماز عید ہوتی ہے اس کو کاشت پر دینا جائز نہیں ہے باقی حصہ کو دینا جائز ہے جبکہ وہ نماز کے واسطے وقف نہ ہو بلکہ ضروریات عید گاہ کیلئے وقف ہوا ور منجملہ ضروریات کے وہ ضرورت بھی ہے جس کو سائل نے ظاہر کیا ہے پس فناء عید گاہ کو کاشت پر دینا جائز ہے اور خود عید گاہ کو جو نماز کی جگہ ہے کاشت پر نہ دیا جائے، اور جس حصہ کا کاشت پر دینا جائز ہے اس میں مسلم و غیر مسلم مزارع مساوی ہے البتہ مسلم اولیٰ ہے کیونکہ وہ نماز کی جگہ کا احترام کرے گا۔ واللہ اعلم

از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ اشرفیہ
غرۃ شعبان ۴۶ھ

بانی یا اسکے لڑکے کو مسجد کی دیوار پر اس کے نام کا کتبہ لگانا شرعاً جائز ہے؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین کہ ایک مسجد قدیم الایام سے تعمیر شدہ ہے اب ایک عرصہ دراز کے بعد زید کہتا ہے کہ اس مسجد کا بانی اور متولی میرا باپ تھا اور اب میں ہوں، اب میں ایک عرصہ دراز کے بعد بانی کے نام کو نمایاں اور روشن کرنے کے واسطے بانی کے نام

اور تاریخ تعمیر مسجد ایک کتبہ پتھر پر کندہ کرا کر لگاتا ہوں اس امر سے زید کی برادری کے اکثر لوگ اس خیال سے ناخوش ہیں کہ یہ قول زید کے نام و نمود کیلئے ہے جبکہ قدیم زمانے سے یہ کتبہ نہ تھا تو اب کیوں لگایا جاتا ہے ایسی صورت میں یہ کتبہ لگانا عندالشرع جائز ہے یا نہیں ؟ مع حوالہ کتب شرعیہ صراحت فرمادی جائے ۔

المستفتی: اظہار الحق مدرس ماعنت
خورشید منزل ضلع میرٹھ

الجواب

اگر یہ شخص بانی کا لڑکا نہ ہوتا تو یہ کہہ سکتے تھے کہ اسکو اپنا نام مقصود نہیں صرف بانی کا نام اس غرض سے لکھتا ہے تاکہ لوگ اسکو دعاء دیں مگر چونکہ یہ اس کا بیٹا ہے تو اس کے اس فعل میں یہ احتمال ہو سکتا ہے کہ اسکو اپنا نام کرنا مقصود ہے کہ ہم ایسے شخص کی اولاد ہیں جس نے یہ مسجد بنائی اور اس احتمال کا ظہور بھی ہو گیا کہ اہل محلہ کو اس شخص پر نام و نمود کے قصد کا شبہ ہے اس واسطے ایسی حالت میں اس شخص کو کتبہ لگانا مناسب نہیں اور اگر واقعی اسکی نیت نام و نمود کی ہے تو اسکو ایسا کرنا حرام ہے، فقد ورد فی الحدیث : من سمع سمع اللّٰہ بہٖ ۔ واللّٰہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفاعنہ
از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ
۵ ر شعبان ۴۶ھ

نیز فقہاء کے کلام سے ایسے کتبوں کا نامناسب ہونا معلوم ہوتا ہے۔

وفی الدر المختار: ولا ینبغی الکتابۃ علی جدرانہ (ای المسجد) اھ

وفی رد المحتار: ای خوفاً من ان تسقط وتوطأ، بحر عن النہایۃ

اور یہ سب جواب کتبہ لگانے سے پہلے ہے اور اگر کسی نے لگا دیا تو اس کا اکھاڑنا بھی درست نہیں کیونکہ وقف میں مرکب ہونے سے وہ وقف ہو گیا اور وقف میں ایسا تصرف مغیر للوقف ممنوع ہے دوسرے اسمیں جزو مسجد کا بلا ضرورت شکستہ کرنا ہے یہ بھی درست نہیں۔

اشرف علی
۲ ر شعبان ۴۶ھ

مسجد میں ایسی زیادتی جس سے توسط محراب ختم ہوجاتا ہو محراب نبوی اور مقام ابراہیم پر امام کے کھڑے ہونے سے اس کے جواز پر استدلال کا جواب۔

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین متین اس بارہ میں کہ ایک شخص کسی جانب کی۔ داہنی جانب کچھ زمین وقف کرکے شامل مسجد کرنا چاہتا ہے جس سے یہ خرابی پیدا ہوتی ہے کہ محراب جو امام کے کھڑا ہونے کی جگہ ہے وسط میں نہیں رہتی بلکہ امام کی ایک جانب صوف زیادہ ہوتی ہے اور دوسری جانب کم جو عند الفقہاء مکروہ ہے اور اگر توسط امام قائم کرنے کیلئے امام کو محراب سے قدرے داہنی طرف کو ہٹاکر کھڑا کیا جائے تو اسمیں دو خرابی پیدا ہوتی ہیں۔ اول تو یہ کہ اب بحالت موجودہ مسجد مذکور میں دو صفیں ہوسکتی ہیں اور امام کے محراب چھوڑ کر متوسط ہونیکی صورت میں ایک ہی صف ہوسکیگی فلہذا غرض توسیع فوت ہوجائیگی جو اس زمین کو شامل مسجد کرنے سے مطلوب ہے دوم یہ کہ بیرون مسجد جو صفیں قائم ہونگی ان میں ہمیشہ کیلئے یہ دستور رہیگا کہ بائیں جانب امام کے درازی صفوں کی زیادہ ہوگی بمقابلہ داہنی جانب کے اور اسکو فقہاء مکروہ لکھتے ہیں لیکن زید اس کے جواب میں یہ کہتا ہے کہ مسجد حرام میں جب امام مقام ابراہیم پر کھڑا ہوکر نماز پڑھاتا ہے داہنی جانب کی صفوف زیادہ ہوتی ہیں بمقابلہ بائیں جانب کے نیز مسجد نبوی علیہ التحیۃ والصلوۃ کا نقشہ پیش کرکے یہ بتلاتا ہے کہ محراب نبوی اصل مسجد کی بائیں جانب میں ہے تو لامحالہ محراب میں کھڑے ہونے سے یمین کی زیادتی یسار پر لازم آتی ہے اور چونکہ خود عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں اس پر عملدرآمد رہا لھذا کراھت تو کجا یہ صورت مسنون ٹھری۔ پس سوال یہ ہے کہ آیا توسط امام ضروری ہے یا نہیں؟ اور اگر ضروری نہیں تو سنت ہے یا صرف رواجی بات ہے اس کے خلاف میں کچھ مضائقہ نہیں شق ثانی میں فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ اجمعین کا قاطبۃ مکروہ فرمانا کیونکر صحیح ہوگا اور شق اول یعنی صورت سنت میں مسجد نبوی و مسجد بیت اللہ کا کیا جواب ہوگا؟

نیز یہ امر بھی قابل گذارش ہے کہ زیادتی جہت یمین کی صورت مسئولہ بقدر یک ثلث صف ہوگی فلھذا اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ اس زمین موقوفہ کو شامل مسجد کرکے اس فعل مکروہ کا ارتکاب کیا جائے یا اس زمین کو دیگر ضروریات مسجد کیلئے چھوڑ دینا بہتر ہوگا؟ —— نیز یہ کہ جو صورت خاص مقام ابراہیمی اور مسجد

نبوی کی ہے وہ انکی خصوصیات میں سے ہے یا دیگر مساجد کیلئے بھی یہ صورت بلا کراہت جائز ہوسکتی ہے اگر نہ جائز ہے تو پھر فقہاء کے قول کراہت کا کیا جواب ہوگا جو کہ کتب فقہ میں مصرح ہے کہ امام کیلئے توسط ضروری ہے اور اس کے سوا مکروہ ہے۔ بینوا توجروا

الجواب

زید کا یہ کہنا کہ مسجد حرام میں جب امام مقام ابراھیم میں کھڑا ہوتا ہے تو داہنی طرف کی صفوف دراز ہوتی ہیں بمقابلہ بائیں جانب الخ اس کا یمین و یسار کا تفاضل وہاں واقع نہیں ہوسکتا البتہ اگر مصلی جہالت کی وجہ سے استدارہ کی رعایت نہ کرے تو یہ ان کا فعل ہے جو حجت نہیں ہوسکتا۔ اور محراب مسجد نبوی کے متعلق یہ کہنا کہ محراب نبوی اصل مسجد کی بائیں جانب میں ہے تو لا محالہ یمین کی زیادت یسار پر لازم آتی ہے الخ یہ اسلئے فاسد ہے کہ اصل مسجد نبوی کی پیمائش میں یہ نقشے معتبر نہیں بلکہ علماء و محدثین کے اقوال معتبر ہیں اور اقوال محدثین و مورخین سے محراب نبوی کا وسط جدار قبلہ میں ہونا ثابت ہے۔ جیسا کہ در خلاصۃ الوفاء ص۱۰۵ لغایت ص۱۰۸ سے مفہوم ہوتا ہے جسمیں تفصیل کے ساتھ مسجد نبوی کی اصل پیمائش بیان کی ہے اور توسط امام حدیث میں ماموربہ ہے، فقد روی ابوداؤد وغیرہ بسند حسن وسطوا الامام وسدوا الخلل اور فقہاء نے بھی ترک توسط کو مکروہ کہا ہے پس اگر مسجد میں زیادت کی ضرورت نہیں ہے تو اسطرح زیادت نہ کی جائے جس سے توسط فوت ہو اور اگر بوجہ کثرت مصلین کے زیادت کی حاجت ہو تو زیادت کردی جائے اور امام توسط کا لحاظ رکھے گو اندر دو صفیں نہ ہوسکیں اور اگر اندر دو صفیں نہ ہوسکنے سے بھی تنگی لازم آئے تو ایسی صورت مجبوری میں ترک توسط جائز ہے لان الکراھۃ ترتفع بالعذر کما صرحوا بہ فی الصلوٰۃ بین السواری وصلوٰۃ الامام علی الدکان ان کراھتھما عند عدم الضیق وحیث ضاق المقام فلا کراھۃ۔ واللہ تعالےٰ اعلم۔

۱۲ر شعبان ۱۳۴۶ھ

(تنبیہ) یہ جواب اس صورت میں ہے جبکہ اس زمین کو وقف کرکے جزو مسجد بنایا جائے اور ایک صورت یہ بھی ہوسکتی ہے کہ اس جگہ کو وقف کرکے مسجد کے ساتھ ملحق کیا جائے مگر جزو مسجد نہ بنایا جائے اگر یہ صورت ہو تو سوال دوبارہ کیا جائے فقط

چندۂ مدارس کے متعلق ایک استفتاء | **سوال**: کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین

صورت ذیل میں کہ مسلمان مدارس اسلامیہ کیلئے چندہ بھیجتے ہیں اور منتظمان مدارس اس روپیہ کے خرچ کرنے میں وکیل اور مختار ہوتے ہیں یہ مختلف طریقوں پر خرچ کیا جاتا ہے کبھی تو ہلاک عین کی صورت میں یعنی ملازموں کی تنخواہوں میں اور طلباء کے وظائف میں دیدیا جاتا ہے اور کبھی اسطرح خرچ کیا جاتا ہے کہ عین باقی رہے اور اس سے نفع اٹھایا جائے اور اسکی دو صورتیں ہوتی ہیں: کبھی تو اس روپیہ سے جائیداد منقولہ یا غیر منقولہ بہ نیت وقف خریدی جاتی ہے مثلاً اراضی صحرائی باغات وغیرہ یا مکانات سکنائی وغیرہ یا کتب وقفی و ظروف برائے استعمال اور کبھی جائیداد غیر منقولہ اس لئے خریدی جاتی ہے کہ جب تک اس چیز کی ضرورت ہے یا کارآمد ہے اس وقت تک رکھا جائیگا اور جب اسکی ضرورت باقی نہ رہیگی تو اسکو فروخت کرکے مدرسہ کے کسی دوسرے کام میں روپیہ کو لگادیا جائیگا مثلاً چندہ کے روپیہ سے طلبہ کی سکونت کے واسطے ایک مکان خرید لیا گیا۔ اور خریدنے کے وقت یہ نیت تھی کہ جب تک ضرورت ہے اور یہ مکان کارآمد ہے اس وقت تک رکھا جائیگا اور جب ضرورت نہ رہیگی یا اسکی فروختگی میں مدرسہ کا نفع زیادہ ہوگا اسکو فروخت کردیا جائیگا پس سوال یہ ہے کہ جب چندہ کے روپیہ سے مکان یا زمین کو خریدنے کے وقت نیت وقف کی نہیں کی گئی بلکہ اس نیت سے خریدا گیا کہ ضرورت کے وقت اسکو فروخت کردیا جائیگا تو آیا ایسی حالت میں یہ مکان وقف ہو جائیگا یا نہیں؟ اور اسکا فروخت کرنا مثل دوسرے ظروفِ استعمال کے جو بہ نیت وقف نہ خریدے گئے ہوں جائز ہوگا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

مہتمم صاحب مدرسہ عالیہ عربیہ دیوبند

الجواب

متولیان و مہتممانِ مدارس کے پاس جو رقم مدرسہ کیلئے علاوہ رقوم تملیک کے آتی ہے وہ مدرسہ کیلئے وقف و ہبہ ہے مگر چونکہ وقف منقول ہے اور وقف منقول میں اہلاک عین جائز ہے اسلئے اسکو تنخواہ مدرسین و وظائف طلبہ وغیرہ میں صرف کردینا جائز ہے اور بقائے بدل اس لئے واجب نہیں کہ اسمیں معنی ہبہ بھی ہیں لیکن اگر متولی و مہتمم اس رقم کے عوض کوئی عین خریدلیگا تو وہ عین گو وقف علی المدرسۃ ہو جائیگا کیونکہ مدرسہ کیلئے کوئی شئی خریدنا اس شئی کو مدرسہ سے ملحق کرنا ہے اور الحاق بالموقوف وقف ہے لیکن موقوف اور ملحق بالموقوف میں بعض احکام میں فرق ہے مثلاً موقوفِ اصلی کی بیع و استبدال متولی و مہتمم

کو جائز نہیں الا بشرائطہ المذکورۃ فی القصۃ من کونہ مستغنی عنہ و اذن القاضی ببیعہ وغیرہ اور ملحق بالوقف کو (جس کو متولی نے آمدنی وقف وغیرہ سے خرید کر اضافہ کیا ہے) متولی و مہتمم بیع کر سکتے ہیں جبکہ انفع للوقف ہو خصوصاً جبکہ متولی نے اسکو خریدا اسی نیت سے ہو کہ بوقت ضرورت و نفع اسکو بیع کر دیا جائیگا، فکان کما اذا شرط الواقف الاستبدال۔ اب دلائل ملاحظہ ہوں۔

قال فی الھندیۃ: رجل اعطی درھماً فی عمارۃ المسجد او نفقۃ المسجد او مصالح المسجد صح لانہ ان کان لا یمکن تصحیحہ وقفاً یمکن تصحیحہ تملیکاً بالھبۃ و اثبات الملک للمسجد علی ھذا الوجہ صحیح فیتم بالقبض کما فی الواقعات الخ (ص ۴۶۰ ج ۳) دل علی صحۃ ھبۃ المنقول للمسجد ولا بد من معنی الوقف فیہ فان المسجد لا یصلح للملک فی نفسہ فالتملیک للمسجد معناہ نقل ملکہ الی ملک اللہ تعالیٰ وھذا ھو الوقف بعینہ فھذا قسم جدید متردد بین الھبۃ والوقف۔

وفی الدر: اشتری المتولی بمال الوقف داراً للوقف لا تلحق بالمنازل الموقوفۃ ویجوز بیعھا فی الاصح .... اھ، قال الشامی: وفی البزازیۃ: قال ابو اللیث: فی الاستحسان یصیر وقفاً وھذا صریح فی انہ المختار اھ (رملی) ——— قلت: وفی التاتارخانیۃ: والمختار انہ یجوز بیعھا ان احتاجوا الیہ اھ (ص ۶۲۹ ج ۳) فالحاصل ان المختار کون الملحق بالوقف وقفاً مع انہ لیس کاصل الوقف فی حرمۃ بیعہ اصلاً بل المتولی فی سعۃ من بیعہ عند الحاجۃ ونحوھا

وفی الدر ایضاً: وفیھا لا یجوز استبدال العامر الا فی اربع اھ قال الشامی: الاولی لو شرطہ الواقف اھ (ص ۶۰۲ ج ۳)

تتمہ علـ: وفی الھندیۃ: وذکر الخصاف فی وقفہ لو شرط ان یبیعھا ویصرف ثمنھا الی ما رای من ابواب الخیر فالوقف باطل اھ (ص ۲۱۶ ج ۳)

وفیہ ایضاً: متولی المسجد اذا اشتری بمال المسجد حانوتاً او داراً ثم باعھا جاز اذا کانت لہ ولایۃ الشراء ھذہ المسئلۃ مبنیۃ علی

مسألة اخریٰ ان متولی المسجد اذا اشتریٰ من غلة المسجد داراً اوحانوتاً فهذه الدار والحانوت هل تلتحق بالحوانیت الموقوفة علی المسجد ومعناه هل یصیر وقفاً اختلف المشائخ وقال الصدر الشهید المختار انه لا یلتحق ویصیر مستغلاً للمسجد کذا فی المضمرات اھ (ص ۲۲۳ ج ۳)

جزئیہ اولیٰ سے معلوم ہوا کہ مہتمم مدرسہ اگر کوئی زمین یا مکان اس غرض سے خریدے کہ بوقت نفع وضرورت اسکو بیع کرکے اس کے ثمن کو مصالح مدرسہ میں جسطرح چاہیں خرچ کریں گے تو اتفاقاً اس صورت میں یہ زمین ومکان وقف نہ ہوگا اور اگر اس نیت سے خریدے کہ اس زمین ومکان کو بیع کرکے اسکی جگہ دوسری زمین ومکان خریدلی جائیگی یا کچھ نیت نہیں ہے تو اس صورت میں یہ زمین ومکان وقف ہوجائیگا عند بعض المشائخ اور بعض کے نزدیک اس صورت میں بھی وقف نہیں صرف مستغل ہوگا مگر احوط وراجح قول اول ہے۔ واللہ اعلم

تتمہ ع۲ : اوپر یہ معلوم ہوچکا ہے کہ اگر متولی ومہتمم مدرسہ رقوم چندہ سے کوئی جائیداد خریدی اور کوئی نیت نہ ہو یا یہ نیت ہو کہ بوقت ضرورت اسکو بیع کرکے اسکی جگہ جائیداد خریدیں گے تو اس صورت میں یہ زمین وقف ہوجائیگی اور بوقت ضرورت اسکی بیع جائز ہوگی مگر قابل غور یہ امر ہے کہ اگر کسی وقت اسکو بیع کردیا جائے تو اس کے ثمن سے جائیداد ہی خریدنا ضروری ہے یا کتب خرید کر انکو وقف کردینا بھی جائز ہے۔ پس روایات میں غور کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جس منقول کا وقف متعارف ہے اسکو بھی بجائے اس جائیداد کے وقف کرسکتے ہیں۔

قال فی الخلاصة: ولو شرط فی الوقف ان یبیعه ویجعل ثمنه فی وقف افضل منه له ان یبیعه ولا یبیعه الحاکم لکن ان رأه الحاکم اذن له اھ (کشوری ص ۴۱۴ ج ۴) ——— قلت: والافضل یعم الافضل ثواباً اومنفعةً عاجلةً۔

وفی الهندیة: ولو اشتریٰ بالثمن عرضاً مما لا یکون وقفاً فهو له والدین...... علله الخ (فتح القدیر ص ۲۱۷ ج ۳) فتقیید العرض بما لا یکون وقفاً یفید بمفهومه انه لو اشتریٰ بالثمن عرضاً تعورف وقفه

صح ولا یکون ضامناً، ولا یعارض ذالك ما فی العالمگیریة قبله فان کان الواقف، قال فی اصل الوقف علی ان ابیعها بما بدالی من الثمن من قلیل او کثیر او قال علی ان ابیعها واشتری بثمنها عبداً او قال ابیعها ولم یزد علی ذالك قال هلال رحمه الله هذا الشرط فاسد یفسد به الوقف (ص ۲۱۶ ج ۳) ـــــــ فانه فیما اذا لم ینو باشتراء العبد جعله وقفاً مکان الاصل، او لان وقف العبد وحده لیس بمتعارف بل المتعارف وقفه تبعاً للعقار ونحوه ـــــــ

الجواب مع التتمة صحیح

اشرف علی

۷ رشوال ۴۶ھ

واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ

۷ رشوال ۴۶ھ

مدارس عربیہ کیلئے قواعد وضوابط مرتب کرنا اور مدرسانِ مدرسہ سے انکی پابندی کرانا کیسا ہے

سوال: مدرسہ اسلامیہ واقع جامع مسجد امروہہ محلہ ملانہ کے نظم ونسق کے متعلق قواعد تیار کئے جارہے ہیں اُن میں اُن مُدرسان کی بابت جو قرآن، حدیث، فقہ، صرف، نحو، منطق، ہیئت، فلسفہ وغیرہ وغیرہ علوم کی تعلیم دیتے ہیں بعض حضرات کو یہ اعتراض ہے کہ ایسے قواعد جو انکی تنخواہ، رخصت، پابندی اوقات یاکسی معاوضہ یا کفالت وغیرہ کے متعلق ہوں انکو پابند کرنا بموجب شرع شریف ناجائز ہے اور انکے متعلق کوئی قاعدہ یا ضابطہ مرتب کرنا خلاف شرع ہے مدرسہ زیر نگرانی ایک مجلس شوریٰ کے ہے آیا مجلس شوریٰ کو اس نظام مدرسہ کے متعلق قواعد مرتب کرنے جائز ہیں یا نہیں؟ اور اگر مرتب ہوں تو جملہ مدرسین پر انکی پابندی شرعاً لازم ہوگی یا نہیں؟

الجواب

خود شریعت نام ہے پابندی احکام کا، پابندی احکام عین شریعت ہے۔ خلاف شریعت نہیں۔ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ میں پابندی احکام ہے۔ پابندی اوقات بھی۔

قوانین مجلس شوریٰ، تمام اہل شوریٰ ومہتمم وناظم ومدرسین وکل کارپردازان مدرسہ پر برابر حاوی ہیں اور اس کی پابندی سب کے ذمہ ہے۔

جو لوگ تعلیم کی نوکری کرتے ہیں اور تعلیم مع پابندی اوقات کے معاوضہ میں تنخواہ لیتے ہیں اور ان کی پابندی بالمعاوضہ ہوتی ہے اور تعلیم بھی بالمعاوضہ ہی ہے جس کو علماء متقدمین احناف اور امام صاحبؒ نے حرام فرمایا ہے اور متاخرین میں سے علماء بلخ نے جواز کا فتویٰ دیا ہے مگر ثواب تعلیم ان کو نہیں ملے گا، کیونکہ ان کی تعلیم خدا واسطے نہیں ہے، مال کے عوض میں ہے، اور جو لوگ تعلیم اور پابندی کا معاوضہ نہیں لیتے بلکہ ان کی کفالت کی جاتی ہے، اور ان کی تعلیم و پابندی لوجہ اللہ ہوتی ہے وہ ثواب کے مستحق ہوتے ہیں اور ان کے مددگار بھی ثواب پاتے ہیں غرض پابندی قوانین سب کے ذمہ ہوتی ہے۔ کسی کے ذمہ بالمعاوضہ اور کسی کے ذمہ میں لوجہ اللہ تعالیٰ، اور قوانین بنانا شرعاً جائز ہے البتہ جو قانون خلافِ شریعت ہوگا وہ نافذ نہ ہوگا واللہ اعلم۔

عبدالرحمٰن کان اللہ لہ ولوالدیہ ولجمیع المؤمنین

الجواب الثانی من جامع امداد الاحکام

اہل مدارسِ عربیہ کو مدرسانِ مدرسہ کیلئے قواعد مرتب کرنا جائز ہے اور مدرسان پر ان کی پابندی لازم و واجب ہے، بدون پابندی قواعد کے ان کو تنخواہ لینا حلال نہ ہوگا اور جو لوگ مدرسان مدرسہ کیلئے قواعد مرتب کرنے کو ناجائز اور مدرسان پر ان کی پابندی کو غیر لازم سمجھتے ہیں وہ غالباً مدارس کو بیت المال اور تنخواہ مدرسین کو مثل عطاء بیت المال کے سمجھتے ہیں، مگر یہ خیال ان کا غلط ہے کیونکہ اول تو مدارس عربیہ پر بیت المال کی تعریف صادق نہیں ورنہ لازم ہے کہ ان میں علاوہ طلبۂ علم اور مدرسان مدرسہ کے دوسرے مستحقین بیت المال مثل یتامی، بیوگان و مسافران و معذورین کا بھی حق ہو، حالانکہ ان کا مدارس میں کچھ حق نہیں، دوسرے ظاہر ہے کہ مدارس کا قیام چندہ دینے والوں کی امداد سے ہے، پس اس کا بیت المال ہونا یا نہ ہونا چندہ دینے والوں کی

؎ متقدمین نے صرف استیجار علی نفس التعلیم کو حرام فرمایا ہے اور استیجار علی التعلیم مع القیود والقوانین کو حرام کسی نے نہیں کہا کیونکہ قیود و قوانین کی پابندی شرعاً بدون اجارہ کے فرض وطاعت نہیں پس یہ استیجار علی الطاعۃ نہیں بلکہ علی المباح ہے ۱۲ ظفر احمد غفر اللہ لہ ولمن تعلق بہ ولمن ھو متعلق بہ آمین

نیت پر ہے اور یقیناً چندہ دینے والے مدارس کو بیت المال اور مدرسین کی تنخواہ کو عطاء بیت المال کے مثل نہیں سمجھتے بلکہ عموماً چندہ دینے والے مہتممانِ مدرسہ کو اپنا وکیل اور ملازمانِ مدرسہ کو اجیر سمجھتے ہیں، اور اگر ان کو یہ معلوم ہو جائے کہ کسی مدرسہ کے مدرسین پابندی عمل و پابندیٔ وقت و پابندیٔ قواعد کو اپنے ذمہ ضروری نہیں سمجھتے تو یقیناً چندہ دینے والے ایسے مدرسہ میں چندہ دینے سے رک جائینگے، جس کو شک ہو وہ اس امر کا اعلان کرکے دیکھ لے کہ پھر مدرسہ میں چندہ کس قدر آتا ہے، رہا یہ امر کہ جب مدرسین اجیر ہیں تو ثواب بھی ملے گا یا نہیں؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ ان کو اس صورت میں بھی ثواب ملے گا کیونکہ وہ دنیا کی بڑی بڑی ملازمتوں کو چھوڑ کر اور طلب دنیا سے کنارہ کشی کرکے خدمت علم دین کی ملازمت پر قلیل تنخواہ سے قناعت کئے ہوتے ہیں فانما الاعمال بالنیات۔

وفی الحدیث: ارأیت لو وضعها فی حرام الم یکن علیہ وزرہ، قالوا: نعم، قال فاذا وضعها فی حلال فلہ اجرہ کما قال واللہ أعلم۔

ظفر احمد عفی عنہ

الدلیل

قال فی الدر: وما فی البحر من قیاس الوقف علی الغنیمة ردّہ فی النہر، وحررناہ فی الوقف، قال الشامی: ردہ فی النہر حیث قال: اقول فی الدرر والغرر عن فوائد صاحب المحیط: للإمام والمؤذن وقف، فلم یستوفیا حتی ماتا سقط لانہ فی معنی الصلة وکذا فی القاضی، وقیل لا یسقط لأنہ کالأجرة الخ وجزم فی البغیة بأنہ یورث بخلاف رزق القاضی وانت خبیر بأن ما یأخذہ القاضی لیس صلة کما ھو ظاھر، ولا أجرًا لان مثل ھذہ العبادة لم یقل احد بجواز الاستئجار علیها، بخلاف ما یأخذہ الامام والمؤذن، فانہ لا ینفک عنهما فالنظر الی الاجرة یورث ما یستحق اذا استحق غیر مقید بظھور الغلة وبید الناظر، وبالنظر الی الصلة لا یورث وان قبضہ الناظر، وبهذا عرف ان القیاس علی الغنیمة غیر صحیح اھ

اقول: قولہ: ان ما یأخذہ القاضی لیس صلةً مخالف لما فی الھدایة

وغيرها، كما سيأتي، نعم ما يأخذه الامام ونحوه (أي المؤذّن) فيه معنى الصّلة ومعنى الأجرة، وما جزم به في البغية يقتضي ترجيح جانب الأجرة وهو ظاهر لا سيّما على ما أفتى به المتأخّرون من جواز الأجرة على الأذان والامامة والتّعليم وعن هذا مشى الامام الطرطوسي في نفع الوسائل على أن المدرّس ونحوه من أصحاب الوظائف إذا مات في أثناء السنّة يعطى بقدر ما باشر ويسقط الباقي، بخلاف الوقف على الذرّية والأولاد فانه اذا مات مستحق منهم يعتبر في حقه وقت ظهور الغلة فإن مات بعد ظهورها ولو لم يبد صلاحها صار ما يستحقه لورثته وإلا سقط اھ وتبعه في الاشباه وبه افتى في الفتاوى الخيرية فليكن العمل عليه من التفصيل (ص۲۵۸ ج-۳) وفيه ايضًا في بيان أجر أيام الغيبة عن العمل وهذا اى التفصيل المذكور في الغيبة إنما هو فيما إذا قال: وقفت هذا على ساكني مدرستي واطلق. أما لو شرط شرطا اتبع كحضور المدرس أياما معلومة في كل جمعة فلا يستحق المعلوم الامن باشر خصوصاً اذا قال: من غاب عن الدرس قطع معلومه فيجب اتباعه وتمامه في البحر (ص۶۳۱ ج۳)

اقول: هٰذا كله حكم المدرسين المقيمين بمدرسة لها وقف من واقف، واما مدرسو المدارس التي ليس لها من الوقف الا قليل واكثر مداخلها من ما يجمع من آحاد النّاس من الدراهم، فكونهم اجراء ظاهر جدًّا والله اعلم.

ظفر احمد عثمانی عفی عنہ

مسجد میں کوئی چیز دیدی گئی تو دوسری مسجد میں اس کا منتقل کرنا جائز نہیں ہے

سوال: (۱۵۵۹ ج ۷) ایک شخص نے ایک مسجد میں قیمتی مصلّی دیا لیکن اس میں حفاظت کا انتظام نہ تھا، اس واسطے وہ اہل محلہ میں سے ایک شخص اپنا گھر رکھ لیا، معطی نے کہا کہ جب یہاں کارآمد نہیں تو دینے سے کیا فائدہ! لاؤ میں دوسری جگہ پہنچا دوں گا، اس نے دوسری جگہ پہنچا دیا، جہاں ہر وقت کام میں آتا ہے، اور محفوظ ہے، اب کئی سال کے بعد اس

مسجد قدیم میں انتظام ہوگیا اور وہ نمازی اس معطی سے کہتے ہیں کہ ہمارا مصلّی لاؤ وہ یہ کہتا ہے کہ مسئلہ دریافت کرنیکے بعد کچھ کرسکتا ہوں، استفسار ہے کہ اس کا منتقل کرنا صحیح تھا یا نہیں؟ اور دوبارہ منتقل کرنا کیسا ہے؟

سائل محمد اسلام

الجواب

جب مسجد میں کوئی چیز دیدی گئی اور متولی مسجد نے اس پر قبضہ کرلیا تو وہ اس مسجد کی ملک ہوگئی، اب اس کا دوسری مسجد میں منتقل کرنا اس وقت جائز ہے جب مسجد ویران ہوجائے اور یہاں کارآمد ہونے کی امید نہ رہے ورنہ نقل جائز نہیں، اور صورت مسئولہ میں اس شخص نے مصلّی کو ایسی حالت میں منتقل کیا کہ پہلی مسجد ویران نہیں بلکہ آباد کی کو نظم نہیں تھا اسلئے یہ مصلّی پہلی ہی کی ملک ہے۔ واللہ سبحانہ اعلم

امام ومؤذن نصب کرنے کا حق اہل محلّہ کو حاصل ہوتا ہے یا بانی مسجد کو؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک مسجد ایک خاص گورستان کے احاطہ میں واقع ہے اور گورستان والے اپنی طرف سے کچھ تنخواہ دیکر ایک پیش امام مسجد میں مقرر کرتے ہیں لیکن جب کبھی ان کے ہاں کوئی میّت ہوتی ہے تو وہ ہمراہ میت آکر اس مسجد میں نماز پڑھتے ہیں اور اس گورستان کے قریب ایک محلّہ آباد ہے، اہل محلّہ اس مسجد میں پنجگانہ نماز ادا کرتے ہیں اور مسجد کے تیل بتی اور رسّی ڈول وغیرہ کا خرچ بھی اہل محلّہ اٹھاتے ہیں لیکن اہل گورستان جو پیش امام رکھتے ہیں وہ اہل محلّہ کے خلاف رہتا ہے، اس کا چال چلن اہل محلّہ کے نزدیک متقیانہ نہیں ہے جس کیوجہ سے اہل محلّہ اس پیش امام سے ناراض ہیں اور اس پیش امام کو بدلنا چاہتے ہیں، لہذا شریعت کے نزدیک اہل محلّہ کو اس پیش امام کو تبدیل کرنے کا حق ہے یا نہیں؟ اور دیگر معاملات میں اہل محلّہ کو دخل دینے کا حق ہے یا نہیں؟ اہل گورستان کہتے ہیں کہ مسجد ہماری ملکیت ہے تمہارا دل چاہے ہمارے پیش امام کے پیچھے نماز پڑھو ورنہ دیگر مسجد میں جاکر پڑھو۔ جواب تحریر فرماکر عنداللہ ماجور ہوں۔

سائل حافظ عبدالمجید دکاندار پرچون
شہر میرٹھ محلہ پوروہ

الجواب

قال فی الخلاصۃ: رجل بنی فی سکۃ مسجداً، فنازعہ بعض اھل السکۃ فی عمارتہ او نصب المؤذن، فالمختار أن البانی أولی فی العمارۃ بالاتفاق، فان اراد القوم من ھو أصلح من ذلک فی المؤذن والامام فھم أولی لان ضرر ذلک ونفعہ یرجع الیھم (ص ۴۲۱ ج ۴ کتاب الوقف)۔

صورت مسئولہ میں اہل گورستان پر لازم ہے کہ اس مسجد میں امام ومؤذن اہل محلہ کی مرضی کے موافق مقرر کریں، کیونکہ مسجد کی آبادی اہل محلہ ہی سے ہے، اگر امام ایسا مقرر ہوا جس کی امامت سے اہل محلہ راضی نہ ہوئے تو مسجد کی آبادی اور پابندی جماعت میں خلل واقع ہوگی، واللہ تعالیٰ اعلم اور اہل محلہ کو امام ومؤذن کے سوا دیگر معاملات مسجد میں اہل گورستان کے مقابلہ میں بولنے کا حق نہیں

فقط واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفی عنہ از تھانہ بھون

خانقاہ امدادیہ ۱۷ محرم الحرام ۴۸ھ

مسجد کے نیچے دوکانیں بنانا **سوال**: ایک شخص مسجد اس طرح بنانا چاہتا ہے کہ اس کے نیچے دکانیں ہوں اور اوپر مسجد ہو اور دکانیں مسجد کے پورے حصے کے نیچے رکھنا چاہتا ہے یہ صورت جائز ہے یا نہیں؟ اگر یہ صورت جائز نہیں تو اگر وہ مسجد کے مسقف حصے کے نیچے حوض رکھے اور صحن مسجد کے نیچے دکانیں رکھے، یہ بھی جائز ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا

السائل محمد حسین ٹینری کانپور

الجواب

مسجد کے نیچے دکانیں بنانا اس صورت میں ناجائز ہے جبکہ اول مسجد تیار کرلی گئی ہو پھر اس کے نیچے تہ خانہ بنا کر دکان بنائی جائے اور اگر ابتدا ہی سے یہ صورت ہو کہ اول دکانیں بنائی جائیں پھر ان کے اوپر مسجد بنائی جائے تو یہ جائز ہے بشرطیکہ یہ دکانیں مصالح مسجد کیلئے ہوں اور مسجد ہی پر وقف ہوں۔

قال فی الشامیۃ: یؤخذ من التعلیل ان محل عدم کونہ مسجداً

فیما اذا لم یکن وقفاً علی مصالح المسجد وبہ صرح فی الاسعاف فقال: واذا کان السرداب او العلو لمسجد او کانا وقفاً علیہ صار مسجداً اھ وفی الدر: اما لو تمت المسجدیۃ ثم اراد البناء منع اھ (ص ۵۷۳ ج ۳) واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفی عنہ
۲۷ محرم الحرام ۴۸ھ

اس مسجد وعید گاہ کا حکم جو ضد اور نفسانیت کی وجہ سے بنائے گئے ہوں

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ کسی جگہ عرصہ سے ایک مسجد اور عید گاہ مقرر ہے مابعدہ کسی بات پر لوگوں میں اختلاف پڑ گیا اور لوگ دو فریق ہو گئے۔ فریق اوّل تو مسجد قدیم اور عید گاہ میں نماز پڑھتے رہے اور فریق دیگر اس غرض سے کہ قدیم مسجد وعید گاہ خراب ہو جائے گی ایک نئی مسجد وعید گاہ قائم کر کے نماز پڑھنے لگے، اب یہ دریافت کرنا ہے کہ اس نئی مسجد اور عید گاہ پر نماز جائز ہے یا نہیں دیگر یہ ہے کہ پھر اگر دونوں فریق آپس میں اس شرط پر متفق ہو جائیں کہ نہ نئی مسجد وعید گاہ میں نماز پڑھیں نہ قدیم میں بلکہ سب مل کر ایک تیسری جگہ پر مسجد وعید گاہ بنا کر نماز پڑھیں تو یہ تیسری جگہ پر مسجد اور عید گاہ قائم کر کے نماز پڑھنا جائز ہوگا یا نہیں؟ بر تقدیر اوّل قدیم مسجد وعید گاہ کے لئے شرعاً کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب الاوّل

وہ مسجد جدید اور عید گاہ جدید دونوں صورتوں میں جو سوال میں مرقوم ہے حکم میں مسجد ضرار کے ہے کیونکہ مبنی ان کی بناء کا غرض فاسد ہے للّٰہیت نہیں۔ چنانچہ قرائن حال سے معلوم ہوتا ہے اور جو مسجد کہ مبنی اور منشا اس کا غرض فاسد ہو وہ مسجد ضرار کے حکم میں ہے اس میں نماز پڑھنا جائز نہیں۔ فی المدارس کل مسجد بنی مباھاۃ او ریاء او بمال غیر طیب او بغرض سوی ابتغاء وجہ اللہ تعالیٰ فھو لاحق بمسجد الضرار انتہی۔ واللہ اعلم

کتبہ فیض اللہ عفا اللہ عنہ
مفتی مدرسہ معین الاسلام ہاٹہزاری چاٹگام

الجواب الثانی

قدیم مسجد و عیدگاہ میں نماز ادا کرنا چاہیئے، جدید مسجد اور عیدگاہ مسجد ضرار کے حکم میں ہے حق تعالٰے کا ارشاد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسی مسجد کے بارے میں ہوا۔ لا تقم فیه ابدا، تفسیر کشاف۔ اور مدارک میں ہے: کل مسجد مباھاۃ اوریاء وسمعة اولغرض سوی ابتغاء وجه الله تعالٰی او بمال غیر طیب فهولاحق بمسجد الضرار۔ اگر دینی عذر کی وجہ سے مثلاً مسجد اور عیدگاہ کا امام دینی لحاظ سے اچھا نہیں ہے یا وہ مسجد بہت دور ہے لوگوں کو وہاں آنے جانے میں بہت تکلیف ہوتی ہے تو اس مسجد کو ضرار کا حکم نہیں ہے اور تیسری مسجد کی حاجت سے زیادہ ہوکر بے حرمتی مسجد کی ہوئی جو شرعًا ناجائز ہے۔ واللہ اعلم

کتبہ ریاض الدین

مفتی مدرسہ دارالعلوم دیوبند ضلع سہارنپور

الجواب الثالث

جواب صحیح ہے مسلمانوں کے لئے کسی شرعی وجہ کے بغیر مسجد قدیم اور عیدگاہ سابق کو ترک کرنا اور ان کو ویران کرنا جائز نہیں ہے تاہم اگر سب مسلمان متفق ہوکر فتنۂ اختراق کو مٹانے کے لئے تیسری مسجد اور عیدگاہ کی تعمیر کرتے ہیں تو یہ عیدگاہ اور مسجد شرعی حیثیت سے عیدگاہ اور مسجد ہو جائے گی۔ مسلمانوں کے لئے اس میں نماز پڑھنا درست ہے اب اگر مسجد قدیم ویران ہوگئی اور سب لوگوں نے اس میں نماز پڑھنی ترک کی تو جب بھی اس کی مسجدیت فنا نہیں ہوگی وہ قیام قیامت تک مسجد ہی رہے گی۔ فقط واللہ تعالٰی اعلم۔

کتبہ، عتیق الرحمٰن عثمانی دیوبندی

۲۸ محرم الحرام ۷۸ھ

الجواب الرابع

بندہ کے خیال میں محررہ بالا تینوں جوابوں میں کوئی منافات یا فرق نہیں ہے۔

اس لئے میں ان جوابات ثلاثہ کو صحیح سمجھتا ہوں۔

محمد اعزاز علی

دارالعلوم دیوبند ضلع سہارن پور

الجواب الخامس من جامع امداد الاحکام

مدرسہ امداد العلوم تھانہ بھون

مسجد ضرار جس کا ذکر قرآن میں ہے جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منہدم کرا دیا تھا درحقیقت مسجد ہی نہ تھی کیونکہ اس کے بانی کفار (منافقین) تھے اور ان کی نیت بھی بناء مسجد نہ تھی بلکہ بناء بیت الشوریٰ لاضرار المسلمین تھی جس کو اخفاء مطلب کے لئے مسجد کی صورت پر بنایا گیا تھا۔

قال اللہ تعالیٰ: والذین اتخذوا مسجداً ضراراً وکفراً وتفریقاً بین المؤمنین وارصاداً لمن حارب اللہ ورسولہ من قبل ، اور چونکہ یہ مسجد ہی نہ تھی اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو منہدم کرا دیا۔ اس پر مسلمانوں کی ان مسجدوں کو جو ضد اور نفسانیت کی وجہ سے بناتے ہیں قیاس کرنا غلط ہے کیونکہ جب کسی زمین کو مسجد یا مدرسہ کے لئے بشرائط وقف کر دیا جائے تو وقف یقیناً صحیح ہو جائے گا کیونکہ ارکان و شرائط وقف موجود ہیں۔ قال حد الوقف حبس العین علی ملک الواقف والتصدق بالمنفعۃ عند الامام وعندھما ھو حبسھا علی حکم ملک اللہ تعالیٰ وصرف منفعتھا علی من احب ورکنہ الالفاظ الخاصۃ ومحلہ المال المتقوم وشرطہ شرط سائر المتبرعات وان یکون قربۃ ذاتہ معلوماً منجزاً۔ (درمختار ص ۵۵۶ ج ۳)

اس سے ظاہر ہے کہ جب ان ارکان و شرائط کا تحقق ہو جائے گا وقف متحقق ہو جائے گا اور فقہاء نے صحت وقف میں کسی جگہ بھی خلوص نیت کی شرط بیان نہیں

کی اور اگر یہ شرط ہو تو بہت سے مدارس و سرائے و مسافر خانہ وغیرہ جو امراء و رؤسا نے فخر و ریا کے لئے بنائے ہیں باطل الوقف ہو جائیں گے اور ان کا انہدام و بیع وغیرہ جائز ہوگا بلکہ ورثاء واقف کی طرف واپس کر دینا واجب ہوگا اور اس کا کوئی قائل نہیں جب یہ مقدمہ ممہد ہو گیا اب سمجھئے کہ جن علماء نے مسجد مباہات و ریاء و سمعہ یا مسجد مال حرام کو ملحق بمسجد ضرار فرمایا ہے ان کا مطلب صرف اتنا ہے کہ "الاعمال بالنيات" ولا يقبل الله الا طيب" کی وجہ سے بانی و واقف کو ان صورتوں میں ثواب نہ ملے گا اور ان میں نماز پڑھنے والوں کو مسجد خالص کے برابر ثواب نہ ملے گا اور یہ مطلب نہیں کہ ان صورتوں میں مسجد، مسجد نہ ہوگی کیونکہ بطلان مسجدیت کی کوئی وجہ موجود نہیں جبکہ وقف مع الارکان والشرائط متحقق ہے۔

پس صورت مسئولہ میں دوسری نئی مسجد و عیدگاہ بھی مسجد و عیدگاہ بن گئی۔ لجواز تعدد الجمعة والعيدين فى مصر واحد اور اس میں نماز بھی درست ہے اور اس کا ہدم بھی جائز نہیں بلکہ حفاظت لازم ہے البتہ ثواب پہلی مسجد و عیدگاہ میں زیادہ ہے اور دوسری مسجد میں نماز پڑھنے سے فرض و واجب تو ادا ہو جائے گا اور ثواب جماعت و مسجد کا بھی ملے گا مگر مسجد خالص و کامل کے برابر ثواب نہ ملے گا اور یہ تفاوت بھی اس کے لئے ہے جس کے لئے مسجد قدیم احق ہے اور اگر کسی شخص کے لئے مسجد جدید احق ہو وہاں حکم بالعکس ہوگا باقی بانی کی نیت کا اثر مصلی کے عمل میں نہ ہوگا (اشرف) اور قدیم و جدید سب کو باطل کر کے تیسری مسجد و عیدگاہ بنانا جائز نہیں کیونکہ جو مسجد، مسجد ہو چکی ہے اس کی تعمیر و آبادی و حفاظت لازم ہے ہدم و ابطال و تعطیل جائز نہیں (لیکن اگر بن گئی تو اس کا حکم بھی مسجد ثانی کا ہوگا۔ (اشرف) واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ

از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ ۵ صفر ۱۳۴۶ھ

مسجد کے متصل زمین پر جو وقف علی المسجد ہو اس پر کرایہ کے لئے دو کانیں بنانا اور فناء مسجد کی تعریف

سوال: السلام علیکم یا مولانا! جواب مسئلہ ذیل بتوجہ و دین پروری مرحمت فرمایند کہ شکور خواہم ماند۔

(۱) مسجدیست کہ بطرف گوشہ مغرب وشمال او یک قطعہ وقف علی المسجد متصل دیوار افتادہ است کہ نمازیان بعض وقت بول می کنند حالاً شخصے می خواہد کہ در آں قطعہ خانہ یا دو کان سازد و کرایہ آں در غلہ مسجد داخل نماید کہ در عمارت مسجد بکار آید آیا چنیں طور کردن جائز است یا نہ؟

(۲) فناء مسجد کرامی گویند و ہمیں قطعہ مذکورہ را فناء گفتہ شود یا نہ؟ و حکم فناء مسجد چیست یعنی در فناء مسجد مرور جنب و حائضہ جائز است یا نہ؟ و دراں دو کان کرایہ آں در عمارت مسجد صرف نمودن جائز است یا نہ؟

السائل عبدالفتاح

از شکارپور سندھ محلہ مہر شاہ وقبہ

الجواب

(۱) ایں فعل جائز است اگر خلافِ غرض واقف نہ باشد و الا اتباع غرض واقف لازم بود۔

(۲) فناء مسجد گاہے صحنِ مسجد را گویند و گاہے متعلقات و ملحقات او را، و مرور جنب و حائضہ از اول ممنوع است نہ از ثانی۔ واللہ اعلم

از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ

۱۸ جمادی الاوّل ۱۳۴۷ھ۔

مسجد کے لئے یہ شرط ہے کہ اوپر نیچے سب زمین مسجد کے لئے وقف ہو

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید مسلم نے ایک غیر مسلم سے ایک قطعہ مکان بغرض دوکان کرنے کے کرایہ ماہواری پر لیا اور دونوں کے درمیان شرط یہ ٹھہری بذریعہ تحریر کہ جب تک زید کا جی چاہے مکان مذکور میں رہے

اور جب جی چاہے چھوڑ دے غیر مسلم کو مکان سے نکالنے کا اختیار نہیں ہے۔ اسی شرط پر ایک عرصہ دراز تک قریب سولہ سال کے دونوں قائم رہے اور کرایہ زید برابر غیر مسلم کو باخذ رسید ادا کرتا رہا اس کے بعد زید نے باجازت غیر مسلم مالک مکان کے اپنے صرفہ سے اس مکان میں تعمیر کا اضافہ کیا تب غیر مسلم کو اور غیر مسلم نے ورغلا کر بہکا دیا کہ زید مسلم ہے اس سے مکان خالی کرا لو اور کسی غیر مسلم ہندو کو دے دو تب اس نے زید سے کہا کہ میرا مکان خالی کر دو، زید نے انکار کر دیا شرط مذکورہ بالا کی بنا پر اس پر غیر مسلم نے پنچایت جمع کیا اور اس میں پیش کیا۔ اس پنچایت مذکورہ میں زید نے شرط مذکورہ کی تحریر کو پیش کیا۔ پنچایت والوں نے غیر مسلم کو ہرا دیا۔ اسی شرط کی رُو سے اور باز رکھا غیر مسلم کو اس کے بعد پھر کرایہ بدستور زید ادا کرتا رہا اس کے بعد زید نے اس موضع میں زمینداری نیلام خرید لیا باجازت مدیون ڈگری بعد خرید نے زمینداری کے غیر مسلم لاوارث فوت کر گیا تب اس کے بعد موضع کا بٹوارہ و تقسیم زمینداروں میں ہوئی۔ سرکاری طور پر بذریعہ درخواست شرکا موضع دیگر حصہ داران موضع نے عدالت میں یہ عذر پیش کیا کہ یہ مکان مسکونہ زید و دیگر چند مکانات لاوارث ہیں یہ سب برحسب رسد تقسیم کی جائیں۔ عدالت نے عذر خارج کر دیا اور یہ فیصلہ کر دیا کہ مکانات جس زمیندار کے قبضہ میں ہیں انہی کو دیئے جائیں اس کے معاوضہ میں دوسری زمین سے دیگر حصہ داران کو دیئے جائیں اسی کے مطابق تقسیم ہو گئی۔ اب دریافت طلب یہ بات ہے کہ بر وقت مخاصمت تخلیہ مکان غیر مسلم کے زید نے نیت کر لیا تھا اللہ پاک سے کہ یا اللہ! اگر یہ مکان حلال طریقہ سے مجھ کو مل گیا تو میں اس دوکان کے اوپر کے حصہ پر مسجد بنوا دوں گا بشرط استطاعت اور نیچے کے حصہ میں دوکان کروں گا۔ واضح رہے کہ مالک مکان غیر مسلم حصہ دار و زمیندار موضع نہیں تھا بلکہ کاشتکارانہ قابض تھا اب از روئے شرع شریف کے تحریر فرمائیں کہ مکان حلال طریقہ سے ملا ہے یا نہیں؟ اور چھت پر مسجد بنا کر نیچے اپنی دوکان کر سکتے ہیں یا نہیں؟ اور چھت پر مسجد بنائیں تو کس طرح بنا سکتے ہیں آیا صرف امام کی جگہ نیچے زمین پر ہو اور بقیہ خالی جگہ نیچے قابل دوکان ہو یا کیسے ہو؟ خلاصہ تحریر فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

سائل: عجیب پھولپور، ڈاک خاص ضلع اعظم گڑھ

الجواب

صورت مسئولہ میں یہ مکان تو زید کو حلال طریقہ سے ملا ہے مگر اس کے اوپر مسجد نہیں بن سکتی کیونکہ مسجد کے واسطے یہ شرط ہے کہ اس کے نیچے اوپر کی سب زمین مسجد کے واسطے وقف ہو۔ اگر یہ شخص دوکان کو اپنی ملکیت میں رکھنا چاہے تو اوپر کے حصہ پر مسجد نہیں بن سکتی البتہ اگر دوکان کو بھی مسجد کے لئے وقف کرنا چاہے تو سوال دوبارہ کرے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ

۲۰ جمادی الثانی ۵۶ھ۔

نقل مسجد کی ایک صورت کا حکم | سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس بارے میں کہ موضع کھاڑی اسٹیٹ بنارس کے مسلمانوں کو مہاراجہ صاحب بنارس کی طرف سے زمین برائے تعمیر مسجد خاص اسلامی آبادی کے اندر ملی تھی اور اس جگہ ویسے لوگ برابر نماز پڑھا کرتے تھے پس امسال ماہ اگست میں زمین مذکورہ بالا پر تعمیر مسجد شروع کر دی گئی اور تین فٹ دیوار اونچی بھی آچکی تھی کہ قرب و جوار کے متعصب ہندؤوں نے جمع ہو کر زبردستی دیوار کو گرا دیا اور یہ معاملہ سپرد عدالت ہے پس حکام ضلع کی رائے ہے کہ مسجد دوسری جگہ بنائی جائے مگر قرب و جوار کے عام مسلمان اس بات پر اڑے ہیں کہ مسجد اسی جگہ بنائی جائے جہاں اس کی بنیاد پڑ چکی ہے دوسری جگہ پر بنانا شریعت کے خلاف ہے اس پر جناب کلکٹر صاحب بہادر، مذہبی ثبوت طلب کر رہے ہیں۔ علماء دین سے گذارش ہے کہ اس بارے میں شریعت کیا حکم رکھتی ہے کہ مسجد اسی جگہ موقوف علیہ پر بننی چاہیئے یا کہ دوسری جگہ بنائی جائے جواب مدلل مع ثبوت کے ہونا چاہیئے تاکہ عدالت ہو۔ بینوا توجروا۔

الجواب وھو الموفق للصواب

جس جگہ اب مسجد ہے اسی جگہ رکھنا ضروری ہے اس کے بدلے میں دوسری

جگہ لینا ہرگز جائز نہیں ہے اور یہ مسئلہ متفق علیہ ہے کسی کا اختلاف نہیں ہے اور کتب فقہ میں مصرح ہے چنانچہ عالمگیریہ[1] جو کہ مذہب حنفی کی ایک مسلّم ومقبول کتاب ہے اس میں صاف لکھا ہے:

لوکان مسجد فی محلۃ ضاق علی اھلہ ولا یسعھم ان یزیدوا فیہ فسألھم بعض الجیران ان یجعلوا ذالک المسجد لہ لیدخل ھو فی دارہ ویعطیھم مکانہم عوضًا ماھو خیر لہ یسع فیہ اھل المحلۃ قال محمد: لا یسعھم ذلک کذا فی الذخیرہ"

دیکھئے اس صورت میں باوجودیکہ مسلمانوں کو سخت ضرورت تھی مگر پھر بھی اجازت بدلنے کی نہیں دی اور صورت مندرجہ فی السوال میں تو کوئی ضرورت بھی نہیں ہے۔ پس اس حالت میں بدلنا تو بدرجۂ اولیٰ حرام ہوگا۔ کما لا یخفی علی من لہ ادنیٰ فہم اور ہدایہ کتاب الوقف میں تصریح کی ہے لم یکن لہ ان یرجع فیہ ولا یبیعہ[2] ولا یورث عنہ (ص ۶۲۱ ج ۲)

علاوہ ان دو مقبول عام کتابوں کے دوسری کتابوں میں اس سے بھی زیادہ تصریحات موجود ہیں حتیٰ کہ مسجد اور محلہ مسجد بے آباد ہو جائے تب بھی اس جگہ مسجد رکھنا ضروری ہے۔ کمافی الدرالمختار: ولو خرب ماحولہ واستغنی عنہ یبقی مسجدا عند الامام والثانی) ابدا الی قیام الساعۃ (وبہ یفتی) حاوی القدسی (شامی ص ۳۸۲ ج ۳) ایسی ایسی صاف تصریحات کے بعد دیکھنے والے کو اس میں کوئی شبہ نہیں رہ سکتا کہ مسجد کا بدلنا حرام ہے لہٰذا زیادہ عبارتیں نقل کرنے کی ضرورت نہیں۔ خلاصہ یہ کہ مسلمانوں کا یہ مطالبہ کہ ہم مسجد اسی جگہ رکھیں گے مذہبی حیثیت سے نہایت ضروری ہے اس کے خلاف کرنا کسی طرح جائز نہیں۔

فقط واللہ اعلم۔

کتبہ الاحقر

عبدالکریم عفی عنہ۔ از تھانہ بھون

مورخہ ۱۵ جمادی الاولیٰ ۵۱ھ

---

[1] فصل اول باب حادی عشر کتاب الوقف (ص ۲۳۹ ج ۲)

[2] اور تبادلہ کے بیع ہونے میں کون شبہ کر سکتا ہے۔

نعم الجواب وھو عین الصواب
اشرف علی
۱۵ر جمادی الاول ۱۳۵۱ھ

الجواب صحیح
بندہ محمد شفیع عفرلہ
خادم دارالافتار دارالعلوم دیوبند
وارد حال تھانہ بھون، ۱۵ جمادی الاول ۱۳۵۱ھ

حکم انتقاض دوکانہائے مسجد

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین متین اس مسئلہ میں کہ ایک مسجد میں چند دوکانیں وقف ہیں ان کی جب مرمت ہوتی ہے تو کچھ ملبہ اینٹ وتختہ وکیواڑ وغیرہا بوسیدہ بچے رہتا ہے فی الحال یا آئندہ کو یہ خیال ہوتا ہے کہ یہ مسجد مذکور کی دوکانوں میں کام نہ آئے گا تو متولیان مسجد اس کو ضرورت سے زیادہ سمجھ کر فروخت کر کے مسجد کے دیگر مصارف میں اس کو لاسکتے ہیں یا نہیں؟ محمد اسمٰعیل شاملی

الجواب

بچے ہوئے ملبہ کو فروخت کرنے میں کچھ مضائقہ نہیں ہے۔ واللہ اعلم

کتبہ عبدالکریم عفی عنہ
خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون
مورخہ ۱۵ر رجب ۱۳۵۱ھ

الجواب صحیح
اشرف علی
۲۳ رجب ۱۳۵۱ھ

الجواب صحیح
بندہ محمد شفیع عفرلہ
خادم دارالافتار دارالعلوم دیوبند
۱۷ر رجب ۱۳۵۱ھ

ایک مسجد کی آمدنی دوسری مسجد میں صرف کرنا

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین متین اس مسئلہ میں کہ جس مسجد کی اس کے خرچ سے اتنی زیادہ آمدنی ہو کہ سالانہ جمع میں جمع ہوتا رہتا ہو تو اس زائد آمدنی سے دیگر مساجد کی آمدنی کی صورت

نکال سکتے ہیں یا نہیں مثلاً دوکانیں بنادیں یا جائیداد خرید کردیں پھراس کی آمدنی سے اپنا دیا ہوا روپیہ وصول کرلیں یہ جائز ہے یا ناجائز ؟

سائل محمد اسماعیل
قصبہ شاملی

الجواب

قرض دینا دوسری مسجد کو اس شرط پر جائز ہوسکتا ہے کہ قاضی شرعی قرض کی اجازت دے دے اور یہاں قاضی ہے نہیں اس واسطے قرض دینے کی اجازت نہیں ہوسکتی، وجماعة المسلمین لا تقوم مقام القاضی فی ذالك لان الاستدانة سهل واداء الدین عسیر جداً وعند المطالبة یقع النزاع کثیراً فالمنع اولی سدا لباب الفتنة کما افتی به العلامة التهانوی مد ظله العالی . البتہ اگر بالکل ضرورت سے زائد ہے اور آئندہ بھی مسجد میں ضرورت کا احتمال نہ ہو تو یہ جائز ہے کہ بطور امداد کے دوسری مسجد کو روپیہ بالکل دے دیں مگر اس امداد میں اس مسجد کا حق مقدم ہوگا جو قریب ترین ہو ثم الاقرب فالاقرب وهذا کله مصرح فی کتب الفقه. واللہ اعلم۔

کتبہ
عبدالکریم عفی عنہ
از خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون
۱۵ رجب ۵۱ھ

الجواب صحیح
بندہ محمد شفیع عفرلہ
خادم دارالافتاء دارالعلوم دیوبند
۱۷ رجب ۵۱ھ

الجواب صحیح
اشرف علی
۲۳ رجب ۵۱ھ

مسجد کے کسی حصہ کو دوکان بنانا جائز نہیں ہے

سوال : مخدوم مکرم معظم محترم

بندہ ادام اللہ ظلکم وبرکاتکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، پس از آداب نیاز مندانہ عرض پرداز ہوں بعرصہ سے خیریت مزاج معلوم نہیں ہوئی۔ امید کہ آنحضرت مع اعزہ مع الخیر ہوں گے۔ باعث تصدیق یہ ہے کہ یہاں پر عرصہ کئی سال سے ایک مسجد معروف بہ "مسجد جوگیاں" شکستہ حالت میں پڑی ہوئی تھی چھت بھی گر گئی تھی اہلِ محلہ کو اکثر تاکید کی گئی کہ اس کی مرمت کرکے نماز کا اہتمام کریں مگر انہوں نے کوئی توجہ نہ دی۔ یہ مسجد ہندو مہاجنوں کے وسط میں ہے اس لئے مسلمانوں کو فکر ہوئی کہ کہیں اس کسمپرسی کی حالت میں کچھ عرصہ کے بعد ہندوؤں کے قبضہ نہ پہنچ جائے۔ اور بھائی ریاض الاسلام نے چندہ کرکے اس کی تعمیر اور مرمت کا کام شروع کردیا ہے۔ یہ مسجد لب سڑک ہے اور کرسی بلند ہے مسجد کی سہ دری کے نیچے ایک دوکان پیشتر سے موجود ہے اب تجویز یہ ہے کہ ایک دوکان صحنِ مسجد کے نیچے نکال دی جائے تاکہ مسجد کا خرچ ان دونوں دوکانوں سے چلتا رہے ورنہ کچھ عرصہ کے بعد مسجد پھر ویران ہوجائے گی کیونکہ اہل محلہ عموماً مفلس اور بدشوق ہیں۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس معاملہ میں کہ ایسی حالت میں صحن مسجد کے نیچے دوکان بنانی جائز ہے یا نہیں بینوا توجروا۔

تعمیر کا کام شروع ہوگیا ہے جواب باصواب سے جلد مطلع فرمائیں۔ فقط والسلام

راقم ناچیز طفیل احمد۔ کاندھلہ ضلع مظفر نگر

۲۱ رجب ۱۳۵۸ھ

الجواب

قال فی الدر: لو بنی فوقہ بیتاً للامام لا یضر لانہ من المصالح اما لو تمت المسجدیہ ثم اراد البناء منع ولو قال: عنیت ذالک لم یصدق "تاتارخانیۃ" فاذا کان ھذا فی الواقف فکیف بغیرہ فیجب ھدمہ ولو علی جدار المسجد ولا یجوز اخذ الاجرۃ منہ ولا ان یجعل شیئاً منہ مستغلاً ولا سکنی اھ (بزازیۃ) قال الشامی والمراد۔ بالمستغل ان یوجد منہ شئ لاجل عمارتہ وبالسکنی محلھا

وعبارة البزازية على ما فى البحر : ولا مسكنا وقد رد فى الفتح ما بحثه فى الخلاصة من انه لو احتاج المسجد الى نفقة تؤجر قطعة منه بقدر ما ينفق عليه بانه غير صحيح اھ (ص ۵۷۳ ج ۳)
ان روایات سے معلوم ہوا کہ تمامیت مسجد کے بعد مسجد کے کسی حصہ کو دوکان بنانا یا دوکان میں شامل کرنا اگرچہ مصلحت مسجد ہی کے لئے ہو جائز نہیں۔

والله تعالیٰ اعلم بالصواب
از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ
۲۲ر رجب ۵۸ھ

احکام المقابر

ایسے قبرستان کو فروخت کرنا جس میں پیسے لے کر مردے دفن کئے گئے ہوں

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی ایک زمین کو میونسپلٹی کی اجازت حاصل کر کے اور سرکاری دفتر میں درج کروا کے قبرگاہ بنا دیا اور روپیہ لے کر مسلمانوں کی نعشیں اس میں دفن کرتا رہا ایک مدت کے بعد جب وہ زمین کچی اور پکی قبروں سے بھر گئی تو جب قانون میونسپلٹی نے اس میں مردے دفن کرنا چھوڑ دیا مگر اس میں قبریں موجود ہیں اور مسلمان لوگ وہاں برابر زیارت کرنے جاتے ہیں۔ زید نے جو دیکھا اس کی آمدنی کی صورت بند ہو گئی تو اس نے درپردہ اس زمین کا کچھ حصہ ایک مسلمان کے ہاتھ بیچ دیا۔ اور کچھ حصہ کو ایک ہندو کے ہاتھ بیچ دیا۔ مسلمان مشتری نے اس پر مکان سکونتی اور پائخانہ بنایا اور ہندو مشتری اس زمین میں عمارت بنانے کی غرض سے یا اور کسی غرض سے اس کو کھود کر مسطح بناتا ہے اور قبروں کو مسمار کر کے ہڈیوں کو اکھاڑ کر پھینک دیتا ہے۔ ایسی حالت میں اب سوال یہ ہے کہ اس زمین کی خرید و فروخت جائز ہے یا نہیں اس پر مکان سکونتی اور پائخانہ بنانا جائز ہے یا نہیں۔ اس کو کھود کر قبروں کو مسمار کرنا اور مردوں کی ہڈیوں کو اکھاڑ کر پھینکنا جائز ہے یا نہیں۔ ان سب حرکات ناشائستہ پر مزاحمت کرتے اور مفسدوں کو ان حرکات سے باز رکھنا عام مسلمانوں کا حق ہے یا نہیں؟

الجواب

صورت مسئولہ میں دو حیثیتیں ہیں۔ ایک حیثیت یہ ہے کہ زید نے اپنی زمین کو روپیہ لے کر مردوں کو دفن کیا اس وجہ سے جس قدر زمین ہر مردہ کے دفن کے لئے زید نے دی ہے وہ اس کی ملک سے خارج ہو گئی اور مردہ کے وارث اس کے مالک ہو گئے۔ لہٰذا اب زید کا اس زمین کو کسی کے ہاتھ فروخت کرنا جائز نہیں اور اگر فروخت کرے گا تو بیع فاسد ہو گی۔ مردوں کے ورثاء کو حق ہے کہ قبروں پر جو شخص بدون ان کی رضا کے مکان بنائے اس کے مکان کو منہدم کر دیں۔

دوسری حیثیت یہ ہے کہ اس صورت میں کہ زید نے اس مقبرہ کا کچھ حصہ ایک مسلمان

کے ہاتھ اور ایک حصہ ہندو کے ہاتھ فروخت کیا ہے اور وہ مردوں کی ہڈیوں کو نکال کر باہر پھینکتا ہے یا قبروں پر پائخانہ بناتا ہے اس صورت میں مسلمانوں کی قبروں کی سخت توہین ہے۔ تمام اہل اسلام کو اس توہین مذہبی کی وجہ سے احتجاج کا حق ہے بلکہ سب کو لازم ہے کہ زید کو مجبور کریں کہ خریداروں کو رقم واپس دے اور قبرستان کو خالی کرالیں واللہ اعلم۔

الجواب صحیح
حررہ الاحقر ظفر احمد عثمانی عفا عنہ

اشرف علی ۱۱ رجب ۴۸ھ
از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ ۱۱ رجب ۴۸ھ

قبر پر سے خودرو گھاس یا درخت کا کاٹنا اور پھلدار درخت کا پھل کھانا کیسا ہے اور قبر ختم کرکے زراعت کا حکم

سوال : اگر کسی قبر پر خودرو گھاس یا درخت ہے تو اس گھاس اور درخت کو قطع کرنا اور کسی استعمال میں لگانا ایسا ہی اگر کوئی پھلدار درخت ہو تو اس کا پھل کھانا کیسا ہے ؟

۲۔ اگر کسی زمین پر مردہ دفن کیا جائے تو اس قبر کو کھیت بنانا یعنی اس پر زراعت وغیرہ کرنا جائز ہے یا ناجائز؟ اگر جائز ہے تو کیا اس کے لئے کوئی میعاد ہے (کہ اتنے سال کے بعد تو جائز ہے اور اس سے پہلے جائز نہیں ؟)

الجواب

۱۔ گھاس کا کاٹنا تو جائز ہے مگر بلاضرورت شدیدہ تر گھاس کاٹنا اچھا نہیں اور ضرورت میں کچھ حرج نہیں، البتہ درخت کے کاٹنے میں تفصیل ہے۔ اوّل یہ بتلایا جائے کہ قبرستان وقف ہے یا مملوک اور وقف ہے تو متولی کوئی ہے یا نہیں اور متولی نہیں ہے تو اب تک اس قبرستان کے درخت وغیرہ کس طرح صرف ہوتے رہے اور بعد وجود شرائط حل قطع محض قبر پر درخت کا ہونا حلِ قطع سے مانع نہیں۔ اسی طرح پھلدار درخت کا پھل قاعدہ شرعیہ سے توڑا جائے تو محض قبر پر درخت ہونے سے اس کے پھل میں کچھ خرابی نہیں آتی۔

۲۔ جب تک قبر کا نشان موجود ہو یا نشان نہ ہو مگر ظاہر حالات سے معلوم ہوتا ہو کہ ابھی جسم میت خاک خوردہ نہیں ہوا ہوگا اس وقت تک اس پر زراعت وغیرہ جائز نہیں اور جسم کے خاک خوردہ ہونے کی میعاد ہر ملک میں الگ ہے۔ عام طور پر کوئی میعاد مقرر نہیں

کی جاسکتی۔ اپنے یہاں کے مبصرین سے یا علماء محققین سے دریافت کرلی جائے اور جب یقین یا ظن غالب ہوجائے کہ جسم خاک خوردہ ہوگیا ہوگا اس کے بعد قبر پر زراعت جائز ہے۔ بشرطیکہ موضع قبر زارع کا مملوک ہو۔ موقوف نہ ہو۔ اگر موقوف ہوگا تو زراعت جائز نہ ہوگی بلکہ وہ زمین قبر کے کام لائی جائے گی۔

قال فی الشرنبلالیة وکرہ قلع الحشیش الرطب وکذا الشجرة من المقبرة لأنہ مادام رطبا یسبح اللہ تعالیٰ فیونس المیت وتنزل بذکر اللہ تعالیٰ الرحمة ولا بأس بقلع الیابس منہما اھ قال الطحطاوی تحت قولہ لأنہ مادام رطبا الخ۔ ومن ھذا قالوا لا یستحب قطع الحشیش الرطب مطلقًا ای ولومن غیر جنایة (وھی مقبرة) من غیر حاجة افادہٗ فی الشرح عن قاضی خان اھ (ص ۳۶۴) قلت والظاھر ان الکراھة تنزیھیة کما یقید التعلیل۔

۲۔ فی الشامیة (قلت وقد تقدم) انہٗ اذا بلی المیت وصار ترابا یجوز زرعہٗ والبناء علیہ ومقتضاہ جواز شیٔ علیہ (ص ۵۹۴ ج ۱) واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ

از خانقاہ امدادیہ ۶ رجب ۱۳۴۵ھ

قبرستان کی زمین پر مدرسہ بنانا درست ہے یا نہیں؟

عمارت مسجد اور دفن موتی کے واسطے وقف کا ایک بڑا باغ آمدنی والا ہے اس میں سے ایک جگہ کو لوگوں نے مقبرہ بنالیا تھا اب ۲۵ سال سے اس مقبرہ میں دفن کرنا چھوڑ دیا اور قبروں کی علامات بھی مٹ گئیں اور اس مقبرہ میں دو جھاڑ تھے۔ ایک کم آمدنی والا دوسرا بے آمدنی والا۔ ان دونوں جھاڑوں کو نکال کر مقبرہ کی جگہ اب ایک مدرسہ تعمیر کیا ہے۔ اسی میں سے مال صرف کرکے تیار کیا ہے جو اجارہ باطلہ وفاسدہ ہے اور جرمانہ[1] اور چندہ[2] نکاح اور مسجد مذکور کے وقف کی آمدنی سے حاصل ہوا ہے۔ اب اس مدرسہ میں رہ کر پڑھنا اور درس دینا جائز ہے یا نہیں۔ مع دلیل وحوالہ کتب جواب سے ممنون فرمایئے۔

ص۱ جرمانہ وہ مال ہے جو خطاء کی تعزیر میں لیا جائے۔
ص۲ نکاح کا چندہ وہ مال ہے جو نکاح کرنے والے سے لیا ہے۔

الجواب

اگر زمین مقبرہ میں بحالت استغناء عن الدفن مدرسہ کا قیام باذن واقف ہوا ہے۔ اگر واقف زندہ ہے یا باذن متولی وقف ہوا ہے یا باذن عامہ مسلمانان ہوا ہے اگر واقف موجود متعین نہیں ہیں" مدرسہ کا تعمیر کرنا جائز ہے ورنہ نہیں۔

عن الفقیہ ابی جعفر عن ھشام عن محمدؒ یجوز أن یجعل شیئاً من الطریق مسجداً او یجعل شیئاً عن المسجد طریقاً للعامۃ ذکرہ الإمام خواھر زادہ فی کتاب الشرب کذا فی الخلاصۃ وفی العالمگیریۃ کما احفظ ولم اجد موضعہٗ الآن یجوزان یجعل المقبرۃ مسجداً ولا یجوزان یجعل المسجد مقبرۃً پس مقبرہ کو مدرسہ کرنا بھی جائز ہے قیاساً علی المسجد بشرطیکہ مردوں کا جسم بغلبہ ظن خاک ہوگیا ہو اور نئی قبریں اس جگہ نہ ہوں جہاں مدرسہ بنایا گیا ہے اور بشرطیکہ جائز آمدنی سے مدرسہ بنایا جائے اور صورت مذکورہ میں ناجائز آمدنی سے مدرسہ بنایا گیا ہے۔ مدرسہ تو ہوگیا لیکن بانی کو حرام آمدنی لگانے کا گناہ ہوا۔ اب اس مدرسہ میں جو شخص رہے اس کو اگر وظیفہ و تنخواہ ایسی ہی حرام آمدنی سے ملتی ہے تو اس شخص کو مدرسہ کی ملازمت جائز نہیں اور اگر تنخواہ وغیرہ حلال آمدنی سے ملتی ہے تو ملازمت اور مدرسہ میں تعلیم حاصل کرنا جائز ہے۔

قال ابو یوسفؒ اذا غصب ارضاً فبنیٰ فیہا مسجداً او حماماً او حانوتاً فلا بأس بالصلوٰۃ فی المسجد والدخول فی الحمام للإغتسال وفی الحانوت للشراء ولیس لہٗ أن یستأجرھا وإن غصب داراً فجعلھا مسجداً لایسع لأحد أن یصلی فیہ ولا أن یدخلہ کذا فی العالمگیریۃ ص ۲۱۴ ج ۶)

وفیہ ایضاً۔ الغاصب اذا خلط المغصوب بمال غیرہ او بمال نفسہٖ فھو علی ضربین خلط ممازجۃٍ وخلط مجاورۃ فی مالا یمکن التمیز بینھما بالقسمۃ فالخالط ضامن ولا حق للمالک فی المخلوط بالاجماع اھ مخلصاً (ج ۶/۴۸) ولا یخفی ان البناء حصل بعد الخلط فی الأموال فلا حق لمالک فی البناء وانما حقھم فی ذمۃ الباقی فینبغی ان یجوز استعمالہٗ۔

چالیس پچاس سال پرانی قبروں کی جگہ کھود کر حوض بنانا کیسا ہے ؟

سوال : ایک وقف کے مقبرہ میں چالیس پچاس سال کی پرانی کئی قبروں کو کھود کر اندر کی ہڈیاں وغیرہ نکال کر اس جگہ کو خالی کر دیا یا اس جگہ حوض بنا دیا۔ اب اس جگہ میں نماز جنازہ پڑھنا یا چلنا پھرنا بیٹھنا یا اس حوض کو استعمال کرنا درست ہے یا نہیں ؟

الجواب

مسلمان مُردوں کی ہڈیوں کو اپنی جگہ سے منتقل کرنا جائز نہیں۔ اس کا گناہ منتقل کرنے کرنے والوں کو ہوا۔ باقی اب وہاں دوسروں کو نماز پڑھنا یا وہاں پر بنے ہوئے حوض سے کام لینا جائز ہے۔ واللہ اعلم

ظفر احمد عفا اللہ عنہ
یکم ربیع الثانی ۱۳۴۲ھ

پرانی قبر کو مسجد میں داخل کرنا

سوال : کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ میں کہ ایک مسجد بہت چھوٹی ہے جس میں پورے طور پر نمازی لوگ نہیں آسکتے اس کو بڑھانا چاہتے ہیں مگر تین طرف سے بالکل جگہ نہیں اور دوسری طرف اگر مسجد بڑھائی جائے تو ایک قبر مسجد کے اندر آجاتی ہے ایسی صورت میں مسجد کا کیا حکم ہے۔ اگر اس مسجد کا اسباب لے کر کشادہ زمین میں اس اسباب سے مسجد تعمیر کرائی جائے تو جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

سوال سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ قبر پرانی ہے۔ سو اگر ایسا ہے تو اس قبر کا نشان مٹا کر یعنی اس کی بلندی کو دوسری زمین کے ہموار کر کے اس زمین کو مسجد کے اندر لے لینا جائز ہے۔ بشرطیکہ موضع قبر وقف ہو۔ اگر وقف نہ ہو تو ورثاء میت سے یا جو اس زمین کا مالک ہو اجازت حاصل کر کے ایسا کیا جائے اور اگر جدید ہے پرانی نہیں تو ابھی اس کو جزو مسجد بنانا جائز نہیں۔ جب تک کہ قدیم اور بوسیدہ نہ ہو جائے۔ اس صورت میں اس مسجد کو اس حال پر چھوڑ دیا جائے اور دوسری جگہ بڑی مسجد بنائی جائے قدیم مسجد کا منہدم کرنا اور اس کا سامان جدید میں لگانا جائز نہیں۔ واللہ اعلم۔

قال فی الدر: تؤخذ ارض ودار أو حانوت بجنب مسجد ضاق على الناس بالقيمة كرها عمادية: قال الشامی وفی الفتح ولو ضاق المسجد وبجنبه ارض وقف عليه او حانوت جاز أن يؤخذ

ویدخل فیہ اھ زاد فی البحر عن الخانیۃ بأمر القاضی وتقییدہ بقولہ وقف علیہ ای علی المسجد یفید انہا لو کانت وقفاً علی غیرہ لم یجز لکن جواز اخذ المملوکۃ کرھاً یفید الجواز بالأولی لأن المسجد للہ تعالےٰ وکذا الوقف ولذا ترک المصنف فی شرحہ ھذا القید وکذا فی جامع الفصولین تأمل (ص ۵۹۴ ج ۳) قلت ولکن عامۃ المسلمین فی ذالک کالقاضی کما فی اقامۃ الامام للجمعہ فإن الحاجۃ ماسّۃ وایضاً ففی ابقاء القبر وموضعہ وقفاً فی العمران مخالفۃ السنۃ فان الدفن خارج العمران ھو السنۃ لغیر الانبیاء وایضاً فالقبور التی تکون فی العمران لایدفن فیہا آخرون کما ھو العادۃ فلا بأس بطمس علامتہا وجعلہا مسجداً واللہ اعلم۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ

ازتھانہ بھون ۲۵ رجب ۱۳۴۶ھ

پرانے قبرستان پر مزید ایک دو ہاتھ مٹی ڈال کر اس میں مردے دفنانا درست ہے یا نہیں؟

سوال: ماقولکم رحمکم اللہ تعالےٰ ایک قبرستان جس کے ایک طرف ایک مسجد بھی واقع ہے۔ اس وجہ سے اس میں بہت تنگی ہے اور مدّت سے کثرت دفن موتیٰ کی وجہ سے اس قبرگاہ میں کوئی جگہ نہیں رہی کہ آئندہ کوئی دفن کیا جائے کیونکہ اگر قبر کھودی جاتی ہے تو مردے کے اجزاء ہڈیاں وغیرہ ملتی ہیں اور اب اہل محلہ اتفاق کرتے ہیں اس پر ایک مٹی ڈال کر اونچا کر دیا جائے پھر دفن کریں یہ جائز ہوگا یا نہیں۔

الجواب

جب یہ بات متحقق ہے کہ اس قبرستان میں کثرت موتیٰ کی وجہ سے جگہ نہیں رہی، تو اب اس قبرستان کو چھوڑ کر کوئی دوسری زمین دفن موتیٰ کے لئے اختیار کرنی چاہیئے اور جب تک یہ ظن غالب نہ ہو جائے کہ قبرستان اوّل کے مردے بوسیدہ ہو کر خاک ہو گئے ہوں گے اس وقت تک یہاں دوسرے مردے دفن نہ کئے جائیں۔ پس جو صورت اہل محلہ نے اتفاق سے پاس کی ہے بدون سخت ضرورت و مجبوری کے جائز نہیں۔ پس مجبوری اور

ضرورت کو ظاہر کیا جائے۔ کیا دوسری زمین دفنِ موتیٰ کے لئے میسر نہیں آسکتی ؟

قال فی مراقی الفلاح : ولا بأس بدفن اکثر من واحد فی قبر واحد للضرورۃ قالہ قاضیخان ویحجر بین کل اثنین بالتراب (قال الطحاوی ولیس منہا ای من الضرورۃ ضیق محل الدفن فی تلک المقبرۃ مع وجود غیرہا لمانیہ من ہتک حرمۃ المیت الاول وتفریق اجزاءہ ولکن فی الدفن فوقہ ہتک حرمتہ کما لا یخفی ۱۲) قال فی مراقی الفلاح ولو بلی المیت صار ترابا جاز دفن غیرہ فی قبرہ ولا یجوز کسر عظامہ ولا تحول شئ منہا ولا ینبش وان طال الزمان اھ واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ

از تھانہ بھون ، ۱۲ شوال ۴۶ھ

قبرستان کو عیدگاہ بنانا جائز ہے یا نہیں ؟

سوال :۔ کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ایک قبرستان میں بحکم سرکار دفن اموات بند کردیا گیا اور بوجہ بعد زمانہ کثیر قبریں برباد ہو رہی ہیں حتی کہ بعض مقامات میں نشانات قبور بھی نمایاں نہیں رہے ہیں پس ایسی جگہ کہ جہاں قبروں کا نشان تک بھی باقی نہیں رہا ہے ضرورتاً عیدگاہ بنالینا جائز ہے یا نہیں۔ بینوا وتوجروا۔

تنقیح : یہاں یہ امر دریافت طلب ہے کہ یہ قبرستان وقف ہے یا وقف نہیں؟ (۲) اس قبرستان میں قبریں کس قدر عرصے کی ہیں آیا ظن غالب سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مُردوں کی لاشیں خاک خوردہ ہوگئی ہوں گی یا نہیں۔ واللہ اعلم

جواب تنقیح

قبرستان مذکور صورتاً عرفاً تو وقف ہے۔ حکماً نہیں بعرض کیا جاسکتا ہے۔ اصل واقفان کے وارث بھی اس کو وقفی قبرستان سمجھتے تھے اور اقرار کرتے ہیں۔ باقی قبور اندازاً چالیس پچاس سال یا کم و بیش کی ہوں گی جن کے متعلق گمان غالب تو یہی ہے کہ ہڈیاں وغیرہ خاکستر ہوچکی ہوں گی۔ انیس سال سے تو اس قبرستان میں اموات دفن ہونا ہی بحکم سرکار بند ہے اور نہ معلوم قبور کب کی ہوں گی۔

الجواب

جب اصلی مالکان کے وارث اس قبرستان کو وقفی قبرستان تسلیم کرتے اور اقرار کرتے ہیں تو اس قبرستان کو عیدگاہ بنانا درست نہیں بلکہ اس کو قبرستان ہی رکھنا ضروری ہے اور جب اتنی مدت گذر جائے کہ پہلی اموات خاک خوردہ ہونا ظن غالب سے معلوم ہو تو پھر اس میں دفن اموات شروع کر دینا چاہیئے۔ گورنمنٹ سے اجازت لے کر امید ہے کہ گورنمنٹ اس قدر مدت گذر جانے پر ضرور اجازت دے دے گی۔

قال فی الهندية: سئل الاوزجندی عن المقبرة فی القریٰ اذا اندرست ولم یبق فیها اثر الموتیٰ لا العظم ولا غیره هل یجوز زرعها واستغلالها قال لا ولها حکم المقبرة اھ (ص ۴۴۳ ج ۳) (۱)

فقوله ولها حکم المقبرة یفید بقاءها مقبرة علی حالها فیدفن فیها غیر من دفن فیها اولا والله اعلم۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ

از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ

۲۳ ربیع الثانی ۴۷ھ

قبرستان میں جوتے پہن کر چلنے کا حکم

سوال: جوتی پہن کر زیارت قبور جائز ہے یا نہیں۔ ازراہ کرم مدلل جواب سے مشرف فرمائیں۔ اس بارے میں دو فریق میں اختلاف عظیم ہو رہا ہے۔ ایک فریق خلاف ادب بتلاتا ہے اور کہتا ہے کہ جوتا نکال کر جانا مستحب ہے۔ دوسرا فریق جوتا پہن کر جانے کو مباح کہتا ہے اور اعتقاد استحباب کو بدعت کہتا ہے مگر فریقین میں سے دلیل ایک کے پاس بھی نہیں۔

الجواب

قبرستان میں جوتا پہن کر چلنا جائز ہے۔ کما فی الطحطاوی علی مراقی الفلاح ولا یکره المشی فی المقابر بالنعلین عندنا (ص ۳۶۲) البتہ اگر کسی ضرورت سے کسی قبر پر پاؤں رکھنا پڑ جائے تو جوتا نکال دینا چاہیئے۔ لما فیه ایضاً فی شرعة الاسلام

(۱) الهندية: ج ۲ / ۴۷۰:

ومن السنّة أن لا یطاء القبور فی نعلیه: فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح — کتبہ، عبدالکریم عفاعنہ

ظفر احمد عفاعنہ — از خانقاہ امدادیہ ۲۵ شعبان ۵۳ھ

پرانی قبروں کو مسجد میں داخل کرنا سوال: کیا فرماتے ہیں علمار کرام اس مسئلہ میں کہ ایک مسجد میں علاوہ صحن کے دس بارہ آدمیوں کی ایک صف کھڑی ہوتی ہے اور اسی قدر محلّہ کے نمازی بھی ہیں لیکن اہل محلّہ کی رائے ہوئی کہ محراب مسجد بڑھالی جائے تاکہ مسجد میں دو صفیں ہوسکیں اور مسجد کی پشت پر قبرستان ہے لہٰذا محراب مسجد گرائی گئی اور جس وقت نیو کھودی گئی تو اس میں دو قبریں پختہ نمودار ہوئیں اور اس پر ڈاٹ قائم کرکے نیو کی دیوار اٹھائی گئی اور محراب تیار ہوگئی لہٰذا اب موجودہ صورت میں ایک قبر مسلّم محراب میں ہے اور دوسری قبر نصف محراب کے اندر ہے اور نصف باہر ہے اور درمیان میں محراب کی دیوار اٹھی ہوئی ہے لہٰذا ڈیڑھ قبر محراب میں ہوئی اور نصف باہر اور اسی محراب میں امام صاحب نماز پڑھاتے ہیں تو اب سب کے نیچے قبر ہے اور اس پر ڈاٹ ہے اور ڈاٹ پر نماز پڑھائی جاتی ہے۔ ایسی صورت میں نماز جائز ہے یا نہیں؟

تنقیح

اس سوال کے متعلق چند امور دریافت طلب ہیں ان کا جواب آنے پر مسئلہ لکھا جائے گا۔

(۱) وہ قبرستان وقف ہے یا کسی کی ملک ہے (۲) اب اس قبرستان کی دفن موتیٰ کے لئے ضرورت ہے یا نہیں (۳) اگر اب وہاں دفن کی ضرورت نہیں رہی تو اس کی کیا وجہ ہے (۴) اگر ملک ہے تو مالک نے اجازت محراب بنانے کی دے دی ہے یا نہیں۔
(۵) اگر ملک چند اشخاص کی ہے تو یہ بھی لکھا جائے کہ ان میں کوئی نابالغ تو نہیں ہے۔
(۶) اور اجازت سب شرکار بخوشی دے رہے ہیں یا بعض۔ (۷) قبریں کس زمانہ کی ہیں اور ان کے متعلق ظن غالب اہل تجربہ کا کیا ہے کہ آیا وہ میت مٹی ہوگئی ہوگی یا نہیں؟

جواب تنقیح

(۱) وہ قبرستان ملک ہے۔ (۲) اب اس قبرستان میں دفن موتیٰ کی ضرورت نہیں۔

(۳) اس لئے کہ اب اس میں جگہ باقی نہیں ہے۔ (۴) مالک نے محراب بنانے کی اجازت دے دی ہے (۵) ملک چند اشخاص کی تھی لیکن سب نے اجازت دے دی اور ان میں کوئی نابالغ نہیں ہے (۶) وہ قبریں زمانہ شاہی کی ہیں اور ان کے متعلق ظن غالب یہی ہے کہ وہ میت مٹی ہو گئی ہوگی لیکن ہڈیاں ضرور باقی ہوں گی کیونکہ تقریباً چار پانچ سال ہوئے کہ ایک جگہ پر مٹی لینے کے لئے ایک بڑا گھڑا کھودا گیا تھا تو اس میں کچھ ہڈیاں نکلیں تھیں۔

الجواب

صورت مذکورہ میں محراب بنانا جائز ہے جب مالکوں نے اس جگہ کو مسجد میں شامل کرنے کی اجازت دے دی ہے تو وہ جگہ مسجد ہو گئی اور جب ظنِ غالب یہ ہے کہ میت مٹی ہو گئی تو اب اس پر کچھ بنانا وغیرہ جائز ہے اور چونکہ کچھ ہڈیاں باقی رہنے کا احتمال ہے اس وجہ سے احترام قبر کے لئے ڈاٹ لگا دینا مزید احتیاط کی صورت ہے اس لئے یہ سب کچھ بہت مناسب کیا گیا اور اس محراب میں نماز پڑھنا بلاشبہ درست ہے۔

کمافی الشامیة (ص ۸۳۵ ج ۱) قال الزیلعی ولو بلی المیت وصار تراباً جاز دفن غیرہ فی قبرہ وزرعه والبناء علیه اھ واللہ اعلم بالصواب

کتبہ الاحقر عبدالکریم عفی عنہ

مورخہ ۱۲ ربیع الثانی ۱۳۸۰ھ

قبرستان میں درخت لگانا اور اس کی آمدن قبرستان میں صرف کرنا

سوال: کیا فرماتے ہیں علمارکرام اس مسئلہ میں کہ یہاں پر تاب گڑھ میں ایک قبرستان عام اس نوعیت کا ہے کہ اراضی اس کے مالکان سے بذریعہ حکم سرکار مقامی میونسپلٹی نے حاصل کی مسلمانوں کو عام اجازت اراضی مذکور میں اپنے مردے دفن کرنے کی ہے اور یہی قبرستان مسلمانوں کا قبرستان ہے۔ قبرستان مذکور میونسپلٹی کی طرف سے ایک مجلس منتظمہ کے زیر اہتمام ہے مجلس مذکور کے اراکین سب مسلمان ہیں۔ قبرستان مذکور کے متعلق امور ذیل وضاحت طلب ہیں۔

(۱) آیا قبرستان مذکور کی ایسی اراضی پر جس میں قبور موجود ہیں درمیان قبور خالی جگہ پر درخت اس نیت سے اور غرض سے لگائے جا سکتے ہیں کہ بار آور ہونے کے بعد پھل پھول، لکڑی وغیرہ فروخت کر کے اس کی رقم اس قبرستان کی درستی وغیرہ میں لگائی جا سکتی ہے۔

(۲) اگر سوال اوّل کا جواب اثبات میں ہے تو آیا ایسے درخت وغیرہ کوئی شخص کارِ خیر سمجھ کر مجلس منتظمہ کی اجازت سے لگا سکتا ہے یا صرف مجلس منتظمہ ہی ایسا کر سکتی ہے۔

(۳) آیا قسم بالا کے پھل، پھول، لکڑی خرید کر استعمال کرنے میں کوئی حرج تو نہیں۔

(۴) قبرستان مذکور کو خالی اراضی میں جس پر فی الحال قبریں نہیں ہیں شرائط بالا کے ماتحت درخت وغیرہ لگائے جا سکتے ہیں یا نہیں؟

تنقیحات بر سوال مذکور

(۱) یہ زمین میونسپلٹی نے قیمتاً لی ہے یا مفت اور مفت لی ہو تو پھر یہ بھی لکھا جائے کہ ہمیشہ کے واسطے لی گئی ہے یا کسی وقت واپسی کا بھی وعدہ ہے۔

(۲) اس زمین کو وقف کیا گیا ہے یا ویسے ہی عام دفن کرنے کی اجازت ہے۔ اگر وقف نہیں تو اس زمین کا مالک کون ہے۔

(۳) کیا درخت لگانے کی ضرورت ہے یا ویسے ہی شوقیہ لگانے کا قصد ہے اگر نہ لگائیں تو کیا حرج ہے۔

(۴) خاصی حصّہ میں درخت لگانے کی وجہ سے جگہ میں تنگی تو نہ ہو گی۔

جواب تنقیحات بالا

(۱) میونسپلٹی نے زمین معاوضہ دے کر ہمیشہ کے لئے حاصل کی ہے اب واپسی کا امکان نہیں ہے۔

(۲) باضابطہ وقف نہیں کیا گیا مگر قانوناً بمنزلہ وقف کے ہے اور مالک زمین بذریعہ قانون حصول اراضی میونسپلٹی ہے۔

(۳) ضرورت صرف اس لئے محسوس ہوتی ہے کہ قبرستان میں جو لوگ بہ ضرورت جائیں ان کے واسطے کچھ سایہ وغیرہ ہو جائے۔ دوسری اصل غرض یہ ہے کہ درختوں کی فصل وغیرہ کے ذریعے سے آمدنی ہو جو قبرستان پر یوں صرف کی جائے کہ اسے محدّد اور محاط کر دیا جائے اور جو ضروریات ہوں ان پر صرف کیا جائے۔

(۴) جگہ میں تنگی نہ ہو گی اور درخت نہ لگانے سے کوئی حرج نہیں ہے البتہ ذریعہ آمدنی

درکار ہے جو کوئی نہیں۔ ایک مزید سوال یہ ہے کہ پرانا حصہ جس میں قبریں ہیں اور قبر والی اور بغیر قبر کی زمین میں امتیاز نہیں ہوسکتا ایسی زمین پر درخت لگانا اور ان کی فصل بیچنا یا صرف کرنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب

جواب تنقیحات موصول ہوا اب اصل کا جواب نمبروار لکھا جاتا ہے۔

(۱) درخت لگانا اور اس کی آمدنی قبرستان میں صرف کرنا جائز ہے۔

(۲) مجلس منتظمہ کا خود لگانا اور دوسرے کو حکم دینا دونوں ایک حکم رکھتے ہیں۔

(۳) کچھ حرج نہیں۔

(۴) اس کا بھی وہی حکم ہے جو نمبر ۱ میں مذکور ہوا۔

علاوہ ازیں جوابات تنقیحات کے بعد جس سوال کا اضافہ کیا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ اگر اس جگہ بہت عرصے دفن موقوف ہوچکا ہے اور اس زمین کی حالت سے گمان غالب ہو کہ اب اموات مدفونہ مٹی ہوچکی ہوں گی تب تو وہ خالی زمین کے حکم میں ہے ورنہ پھر جس جگہ کے متعلق غالب گمان یہ ہو کہ وہ قبر ہے وہاں درخت نہ لگائیں اور جس جگہ کے متعلق غالب گمان یہ ہو کہ یہ درمیانی جگہ ہے وہاں درخت لگانا جائز ہے۔ احتیاط سے کام لینا چاہیئے۔ فقط واللہ اعلم۔

کتبہ الاحقر عبدالکریم عفی عنہ

مورخہ ۱۹ رجب ۵۱ھ

سرکاری قبرستان میں اپنے لئے زندگی میں قبر کھودنا

سوال: جناب مفتی صاحب بعد سلام مسنون کے بعد معروض ہے کہ میں ایک غریب شخص ہوں اپنی دلی دہشت کے مارے بستی کے سرکاری قبرستان جس میں برسات میں قبر کھودنا پانی نکلنے کے باعث بہت تکلیف ہوتی ہے کیونکہ زمین بہت نیچی ہے۔ ایک گز کھودنے سے پانی آتا ہے۔ اس زمین کے اندر تقریباً دو گز زمین اپنے دفن کے لئے کسی قدر مٹی جمع کر کے ہموار زمین سے کچھ اونچی کی ہے اور اس جگہ کی حفاظت کرتا ہوں چونکہ اس کی مرمت میری دلی عبرت کا باعث ہے نہ پختہ کی ہے اور نہ موم بتی سے روشن کرتا ہوں صرف جمع کردہ مٹی کی حفاظت کرتا ہوں کیا ایسا کرنا جائز ہے۔

الجواب

یہ صورت اپنی مملوک زمین میں تو جائز ہے مگر ایسی زمین میں جس کے ساتھ حق عامہ

متعلق ہو جائز نہیں کیونکہ جس زمین میں حق عامہ متعلق ہو اس میں کسی خاص حصے کا تعین قبل از وقت کسی کو حق نہیں۔ البتہ اگر سائل اس زمین میں سے کچھ قطعہ اپنے خاندان کے دفن کے لئے سرکار سے خرید ے تو پھر اس پر اس کا اونچا کرنا جائز ہے۔ واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفی عنہ

۲۴ شوال ۵۱ھ

جس جگہ قبرستان ہونے کا شبہ ہو اس کے استعمال کا حکم

سوال: میں موضع سڈمان پرگنہ برہ ضلع بنارس کا باشندہ ہوں بسلسلہ پیشہ بنارس شہر میں مقیم ہوں۔ کہا جاتا ہے کہ موضع ضلع سڈمان کی پرانی آبادی سوری نسل کے مسلمانوں کی تھی (جس نسل سے شیر شاہ سوری گذرا تھا) لیکن سیکڑوں برس سے اس آبادی کا پتہ نہیں ہے اور نہ ان کی نسل باقی ہے۔ پرانے زمانے کی قبریں پانی سے اس قدر ڈھل گئی ہیں کہ ہڈیاں سطح زمین پر جگہ جگہ دکھائی دیتی ہیں۔ تھوڑی اراضی ایک کوٹھری کی کاشت دخلکاری ہے۔ یہ اراضی بھی جب سے کاغذات کا پتہ چلتا ہے زیر کاشت ہے یعنی قبل ۱۸۴۰ء سے زیر کاشت ہے۔ یہ اراضی میرے پاس تخمیناً ۳۰ برس سے آئی ہے۔ امسال سرما میں بیس ۲۷ ہزار اینٹ بھیوایا ہے۔ یہ اینٹ اراضی مذکور الصدر کی مٹی سے تیار ہوا ہے مٹی کھودنے سے جابجا مُردوں کی ہڈیاں ملیں اور ایک مقام پر بہت سی ہڈیاں ملیں اور قیاس یہ ہوتا ہے کہ زمانہ جنگ میں ایک ہی جگہ پر بہت سے مُردے ڈالے گئے ہوں (واللہ اعلم بالصواب) اس اراضی سے متصل میری دوسری اراضی ہے جو سابق میں پہلی اراضی کا جزو تھا۔ اور کچھ سطح اس کی نیچی ہے وہاں پر میں نے بھٹہ لگوانے کا ارادہ کیا اور بھٹہ لگانے کی دیوار بھی تیار کرلی گئی۔ مجھے بذات خود یہ خیال ہو رہا ہے کہ ممکن ہو کہ یہ زمین قبرستان رہی ہو اور ایسی حالت میں اینٹ کا اراضی کی مٹی سے بنانا اور پکوانا اور بھٹہ لگوانا بُرا تو نہیں ہے اور مذکورہ بالا امور کا لحاظ کرکے مجھے کیا کرنا چاہیئے اینٹ پکواؤں یا نہیں۔ براہ کرم اپنی رائے عالی سے جلد سرفراز فرمائیں کیونکہ بھٹہ لگانے کا وقت بالکل قریب ہے۔

الجواب

جس جگہ کے بارے میں یقین ہو کہ یہاں مسلمانوں کا وقف کردہ قبرستان ہے

وہاں کسی کو اپنی ذاتی دنیوی کام کے لئے کھودائی کرنا جائز نہیں اور مردوں کو دفن کرنے کے لئے جائز ہے۔ بشرطیکہ قبر کا نشان قائم نہ ہو اور جو زمین وقف قبرستان نہیں بلکہ کسی کی ملکیت ہے اور وہاں قبروں کے نشانات ہوں تو اس کا حکم یہ ہے کہ اگر معلوم نہیں کہ یہاں دفن اجازت سے ہوا یا بلا اجازت اور قبریں نئی نہیں بلکہ قبریں بہت پرانی ہوں تو اس زمین کا کھودنا اور استعمال میں لانا جائز ہے۔ اگر اتفاق سے کسی جگہ ہڈیاں نکل آئیں ان کو اسی جگہ احتیاط سے دفن کر دیا جائے اور جہاں نشانات بھی نہ ہوں محض شبہ ہی ہو وہاں کی جگہ کا استعمال بدرجہ اولیٰ جائز ہے۔ اگر ہڈیاں نکلیں تو مثل سابق عمل کیا جائے۔

قال فی مراقی الفلاح: والنبش حرام الا ان تکون الارض مغصوبة فیخرج لحق صاحبها ان طلبه وان شاء سواه بالارض وانتفع بها زراعة وغیرها. وان دفن فی قبر حفر لغیره بأرض لیست مملوکة لأحد رواما اذا کانت مملوکة فهی مغصوبة وحکمها سبق (ط) ضمن قیمة الحفر من ترکة والا فمن بیت المال او المسلمین اھ قلت وانما قیدت جواز الحفر فی جواب السوال بان تکون القبور قدیمة لعدم علم السائل بکون الدفن غصبًا او بالإذن فینبغی الاحتیاط فی نبش ما کان علامة القبر فیه ظاهرة۔ واللہ اعلم۔

حرّرہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ

از تھانہ بھون ۱۲ ذیقعدہ ۱۳۴۸ھ

قبرستان کی آمدنی کی بعض صورتوں کا حکم

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ میں کہ ایک مخیر سیٹھ نے ۱۹۱۹ء میں سترہ ایکڑ زمین قبرستان کے لئے وقف کی اور اس میں سے اس وقت مربع مسجد و مدرسہ، نماز جنازہ کے لئے، مکان وضو طہارت کے لئے حوض کنواں، امام و خدام مسجد کے لئے رہائش مکانات کے لئے مخصوص کی اور متولیان وقف کو ہدایت کی کہ قبرستان سے کسی وقت کچھ آمدنی ہو تو اس کو مسجد کے پیش امام اور عالم مدرسہ کی تنخواہوں میں صرف کریں اور جو بچے

اس کو دوسرے قبرستان میں بوقت ضرورت لگا دیں چونکہ وقف مذکور میں آمدنی کی کوئی صورت نہیں تھی اس لئے متولیان نے قبر کی کھدائی فی قبر ۱۲/ اور ۱۲/ مقرر کی اور قبروں کے لئے تابوت اور لکڑیاں بانس وغیرہ مہیا کئے جو دفن کے وقت قیمتاً فروخت کئے جاتے ہیں اس سے جو آمدنی ہوتی ہے اس کو گورکنوں کی تنخواہوں، مسجد کے پیش امام مؤذن اور مدرسہ کے مدرسین کی تنخواہوں میں صرف کیا جاتا ہے۔ ایک صاحب نے قبرستان کے لئے موٹر عطا کیا جس کا کرایہ معہ روپیہ اہل میت سے لیا جاتا ہے جس کی میت کو موٹر میں لایا جاتا ہے۔ واقف مذکور بھی چار سال تک متولیان میں شامل رہے اور انہوں نے بھی اس آمدنی کو مصارف مذکورہ میں صرف کیا مگر اب کچھ لوگوں نے واقف کو بہکا دیا ہے جس کی وجہ سے وہ مصارف مدرسہ میں اس آمدنی کے صرف کرنے پر اعتراض کرتے ہیں۔ پس بصورت مسئولہ قبرستان کی اس آمدنی کو مصارف مدرسہ و تعمیر مدرسہ میں لگانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

سوال میں جتنی صورتیں قبرستان کی آمدنی کی ظاہر کی گئی ہیں یعنی اجرت گورکن۔ قیمت تابوت وجوبہائے قبر و کرایہ موٹر۔ ان کو قبرستان کی آمدنی کہنا حقیقتاً صحیح نہیں۔ کیونکہ قبرستان کی حقیقی آمدنی وہ ہو سکتی ہے۔ جو زمین قبرستان سے متعلق ہو مثلاً قبرستان کے درخت فروخت ہونے سے آمدنی ہوتی یا قبرستان کی زمین میں کچھ دوکانیں یا مکانات ایسے ہوتے جو کرایہ پر چلتے جب یہ صورت نہیں تو ہر سہ صورت ہائے آمدنی سے وقف مذکور اور اس وقف کے واقف کو کچھ تعلق نہیں بلکہ متولیان قبرستان جنہوں نے اس آمدنی کے ذرائع مہیا کئے ہیں وہ اس آمدنی کو قبرستان کی ضروریات میں صرف کرکے جو باقی رہے اس کو مدرسہ اور تنخواہ مدرسین اور تعمیر مکانات مدرسہ وغیرہ جو قبرستان سے متعلق ہیں صرف کرسکتے ہیں البتہ کرایہ موٹر کی آمدنی میں واقف موٹر کی شرائط کا اتباع ضروری ہے۔ اس کی شرائط میں مصارف مدرسہ و تعمیر مکانات مدرسہ میں تصریحاً یا اطلاقاً اس آمدنی کا لگانا جائز ہو تو صرف کیا جاسکتا ہے ورنہ نہیں۔

وھذا کلہ ظاھر بل اظھر من ان یخفی علی من لہ ادنی بالعلم والفقہ۔ واللہ اعلم۔

اور یہ جواب مذکورہ الصدر علی سبیل التنزل ہے اور اگر یہ امر تسلیم کر لیا جائے کہ واقف کو قبرستان کی حقیقی آمدنی میں مدرسہ اور متعلقات مدرسہ پر صرف کرنے کی ممانعت کا حق حاصل ہے جب بھی ہر سہ صورتہائے آمدنی مذکورہ میں یہ حق حاصل نہیں لیکن جبکہ وقف نامہ کے مد۲ سطر۱۲ اور دفعہ ۱۶ پر تصریح ہے کہ آمدنی وقف سے مدرسہ اور عالم کا تقرر کیا جائے اور جملہ امور مذکورہ کا اجراء و ابقاء کیا جائے اور ظاہر ہے کہ ان امور کا اجراء و ابقاء بدون مصارف کے نہیں ہو سکتا تو واقف کو اس وقف کی حقیقی آمدنی میں بھی مدرسہ اور متعلقات مدرسہ پر صرف سے مخالفت کا حق حاصل نہیں۔ امید ہے کہ حضرت اقدس کے جواب باصواب سے باوجود اختصار کے سوال کی تمام دفعات کا جواب معلوم ہو گیا ہو گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

کتبہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ

از تھانہ بھون ۲۶ ج ۲ ۱۳۵۶ھ

قبرستان میں کھانا پینا کیسا ہے؟ سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ واقف قبرستان نے سترہ ایکڑ زمین قبرستان کے لئے وقف کرتے ہوئے وقف نامہ میں تصریح کر دی ہے کہ اس میں سے دو سو فٹ مربع قطعہ زمین میں مسجد و مدرسہ وغیرہ تعمیر کیا جائے بقیہ قبرستان کے لئے رکھی جائے یہ دو سو فٹ مربع قطعہ قبروں سے بالکل خالی ہے اور قبرستان کے کنارے پر ہے جیسا نقشہ مرسلہ ہمراہ استفتاء سے ظاہر ہے۔ اس میں مدرسہ طلبہ کے حجرے، مسجد امام و عالم کے لئے مکانات، وضو کے لئے کنواں، حوض، ملازمین قبرستان کے لئے رہائشی مکانات وغیرہ بنے ہوئے ہیں۔ پس سوال یہ ہے کہ اس زمین میں جو کہ قبرستان سے ملحق ہے ——— مگر قبروں سے بالکل خالی ہے طلبہ وغیرہ کے لئے کھانا پکانا، کھانا پینا درست ہے یا نہیں؟

الجواب وھو الموفق للصدق والصواب

قبرستان میں کھانے پینے کی حرمت کی تو کوئی دلیل نہیں۔ غایت ما فی الباب بلا ضرورت نامناسب کہا جا سکتا ہے البتہ فقہاء نے قبروں پر چلنے کو قبروں پر سونے کو اور قبروں پر پیشاب یا خانہ کرنے کو مکروہ فرمایا ہے۔ اسی طرح بعض احادیث میں ضحک فی المقابر کی ممانعت آئی ہے۔ سو یہ سب اس مقام کے ساتھ خاص ہیں جہاں قبریں بنی ہوئی ہیں۔ اسی طرح جنازہ کے ساتھ آگ لے جانے کی جو کراہت آئی ہے اس کا

منشاء بھی رسم جاہلیت کی مخالفت ہے کہ وہ لوگ اظہار شوکت کے لئے جنازہ کے ساتھ آگ لے جاتے تھے۔ باقی ضرورت کی وجہ سے اگر قبرستان میں آگ لے جائی جائے جیساکہ رات کو دفن کے لئے چراغ کی ضرورت ہو تو اس کی ممانعت نہیں خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپ نے رات کے وقت ایک صحابیؓ کو دفن کیا اور قبر میں چراغ جلایا گیا۔

(رواہ الترمذی وحسنہ ص ۱۲۵ ج ۱)

یا اگر قبرستان ہی میں میت لاوارث کی تجہیز و تکفین کی جائے تو پانی کا گرم ہونا سر پر وکفن کو دھونی دینا ظاہر ہے کہ قبرستان میں ہی ہوگا جس کے منع کی کوئی دلیل نہیں بہرحال قبرستان کے احکام اس مقام کے ساتھ مخصوص ہیں جہاں قبریں بنی ہوئی ہوں اور جو جگہ اس سے علیحدہ ہے گو اس کے ساتھ ملحق اور متصل ہو اس کا حکم قبرستان کا سا نہیں وہاں سونا، کھانا پینا، بولنا، ہنسنا، کھانا پکانا سب درست ہے۔ دیکھئے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حجرے میں تین قبریں تھیں تو کیا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اپنے گھر میں کھاتی پیتی سوتی نہ تھیں اور کیا اس گھر میں کھانا نہ پکتا تھا یقیناً قبروں کی جگہ کو کسی طریق سے ممتاز کرکے گھر میں سب کام ہوتا تھا۔ اسی طرح قبرستان مذکورہ فی السوال کے ساتھ جو دو سو فٹ زمین مقام قبور سے علیحدہ ممتاز رکھی گئی ہے وہاں کھانا پینا، سونا، چلنا پھرنا، کھانا پکانا وغیرہ سب درست ہے ورنہ لازم آتا ہے کہ مدرسہ میں چلنا پھرنا، سونا بھی جائز نہ ہو جس کا کوئی قائل نہیں۔ واللہ اعلم

کتبہ اشرف علی یکم رجب ۵۶ھ

ما احسن الجواب وھو الحکمۃ وفصل الخطاب

مسلمانوں کو قبرستان میں مدرسہ عربیہ دینیہ قائم ہو جانے سے خوش ہو جانا چاہیے تھا کہ ان کے اموات کے انس اور سرور و بہجت کا سامان ہو گیا کہ وہاں قال اللہ تعالیٰ وقال الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کا درس ہوگا جو سبب نزول رحمت باری ہے۔ کیا عجب ہے کہ درس قرآن و حدیث سے جملہ اموات کی مغفرت ہو جائے مگر کس قدر حیرت و تعجب کا مقام ہے کہ بعض حضرات بلاوجہ اس سلسلہ خیر کی مخالفت میں سرگرم ہیں اللہ تعالیٰ ان کو ہدایت دیں۔ آمین

ظفر احمد عفا اللہ عنہ از تھانہ بھون
یکم رجب ۵۶ھ

قبر پر زراعت کا حکم اگر کسی زمین پر کوئی مردہ دفن کیا جائے تو اس قبر کو کھیت بنانا یعنی اس پر زراعت وغیرہ کرنا جائز ہے یا ناجائز؟ اگر جائز ہے تو کیا اس کے لئے کوئی میعاد ہے؟ (کہ اتنے سال کے بعد تو جائز ہے اور اس سے پہلے جائز نہیں) یا نہیں؟

الجواب

جب تک قبر کا نشان موجود ہو یا نشان نہ ہو مگر ظاہر حالت سے یہ معلوم ہوتا ہو کہ ابھی جسم میت خاک خوردہ نہیں ہوا ہوگا اس وقت تک اس پر زراعت وغیرہ جائز نہیں اور جسم کے خاک خوردہ ہونے کے میعاد ہر ملک میں الگ ہے عام طور پر کوئی میعاد مقرر نہیں کی جاسکتی ہے اپنے یہاں کے مبصر میں سے یا علماء محققین سے دریافت کرلی جائے اور جب یقین یا ظن غالب ہو جائے کہ جسم خاک خوردہ ہو گیا ہوگا اس کے بعد قبر پر زراعت جائز ہے بشرطیکہ موضع قبر زارع کا مملوک ہو موقوف نہ ہو اگر موقوف ہوگا تو زراعت جائز نہ ہوگی بلکہ وہ زمین قبر کے کام میں لائی جائے گی۔

وفي الشامية: (قلت: وقد تقدم) انه اذا بلى الميت وصار ترابًا يجوز زرعه والبناء عليه ومقتضاه جواز المشي عليه اھ (ص ۵۹۴ ج ۱) واللہ اعلم

از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ

۶ رجب ۱۳۴۵ھ

کتاب الشرکۃ والمضاربۃ

شرکت جائیداد کا ایک مسئلہ جبکہ شرکار نے عدم تقسیم کا معاہدہ کر رکھا ہو

سوال: کیا فرماتے ہیں علمار دین اس مسئلہ میں کہ مسماۃ انوری بیگم، قیصر بیگم و افسر بیگم ان چاروں بہنوں کی ایک مشترکہ اراضی ہے جس کے متعلق ان چاروں میں یہ معاہدہ ہوا تھا اور اس کی باضابطہ رجسٹری بھی ہوچکی ہے کہ یہ مشترکہ اراضی کبھی آپس میں تقسیم نہ ہوگی اور نہ کسی شریک کو اپنے حصہ کے فروخت کی کبھی اجازت ہوگی بلکہ یہ اراضی ہمیشہ مشترک رہے گی اور جب کبھی کسی شریک کو کوئی ضرورت تقریب وغیرہ کی پیش آئے تو وہ اس اراضی کو اپنے کام میں لائے یعنی اس میں مہمانوں کی نشست وغیرہ کا انتظام کرے۔

اب یہ حالت ہے کہ وہ اراضی مسماۃ افسر بیگم کے مکان کے سامنے اور متصل ہے اور اس سے ہمیشہ مسماۃ افسر بیگم یا ان کے کرایہ دار فائدہ اٹھاتے رہتے ہیں جس وقت اس اراضی کے متعلق مندرجہ بالا معاہدہ ہوا تھا اس وقت مسماۃ اکبری بیگم نابالغہ تھیں اور ان کی طرف سے ان کی ماں نے جو ان کی ولی ہیں اس معاہدہ کو منظور کیا تھا کہ مسماۃ اکبری بیگم جب بالغ ہوئیں تو انہوں نے کبھی اس معاہدہ کو اچھی نظر سے نہیں دیکھا اور ہمیشہ اس معاہدہ کے خلاف رہیں۔ اب مسماۃ اکبری بیگم کا انتقال ہوگیا اور ورثار اکبری بیگم بھی اس معاہدہ پر رضامند نہیں ہیں۔ نیز مسماۃ قیصر بیگم کا بھی انتقال ہوگیا ہے اور ان کے ورثار بھی اس معاہدہ کو برا سمجھتے ہیں۔

ایسی حالت میں شرعاً ورثار مسماۃ اکبری بیگم و بعض ورثار مسماۃ قیصر بیگم اس معاہدہ کو کالعدم کرسکتی اور توڑ سکتی ہیں یا نہیں؟ اور اس مشترکہ اراضی کو تقسیم کرا کر فروخت کرسکتے ہیں یا نہیں؟ اگرچہ بعض شرکار مثلاً افسر بیگم وغیرہ اس معاہدہ کو توڑنا اور اراضی کا تقسیم کرانا پسند نہ کریں۔

سائل، خلیل احمد عفی عنہ

۲۸ شعبان ۱۱ھ

الجواب

یہ معاہدہ محض مہمل ہے تمام شرکار کو شرعاً اپنے حصّہ کی تقسیم وعلیحدگی کا پورا اختیار ہے اور ہر شریک اپنے حصّہ کی بیع وغیرہ بھی کرسکتا ہے اگر یہ معاہدہ حلف کے ساتھ ہوا ہو تو اس کو توڑنے کے وقت صرف کفارہ قسم لازم آئے گا مگر گناہ کچھ نہ ہوگا کیونکہ جو قسم کسی خلافِ شرع کام کے متعلق کھائی جائے اس کا توڑنا اور کفارہ ادا کرنا شرعاً مامور بہ ہے ففی الحدیث الصحیح: من حلف علی امر ثم رای غیرہ خیراً منہ فلیأتہ ولیکفر عن یمینہ او کما قال۔

اور معاہدہ مذکور کا خلاف شرع ہونا ظاہر ہے۔ لما فیہ من ابطال حقوق الملاک لہٰذا اس کے توڑنے میں بصورتِ حلف بھی کچھ گناہ نہیں بلکہ توڑ دینا ضروری ہے۔

واللہ اعلم

۱۵ شوال سنہ [illegible]ھ

کسی ایک شریک سے بدون اجازت دوسرے شرکار کے معاملہ مزارعت اور مزارع کے لئے اس کی آمدنی کا حکم

سوال: ایک علاقہ میں رواج ہے کہ مزارع کو زراعت کے لئے زمین دی جاتی ہے۔ نصف یا ثلث یا رُبع غلہ زمین پر یعنی مالکِ زمین کے اگرچہ شرکار کثیر ہوں آمدنی زمین کی ہے اس کا نصف مزارع کا ہوگا اور نصف مالکین کا ہوگا اب اسی بناء پر زید مالک زمین نے عمرو مزارع کو کوئی بیس بیگہ زمین زراعت کے لئے دی ہے کہ نصف آمدنی زید کی ونصف عمرو کی ہوگی لیکن واقع میں اس رقبہ زمین میں زید کی دو ہمشیرہ بھی بوجہ وراثت کے حقدار ہیں لیکن رواج کی رُو سے ان کو مستحق نہیں سمجھا جاتا نصف آمدنی عمرو مزارع لیتا ہے اور نصف زید لیتا ہے اب اگر زید اپنی ہمشیرہ کو زمین سے حصّہ دیتا تب بھی عمرو تو نصف ہی آمدنی کا لیتا اور زید رُبع لیتا۔ غرض اس صورت میں یہ ہے کہ آیا عمرو جو نصف لیتا ہے اس میں حق غیر کا مخلوط ہے یا نہیں؟ اگر غیر کا حق (حصّہ) عمرو میں مخلوط ہے تو وہ کیونکر مخلوط ہو سکتا ہے حالانکہ اگر زید اپنی دونوں ہمشیرہ کو

شرع کے موافق رقبہ زمین سے حصہ دیتا اور زمین شریک کر لیتا اور پھر کل زمین مشترک زراعت کے لئے عمرو کو دی جاتی جب بھی تو عمرو کو یہی نصف آمدنی کا ہوتا جو عدم تشریک کی حالت میں آرہا ہے اور زید کو ربع آتا جو عدم تشریک کی حالت میں آرہا ہے اور زید کو ربع آتا تشریک کی حالت میں کیونکہ ربع اپنی دونوں ہمشیرہ کو دینا پڑتا غرض یہ ہے کہ صورت مذکورہ میں تصرف عمرو کا تو حق غیر ہے بلا اجازت غیر و رضا غیر کے۔ یہ بھی معلوم ہے کہ جو زید کو حصہ آمدنی کا آیا ہے وہ مخلوط ہے حق غیر کے ساتھ اور یہ معلوم نہیں کہ عمرو کا حصہ بھی مخلوط ہے حق غیر کے ساتھ یا نہیں؟

الجواب

اقول وباللہ التوفیق

قال فی الحامدیۃ: غاب احد شریکی الدار فاراد الحاضران یسکنھا رجلاً ویؤجرھا رجلاً لا ینبغی ان یفعل ذالک دیانۃ اذا لتصرف فی ملک الغیر حرام ولا یمنع قضاءً اذ الانسان لا یمنع من التصرف فیما بیدہ لولم ینازعہ احد فلو آجر واخذ الاجر یرد علی شریکہ نصیبہ لو قدر والا یتصدق لتمکن الخبث فی حق شریکہ فکان کغاصب آجر یتصدق بالاجر او یردہ علی المالک واما نصیبہ فیطیب لہ اھ (ص ۹۰ ج ۱)

واجاب عما اذا باع الشرکاء حصتھم من الثمرۃ الا واحداً منھم عناداً او المشتری لا یرضی الا بشراء الجمیع وکذا اذا آجروا الا واحداً منھم بقولہ لا یجبر ان یبیع مع الشرکاء بل یبیعون حصتھم فقط اذا تجد الثمرۃ وتقسم وکذالک فی الدار لا یجبر علی الاجارۃ بل یوجر شرکاءہ حصصھم

والمستاجرون یہا یؤدون الممتنع فی السکنیٰ بقدر انصبائهم.
(ص ۹۱ ج ۱)

عبارت بالا سے معلوم ہوا کہ صورت مسئولہ میں زید کے لئے اس زمین کی پیداوار میں سے جو نصف غلہ طے پایا ہے اس میں سے بقدر اس کے حصہ کے جائز ہے اور بقیہ دوسرے ورثاء کو دینا واجب ہے اور مستاجر یعنی عمرو کے لئے جو نصف قرار پایا ہے وہ اس کو لینا جائز ہے اگر اس کو یہ معلوم نہیں کہ اس زمین میں زید کے سوا کوئی اور شریک بھی ہے؟ یا شرکت کا علم ہے لیکن دوسرے شرکاء کے اذن وعدم اذن کا علم نہیں اور اگر دوسرے شرکاء کا عدم اذن معلوم ہے تو عمرو کے لئے اس زمین میں کاشت کرنا بقدر حصہ زید کے حلال ہے اور دیگر شرکاء کے حصص میں کاشت اس کو حلال نہیں ہے پھر زید کے حصہ میں اس زمین کے جتنے سہام ہوں اس میں تو عقد درست ہے اور دیگر ورثاء کے حصوں میں درست نہیں بلکہ ان کی زمین میں جو اس نے کاشت کی ہے اس میں سے بقدر تخم اور اجرت مثل کے اس کو حلال ہے زائد حلال نہیں ہے بلکہ اس کا تصدق واجب ہے البتہ اگر عمرو زید کو اس زمین کی پیداوار کا نصف کامل نہ دے بلکہ نصف میں سے اس کو بقدر اس کے حصہ کے دے اور باقی دیگر ورثاء کے پاس پہنچا دے اور وہ اس پر راضی ہوں تو دوسرا نصف جو عمرو کے لئے طے ہوا ہے پورا عمرو کے لئے حلال ہے جس کا تصدق واجب نہیں۔

قال فی الحامدیة: والحاصل ان فی المسئلة قولین او ثلاثة. الاول انه اذا زرع ارض غیره بلا امره لایکون غصباً بل یحمل علی المزارعة وحصة رب الارض علی ما جری علیه عرف القریة من ثلث اوربع. والقول الثانی جواب الکتاب: انه یکون غاصبًا والزرع کله له لکن یتصدق بما فضل عن بذره واجرمثله. والقول الثالث: انه یکون مزارعة اذا کان صاحبها اعدها للاستغلال بان کان یرفعها مزارعة لغیره ولا یزرعها بنفسه اهـ (ص ۱۵۸ ج ۲)

قلت: واذا علم عدم رضا الشرکاء وعدم اذنهم

فالظاهر كونه غاصبا لا مزارعا۔ واللہ اعلم

از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ
۱۳/ ذی قعدہ ۴۵ھ

مضاربت میں نقصان کا حکم سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ زید نے عمر سے کہا کہ تم مجھ کو کچھ روپیہ دے دو جس سے تجارت کروں اور نفع و نقصان کا شریک ہوں گا۔ عمر نے بکر سے کچھ روپیہ قرض لے کر زید کو دے دیا۔ زید نے مال تجارت خریدا جس میں زید کو نقصان رہا۔ اب زید نقصان کا شریک ہے یا نقصان عمر پر ہی رہے گا۔ زید نے نقصان کا شریک ہونا خود کہا تھا۔ بینوا توجروا

الجواب

یہ صورت مضاربت کی ہے اور مضاربت میں مضارب امین و وکیل ہوتا ہے۔ لہٰذا اگر تجارت میں کچھ نقصان پیش آئے جو رأس المال تک پہنچ جائے تو اگر وہ دونوں یعنی مضارب اور رب المال نفع کو تقسیم کر لیتے ہیں تب تو دونوں بلحاظ نسبت شرکت نفع کو واپس کر کے اصل رقم کو پورا کریں اور اگر اس سے بھی زیادہ نقصان ہو کہ نفع وصول شدہ کو واپس کر کے بھی اصل رقم پوری نہ ہو یا اصل رقم سے نفع ہی نہ ہوا ہو تو مضارب پر کسی حال میں ضمان نہ ہوگا کیونکہ وہ امین ہے اگرچہ مضارب یہ بھی کہہ دے کہ میں نقصان کا شریک ہوں کیونکہ یہ شرط خود فاسد ہے مگر اس شرط سے مضاربت فاسد نہیں ہوئی۔

فی العالمگیریة: قال القدوری فی کتابه کل شرط یوجب جهالة الربح أو قطع الشرکة فی الربح موجب فساد المضاربة وما لا یوجب شیئا من ذالك لا یوجب فسادها نحو أن یشترطا أن تکون وضیعة علیهما کذا فی الذخیرة ۱۱ ج ۵/ ۱۷۵

وفی الهدایة: وکل شرط یوجب جهالة فی الربح یفسده لاختلاف مقصوده وغیر ذالك من الشروط الفاسدة لا یفسدها ویبطل الشرط کاشتراط الوضیعة علی المضارب: (ج ۳ ص ۲۴۲)

وفی الهداية ايضاً وما هلك من مال المضاربة فهو من الربح دون رأس المال فان زاد الهالك على الربح فلا ضمان على المضارب لأنه امين وان كانا يقتسمان الربح والمضاربة بحالها ثم هلك المال بعضه أو كله حتى يستوفى رب المال رأس المال فإن فضل شئ كان بينهما لأنه ربح وان نقص فلا ضمان على المضارب لما بينا اھ ملخصاً (ج ۳ ص ۲۵۰ و ۲۵۱)

لہٰذا صورت مسئولہ میں زید نقصان کا شریک نہیں سارا نقصان عمرہی کو برداشت کرنا پڑے گا بشرطیکہ زید نے عمداً کچھ تعدی نہ کی ہو جو نقصان کا سبب ہوئی ہو۔

حررہٗ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ

۲۹ جمادی الاخریٰ ۱۳۴۷ھ

مشترکہ زمین میں ایک شریک نے درخت لگا دیئے تو کیا باقی شریکوں کا ثمر میں حق ہو گا یا نہیں؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ مشترکہ زمین میں ایک شریک نے باغ لگایا اور اس باغ نے تمام زمین کو گھیر لیا اور کوئی شئ زراعت کی اس زمین میں کوئی نہیں کرسکتا ایسی حالت میں دوسرے شریک جنہوں نے باغ نہیں لگایا تو ان کو اراضی مذکورہ سے آمدنی حاصل نہیں ہوسکتی تو ثمرات باغ کا مالک محض باغ لگانے والا ہوگا یا سب شرکاء ثمر کے مالک ہوں گے اور درختوں کا مالک لگانے والا ہوگا یا سب شرکاء ہوں گے؟

الجواب

صورت مسئولہ میں درختوں کا مالک صرف لگانے والا ہی ہے تمام شرکاء مالک نہیں ہاں شرکاء کو یہ حق ہے کہ زمین کو تقسیم کرکے لگانے والے سے مطالبہ کریں کہ ہمارے حصہ زمین میں سے درختوں کو اکھاڑے نیز درخت لگانے سے اگر زمین ناقص ہوگئی ہو تو شرکاء اس زمین کے نقصان کا ضمان بھی اس سے لے سکتے ہیں۔

قال فی الدر: فی غصب المجتبیٰ، زرع بلا اذن شریکه (ای فی الارض بأن كانت مشتركة بينهما نصفين ۱۲ شامی) فدفع له شريكه نصف البذر ليكون الزرع بينهما قبل النبات لم يجز وبعده جاز، وان اراد قلعه يقاسمه (ای يقاسم الأرض المشتركة بينهما) ويقلع من

نصیبہ ویضمن الزّراع نقصان الأرض بالقلع والصواب نقصان الزراع قال الشامی مرادہٗ ان الصواب ان یقول ویضمن الزّراع نقصان الأرض بالزرع ووجہ التصویب أن الأرض ینقصھا الزرع لا القلع لأنھا تحرث لأجل الزرع اھ (ج ۳ ص ۵۵۰)

حرّرہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ

۲۵ محرم ۱۳۴۲ھ

شرکت عنان میں کسی ایک شریک کو وکیل بالعمل بنانا، تقسیم منافع وخسارہ میں شرکاء کا اختلاف اور عامل سے ضمان لینے کا حکم

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ زید، عمر، بکر، خالد اور فاروق پانچ مسلمانوں نے ایک ایک ہزار روپیہ شریک کیا کہ راب خرید کر کھینچی ڈالی جائے یعنی کھانڈ بنائی جائے اور فروخت کی جائے۔ خالد شریک امین اور کارکن قرار پایا اور سب شرکاء نے روپیہ اس کو دے دیا۔ فاروق کو کھینچی کے کام سے واقفیت ہے اس لئے اس کا عمل بھی مشروط ہے ——— اور اس لئے وہ نفع نقصان میں ۴ پیسے فی روپیہ کا شریک ہے اور باقی شرکاء ۳، ۳ پیسے کے حصے دار۔ اختتام سال پر خالد نے کہا کہ تجارت میں نقصان ہوا۔ اور سرمایہ تقریباً ثلث کم ہو گیا۔ فاروق نے اپنے حصہ کا ¼ کے حساب سے خسارہ مجرا دے کر روپیہ واپس لے لیا مگر زید، عمر، بکر نے حساب کی تفصیل دیکھے بغیر خالد سے کہا کہ اس باقی سرمائے سے اس سال دوبارہ کھینچی ڈالو۔ کیا عجب ہے سال گزشتہ کی تلافی ہو جائے۔ چنانچہ اب شرکاء مساوی رقم اور مساوی نفع ونقصان کے شریک رہے اور اختتام سال پر خالد نے کہا کہ امسال پھر اسی نسبت کا خسارہ ہوا اور دونوں سالوں کا حساب گوشوارہ بنا کر پیش کر دیا جس میں نکس ایک ہزار سرمایہ میں سات سو کا خسارہ اور تین سو روپیہ باقی دکھایا۔ اب حساب دیکھنے پر خالد (امین) کی چند غلطیاں معلوم ہوئیں جو اس سے قبل اعتماد کی بناء پر حساب نہ دیکھنے کے سبب علم میں نہ آئی تھیں۔ سرمایہ سالِ اوّل پانچ ہزار روپے تھا مگر گوشوارہ میں راب پانچ ہزار دو روپیہ کی خریدی اور تقریباً سو روپیہ ابتدائی مصارف تیاری میں ہی لگ گئے اور یہ ایک سو دو روپیہ خالد امین نے اپنے پاس سے یا جس کو فروختگی مال پر

مجرا لیا۔ شرکاء کہتے ہیں کہ یہ اضافہ ہماری اطلاع و اجازت کے بغیر ہوا غلط مفسد للشرکت اور موجب ضمان ہے۔

۲: فاروق سے خسارہ کی رقم بحساب ½ لی جبکہ شرط نفع میں تہائی مجرا لی۔ شرکاء کہتے ہیں کہ یہ ناجائز ہے عدد رؤس المال پر نقصان پڑنا چاہیئے تھا اور اس لئے سالِ دوم کے لئے سرمایہ کی رقم مجہول ہوگئی۔ سالِ دوم میں جو کچھ سرمایہ بعد مجرائے خسارہ چہار شرکاء کا ہوا، خالد امین نے اس سے دو چند کی راب خریدی اور خسارہ سب شرکاء پر بعدد رؤس ڈالا۔ شرکاء کہتے ہیں کہ یہ اضافہ کثیرہ تقریبًا ڈھائی ہزار باوجودیکہ ابتداء میں صراحۃً کہہ دیا تھا کہ اس بقیہ سرمایہ سے شرکت ہو نہ اس میں کوئی شریک اضافہ کرے نہ واپس کرے ہمارے اذن کے بالکل خلاف ہوا اور مختصر مال کی تجارت ہوتی تو تیاری جلد اور اچھے نرخ پر ہوتی اس اضافہ سے تاخیر ہوکر ہمارے لئے مزید خسارہ کا سبب ہی اس لئے شرکت ہی فاسد ہوگئی۔ ہمارا رأس المال واپس کرو۔ اور یہ تجارت تمہاری ذاتی تجارت ہے۔

گوشوارہ سے معلوم ہوا کہ راب خریدشدہ ہر دو سال میں تقریبًا پانچ سو من ہے اور کھانڈ و منجھا و شیرہ تیار و فروخت شدہ کا میزان چار سو من ہے یعنی تقریبًا سو من وزن کی مال میں کمی ہے۔ شرکاء کہتے ہیں کہ کھینچی ڈالنے والوں سے ہم تحقیق کرچکے ہیں کہ چھیچے میں پانچ سات من کمی کا اوسط رہتا ہے اور یہ کمی بھی شیرہ میں پانی ملاکر پوری کرلی جاتی ہے کہ غلیظ شیرہ فروخت نہیں ہوتا۔ پس جب تم کو اقرار ہے کہ شیرہ میں پانی بافراط تم نے بھی ملایا ہے تو پھر اتنا مال کہاں گیا اور حد ہے کہ پانچ من فیصد کا اوسط چھیچ میں ڈال دو مگر باقی مال کو پورا کردیا اس کی قیمت بازاری نرخ پر لگاکر محاسبہ کرو۔ خالد چونکہ زمیندار ہے اس نے اپنی ذاتی راب کو بھی شرکت میں ڈال دیا اور بازاری نرخ مجرا لیا۔ اسی طرح تیار شدہ مشترکہ کھانڈ میں کچھ مقدار خود لے کر بازاری نرخ پر اپنے نام لکھی ہے۔ شرکاء کہتے ہیں کہ ان دونوں صورتوں میں بائع اور مشتری ایک ہی شخص ہوا اور یہ تصرف بھی ہماری اطلاع و اجازت اور رضا کے خلاف ہے۔

گوشوارہ میں خریدشدہ راب اور فروخت شدہ کھانڈ و منجھا و شیرہ کا محض نرخ

تاریخوار ظاہر کیا گیا ہے۔ شرکاء کہتے ہیں کہ جب تک بائعان و مشتریان کی رسیدات نہ ہوں ہم کیسے جانچ کریں کہ حساب صحیح ہے۔ خالد امین کا سب اعتراضات پر جواب یہ ہے کہ میں امین تھا اور دوسرے اعتماد اور اعتبار پر سب کام شرکاء نے چھوڑا اس لئے میرا قول قابل تسلیم ہونا چاہیئے اور میں کہتا ہوں کہ حساب صحیح ہے۔ اور مال کی کمی کا سبب اگر ملازموں و کارکنوں کی بے احتیاطی یا خیانت ہو تو اس کا میں ذمہ دار نہیں اور میرے پاس بجز اس کے کچھ جواب نہیں کہ حساب یہی ہے کہ جو میں نے پیش کیا اس سے زیادہ میں کوئی جواب نہیں دے سکتا۔

شرکاء کہتے ہیں کہ سال دوم میں بہت ہی بے عنوانی ہوئی کہ کچھ سرمایہ تھا اور کچھ بنا لیا کہ خلافِ تصریح دو چند مال خرید لیا اور پھر اس کا خسارہ سب پر ڈال دیا۔ لہٰذا اس خلط اور مخالفت نے تجارت کو تمہارا ذاتی بنا لیا اور اگر خلط موجب للضمان ہے تو سالِ اوّل کی شرکت بھی فاسد ہوئی کہ گو کم سہی مگر خلط و اضافہ بلا اجازت شرکاء اس میں بھی ہے۔ نیز دوسرا بڑا سوال کمی مال کی بابت ہے کہ شرکاء اس کام کے کرنے والوں کا تجربہ دلیل میں پیش کر کے اجزاء مال کی مال کے ساتھ مساوات طلب کرتے ہیں اور امین شریک جواب دیتا ہے کہ مجھے خبر نہیں کمی کس طرح ہوئی اور میں بحیثیت امین ہونے کے تاوان نہیں دے سکتا۔ یہ سب بھیج میں گیا خواہ میری ناتجربہ کاری ہو یا کارکنان نے کھا لیا ہو یا چرا لیا ہو مجھے علم نہیں۔ اب حضرات علماء سے سوال یہ ہے کہ یہ شرکت کس قسم کی ہے اور جن امور میں فریقین کا نزاع ہے ان میں حق کس طرف ہے اور آخری فیصلہ کیا ہے کہ رأس المال شرکاء کو لینے کا حق ہے یا خسارہ جو گوشوارہ میں دکھایا گیا ہے دینا واجب ہے۔

الجواب

(۱) قال الشامی: ولا خلاف ان اشتراط الوضیعة بخلاف قدر رأس المال باطل واشتراط الربح متفاوتاً عندنا صحیح اھ

(ج ۳ ص ۳۲۰ ھ)

(۲) وفیہ ایضاً وحاصل ذالک کلہ انہ اذا تفاضلا فی الربح

فان شرطا العمل عليهما سوية جاز ولو تبرع احدهما بالعمل وكذا لو شرطا العمل على احدهما وكان الربح للعامل بقدر رأس ماله اكثر ولو كان الاكثر لغير العامل او لاقلهما عملاً وله ربح ماله فقط اھ (ج ۳ ص ۵۲۷) (۱)

وفيه ايضًا. قبله باسطر فان شرطا الربح بينهما بقدر رأس مالهما جاز ويكون مال الذى لاعمل له بضاعة عند العامل له ربحه وعليه وضيعته وان شرطا الربح للعامل اكثر من رأس ماله جاز ايضًا ويكون مال الدافع عند العامل مضاربةً ولو شرطا الربح اكثر من رأس ماله لا يصح الشرط ويكون مال الدافع عند العامل بضاعة لكل واحد منهما ربح ماله والوضيعة بينهما على قدر رأس مالهما ابدًا اھ هذا حاصل ما فى العناية)

(۳) قال فى الدّر: والربح على ما شرطا اھ قال الشامى وقيد بالربح لأن الوضيعة على قدر المال وان شرطا غير ذالك كما فى الملتقى وغيره (ج ۵: ۵۲۸)

(۴) وفيه ايضًا: ويطالب المشترى بالثمن فقط ويرجع على شريكه بحصّته منهُ ان ادّى من مال نفسه اى مع بقاء مال الشركة والّا فالشراء لهٗ خاصّة لئلاّ يصير مستدينا على مال الشركة بلا إذن اھ

قال الشامى، اى ان لم يبق مال الشركة اى لم يكن فى يده مال بل صار مال الشركة اعيانًا وامتعةً فاشترى بدراهم او دنانير نسيئةً ما اشتراه له. خاصة دون شريكه لو وقع على الشركة صار مستدينًا على مال الشركة واحدٌ. شريكى العنان لايملك الاستدانة الّا ان يأذن لهٗ فى ذالك بحر عن المحيط (ج ۳ ص: ۵۳۰)

(۵) وفيه ايضًا ولكل من شريكى العنان والمفاوضه أن يستأجره

---

(۱) جواب میں نقل کردہ جزئیات شامی ایچ۔ایم سعید والے نسخہ میں ج ۴ ص ۳۱۲ تا ۳۱۵ پر ہیں۔ محمد افتخار عفی عنہ۔

یبضع ویودع ویعیر ویضارب ویوکل ببیع وشراء وبنقدٍ ونسیئۃٍ ویسافر بالمال ومؤنۃ السفر والکراء من رأس المال ان لم یکن فی یدہٖ دراھم ولا دنانیر من الشرکۃ فاشتری بدراھم اودنانیر نھولہ خاصۃ لأنہٗ لو وقع مشترکًا تضمن ایجاب مال زائد علی الشریک وھو لم یرضی بالزیادہ علی رأس المال والوا لجیۃ ومقتضاہ أنہ لو رضی وقع مشترکا لأنہٗ یملک الاستدانۃ باذن شریکہ کما قدمناہٗ اھ (ج ۳ ص ۵۳۲)

(۶) وفیہ ایضًا. وھو ای الشریک امین فی المال فیقبل قولہ بیمینہٖ فی مقدار الربح والخسران والضیاع والدافع الی شریکہ ویضمن بالتعدی وھذا حکم الأمانات نھاہٗ عن الإخراج فخرج ثم ربح فاجبت أنہ غاصب حصۃ شریکہٖ بالاخراج فینبغی أن لا یکون الربح علی الشرط انتہی ومقتضاہ فساد الشرکۃ نھر. وفیہ وتفرع علی کونہ امانۃ ما سئل قاریٔ الھدایۃ عمن طلب محاسبۃ شریکہٖ فأجاب لا یلزم بالتفصیل ومثلہٗ المضارب والوصی والمتولی نھر اھ قال الشامی سیذکر الشارح فی الوقف عن القنیۃ ان المتولی لا تلزمہ المحاسبۃ کل عام ویکتفی القاضی منہٗ بالاجمال لو معروفًا بالأمانۃ ولو متّھمًا یجبرہ علی التعین شیئًا فشیئًا ولا یحبسہٗ بل یھدّدہٗ ولو اتھمہٗ یحلفہٗ اھ والظاھر انہٗ یقال مثل ذالک فی الشریک والمضارب والوصی فیحمل اطلاقہٗ علی غیر المتّھم اھ (ج ۳: ص ۵۳۶) (۱)

(۷) وفی الفتاوی الکاملیہ: سئلتُ عن الشریک او المضارب اذا خلط مال الشرکۃ او المضاربۃ بمال آخر بدون اذن الشریک او ربّ المال وھلک المال ھل یضمن: فالجواب فی فتاویٰ قاری الھدایہ وھذا لفظہٗ الشریک أو ربّ المال اذا قال شریکہ او عاملہ إعمل برأیک فخلط مال

---

(۱) نسخہ ایچ۔ ایم سعید: (ج ۴: ۳۱۹/ ۳۲۰)

الشركة أو المضاربة بمال غيره لا يكون متعديا فاذا هلك لم يضمن وان لم يقل له ذالك يكون متعديا بالخلط۔ فيضمن مطلق هلك ام لا۔ واذا اختلف فى الإذن فالقول قول المالك الّا ان يقيم الآخر بينة على الإذن اھ (ص ۹۴)

صورت مسئولہ میں شرکت اولیٰ میں فاروق کا نفع میں حصّہ زیادہ ہوتا تو جائز تھا لیکن نقصان میں حصّہ کم ہونا جائز نہ تھا مگر اس سے شرکت فاسد نہیں ہوئی یہ شرط باطل تھی۔ اس لئے فاروق پر بھی نقصان سب کے برابر ڈالا جائے اور جو اس کی طرف زیادہ ہو گیا ہو وہ واپس لے کر جملہ شرکاء میں برابر تقسیم کیا جائے۔ ملاحظہ ہو روایت نمبر ۱ و ۱۲ و ۱۳ اور شرکت اولیٰ میں جو دو روپیہ کی راب زیادہ ہوئی ہے اگر شرکاء نے خالد کو اُس مال بڑھانے کی اجازت تعمیماً یا تخصیصاً نہیں دی تھی تو بقدر دو روپیہ کے راب خالد کی تھی اور اس کو مال مشترک میں ملانا جائز نہ تھا۔ اس کے خلط سے خالد سارے مال کا خود مالک ہو گیا اور اس پر ضمان لازم ہو گیا۔ (بحکم روایت نمبر ۷)

قاعدہ کا مقتضاء یہی ہے اور استحسان کا ذکر آگے آتا ہے اور سو روپیہ جو ابتدائی مصارف میں خالد نے لگایا ہے اگر وہ اجرت عمّال وغیرہ کی جنس سے ہے تو یہ موجب ضمان نہیں۔ ملاحظہ ہو روایت ۵ ومؤنة سفر والكراء من رأس المال الخ۔

اور شرکت ثانیہ میں خالد نے چونکہ اپنی ذاتی راب بھی مال شرکت میں مخلوط کی اور سرمایہ سے دو چند رقم کا مال خرید کر مالِ مشترک سے مخلوط کیا ہے اور سوال میں مذکور ہے کہ شرکاء نے اس کی اجازت نہ دی تھی لہٰذا خالد اس میں بھی غاصب ہو گیا اور خلط کی وجہ سے اس پر ضمان لازم آ گیا۔ (ملاحظہ ہو روایت ۵، ۱۶، ۷)

پس شرکت ثانیہ میں تو خالد یقیناً ضامن ہے اور یہ تجارت خالص اسی کی تجارت شمار ہو گی اور شرکت اولیٰ میں قواعد کا مقتضا تو یہی ہے کہ دو روپیہ کی راب زائد مخلوط کرنے کی وجہ سے ضامن قرار دیا جائے مگر چونکہ اس قدر قلیل مقدار سے تحرز دشوار ہے کیونکہ بعض دفعہ رقم موجود کے بالکل برابر مال نہیں مل سکتا۔ کچھ آنا روپیہ کی مقدار زائد لینے پر تاجر مجبور ہوتا ہے اس لئے بقاعدہ المعروف کالمشروط اس قدر قلیل

زیادت عفو ہے لیکن شرکت ثانیہ میں زیادت بمقدار کثیر ہے جو عرفاً و عادۃً کسی طرح اجازت کے تحت میں داخل نہیں ہو سکتی۔ پس اگر خالد کو اس زیادت کی اجازت نہ تھی جیسا کہ سوال میں مذکور ہے تو خالد شرکت ثانیہ میں تمام شرکاء کے رأس المال کا ضامن ہے اور اس کا نفع و نقصان سب اسی پر ہے۔ رہا مال کی کمی کا سوال سو اس کے متعلق سب شرکاء خالد امین سے زجر و تنبیہ کے ساتھ تفصیل حساب کا مطالبہ کر سکتے ہیں، اور موقع ضرورت میں قسم لے سکتے ہیں۔ اس سے زیادہ کچھ نہیں ہو سکتا۔ فقط۔
واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ
۹ صفر ۴۵ھ از تھانہ بھون

الجواب صحیح عندی
اشرف علی
۱۲ صفر ۴۵ھ

الدر النظیم فی احکام الشرکۃ والتصرف فی مال الیتیم

حضرت مولائی مرشدی سیدی ہادی السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ اما بعد۔
معروض یہ ہے کہ بندہ یتیم کے مال مخلوط و یتیم کے ساتھ کاروبار کرنے کا حکم نہ جاننے کی وجہ سے تردد و پریشانی میں ہے۔ اب حضور چند مندرجہ ذیل صورتوں کے حکم سے واقف فرما کر بندہ درماندہ کو مسرور فرمائیں۔

ایک صورت شرکت اموال کی مال میں سے یہ ہے کہ بعض وارث بالغ اور بعض یتیم ہیں اور وہ یتیم جیسا مال میں شریک ہے ایسا ہی خورد و نوش میں شامل ہے۔ آیا ایسا مال مخلوط خریدنے میں کوئی قباحت ہے یا نہیں۔ دوسری صورت یہ ہے کہ بعض یتیم خورد و نوش میں بالغ کے ساتھ شامل ہے اور بعض شامل نہیں۔ آیا ایسا مال مخلوط بالغ سے خریدنا جائز ہے یا نہیں؟ اور جو یتیم اتنا سمجھدار ہو گیا ہے کہ نفع و نقصان سمجھ کر بازار میں فروخت کرتا ہے آیا اس کے ساتھ خرید و فروخت کرنا جائز ہے یا نہیں اور ایسے مال مخلوط مذکورہ یعنی شرکت املاک میں سے جو مال زمانہ گذشتہ میں خرید چکا ہوں اس کے بابت کیا حکم ہے اور ایسے مال مخلوط کا کھانا کیسا ہے؟

بے خبری کی وجہ سے جو کھا چکا ہوں اس کے ادا کرنے کی کیا صورت ہے۔ آیا کھانے کے عوض یتیم کو کھانا کھلا دینے سے رہائی ہو جائے گی یا نہیں اور جو آم وغیرہ کھائے ان کی قیمت یتیم کو خود اندازہ کر کے دینا چاہیئے یا اس کے ولی سے اندازہ کرانا چاہیئے۔ غرض یہ کہ جس صورت سے میری رہائی ہو جائے ارشاد فرما کر مسرور فرمائیں اور جو یتیم اب بالغ ہو گیا ہے وہ اپنا حق معاف کر دے تو معاف ہو جاوے گا یا نہیں؟ والسلام

تنقیح

(۱) پہلے یہ امر واضح کیا جائے کہ یہ وارث بالغ جو یتیم کا مال مخلوط بیع کرتا ہے۔ یہ رشتہ قرابت میں یتیم کا کیا لگتا ہے (۲) نیز یہ بھی بتلایا جائے کہ یہ وارث بالغ یتیم کے جس مشترک و مخلوط مال کو بیع کرتا ہے۔ یہ مال کس قسم کا ہے منقول ہے یا غیر منقول اور غیر منقول کیسا ہے سریع الفساد جیسے پھل وغیرہ یا غیر سریع الفساد اور یتیم کو ان اشیاء کی بیع کی ضرورت ہے یا نہیں؟

(۳) اور یہ یتیم سمجھدار جو بیع شراء کرتا ہے یہ ولی کی طرف سے ماذون فی البیع ہے یا نہیں؟

(۴) اور یتیم بالغ ہونے کے بعد جن حقوق کو معاف کرتا ہے وہ حقوق کس قسم کے ہیں۔ اس کے بعد جواب دیا جائے گا۔ فقط۔ ظفر احمد از تھانہ بھون

۲۵ محرم ۱۳۴۵ھ

جواب تنقیح

پہلے دو سوالوں کا جواب یہ ہے کہ مجھے تین ورثاء بالغ کے ساتھ معاملہ کرنا پڑتا ہے ایک جگہ وارث بالغ یتیم کا چچا لگتا ہے۔ اس نے منقول شیٔ جیسے گائے، بکری وغیر منقول شیٔ جیسے درخت وغیرہ یتیم کی ضرورت کے لئے بیع کی۔ دوسری جگہ میں ایک وارث بالغ یتیم کا عینی بھائی لگتا ہے اور ایک یتیم کا حقیقی ماموں لگتا ہے۔ اس نے بھی شیٔ منقول جیسے کتاب وغیرہ اور غیر منقول غیر سریع الفساد جیسے درخت بانس وغیرہ اور سریع الفساد جیسے پھل وغیرہ یتیم اپنی ضرورت کے لئے بیع کرتا ہے۔ تیسری یتیم کی ماں ہے۔ وہ بالغ وارث موجود نہ ہونے کے وقت اکثر غیر منقول سریع الفساد شیٔ

ضرورت کے وقت بیع کرتی ہے جیسے کٹھل، کیلا، آم وغیرہ۔

آپ کے تیسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ یتیم سمجھدار ولی کی طرف سے ماذون فی البیع ہوتا ہے۔ اس میں ایک بات اور دریافت طلب ہے کہ ——————— فقط ماں کی طرف سے ماذون فی البیع والشراء میں کوئی قباحت ہوگی یا نہیں۔ اور چوتھے سوال کا جواب یہ ہے کہ دو قسم کے حقوق ہیں مالی جیسے یتیم کا مال مخلوط سے کھانا کھالیا ہے اور دوسرے حقوق بدنی جیسے تعلیم دیتے وقت حد سے زیادہ مارا پیٹا ہے۔

الجواب

قال ابن عابدين: فی حاشية البحر عن جامع الفصولين فی التصرفات الاعيان المشتركة فقال ارض وكرم بين حاضر وغائب أو بين بالغ ويتيم فالحاضر أو البالغ يرفع الأمر إلى القاضی ولو لم يرفع ففی الأرض يزرع بحصته ويطيب له ذالك ويقوم على الكرم فيبيع ثمره ويأخذ حصته ويوقف حصة الغائب ويبيع له ذالك واذا قدم الغائب ضمنه القيمة او اجاز بيعه وذكر محمد فی مواضع أخر لو أخذ الشريك نصيبه من الثمن او اكله جاز ويبيع نصيب الغائب ويحفظ ثمنه فلو حضر صاحبه يخير كما مر قال ... هذا استحسان اھ (ج ۵ ص ۱۶۷)

وفی الفتاوی الحامديه: (ج ۲ ص ۲۹۶) ثم ان ما مر أن المال اليتيم يملك بيع مالابد منه خاص بغير العقار من نحو المنقولات اما العقار فليس له بيعه ولو مع الوجود المسوغات لما فی الدر المختار حيث قال وهذا ان بيع العقار للمسوغ لو البائع وصيا لامن قبل أم وأخ فانهما لايملكان بيع العقار مطلقاً ولا شراء غير طعام وكسوة۔ الخ تأمل اھ۔

اس کے بعد جواباتِ سوالات معروض ہیں۔

ع۱ یتیم کے ساتھ جو مال دوسرے ورثاء کا مشترک ہے۔ اگر وہ عقار یعنی مکان وجائیداد کی قسم سے نہیں بلکہ منقولات کی قسم سے ہے تو اگر سریع الفساد ہے جیسے پھل وغیرہ جب تو وارث شریک بالغ کو جائز ہے کہ اپنا اور یتیم دونوں کا حصّہ فروخت کر دے اور خریدنے والے کو خریدنا بھی جائز ہے اور وارث بالغ کو لازم ہے کہ یتیم کے حصّہ کی قیمت اس کے لئے الگ محفوظ رکھے یا اس کے نفقہ میں لگائے اور اگر سریع الفساد نہ ہو جیسے درخت وغلّہ وغیرہ تو ولی یتیم کو یتیم کا حصّہ اس وقت بیع کرنا جائز ہے جب کہ یتیم کو نفقہ کے واسطے بیع کی حاجت ہو۔ ورنہ نہیں اور ولی وہ ہے جو یتیم کا عصبہ قریب ہو کہ اس سے قریب اور کوئی نہ ہو یا یتیم اس کی پرورش میں ہو یا وصی ہو۔ غیر ولی کو مال غیر سریع الفساد بقدر اپنے حصّے کے مشترکہ فروخت کرنا درست ہے یتیم کے حصّے کی بیع کا اس کو اختیار نہیں اور جب یتیم کو حاجت ہو تو جس طرح بیع جائز ہے خریدنا بھی جائز ہے اور اگر بلاضرورت ولی نے یتیم کا حصّہ بھی فروخت کر دیا تو خریدار کو تو وہ مال خرید کردہ حلال ہے لیکن ولی کو گناہ ہوا اور اگر خریدار کو بعد میں معلوم ہوا کہ یتیم کو اس کے حصّے کی قیمت نہیں پہنچی ہے تو ورع اور تقویٰ یہ ہے کہ بعد بلوغ کے اس کو اس کے حصّے کی قیمت دے دے یا معاف کرالے، باقی واجب نہیں کیونکہ یتیم کا دین دراصل ولی کے ذمّہ تھا اور جائیداد میں سے یتیم کا حصّہ بیع کرنا اور خریدکرنا درست نہیں۔

الّا للأب او الجد او وصیهما عند الحاجة الشدیدة۔

(۲) ایسے مال مخلوط کا خریدنا جائز ہے جب کہ مال مخلوط سریع الفساد ہو یا غیر سریع الفساد ہو لیکن یتیم کی ضرورت سے ولی نے بیع کیا ہو اور یتیم کے حصّہ کی قیمت کا ولی کو الگ محفوظ رکھنا لازم ہے جو اس کے نفقہ میں صرف کی جائے۔

(۳) جب ولی کی طرف سے ماذون ہو تو یتیم سے بیع شراء کا معاملہ درست ہے بشرطیکہ اس کو نقصان نہ دیا جائے اگر وہ بوجہ بچپن کے غبن فاحش سے مال کو بیع کرے تو غبن فاحش سے خریدنا جائز نہیں بلکہ ایسی قیمت دی جائے جس سے اس کو نقصان نہ ہو اور یہ تقویٰ ہے اور فتویٰ سے یتیم ماذون کے ساتھ غبن فاحش سے بھی معاملہ صحیح ہے یعنی قضاءً

قال فی الدر: فلو أذن مطلقًا بلا قید صحّ کل تجارة منه ای المأذون امّا لو قید فعندنا یعمّ خلافًا للشافعی فیبیع ویشتری ولو بغبن فاحش خلافًا لهما و أدخل الشامی فیه الصبي و المعتوه المأذون لهما اھ۔

(ص ۱۵۳ ج ۵) قلت والاحتراز والخروج عن الخلاف أولی وأحوط۔

(۴) اگر یتیم کا خورد ونوش ولی کے ساتھ مخلوط ہو اور ولی کسی کی دعوت کرے تو اگر یہ معلوم ہو کہ ولی اس خلط میں یتیم کے نفع کا لحاظ رکھتا ہے اس کو ضرر نہیں پہنچاتا تو اس کے یہاں دعوت کھانا، آم وغیرہ کھانا جائز ہے اور اگر وہ خلط سے یتیم کو ضرر پہنچاتا ہو تو جائز نہیں اور بعد بلوغ کے اگر یتیم اپنا حق معاف کردے تو معاف ہو جائے گا۔ لکونہ إبراء عن الدین وھو صحیح اور اگر معاف نہ کرے تو مثلیات میں مثل لازم ہے اور غیر مثلیات میں قیمت لازم ہے۔ وقت اکل کی قیمت کا حساب لگایا جائے۔ اگر وقت اکل کی قیمت یاد نہ ہو تو دو عادل مسلمانوں سے وقت اداء کی قیمت کا حساب کرا کر قیمت ادا کردی جائے واللہ اعلم۔

حررہ الأحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ

از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ

مورخہ ۲۸ ربیع الثانی ۱۳۴۵ھ

جس زیور میں کچھ رقم بالغ بیٹی کی اور کچھ باپ کی ہو اسے ماں پہن سکتی ہے؟

سوال: معاملہ کی ایک صورت میں حکم چاہتا ہوں میری لڑکی اب تقریباً گیارہ سال کی ہے۔ کئی برسوں سے میں ہر مہینہ اس کو نیز دوسرے بچوں کو ایک روپیہ یا زائد بھی دیا کرتا ہوں اور وہ رقم انہی بچوں پر ہی صرف کردی جاتی ہے۔ لڑکی چونکہ سیانی ہو چکی ہے اس لئے وقتاً فوقتاً کچھ زیور بنوا دیا جایا کرتا ہے۔ اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ اس کے پاس سے کچھ روپیہ لے کر اور اس میں کبھی اس سے زائد اور کبھی کم اپنے پاس سے ملا کر کوئی زیور بنوا دیا جاتا ہے۔ یہ زیور نہ تو محض اس کی جمع سے بنا ہے اور نہ ہی کل روپیہ میں نے ہی لگایا ہے اور نہ جس قدر روپیہ میں نے لگایا ہے اس کے لئے یہ نیت کی ہے کہ وہ بھی لڑکی کو دے دیا تو ایسی صورت میں وہ زیور کس کی ملک میں سمجھا جائے گا۔ اور اس کا برتنا یعنی کبھی کبھی لڑکی کی ماں کو اس کا پہن لینا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب

یہ زیور مشترک ہے یعنی لڑکی کا بھی ہے اور آپ کا بھی ہے۔ اب اس سے آپ منتفع ہو

سکتے ہیں اور لڑکی بھی اور آپ کی اجازت سے لڑکی کی ماں بھی کیونکہ اس کا انتفاع حکماً آپ ہی کا انتفاع ہوگا مگر شرط یہ ہے کہ یہ انتفاع قدر ملک سے زائد نہ ہو مثلاً زیور میں اگر آدھی رقم آپ کی ہے اور آدھی لڑکی کی تو مہینہ میں پندرہ دن سے زیادہ اس کی ماں استعمال نہ کرے اور اگر دو ثلث آپ کی اور ایک ثلث لڑکی کی ہے تو مہینہ میں ۱۹۔ ۲۰ دن سے زیادہ استعمال نہ کرے۔ وھذا ھو المھایاۃ التی جعلھا الفقھاء طریق الانتفاع بالمشترک۔ واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفی عنہ
۶ رجب ۴۵ھ از تھانہ بھون

عقد مضاربت و شرکت دونوں اکٹھے ہونے کا حکم

سوال: اس طرف اس طرح کی شرکتیں ہیں جن کا رواج بہت کثرت سے لوگوں میں ہو رہا ہے بشرکت اور مضاربت دونوں شامل ہیں۔ مثلاً زید، عمر، بکر تین شخص ہیں، دو کے پاس روپیہ ہے ایک کے پاس روپیہ نہیں۔ زید نے مبلغ ایک ہزار روپیہ دیا اور بکر نے مبلغ ایک ہزار روپیہ دیا اور عمر نے کچھ روپیہ نہیں دیا تھا۔ تینوں میں یہ بات طے پائی کہ اس روپیہ سے ہم لوگ مال خرید و فروخت کریں اور نفع و نقصان اس صورت سے تقسیم کریں گے کہ ہم لوگ زید، بکر، عمر کے کام کرنے کا مزدوری میں حصہ نفع نقصان میں فی آدمی ۳ ۳ لیں گے اور زید، بکر نے جو ایک ایک ہزار روپیہ اپنے پاس سے کام کرنے کے لئے دیا ہے۔ اس روپیہ کا معاوضہ نفع و نقصان میں ۳، ۳ ہزار پر جملہ سب ۱۵ ہوئے۔ اور ایک پائی جو بچ گئی وہ خیرات کا حصہ نفع نقصان میں ان لوگوں نے مقرر کر دیا۔ اب شرکت اور مضاربت دونوں صورتیں صحیح ہوئیں یا نہیں۔ اگر شرکت صحیح ہوئی اور مضاربت صحیح نہیں ہوئی یعنی کام کرنے والے کا نقصان کا حصہ دینا ہے مزدوری کا نقصان ہوا اس نے مجبوراً اپنے نفع کے لئے اس شرط پر کام کیا تو کام کرنے والا گناہگار ہوا کہ نہیں۔ کیونکہ اس ملک میں بجز اس صورت کے کوئی مہاجن راضی نہیں ہوگا۔ کام کرنے والا دو چار برس تک برابر نفع کا حصہ پاتا رہا اور ایک سال نقصان کا حصہ دیتا ہے۔ تو اس کی مزدوری اس سال کی ضائع ہوئی ہے۔ اپنی پرورش کے خیال سے اس کام

میں شرکت کرتا ہے۔ اگر نہ کرے تو کوئی اُسے رکھے بھی نہیں اور کوئی دوسری صورت آسان اس شرکت اور مضاربت کو درست کرنے کی ہو تو بتلائی جائے۔

الجواب

یہ صورت مضاربت صحیح نہیں۔ مضاربت میں عمل ربّ المال کی شرط مفسد ہے۔ قال الخلاصة ولصحة المضاربة شرائط منها التخلية حتى لو شرط عمل ربّ المال فسدت المضاربة۔ (ج ۴ ص ۱۸۸) (۱)

صورت جواز یہ ہے کہ جس شخص کی رقم نہ ہو اس کو ماہواری تنخواہ پر ملازم رکھا جائے یا دلالی پر رکھا جائے کہ تُو دوکان میں کام کر جتنے کا مال بکے گا فی روپیہ تجھ کو اتنا دیا جائے گا۔ شریک نہ بنایا جائے اور اگر شرکت کے بغیر کوئی کام نہ کرے تو پھر مال دینے والے اپنی رقم کی کچھ مقدار بے رقم والے کو ہبہ کر دیں اور شرکت عنان کی صورت اختیار کریں جس کے احکام کسی عالم سے زبانی معلوم کر لئے جائیں۔ فقط واللہ اعلم

حرّرہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ

از خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون ۱۶ ر رجب ۴۳ھ

شرکت عنان کی ایک صورت معاوضہ حقوق گڈول و مارکہ کے متعلق چند سوالات

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس بارے میں کہ زید اور عمرو دونوں ایک دوکان میں شریک ہو کر کام کرتے تھے۔ اس وقت بہت چھوٹا کام تھا۔ دوکان کے مال پر کوئی دوکان کا مارکہ یعنی ٹکٹ نہیں تھا۔ بحالت شرکت ڈھائی برس میں عمرو بقضاء الٰہی فوت ہو گیا اور سارا کام زید کے ہاتھ آ گیا۔ پس زید نے عمرو کے بیٹے بکر کو ایک چھوٹے حصّہ ع کی مقدار شریک دار قرار دے کر اپنے ساتھ بٹھایا اس کے بعد جب دوکان کو ترقی ہوئی اور دوکان کے مال پر دوکان کے ٹکٹ بھی ہو گئے۔ تب بکر نے اپنا حصّہ بڑھانا چاہا۔ پس

---

(۱) فی الشامیہ: (ج ۵: ۶۴۵) تحت قولہ: (وعمل من جانب) المضارب اھ قید بہ لأنہ لو اشترط ربّ المال أن يعمل مع المضارب فسدت الخ محمد افتخار عفی عنہ

ع: یہ حصّہ عمرو متوفی کے حصّہ کے برابر تھا یا کم ۱۲ ظ

زید نے اس شرط پر بکر کا حصہ دوکان میں بڑھا دیا کہ دوکان کے ٹکٹوں میں بکر کا کوئی حق نہیں ہے جس کی بابت فریقین میں باقاعدہ تحریر ہوگئی اور اس کے مطابق عملدرآمد ہوتا رہا۔

پھر کچھ مدت کے بعد فریقین میں تحریری معاہدہ ہوا کہ اگر زید بکر کو دوکان سے علیحدہ کرے تو دوکان کے موجودہ مال اور نفع کا حساب کر کے بکر کے حصہ کے موافق نقد روپیہ اس کو دے گا اور اس کے علاوہ ٹکٹوں کے حق کے بابت مبلغ ساڑھے تین ہزار روپے بھی دے کر اس کو دوکان سے علیحدہ کر دے گا اور اگر بکر خود بخود علیحدہ ہو جائے تو اس کو دوکان کے ٹکٹوں کا کوئی حق نہ ملے گا۔ صرف مال اور نفع میں سے اس کے حصہ کی مقدار نقد روپیہ دے دیا جائے گا۔

پھر کچھ مدت بعد آخری تحریری معاہدہ ایسی حالت میں ہوا کہ دوکان کی اور زیادہ ترقی ہو چکی تھی اور بجائے ایک دوکان کے دو دوکانیں باہمی شرکت میں ہو چکی تھیں۔ پہلی پرانی بڑی دوکان ۱ سے موسوم تھی اور دوسری چھوٹی نئی دوکان کو نمبر ۲ کہا جاتا تھا۔ اس آخری معاہدہ سے تقریباً پندرہ سال پیشتر سے زید اپنے بیٹے خالد کو دوکان میں شریک کر چکا تھا لیکن ٹکٹوں میں اس کا کوئی حق نہیں رکھا گیا تھا۔ اس آخری معاہدہ کے مطابق بھی زید کا بیٹا خالد دوکان میں شریک دار قرار پایا۔ شرط یہ ٹھہری کہ اگر بکر خود بخود دوکان سے علیحدہ ہو جائے تو اس کو دونوں مذکورہ دوکانوں میں سے کسی دوکان کے پانے کا حق نہیں ہے۔ صرف موجودہ مال اور نفع میں سے اپنے حصے کی مقدار نقد رقم پانے کا حقدار ہے اور بکر خود علیحدہ نہ ہو بلکہ زید اس کو دوکان سے علیحدہ کر دے تو بکر کو چھوٹی دوکان ۲ معہ اس کے کل ٹکٹوں کے ملے گی اور بڑی دوکان ۱ اس کے کل ٹکٹوں کے زید کی رہے گی جس کے ساتھ اس کا بیٹا خالد بھی باہمی قرارداد کے مطابق شریک رہے گا اور اگر پہلی دوکان ۱ چلی جائے مثلاً اس طرح سے کہ مالک دوکان اس کو خالی کرا لے تو زید معہ جملہ حقوق کے دوکان ۲ کا مالک ہو جائے گا اور بکر کو اس کے حصہ کی مقدار یعنی ایک روپیہ میں ساڑھے پانچ آنہ کے حساب سے موجودہ مال اور نفع میں سے نقد روپیہ اور بابت گڈول تیرہ ہزار سات سو پچاس ۱۳۷۵۰ روپے دیا جائے گا۔ اس بناء پر دونوں دوکانوں کے حقوق گڈول کی قیمت چالیس ہزار روپے

رکھی گئی جس میں چھبیس ہزار دو سو پچاس روپیہ بڑی دوکان نمبرا کی جانب اور تیرہ ہزار سات سو پچاس روپیہ چھوٹی دکان ۲ کی جانب قرار پایا تھا۔ گڈول اس حق کا نام ہے جو ہر تاجر کو اس کے مارکوں (یعنی ٹکٹوں) اور اس کی دوکان کے خاص نام اور ایک مدت تک ایک خاص جگہ پر دوکان جم جانے کی بابت قانوناً و عرفاً حاصل ہوتا ہے۔ اس آخری معاہدہ کے بعد کچھ مدت تک کام ہوتا رہا۔ اب بڑی دوکان ۱ مالک مکان نے خالی کرالی اور اس کی جگہ پر ایک اور دوکان کرایہ پر لے لی گئی جو کہ سابقہ اصلی دوکان سے بہت چھوٹی اور کرایہ میں بھی بہت گراں ملی ہے۔ اس کرایہ پر لی ہوئی دوکان کو بھی دوکان نمبرا کہتے ہیں۔ اب زید نیا تحریری معاہدہ دو برس کے لئے شرکاء سابقہ کے حصص میں کسی قدر کمی بیشی کر کے اس طرح کرنا چاہتا ہے کہ زید، بکر، خالد، سابقہ تین شریکوں کے ساتھ زید کے دوسرے دو بیٹے جعفر اور امین بھی مل کر پانچ شراکت دار قرار پائیں۔

شرائط ۱ اس طرح پر ہوں کہ اگر دو برس مدت مقررہ کے اندر بکر کو علیحدہ کیا جائے یا بکر خود علیحدہ ہو جائے یا زید کا انتقال ہو جائے تو چھوٹی دوکان ۲ معہ اس کے جملہ حقوق گڈول کے بجز ایک ٹکٹ کے بکر کو دے دی جائے گی اور اس کے ساتھ اس ایک ٹکٹ کے معاوضہ میں جو کہ مستثنیٰ کر لیا گیا ہے یا دونوں دوکانوں میں مجموعہ حقوق کے لحاظ سے چالیس ہزار روپیہ بھی بکر کو دے دیا جائے گا اور اگر اس مدت مقررہ کے اندر بکر کا انتقال ہو جائے تو اس کے ورثاء کو اس وقت کے موجودہ مال اور نفع کے حساب سے نقد روپیہ اور بابت حقوق گڈول چالیس ہزار روپے ملا کر دے دیا جائے گا۔ اس کے علاوہ دونوں دوکانوں سے اس کے ورثاء کو کوئی سروکار نہ رہے گا بلکہ دونوں دوکانوں کے حقوق گڈول کا مستقل اور پورا مالک زید قرار پائے گا اور ۲ اگر خالد دوکان سے علیحدہ ہو جائے یا اس کا انتقال ہو جائے تو موجودہ مال اور نفع میں حصہ کے علاوہ مبلغ پچیس ہزار روپیہ اس کو یا اس کے ورثاء کو دیا جائے گا۔ اور دونوں دوکانوں سے اس کو یا اس کے ورثاء کا کوئی تعلق نہ رہے گا۔ بقیہ ۳ دونوں شریک جعفر اور امین کو علیحدہ کرنے یا علیحدہ ہو جانے کے وقت کوئی حق کسی دوکان کے کسی گڈول میں نہیں ہے۔ صرف اس وقت کے موجودہ مال اور نفع میں سے بقدر حصہ کے

نقد پانے کے حق دار رہیں گے۔
دورانِ مدت مذکورہ میں زید کا انتقال ہو جانے پر اس کے حقوق گڈول کا مستقل مالک صرف اس کا ایک بیٹا خالد رہے گا۔ زید کے حقوق گڈول کی قیمت مبلغ اسی ہزار روپیہ رکھی گئی ہے۔ پس زید کے بعد خالد کا فرض ہے کہ اس کے حقوق گڈول کی مذکورہ قیمت اسی ہزار روپیہ اور اس وقت کے موجودہ مال اور نفع میں سے اس کے حصہ کے حساب سے نقد روپیہ اس کے یعنی زید کے ترکہ میں شامل کرے تاکہ اس کے ورثاء بچوں، بیویوں میں جن میں خالد، جعفر، ایں تینوں بھی شامل ہیں میں حصص شرعیہ کے مطابق تقسیم ہو جائے۔ زید کے بعد خالد کو یہ حق بھی حاصل ہے کہ حسب تفصیل مذکورہ بالا بکر کو چالیس ہزار روپے نقد اور دوکان ۲۱ باستثناء ایک ٹکٹ بقیہ اس کے کل ٹکٹوں کے ساتھ دے کر اس کو شرکت سے بالکل علیحدہ کر دے اسی طرح بقیہ دو شریکوں کو بھی جن کا گڈول میں کوئی حق نہیں ان کی شرکت کی مقدار اس وقت کے موجودہ مال و نفع کا روپیہ دے کر شرکت سے علیحدہ کر دے۔

(۶) زید اور خالد دونوں کا انتقال ہو چکنے کے بعد مدتِ مذکور کے اندر بکر کا حق وہی رہے گا جو اوپر مذکور ہوا اس سے زیادہ نہیں۔

(۷) مذکورہ بالا جملہ شرائط دو برس کی مدت کے بعد بھی جب تک دوسرا نیا تحریری معاہدہ مکمل نہ ہو جائے واجب العمل رہیں گی۔ پس ارشاد ہو کہ بطور معروضہ بالا نیا تحریری معاہدہ شرعاً جائز ہے یا نہیں اگر ناجائز ہے تو اس کے قریب قریب جواز کی کون سی صورت ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب

صورت مسئولہ میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ شرکت شرکتِ عنان ہے۔ اور اس کا حکم یہ ہے کہ لا یملك الشريك الشركة الا باذن شريكه جوهرة كذا في الدر ج ۳: ص ۵۳۳)
پس زید کا اپنے دونوں بیٹوں کو فی الحال شریک دوکان کرنا شرکار سابقین کی اجازت پر موقوف ہے اور ان کے شریک کرنے سے اگر بکر اور خالد کے حصص میں

کمی آتی ہو تو اس کے لئے بھی ان کی اجازت بطیب قلب کی ضرورت ہے۔ یہاں یہ بات بھی قابل تنبیہ ہے کہ باپ کا بیٹوں کو شریک دوکان کرنا دو طرح پر ہے۔ ایک یہ کہ بیٹوں کا محض نام دوکان کے شرکاء میں شمار کر لیا جائے یہ شرکت معتبر نہیں اور اس صورت میں اولاد باپ کی معین شمار ہوگی۔ ان کا مستقل حصہ دوکان میں نہ ہوگا بلکہ اولاد کے حصص بھی باپ کی ملک ہوں گے جس میں باپ کے سب ورثاء کا حق شرعی ہوگا۔

دوسری صورت یہ ہے کہ اپنے بیٹوں کو اوّل کچھ سرمایہ یا نقد روپیہ برعایت شرائط ہبہ تملیکا دے دے اور بیٹے اس سرمایہ یا نقد کو دوکان میں لگا کر شریک ہوں۔ یہ صورت شرکت کی معتبر ہے۔ اس وقت ہر بیٹا اپنے حصہ کا مستقل مالک ہوگا جس میں دیگر ورثاء زید کا حق نہ ہوگا بلکہ ہر بیٹے کے حصہ میں صرف اسی کے ورثا حقدار ہو سکیں گے۔

قال فی تنقیح الفتاوی الحامدیۃ: واما قول علمائنا أبٌ وابن یکتسبان فی صنعۃٍ واحدۃ ولم یکن لهما شیءٌ ثم اجتمع لهما مالٌ یکون کلّہ للأب إذا کان الابن فی عیالہ فهو مشروط کما یعلم بعبارا تهم بشروط منها اتحاد الصنعۃ و عدم مال سابق لهما وکون الابن فی عیال ابیہ فاذا عدم واحد منهما لایکون کسب الابن للأب وانظر إلی ما عللوا بہ المسئلۃ من قولهم لأن الابن اذا کان فی عیال الأب یکون معینًا لہ فیما یصنع فمدار الحکم علی ثبوت کونہ معینًا لہ فیہ فاعلم ذلك اھ (ج ۲ /۱۸)

اور جس صورت میں باپ اپنے بیٹوں کو سرمایہ نقد دے کر دوکان میں شریک کرے۔ اس وقت شرعاً باپ کے ذمہ اولاد میں تسویہ ضروری ہے کہ ہر بیٹے کو برابر نقد یا سرمایہ دے ہاں یہ ضروری نہیں کہ ہر ایک کا سرمایہ یا روپیہ برابر حصہ کے ساتھ دوکان میں شریک کرے بلکہ اختیار ہے کہ کسی کا حصہ دوکان میں زیادہ رکھے کسی کا کم۔ اور سرمایہ یا روپیہ برابر لگا کر یہ بھی شرکاء کو حق ہے کہ نفع میں کسی شریک کا حصہ برابر رکھا جائے اور کسی کا کم۔ کیونکہ شرکت عنان میں باوجود مساوات رأس المال کے نفع میں زیادت و نقص ہو سکتا ہے مگر یہ سب شرکاء کی رضاء سے ہونا چاہیئے اس کے بعد

تحریر معاہدہ جدید میں جو یہ شرط کی گئی ہے کہ اگر دو برس مدّت مقررہ کے اندر بکر کو علیحدہ کیا جائے یا بکر خود علیحدہ ہو جائے یا زید کا انتقال ہو جائے تو چھوٹی دوکان عا معہ اس کے جملہ حقوق گڈول کے بجز ایک ٹکٹ کے بکر کو دے دی جائے گی الخ

اس میں علیحدہ کرنے کا حق صرف زید کے لئے ثابت کیا گیا ہے حالانکہ شرعًا ہر شریک شرکت کو فسخ کرکے دوسرے کو علیحدہ کرنے کا اور خود علیحدہ ہو جانے کا حق رکھتا ہے۔ اب اگر دوکان شرکاء کی ملک ہے تو یا تو دونوں اس کو تقسیم کرکے الگ الگ حصے بنالیں یا ایک شخص دوسرے کا حصہ اس کی رضامندی سے خرید کر ساری دوکان کا مالک ہو جائے۔ چاہے زید ایسا کرے یا بکر دونوں اس میں مساوی ہیں۔ یہ ضروری نہیں کہ بکر کے حصہ کو زید ہی خرید کر اسے الگ کر سکے اور بکر اس کے حصہ کو خرید کر اسے الگ نہ کر سکے یا زید ہی اگر چاہے تو بکر کو علیحدگی پر مجبور کرکے تقسیم دوکان کا مطالبہ کر سکے اور بکر ایسا نہ کر سکے اور اگر دوکان کرایہ کی ہے تو مالک دوکان جس شریک کو اپنی دوکان کرایہ پر دینے کے لئے راضی ہو۔ وہی دوسرے کو الگ کر سکتا ہے یعنی اگر مالکِ دوکان تنہا زید کو دوکان کرایہ پر دے تو وہ بکر کو الگ کر سکتا ہے اور اگر تنہا بکر کو دے تو وہ زید کو الگ کر سکتا ہے۔

دوسرے یہ کہ شرکت خواہ موت سے فسخ ہو یا شرکاء کی علیحدگی سے۔ بہر صورت جس شریک کو دوکان سے الگ کیا جائے اس کو اس کے حصہ کے موافق اصل اور نفع میں سے حصہ دیا جائے گا اور اس کے لئے ابھی سے دوکان عا کو تجویز کر دینا شرعًا خلافِ قاعدہ ہے۔ کیا معلوم اس وقت تک کس قدر حصہ ہو اور دوکان عا اس سے کم ہو یا زیادہ لہٰذا یہ شرط صحیح نہیں اور اگر بکر اس وقت اس کو منظور بھی کرے تو آئندہ اس کے موافق عمل کرنا اس پر واجب نہیں بلکہ وقت فسخ شرکت کے وہ ہر دوکان سے اپنے رأس المال اور نفع وغیرہ کے موافق حصہ لے سکتا ہے۔ خواہ وہ دوکان عا کے برابر ہو یا زیادہ اور جس طرح دیگر شرکاء اس کو دوکان عا سے الگ کرکے دوکان عا دینا چاہتے ہیں وہ بھی یہ حق رکھتا ہے کہ دیگر شرکاء کو عا سے الگ کرکے عا ان کو دے دے اور دوکان عا تنہا مالک سے کرایہ پر لے یا خرید لے اور شرکاء دوکان عا کو ان کے حقوق کا معاوضہ برضاء یک دیگر دے کر الگ کر دے اور اگر دوکان شرکاء کی ملک ہے تو تقسیم یا خرید کے لئے باہمہ دیگر رضامندی شرط ہو گی۔

اس کے بعد جو یہ شرط کی گئی ہے کہ اگر اس مدت مقررہ کے اندر بکر کا انتقال ہو جائے تو اس کے ورثاء کو موجودہ مال و نفع کے حساب سے نقد روپیہ اور بابت حقوقِ گڈول چالیس ہزار روپیہ ملا کر دیا جائے گا۔ اس کے علاوہ دونوں دوکانوں سے اس کے ورثاء کو کوئی سروکار نہیں ہوگا الخ

اس میں اوّل تو وہی کلام ہے جو اوپر گزر چکا کہ اگر یہ دوکانیں زید و بکر کی ملک ہیں تو جس طرح زید بکر کا حصّہ بکر کی رضا سے خرید کر ان دوکانوں کا مالک ہو سکتا ہے۔ یوں ہی ورثاءِ بکر بھی زید کا حصّہ زید کی رضامندی سے خرید کر دوکانوں کے مالک ہو سکتے ہیں اور اگر کرایہ کی ہیں تو دوکان سے کسی شریک کو علیحدہ کرنے کا حق مالک دوکان کو ہے۔ چاہے وہ زید کو کرایہ پر دے یا ورثاء بکر ان دونوں کو کرایہ پر لے لیں۔ دوسرے ورثاء بکر کو یہ بھی حق ہے کہ وہ سرمایہ ہر دو دوکانوں سے موافق حصّہ بکر کے عین سرمایہ لے لیں۔ قیمت سرمایہ لینے پر ان کو مجبور نہیں کیا جا سکتا البتہ جب کوئی شریک دوکان سے علیحدہ ہوگا پھر علیحدگی کے بعد حقوق گڈول میں بھی ان شرکاء کی شرکت باقی نہیں رہے گی۔ کیونکہ یہ حقوق شرکت راٴس المال کے تابع ہیں۔ جب اس میں شرکت منقطع ہوگئی تو توابع میں بھی منقطع ہو جائے گی۔ اب یا تو ورثا بکر ان ٹکٹوں اور مارکوں کو تقسیم کر لیں جو زید و بکر میں مشترک تھے اس طرح کہ بقدر حصّہ زید کے حقوق گڈول اس کے پاس ہیں اور بقدر حصّہ بکر کچھ ٹکٹ اور مارکہ ورثاء بکر کو دے دیئے جائیں یا اس وقت باہم رضامندی سے بطور صلح کے ان حقوق کا معاوضہ ایک شریک دوسرے کو دے دے جس کی کچھ مقدار ابھی سے مقرر کر دینا صحیح نہیں۔ کیا معلوم وقت فسخ شرکت کے کس قدر مقدار ہو اور اگر ان حقوق کا معاوضہ دوسرا شریک رضامندی سے نہ دینا چاہے تو پھر تقسیم سرمایہ کی وہ صورت ہوگی جو آئندہ آتی ہے۔

یہاں یہ بات بھی قابل تنبیہ ہے کہ حقوق ٹکٹ و مارکہ اصل مذہب کے موافق متقوم نہیں کیونکہ مارکہ کوئی عین نہیں ہے اور نہ کسی عین متقوم کے ساتھ لزوماً قائم ہے۔

ولکنّھم قالوا یجوز اخذ العوض فی الحق المجرّد علی وجہ الاسقاط للحق واستنبطوا من فرع فی مبسوط السرخسی وھو

ان العبد الموصى برقبة شخص و بخدمته للآخر لو قطع طرفه اوشج موضحة فأدى الأرش فإن كانت الجناية تنقص الخدمة يشترى به (اى بالإرش) عبد آخر يخدمه اويضمّ اليه ثمن العبد بعد بيعه فيشترى به عبد يقوم مقام الاوّل فإن اختلفا فى بيعه لم يبع وإن اصطلحا على قسمة الارش بينهما نصفين فلهما ذلك ولا يكون مايستوفيه الموصى له بالخدمة من الإرش بدل الخدمة لأنه لايملك الاعتياض عنها ولكنه اسقاط لحقه به كما لو صالح موصى له بالرقبة على مال دفعه للموصى له بالخدمة يسلم العبد له اھ .

قال الحموى فربّما يشهد هذا للنزول عن الوظائف بمال اھ قال فليحفظ هذا فانه نفيس جداً قال الشامى ثم استشكل ذلك بما مرّ من عدم جواز الصلح عن حق الشفعة والقسم فانه يمنع جواز اخذ العوض ههنا ثم نقل جوابه عن البيرى بما حاصله أن ثبوت حق الشفعة للشفيع وحق القسم للزوجة وكذا حق الخيار فى النكاح للمخيرة انّما هو لدفع الضرر عن الشفيع وامرأة وما ثبت لذلك لايصلح الصلح عنه لان صاحب الحق لما رضى علم انه لايتضرر بذلك فلا يستحق شيئاً امّا حق الموصى له بالخدمة فليس كذلك بل ثبت له على وجه البر والصلة فيكون ثابتاً له اصالةً فيصح الصلح عنه اذا نزل عنه لغيره ومثله ما مرّ عن الاشباه من حق القصاص والنّكاح والرق حيث صحّ الاعتياض عنه لأنه ثابت لصاحبه اصالةً لاعلى وجه رفع الضرر عن صاحبه ولا يخفى ان صاحب الوظيفة ثبت له الحق فيه بتقرير القاضى على وجه الاصالة لاعلى وجه رفع الضرر فالحاقها بحق الموصى له بالخدمة وحق القصاص وما بعده اولى من الحاقها بحق الشفعة والقسم . وهذا كلام وجيه لايخفى على نبيه وبه اندفع ماذكره بعض محشى الاشباه من المال الذى يأخذه النازل عن الوظيفة رشوة وهى حرام بالنص

والعرف لا يعارض النص وجه الدفع ما علمت من انهٗ صلحٌ عن حقٍ كما فی نظائرہٖ والرشوۃ لا یکون بحق واستدل بعضہم للجواز بنزول سیدنا الحسن ابن سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما عن الخلافۃ لمعاویۃ رضی اللہ عنہ علی عوض وھو ظاہرٌ ایضاً وھذا أولیٰ مما قدمناہ فی الوقت عن الخیریۃ من عدم الجواز ومن ان المفروغ لہ الرجوع بالبدل بناء علی ان المذھب عدم اعتبار عرف الخاص وأنہٗ لا یجوز الاعتیاض عن مجرد الحق لما علمت عن ان الجواز لیس مبنیًا علی اعتبار العرف الخاص علی ذکرنا من نظائرہٖ الدلالۃ علیہ وأن عدم جواز الاعتیاض عن الحق لیس علیٰ اطلاقہٖ ورأیت بخط بعض العلماء عن المفتی ابی السعود انہٗ افتی بجوازہٖ اخذ العوض فی حق القرار والتصرف وعدم صحۃ الرجوع الیٰ أن قال ویقال مثلہٗ فی الفراغ عن حق التصرف فی عشر مکۃ الأراضی (رد المختار ج ۴ / ۲۲)

وقد یستدل لذلک بما فی الدر وصح بیع حق المرور تبعًا للارض بعد خلافٍ ومقصوداً وحدہٗ فی روایۃ وبہ أُخذ عامۃ المشائخ شمنی (قال السائمانی وھو الصحیح وعلیہ الفتوی مضمرات ۲) شامی وفی أُخری لا وصححہٗ ابو اللیث اھ (ج ۴ : ۱۹۲)

واذا اختلفت التصحیح یوخذ بما ھو اسھل للناس وارق بہم

ہر چند کہ ان دلائل سے بظاہر حقوق ٹکٹ اور مارکہ کو کوئی متقوم کہہ سکتا ہے۔ مگر غور کرنے کے بعد ان کا تقوم ثابت نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ جتنی نظائر بیان مذکور ہیں ہی اُن کے اصل حق کا ثبوت شرعًا ہو چکا ہے اور یہاں کسی مارکہ کا کسی تاجر کے لئے مخصوص ہو جانا خود حق غیر ثابت ہوتا ہے۔

شرعًا اسماء و الفاظ یا نشانات میں کسی کا کوئی حق نہیں بلکہ یہ سب اپنی ذات سے مباح للکل ہیں۔ پس کسی تاجر کے لئے کسی مارکہ کا مخصوص ہونا اور دوسروں کو

اس سے روکنا مباح الأصل میں بندش اور حجر ہے اور گو مباح الاصل میں بعد قبض کے حق منع الغیر ثابت ہو جاتا ہے مگر یہ ان اشیاء میں ہے جو صالح للقبض ہوں اور ظاہر ہے کہ الفاظ یا نشان و مارکہ صالح للقبض نہیں کیونکہ عین نہیں۔ دوسرے اگر ایک کے نشان یا مارکہ کو دوسرا شخص استعمال کرنے لگے تو وہ عین اول کا استعمال نہیں بلکہ مثل کا استعمال ہے اور اگر دھوکہ اور تلبیس سے مخلوق کو بچانے کے لئے ایک شخص کا مارکہ دوسرے کے لئے ممنوع قرار بھی دیا جائے۔

کما قال علمائنا فی قولہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تسمّوا باسمی ولا تکتنوا بکنیتی وانہ نہی ان ینقش احد علی خاتمہ ویلحق بہ نقش خاتم الإمام والقضاۃ والولاۃ فینھی عن نقش احد علیہ لما فیہ من التلبیس والخداع) تو اس وقت رفع ضرر کے لئے ہوگا جیسے حق شفعہ و قسم زوجہ و خیار مخیرہ وغیرہ اور ایسے حقوق کا عوض نہیں لیا جا سکتا جیساکہ شامی کی عبارت میں مصرّح ہے اور بیع حقوق مرور کی روایت سے بھی اس کے متقوم ہونے پر استدلال نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ جو فقہا حق مرور کی بیع کو مفرداً صحیح کہتے ہیں وہ حق تعلی کی بیع کو جائز نہیں کہتے اور دونوں میں فرق یہ ہے کہ:

والفرق بینہ وبین حق التعلی حیث لا یجوز ھو ان حق المرور حقٌ یتعلق برقبۃ الأرض وھی مال ھو عین فما یتعلق بہ لہ حکم العین امّا حق التعلّی فمتعلق بالھواء فھو لیس بعین مال اھ (ج ۴/۱۸۳) اور بظاہر مارکہ کا تعلق محض دوکان سے نہیں ہوتا بلکہ ذات تاجر سے ہوتا ہے۔ اگر دوکان بدل جائے تو تاجر دوسری دوکان میں اسی مارکہ کو منتقل کر سکتا ہے۔ لہٰذا یہ ایسا حق ہے جس کا تعلق رقبہ متقومہ سے نہیں ہے بلکہ غیر متقومہ سے ہے۔ لہٰذا مارکہ یا ٹکٹ کا تنہا کوئی معاوضہ یا قیمت نہیں ہو سکتی مگر چونکہ یہ ایسی شئ ہے جس کی وجہ سے سرمایہ دوکان کی قیمت بہت بڑھ جاتی ہے حتیٰ کہ عرفاً خود یہ مارکہ بھی قیمتی شمار ہونے لگا ہے۔ اس لئے یہ بھی نہیں ہو سکتا کہ اس کو لاشئ اور کالعدم مان لیا جائے۔ پس ہمارے نزدیک فسخ شرکت کے وقت سرمایہ اور نفع کو تقسیم کرکے احد الشریکین کا دوسرے کو مارکہ کی قیمت جدا دینا تو صحیح نہیں کیونکہ مستقلاً اس

حق کی کچھ قیمت نہیں بلکہ معاہدہ یوں ہونا چاہئیے کہ وقت فسخ شرکت کے اگر مارکہ اتنے متعدد ہوں جن کو رأس المال و نفع کی نسبت کے موافق شرکا ریں تقسیم کیا جاسکے جب تو مارکہ اور رأس المال و نفع حصّہ رسد تقسیم کر دیئے جائیں گے اور اگر مارکہ متعدد نہ ہوں اس لئے تقسیم نہ ہو سکیں تو جو شریک مرجائے یا ازخود فسخ شرکت کرے اگر وہ یا اس کے ورثار سرمایہ کو بانٹنا چاہیں تو اس کی صورت یہ ہوگی کہ جو شخص حقوق مارکہ لینا چاہے اس کی طرف سرمایہ کم لگایا جائے گا اور جو حقوق مارکہ نہ لینا چاہے اس کی طرف سرمایہ زیادہ لگایا جائے گا اور زیادت کی مقدار وہ ہوگی جس سے اس شخص کے حقوق مارکہ کی عرفی قیمت وصول ہو جائے (فلا یلزم فی ھذہ الصورۃ بیع الحق المجرّد بل تبعاً للعین المتقوم فکان کحق المرور مع رقبۃ الارض ۱۲)

اور اگر باہم رضامندی سے ایک شریک یا اس کے ورثار سرمایہ کو تقسیم نہ کرنا چاہیں بلکہ اپنے سرمایہ کا معاوضہ لے کر شرکت فسخ کرنا چاہیں تو اس وقت ان کے سرمایہ کی وہ قیمت لگائی جائے گی جو حقوق مارکہ کی عرفی قیمت ملا کر ہوتی ہے

شرط چہارم میں جعفر و امین کو حقوق گدّول سے محروم کیا گیا ہے. اگر ابتدار شرکت ہی میں ان کا کوئی حصّہ گدّول میں نہیں رکھا گیا تو یہ شرط صحیح ہے لیکن اس صورت میں زید پر یہ الزام عائد ہوگا کہ اس نے بعض اولاد کو بعض پر ترجیح دی گو اس سے شرکت کے جواز و عدم جواز پر کوئی اثر عائد نہیں ہوتا لیکن فی نفسہٖ اولاد میں تو یہ لازم ہے. پس اگر زید نے ان لڑکوں کو جنہیں حقوق گدّول سے محروم کیا گیا ہے کچھ نقد یا سرمایہ اس قدر دے دیا ہو جس سے وہ اس بیٹے کے برابر ہوگئے ہوں جو حقوق گدّول میں شریک رہے.

گو اس نقد سرمایہ کا تعلق دوکان سے نہ ہو بلکہ دوکان سے علیحدہ ان کو دے دیا گیا ہو اور دوکان میں کسی وجہ سے ان کا حصّہ گدّول میں نہ رکھا گیا ہو تو ترجیح بعض الاولاد علی البعض کا گناہ نہ ہوگا ورنہ یہ خرابی باقی رہے گی. نیز جعفر و امین وقت علیحدگی کے محض نقد لینے پر مجبور نہیں کئے جا سکتے بلکہ اگر وہ چاہیں تو بقدر اپنے حصّہ کے سرمایہ دوکان بھی لے سکتے ہیں.

شرطِ پنجم میں زید کا انتقال ہو جانے پر اس کے حقوق گڈول کا مالک صرف خالد کو قرار دیا گیا ہے اس میں خرابی یہ ہے کہ خالد کا حصّہ دوسرے ورثار سے بہت زیادہ ہو گا کیونکہ ان حقوق کی وجہ سے سرمایہ کی قیمت بڑھ جاتی ہے۔ پس جس بھائی کو بدون ان حقوق کے سرمایہ دیا جائے گا۔ خالد کا سرمایہ ان حقوق کے ساتھ مل کر بہت قیمتی ہوگا اس کی تلافی کے لئے جو خالد کو وصیت کی گئی ہے کہ وہ ان حقوق کے بدلے میں اسّی ہزار روپے ترکہ میں شامل کرے اس میں اوّل تو دوسرے ورثار کو خالد کا محتاج بنانا ہے۔ دوسرے وہی حقوق مجرّدہ کی بیع ہے جو جائز نہیں۔ اس کی صورت یہ ہونی چاہئے کہ زید کے بعد اگر حقوق متعدد ہوں تو ورثاء بر حصّہ رسد منقسم ہو سکیں تب تو سرمایہ کے ساتھ سب ورثاء ان کو بھی تقسیم کرلیں اور اگر متعدد قابل قسمت نہ ہوں تو جس کی طرف حقوق مار کہ لگائے جائیں۔ اس کی طرف سرمایہ کا حصّہ کم لگایا جائے کیونکہ یہ سرمایہ قلیلہ ان حقوق کی وجہ سے قیمت میں زیادہ ہوگا۔ باقی یہ بات ورثاء کی باہمی رضامندی پر ہے کہ کون حقوق گڈول سے دست بردار ہو کر سرمایہ زیادہ لے اور کون کم کرے اور ان حقوق کا مالک ہو اور اگر صرف خالد ہی کو حقوق گڈول کا مالک بنانا چاہے تو اس کی صورت یہ ہے کہ زید اپنی حیات میں اپنے حقوق گڈول کا مالک خالد کو بنا دے اور اس کی وجہ سے جو خالد کو دوسرے بھائیوں پر ترجیح لازم آئے گی اس کی تلافی دوسرے طریقہ سے کردے کہ دوسرے بھائیوں کو نقد یا سرمایہ اتنا دے دیا جائے کہ وہ بدون حقوق مارکہ کے خالد کے برابر ہو جائیں اس دفعہ میں خالد کو بھی بکر کو علیحدہ کرنے کا اسی تفصیل پر حق دیا گیا ہے جو پہلے مذکور ہوئی۔ اس کا حکم ہم اوپر بیان کر چکے ہیں۔

دفعہ ۶ میں یہ لکھا گیا ہے کہ زید و خالد کے بعد مدت مذکورہ کے اندر بکر کا وہی حق رہے گا جو اوپر مذکور ہوا۔ اس کے متعلق یہ امر قابل بیان ہے کہ بکر کے حقوق گڈول کی تحریر

ع یعنی یہ شرط تو صحیح ہے کہ بکر کے جتنے حقوق گڈول اس وقت ہیں دو برس تک وہی رہیں گے۔ ان حقوق کے بڑھانے کا اس مدّت میں اس کو حق نہیں البتہ حقوق گڈول کے معاوضہ کی تحریر صحیح نہیں نیز یہ شرط بھی صحیح نہیں کہ اس وقت بکر کے جس قدر (بقیہ اگلے صفحہ پر)

تو صحیح ہے لیکن سرمایہ اور نفع کے متعلق تحریر صحیح نہیں ممکن ہے کہ اس کا نفع و سرمایہ اتنا بڑھ جائے جس کے معاوضہ کے لئے دو دکان ۲؎ کافی نہ ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم

حررہٗ الاحقر ظفر احمد عثمانی عفا اللہ عنہ
۲۸ شعبان ۱۳۴۳ھ

شرکت و اجارہ دونوں جمع نہیں ہو سکتے

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس بارہ میں کہ زید دوکان میں اپنے ساتھ شریک بکر، خالد، جعفر، امین ملا کر کل پانچ شریک قرار دیتا ہے جن میں زید اور بکر دو بڑے حصہ دار ہیں اور پچھلے تینوں چھوٹے حصہ والے ہیں اور چونکہ پچھلے تینوں شریک خالد، جعفر، امین کے حصوں کا نفع ان کے حق المحنت کو دیکھتے ہوئے ناکافی ہے۔ اس لئے چاہتا ہے کہ بقدر حصہ نفع کے علاوہ خالد کو چار سو روپیہ ماہوار اور جعفر اور امین کو ڈھائی ڈھائی سو ماہوار دوکان سے دیا کرے تو آیا ایسا کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں۔ اگر ناجائز ہے تو کون سی صورت ایسی ہے جس میں ان کا حق المحنت پورا ان کو مل جایا کرے۔ درآں حالانکہ اس کے لئے ان کا حصہ بڑھا دینے کے بعد پھر گھٹانا زیادہ دشوار ہے بہ نسبت اس کے کہ ان کی مذکورہ تنخواہوں میں حسب موقع کمی بیشی کی جایا کرے۔ بینوا توجروا

الجواب

صورت مذکورہ میں شریک کا اجیر ہونا لازم آتا ہے اور شرکت اور

(حاشیہ صفحہ گذشتہ سے پیوستہ) حقوق گڈول ہیں۔ وقت علیحدگی و فسخ شرکت کے اس کے معاوضہ میں صرف دو دکان ۲؎ کے حقوق دیئے جائیں گے کیونکہ ممکن ہے کہ اس وقت دونوں دکانوں میں جس قدر حقوق گڈول بکر کے ہیں دو برس کے بعد وہ اتنے قیمتی ہو جائیں کہ صرف دو دکان ۲؎ کے حقوق گڈول اس کے لئے کافی نہ ہوں پس صحت تحدید سے مراد صرف یہ ہے کہ ان حقوق کی تعداد و نسبت کی تحدید صحیح ہے۔ تحدید عوض مراد نہیں۔ ۱۲ ظ

اجارہ جمع نہیں ہو سکتے، اس کی صورت جوازیہ ہے کہ اصل سرمایہ میں تو ان شرکاء کا حصہ نہ بڑھایا جائے مگر نفع میں بڑھایا جائے۔ مثلاً جس شریک کا حصہ دو کان ۱/۴ ہے اس کا حصہ نفع میں ۱/۳ کر دیا جائے اور اس کے لئے تمام شرکا کی رضا شرط ہے پھر اگر زیادت نفع بھی دواماً منظور نہ ہو تو اس کے لئے باہمی معاہدہ تحریری سے ایک میعاد مقرر کر دی جائے کہ فلان فلان شرکا کی حسن کارکردگی کی وجہ سے فلاں میعاد تک ان کا حصہ نفع میں بڑھایا جاتا ہے اور شرکت عنان میں رأس المال کی نسبت سے نفع کا زیادہ ہونا جائز ہے[۱] واللہ اعلم۔

حررہٗ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ
۲۲ شعبان ۴۳ھ

حکم شرکت والد و اولاد در کسب سوال: کیا فرماتے ہیں علمار کرام اس مسئلہ میں کہ زید کے پانچ فرزند ہیں۔ عمرؔو، خالدؔ، ولیدؔ، فخرؔ علی، ولی احمدؔ اور تین اولاد نابالغ ہیں۔ عبداللہ عبدالرحمٰن، فاطمہؔ۔ زید نے اپنی ذاتی محنت سے ہزار روپیہ کے نقود و اجناس و اراضی کسب کئے پھر جب عمر خالد وغیرہ ہوشیار اور قابل کسب ہوئے تو بمعیت ان کے چار ہزار روپیہ کا مال کمایا۔ غرض فی الحال زید کے پاس پانچ ہزار کا مال موجود ہے اور کاروبار زید کے ہاتھ میں ہے۔ اموال مشترکہ ہیں۔ کس نے کس قدر کسب کیا اور کہاں تک محنت کی منضبط نہیں ہے اور نہ انضباط تحقیقی ہو سکتا ہے۔ ولید نے تقریباً آٹھ سال تک علم حاصل کیا۔ اس نے سب کے نقود مشترکہ میں سے بہت سے روپے خرچ کئے۔ طالب علمی سے فارغ ہونے کے بعد اپنے باپ اور بھائیوں کے ساتھ تھوڑے عرصہ تک کسب معاش میں شریک رہے اور ولی احمد کی ابھی تک شادی نہیں ہوئی۔

اب زید فرزندوں سے اور فرزند ہر ایک دوسرے سے جدا ہونا چاہتے ہیں۔ پس تقسیم اموال ان میں کیونکر ہوگی آیا بقدر کسب بطور تخمین ہوگی یا جملہ اموال زید کا قرار دے کر فرزندوں کا اجر مثل دیا جائے گا اور ایام ماضیہ کا نان و نفقہ اجر مثل سے وضع ہوگا یا حکم مقاصہ کیا جائے گا۔ ولید کا کیا حکم ہے کہ اس نے زیادہ خرچ کیا۔ ولی احمد کی مؤنۂ شادی سب کے ذمہ پر ہے یا صرف باپ کے ذمہ ہوگی۔ نابالغ اولاد کو بھی حصہ ملے گا یا نہیں۔ نیز تحریر فرمائیں کہ تقسیم چار ہزار میں جاری ہوگی یا پانچ ہزار میں اور یہ بھی

(۱) ویجوز التفاضل فی الربح مع تساویھما فی رأس المال (ھندیۃ ج ۲/۳۱۰)

قلمبند فرمادیں کہ صورت مسئولہ میں اگر کاروبار کسی فرزند کے ہاتھ میں ہو تو کیا حکم ہے۔
بینوا بالکتاب توجروا اجراً جزیلاً عند الوھاب۔

الجواب

زید نے جو اپنے لڑکوں کو کاروبار میں اپنے ساتھ شریک کیا ہے تو اس کی صورت کیا تھی۔ آیا زید نے ہر بیٹے کو کچھ رقم یا سرمایہ ہبۃً دے دیا تھا۔ پھر وہ رقم یا سرمایہ کاروبار میں لگا کر لڑکا شریک تجارت ہوا یا باپ نے کسی بیٹے کو کچھ رقم ہبۃً نہیں دی۔ نہ سرمایہ دیا اور نہ بیٹوں کے پاس اپنی ذاتی رقم یا سرمایہ تھا جس کو کاروبار میں ملا کر وہ شریک ہوئے ہوں بلکہ بیٹے ویسے ہی بدون رقم دیئے کام کرنے لگے اور اس شرکت سے کام کو ترقی ہوئی۔ پس صورت اولیٰ میں تو یہ البتہ شرکت ہے اور ہر شخص اپنی رقم و سرمایہ کی نسبت سے اس وقت اصل و نفع میں مستحق ہوگا اور صورت ثانی میں یہ شرکت ہی نہیں بلکہ کل سرمایہ زید کی ملک ہے اور سب لڑکے اس کے معین شمار ہوں گے اور جس لڑکے پر زیادہ خرچ ہوا اس صورت میں وہ سب باپ ہی کا خرچ ہوا اس سے زیادت کے رجوع کا حق کسی کو بھی نہیں۔ نیز اولاد کو اپنے سے علیحدہ کرنے کے لئے زید کو اس صورت میں یہ ضروری نہیں کہ اس سرمایہ کو ان میں تقسیم کرے بلکہ اولاد بالغین کو بدون کچھ سرمایہ دیئے بھی الگ کر سکتا ہے اور اگر ان کو کچھ سرمایہ دے کر الگ کرے تو یہ اچھا ہے اور اس صورت میں سب کو برابر سرمایہ دے اور نابالغوں کو اپنے ساتھ ملائے رکھے۔ بلوغ سے پہلے ان کو الگ نہیں کر سکتا۔

قال فی الحامدیہ: ابٌ وابن یکتسبان فی صنعة واحدة ولم یکن لهما شیٔ ثم اجتمع لهما مال یکون کله للأب اذا کان الابن فی عیاله واجاب خیر الرملی عن سوالٍ آخر بقوله حیث کان من جملة عیاله والمعینین له فی اموره واحواله فجمیع ما حصله بکره وتعبه فهو ملكٌ خاص لابیه لاشیٔ له فیه حیث لم یکن له مالٌ. لو اجتمع له بالکسب جملة اموال لانه فی ذالك لابیه معین اھ (ص ۱۸ ج ۲)

واللہ تعالیٰ اعلم حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ
از خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون
۳ رمضان ۱۳۴۳ھ

طباعت کتب میں شرکت اور بغیر اجازت شریک دوسرے شخص کو شریک معاملہ کرنے کا حکم

سوال: زید و عمر میں ایک درسی کتاب کے متعلق یہ طے پایا کہ اس کی تیاری میں جو اخراجات پیش آئیں گے اس میں دونوں کی شرکت بقدر نصف لاگت ہوگی مگر نفع میں زید کو ۴/ اور عمر کو ۱۲/ ۔ مثلاً کتاب کی لاگت ایک ہزار روپیہ ہو تو ۵۰۰ روپیہ زید ادا کرے گا اور ۵۰۰ روپے عمر چونکہ عمر اس کی طباعت اور فروخت کا انتظام بھی کرے گا لہٰذا نفع میں فی رر میں ۴/ زید کے اور ۱۲/ عمرو کے ہوں گے۔ چنانچہ زید نے پہلی قسط ادا کر دی ہے۔ عمر کے پاس روپیہ نہیں ہے لہٰذا عمر نے خالد کو اس معاملہ میں اس طرح شریک کیا کہ خالد ۲۵۰ ادا کرے اور نفع میں ۴/ اس کو بھی دیئے جائیں گے۔ گویا اب صورت حال یہ ہے کہ کل رقم زید اور عمر ادا کریں اور نفع میں ۴/ زید کے ۴/ خالد اور ۸/ عمر کے ہوں۔ زید کو اس معاملہ کی قصداً اطلاع نہیں کی گئی باقی خالد کو پہلی شرط کی جو زید سے طے ہوئی تھی اطلاع کر دی گئی ہے یہ معاملہ جائز ہے یا نہیں؟ اگر زید کو اطلاع بھی مل گئی تو اس کو کسی قسم کا نقصان خالد کو شریک کرنے سے نہیں ہوگا۔ اگر یہ صورت جائز نہ ہو تو کوئی صورت جواز کی نکل سکتی ہے یا نہیں جو صورت جواز کی ہو تحریر فرمائی جاوے۔

الجواب

فی العالمگیریۃ: ولیس لہ أن یشارك غیرہ إذا لم یشترط وعقد الشرکۃ أن یعمل کل واحد منہما برأیہ ھو الصحیح کذا فی الذخیرہ اھ (ص ۱۸۷ ج ۳) اس سے معلوم ہوا کہ ایک شریک بدون اذن شریک آخر (خواہ خصوصاً ہو یا عموم الفاظ سے) کسی اجنبی کو شریک کر لینا جائز نہیں لہٰذا صورت مذکورہ میں شریک اوّل کی اجازت ضروری ہے۔

واللہ اعلم۔ حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ
۹ محرم الحرام ۱۳۴۴ھ

باپ بیٹے نے اپنی کمائی گھر میں مشترکہ صرف کی اس کا حکم

سوال: زید کی حیات میں اس کے لڑکے عمر نے زید کے سرمایہ سے ایک مکان اور کچھ جائیداد صحرائی اپنے نام سے خریدی۔ لیکن مرحوم نے کوئی تعرض نہیں کیا نہ اپنے نام منتقل کرایا۔ جائیداد مذکورہ پر ۱۹ سال تک زید مرحوم ہی قابض و متصرف رہے اور اس کی آمدنی کو اپنے تصرف میں لاتے رہے۔ علی ہذا مکان میں زید و عمر دونوں سکونت پذیر رہے جس میں کہ اب عمرو سکونت رکھتا ہے۔ عمرو کے اپنے زمانہ ملازمت دس سال میں بزمانہ حیات زید مرحوم جو کچھ کمایا وہ بھی بشرکت اپنے والدین کے گھر میں صرف کرتا رہا تو اس صورت کا کیا حکم ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب

عمر نے جو زمین اپنے والد کی حیات میں اپنے نام سے خریدی ہے اور باپ نے اس سے تعرض نہیں کیا اور نہ اپنے نام داخل خارج کرایا اور نہ انتقال رسمی کا مطالبہ کیا اور نہ کوئی ثبوت اس امر کا ہے کہ عمر کے نام فرضی بیعنامہ کسی مصلحت سے کیا گیا اور اصل بیع و شراء زید کے لئے تھی تو اس صورت میں وہ زمین عمرو کی ملک قرار دی جائے گی اور باپ کا اس کی آمدنی میں تصرف کرتا رہنا علامت ملک والد نہ ہوگی۔ کیونکہ اس کا اشتراک مصارف و اختلاط ہے۔

قال فی تنقیح الفتاوی الحامدیۃ: نقلاً عن البزازیۃ والولوالجیہ وعبارتہا رجل تصرف زمانا فی ارض ورجل آخر رأی الأرض والتصرف ولم یدع ومات علی ذالک لم تسمع بعدہ ذالک دعوی ولدہ فتترک فی ید المتصرف لأن الحال شاھدٌ اھ (ص ۲ ج ۲) قلت والشراء علی اسمہ تصرف قوی وکذا الادخال والإخراج علی اسمہ واداء خراج الحکومۃ من لوازم البیع باسمہ۔

اور مسؤلہ صورت میں جب عمر اپنے باپ کے ساتھ صنعت میں معین ہو کر نہ کماتا تھا تو اس کی آمدنی خالص اسی کی ملک ہو گی۔ پھر جو رقم اس نے باپ کے ساتھ شریک ہو کر گھر میں خرچ کر دی اس کا مطالبہ ترکہ میں سے عمر نہیں کر سکتا کیونکہ سوال سے معلوم ہوتا ہے کہ باپ کی رقم اس کو لگتی تھی اور اس کی رقم باپ کو لگتی تھی فتقاصّا :
البتہ جو رقم اس طرح خرچ ہوئی کہ عمر نے اس کی کوئی چیز خرید کر گھر بھیجی اور چیز اب تک موجود ہے خواہ منقول ہو یا غیر منقول ہو اس کا حکم یہ ہے کہ جو چیز عمر نے بزمانہ ملازمت خود خریدی ہے وہ اس کی ہے اور جو باپ نے خریدی ہے وہ ترکہ ہے (۱) واللہ اعلم۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ
۵ رشعبان ۴۶ھ۔

ایک وارث کے شرکہ ترکہ میں تجارت کرنے کی ایک صورت کا حکم

سوال: وراثت کا روپیہ قبل تقسیم ہونے کے کسی شریک نے بلا اطلاع دوسرے شریک کے کسی کو مضاربت پر دے دیا اور مضارب نے اس میں کچھ تصرف کیا۔ مال خرید کر بیچا اور نفع بھی ہو گیا تو یہ مضاربت صحیح ہوئی یا نہیں اور جو نفع ہوا ہے مضارب اس میں سے نصف نفع مقررہ لینے کا مستحق ہے یا نہیں؟

الجواب

جس شریک نے مضاربت پر روپیہ دیا ہے نفع مقررہ اس کی ملک تو ہو گیا لیکن اس میں سے فقط اپنے حصۂ وراثت کے مطابق اس کو حلال ہے اور باقی نفع خبیث ہے۔ اس لئے دوسرے ورثاء کو بقدر ان کے حصص دے دے یا محتاجوں کو دے دے۔

کما فی عالمگیریۃ: لو تصرف احد الورثۃ فی الترکۃ المشترک وربح فالربح کلہ للمتصرّف وحدہ کذا فی الغیاثیہ وفیہ ایضاً

(۱) اس سوال وجواب میں تقسیم ترکہ کا سوال وجواب بھی ہے تاہم یہاں پر صرف مشترکہ خرچ سے متعلق سوال وجواب لیا گیا ہے۔

بعد اسطر سُئل ابوبکر عن شریکین جُن احدهما وعمل الآخر بالمال حتی ربح او وضع قال الشرکۃ بینہما قائمۃ إلی ان یتمّ اطباق الجنون علیہ فاذا قضی ذلک یتفسخ الشرکۃ بینہما فاذا عمل بالمال بعد ذالک فالربح کلہ للعامل والوضیعۃ علیہ وہو کالغصب بمال المجنون فیطیب لہ من الربح حصّۃ مالہ ولا یطیب لہ من مال المجنون فیتصدّق بہ کذا فی المحیط قال الشامی: وفی القہستانی ولہ ان یؤدیہ الی المالک ویحل لہ التناول لزوال الخبث ص۱۸۴ ج۵

اور مضارب کے لئے بھی یہی حکم ہوگا کہ کل نفع مقررہ اس کی ملک ہے لیکن جس شریک نے اس سے عقد مضاربت کیا ہے اس کے حصّہ کے موافق حلال ہے اور زائد حلال نہیں بلکہ دوسرے شرکار کو دے دے یا فقرار کو دے دے

وھذا ھو مقتضی القواعد ولم ارہٗ صریحًا ۔ واللہ اعلم ۔

الجواب صحیح
ظفر احمد عفا اللہ عنہ
۹ شعبان ۴۴ھ

کتبہ الاحقر
عبدالکریم عفی عنہ
۹ شعبان ۴۴ھ

مقدمہ میں شرکت کی مشترکہ رقم صرف کرنے کا حکم

سوال: کیا فرماتے ہیں علمار دین اس مسئلہ میں کہ زید وعمر شہر سہارنپور میں ایک کارخانہ میں برابر کے شریک ہیں اور دونوں کے درمیان یہ معاہدہ ہوگیا تھا کہ جو شخص جس قدر روپیہ کارخانہ سے خرچ کے لئے لے گا اس کا اندراج اس کے نام پر ہوگا اور وقت حساب کتاب ایک دوسرے سے کمی بیشی مجرا دے لے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوتا رہا۔ بعدہٗ اہل سہارنپور پر موقع محرم پیش آیا جس میں اکثر مسلمانان شہر سہارنپور پر جھوٹے الزام ہندوؤں نے لگائے۔ چونکہ زید وعمر بھی مسلمان تھے اور ان کا کاروبار اچھے پیمانہ پر تھا اور ہندوؤں کی نگاہوں میں وہ ناگوار تھا اس بناء پر ہندوؤں نے زید وعمر پر الزام لگایا چنانچہ دونوں نے اپنے اپنے معاملہ میں کوشش کی اور خرچ کرکے۔ بحمد للہ بری ہوگئے اور دونوں کے خرچ بالامتیاز علیحدہ علیحدہ حسب دستور سابق ہوئے۔ اخراجات زید وعمر میں تفاوت ہے۔ دریافت طلب

امر یہ ہے کہ الزام جو اہل ہنود نے زید وعمر پر لگائے وہ بوجہ کاروبار مشترکہ جو ان کو ناگوار تھا اور بوجہ اس کے کہ زید وعمر مسلمان تھے اور اس سے نجات دونوں نے اپنے اپنے خرچ سے بالامتیاز حاصل کی تو تحریر فرمائیے کہ عندالشرع شریف دونوں شخص حسب معاہدہ مذکورہ مقررہ خود اپنے اپنے خرچ کے متحمل ہوں گے یا یہ کل اخراجات مقدمات مشترکہ کاروبار کارخانہ سے ہوں گے۔ بینوا توجروا۔

الجواب

ان اخراجات کا ہر شخص علیحدہ علیحدہ متحمل ہوگا اور حسب معاہدہ سابقہ ایک دوسرے سے کمی بیشی مجرا لے گا۔ یہ اخراجات مشترکہ کارخانہ سے برنہ ہوں گے۔ اخراجات مشترکہ کارخانہ وہ ہوتے ہیں جو تجارت کے متعلقات میں سے ہوں مثلاً مال لانے یا فروخت کرنے کے لئے سفر کرنا یا دوکان پر آنے جانے والے تجار کی خاطرداری کرنا وغیرہ وغیرہ۔ اور اخراجات مقدمہ اس قسم سے نہیں بلکہ یہ ذاتی اخراجات ہیں پس ان کا بار ہر شریک پر الگ الگ ہے۔ واللہ اعلم۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ
از تھانہ بھون، ذیقعدہ ۴۴ھ

بالغ ونابالغ ورثاء کے مشترکہ جائیداد میں تصرف کا حکم

سوال: حضرت میرے خسر صاحب نے چھ وارث چھوڑ کر انتقال کیا ان میں سے ایک میری خسری صاحبہ پانچ میں سے دو بالغ ایک میری بیوی اور ایک میرا سالا اور تین نابالغ ہیں۔ اب عرض یہ ہے کہ اگر وہ مال شرکت میں رہے تو بالغ کی اجازت سے اس میں سے ہمارا کھانا از روئے فتوی کیسا ہے۔ دیگر عرض یہ ہے کہ اگر بالغ ونابالغ مل کے دستکاری سے کوئی مال کھادے اور اب تک وہ مال تقسیم بھی نہیں ہوا اور بالغ نے کھانا کھلانا چاہا تو اس کے کھانے میں کیا حکم ہے؟

الجواب

قال فی الهداية فشركة الاملاك العين يرثها رجلان ويشتريانها فلا يجوز لاحدهما أن يتصرف فی نصيب الآخر الا باذنه وكل واحد منهما فی نصيب صاحبه كالاجنبی اھ

وفی الحاشیہ عن الظهيرية . أن الشركة اذا كانت بينهما من الابتداء بأن اشتريا حنطةً او ورثاها كانت كل حبةٍ مشتركة بينهما اھ

(ج ۲ ص ۶۰۴)

ترکہ مشترکہ میں اگر ورثا رسب بالغ ہوں تب تو ایک وارث دوسروں کی اجازت سے اس میں تنہا تصرف کر سکتا ہے اور اگر نابالغ بھی ہوں تو اس وقت کوئی بھی بدون تقسیم ترکہ کے اس میں تصرف نہیں کر سکتا۔ کیونکہ نابالغ کا اذن معتبر نہیں۔ پس صورتِ مسئولہ میں ترکہ غیر منقسمہ سے سائل کا یا کسی اور کا کھانا جائز نہیں اور یہی حکم کسب مشترک کا ہے۔ واللہ اعلم حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ

۱۵ ذوالحجہ ۱۳۴۶ھ

مضارب بغیر کوئی وصیت کئے فوت ہو جائے تو مال کی حفاظت اور ضمان کا حکم

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ زید نے عمر سے بطور مضاربت روپیہ لے کر تجارت میں لگایا۔ اتنے میں اس کا یعنی زید کا انتقال ہو گیا اور مرتے وقت کسی قسم کی وصیت نہیں کی۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ وہ مال تجارت کس کا حق ہے اور اس کی حفاظت کس کے ذمہ ہے۔ رب المال کے یا مضارب کے اور اگر وہ مال تجارت اتفاق سے ضائع ہو جائے تو نقصان کس کا سمجھا جائے گا اور آیا اس روپیہ کی بابت وارثان زید پر عمرو کو کس قسم کا جبر کرنے کا حق ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

فی العالمگیریة: (ص ۲۰۰ ج ۵) وان كانت المضاربة حين مات المضارب عروضًا او دنانير (اى وكان رأس المال دراهم) فأراد رب المال أن يبيعها مرابحةً ولم يكن له ذلك والذى يلى بيعها وصى المضارب فان لم يكن له وصى جعل القاضى له وصيًّا يبيعها فيوفى رب المال رأس ماله وحصته من الربح ويعطى حصة المضارب من الربح غرماءه وقال فى المضاربة الصغيرة يبيعها وصى الميت ورب المال وما ذكرهنا اصح كذا فى المبسوط۔

اس سے معلوم ہوا کہ اصح یہ ہے کہ وصیِ المضارب نہ ہونے کی صورت میں یا تو

قاضی اس کی جانب سے وصی مقرر کردے جو مال فروخت کرکے رأس المال اور نفع میں سے مضارب کو دے دے یا ربّ المال بدون مرابحہ اس مال کو فروخت کرکے سرمایہ وصول کرلے اور جو چیز اتفاقاً گم ہوگئی ہے اس کا ضمان واجب نہیں۔ اگر تعدی سے نقصان ہوا ہو تو تعدّی کرنے والے پر ضمان ہے۔ واللہ اعلم۔

الجواب صحیح — احقر عبدالکریم عفی عنہ

ظفر احمد عفی عنہ — ۱۹ ربیع الثانی ۱۳۷۴ھ

مضاربت میں کل نقصان ربّ المال کے ذمہ ہوگا مضارب کے ذمہ کچھ نہیں

سوال: زید نے بکر کو روپیہ دیا۔ بکر کام کرنے والا ہے اور زید صرف روپیہ دینے والا ہے اور ان دونوں میں منافع میں یہ شرط قرار پائی ہے۔ زید ایک حصّہ منافع لے اور بکر دو حصّے اور اسی طرح نقصان میں بھی زید ایک حصّہ نقصان اٹھائے اور بکر دو حصّے۔ کیا یہ طریق معاملہ شرعاً درست ہے اس کا منافع سود ہوگا یا نہیں؟

الجواب

صورت مذکورہ میں عقد مضاربت صحیح ہے لیکن کل نقصان فقط روپیہ والے کے ذمہ ہوگا۔ (مضارب) کام کرنے والے کے ذمہ اس میں سے کچھ نہ ہوگا۔

کمافی الدّر: فی الجلالیة کل شرط یوجب جھالة فی الربح او یقطع الشرکة فیه یُفسدھا والاّ بطل الشرط وصحّ العقد اعتباراً بالوکالة وفی رد المحتار (قوله بطل الشرط) کشرط الخسران علی المضارب (ج ۴/ ۴۲۷) واللہ اعلم۔

صحیح — احقر عبدالکریم عفی عنہ

ظفر احمد عفا عنہ — ۴ ذوالحجہ ۱۳۷۴ھ

۴ ذی الحجہ ۱۳۷۴ھ

شریک کو بوجہ زیادتِ عمل کے منافع کے علاوہ تنخواہ دینے کا حکم

سوال: دوکان لمیٹڈ ہوجانے کی حالت میں شرکاء دوکان میں سے جو شریک دوکان میں کام کرتے ہیں کوئی مینجر (منتظم) ہوتا ہے اور کسی کے متعلق دوکان کا دوسرا کام ہوتا ہے تو ان کام

کرنے والے شریکوں میں سے ہر شریک کو مینجری وغیرہ کی اس کے کام کے لائق علیحدہ تنخواہ ہے اور جو شریک کام نہیں کرتا اس کو تنخواہ نہیں ملتی بلکہ صرف نفع پانے کا حقدار ہوتا ہے پس ارشاد ہو کہ کام کرنے والے شرکاء کو اس طرح تنخواہ دینا جائز ہے کہ نہیں ؟ ۔ بینوا توجروا

الجواب

شریک کا اجیر ہونا درست نہیں بلکہ صورت جواز یہ ہے کہ جو شریک مینجر ہو اس کا حصہ منافع میں زیادہ کر دیا جائے مثلاً جو شریک مینجر نہیں ان کا حصہ روپے میں دو آنہ ہے تو مینجر کا حصہ روپیہ میں چار آنہ کر دیا جائے لیکن یہ جائز نہیں کہ اس کی تنخواہ مقرر کی جائے۔ واللہ اعلم۔

الجواب صحیح
اشرف علی عفی عنہ
۲۲ محرم ۱۳۴۷ھ

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ
از تھانہ بھون ۲۰ محرم الحرام ۱۳۴۷ھ

شرکت ختم کرنے پر ایک شریک کو نقد لینے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا

سوال (۱) زید و عمر دو شخصوں نے مل کر برابر کے ساجھے سے برتنوں کی دوکان کھول رکھی ہے۔ ابتداً شرکت میں زید کے پاس تو برتن تھے اور عمر نے نقد روپیہ لگایا عمر چونکہ تجارت کے کام سے ناواقف تھا اور زید واقف کار۔ اس لئے دوکانداری کا سارا کام اور نفع و نقصان وغیرہ اب تک زید ہی کے ہاتھوں سے ہو رہا ہے۔ تجارت مذکورہ میں چونکہ آمدنی کی نہایت قلت اور خرچ کی نسبتاً زیادتی کی وجہ سے اصل پونجی میں بھی ایک بڑی رقم گھٹ چکی ہے اور ایسی صورتیں نظر آرہی ہیں جن سے اندیشہ ہے آگے چل کر مزید نقصان پر منتج ہوں گی۔ اس لئے عمر اب چاہتا ہے کہ زید سے شرکت منقطع کر لے۔ زید نے قطع شرکت کی یہ صورت تجویز کی ہے کہ عمر کے حصے کی جو کچھ مالیت نکلے اس کا نقد روپیہ ادا کرنے کا وعدہ زید عمر کو تحریر کر دے لیکن عمر چاہتا ہے کہ بجائے نقد رقم کا وعدہ لینے کے اپنے حصہ کا مال ظروف دوکان سے لے کر علیحدہ ہو جائے تو شرعاً عمر کو اپنی خواہش کے مطابق اس صورت پر عمل پیرا ہونے کا حق ہے یا نہیں ؟

(۲) ابتداء شرکت میں زید کے پاس جو برتن تھے ان میں کچھ ایسے نکلے کہ وہ فروخت

ہونے میں نہیں آتے اور اگر فروخت ہو بھی سکیں تو اصل قیمت سے بھی نہایت کم قیمت اٹھے گی عمرو چونکہ ابتداءِ شرکت کے وقت محض ناواقف تھا۔ اس لئے ان برتنوں پر کچھ اعتراض نہ کیا اور بعد میں ان برتنوں کا نقص معلوم ہونے پر دل ہی دل میں گھٹتا رہا لیکن اب قطع شرکت کے لئے ظروف کی تقسیم ہوئی تو کہا ان نہ فروخت ہونے والے برتنوں کو بھی باہم تقسیم کرنا پڑے گا یا وہ زید ہی کو اپنے حصّے میں لگا لینا چاہیئے؟

(۳) زید نے خریداری ظروف کی فرمائشیں حاصل کرنے کے لئے پردیسوں کو سفر کیا وہاں سے کچھ فرمائشیں ملی جن میں صرف اتنا نفع ہوا کہ سفر کا خرچ نکل آئے گا لیکن اس نفع کے حصول میں ابھی دیر ہے اور عمرو شرکت قطع کرنا چاہتا ہے اس لئے زید کہتا ہے کہ سفر مذکورہ میں جو خرچہ ہوا ہے وہ میں اپنے ذمّہ لے لیتا ہوں تاکہ عمرو کو اس خرچ سے اور جو نفع فرمائشوں سے حاصل ہونے والا ہے اس سے کچھ واسطہ نہ رہے جس کی وجہ سے اُسے حصول نفع کا انتظار کرنا پڑے اور شرکت قطع ہونے میں یہ کسر باقی رہے تو کیا یہ صورت شرعًا درست ہے؟

الجواب

(۱) شرکت کے بعد دوکان کا مال دونوں شریکوں میں مشترک ہو گیا ہے اس لئے ایک شریک کو نقد لینے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا جب تک کہ وہ خوشی سے اسے منظور نہ کرے۔

(۲) یہ ناقص برتن بھی مشترک ہیں اس لئے ہر شریک کے حصّے میں یہ بھی لگائے جائیں گے اور عمرو کا ناواقف ہونا عذرِ معتبر نہیں جبکہ اس نے بعد واقف ہونے کے ان پر اعتراض نہیں کیا اور ان برتنوں کے ساتھ شرکت کو باقی رکھا۔

(۳) شریکین کی رضامندی سے ایسا ہو سکتا ہے اگر عمرو اس پر راضی نہ ہو ان فرمائشوں کا منافع بھی مشترک تقسیم کر لیا جائے اور سفر خرچ بھی مشترک سرمایہ سے وصول کر لیا جائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

حرّرہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ

از تھانہ بھون

۲۲ محرم ۶۷ھ

بیٹے کا مجنون والد کی دوکان میں تجارت کرنا نیز مجنون کے مال میں تصرف کا حکم

سوال: عرض حال یہ ہے کہ والد صاحب کی طبیعت پہلے سے ازحد خراب ہوگئی ہے. نماز وغیرہ کی بالکل خبر نہیں رہتی دوا مشکل سے پیتے ہیں، کھانا بھی بہت ہی کم کھاتے ہیں دعا کی ضرورت ہے.

اب عرض یہ ہے کہ والد صاحب کے مال میں سے ہم لوگ خرچ کس طرح اٹھائیں. مال ان کا علیحدہ علیحدہ کرلیں یا ایک ہی جگہ رہے اور جس طرح اٹھتا رہا ہے اسی طرح اٹھتا رہے. نیز بیٹے کو ان کی دوکان میں تجارت جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

زوجہ کا نفقہ تو ان کے ذمہ ــــــ شرعاً واجب ہے لہٰذا زوجہ اپنا نفقہ بطریق معروف جس طرح ان کی صحت حواس میں ان کی رضاء سے لیا کرتی تھیں لے سکتی ہیں اسی طرح نابالغ بچوں اور بالغ ناکتخدا لڑکیوں کا نفقہ بھی ان کے ذمہ واجب ہے. وہ بھی بطریق معروف ان کے مال سے لیا جاسکتا ہے ہاں بالغ لڑکوں کا ان کے ذمہ واجب نہیں جبکہ وہ اپاہج ومعذور نہ ہوں پس بالغ لڑکے جو کمانے کھانے کی قدرت رکھتے ہیں ان کو جائز نہیں کہ ان کے مال میں سے بعد جنون کے کچھ بھی لیں کیونکہ جنون کے بعد اہلیت اذن فوت ہوگئی اور جملہ معاملات سابقہ کالعدم ہوگئے. رہا یہ کہ بیٹے کو ان کی دوکان کے مال میں تجارت بھی جائز ہے یا نہیں؟ اس میں تفصیل ہے:

قال في الدر وتبطل الشركة اى شركة العقد بموت احدهما إلى ان قال و بجنونه مطلقاً. فالربح بعد ذالك للعامل لكنه تتصدق بربح مال المجنون اھ.

قال الشامي: فالشركة قائمة إلى أن يتم اطباق الجنون فتنفسخ فما ذا عمل بعد ذالك فالربح كله للعامل والوضيعة عليه وهو كالغصب لمال الجنون فيطيب له ربح ماله لاماربح من مال المجنون فيتصدق به بحر عن التاتارخانيه قال وظاهره أنه لا يحكم بالفسخ الا باطباق الجنون وهو مقدر بشهر أو بنصف حول على الخلاف ص ۳۴۲ ج ۳.

وفی الدر ایضاً وتنفسخ (الاجارہ ۱۲) بلاحاجة الی الفسخ (بموت أحد عاقدین) عندنا لا بجنونه مطبقاً (عقدها لنفسه) لا لضرورة کموته فی طریق مکة ولاحاکم فی الطریق فتبقی الی مکة فیرفع الامر إلی القاضی لیفعل الأصلح فیؤجرها له لوامینا اویبیعها بالقیمة لیدفع له اجرة الایاب إن برهن علی دفعها وتقبل البینة هنا بلا خصم لانه یرید الأخذ من ثمن ما فی یده اشباه اھ

قال الشامی: لأن الاجارة کما تنتقض بالاعذار تبقی فلیحفظ وقال ایضاً تحت قوله لابجنونه مطبقاً قال فی الدر المنتقی ولا بردته الآن یلحق بدارهم ویقضی به فان عاد مسلماً فی المدة عادت الإجارة الخ. ص ۷۸، ۷۹ ج ۵ کتاب الاجارة۔

حاصل اس کا یہ ہے کہ بیٹا اگر اس دوکان میں شریک ہے کہ کچھ مال اس کا ہے اور کچھ مجنون کا ہے تو جنون کامل کے بعد شرکت فسخ ہوگئی اس کے بعد بھی اگر وہ تجارت کرتا رہے تو کل نفع اسی کی ملک ہوگا لیکن اپنے حصے کا نفع تو اس کو حلال ہے اور مجنون کے حصہ کا نفع حلال نہیں بلکہ اس کو تصدق کردے (اور بہتر یہ ہے کہ مجنون کے دوسرے ورثاء کو دے دے ۱۲) اور نقصان اگر ہوا تو وہ سب اُسی پر ہوگا۔ مجنون پر خسارہ کا کوئی جزء نہ ہوگا اور اگر لڑکا شریک نہیں بلکہ اجیر ہے تو جنون سے اجارہ فسخ نہیں ہوا جتنی مدت کے لئے عقدِ اجارہ ہوا ہو اس مدّت تک عقد اجارہ باقی ہے۔ یہ شخص دوکان میں کام کرتا ہے اور تنخواہ لیتا رہے۔ مدّت اجارہ ختم ہوجانے کے بعد عقدِ اجارہ ختم ہوجائے گا۔ اس کے بعد اگر لڑکے نے دوکان میں تجارت کی تو اس کا وہی حکم ہے جو شرکت کا اوپر گذر چکا کہ کل نفع اس کی ملک ہوگا اور خسارہ بھی اسی پر ہوگا مگر یہ نفع طیب نہ ہوگا بلکہ اس کا تصدّق واجب ہوگا اور بہتر یہ ہے کہ کل نفع کو ورثاء مجنون پر تقسیم کردے واللہ اعلم

(تنبیہ) اگر مجنون کے پاس نقد رقم جمع نہیں جو اس کی بیوی اور نابالغ لڑکوں اور تاکتخدا لڑکیوں کو کافی ہوسکے بلکہ ان کے نفقہ کے لئے دوکان چلانا ضروری ہو تو اس صورت میں بیوی کو چاہیئے کہ حکومت میں استغاثہ کرے کہ مجھ کو مجنوں کی دوکان

کے چلانے کی اجازت دی جائے تاکہ نفقہ حاصل ہو سکے پھر اس کے بعد بالغ لڑکے کو دوکان چلانے پر مقرر کیا جائے اور اس کی اجرت عمل ماہوار مقرر کی جائے یا نفع میں حصہ مقرر کیا جائے باقی جب تک مجنون زندہ ہے اس وقت تک اس کے مال کو تقسیم نہیں کیا جا سکتا اور اگر حکومت سے اجازت حاصل کرنے میں دشواری ہو اور اس کی برادری میں باثر نیک پنچایت ہو تو پنچایت کی اجازت بھی مثل حکومت کی اجازت کے کافی ہے۔

فإن الغرض منه حفظ مال المجنون والتوقی عن التهمة الغصب وهذا يتاتى بكلا الوجهين . والله تعالىٰ اعلم.

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ

۲۰ صفر ۶۷ھ

محض زبانی شرکت کے بعد اگر مشترکہ مال ہلاک ہو جائے تو شریک پر کوئی ضمان نہیں آئے گا۔

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ محمد صدیق، جلال خان، نصیر الدین مظفر نگر سے عازم سفر حج ہوتے روغن زاد حسب ذیل ہمراہ لیا۔ محمد صدیق ۳۰، نصیر الدین ۲۵، مظفر نگر میں یہ بات طے ہو گئی تھی کہ جلال خان نصف گھی محمد صدیق سے لیں گے۔ بمبئی پہنچ کر محمد صدیق کے گھی پر بہ محصول ریل کا اضافہ ہو گیا۔ جلال خاں نے گھی لینے اور صرفہ دینے سے انکار کیا۔ اب نصیر الدین اور محمد صدیق جہاز پر سوار ہونے کے بعد گھی میں جو نصیر الدین کے پاس تھا شریک ہو گئے۔ اور بمبئی سے تا عرب روانگی اور واپسی میں دونوں نے یہ گھی کھایا۔ جدہ پہنچ کر چونکہ کنستر محمد صدیق کا بند تھا۔ اس کو اصرار کے ساتھ موٹر میں رکھ لیا اور نصیر الدین کا گھی بذریعہ شتر مکہ مکرمہ بھیجا۔ مکہ مکرمہ پہنچ کر موٹر ڈرائیور سے گھی کے کنستر کا مطالبہ کیا اس نے لاعلمی ظاہر کی جس کا استغاثہ حکومت میں ہوا اور حکومت نے موٹر والے سے حلف لے کر دعویٰ خارج کیا۔ اب مکہ مکرمہ میں محمد صدیق اپنے گم شدہ گھی کے کنستر کے نصف قیمت کا مطالبہ نصیر الدین سے کرتے ہیں اور نصیر الدین اپنے گھی کی نصف قیمت کا مطالبہ محمد صدیق سے کرتے ہیں۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ آیا گم شدہ گھی کا مطالبہ محمد صدیق کو نصیر الدین سے کرنا صحیح ہے یا نہیں اور صرف شدہ گھی کا مطالبہ نصیر الدین کو محمد صدیق سے کرنا صحیح ہے یا نہیں؟

تنقیح

جلال خان کے انکار کے بعد نصیر الدین اور محمد صدیق کی جو شرکت محمد صدیق کے کنستر میں ہوئی وہ کن الفاظ سے ہوئی ہے۔ آیا نصیر الدین نے یہ کہا تھا اس گھی کا نصف میں بعوض اتنی قیمت کے خریدتا ہوں اور محمد صدیق نے کہا میں بیچتا ہوں یا بیع و شراء کے الفاظ نہیں کہے گئے صرف یہی کہا گیا کہ میں شریک ہوتا ہوں اسی طرح محمد صدیق نصیر الدین کے گھی میں بیع و شراء کے الفاظ سے شریک ہوا یا صرف یہی کہا کہ میں تمہارے گھی میں شریک ہوں۔

جواب تنقیح

بیع و شراء کے الفاظ نہیں کہے گئے بلکہ مظفر نگر میں یہ کہا گیا تھا کہ نصیر الدین کا گھی خرچ ہونے کے بعد اسی قدر محمد صدیق کے کنستر سے لے لیا جائے گا۔

الجواب

صورت مسئولہ میں اگر واقعہ اسی طرح ہے جو سوال و جواب تنقیح میں مذکور ہے تو اس صورت میں چونکہ نصیر الدین کا گھی شرکت کے بعد دونوں شریکوں کے تصرّف میں آچکا ہے اس لئے محمد صدیق کے ذمّہ نصیر الدین کے گھی کی نصف قیمت واجب الادا ہے اور محمد صدیق کے کنستر میں چونکہ محض لفظی شرکت ہوئی ہے اور محمد صدیق نے اس کا نصف نصیر الدین کو سپرد نہیں کیا نہ اس کے تصرف میں آیا اس لئے محمد صدیق کے گھی کی کچھ بھی قیمت نصیر الدین کے ذمّہ نہیں بلکہ وہ اس سے بری الذمّہ ہے۔

قال في الهندية: اشترى رجل شيئاً فقال له رجل آخر اشركني فيه فأشركه فهذا بمنزلة البيع فان كان قبل قبض الذي اشترى لم يصح ولو اشركه بعد القبض ولم يسلمه اليه حتى هلك لم يلزمه ثمن، ويعلم انه لابد من قبول الذي اشركه لان لفظا شركتك صار ايجاباً للبيع هكذا في فتح القدير ولو كان رجل في بيته حنطة فاشرك رجلاً في نصفها فلم يقبض احترق نصفها فإن شاء المشترك اخذ نصف ما بقي وإن شاء ترك وكذا البيع اھ (ص ۸۰، ج ۳) قلت واما في صورة المسئولة فعلى الصديق

نصف ثمن سمن نصیرالدین ولوکان لم یقل اشرکتك لوجود الشرکة عملاً واکل الصدیق سمنهٗ فعلیہ ضمان ما أکل یکون نصیرالدین لم یرضی بأکلہ من سمنہ الّا بالعوض فلم یکن متبرّعا فغایۃ ان تکون الشرکۃ فاسدۃ وحکمہ ما بیّناہٗ فاعلم ذلك واللہ تعالیٰ اعلم۔

حرّرہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ

۹ ربیع ۲ ۴۷ھ

شرکت سے علیحدگی کے وقت شریک کو اپنا قرض وصول کرنے کا وکیل بنانے کی ایک صورت

سوال: بندہ ایک شخص کے ساتھ دوکانداری کرتا ہے۔ اب اس سے علیحدہ ہونے کا ارادہ ہے۔ اسامیوں کی طرف جو روپیہ تقاضا میں ہے وہ حصّہ رسدی تقسیم کرکے اپنے اپنے ذمہ لے لینا بہت دشوار ہے کیونکہ شریک حصّہ دوکان میں ۱۱/ اور میرا ۵/ ہے۔ میرا شریک یہیں کا باشندہ ہے اور میں یہاں وصول رقم کے لئے قیام نہیں کرسکتا۔ اگر میں شریک کو یہ کہوں کہ میرے حصّے کا تقاضا تم ہی اپنے ذمّہ لے لو نرم گرم اسامیوں کے نقصان کے بدلے اس کو چار پانچ سو روپے پٹہ دے دیا جائے اور اپنی باقی ماندہ روپیہ کی اس سے ہنڈیاں نکھالی جائیں تو یہ طریقہ شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو کیا صورت اختیار کرنی چاہیئے۔

الجواب

پٹہ اور سود کی صورت تو حرام ہے۔ جائز صورت یہ ہے کہ شریک سے جتنی رقم وہ دے سکتا ہے قرض لے لی جائے اور اس سے کہہ دیا جائے کہ میں تم کو اپنے تمام قرض کے وصول کرنے کا وکیل بناتا ہوں۔ اوّل اس سے اپنا قرض وصول کر لو اس کے بعد جو فاصل رہے اس کو بھی وصول کرکے اپنے قبضہ میں رکھو وہ میں نے تم کو بعد وصول کے ہبہ کیا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حرّرہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ

۱۴ صفر ۴۸ھ

شیر دار گائے میں شراکت کی ایک صورت

سوال: ہم ایک شیر دار گائے میں دو شریک ہیں ایک دوسرے سے کہتا ہے کہ اس بچھڑے کی باری سالم مجھے دیجیے کہ صرف میں ہی دودھ پیوں اور جب دوسرے کی باری آئے گی تو دودھ صرف تیرا

ہی ہو گا۔ دوسرا کہتا ہے کہ ہر وقت دودھ کو نصفا نصف یا صبح کا تو اور شام کا میں یا ایک فریق کو حصہ کے موافق روپیہ دے کر گائے کا فیصلہ ہونا چاہیئے۔ اس میں کون سی صورت جائز اور کون سی ناجائز ہے؟

الجواب

یہ صورت کہ اس بچھڑے کا دودھ سالم ایک پئے دوسرے کا دوسرا جائز نہیں جائز صورت یہ ہے کہ ہر وقت کا دودھ تقسیم کر لیا جائے اور صبح و شام کی تقسیم کی جائے تو ہر شخص کو دودھ کا حساب رکھنا ضروری ہو گا جس نے زیادہ دودھ لیا ہے وہ زیادت کو دوسرے شریک پر تقسیم کرے اگر یہ نہ ہو سکے تو ایک شخص اپنا حصہ دوسرے کے ہاتھ بیچ کر الگ ہو جائے مگر کوئی دوسرے کو بیع پر مجبور نہیں کر سکتا۔ یہ محض ہر شریک کی خوشی پر ہے۔ اگر بیع پر کوئی راضی نہیں ہوا تو بس ہر وقت کا دودھ تقسیم کر لیا کریں۔ (کذا فی الہدایۃ) واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ
۸ رمضان المبارک ۴۸ھ

مشترکہ زمین کو دوسرے شرکا کی اجازت کے بغیر مزارعت پر دینے کا حکم

سوال: ایک علاقہ میں رواج ہے کہ مزارع کو زراعت کے لئے زمین دی جاتی ہے۔ نصف یا ثلث یا ربع غلہ زمین پر مالک زمین کے اگرچہ شرکا کثیر ہوں۔ زمین کی جو آمدنی ہے اس کا نصف مزارع کا ہو گا اور نصف مالکین کا ہو گا۔ اب اسی بناء پر زید مالک زمین نے عمرو مزارع کو کوئی بیس بیگہ زمین زراعت کے لئے دی ہے کہ نصف آمدنی زید کی اور نصف عمرو کی ہو گی۔ لیکن واقع میں اس رقبہ زمین میں زید کی دو ہمشیرہ بھی بوجہ وراثت کے حصہ دار ہیں لیکن رواج کی رو سے ان کو مستحق نہیں سمجھا جاتا۔ نصف آمدنی عمرو مزارع لیتا ہے اور نصف زید لیتا ہے۔ اب اگر زید اپنی ہمشیرہ کو حصہ دیتا ہے جب بھی عمرو تو آمدنی کا نصف ہی لیتا ہے اور زید ربع لیتا ہے۔ غرض اس سے یہ معلوم کرنا ہے کہ آیا عمرو جو نصف لیتا ہے اس میں غیر کا حق مخلوط ہے یا نہیں۔ اگر غیر کا حق حصہ عمرو میں مخلوط ہے تو وہ کیونکر مخلوط ہو سکتا ہے حالانکہ اگر زید اپنی دونوں ہمشیراؤں کو شرع کے موافق رقبہ زمین سے حصہ دیتا اور زمین میں شریک کر لیتا اور پھر کل زمین عمرو کو زراعت کے لئے دی جاتی جب بھی تو عمرو کو یہی نصف

آمدنی کا ہوتا جو عدم تشریک کی حالت میں آرہا ہے۔ اور زید کو ربع آتا۔ تشریک کی حالت میں کیونکہ ربع اپنی دونوں ہمشیراؤں کو دینا پڑتا۔ غرض یہ کہ صورت مذکورہ میں عمرو کا حق غیر میں بلا اجازت ورضا تصرف ہے یا نہیں؟ اور جو زید کو حصّہ آمدنی کا آیا وہ درست ہے یا نہیں؟

الجواب

اقول وباللہ التوفیق: قال فی الحامدیۃ غاب أحد شریکی الدار فاراد الحاضران یسکنہا رجلاً ویؤجرہا رجلاً لا ینبغی ان یفعل ذالک دیانۃً اذ التصرف فی ملک الغیر حرام ولا یمنع قضاءً إذ الإنسان لا یمنع من التصرف فیما بیدہ لو لم ینازعہ أحد فلو آجر و أخذ الأجر یرد علی شریک قدر نصیبہ لو قدر والّا یتصدّق لتمکن الخبث فی حق شریکہ فکان کغاصب آجر یتصدق بالأجر او یردہ علی المالک وامّا نصیبہ فیطیب لہ اھ (ص ۹۰ ج ۱) وأجاب عمّا إذا باع الشرکاء حصّتہم من الثمرۃ الّا واحداً منہم عناداً والمشتری لا یرضی الّا بشراء الجمیع وکذا إذا آجروا الا واحداً منہم بقولہ لا یجبر ان یبیع مع الشرکاء بل یبیعون حصّتہم فقط إذا تجد الثمرۃ وتقسم وکذالک فی الدار لا یجبر علی الاجارۃ بل یؤجر شرکاءہ حصصہم والمستاجرون یہائیون الممتنع فی اسکنی بقدر انصابہم (ص ۹۱ ج ۱)

عبارات بالا سے معلوم ہوا کہ صورت مسئولہ میں زید کے لئے اس زمین کی پیداوار میں سے جو نصف غلّہ طے پایا ہے اس میں سے بقدر اس کے حصّہ کے جائز ہے اور بقیہ دوسرے ورثاء کو دینا واجب ہے اور مستاجر یعنی عمرو کے لئے جو نصف قرار پایا ہے وہ اس کو لینا جائز ہے اگر اس کو یہ معلوم نہیں کہ اس زمین میں ایک کے سوا کوئی اور شریک بھی ہے یا شرکت کا علم ہے لیکن دوسرے شرکاء کے إذن کا علم نہیں اور اگر دوسرے شرکاء کا عدم اذن معلوم ہے تو عمرو کے لئے اس زمین میں کاشت کرنا بقدر حصّہ زید کے حلال ہے اور دیگر شرکاء کے حصّہ میں کاشت اس کو حلال نہیں ہے پھر زید

کے حصّہ میں اس زمین کے جتنے سہام ہوں اس میں تو عقد درست ہے اور دیگر ورثاءؑ کے حصّوں میں درست نہیں بلکہ ان کی زمین میں جو اس نے کاشت کی ہے اس میں سے بقدر تخم و اُجرت مثل کے حلال ہے۔ زائد حلال نہیں بلکہ اس کا تصدق واجب ہے البتہ اگر عمرو زید کو اس زمین کی پیداوار کا نصف کامل نہ دے بلکہ نصف میں سے بقدر اس کے حصّہ کے دے اور باقی دیگر ورثاء کے پاس پہنچادے اور وہ اس پر راضی ہوں تو دوسرا نصف جو عمرو کے لئے طے ہوا ہے پورا عمرو کے لئے حلال ہے جس کا تصدق واجب نہیں۔

قال فی الحامدیة، اذا زرع ارض غیره بلا أمره لا یکون غصبًا بل یحل علی المزارعة وحصة رب الأرض علی ما جری علیه عرف القریة من ثلث او ربع والقول الثانی جواب الکتاب أنه یکون غاصبًا والزرع کله له لکن یتصدق لما فضل عن بذره وأجر مثله والقول الثالث أنه یکون مزارعة إذا کان صاحبها اعدها للإستغلال بأن کان یدفعها مزارعة بغیره ولا یزرعها بنفسه اھ (ص ۱۵۸ ج ۲)

قلت واذا علم عدم رضاء الشرکاء وعدم اذنهم فالظاهر کونه غاصبًا لا مزارعًا واللہ اعلم۔

حرّرہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ
۱۳ ذی القعدہ ۴۵ھ

شرکتِ عنان میں عامل کے لئے اس کے حصّے سے زیادہ نقصان کی شرط لگانے کا حکم

سوال: پانچ آدمیوں نے مشترکہ چھ ہزار روپے کے سرمایہ سے (جس میں میری بیوی کا پانچ سو روپیہ شامل ہے) ایک تجارتی دوکان بنام عبدالحکیم محمد سلیمان جاری کی ہے اس میں یہ شرطیں قرار پائیں۔

(۱) چھ شرکاء میں سے عبدالحکیم، عبدالرحیم، محمد سلیمان دوکان کا تمام کاروبار کریں گے۔

(۲) نفڑے کی نشست یعنی تمام داد و ستد کا کلی اختیار حقیقۃً عبدالحکیم کے ہاتھ میں ہوگا۔ باقی دونوں شخص اس کے احکام کی پیروی کرتے رہیں گے۔ روپے

کی تحویل بھی عبدالحکیم کے سپرد رہے گی۔

(۳) میعاد شرکت تین سال قرار دی گئی ہے۔ اس کے بعد علیحدہ ہوتے کا اختیار ہوگا۔ میعاد مذکورہ کے درمیان اگر کوئی علیحدہ ہونا چاہے اور سب شرکاء منظور بھی کرلیں تو اس کے روپے کی ادائیگی متفقہ اقساط کی قرارداد پہ ہوگی۔

(۴) شرکاریا کارکنندوں میں نزاعی اختلاف ہونے پر احقر کاتب الحروف کا فیصلہ واجب التسلیم ہوگا

(۵) نفع نقصان ½ حصّہ اصل رقم چھ ہزار روپیہ کا اور ½ تینوں مذکورہ اشخاص کا ہوگا۔ یعنی اگر نفع ہوگا تو حاصل شدہ کے نصف حصّہ کے تینوں کارندے مستحق ہوں گے اور باقی نصف حصّہ اصل رقم چھ ہزار پر تقسیم ہوگا جس کو ہر ایک شریک اپنی مقدار رقم کے موافق پانے کا مستحق ہوگا۔ مثلاً جس کے پندرہ سو ہیں وہ پندرہ سو کے جو دو ہزار والا ہے وہ دو ہزار کا میری بیوی صرف پانچ سو کے پانچ سیکڑہ کی مستحق ہوگی اور اگر خدانخواستہ گھاٹا ہوجائے وہ بھی بطریق مذکور آدھا تینوں کارندے بھگتیں گے اور آدھا اصل رقم چھ ہزار پر پڑے گا۔ خلاصہ یہ کہ نفع ہونے پر تینوں آدھا نفع لیں گے تو گھاٹے کی صورت میں گھاٹا بھی آدھا دیں گے اور علاوہ اس کے اپنے اپنے حصّہ کی رقم کا نفع نقصان بھی ان کے حصّہ میں آوے گا۔

مرقومہ بالا تفصیل کے بعد مندرجہ ذیل سوالات کے جوابات کی ضرورت ہے۔

(۱) کیا یہ معاملہ مضاربت قرار پائے گا یا شرکت۔

(۲) مضاربت ہوئی تو تینوں کارندے گھاٹا ہونے کی صورت میں اپنے مقررہ حصّے کا گھاٹا بھگتنے کے مستحق ہوں گے یا کل گھاٹا رقم کے ذمّہ پڑے گا اور وہ اجر مثل پانے کے حقدار ہوں گے اور مضاربت صحیحہ ہوئی یا فاسدہ مکروہہ یا غیر مکروہہ۔

(۳) شرکت ہو تو فاسدہ ہوئی یا صحیحہ مکروہہ ہوئی یا غیر مکروہہ فاسدہ ہو تو پھر وہ کارندہ کس چیز کے مستحق ہوں گے گھاٹا بھگتنے کے یا اجرت مثل پانے کے۔

(۴) کچھ لین دین کی مجبوریاں ایسی ہیں کہ بیاج دینے سے دوکان بچ نہیں سکتی اگرچہ اب سودی روپیہ لانے کی ضرورت ہوئی تو میں نے اپنے حصّہ کا روپیہ دے کر کہا کہ باقی روپیہ کا سود سب شرکاء اپنے پاس سے ادا کریں۔ انہوں نے منظور کرلیا مگر پھر بھی

بسا اوقات دوکان کو بیاج دینا ہی پڑتا ہے جو سال کے ختم پر بصیغۂ اخراجات ظاہر کیا جاتا ہے اس کے منہا کرنے کے بعد منافع قرار پایا جاتا ہے تو کیا میری بیوی اور میں چونکہ درمیانی واسطہ ہوں دوکان کے اس بیاج دینے سے دونوں گنہگار ہوتے ہیں۔ بوقت شرکت روپیہ کی اتنی کمیت قرار دی تھی کہ مجھ کو بیاج دینے کا وہم وخیال بھی نہ ہوا۔ بینوا توجروا۔

تنقیح

السلام علیکم۔ میرا جو طرز ہے جواب دینے میں وہ مقتضی ہے کہ جواب سے قبل بعض سوال کروں۔ اگر ان سوالوں کا جواب دینا خلافِ مصلحت ہو تو استفتاء دوسری جگہ بھیج دیا جائے۔

ع۱: عقد کے جواز یا عدم جواز کو اس کے انعقاد کے قبل کیوں نہیں دریافت کیا گیا۔

ع۲: اب کیا اختلاف باہمی ہوا جس کے فیصلہ کرنے کے لئے استفتاء کی ضرورت ہوئی اہل اختلاف میں سے ہر ایک کا قول کیا ہے۔

ع۳: کیا اس فیصلہ کو سب مانیں گے؟

جواب تنقیح

نحمدہٗ ونصلی۔ عالیجاہ۔ سلام مسنون کے بعد عرض ہے۔

(۱) انعقاد شرکت کچھ ایسی جلدی میں ہوا کہ نہ کتابیں دیکھ سکا نہ حضور سے استفتاء کر سکا۔ ہاں اپنی بیوی کی طرف سے اپنی شرط منوائی تھی شریعت کے خلاف ہو گی تو شریعت کے موافق کرنی لازمی ہو گی ورنہ میں علیحدہ ہو جاؤں گا۔ بہرحال سخت غلطی ہوئی۔

(۲) باہمی کوئی اختلاف نہیں، جو گھاٹا ہوا تھا مذکورہ شرائط کے بموجب سب نے تسلیم کر لیا۔ انہی شرائط پر دوکان چلائی جا رہی ہے۔ میں یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ میری بیوی خلاف شرع شرکت کے گناہ میں تو مبتلا نہیں۔

(۳) جبکہ شرائط میں یہ تسلیم کیا گیا ہے۔ میرا فیصلہ ناطق سمجھا جاوے گا اور آنجناب کا فیصلہ شرعی مجھے واجب التسلیم ہے تو باقی شرکار اوّل تو ایسے نہیں کہ شرعی نقطہ نظر سے چون وچرا کریں۔ ثانیاً یہ کہ میرا فیصلہ ناطقیت والی شرط پر واجب التسلیم ہو گا۔

الجواب

یہ صورت شرکت عنان ہے جس میں تساوی مال شرکا ضروری نہیں اور تفاضل فی الربح بھی جائز ہے جبکہ زیادت ربح کی شرط عامل کے لئے ہو۔ تساوی اموال کی صورت میں یا اس شخص کے لئے ہو جس کی رقم زیادہ ہے مگر اس میں تفاضل فی الوضیعہ کی شرط صحیح نہیں یعنی کسی پر نقصان زیادہ نہیں ڈالا جا سکتا بلکہ نقصان ہر شریک پر اسی نسبت سے عائد ہوگا جو اس کے رأس المال کی نسبت ہے۔

قال فی الدر: وتصح مع التفاضل فی المال دون الربح وعکسه اھ

قال الشامی قید بالربح لأن الوضیعة علی قدر المال۔ وإن شرطا غیر ذالک کما فی الملتقی وغیرہ (ج ۳ ص ۵۲۸)

اور شرکت شروط فاسدہ سے فاسد نہیں ہوتی بلکہ شرط فاسد ہی خود باطل ہو جاتی ہے۔ صرح به الدر والشامیة (ج ۳/ ۵۳۱)

پس صورت مذکورہ میں شرکت فاسد نہیں ہوئی البتہ یہ شرط خلاف شرع ہے۔ کہ عاملین کو جس طرح نفع زیادہ دیا جاتا ہے نقصان بھی زیادہ دیا جائے لہٰذا اس شرط کو بدلا جائے اور اس پر عمل نہ کیا جائے بلکہ نقصان ہر شخص پر اس کے رأس المال کی نسبت سے ڈالا جائے۔

قال الشامی (قوله مع التفاضل فی المال دون الربح) ای بأن یکون لأحدهما ألف وللآخر الفان مثلاً واشترطا التساوی فی الربح وقوله وعکسه ای بالمالان ویتفاضلان فی الربح لکن هذا مقید بأن یشترطا الاکثر للعامل منهما أو لأکثرهما عملاً اما لو شرطاہ للقاعد او لأقلهما عملاً فلا یجوز کما فی البحر عن الزیلعی والکمال قلت والظاهر أن هذا محمول علی ما اذا کان العمل مشروطاً علی احدهما اھ (ج ۳/ ۵۴۷)

قلت: وفی الصورة المسئولة کذالک فانهما اشترطوا العمل علی الثلاثة۔

جواب سوال چہارم: سود دینا سخت مجبوری کی حالت میں جائز ہے اور سخت مجبوری
وہ ہے جس کے اندر ضرر شدید ناقابل برداشت لاحق ہیں۔ اب اس کو خود دیکھ لیا جائے۔
کہ ایسی مجبوری ہوتی ہے یا نہیں۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ از تھانہ بھون
خانقاہ اشرفیہ ۲۲ ذی الحجہ ۴۵ھ

غیر منقسم ترکہ میں تصرف کرنے کا حکم

سوال: گزارش ہے کہ میری عبارت سابقہ حسب مقصود کافی نہیں تھی لہذا دوبارہ تکلیف دینا چاہتا ہوں ابھی تعین سے
عرض گذار ہوں کہ نیاز مند بلاتقسیم کچھ روپیہ لے کر چلا ہے۔ اس میں سے کچھ باقی ہے۔
اور دوسرے ورثاء بھی محتاط طور پر صرف کر چکے ہیں۔ آیا میں قبل حساب ان کو اس عزم
سے صرف کر لوں کہ بعد حساب جو میرے ذمہ نکلے گا ادا کروں گا یا قبل حساب صرف ہی کرنا
جائز نہیں۔

الجواب

فی البحر الرائق: ص ۱۶۷ ج ۵: وفی الکیلی والوزنی لہ أن یعزل حصتہ
بغیبة شریکه وینتفع بها ولا شئ علیه إن سلم الباقی فإن هلك
قبل التسلیم إلی شریکه هلك علیهما وتمامه فی جامع الفصولین فی
حاشیة منحة الخالق عن جامع الفصولین ایضاً ارض اوکرم بین
حاضر وغائب او بین بالغ ویتیم فالحاضر او البالغ یرفع الأمر
الی القاضی ولو لم یرفع ففی الارض یزرع بحصته ویطیب
له ذالك ویقوم علی الکرم فیبیع ثمره ویأخذ حصته ویوقف حصة
الغائب أو یبیع له ذالك وإذا قدم الغائب ضمنه القیمة أو أجاز بیعه
فی مواضع أخر عن محمد رحمه الله لو أخذ الشریك نصیبه
من الثمن وأکله جاز، ویبیع نصیب الغائب ویحفظ ثمنه فلو
حضر صاحبه یخیر کما مر ه

ان عبارتوں سے معلوم ہوا کہ اشیاء متروکہ اور اس کے منافع میں بدون دوسرے

شریک کے ایک شریک اپنا حصّہ الگ کرسکتا ہے اس لئے اتنی گنجائش ہے کہ ان بالغوں کا حصّہ اس روپے میں سے الگ رکھ دیا ہے۔ بقیہ صرف کرلیں اور وطن جاکر ان کا حصّہ ان کو دے اور باوجود حفاظت کے یہ حصّہ جو الگ کیا جائے گا آپ کے پاس ہلاک ہوجاوے تو ہلاک شدہ میں سے ان کے حساب میں اتنا لگایا جائے گا۔ جتنا ہلاک شدہ میں ان کا حق ازروئے سہام فرائض کے نکلتا ہے اور بقیہ آپ کو دینا پڑے گا۔ واللہ اعلم

الجواب صحیح — کتبہ الاحقر

ظفر احمد عفا عنہ ۲۷ محرم ۴۵ھ — عبدالکریم عفی عنہ

مضاربت میں نقصان کی ایک صورت کا حکم

سوال: بندہ ایک شخص کی شرکت میں کہ روپیہ اس کا اور محنت میری سوداگری کا کام کرتا ہے اور مبلغ پانچ سو روپیہ میں نے ان کے پاس اس لئے رکھ دیا تھا کہ میں نفع و نقصان میں شریک ہوں نہ معلوم سوداگری میں نقصان ہزار روپیہ کا ہو۔ وہ کہتے ہیں کہ نقصان میں بھی تم شریک ہو۔ اور منجملہ ان پانچ سو روپیہ کے جو میں نے ان کے پاس بخیال احتیاط رکھے تھے ان میں سے مبلغ دو سو روپیہ میں لے آیا تھا۔ اب وہ کہتے ہیں کہ تجارت میں نقصان ہوا اب تم وہ دو سو روپیہ واپس کرو حالانکہ فتوٰی دیوبند کا اس مضمون کا موجود ہے کہ نقصان روپیہ والے پر پڑتا ہے۔ محنت کرنے والے کی محنت رائیگاں ہوئی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم نقصان کا روپیہ تم سے ضرور لیں گے اور میں چاہتا ہوں کہ روپیہ ادا کروں تاکہ کام درست رہے۔ اب میں یہ روپیہ نفع میں سے مجرا کر دوں یا گھر سے ادا کروں اس کی تدبیر فرمادیں اور اس سال مبلغ گیارہ سو روپیہ نفع ہوا اور میں نے ہزار روپیہ اپنا ظاہر کیا۔ اس کا نصف حصّہ پانچ سو روپیہ ان کو دیا اور ایک سو روپیہ یہ خیال کرکے کہ میرا پانچ سو روپیہ ہے جو ان کے پاس جمع تھا اس کا پتہ نہیں بلکہ دو سو روپیہ جو میں نے لیا تھا وہ بھی واپس طلب کرتے ہیں۔ آیا وہ سو روپیہ جائز رہا یا نہیں۔

الجواب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ فی الدر عن المجالیہ کل شرط یوجب جہالۃ

فی الربح او یقطع الشرکۃ فی الربح یفسدھا والّا بطل الشرط وصح العقد اعتباراً بالوکالۃ۔ وفی الشامی تحت (قولہ یبطل الشرط) کشرط الخسران علی المضارب (ص ۴۲، ج ۵)

پس صورت مسئولہ میں نقصان فقط روپیہ والے کا ہوا اور کام کرنے والے کے ذمہ نقصان پورا کرنا نہیں ہے جیساکہ دیوبند کے فتوے کا سوال میں حوالہ دیا ہے۔ باقی رہا دوسرا سوال اس کے متعلق سائل نے جو صورت اختیار کی ہے وہ جائز ہے۔ کیونکہ صاحبِ حق کو اپنا حق وصول کرنا جنس حق سے جس طرح ممکن ہو جائز ہے۔

فقط واللہ اعلم

کتبہ الاحقر

عبدالکریم از خانقاہ امدادیہ اشرفیہ تھانہ بھون

الجواب صحیح

ظفر احمد عفا عنہ، ۵ ربیع الثانی ۴۵ھ

شرکت میں نقصان ہر شریک کے راس المال کے موافق ہوگا

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس صورت میں کہ مجید اور سعید نے باہم گفتگو کی کہ آؤ ہم تم دونوں روپیہ ملا کر بشرکت تجارت کریں۔ مجید نے کہا کہ ہم صرف ایک حصّہ روپیہ لگا دیں گے اور تم تین حصّہ روپیہ لگاؤ کیونکہ لکھنے پڑھنے خط وکتابت کا کام میرا ہی لڑکا کرے گا باقی کام ہم تم دونوں مل کر کریں گے۔ اس پر سعید نے کہا کہ نفع ونقصان کس کے ذمہ کتنا ہوگا۔ اس باہمی قرارداد کے بعد مجید نے ایک حصّہ اور سعید نے تین حصّہ روپیہ لگا کے بشراکت تجارت شروع کی جس میں ایک ہزار روپیہ کا نقصان ہوا۔ اب مجید کہتا ہے کہ ہم صرف پونے چار سو روپیہ نقصان دیں گے اور تم سوا چھ سو روپیہ نقصان دو کیونکہ ہمارے لڑکے نے لکھنے پڑھنے کا کام کیا۔ اس کا حق المحنۃ ہم کو ملنا چاہیئے۔ سعید نے جواب دیا کہ اسی وجہ سے تو تم نے اپنے عوض ہم سے دو حصّہ روپیہ زیادہ لگوایا تھا۔ پھر معاوضہ اور حق المحنۃ کیا؟ اگر خلاف قرارداد یوں ہی کرتے ہو تو خیر اپنے لڑکے کا حق المحنۃ لو مگر ہمارے دو حصّہ زائد روپیہ کا پھر ہم کو سود دو اس نزاع کا شرعی فیصلہ کیا ہے اور کس کو کتنا نقصان دینا چاہیئے؟

الجواب

فی العالمگیریہ (ص ۱۸۶ ج ۳) ولو شرطا العمل علیھما جمیعاً

صحت الشرکۃ وان قل رأس المال احد هما واکثر رأس مال الآخر واشترطا الربح بینهما علی السواء وعلی التفاضل فإن الربح بینهما علی الشرط والوضیعۃ علی قدر رؤس أموالهما کذا فی سراج الوہاج اھ

پس نقصان مجید اور سعید کے ذمہ ان کے رأس المال کے موافق پڑے گا۔ ان کی شرط نصفا نصف کی نقصان کے بارے میں صحیح نہیں۔ اگر نفع ہوتا تو اس کو نصفا نصف تقسیم کرتے لیکن اب ایک حصّہ نقصان مجید کے ذمّہ اور تین حصّہ سعید کے ذمّہ ہے۔

فقط کتبہ الاحقر

الجواب صحیح — عبدالکریم عفا عنہ از خانقاہ امدادیہ

ظفر احمد عفا عنہ ۱۱ ج ۲ ۱۳۴۵ھ — تھانہ بھون ۱۱ ج ۲ ۱۳۴۵ھ

شرکت میں عامل کے لئے زائد نفع کی شرط درست ہے۔

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ تین آدمیوں نے شریک ہو کر تجارت کی روپیہ برابر کا ہے لیکن جو شخص کام کرے گا اس کا حصّہ محنت کے مقابلہ میں کچھ زیادہ ہوگا وہ باقی حصہ داروں سے بوجہ جانی محنت کے زیادہ لے گا باقی دو شریک کوئی کام مشترکہ تجارت کا انجام نہیں دیتے صرف مال ہی سے شریک ہیں ان کو کم ملتا ہے اور جو جان و مال دونوں سے شریک ہے اس کو زیادہ تو یہ صورت جائز ہوئی یا نہیں؟

الجواب

صورت مسئولہ میں شرکت صحیح ہے اور نفع عامل کو شرط کے موافق دوسرے شرکاء سے زیادہ ملے گا۔ کما فی العالمگیریہ ص ۱۸۶ ج ۳ وان شرطا الربح للعامل اکثر من رأس مالہ جاز علی الشرط ویکون مال الدافع عند العامل مضاربۃ وھکذا فی الشامیۃ ص ۵۲۷ ج ۳) لیکن اگر خدانخواستہ تجارت میں خسارہ ہو تو خسارہ میں سب شریک ہوں گے جس کو نفع زیادہ ملتا ہے اس پر خسارہ زیادہ نہ پڑے گا۔ صرّح فی العالمگیریۃ ونصّہ والوضیعۃ ابدا علی قدر رؤس اموالهما کذا فی سراج الوہاج اور نفع میں زیادتی کی شرط حصّوں کے اعتبار سے طے کرنا چاہیئے۔ اگر روپیہ متعین کر دے کہ مثلاً سو روپیہ زائد عامل کو ملیں گے تو جائز نہیں

کما هو الظاهر فقط۔

کتبہ الاحقر
عبدالکریم عفی عنہ
از خانقاہ امدادیہ اشرفیہ ۲۷ شعبان ۵۴ھ

الجواب صحیح
ظفر احمد عفا عنہ ۲۷ شعبان ۵۴ھ

چند آدمیوں کا شریک ہو کر مشترکہ رقم مضاربت کے لئے دینا

سوال: کچھ وقتوں پر نظر کر کے یہ بات ذہن میں کئی مرتبہ آچکی ہے کہ بالفعل صرف ایک ہزار روپیہ دس مسلمانوں سے بوقت واحد مثلاً محرم کے مہینے میں لے کر اس روپیہ سے ہر وقت بکنے والی کتابیں خرید کروں حساب اس کا بالکل الگ رکھوں اور سال گزرنے پر یا چھ ماہ گزرنے پر اس کا نفع حساب کر کے الگ کر کے نصف صاحب روپیہ کو دوں اور نصف خود لے لوں۔ اس مذکورہ صورت میں ربّ المال دس ہوں گے جو شریک اپنا روپیہ واپس لینا چاہے حساب کے وقت ۲ ماہ پہلے اطلاع کر دے وقت حساب مع نفع کے اس کا روپیہ واپس کر دوں یہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

اگر چند آدمی شریک ہو کر مشترک رقم مضاربت کے لئے دیں تو اس میں کوئی حرج نہیں لیکن اس صورت میں یہ جائز نہیں ہے کہ ان میں سے ایک شخص کا روپیہ مضارب درمیان میں ادا کر دے بلکہ سب شرکاء کی رضامندی شرط ہے وھذا کلہ من القواعد البتہ اگر ایسا کیا جاوے کہ ہر شخص کی رقم کی کتابیں جداگانہ رکھی جاویں تو پھر ہر شخص کا حساب الگ ہو سکتا ہے۔ واللہ اعلم۔

الجواب صحیح
ظفر احمد عفا عنہ

احقر عبدالکریم عفی عنہ
از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ ۲۲ شوال ۵۴ھ

معاملہ مضاربت اور قرض کی ایک ممنوع صورت

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ زید نے عمر سے تجارت کرنے کے واسطے کچھ روپیہ لیا زید اس روپیہ سے گدّہ ریشم کا بنارس سے لاتا ہے۔ بنارس میں مقامی نرخ سے تقریباً ایک روپیہ ڈیڑھ روپیہ کفایت فی گدّہ ملتا ہے۔ یہی ایک روپیہ جو کفایت میں بچتا ہے عمر کو بطور نفع تجارت دیتا ہے مگر آمد و رفت کا خرچہ اپنے ذمہ اور مال کا صرفہ روپیہ والے کے ذمہ کرتا ہے۔ کبھی تو

مال لاکر عمرو کے حوالے کرکے پھر اپنے یہاں لاتا ہے اور کبھی بغیر حوالہ کئے ہوئے اپنے گھر رکھ کر عمر کو خرید کی تفصیل سنا کر رجسٹر خریداری میں اس کے نام ایک روپیہ ڈیڑھ روپیہ فی گدّہ زیادہ کرکے لکھ دیتا ہے۔ گذارش یہ ہے کہ یہ صورت جائز ہے یا نہیں۔ اگر ناجائز ہو تو اس میں اصلاح فرما کر جائز صورت سے مطلع فرمائیں۔

الجواب

یہ صورت جائز نہیں ہے کیونکہ یہ روپیہ زید نے یا تو قرض لیا ہے یا مضاربت کے طور پر لیا ہے۔ پس اگر قرض لیا ہے تب تو صریح سود ہے اور اگر مضاربت پر لیا ہے تو اس میں نفع کی تعین اور آمد و رفت کا کرایہ زید کے ذمّہ ہونا خلاف شرع ہے۔ پس یہ صورت ہر حال ممنوع ہے اور اس طرح سے نفع لینا دینا بالکل حرام ہے اور جواز کی ایک صورت ہو سکتی ہے جس میں اصل مقصود یعنی عمر کو نفع اور زید کو قرض حاصل ہو جائے گا۔ وہ یہ کہ عمر اولاً زید کو اپنا وکیل بنا کر اور آمد و رفت کا کل خرچہ دے کرع بنارس سے مال منگوائے بعد ازاں مال پر قبضہ کرنے کے زید کے ہاتھ نفع سے فروخت کر دے۔ فقط واللہ اعلم

کتبہ الاحقر عبدالکریم عفی عنہ

از تھانہ بھون ۲۹ ج ا ۵۰ھ

بدون تقسیم قاضی و رضامندی شرکا اپنا حصّہ تصرف کے لئے متعین کرنا

سوال: مدرسہ عربیہ ایک زمانہ سے میرے زیر اہتمام قائم ہے۔ درس نظامی کی تعلیم اپنے اکابر کے طرز پر بحمد اللہ دی جاتی ہے چونکہ نیچریت اور بدعت کا یہاں شیوع ہے اس لئے اس کے بقاء کی بہت زیادہ فکر رہتی ہے مدرسہ جس عمارت میں ہے وہ ایک احاطہ دار وسیع مکان ہے جو کوٹھی کے نام سے مشہور ہے۔ یہ کوٹھی ایک مشترک سکنی و زرعی جائیداد ہے۔ بعض شرکا نے اپنا حصّہ مدرسہ کے نام وقف کر دیا ہے۔ بعض نے بطیب خاطر اجازت دے دی ہے۔

ع اس خرچ میں اس جانے والے کی تنخواہ بھی ہونا لازم ہے ورنہ کام کرنا قرض کے دباؤ میں ہوگا اور اگر کسی دوسرے آدمی سے منگا کر زید کے ہاتھ فروخت کریں تو پھر اس جانے والے کو اختیار ہے کہ چاہے مفت لا دے چاہے معاوضہ لے کر ۱۲ منہ

بعض ایسے ہیں کہ اجازت نہیں دیتے بلکہ قیام مدرسہ سے ناراض ہیں۔ ان کی اجازت کی کوئی صورت نہیں۔ وکلاء سے تقسیم کے متعلق مشورہ کیا گیا تو معلوم ہوا کہ یہ اراضی چونکہ ایک نمبر میں واقع ہے۔ اس لئے ضابطہ کا بٹوارہ نہیں ہو سکتا۔ خانگی بٹوارہ اس لئے ممکن نہیں۔ شرکاء باہم رضامند نہیں اور عدالتی بٹوارہ قانوناً ممتنع ہے۔ ایسی صورت میں مدرسہ اپنے طور پر تقسیم کرکے اپنے حصہ پر قابض و متصرف ہو سکتا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب

حقیقی تقسیم تو جب ہوگی جبکہ سب شرکاء راضی ہوں یا قاضی وغیرہ تقسیم کردے لیکن بدون تقسیم حقیقی اپنے حصہ کو تصرف کے لئے معین کر لینا صورت مذکورہ میں جائز ہے۔

کما فی رد المحتار: ما نصّہ: اقول ذکر فی العمادیۃ فی الفصل الرابع والثلثین لکل واحد من الشرکاء ان یسکن فی بعض الدار بقدر حصتہ اھ وافتی بمثلہ فی الحامدیہ (شامی ص ۲۵۵ ج ۵) وذکر العلامۃ الشامی تحت قول الدر دار او حانوت بین اثنین لا یمکن قسمتہا تشاجرا فیہ فقال احدھما لا اکری ولا انتفع وقال الآخر ارید ذلک اُمر القاضی بالمہایاۃ الخ قلت فعلم منہ أنہ إن لم یرفع الأمر الی القاضی بعد التشاجر وسکن احدھما بقدر حصتہ یجوز وان لم یرض شریکہ کما لا یخفی وفی الباب التاسع والعشرین من کراھیۃ العالمگیریۃ ص ۲۴۵ ج ۶) ما یؤیدہ إن شئت فانظر ثمہ۔ واللہ اعلم بالصواب۔

کتبہ الاحقر

عبد الکریم عفی عنہ

از تھانہ بھون ۵ ذی القعدہ ۱۳۵۱ھ

شرکت میں متوفی شریک پر الزام خیانت کی ایک صورت

سوال: زید نے عمر سے مضاربت کرکے پانچ سو روپیہ تجارت کے لئے دئے اس شرط پر کہ نفع میں دونوں نصفا نصف کے شریک ہوں گے۔ عمر نے ایک سال تک تجارت کرکے حساب کرنے کے وقت یہ کہہ دیا کہ دوکان میں مال بجائے پانچ سو کے ایک ہزار کا موجود ہے یعنی پانچ سو کا مال نفع میں ہے از روئے معاہدہ اس مال نفع میں سے ڈھائی سو رب المال کے ہوئے

اور ڈھائی سو مضارب کے۔ اب چونکہ مضاربت نہ رہی چونکہ شرکت ہوگئی تو ساڑھے سات سو رب المال کے اور ڈھائی سو عمر مضارب قدیم کے رہے ہے۔ شرکت تجارت کئی سال تک ہوتی رہی اور نفع از روئے معاہدہ رہا جو مضاربت میں مقرر ہوا تھا۔ یعنی نصفا نصف رہا۔ اتفاقاً عمر مضارب قدیم کا انتقال ہوگیا۔ اب جو دوکان کا حساب دیکھا گیا تو دوکان بہت زیادہ مقروض ثابت ہوئی۔ حالانکہ عمر مضارب قدیم اپنے شریک سے یہی کہتا رہتا تھا کہ دوکان پر کسی کا قرض واجب نہیں اور جو کچھ تھا بھی وہ سب ادا کردیا گیا ہے۔ قرض کی مقدار مال موجود سے کئی گنا زیادہ ہے۔ حالانکہ متوفی دوکان میں نقصان کبھی نہیں بتلاتا تھا بلکہ ہمیشہ نفع کبھی کم کبھی زیادہ دکھلاتا اور تقسیم کرتا رہتا تھا۔ اس روئیداد سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ نفع کا کچھ حصہ مخفی طور پر اپنے پاس رکھتا تھا نہ اس کو تقسیم کرتا تھا نہ اس سے قرض ادا کرتا تھا پس دریافت طلب امر یہ ہے کہ صورت مذکورہ بالا میں شریک متوفی دوکان میں شریک سمجھا جائے گا اور اس کے ورثاء کو دعوی شرکت پہنچے گا یا نہیں ؟

الجواب

من المولانا محمد کفایۃ اللہ صاحب مفتی مدرسۃ امینیہ دہلی۔

اگر مضارب ہر سال کا حساب کرکے نفع تقسیم کرتا رہا تو شرکت کا حساب صرف آخری سال کا ہی رہا جس میں مضارب کا انتقال ہوا ہے۔ البتہ اگر سالانہ حساب نہیں ہوتا تھا بلکہ یوں ہی علی الحساب نفع کے نام سے دونوں رقم لیتے تھے تو یہ شرکت اسی وقت سے سمجھی جائے گی جس وقت سے مضاربت ختم ہوکر شرکت قرار پائی تھی اور دونوں فریقوں نے جو رقوم نفع کے نام سے وقتاً فوقتاً لی وہ سب حساب میں واپس دی جائیں گی یہاں تک راس المال پورا ہو۔ اس کے بعد اگر کچھ بچے تو دونوں کو طے شدہ حساب سے دیا جائے گا ورنہ نہیں۔ اور اگر راس المال ہی پورا نہ ہوا تو نقصان راس المال پر حصہ رسدی تقسیم ہوگا۔ دوسرے لوگوں کا جو قرض ہے وہ دوکان کے موجودہ مال سے پہلے ادا کردیا جائے گا اور جب تک کہ مضارب کی خیانت کا ثبوت نہ ہو کوئی رقم اس کے ذمہ نہ ڈالی جائے گی۔

محمد کفایت اللہ عفا عنہ

مدرسہ امینیہ دہلی

تنقیح من جامع امداد الاحکام

(۱) زید کا یہ کہنا کہ عمر ہر سال نفع تقسیم کرتا تھا دلیل کا محتاج ہے. کیا زید کے پاس اس کے متعلق بینہ عادلہ ہیں یا عمر نے دوکان کے حساب میں تقسیم نفع کو ہر سال ظاہر کیا اور کن الفاظ سے ظاہر کیا ہے۔

(۲) زید کا یہ قول کہ عمر نے ہمیشہ دوکان کو قرض سے سبکدوش ظاہر کیا اس کی کیا دلیل ہے. کیا اقرار عمر پر بینہ موجود ہیں ؟

(۳) عمر نے دوکان پر جو قرض ظاہر کیا اس کا کیا ثبوت ہے ۔

(۴) جس وقت عمر نے دوکان میں ایک ہزار کا مال دکھلایا تھا تو اس وقت زید نے عمر کو شریک دوکان تسلیم کر لیا تھا یا نہیں ؟ اگر شریک تسلیم کر لیا تھا تو نقصان کے متعلق کیا معاملہ طے ہوا تھا ؟

ان تنقیحات کے جواب کے بعد حکم بتلایا جائے گا. واللہ اعلم .

ظفر احمد عفا عنہ ۲۷ رشعبان ۵۳ھ

جواب تنقیحات

(۱) عمر نے ایک سال تک تو نفع تقسیم کیا ہی نہیں اور مضاربت کا ہی ایک سال تھا۔ اس ایک سال کے ختم ہونے پر عمر نے یہ نفع دکھلایا کہ دوکان میں مال، بجائے پانچ سو روپیہ کا رأس المال کے ایک ہزار کا موجود ہے لہٰذا از روئے معاہدہ پانچ سو کا مال جو نفع سے پیدا ہوا رب المال اور مضارب میں نصفا نصف ہو گیا۔ لہٰذا مضاربت نری شرکت ہو گئی۔ اس کے بعد عمر کو زید نے شریک تسلیم کر کے تجارت جاری رکھی ۔ عمر ہر مہینہ کے ختم پر آمد و خرچ بہی میں لکھا ہوا زید کو دکھلا کر نصفا نصف نفع تقسیم کر دیتا تھا اور دونوں کے حصہ نفع کو بھی بہی میں درج کر دیتا تھا۔ چنانچہ وہ بہی موجود ہے۔

(۲) بہی میں عمر کے ہاتھ کا لکھا ہوا موجود ہے کہ دوکان پر جو کچھ قرض تھا سب ادا ہو گیا اب کچھ قرض باقی نہیں رہا۔ اور یہی مضمون عمر نے زید کے حسابی کاغذات میں بھی لکھوا دیا ۔

(۳) عمر نے بہی کے ایک جداگانہ ورق پر قرض کی تعداد لکھ رکھی تھی جس کو وہ زید سے مخفی رکھتا تھا۔ وفات کے بعد جو بہی دیکھی گئی تو معلوم ہوا کہ دوکان پر اس قدر قرض ہے۔ نیز عمر کی وفات کے بعد قرضخواہ نے اسی مقدار کا مطالبہ کیا جو بہی میں مرقوم تھے۔ اسی جگہ میں نے بھی اپنے دستخط کر دیئے ہیں۔ چنانچہ بہی دیکھنے سے اس کی تصدیق ہوگئی۔ اس قرضخواہ کے علاوہ دوسرے قرضخواہ نے بھی اپنی بہی سے قرض کی تفصیل لکھ کر عمر کے انتقال کے بعد دوکان پر مطالبہ کی غرض سے بھیجی اور عرفاً تاجروں کے بہی کھاتہ کا حساب معتبر سمجھا جاتا ہے چنانچہ موجودہ گورنمنٹ بھی تاجروں کے بہی کھاتہ کو رجسٹر شدہ کاغذ کی طرح معتبر جانتی ہے

(۴) اس کا جواب ۱ میں گزرا۔ اس عبارت پر خط کھینچ دیا ہے۔

تنقیح مکرر

بابت ۲ یہ تحریر باقاعدہ ہے یا بے قاعدہ اور بے محل ہے اور تاریخ کے ساتھ ہے یا بلا تاریخ۔

تنقیح جدید۔ (۱) یہ ابھی اور تنقیح طلب باقی ہے لہٰذا سوال کا جواب موقوف ہے۔ اس تنقیح کا جواب آنے پر وہ بات یہ ہے کہ جس طریقے سے قرض کی تفصیل مع دستخط قرضخواہ بہی میں درج ہے یہ طریقہ تجار میں مروّج یا معتبر ہے یا نہیں اور اس طریقہ سے وہ قرض صرف ایک پر عائد ہوتا ہے یا دونوں شرکا پر۔

(۲) نیز یہ لکھا جائے کہ اس بییا کی قرض لکھنے کی تاریخ ———— اور قرض لینے کی تاریخ میں کون مقدم ہے کون مؤخر ہے۔

(۳) اور بییا کی تحریر میں ایسے موقع پر درج ہے جس جگہ اندراج معتبر اور معروف ہے یا ویسے ہی بے محل لکھا ہوا ہے۔

(۴) اور قرض جو بہی کے آخر میں ایک طرف ہے وہ سب کا سب اس تحریر بے باکی سے مقدم ہے یا کل مؤخر ہے یا بعض مقدم اور بعض مؤخر۔ واللہ اعلم

ظفر احمد عفا عنہ

۵ رمضان ۴۸ھ

جواب تنقیح

جواب متعلق ۲ء کے متعلق جو پوچھا گیا ہے کہ یہ تحریر باقاعدہ ہے یا بے قاعدہ؟ جواب عرض ہے کہ بے قاعدہ اور بے محل ہے مگر تاریخ کے ساتھ ہے۔

(۱) جس طریقہ سے قرض کی تفصیل مع دستخط قرضخواہ بہی میں درج ہے یہ طریقہ تجّار میں مروّج اور معتبر ہے اس طریقہ سے وہ قرض دونوں شرکار پر پڑتا ہے۔

(۲) بیباقی قرض لکھنے کی تاریخ اور قرض کی مقدار واجب الادا پر قرضخواہ کے دستخط کرنے کی تاریخ ایک ہی ہے۔

(۳) بیباقی کی تحریر بہی میں ایسے موضع پہ درج ہے جس جگہ اندراج معروف و معتبر نہیں بالکل بے محل ہے۔

(۴) قرض جو بہی میں لکھ کر قرضخواہ کے اس پر دستخط کیے گئے ہیں وہ سب کا سب تحریر بے باقی سے مقدم ہے۔

یہ بھی یقیناً معلوم ہے کہ جس طرح قرضخواہ نے عمر کی بہی پر مقدار قرض لکھ کر اپنے دستخط کئے ہیں اسی طرح اس نے اپنی بہی پر عمر سے بھی مقدار قرض لکھوا کر دستخط کرا لئے ہیں بلکہ اس پر قانونی توثیق کے لئے ٹکٹ بھی لگا کر عمر سے دستخط کرا لئے ہیں اور اس کی یعنی قرضخواہ بہی میں کسی جگہ بے باقی درج نہیں۔ حالانکہ اگر بے باقی ہو جاتی تو قرضخواہ پہ باقاعدہ کاروبار اپنی بہی میں بے باقی لکھنا ضروری تھا۔

تنقیح بار سوم

(۱) پہلی مرتبہ بھی یہ لکھا گیا تھا کہ زید کے پاس بینہ عادلہ ہیں یا نہیں۔ جواب میں اس سے تعارض نہیں۔ اب تحریر کیا جائے کہ طرفین کوئی اپنے دعوے پر بینہ بھی رکھتا ہے یا نہیں۔

(۲) زید نے عمر کو دوکان کے لئے قرض کرنے کی اجازت دی تھی یا نہیں یا محض اس کے فعل پر سکوت ہی کیا تھا۔

(۳) کیا زید کام میں شریک اور دوکان میں موجود نہ رہتا تھا۔ فقط شروع ماہ میں حساب کے لئے آجاتا تھا۔

(۴) کیا بہی میں تقسیم نفع کے وقت عمر اس رقم کو ادا کرنے کے لئے کچھ رقم ادائے قرض

کے نام سے تحریر نہ کرتا تھا جس کو وہ ان لفظوں سے تسلیم کرتا تھا کہ جو کچھ قرض تھا وہ سب ادا ہو گیا) کیا یہ قرض بلا تحریر ہی لیا گیا اور بلا تحریر ہی دیا گیا اور اگر ادا قرض بہی میں تحریر تھی تو پھر ان تواریخ میں جن میں اس نے ادائیگی قرض ظاہر کی ہے۔ قرضخواہ کی بہی میں وصول قرض درج ہے یا نہیں۔

(۵) اگر قرض کا لینا اور ادا کرنا درج نہیں تو عمر ہر ماہ میں حساب دیکھتے وقت اس پر معترض کیوں نہ ہوا۔ فقط اس کی زبانی بے باقی کا اقرار کرنے پر اکتفا کیوں کیا۔

فقط عبدالکریم عفی عنہ۔ ا رمضان ۳۴۸ھ

جواب تنقیح بار سوم

(۱) بینہ عادلہ کسی کے پاس موجود نہیں سوائے بہی کھاتہ کے کہ یہ موجود ہے۔

(۲) زید نے عمر کو قرض لینے کی صراحت میں تو اجازت دی نہ تھی البتہ عمر کے فعل پر سکوت کیا تھا اور یہ سکوت یقیناً اجازت ہی تھا۔

(۳) زید نہ کسی وقت دوکان پر موجود رہتا تھا، نہ کبھی شروع ماہ میں حساب کے لئے جاتا تھا۔ اس کا صرف یہ کام تھا کہ باہر سے مال کی فرمائش منگایا کرے۔ چنانچہ اس کی کوشش سے باہر سے فرمائشیں آیا کرتی تھیں اور ان فرمائشوں سے خاصہ نفع ہوتا تھا۔

(۴) عمر تقسیم نفع کے وقت ادائے قرض کے نام سے بہی میں تحریر کیا کرتا تھا۔ قرض تحریر سے لیا گیا تحریر سے دیا گیا۔

جس تاریخ میں عمر نے قرض کی بے باقی اپنی بہی میں لکھی ہے۔ اس تاریخ میں قرضخواہوں کی بہی میں قرض کی بے باقی درج نہیں، بلکہ اس تاریخ سے قبل یا بعد کسی تاریخ میں درج نہیں۔ چنانچہ تنقیح بار دوم کے جواب ۳ کے تحت میں پہلے لکھ بھی دیا تھا۔

۵. قرض لینا اور ادا کرنا دونوں درج ہیں مگر عمر اپنی بہی زید کو کبھی دکھلاتا ہی نہ تھا۔ زید بوجہ اعتبار و اعتماد کے بہی دیکھنے کا مطالبہ نہ کرتا تھا اور اسی وجہ سے اعتراض کی بھی نوبت نہ آئی اور وہ جو جوابات تنقیحات بار اوّل کے ۲ میں مرقوم ہے کہ بہی میں لکھا ہوا دکھلا کر نصف نفع تقسیم کرتا تھا۔ اس سے مراد یہ ہے کہ بہی میں لکھا ہوا دوسرے کاغذ پر نقل کر کے دکھلا کر نفع تقسیم کرتا تھا۔

جواب

تنقیح کا جواب واضح نہیں ہوا اس لئے جواب تشقیق کے ساتھ دیا جاتا ہے کہ اگر زید و عمر نے دوکان کی بہی میں ادائے قرض کے نام سے کچھ رقم بدخرچ لکھی ہے اور وہ رقم قرضخواہوں کو نہیں پہنچی تو اس صورت میں عمر خود اپنی تحریر سے خائن ثابت ہوگیا اور خود اس کے قلم کی یہ تحریر بہی میں موجود ہے کہ دوکان کا سب قرض بے باق ہوگیا ہے مگر یہ تحریر بے محل ہے اس لئے تحریر جانچنے والے دو مسلمان عادل اگر یہ کہہ دیں کہ یہ تحریر عمر ہی کی ہے اس سے بھی عمر پر خیانت کا ثبوت. ہوگیا اور اگر ان باتوں میں سے کوئی بات ثابت نہ ہو تو سوال دوبارہ کیا جائے اور درصورت ثبوت خیانت عمر کا سارا قرضہ عمر کے ذمہ ہوگا. زید کے ذمہ کچھ نہ ہوگا. واللہ اعلم.

ظفر احمد عفا عنہ، ۲۵ رمضان ۵۳ھ

باپ کے کئی بیٹوں نے ملازمت کرکے جائداد خریدی تو اس جائداد کے مالک کون کون ہوں گے

سوال: نہایت ادب سے گذارش ہے کہ فدویان ایک ایسی جگہ آباد ہیں جہاں مولوی صاحبان کا کم گذر ہوتا ہے اس لئے ہم شرعی قواعد وقانون سے بے بہرہ ہیں اس لئے حضور والا کو تکلیف دی جاتی ہے. امید ہے کہ حضرت غور فرماکر مشکور فرمائیں گے.

ایک باپ کے کئی بیٹے ہیں جن میں سے ــــــ ایک یا دو بھائی ملازمت کرکے صاحب عزت ہوتے. جاگیر حاصل کی پینشن پر چلے آئے بعد میں سب بھائی الگ ہوگئے. تو سب مال ومتاع جو گھر میں موجود ہے. بحصہ برابر تقسیم کرلیا گیا مگر وہ جاگیر دار جو پینشن جو کہ ماہوار ملتی ہے ان کا حصہ کسی کو نہیں دیا اس لئے حضور مطلع فرمائیں کہ دوسرے بھائیوں کا حصہ اس جاگیر میں اور پینشن میں ہے کہ نہیں.

الجواب

جس بھائی نے اپنی تنخواہ سے جاگیر پیدا کی ہے وہ خاص اس کی ہے دوسرے بھائیوں کو اس میں حق نہیں. اسی طرح پینشن بھی خاص اسی کا حق ہے جس کو پینشن ملتی ہے. دوسروں کا اس میں حق نہیں. واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ ۱۹ ذیقعدہ ۵۳ھ

مشترک جائیداد کی تقسیم کی ایک صورت کا حکم

سوال: زمینداروں نے باخوشی جائیداد تقسیم کرلی اور ہر ایک بقدر اپنے حصہ کے قابض ہو گیا اس کو خانگی تقسیم کہتے ہیں چند دنوں کے بعد سرکاری طور پر بٹوارہ کرنے کی کسی نے درخواست دے دی جس کو سرکاری بٹوارہ کہتے ہیں اور امین بٹوارہ نے آکر تقسیم شروع کی اس میں بعض نے امین کو رشوت دے کر دوسرے شخص کی عمدہ زمین یا درخت یا آسامی اپنے نام لکھوالیا اور اپنی خراب زمین وغیرہ اسی قدر اس کے نام کروادیا۔ اب سوال یہ ہے کہ ایسا کرنا شرعًا درست ہے یا نہیں۔ اگر نہیں تو کیا کیا جائے خصوصًا ایسی صورت میں جبکہ مورث نے ایسا کیا ہو اور ورثاء کو اصلی مالک کا پتہ بھی نہ ہو۔

الجواب

ایسا کرنا ہرگز جائز نہیں کیونکہ تقسیم میں مساوات لازم ہے مقدار میں بھی کیفیت میں بھی۔ اگر مورث نے ایسا کیا ہو تو وارث کو چاہیئے کہ اپنی اصلی زمین لے لے اور دوسرے کی واپس کردے باقی اس کے مورث نے جو گناہ کیا اس کا یہ ذمّہ دار نہیں اور اگر دوسرا شخص کچھ رقم بطور تاوان کے لے کر اسی سرکاری بٹوارہ پر راضی ہو جائے تو اس کو اس طرح یا کسی اور طرح راضی کرلیا جائے۔ الغرض دوسرے کی چیز پر بدون اس کی رضامندی کے قبضہ درست نہیں اور امین کی تبدیل قسمت پر طرفین اس شرط پر راضی تھے کہ اس کو رشوت دے کر فیصلہ نہ کرایا جائے جب اس کے خلاف کیا گیا تو تبدیل رضاء سے نہ ہوئی بلکہ غصبًا ہوئی۔ واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ

از خانقاہ امدادیہ ۲۴ ذیقعدہ ۴۲ھ

بھائیوں کی مشترکہ کمائی سے منتظم بھائی نے مشترکہ جائیداد خریدی تو کیا سب میں برابر تقسیم ہوگی؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین صورت ذیل میں۔ تین بھائی ہیں ان کے معاملات سب مشترک ہیں۔ جائیداد، مکانات کھانا پینا اور سب اشیاء مشترک ہیں ان میں دو بھائی برسر روزگار ہیں اور ایک بیروزگار ہے اور گھر پر رہتا ہے اور گھر کا اور جائیداد کا انتظام سب اس کے ہاتھ میں ہے۔ باپ بھی ان کا اپنے روزگار سے روپیہ حاصل کرتا ہے اور یہ دونوں بھائی بھی حاصل کرتے ہیں۔ یہ سب روپیہ منتظم بھائی کے ہاتھ سے گھر کی ضروریات میں علی سبیل الاشتراک خرچ ہوتا ہے اور اس مشترکہ آمدنی سے منتظم بھائی نے بہ مشورہ

باپ کچھ جائیداد بھی خریدی کئی سال کے بعد اس منتظم بھائی کا لڑکا برسر روزگار ہو جاتا ہے اور اس کے روزگار سے اس کو زیادہ روپیہ حاصل ہوا وہ روپیہ بھی اسی طرح علی سبیل الاشتراک خانگی ضروریات میں خرچ ہوتا رہا۔ اور اس سے بھی منتظم بھائی نے جائیداد علی سبیل الاشتراک خریدی۔ اس کے روزگار ملنے کے دو تین سال بعد باپ کا انتقال ہوگیا۔ انتقال کے بعد بھی ان تینوں بھائیوں کے معاملات مشترک رہے۔ باپ کے مرنے کے بعد بھی منتظم بھائی نے کچھ جائیداد اور خریدی جس میں منتظم بھائی کے لڑکے کا روپیہ زیادہ خرچ ہوا اور باقی دو بھائیوں کا کم مگر یہ جائیداد بھی علی سبیل الاشتراک خریدی گئی۔ اجمالاً اتنا معلوم ہے کہ ان دونوں بھائیوں کا روپیہ جائیداد کے خریدنے پر کم خرچ ہوا اور منتظم بھائی کے لڑکے کا حاصل کردہ روپیہ جائیداد پر زیادہ خرچ ہوا۔ تفصیل معلوم نہیں۔ اب یہ تینوں بھائی جائیداد تقسیم کرنا چاہتے ہیں شریعت اور فقہ حنفی کے مطابق یہ جائیداد تینوں بھائیوں پر علی السویہ اور برابر تقسیم ہوگی یا منتظم بھائی کو زیادہ حصہ ملے گا اور کتنا زیادہ، کیونکہ اس کے لڑکے کا جائیداد خریدنے پر زیادہ روپیہ خرچ ہوا اور اگر کسی صورت سے معلوم ہو جائے کہ منتظم بھائی کے لڑکے کا روپیہ جائیداد کے خریدنے پر اتنا خرچ ہوا اور دونوں بھائیوں کا اتنا تو اس صورت میں یہ جائیداد کیسے تقسیم ہوگی۔ تینوں بھائیوں کو شرعاً مساوی حصہ ملے گا یا منتظم بھائی کو زیادہ غرض دونوں صورتوں کا حکم مفصّل تحریر فرمایا جائے۔ یہاں لوگوں کا رواج تو یہ ہے کہ دونوں صورتوں میں تقسیم علی السویہ ہوتی ہے۔ یہ نہیں کہ کسی کو زیادہ اور کسی کو کم حصہ ملے۔ بحوالہ کتب و صفحات جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب

سئل فی اخوۃ خمسۃ تلقوا ترکۃ عن ابیہم فأخذوا فی الاکتساب والعمل فیہا جملۃً کل علی قدر استطاعتہ فی مدۃ معلومۃ فحصل الربح فی المدۃ فہل تکون الشرکۃ وما حصلوا بالاکتساب بینہم سویۃ وان اختلفوا فی العمل والرأی کثرۃ وصوابا۔ الجواب نعم اذ کل واحد یعمل لنفسہ ولاخوتہ علی وجہ الشرکۃ واجاب خیر الرملی بقولہ ہو بینہم علی السویّۃ حیث لا یمیز کسب ہذا من کسب ہذا ولا یختص احدہما بہ ولا بزیادۃ علی الآخر

اذ التفاوت ساقط فلتفقط السائل، إذا خلطا ما التقطا الآخر ما قال وا طال وأفاد وأجاد. ص ۹۲ ج ۱ من تنقیح الفتاوی الحامدیہ

ان عبارات سے معلوم ہوا کہ صورت مسئولہ میں یہ جائیداد تینوں بھائیوں میں بحصہ مساوی تقسیم ہو گی جبکہ ہر بھائی نے اپنی کمائی کو دوسرے کے ساتھ مخلوط رکھا۔ ممتاز نہیں کیا اور سب کا خرچ وغیرہ مشترک ہی چلتا رہا ہے تو اب تفاوت کو ساقط کیا جائے گا اور سب کو بحصہ مساوی شریک سمجھا جائے گا واللہ اعلم بالصواب

ظفر احمد عفا عنہ

از تھانہ بھون ۸ ار مضان ۵۸ھ

فصل فی المسائل الجدیدۃ المتعلقۃ بالشرکۃ والمضاربۃ

ایسی کمپنی میں شرکت کا حکم جس کے قواعد وضوابط خلاف شرع ہوں

سوال: باعث تصدیق یہ ہے کہ کتاب ہذا کمپنی لمیٹڈ میرٹھ جہت ملاحظہ بغرض فتویٰ ارسال خدمت ہے کہ آیا اس کی شرکت وخریداری خلاف شرع دنا جائز ہے یا نہیں۔ اسی معروضہ کے نیچے کتاب ہذا پر فتویٰ مرحمت فرمائیں۔

الجواب

اس کمپنی کے دفعات پر سرسری نظر ڈالتے ہی سے بہت باتیں خلاف شرع نظر آئیں۔

مثلاً ۱ صفحہ ۳ میں جو انتقال حصص کے قواعد ہیں۔ ان سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ کمپنی ان حصص کے ساتھ بیع وشراء کا ایسا ہی معاملہ کرے گی جیسا کہ اعیان مبیعہ ومشتریہ کے ساتھ کیا جاتا ہے حالانکہ شرعاً حصہ قابل بیع وشراء نہیں۔ ۲ صفحہ ۱۱ میں حقیقت کی دفعہ ۳۸ سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر کسی حصہ کا مطالبہ پورا ادا نہیں کیا گیا (گو کسی قدر ادا ہو گیا) تو کمپنی کو اس حصہ پر پوری ملکیت حاصل ہے گو یا کسی نے سو روپیہ میں ۲۵ بھیجے اور باقی ادا نہ کر سکا تو اپنے قاعدہ کے موافق ان پچیس ۲۵ ربیوں کی مالک کمپنی ہے حالانکہ یہ بالکل خلاف شرع ہے بلکہ اس صورت میں پورے مطالبہ سے کم رقم جو وصول ہوئی ہے وہ بھیجنے والے کو واپس کرنا واجب ہے۔

اور ع۵ میں مطالبہ کی دفعہ ع۱۴ سے معلوم ہوتا ہے کہ جو حصہ دار مطالبہ سے پہلے پیشگی کچھ حصوں کی رقم ادا کرے گا تو کمپنی اس کو پیشگی مدت کا سود دے گی ۔ یہ صریح سودی معاملہ ہے جس کو کوئی مسلمان جائز نہیں رکھ سکتا. اسی صفحہ کی دفعہ ع۱۵ میں ضبطی حصص کے ماتحت حصہ داروں سے خرچ کے ساتھ سود حاصل کرنے کی تصریح ہے یہ بھی صریح حرام ہے ۔ ص۱۱ میں اختیارات سنڈیکیٹ کے تحت دفعہ ع۱۰۱ و ع۱۰۲ میں ڈائریکٹران کو پچاس حصوں کا شریک بنا کر ان کو جلسہ کی شرکت کے وقت علاوہ سفر خرچ کے عہ روپے دیا جانا لکھا ہے. اگر وہ شریک ہیں تو مثل دوسرے شرکاء کے ان کا حال ہونا چاہیئے ان کے ساتھ یہ خاص مراعات اس کو ظاہر کرتی ہیں کہ وہ شریک بھی ہیں اور اجیر بھی ہیں اور شرعًا شریک کا اجیر ہونا درست نہیں. اسی طرح مینجنگ ڈائریکٹر کو ص۱۱ میں پچاس حصوں کا شریک مان کر پانچ فیصدی منافع خاص سے اور ڈیڑھ سو روپیہ ماہوار کا مستحق قرار دیا گیا ہے. یہاں بھی شریک کو اجیر بنایا گیا ہے. یہ بالکل خلاف شرع ہے اسی طرح ص۱۱ میں دفعہ ع۲ اختیارات مینجنگ ڈائریکٹر میں لکھا ہے کہ اگر وہ تین سال کے اندر ملازمت چھوڑ دیں تو ان کے حصے جو کمپنی میں ہوں گے ضبط ہو جائیں گے یا پانچ ہزار روپے ہرجانہ دیں یہ ضبطی اور جرمانہ دونوں خلاف شرع ہیں. شرعًا ملازم کو ہر وقت ملازمت چھوڑ دینے کا اختیار ہے. بہر حال یہ کمپنی بالکل یوربین طرز پر ہے جس میں حلال و حرام اور شریعت کا ذرا پاس نہیں کیا گیا مسلمانوں کو اس حالت میں اس کی شرکت حرام ہے. واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ
۲۵ محرم ۵۱ھ از تھانہ بھون

کتاب البیوع

(فی المتفرقات)

خون کو جلا کر راکھ کر دینے کے بعد اس کی تجارت کا حکم

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس بارے میں کہ ایک مقام شہر ساگر میں ایام سردی میں چار ماہ تک پانچ سو جانور ہر روز ذبح ہوتے ہیں۔ گائے بیل، بھینس وغیرہ۔ اس خون کا ٹھیکہ ایک مسلمان کے پاس ہے۔ اس خون کو چمار اٹھا کر لاتے ہیں اور وہی چمار اس کو جلاتے ہیں وہ جل کر مثل خاک کے ہو جاتا ہے۔ پھر اس کو ولایت فروخت کرنے کے لئے روانہ کرتے ہیں اس کا بیوپار مسلمانوں کے لئے جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

یہ بیوپار جائز ہے۔

قال فی الدر: کما بطل بیع صبی لا یعقل و مجنون و بول و رجیع آدمی لم یغلب علیه التراب فلو مغلوبا به جاز کسرقین و بعر اھ

قال الشامی والمراد انه یجوز بیعها ولو خالصین اھ وفی البحر عن السراج و یجوز بیع السرقین والبعر والانتفاع به والوقود به (ص ۱۴۵ ج ۵)

قال فی ص ۱۰۱ لم یذکروا حکم دودة قز اما اذا کانت حیة فینبغی جریان الخلاف الآتی إلی أن قال وقد ذکر سیدی عبد الغنی النابلسی فی رسالة ان بیعها باطل وانه لا یضمن تلفها لانها غیر مال قلت وفیه أنه من اعز الاموال الیوم و یصدق علیها تعریف المال المتقوم و یحتاج الیها الناس کثیراً فی الصباغ وغیره فینبغی جواز بیعها کبیع السرقین والعذرة المختلطة بالتراب إلی ان قال وسیاتی ان جواز البیع یجوز مع حل الانتفاع وانه یجوز بیع العلق للحاجة مع انه من الهوام وبیعها باطل وکذا بیع الحیات للتداوی اھ قال الفقیه ابو اللیث ان کانت الاساکفة لا یجدون شعر الخنزیر الا بالشراء ینبغی

ان یجوزھم الشراء اھ (حاشیہ الہدایہ آخرین ص ۳۹)

ان اقوال کا مقتضاء یہ ہے کہ اگر کسی وقت خون کی بھی قیمت عرفاً ہو جائے تو اس کی بیع وشراء صحیح ہے اور خون کی راکھ تو پاک ہے اس کی بیع صحیح ہونے میں کوئی شبہ نہیں لیکن اس میں اشکال صرف اتنا ہے کہ خون فی نفسہٖ مباح الاصل ہے جس کا قبضہ پہلے اس پر ہو جائے گا. وہ اس کا مالک ہو جائے گا تو جو چمار اس کو جمع کر کے لاتے ہیں وہ اس کے مالک ہو جاتے ہیں مگر درمختار کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ مباح الاصل سے اجارہ اس شرط سے جائز ہے کہ کام کا وقت مقرر کر دیا جائے. اس صورت میں مزدور کی ملک میں وہ مباح داخل نہ ہوگا. استاجرہ لیصید لہٗ او یحتطب لہٗ فان وقت لذلك وقتاً جاز ذلك والا لا فلو لم یوقت وعین الحطب فسد اھ

قال الشامی: قولہ والا لا ای والحطب للعامل ط (ص ۵۹ ج ۵)

لہٰذا چماروں کو جب اس کام کے لئے اجیر مقرر کیا جائے تو یہ لازم ہے کہ وقت کے موافق اجرت مقرر کی جائے البتہ اگر ذبح کے خون پر پہلے خود قبضہ کر لیا جائے اس کے بعد چماروں کو اس کے اٹھانے اور جلانے پر اس طرح اجیر مقرر کیا جائے کہ اگر اس مقدار معین خون کو تم اٹھا لاؤ اور جلا دو تو یہ اجرت ملے گی. یہ صورت جائز ہے.

قال فی الدر: الا اذا عین الحطب وھو ای الحطب ملکہ فیجوز مجتبی وبہ یفتی اھ واللہ اعلم. حررہ الاحقر ظفر احمد عفی عنہ

۲۰ صفر ۴۸ھ

سرکاری مویشی خانہ سے نیلام شدہ جانور خریدنے کا حکم

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ سانڈ یا اور کوئی جانور جو سرکاری مویشی خانہ میں داخل ہو کر نیلام ہوتے ہیں اس کا لینا جائز ہے یا نہیں اور وہ اپنی ملک ہو سکتا ہے یا نہیں.

الجواب

سرکاری مویشی خانہ میں جو جانور فروخت ہوتے ہیں ان کا خریدنا جائز ہے. اور وہ خریدنے سے ملک میں بھی آجاتے ہیں.

واللہ اعلم

خریدا ہوا بیل اگر قیمت ادا کرنے سے پہلے مرجائے تو قیمت کی ادائگی لازم ہے۔

سوال: زید نے عمر سے ایک بیل خرید اخریدتے وقت کہا کہ ایک مہینہ بعد روپیہ ادا کروں گا۔ اس وقت ہاتھ میں بالکل روپیہ نہیں ہے۔ عمر نے بھی راضی ہو کر بیل زید کے حوالے کر دیا چند روز کے بعد وہ بیل مر گیا اب وہ روپیہ نہیں دیتا اور کہتا ہے کہ مردہ چیز کا روپیہ لینا جائز نہیں۔ بحسب شریعت روپیہ دینا پڑے گا یا نہیں؟

الجواب

جب زید نے عمر سے بیل خرید لیا اور زید نے اس پر قبضہ بھی کر لیا تو اب زید کے پاس ہلاک ہونے کے بعد زید کے ذمہ قیمت کا ادا کرنا واجب ہے اور یہ قیمت مردہ بیل کی نہیں مانگی جاتی بلکہ زندہ بیل کی مانگی جاتی ہے کیونکہ عمر نے تو اس وقت زندہ بیل دیا تھا۔

قال فی الهداية: واذا حصل الايجاب والقبول لزم البيع ولا خيار لواحد منهما الا من عيب او عدم رؤية. (ج ۳/۴) وفيها ايضا ولو قبض المشتري وهلك في يده في مدة الخيار ضمنه وفيها ايضا فان هلك في يده هلك بالثمن وكذا اذا دخله عيب اھ (ج ۳/۱۵/۱۴) قلت: اذا كان الحكم ذالك في الخيار فمع عدمه اولى۔ والله اعلم۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ
۲۲ صفر ۴۸ھ

ادھار بیچنے کی صورت میں قیمت میں زیادتی کرنا

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ملک بنگالہ کشور گنج کے اطراف وجوانب میں یہ رواج ہے کہ جیٹھ اور اساڑھ کا مہینہ جو زمانہ تنگدستی کا ہے ہر کم قیمت کی چیز زیادہ قیمت لے کر فروخت کرتے ہیں۔ مثلاً بازار میں چاولوں کا نرخ آٹھ یا دس روپیہ من ہے تو اگر وہ نقد ثمن پر فروخت کریں تو اتنے ہی نرخ پر اور اگر ادھار ثمن پر فروخت کریں تو دو تین مہینہ اُجل مقرر کر کے آٹھ یا دس روپیہ من خرید و فروخت کرتے ہیں۔ خریدنے والا چونکہ مفلس اور پریشان ہے اس واسطے اتنے نقصان ہی پر قبول کر لیتا ہے۔ آیا یہ بیع بالاُجل کی صورت ہوئی یا سلم کی صورت ہوئی یا اور کچھ اگر بیع بالاَجل ہے تو ہدایہ میں اعتیاض عن الاَجل

حرام لکھا ہے۔ کما فی کتاب الصلح۔

ولو كانت له الف مؤجلة فصالحه على خمسمائة حالة لم يجز لأن المعجل خير من المؤجل وهو غير مستحق بالعقد فيكون بازاء ما حطه عنه وذالك اعتياض عن الأجل فهو حرام اور اگر صورت سلم کی ہے تو ہدایہ مع الکفایہ صفحہ ۱۳۵ مطبوعہ نولکشور میں ہے۔

والمراد بالموزونات غير الدراهم والدنانير لانهما اثمان والمسلم فيه لابد أن يكون مثمنا فلا يصح السلم فيها.

اور اسی صفحہ مرقومہ کے حاشیہ میں بالموزونات الخ ای التی يجوز السلم فيها غير الدراهم والدنانير فان اسلم فيها دراهم او دنانير فالاتفاق أنه باطل وإن اسلم غيرها من العروض كحنطة او ثوب فى عشرة دراهم ودنانير فلا يصح بالاتفاق صورته ان يسلم عشرة اذرع من الكرباس وغيره فى عشرة دراهم او دنانير انتهى وفى فتاوى قاضيخان ولا يجوز فى الدراهم والدنانير ولا يجوز الاسلام الحنطة فى الدراهم المؤجلة عندنا واذا لم يصح سلما قال عيسى يبطل العقد اصلاً انتهى وقال شمس الأئمة السرخسى رحمه الله الصحيح ما قال عيسى الخ وفى تنوير الابصار شراء الشئ اليسير بثمن غال لحاجته القرض يجوز بكره فقط الخ.

الجواب

قال فى الخلاصة رجل باع شئ على أنه بالنقد بكذا وبالنسية بكذا او إلى شهر بكذا او الى شهرين بكذ الم يجز اه (ج ۳/ ۶۰) وكذا فى العالمگيرية (ج ۴/ ۸۰) وفى الهداية لأن الاجل شبهًا بالمبيع الا يرى أنه يزاد فى الثمن لأجل الأجل وفى الحاشية نقلا عن العنايته وما نحن فيه هو أن يقول أن أجلتنى مدة كذا فثمنه يكون بزيادة مقدار فيثبت زيادة الثمن بالشرط (ج ۳/ ۵۸)

ان نصوص سے معلوم ہوا کہ اجل کی وجہ سے ثمن زیادہ کرنا فی نفسہٖ جائز ہے مگر اس کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ بائع یوں کہے کہ اس چیز کی قیمت نقد ادا کی جائے تو ثمن یہ ہے اور ادھار ادا کی جائے تو ثمن یہ ہے اور مجلس عقد میں اس کا نقد یا نسیہ ہونا معلوم نہ ہو تو بیع فاسد ہے۔ ایک صورت یہ ہے کہ بائع اوّل مشتری سے دریافت کرے کہ تو قیمت نقد دے گا یا ادھار۔ اگر وہ کہے کہ نقد ادا کروں گا تو اس سے کم قیمت بتائے اور اگر کہے کہ میں ادھار لینا چاہتا ہوں تو اس سے قیمت زیادہ بیان کی جائے تو یہ صورت جائز ہے اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔ واللہ اعلم۔ حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ

۱۰ رجب ۱۳۴۶ھ

شئی مشتبہ خریدنے کا حکم سوال: ایک مسلمان مگر غیر عادل عطر فروش نے ایک دوسرے کارخانے کے نام کی مہر سے میرے ہاتھ عطر فروخت کیا میں نے اس سے کہا کہ اگر یہ چوری کا ہوگا تو نماز نہ ہوگی۔ اس لئے اس کا وبال تم پر بھی ہوگا۔ اس نے کہا کہ نہیں میں اس کا ذمہ دار ہوں یہ چوری کا نہیں ہے میں نے یہ سمجھا کہ اس نے مصنوعی مہر کارخانہ کی لگا دی ہے تاکہ دوم درجہ کے عطر کو اس مہر کی وجہ سے اوّل درجہ کا کہہ کر بیچ لے۔ آیا یہ معاملہ شرعاً صحیح ہے۔

الجواب

عطر فروش کو دھوکہ دہی کا گناہ ہوگا مگر خریدار کو اس سے عطر خریدنا جائز ہے جبکہ چوری کا ظن غالب نہ ہو۔ واللہ اعلم۔

مشتری کی عدم موجودگی میں مبیع تولنے کا حکم سوال: ہمارے اس طرف رواج ہے کہ دوکاندار لوگ بیع ہونے کے قبل اور مشتری کی عدم موجودگی میں چینی اور نمک وغیرہ کے سیر بھر و آدھا سیر یا پاؤ کے پٹلہ تول کر کاغذ وغیرہ میں باندھ کر رکھ دیتے ہیں۔ پھر مشتری جا کر خرید کر کے بغیر تولے اٹھا لے آتا ہے۔ یہ بیع صحیح ہے یا نہیں۔

الجواب

اگر خریدنے والا یہ کہہ کر چینی و نمک خریدتا ہے کہ مجھ کو پاؤ بھر یا آدھ سیر چینی وغیرہ دے دو اور بائع اس کہنے پر پاؤ بھر یا آدھ سیر کا پوڑا اٹھا کر دے دیتا ہے اس صورت

میں خریدار کو دوبارہ وزن کرنا ضروری ہے بدون وزن کے استعمال کرنا جائز نہیں اور اگر وزن کے ساتھ معاملہ نہیں ہوتا بلکہ خریدار یوں کہتا ہے کہ مجھ کو ایک یا دو آنہ والا پوڑا دے دو اور بائع اس کو اس قیمت کا پوڑا دے دیتا ہے تو اس صورت میں بدون وزن کئے بھی استعمال کرسکتے ہیں۔ واللہ اعلم۔

بازار سے پھلوں کی خریداری کا حکم جہاں اکثر بیع فاسد ہوتی ہے

سوال: عرض یہ ہے کہ پھل انبہ وغیرہ جو بازاروں میں بکتا ہے جس کی بیع کہیں باطل ہے کہیں فاسد ہے۔ دونوں بیع رلی ملی ہیں۔ یہ معلوم نہیں کہ فاسد کس کی اور باطل کس کی ہے۔ ایسے پھل انبہ وغیرہ بازار سے خرید کر کھانا شرعاً جائز ہے یا ناجائز؟

الجواب

فی الأشباہ ناقلاً عن القنیہ من الکراھنہ غلب علی ظنہ ان اکثر بیاعات اھل السوق لا تخلو عن الفساد فان کان الغالب ھو الحرام تنزہ عن شراءہ ولکن مع ھذا لو اشتراہ یطیب لہٗ وقال الشارح الحموی ووجہہ ان کون الغالب فی السوق الحرام لا یستلزم کون مشتری حراماً لجواز کونہ من الحلال المغلوب والأصل الحل اھ (صا۹)

اس سے معلوم ہوا کہ جہاں بازاروں کی اکثر بیع وشراء فساد سے خالی نہ ہوں وہاں تقویٰ تو یہ ہے کہ ایسی اشیاء کی خرید سے بچے جن میں فساد غالب ہے اور اگر خریدے گا تو فتویٰ سے اس کا خریدنا جائز ہے گو تقویٰ کے خلاف ہے۔ فقط

حررہٗ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ
از تھانہ بھون ۲۲ ذی الحجہ ۱۳۴۲ھ

کیڑے کی خرید وفروخت کا حکم

سوال: ماقولکم رحمکم اللہ تعالیٰ اس مسئلہ میں کہ یہاں کے جنگلوں میں ایک قسم کا کیڑا ہوتا ہے نہایت خوبصورت سبز رنگ کا جو کہ کاسس کیڑا اور سونا کیڑا کے نام سے مشہور ہے۔ گراں قیمت میں خرید و فروخت ہوتا ہے اس کی بڑی کمپنی کلکتہ میں ہے۔ یہ کس کام میں لگتا ہے یہاں کسی کو معلوم نہیں۔ اب دریافت طلب یہ ہے کہ کسی زندہ کیڑے کو مار کر خرید و فروخت کرنا کیسا ہے اور نیز احقر نے گیارہ سو روپے کا کیڑا خرید کیا ہے اب اس کو نفع میں فروخت کرسکتا ہوں۔

الجواب

یہ بیع درست ہے اور نفع بھی جائز ہے۔

قال فی الدّر: وجوّز ابو اللیث بیع العلق و بہ یفتی للحاجۃ مجتبی

قال العلامۃ الشامی: اقول العلق فی زماننا یحتاج الیہ للتداوی۔۔

وحیث کان متمولاً لمجرد ذالک دلّ علی جواز بیع دودۃ القرمز

فان تمولھا الآن اعظم إذ ھی من اعزّ الأموال ویباع منھا فی کل

ستۃ قناطیر بثمن عظیم لعلھا ھی المرادۃ بالعلق فی عبارۃ الذخیرۃ

لقربتہ التعلیل فتکون مستثناۃ من بیع المیتۃ اھ (ج ۴/۲/۱۷۲) واللہ اعلم

حرّرہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ

مقیم خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون، ۲ صفر ۱۳۴۳ھ

مختلف اشیاء مثلاً تصویر، تاش گنجفہ کوٹ پتلون کی بیع کا حکم

سوال: ملک افریقہ ضلع ناٹال میں تجارت و بیوپار صورت ذیل سے ہوتا ہے۔

ایک بہت بڑی دوکان ہے جس میں مختلف اقسام کی جائز و ناجائز اشیاء کی خرید و فروخت ہوتی ہے مثلاً گندم، جوار، چاول وغیرہ پارچہ پوشیدنی میں ململ، خاصہ ریشم، بافات، کاشمیرہ وغیرہ ساختہ و تیار شدہ کوٹ پتلون، انگریزی ٹوپیاں وغیرہ۔ تیار شدہ اقسام خوردنی میں سے مثلاً گوشت بیل جس کی یہ کیفیت ہے کہ ٹین کے ایک سربند ڈبہ میں محفوظ ہوتا ہے اور اس بیل کے ذبح کرنے والا بظن غالب عیسائی المذہب شخص ہوتا ہے جو عقیدۃً دہریہ معلوم ہوتا ہے۔ یہ گوشت پکا پکایا امریکہ سے آتا ہے جو سڑتا بستا نہیں واللہ اعلم کس چیز سے اس کی حفاظت کی جاتی ہے کہ مدتوں خراب نہیں ہوتا لیکن جس وقت ڈبہ محولہ گوشت کو کھولا جاتا ہے تو سخت بدبو اور سڑا ہندی آتی ہے۔ انگریزی مٹھائیاں بھی اس دوکان پر فروخت ہوتی ہیں جن میں سے بعض کے بنانے کی ترکیب یہ ہے کہ بیل کے سُم کی گوند (جیلٹن) ڈالا جاتا ہے اور بعض مٹھائیوں میں رنگ و خوشبو ڈالی جاتی ہے۔ اور اس رنگ و خوشبو میں شراب کی آمیزش ہوتی ہے۔ ڈبل روٹی تیار کرنے کی صورت یہ ہے کہ ایک ڈبہ کی سطح اندرونی میں کچھ روغن ملتے ہیں۔ اس روغن میں شک ہے بلکہ ظن غالب ہے کہ یہ وہ چربی ہو کہ جس جانور کا ذابح دہریہ ہوتا ہے اور یہ بھی وہم

بلکہ شک ہے کہ چربی خنزیر کی ہو۔ اس لئے کہ وہ ملک بالکل عیسائی المذہب دنیا سے باہر ہے۔ نیز اس لئے کہ اس روٹی کے تیار کرنے والے عیسائی المذہب یا لامذہب مشرک اشخاص ہوتے ہیں کیا اس روٹی کا کھانا درست یا تجارت درست ہے۔

ادویہ انگریزی اکثر دوکان پر فروخت ہوتی ہیں جن میں سے بعض میں یقیناً شراب ہوتی ہے۔ بعض ظناً بعض میں شکاً بعض میں وہماً لہو ولعب کی اشیاء یعنی ربڑ کی گڑیاں بعینہٖ شکل آدمی کے مشابہ جو طول و عرض میں دو دو تین تین گز کی اور بعض چار پانچ گرہ کی ہوتی ہیں یا دوسری لہو ولعب کی اشیاء باجے گاجے کو معمولی رسمی کھیلنے کی چیزیں جو بچے اکثر بجاتے کھیلتے ہیں۔ آتشبازی، تاش گنجفہ، تصویریں، کوٹ پتلون پہننا مسلمانوں کو حرام ہے تو ان کی بیع بھی مسلمانوں کے ہاتھ حرام ہوگی۔ اگر غیر مسلم اشخاص کے ہاتھ ان کی بیع کی جائے تو کیا حکم ہے۔ علیٰ ھذا القیاس اگر غیر مسلم اشخاص کے ہاتھ ایسی اشیاء کی بیع کی جائے جو بطور لباس اہل اسلام کو ناجائز ہے مثلاً تیار شدہ پارچہ زنانہ نہایت باریک ریشم یا جالی کے یا لہنگے ہندوانہ لباس یا دوسری اقوام غیر مسلم کا لباس یا لہو ولعب کی اشیاء کی بیع مثلاً تاش گنجفہ باجے گاجے وغیرہ۔

الجواب

(۱) نمبر اوّل کی بیع جائز ہے۔ (۲) ان اشیاء کی بیع بھی فی نفسہٖ جائز ہے کیونکہ ان اشیاء کا مسلمانوں کے لئے لبس حرام ہے اور بیع لبس کو مستلزم نہیں۔ ممکن ہے کہ وہ ان کو ہیئت بدل کر استعمال کرے فکان کبیع العصیر ممن یتخذہ خمرا و کبیع الأمرد ممن یتھم بالسوء لیکن اگر ظن غالب ہو کہ خریدنے والا اسی ہیئت پر پہنے گا تو اعانت علی المعصیۃ کا بعض کے نزدیک گناہ ہوگا (۳) ان اشیاء کی بیع جائز نہیں بالکل حرام ہے (۴) جس مٹھائی میں بیل کے سم کا گوند ڈالا جاتا ہے اگر زندہ بیل یا ذبیحہ کا گوند ڈالا جاتا ہے اور اس گوند میں مائل خون کی آمیزش نہیں اور یہ گوند حالت حیات میں بدون جانور کو زخمی کئے حاصل ہوتا ہے تو جائز ہے اور مردہ یا ذبیحہ کافر کا گوند ڈالا جاتا ہے تو حرام ہے۔ (۵) رنگ اور خوشبو جس میں اسپرٹ کی آمیزش ہے اگر وہ خمور اربعہ میں سے نہیں تو عموم بلوی کی وجہ سے پاک ہے ورنہ ناپاک ہے (۶) جب اس روغن میں ظن غالب یہ ہے کہ وہ ذبیحہ دہریہ کی چربی ہے تو اس کا کھانا حرام ہے اور بیع بھی حرام ہے۔

(۷) ادویہ انگریزی کی بابت بھی وہی جواب ہے جو رنگ و پڑیا کی بابت ہے جس کا حکم نمبر ۵ میں گذرا ہے۔ (۸) تصویر دار گڑیوں کی بیع حرام ہے (۹) باجے گاجے اور ربڑ کے کھلونے کی بیع جائز ہے کیونکہ حرمت اس کی ذات میں نہیں بلکہ فعل میں ہے اور جو تفصیل کوٹ پتلون میں نمبر ۲ میں اوپر گذری ہے وہ یہاں بھی ہے۔ آتش بازی کی بیع بھی باجے گاجے کے حکم میں ہے اور تاش گنجفہ اور تصویروں کی بیع حرام ہے کیونکہ تاش گنجفہ بھی تصویروں سے خالی نہیں ہوتے۔ (۱۱) اس کا جواب نمبر دوم سے معلوم ہو گیا اور نصاریٰ کے ہاتھ اس کا بیع کرنا جائز ہے لعدم علة التشبه في حقهم فكان بيعه لهم بيع الحلال لبسًا۔

(۱۲) اس لباس کی بیع جائز ہے۔ (۱۳) تصویر دار اشیاء کی بیع جائز نہیں نہ ایسی اشیاء کی جو کفار کی معبود ہیں۔ جیسے صلیب وغیرہ۔ واللہ اعلم۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ

۲۲ محرم ۴۵ھ

ثمن خرید بیان کرنا اس وقت ضروری ہے جب کہ بیع مرابحہ و تولیہ کرے۔ دیگر میں ضروری نہیں۔

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ میں کہ تجار کی کیفیت تجارت میں یہ ہے کہ ایک تاجر و مالک دوکان کے تجارتی معاملات کی صورت یہ ہوتی ہے کہ اول بہت سا مال ایک بڑی دوکان سے قرض لاتا ہے۔ بوعدہ تین یا چھ ماہ بعدہٗ اپنے قبضہ میں مال لا کر لوگوں کے ہاتھ فروخت کرتا ہے۔ بعض کے ہاتھ نقد بعض کے ہاتھ قرض لیکن بیع کے قبل یا بعد یا مجلس بیع میں اس امر کا کہیں ذکر نہیں آیا کہ یہ مال میں قرض لایا ہوں۔ حضرت اقدس نے بہشتی زیور میں حصہ پنجم میں (نفع لے کر یا دام کے دام پر بیچنے کا بیان) چوتھے مسئلہ میں اس صورت کو ناجائز فرمایا ہے۔ مزید براں بیشتر مشتری ہنگام معاملہ بیع یہ خیال ہی نہیں کرتے کہ یہ مال قرضہ کا لایا ہوا ہے بلکہ یہ ہی خیال کرتے ہیں کہ یہ مال تاجر کے نقد داموں کا خریدا ہوا ہے۔

الجواب

تاجر کو یہ بتلانا کہ میں نے یہ مال قرض خرید کیا ہے یا نقد اس وقت ضروری ہے جبکہ وہ خریدار سے یہ کہے کہ میں تم کو اپنی خرید پر دے رہا ہوں یا اپنی خرید پہ اتنا نفع لے رہا ہوں

اور اگر خرید پر معاملہ نہ ہو تو بائع کو اس امر کے بتلانے کی ضرورت نہیں کہ اس نے نقد لیا تھا یا ادھار۔ (شامی ص ۱۵۳ ج ۶)

الغرض سائل کو بہشتی زیور سے یہ شبہ ہوا کہ نفع لے کر بیچنے میں مطلقاً خرید کے بیان کی ضرورت ہے حالانکہ اس کا یہ مطلب نہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ جب بائع مشتری میں یہ بات طے ہو کہ اصل خرید پر معاملہ کیا جائے گا یا اصل خرید پر متعین مقدار نفع کی لے جائے گی تب یہ بتلانا ضروری ہے کہ اصل خرید نقد پر تھی یا ادھار پر واللہ اعلم۔

ظفر احمد عفا اللہ عنہ

چرم قربانی قصاب کے ہاتھ فروخت کیا تو اس کی قیمت میں کمی بیشی کر سکتے ہیں یا نہیں؟

سوال: عرض یہ ہے کہ قربانی کا چمڑا قصاب کو بقیمت دیا گیا اس چمڑے میں قصاب کو گھاٹا آیا اور ابھی تک چرم قربانی کی قیمت قصاب نے نہ دی تو اب اس سے کچھ روپیہ چھوڑنا چاہتے ہیں۔ بائع کو چھوڑنے کا حق ہے یا نہیں؟

الجواب

بیع و شراء میں بائع و مشتری کو ثمن میں سے کچھ کم کر دینے یا زیادہ کر دینے کا حق حاصل ہے۔ اس لئے قربانی کرنے والے قصاب سے چمڑے کی قیمت کچھ کم کر سکتے ہیں۔ مگر یہ ضروری ہے کہ کمی اتنی کی جائے جتنی کہ تاجر اپنی اور چیزوں کی قیمت میں کمی گوارا کر لیا کرتے ہیں۔ یہ سمجھ کر کہ یہ قیمت ہمارے تو کام نہ آئے گی غریبوں کو صدقہ کرنا پڑے گا بے پروائی کے ساتھ بہت زیادہ کمی نہ کریں کیونکہ اس میں فقراء کا حق تلف کرنا ہے۔ واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ

از تھانہ بھون ۲ صفر ۱۳۴۵ھ

غلط کتابوں کی تجارت کا حکم

سوال: عرض یہ ہے کہ بندہ ایک کتب فروش اپنی اوقات بسری کے لئے ہر قسم کی کتابیں دینی و غیر دینی فروخت کرتا ہوں اور قرآن شریف ہر مطبع کا صحیح بھی ہوتا ہے اور غلط بھی۔ بیوپاریوں کے لئے ہر قسم کی کتابیں اور قرآن صحیح غلط کم و بیش کی وجہ رکھنا پڑتا ہے ورنہ بیوپاری لوگ نہیں ٹھہرتے۔ فقط خوردہ بکری پر دکان و کاروبار ترقی نہیں کر پاتا اور نہ نفع معقول ہوتا ہے جس سے گزران اپنا ٹھیک چلے۔ لہٰذا عرض یہ

ہے کہ ایسی تجارت جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب

جو قرآن بہت غلط ہو اس کی بیع جائز نہیں بلکہ اس کا دفن کر دینا لازم ہے یا صحیح کر کے گھر میں رکھا جائے اور بیع کیا جائے اور جو کم غلط ہو یعنی اس میں اتنی قلیل غلطیاں ہوں جس سے تحرز دشوار ہے اور عرفاً بھی اس کو کم غلط سمجھا جاتا ہے اس کی بیع جائز ہے اور اس کو تجار معلوم کر سکتے ہیں کہ کون سا قرآن کم غلط ہے اور کون سا بہت غلط ہے۔

فان الغلط مثل القرآن الخلق الذی یتعذر منه القرأة ونص علی لزوم دفنه فی العالمگیریة فی باب الخطر والاباحة وایضاً فعل عثمان یشهد لما قلنا فانه أمر بالمصاحف التی نسخت قبل جمعه بأن تغسل بالماء ثم تحرق احترازاً عن وقوع الناس فی الغلط صرح به الحافظ فی الفتح فی باب جمع القرآن: واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ

از خانقاہ اشرفیہ تھانہ بھون ۲ جمادی الاول ۵۴ھ

مملوکہ زمین میں جمع ہونے والی مچھلیوں کی بیع کا حکم

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ زمین کے ایک ٹکڑے نشیبی پر سرکاری لگان مقرر ہے اور ہمیشہ اس میں پانی رہ جاتا ہے۔ آبادی کا موقع نہیں ملتا۔ مالک کو بھاری لگان کی ادائیگی اپنی گرہ سے سخت نقصان ہے۔ طلباء اور حکام کی مدارات اس پر لازم ہے۔ اس نشیبی ٹکڑا مذکورہ میں مچھلی بہت جمع ہوتی ہے۔ راستہ آمد و رفت مچھلی کا بند ہے۔ ماہرین فن مچھلی کا اندازہ اور اپنے نفع کا خیال کر کے قیمت دینا منظور اور مچھلی کی بیع پر مجبور کرتے ہیں۔ مچھلی کی بیع فاسد یا باطل جائز ہے یا نہ اور بصورت بیع اس کا زرِ ثمن حلال ہے یا نہیں۔ حکام اور طلباً پر اس زرِ ثمن سے صرف کرنا کس طرح ہے۔ اگر ناجائز ہے تو اس کے جواز کا کوئی حیلہ ہے، جس سے سرکاری معاملہ کا بوجھ مالک سے گر جائے۔ بحوالہ کتب فقہ حنفیہ مفصل طور پر سوال کا جواب مرحمت فرمایا جائے کہ عند اللہ آپ صاحبان ماجور و مثوب ہوں گے۔

الجواب

قال فی الدّر: وفسد بیع سمك لم یصد او صید ثم القی فی مكان لا یؤخذ منه الّا بحیلة للعجز عن التسلیم وان اخذ بدونها صح وله خیار الرؤیة الّا اذا دخل بنفسه ولم یسد مدخله فلو سدہ ملكه اھ قال الشامی والحاصل كما فی الفتح انهٗ اذا دخل السمك فی خطیرة فاما ان یعدها لذلك اولا ففی الاول یملكه ولیس لاحد اخذه ثم ان امكنه اُخذه بلاحلیة جاز بیعه لأنهٗ مملوك مقدور التسلیم والا لم یجز لعدم القدرة علی التسلیم (وان كان مملوكًا ۱۲)

وفی الثانی لا یملكه فلا یجوز بیعهٗ لعدم الملك الا ان یسد الخطیرة اذا دخل فحینئذٍ یملكه ثم ان امكن اخذهٗ بلاحیلة جاز بیعه والّا فلا وان لم یعد لذلك لكنهٗ اُخذه وارسلهٗ فیها ملكهٗ ثم حكم البیع منوط علی ما مرّ من اخذه بحیلة او بغیر حیلة اھ بمعناہ (ج ۴/۱۶۴)

خلاصہ یہ کہ اگر یہ زمین مچھلیوں کے جمع ہونے کے لئے مقرر کرلی گئی ہو تو مچھلیاں صاحب زمین کی مملوک ہیں دوسروں کو پکڑنے کا حق نہیں اسی طرح اگر زمین اس لئے تیار تو نہ کی گئی ہو مگر مچھلیوں کے دخول کے بعد نکلنے اور آنے کا راستہ بند کردیا گیا ہو تب بھی مالک زمین کی مملوک ہیں یا راستہ بھی بند نہ کیا گیا ہو لیکن مالک زمین نے ان کو خود لاکر چھوڑا ہو جب بھی مملوک ہیں اور ہر صورت میں بیع کا حکم یہ ہے کہ اگر مچھلیاں بدون جال وغیرہ کے بہ آسانی پکڑی جاسکیں تب تو پکڑنے سے پہلے بیع درست ہے ورنہ جائز نہیں جس صورت میں بیع جائز ہے اس صورت میں ثمن حلال ہے ورنہ حلال نہیں جس کا تصدق غرباء پر واجب ہوگا اور لگان میں بھی دے سکتا ہے اور ان مذکورہ صورتوں سے کوئی نہیں تو مچھلیاں مالک زمین کی مملوک نہ ہوں گی اور ثمن کا خریداروں کو واپس کرنا واجب ہوگا۔ اس صورت میں بیع کرنا اور ثمن کا لگان وغیرہ میں دینا کچھ جائز نہ ہوگا۔ عدم ملک اور عدم جواز بیع کی صورت میں حیلہ جواز یہ ہے کہ مچھلیوں کو شکار کرکے بیع کیا جائے واللہ اعلم۔ حرّرہ الاحقر ظفر احمد، ۱۴ جمادی الثانیہ ۴۳ھ

کانجی ہاؤس وغیرہ میں جو جانور وغیرہ فروخت ہوتے ہیں ان کا حکم

سوال: الہ آباد میں میں نے آپ سے دریافت کیا تھا کہ کانجی ہاؤس کا جانور خرید نا جائز ہے یا نہیں۔ آپ نے فرمایا تھا کہ عقود میں نیابت ہوتی ہے استیلاء میں یہ بات نہیں ہے بعد میں جو خیال مجھ کو ہوا وہ عرض کرتا ہوں اطمینان فرمادیجئے۔ وہ یہ کہ کانجی ہاؤس کا ملازم بحیثیت ملازم نہیں ہوتا بلکہ جیسے ملک پر حصول استیلاء فوج و ملازم سے ہوتا ہے ایسے یہاں بھی ہے اگر یہ نہیں ہے تو صورت کیا ہونی چاہیئے جس سے استیلاء صحیح مانا جائے۔

الجواب

قال فی البحر: وانما حرم علیہ (ای علی المستأمن التعرض لما لھم) لأنہ ضمن بالاستیمان ان لا یتعرض لھم فالتعرض بعد ذلک یکون غدراً والغدر حرام الا اذا غدر بہ ملکھم فاخذ مالہ اوحبسہ اوفعل غیرہ بعلم الملک ولم یمنعہ لأنھم ھم الذین نقضوا العھد اھ (ج ۵/ ۹۹) ومثلہ فی الھدایۃ (ج ۲/ ۵۶۴)

قلت دل علی ان فعل غیر الملک بعلمہ وعدم منعہ کفعلہ وفعل الملک موجب للاستیلا فکذا فعل غیرہ بعلمہ وعدم منعہ وبامرہ بالأولی: پس صورت مسئولہ میں کانجی ہاؤس وغیرہ میں جو جانور قانونِ حکومت کے موافق بیع ہوتے ہیں ان پر استیلاء متحقق ہے کیونکہ استیلاء دائما بفعل ملک نہیں ہو سکتا فوج یا ملازمین ہی کے ذریعے سے اکثر ہوا کرتا ہے واللہ اعلم:

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ

۱۵ جمادی الثانیہ ۱۳۴۳ھ

بیعانہ کی رقم ضبط کر لینا ظلم اور غصب ہے۔

سوال: شہری رواج کے مطابق بغرض اظہار قطعیت معاملہ مشتری کچھ رقم بائع کو قبل از ادائے کل رقم وقبضہ مبیع دیتا ہے جس کو عرفاً بیعانہ کہتے ہیں اس کا کیا حکم ہے۔ اگر مشتری لینے سے انکار کر بیٹھتا ہے تو بیعانہ بائع مشتری کو مسترد نہیں کرتا۔

الجواب

اطمینان کے لئے بیعانہ لینے یا دینے کا تو مضائقہ نہیں مگر مشتری لینے سے انکار کر بیٹھے تو زرِ بیعانہ کی واپسی واجب ہے اور اس کا دبا لینا ظلم اور غصب میں داخل ہے۔ واللہ اعلم۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ

۱۲ رجب ۴۳ھ

آڑھت کے معاملہ کا کیا حکم ہے ؟ | سوال : کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ہمارے یہاں کا دستور ہے کہ آڑھت سے مال دوسری جگہ روانہ کیا جاتا ہے جس کے یہاں مال جاتا ہے وہ ہم کو ۲؍ روپیہ فی سیکڑہ کمیشن دیتا ہے مگر فرمائش دہندہ سے یہ طے رہتا ہے کہ جتنے روپیہ کو مال خریدیں گے اس قدر قیمت لکھی جائے گی۔ اس کے اوپر ہم آڑھت سے فی سیکڑہ ۲؍ روپیہ لیں گے مگر ہمارے یہاں ایک دوسری بات یہ متعارف ہے کہ جو شخص کسی سے مال خریدے گا تو جس قیمت پر بیع وشراء ہوتی ہے اس سے ایک آنہ فی تھان وضع کرکے بائع کو قیمت دیتے ہیں اور یہ دستور بائع اور مشتری کو ہمیشہ سے معلوم ہے۔ کہنے کی ضرورت نہیں ہوتی اور نہ بائع اس کو جبر سمجھتا ہے بلکہ یہ رسم ہے جو مدت سے چلی آ رہی ہے مگر اس کے ساتھ یہ بھی رہتا ہے کہ اس بیع شراء کو بائع اور مشتری سمجھتے ہیں کہ اس قیمت پر ہوتی ہے جو قیمت ایک آنہ فی تھان وضع کر لینے کی ہے۔ لہٰذا گذارش یہ ہے کہ اب اگر فرمائش دہندہ کو مال روانہ کیا جائے تو آیا وہ قیمت لکھی جائے گی جس پر بیع وشراء طے ہوئی ہے یا وہ قیمت جو ایک آنہ فی تھان وضع کر لینے کے بعد باقی رہتی ہے۔ بینوا توجروا

الجواب

اگر ایک آنہ فی تھان پہلے وضع کرکے بائع کو باقی قیمت دی جاتی ہے تو فرمائش دہندہ کو وہ قیمت لکھنی چاہیئے جو ایک آنہ فی تھان وضع کر لینے کے بعد باقی رہتی ہے اور اگر یہ کہا جائے کہ بائع کو پوری قیمت طے شدہ بدون ایک آنہ کے فی تھان وضع کے لئے دے دی جائے اور پھر اس کے بعد ایک آنہ فی تھان بائع سے اپنے حق کا لے لیا جائے تو اس صورت میں فرمائش دہندہ کو وہ قیمت لکھنا جائز ہے جس پر بیع شراء اول طے ہوئی تھی۔

والحاصل ان الدلال یأخذ اجرۃ دلالتہ فی ھذہ الصورۃ من البائع والمشتری کلیھما فلو عقد الدلال والبائع علی ثمن معلوم وادی الدلال الیہ ذلک الثمن بعینہ تم البیع علیہ وجاز لہ ان یبیعہ مع المشتری الثانی مرابحۃ علی الثمن المذکور وما اخذہ بعد ذالک من البائع لم یکن حطا من الثمن بل ھو اجر دلالتہ واذا لم یؤد الدلال الثمن کاملا بل حط منہ حقہ اولا ثم ادی الیہ الباقی لم یمکن جعلہ اجرا لانہ لم یدخل فی ملک البائع بعد بل ھو داخل فی الحط فیکون الثمن ھو المودی بعد الحط فلا یجوز بیعہ مرابحۃ علی الثمن الاول بل علی ما بقی بعد الحط۔ قال فی العالمگیریۃ واذا حط البائع عن المشتری بعض الثمن باعہ مرابحۃ بما بقی الحط اھ (ج ۴/۹۲) قلت والحط انما یکون قبل تسلیم المشتری الثمن وقبض البائع ایاہ واما لو اعطاہ شیئا بعد تسلیم الثمن فلا یجعل حطا بل ھبۃ او اجرا علی حدۃ

اور احوط یہ ہے کہ فرمائش دہندہ کو اطلاع کردی جائے کہ جو قیمت تم کو لکھی جاتی ہے اس میں ایک آنہ فی تھان ہمارا حق بھی شامل ہے اور تم سے ع۱ سیکڑہ اس مجموعی قیمت پر لیا جائے گا اس کے بعد اگر وہ راضی ہو اور اس کو منظور کرے تو پھر کچھ شبہ نہیں۔ واللہ اعلم۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ

از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ ۴ رجب ۱۳۴۳ھ

غلہ نقد و ادھار متفرق نرخ سے بیچنا درست ہے

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین درج ذیل مسئلہ میں کہ بازار میں اناج مثلاً نقد فی من چار روپیہ کے حساب سے فروخت ہوتا ہے کوئی شخص ادھار پر پانچ روپیہ فی من کے حساب سے دیتا ہے۔ کیا یہ جائز ہے؟

۲۔ نیز دونوں نرخ ایک ہی آدمی نے جاری کر رکھے ہیں۔ نقد والا کوئی آتا ہے تو چار روپیہ فی من کے حساب سے اور ادھار والا آتا ہے تو پانچ روپیہ کے حساب سے دیتا ہے کیا اس کو دونوں نرخ ایک وقت میں جاری کرنے جائز ہیں؟

۳۔ ادھار پر گراں نرخ لگانا سود تو نہیں؟

۴۔ اگر یہ معاملہ جائز ہے تو دینے والے کو خلافِ مروت کا گناہ تو نہیں؟

الجواب

۱۔ ادھار اور نقد کی قیمت میں فرق کرنا جائز ہے قال فی ردّ المختار الاتری أنه یزاد فی الثمن لأجله اھ ای للأجل (ج ۴/ ۲۴۵)

ذکرہ فی موضع الاستدلال فاشعر بجوازہ البتہ یہ ضروری ہے کہ اوّل مشتری سے طے کرلیا جائے کہ نقد لیتے ہو یا ادھار، اگر نقد لینے کو کہے تو اس کے مناسب دام بتلا دے اور اگر ادھار کہے تو اس کے مناسب دام ٹھہرائے۔ باقی یوں نہ کہے کہ ابھی دام دو تو یہ ثمن ہے اور پھر وہ زبان سے کچھ نہ کہے اسی طرح معاملہ طے ہو جائے تو اس صورت میں جہالتِ ثمن کی وجہ سے بیع فاسد ہوگی۔

قال فی الخلاصة رجلٌ باع شیئًا علی أنهٗ بالنقد بکذا او بالنسیئة بکذا أو إلی شهر بکذا او الی شهرین بکذا لم یجز (ج ۳/ ۶۰) ذکرہ فی باب جهالة الثمن۔

۲۔ کچھ حرج نہیں بشرطیکہ موافق صورت مذکورہ سابقہ کے معاملہ کیا جائے۔

۳۔ نہیں۔ (۴) گناہ تو نہیں بے مروّتی ضرور ہے۔ بشرطیکہ ادھار سے اس کو تنگی نہ ہو اور ادھار دینے کی وسعت ہو۔ واللہ اعلم۔

حرّرہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ ۱۵ رجب ۱۳۴۳ھ

قرض کی رقم سے کوئی چیز خریدی تو مشتری مالک ہوگا یا قرض دہندہ

سوال: میرے بہنوئی مولوی بنیاد علی مرحوم کی زوجہ ثانی نے جو میری بہن نہ تھیں روپیہ بطور امانت میرے پاس رکھا ہوا تھا ضلع میں جب آٹا پیسنے کی مشین آئی اور اس میں نفع بہت دیکھا گیا تو میں نے اپنے بہنوئی مولوی بنیاد علی صاحب سے کہا اگر ہمارے پاس روپیہ ہوتا تو ہم بھی ایک ایسی مشین لا لگاتے۔ انہوں نے فرمایا کہ جو روپیہ تمہارے پاس بطور امانت رکھا ہوا ہے اس میں سے جس قدر روپیہ کا انجن ملے خرید لو اور جو کچھ نفع ہو اس میں سے میری زوجہ مسماۃ بشیر النساء کا یہ روپیہ جو بطور قرض ہے ادا کر دیجیو۔ چنانچہ میں نے اس روپیہ کا انجن خرید لیا۔ میرے بہنوئی نے اس انجن کے نصف منافع میں اپنے لڑکے منظور عزیز کو جو مسماۃ بشیر النساء کا سوتیلا لڑکا ہے شریک کر دیا اور یہ بات مسماۃ کے علم میں آگئی

مجھ پر اعتماد تھا۔ میرے بہنوئی مولوی بنیاد علی کا انتقال ہو گیا مگر میں نے انجن کی آمدنی سے کل قرضہ مسماۃ مذکورہ کو ادا کر دیا۔ بعد ادائیگی قرضہ جو کچھ نفع ہوا اس کو میں اور میرا بھانجہ نصف نصف تقسیم کرتے رہے۔ سوال یہ ہے کہ اب وہ انجن فروخت ہو گیا اس کے نصف کا قاعدۂ شرعی سے میں مالک ہوں یا نہیں۔ اگر مالک نہیں ہوں تو جو کچھ منافع ادائیگی قرض میں میں نے صرف کیا ہے اس کا میں مستحق ہوں یا نہیں؟ جواب باصواب سے مطلع فرمائیں۔

الجواب

صورت مذکورہ میں سائل نے جو رقم انجن میں لگائی ہے وہ بطور قرض لے کر لگائی ہے لہٰذا انجن سائل کی ملک ہوا اور اس کے منافع کا پورا مالک سائل ہوا اب اس کے بعد جو مالکۂ رقم کے بیٹے کو منافع میں شریک کیا گیا ہے اگر شرکت کے وقت یہ تصریح کر دی گئی تھی کہ یہ رقم قرض نہیں رہی بلکہ مسماۃ کی طرف سے سائل کو بطور مضاربت کے دی گئی ہے اور سائل نے اس کو منظور کر لیا اور منافع میں سائل کے ساتھ اس کا بھانجہ مضاربت کی وجہ سے شریک کیا گیا ہے تو یہ انجن صاحب رقم کی ملک ہو گیا مگر اس صورت میں مضاربت کے تمام احکام کی رعایت ضروری ہے لہٰذا یہ بتلایا جاوے کہ صاحب رقم کے لڑکے کو کیا کہہ کر شریک کیا گیا تھا اور اس وقت کس طرح معاملہ کیا گیا تھا اور اگر اس کی تصریح نہیں کی گئی تو بھانجہ کو نصف منافع میں شریک کرنا درست نہیں ہوا بلکہ انجن اور منافع بتمامہا سائل کی ملک تھے اور اس کے ذمہ صرف قرض کی رقم کا ادا کرنا لازم تھا۔ ہذا واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ

۷ شوال ۴۳ھ

آڑھت کی ایک صورت کا حکم

سوال: یہاں دستور ہے کہ بیوپاری کو تلسو کا مال خرید دیتے ہیں اور بیوپاری سے دو روپیہ سیکڑہ بطور اجرت لیتے ہیں اس کو عرف میں آڑھت کہتے ہیں اگر اس طرح مثلاً بکر نے زید تاجر کو پانچ سو ۵۰۰ روپے دیئے اور زید تاجر سے کہہ دیوے کہ تم بنارس میں جا کر مال خود خرید لینا اور ہم کو دو روپیہ کے حساب سے دس روپیہ آڑھت کے دے دینا بقیہ مال بیچنے کے بعد ہمارا پانچ سو اصل اور دس آڑھت کا پانچ سو دس ۵۱۰ روپیہ ادا کر دینا یہ صورت جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

یہ صورت جائز نہیں ہے آڑھت کی اجرت لینا اس وقت جائز ہے جبکہ آڑھتی نے بیوپاری کو مال خرید کر دلایا ہو اور بیوپاری نے مال کی قیمت خود ادا کی ہو خواہ اپنے مال سے یا کسی سے قرض لے کر لیکن جبکہ آڑھتی نے بیوپاری کو مال خرید کر نہیں دیا بلکہ اپنے پاس سے روپے دے دیئے کہ اس کا مال خرید لینا اس صورت میں آڑھت کے نام سے دس روپیہ پانچ سو کے علاوہ زائد لینا سود ہے جو جائز نہیں۔ واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ

۳ شعبان ۱۳۴۶ھ

والد کی زندگی میں بیٹے کا اپنے نام جائیداد خریدنا

سوال : عمرو نے اپنے والد کی حیات میں زید کے سرمائے سے ایک مکان اور کچھ جائیداد صحراء کی اپنے نام سے خریدی لیکن مرحوم نے کوئی تعرض نہیں کیا نہ اپنے نام منتقل کرایا۔ جائیداد مذکورہ پر ۱۹ سال تک زید مرحوم ہی قابض و متصرف رہے اور اس کی آمدنی کو اپنے تصرف میں لاتے رہے۔

الجواب

عمرو نے جو زمین اپنے والد کی حیات میں اپنے نام سے خریدی ہے اور باپ نے اس سے تعرض نہیں کیا اور نہ اپنے نام داخل کرایا اور نہ انتقال رسمی کا مطالبہ کیا اور نہ کوئی ثبوت اس امر کا ہے کہ عمرو کے نام فرضی بیعانہ کسی مصلحت سے کیا گیا اور نہ اصل بیع و شراء زید کے لئے تھی تو اس صورت میں وہ زمین عمرو ہی کی قرار دی جائے گی اور باپ کا اس کی آمدنی میں تصرف کرتا رہنا علامت ملک والد نہ ہوگی کیونکہ اس کا مبنیٰ اشتراک مصارف و اختلاط ہے۔

قال فی تنقیح الفتاوی للحامدیة: نقلاً عن البزازیة والوالوالجیه وعبارتہا رجل تصرف زمانا فی ارض ورجل آخر رأی الأرض والتصرف ولم یدّع ومات علیٰ ذالک لم تُسمع بعد ذلک دعوی ولدہ فتترک فی ید المتصرّف لأن الحال شاھدٌ اھ (ج ۲/ ۱۶) قلت وشراء علی اسمہ

تصرف قوی وکذا الادخال والاخراج علی اسمہ واداخراج الحکومۃ وغیرھا من لوازم البیع باسمہ۔ واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ
۵ شعبان المعظم ۴۴ھ

گندم کی تجارت کے مختلف مسائل | سوال: مسئلہ مندرجہ میں میری رہبری فرماکر عنداللہ ماجور ہوں۔ سائل گندم کی تجارت کرنا چاہتا ہے جس کی تفصیل یہ ہے کہ منڈی ہاپوڑ میں گندم کی خریداری کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ اگر کوئی شخص غلّہ کو جو بائع کا ہوتا ہے خرید کرنا چاہے تو کچھ روپیہ بطور بیعانہ دے کر خرید سکتا ہے لیکن مشتری کو بقیہ رقم کا سود مال کے وصول کرنے یا فروخت کرنے تک کا دینا پڑتا ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ اگر غلہ موجودہ خرید نہ کیا جائے بلکہ جو ریٹ (بھاؤ) آئندہ مہینوں کا منڈی کی جانب سے شائع ہوتا ہے مثلاً اس طور سے کہ آئندہ ماہ شروع ساڑھے سے پانچ روپیہ من کا ریٹ شائع ہوا۔ اگر اس ریٹ پر کوئی شخص خریداری کرتا ہے تو اس کو پچیس من کی خریداری پر دو سو روپیہ بطور بیعانہ دینے پڑتے ہیں اور ایک ماہ دو ماہ کی مہلت دی جاتی ہے۔ مشتری اس مہلت کے اندر اندر بقیہ روپیہ دے کر اپنے مال کو وصول کرلے یا فروخت کرنے کی اجازت دے دے۔ اس صورت میں نفع ونقصان کا تعلق صرف مشتری سے ہوتا ہے ورنہ بعد انقضاء میعاد یا استثناء سابقہ مہلت بقیہ رقم کا سود دینا پڑتا ہے۔ اور مال حسب رواج دونوں صورتوں میں بائع کے پاس رہتا ہے لیکن مشتری کو اختیار ہے کہ خریداری کے بعد کسی دوسری جگہ کل روپیہ ادا کرکے منتقل کردے لہٰذا التماس ہے کہ ایسی تجارت شرعاً جائز ہے یا ناجائز اگر جائز ہے تو کیا صورت ہے؟

الجواب

ان دونوں صورتوں میں سے دوسری صورت جائز ہے بشرطیکہ دو ماہ کی میعاد کے اندر مشتری اپنا مال وصول کرلے اور بیع خود طے کرے تاکہ انقضاء میعاد کے بعد سود نہ دینا پڑے اور اگر اس طرح ۲ ماہ کے اندر مشتری مال مذکور کو خود بیع نہ کرسکے بلکہ منڈی والوں کے ذریعے سے فروخت کرنا چاہے تو اس کی صورت یہ ہے کہ ایک دفعہ مال مذکور کو اپنے سامنے وزن

کرا کے اس پر قبضہ کرلے پھر منڈی والوں کو اس کی فروخت کا وکیل بنا دے بدون اس کے منڈی والوں کے ذریعے فروخت کرنا درست نہ ہوگا۔

لعدم دخول المبيع في ضمان المشتري قبل القبض بل هو باقٍ في ضمان البائع فلا يصح توكيل المشتري اياه فكانه وكل البائع في بيع ماله وذالك لايجوز والله اعلم۔ قال في البحر وإمّا امره للبائع بفعل للبائع بفعل شيٍ قبل القبض الی ان قال ولكن البيع على ثلاثة أوجه فان قال بعه لنفسك فباعهُ انفسخ ولو قال بعهُ لي لايجوز البيع ولا ينفسخ ولو قال بعه ممن شئت فباعهُ انفسخ وجاز البيع الثاني للمامور في قول محمّد وقال ابو حنيفة لايكون فسخا لقوله بعه لي ولو اشترى ثوبًا او حنطةً فقال للبائع بعه قال الامام الفضلي ان كان قبل القبض والرؤية كان فسخًا وإن لم يقل البائع نعم لان المشتري ينفرد بالفسخ في خيار الرؤية وإن قال بعهُ لي اى كُن وكيلًا في الفسخ فما لم يقبل البائع ولم يقل نعم لايكون فسخًا وإن كان بعد القبض والروية لايكون فسخًا ويكون وكيلًا بالبيع سواء قال بعه او بعه لي اھ (ج ۵/۳۰۸) والله اعلم

حرّرہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ

۷ ذا القعدہ ۴۴ھ

ادھار کی وجہ سے قیمت میں زیادتی کی ایک صورت

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ فی الحال بازار میں ۵ روپے من دھان ملتا ہے۔ بہت سے لوگ یہ ۵ روپیہ من دھان اس شرط پر قرض دیتے ہیں کہ اس وقت دھان لے جاؤ ۶ مہینے کے بعد صرف دس روپیہ دینا پڑے گا۔ یہ صورت جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

اگر یوں کہا کہ نقد پانچ روپیہ کے عوض بیچتا ہوں اور ادھار دس کے عوض تو جائز نہیں اور اگر بدون نقد و ادھار کی قیمت الگ الگ بیان کئے پانچ کا مال دس میں فروخت

کیا تو جائز ہے۔

فی العالمگیریة: رجلٌ باع علی أنه بالنقد بکذا و بالنسیئة بکذا أو إلی شهر بکذا و إلی شهرین بکذا لم یجز کذا فی الخلاصة انتهی جلد ثالث ص ۱۵۴ مطبوعہ نولکشوری۔ واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ

۲۱ شوال ۴۳ھ

بغرض تجارت سیاہ خضاب بنانا اور فروخت کرنا جائز ہے؟	سوال: بغرض تجارت سیاہ خضاب بنانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

تجارت کے لئے سیاہ خضاب بنانا اور فروخت کرنا جائز ہے لأن الحرمة لیست بقائمة بعینه وإنما الحرمة فی الاستعمال إذا استعمله خادعًا ومن شاب قبل أوان المشیب أو خضب لأرهاب العدوّ فی الحرب یجوز له الخضاب بالسواد کما صرح به فی الهندیة وغیرها. واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ

از تھانہ بھون ۲۵ رجب ۴۵ھ

خنزیر کے علاوہ دوسرے محرم حیوانات کی بیع کا حکم	سوال: جو چیز نجس عین نہ ہو اس کو بیچ کر کھانا مسلمان کے لئے جائز ہوگا یا نہیں جیسے مینڈک یا کیکڑے یا بعض

دریائی جانور جیسے کیچوے وغیرہ جواب شافی و کافی مطلوب ہے۔

الجواب

قال فی الدّر: ویباع دود القز وبیضه والنحل المحرز عند محمد وبه قالت الثلاثة وبه یفتی عینی وابن ملك وجوّز أبو اللیث بیع العلق وبه یفتی للحاجة مجتبی بخلاف غیرهما من الهوام فلا یجوز اتفاقًا کحیات وضب وما فی البحر کسرطان إلا السمك وما جاز الانتفاع بجلده

او عظمه والحاصل ان جواز البیع یدور مع حل الانتفاع مجتبی واعتمده المصنف اھ قال الشامی قوله لحیات فی الحاوی الزاھدی یجوز بیع الحیات اذا کان ینتفع بها للادویة وما جاز الانتفاع بجلده او عظمه ای من حیوانات البحر او غیرھا قال فی الحاوی ولا یجوز بیع الھوام کالحیة والفارة والوزغة والضب والسلحفاة والقنفذ وکل ما لا ینتفع به الا بجلده وبیع غیر السمك من دواب البحر ان کان له ثمن کالقنقور وجلود الخز ونحوھا یجوز والا فلا کالضفدع والسرطان وقال قبله ویبطل بیع الأسد والذئب وسائر الھوام والحشرات ولا یضمن بتلفها اھ ولکن فی الخانیة بیع الکلب المعلم عندنا جائز وکذا السنور وسباع الوحش والطیر جائز معلمًا او غیر معلم وبیع الفیل جائز وفی القرد روایتان عن ابی حنیفة اھ ونقل السائحانی عن الھندیة ویجوز بیع سائر الحیوانات سوی الخنزیر وھو المختار وعلیه مشی فی الھدایة اھ (ج ۴/۱۶۲)

جس جگہ مینڈک اور کیکڑے کی قیمت ہو اسی طرح جو دریائی جانور بازار میں عام طور سے قیمتی شمار ہوتے ہیں وہاں ان کی بیع جائز ہے اور ثمن حلال ہے اور جس جگہ یہ چیزیں قیمتی نہ ہوں نہ ان کو عام طور بیع کیا جاتا ہو وہاں ان کی بیع درست نہیں۔

قلت وھذا محمل ما فی الھندیة عن جواز بیع سائر الحیوانات سوی الخنزیر عندی ای اُو کان لها ثمن۔ واللہ اعلم:

حرّرہ الاحقر ظفر احمد

از تھانہ بھون ۸ ر ۴۵ھ۔

حکم زر بیعانہ

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی ایک جائیداد فروخت کے لئے نکالی مشتری سے زرثمن طے ہو گیا اور بیع نامہ رجسٹری ہونے کے قبل مبلغ ڈیڑھ ہزار روپیہ بابت زرثمن بطور پیشگی اور مبلغ ڈیڑھ سو روپے بابت خرید کاغذ بائع کو دے دیا اور پختگی معاہدہ کے لئے مشتری نے ایک اقرار نامہ تحریر بایں مضمون کہ اگر میں طے شدہ قیمت پر جائیداد مذکورہ نہ خریدوں تو مبلغ مذکورہ جو بائع کو

دے چکا ہوں اس سے دستبردار ہو جاؤں گا اور مشتری نے ایک تحریر اسی معاہدہ کی تکمیل کے لئے بائع سے بھی کرالی کہ اگر بائع اس قیمت پر جائیداد فروخت نہ کرے تو بذریعہ حاکم وقت جائیداد کا بیعنامہ رجسٹری کرالے۔ واضح رہے کہ مشتری کو اس معاہدہ کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ اس جائیداد کے خریدار اور چند اشخاص بھی موجود تھے۔ منجملہ ان کے بائع کا ایک مہاجن تھا جس سے ایک مدت سے روپیہ کا لین دین جاری تھا۔ اس مہاجن سے بھی بائع اس مضمون کا ایک اقرار نامہ تحریر کیا تھا مگر مشتری مذکور چونکہ اس سے زیادہ قیمت پر خریدنا تھا اس لئے بائع نے مہاجن مذکور کی رضامندی سے اس معاہدہ کو فسخ کر دیا۔ اس کے بعد مشتری مذکور کو دکلاء و کاغذات عدالت سے تحقیق ہوا کہ وہ جائیداد وقف ہے جس کی خرید و فروخت ناجائز ہے۔ اس لئے مشتری نے جائیداد مذکور کے خریدنے سے انکار کر دیا جس کی وجہ سے بائع کے حسب ذیل چند نقصان ہوئے۔

اولاً(۱): قدیم مہاجن جس سے اس جائیداد کی بابت ایک اقرار نامہ ہو چکا تھا اس سے معاملہ لین دین میں تخفیف کا وعدہ تھا بشرطیکہ جائیداد مہاجن کے ہاتھ فروخت کرے۔ اس صورت میں وہ منفعت فوت ہو گئی۔

ثانیاً(۲): وہ ڈیڑھ ہزار روپے بائع نے اپنی حسب خواہش جائیداد خریدنے کے لئے کچھ متفرق لوگوں کو بطور بیعنامہ دے دیا تھا اور کچھ اپنے بعض تصرفات میں لے آیا۔

ثالثاً(۳): فروخت جائیداد سے جو مقصد تھا وہ فوت ہو گیا اور اس سے مالی نفع بھی مفقود ہوا اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس صورت میں وہ ڈیڑھ ہزار روپیہ جو مشتری مذکور نے بائع کو دیا تھا اور جس کو بائع (زید) تصرف میں لا چکا ہے وہ شرعاً زید کے ذمہ واجب الادا ہے یا نہیں؟۔

الجواب

زر بیعانہ ڈیڑھ ہزار روپے جو بائع نے مشتری سے لیا اور اس کو صرف کر دیا یہ رقم بائع کے ذمہ مشتری کو واپس کرنا واجب و لازم ہے اور مشتری کے اس لکھنے سے کہ اگر میں زمین نہ خریدوں تو مبلغ مذکور سے جو بائع کو دے چکا ہوں دست بردار ہو جاؤں گا" یہ رقم بائع کی ملک نہیں ہوئی کیونکہ دست برداری اعیان سے شرعاً لغو ہے۔ دستبرداری دین سے ہوا کرتی ہے اور اس کی بھی تعلیق صحیح نہیں۔ فقد صرحوا بعدم جواز الابراء عن الاعیان

وعدم صحتہ تعلیقہ اور جو نقصانات بائع نے ظاہر کئے ہیں وہ سب لغو ہیں کیونکہ شرعاً مشتری کو بعد خریدنے کے بھی یہ حق ہوتا ہے کہ اگر مبیع میں کوئی عیب نکلے تو مبیع کو واپس کر کے اپنا ثمن لے لے یا نقصان عیب لے لے۔ پس جائیداد کا وقف ہونا ایک عیب تھا جس کی وجہ سے مشتری بعد بیع و شراء کے بھی بیع کو واپس کر سکتا تھا اور قبل از بیع تو اس کو یہ حق ضرور ہے پس بائع کے ذمہ زر بیعانہ کا واپس کرنا واجب ہے۔

اور سوال میں یہ نہیں ظاہر کیا گیا کہ بائع نے جو مشتری کو دھوکا دیا کہ زمین وقف کو اس کے ہاتھ بیع کرنے لگا اور اس کا وقف ہونا ظاہر نہ کیا اور دھوکے سے مشتری سے زر بیعانہ وصول کر لیا وہ اس کا کیا جواب دیتا ہے۔ فقط۔ ظفر احمد عفا عنہ

از تھانہ بھون ۴ شعبان ۴۶ھ

خریداری کو دوسرے کی طرف منتقل کرنے پر منافع لینے کا حکم

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک قطعہ مکان واقع شہر سلطان پور میں فروخت ہو رہا تھا جس کی خریداری کے لئے زید نے بکر و عمر سے تذکرہ کیا تھا کہ یہ مکان ہم کو خرید دیا جائے۔ اس کے کئی روز بعد بکر نے عمر سے یہ کہا مکان جو فروخت ہو رہا ہے مالک مکان شہر سلطان پور سے اٹھارہ میل کے فاصلے پر رہتے ہیں اس کی خریداری کے لئے چلنا چاہیئے۔ بکر کے کہنے کے موافق عمر بھی تیار ہو گیا اور بکر کے خرچہ سے بکر و عمر دونوں مالک مکان کے پاس پہنچ کر بات چیت خریداری مکان متذکرہ کر کے آٹھ سو روپیہ پر بکر نے طے کیا اور اپنا پچیس روپیہ بکر نے دے کر بیعانہ کی رسید مالک مکان سے حاصل کی اور فیما بین یہ طے پایا کہ کل شہر سلطان پور دفتر رجسٹری میں جا کر بعد تکمیل بیعنامہ روپیہ دے دیا جائے گا۔ چنانچہ بموجب وعدہ مالک مکان آئے اور فروختگی مکان کی خبر زید کو بھی ہوئی۔ زید نے بکر سے کہا کہ اس مکان کے لئے میں نے آپ سے اور عمر سے تذکرہ کیا تھا کہ مکان مجھے خرید دیا جاوے۔ اس پر بکر نے زید سے کہا آٹھ سو روپیہ پر میں نے اس مکان کو طے کیا اور پچیس روپیہ بیعانہ دیا ہے اب ایک ہزار پچیس روپیہ اس تفصیل کے ساتھ کہ آٹھ سو روپے قیمت مکان دو سو روپیہ منافع اور پچیس روپیہ بابت خرچ رجسٹری وغیرہ دینا ہو گا۔ اس پر زید نے ایک ہزار پچیس روپیہ بکر کو دیا اور اسی روپیہ میں سے بکر نے مالک مکان کو پونے آٹھ سو روپے

دے دیئے اور پچیس روپیہ جو بکر نے بیعانہ کا دیا تھا اس کو لے لیا اور پچیس روپیہ رجسٹری وغیرہ میں خرچ کیا۔ بیعنامہ بنام زید مالک مکان سے تحریر کرا دیا اور مبلغ دو سو روپیہ منافع بکر نے لے لیا ایسی حالت میں رقم منافع دو سو روپیہ کا لینا بکر کو جائز ہے کہ نہیں۔ جناب مولانا صاحب زید مجدکم دو سو روپیہ مذکورہ بالا کی بابت زید نے بکر پر دعویٰ عدالت دیوانی میں دائر کر رکھا ہے جس کی تاریخ پیشی ۱۳ فروری ۱۹۰۵ء مقرر ہوئی ہے۔ لہٰذا التماس ہے کہ شرع شریف کے موافق معاملہ کا حکم مرحمت فرماویں۔ قبل تاریخ پیشی متذکرہ صدر جواب با صواب سے مطلع فرمائیں۔

الجواب

صورت سوال سے یہ مفہوم ہو رہا ہے کہ جس وقت بکر نے زید سے یہ کہا کہ آٹھ سو روپیہ پر میں نے اس مکان کو طے کیا ہے اور پچیس بیعانہ دیا ہے۔ اب ایک ہزار پچیس روپیہ آپ کو دینا ہوگا۔ الخ اس وقت تک بکر اور مالک مکان میں باہم زبانی ایجاب وقبول تام نہ ہوا تھا جس سے شرعی طور پر بیع کا تحقق ہو جاتا اگر ہماری یہ فہم صحیح ہے تو چونکہ یہ مکان اس وقت تک بکر کی ملک نہیں ہوا تھا اس لئے اس مکان کی خریداری کو زید کی طرف منتقل کرنے پر جو اس نے زید سے ۲۰۰ روپے منافع لیا یہ بالکل ناحق بلا استحقاق ہے جو شرعاً اس کے لئے جائز نہیں۔

اور اگر یہ مفہوم سوال صحیح نہیں جو ہم نے سمجھا ہے تو صحیح مفہوم سوال متعین کر کے دوبارہ سوال کیا جائے۔ واللہ اعلم۔ حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ

از تھانہ بھون ۴ اشعبان ۱۳۴۶ھ

واپسی کی شرط اگر عقد بیع میں نہیں لگائی تو مشتری کے ذمہ بیع کا ثمن اول پر واپس بائع کے ہاتھ فروخت کرنا لازم نہیں

سوال: شخصے قطعہ زمین خریدہ بود چوں قیمت زمین ۲۵ روپیہ معین شدہ بود بائع گفت اگر من آئندہ قیمت معینہ زمین باز توانم داد زمین مرا باز دہی۔ مشتری گفت این شرط فاسد است قبول نمی کنم چرا کہ بیع درست نمی شود، مگر بہر حال بائع مہر ورزید گفت اگر تو گرفتن توانی نزدت بدین قیمت کہ من گیرم خواہم فروخت این در بیع شرط نیست واین بدیں خیال گفت شائد کہ آئندہ قیمت

این زمین زیادہ نہ گردد یا اگر قیمت قدرے زیادہ شود تاہم بدان قیمت دادن مرا چندان نقصان نخواہد شد برین سخن بیع گردید پس رفتہ رفتہ قیمت آن زمین زیادہ شدن گرفت بائع نتوانست گرفت بعدہ در عرصۂ نہ سال قیمت آن زمین چنان نہ اند گردید کہ درزمین کسے نبود یعنی بجائے ۲۵۰ قیمت آن زمین ۱۲۵۵ روپیہ گردید۔ اکنون مشتری را اشد ضرورت افتاد کہ آن زمین را بفروشد بائع اوّل فرصت را غنیمت داند او پنداشت کہ اگر اکنون در ۲۵۰ روپیہ گیرم مرا بسیار نفع شود چرا کہ اگر اندک زمین از خود بفروشم ازاں چہار ضعف زمین از مشتری اوّل توانم گرفت یا اگر ۲۵۵ روپیہ قرض کردہ گیرم از زراعت آن زمین قرض بخوبی ادا توانم کرد (اگر قیمت زمین این قدر زیادہ نگشتے بائع اوّل بگرفتن ہرگز ہمت نہ کردے) لہٰذا بائع اوّل کمربستہ میگوید زمین من خواہم گرفت مرا در ۲۵۵ روپیہ خواہی داد چرکہ بوقت عقد ما من وعدہ کردہ بودی مشتری اوّل میگوید آن شرط فاسد بود آن را در بیع شرط نور زیدہ بودم۔ چرا آن را اعادہ میکنی بلکہ تمنا ہر نو بلحاظ قیمت آن زمان نزدست بداں قیمت فروختن گفتہ بودم۔ اکنون چوں قیمت زمینم زیادہ گردید قیمت این زماں را لحاظ باید کرد در قیمت سابق فروختن مرا جسارت کلی افتد چگونہ بدہم بلکہ این قدر رعایت توانم کرد کہ بنسبت قیمت حال از تو قدرے کم گیرم مگر بائع اوّل راضی نمی شود و بدان قیمت گرفتن اور میکند بدین صورت مشتری اوّل آن زمین را از نزد دیگر بہ قیمت جاریہ حال فروختن جائز خواہد شد یا نہ۔

الجواب

جب مشتری نے تصریح کر دی تھی کہ بدین قیمت کہ من گیرم الخ اور یہ بھی تصریح کر دی تھی کہ یہ شرط بیع میں نہیں ہے تو اب مشتری کو لازم نہیں ہے کہ بائع اوّل کے ہاتھ اس زمین کو دو سو پچاس قیمت سابقہ میں فروخت کرے بلکہ اس کو جائز ہے کہ جو قیمت زیادہ دے اس کے ہاتھ فروخت کرے۔ واللہ اعلم۔ حرّرہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ

۱۷ شعبان ۴۶ھ

صورت جواز خریدن نیلام | سوال ۵ : اگر زید نے روپیہ ادا نہ کیا اس کی جائیداد (بیل وغیرہ یا زرعی زمین) عدالت سے پیادہ آکر علانیہ نیلام کر کے اس کی قیمت سے

زید کا قرض ادا کر دیتا ہے۔ عدالت کو یہ حق ہے یا نہیں۔ عدالت زید کی جو چیز فروخت کرے عمر اس کو خرید سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب

قال فی البدائع فی دلیل مسئلة الاستیلاء ولنا انهم استولوا علی مال مباح غیر مملوك ومن استولی علی مال مباح غیر مملوك یملکه کمن استولی علی الحطب والحشیش والصید ودلالة ان هذا الاستیلاء علی مال مباح غیر مملوك أن ملك المالك یزول بعد الاحراز بدار الحرب فتزول العصمة ضرورة بزوال الملك والدلیل علی زوال الملك ان الملك هو الاختصاص بالمحل فی حق التصرف او شرع للتمکن من التصرّف فی المحل وقد زال ذلك بالاحراز بالدار لأن المالك لا یمکنه الانتفاع به الا بعد الدخول (بدار الحرب) ولا یمکن الدخول بنفسه لما فیه من مخاطرة الروح وغیرها وقد لا یوافقه غیره ولو وافقه فقد لا یظفر به فلما یمکنهم استرداد فاذا زال الملك أو ما شرع له الملك یزول الملك ضرورة الخ (ص ۱۲۸ ج ۷)

قلت وإذا أمر الملك الحربی أو نائبه ببیع مال أحد من المسلمین بیع من یزید لا یقدر المالك علی الامتناع منه لما فیه من مقابلة السلطان وفیه مخاطرة بالروح وإذا کان کذلك فقد زال ملکه وثبت الاستیلاء علیه بقوة السلطان .

صورت مسئولہ میں بظاہر استیلاء کا تحقق ہے اس لئے نیلام کا خرید نا جائز ہے

ولا یعارضه ما فی شرح السیّد الکبیر فی غصب مسلم مال مسلم فی دار الحرب وتوا فقهما إلی ملك تلك الدیار وتملیك الغاصب حیث قال لا یحلّ للغاصب واذا ظهرنا علیهم أخذه المغضوب منه بلا قیمة فإن هذا الحکم مخصوص بالغصب وغصب المسلم مسلما لیس من الاستیلاء وتمکین الملك لم یکن الّا تأییداً الغصبه بظهور یده علیه وما کان حراماً ابتداء لا ینقلب حلالاً بخلاف ما اذا کان الاستیلاء إبتداء

فانہ یزیل ملک المالک عنہ اھ واللہ اعلم۔ حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ

۲۱ رذی القعدہ ۱۳۴۶ھ

ٹھیکہ کے تحت آنتوں کی بیع اور مال کسی دوسرے کے ہاتھ نہ بیچنے کے معاہدہ کا معاوضہ لینا

سوال: اس طرف یہ دستور ہے کہ آنت وغیرہ کا ٹھیکہ لیا جاتا ہے جس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ ٹھیکہ دار سے ایک نرخ مقرر ہو کر یہ طے ہوجاتا ہے کہ کل آنت تم کو دی جائیں گی اور کسی کے ہاتھ نہ بیچیں گے۔ تم اتنا روپیہ ہم کو دے دو، یہ جو روپیہ یکشت لیا جاتا ہے یہ محض اس بات کا ہے کہ اور کسی کو نہ دوگے اور قیمت فی آنت جو مقرر ہوتی ہے وہ آنت آنے پر دی جاتی ہے مثلاً اس سال یہ طے ہوا کہ سب قصابان سے ایک شخص نے یہ کہا کہ سال بھر تک جس قدر ذبیحہ ہو سب کی آنت ا. ر تی آنت تم کو دی جائے گی اور کسی کو نہ دیں گے تم ہمیں تین سو روپے دے دو اس نے منظور کر لیا، یہ ٹھیکہ شرعاً کیسا ہے اور یہ ٹھیکہ کی رقم قصاب اپنی مسجد میں لگاتے ہیں بلکہ تصریح کرا کے ٹھیکہ دار سے لیتے ہیں کہ مسجد میں لگائیں گے۔ سو یہ جائز ہے یا نہیں اور بیع آنتوں کی جو اس ٹھیکہ کے ماتحت ہوتی ہے درست ہے یا نہیں؟

الجواب

یہ رقم جو ٹھیکہ کے وقت لی جاتی ہے جائز نہیں کیونکہ یہ متقوم کا عوض نہیں۔ مال کی قیمت اس کے علاوہ فی آنت الگ لی جاتی ہے تو رقم محض پختگی عہد کا عوض ہے اور یہ کوئی متقوم شئی نہیں۔ ربوا میں داخل ہے اور جو بیع اس معاہدہ کے تحت ہوتی ہے وہ جائز اور صحیح ہے۔ واللہ اعلم۔

آلات لہو و لعب اور تصویروں کی تجارت کا حکم

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس بارے میں کہ (۱) گراموفون کی تجارت کفار کے ساتھ جائز ہے کہ نہیں (۲) مسلمانوں کے ساتھ اس کی تجارت کا کیا حکم ہے۔ (۳) تصویروں اور جاندار ورد کے مجسموں یعنی کھلونوں کی تجارت کا کیا حکم ہے اور کفار کے ساتھ کیا حکم ہے؟

الجواب

۱و۲: گراموفون کی تجارت کفار کے ساتھ جائز ہے اور مسلمانوں کے ساتھ خلاف

احتیاط ہے۔

۴۔ تصویروں اور مجسموں کی تجارت کسی کے ساتھ بھی جائز نہیں فإن المعصیة قائم بعینه وفی الأولی قائمة بالفعل دون العین، وإذا قامت بالفعل یجوز عند أبی حنیفة خلافًا لهما وإذا قامت بالعین فلا یجوز اتفاقًا وفی بیعه ای المزمار مع الکفار لم تقم الحرمة بالعین ولا بالفعل فإن الکفار لیسوا بمخاطبین بحرمة الغناء ولأنه حرام فی الأدیان کلها۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ

از تھانہ بھون ۱۲ رمضان ۱۳۴۲ھ

صورت لزوم بیع بطریق نیلام | سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ زید نے کسی ضرورت کے لئے ایک ہندو کے پاس دو مکان رہن رکھ کر دس ہزار روپے لئے کاروبار میں نقصان آنے کی وجہ سے نیز قرابت داروں کے نقصان پہنچانے کی وجہ سے زید اس کا روپیہ ادا نہ کرسکا اور سود کی رقم بڑھتے بڑھتے سترہ ہزار کے قریب پہنچ گئی۔ ہرچند ادائیگی کی کوشش کی گئی لیکن سوائے نقصان کے کوئی صورت بہتری کی پیدا نہ ہوئی یہاں تک کہ گھر کا زیور وغیرہ سب ختم ہوگیا اور سوائے مرہونہ مکان کے زید کے پاس کچھ باقی نہ رہا۔ آخر ہندو نے نالش کرکے ڈگری حاصل کرلی اور عدالت نے مکان کے نیلام کا حکم دے دیا۔ نیلام چونکہ قاعدہ کے موافق نہ ہوا اس لئے لوگ اس پر بولی نہ دے سکے اور عمر نے جو بہت دیندار ہے آٹھ ہزار روپے کی بولی دے کر اپنے نام چڑھالیا۔ زید نے درخواست کی کہ نیلام قاعدہ کے موافق نہیں ہوا۔ حاکم نے گواہ طلب کئے۔ ایک مسلمان مسمّی خالد اس پر رحم کھاکر آمادہ ہوگیا کہ تم ہندو سے کسی مقدار پر فیصلہ کرلو۔ میں تم کو تمہارا مکان رہن رکھ کر بغیر سود کے رقم دے دوں گا۔ جب تمہارے پاس ہوا دا کردینا۔ چنانچہ زید نے ہندو سے کہا وہ اس کی بگڑی ہوئی حالت پر رحم کھاکر راضی ہوگیا الغرض جب عدالت میں گواہ پیش کئے گئے تو ان میں سے ایک گواہ نے آمادگی ظاہر کی کہ میں ۹ ہزار میں لینے کے لئے تیار ہوں اور بہت ممکن تھا کہ اگر اور بولی بولی جاتی تو اور زیادہ قیمت بڑھتی کیونکہ مکان بیس ہزار روپے کی مالیت سے کم کا نہیں ہے لیکن بایں ہمہ عدالت نے اس گواہ کی سماعت نہ کی اور آٹھ ہزار پر عمر کے نام بولی کو ختم کردیا۔ ناچار زید نے اب عمر سے درخواست کی کہ تم اپنا روپیہ لیکر

میرا مکان واپس کر دو اور اس پر ظاہر کر دیا کہ خالد نے مجھ پر رحم کھا کر روپیہ دینے کا وعدہ کیا ہے اور ہندو بھی مجھ پر مہربان ہو کر دس ہزار روپیہ لینے پر راضی ہو گیا ہے لیکن اس کو اصلاً رحم نہ آیا اور جواب دیا کہ جبکہ شرعاً میری ملک میں یہ مکان آگیا اور مجھے اس سے انتفاع جائز ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ میں اس کو واپس کروں ہاں اگر شرعاً مجھے اس سے انتفاع جائز نہ ہو تو میں اس کو واپس کر سکتا ہوں۔ پس صورت مذکورہ بالا میں سوال یہ ہے کہ باوجودیکہ زیادہ کی بولی دینے والے لوگ موجود تھے۔ حاکم کا بیس ہزار کی مالیت کے مکانات کو آٹھ ہزار پر چھوڑ دینا صحیح ہے یا نہیں اور شرعاً یہ بیع صحیح ہو چکی ہے یا نہیں اور اس صورت میں کہ ہندو تک زید کی بربادی دیکھ کر رحم کھا رہا ہے اور اپنے سات ہزار چھوڑ رہا ہے۔ عمرو کا مکان کو واپس نہ کرنے پر اصرار کرنا ظلم ہے یا نہیں؟ اگر ظلم ہے تو اس کا گناہ کس قدر ہے اور بالفرض اگر بیع صحیح ہو چکی ہے تو عمرو مکان کو واپس کر دے تو عنداللہ ماجور ہوگا یا نہ ہوگا؟

الجواب

جب عدالت کے حکم سے مکان نیلام ہوا اور حاکم نے عمرو کے نام پر نیلام ختم کر دیا اور باوجود مدیون کی عذرداری کے بھی حاکم نے نیلام عمرو ہی کے نام قائم رکھا تو اس صورت میں یہ مکان عمر کی ملک ہو گیا اور اس کو اس مکان سے انتفاع ہر طرح جائز ہے اور عمرو کا مکان کا واپس نہ کرنا ظلم نہیں۔ ظلم زید نے خود اپنے اوپر کیا کہ سودی قرض لے کر بنئے کو نیلام مکان کا موقع دیا یا ظلم بنئے نے کیا کہ زید کو سودی قرض دیا۔ عمرو نے کچھ ظلم نہیں کیا اس نے تو بکتی ہوئی شئے خریدی ہے لیکن اس میں شک نہیں کہ اگر عمرو زید کی حالت پر رحم کر کے اپنی عالی حوصلگی سے اس مکان کو واپس کر دے تو اس کو بہت بڑا اجر عظیم ملے گا۔ من اقال نادما اقال اللہ عشراته یوم القیامة واللہ فی عون العبد ماکان العبد فی عون ربه؟ واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ

از تھانہ بھون ۶ر رمضان ۵۷ھ

خریدار کو ایک خاص معاہدہ کے تحت کمیشن دینے کا حکم

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک تجارت کی کمپنی میں یہ قاعدہ مقرر ہے کہ جو

دوسرے دوکاندار اس کمپنی کی دوکان سے مال خریدتے رہتے ہیں ان کا ہر سال حساب کرکے دیکھا جاتا ہے کہ سال بھر میں کس قدر رقم کا مال خرید کیا ہے پس اس مجموعی رقم پر مثلاً دو روپیہ یا تین روپیہ سیکڑہ جیسے پہلے ٹھہر چکا ہے اس کے حساب سے ان خریداروں کو دیا جاتا ہے۔ فرض کریں کہ کسی خریدار نے سال بھر میں دس ہزار روپے کا مال خریدا اور مثلاً تین روپیہ سیکڑہ دینا ٹھہرا تھا تو اس خریدار کو مبلغ تین سو روپے دیئے جائیں گے یا اس کے حساب میں سے کاٹ دیئے جائیں گے۔ اب کمپنی مذکور یہ چاہتی ہے کہ اپنے یہاں کے دوکانداروں سے یہ معاہدہ کرے کہ اگر تم لوگ ہماری کمپنی کے فلاں فلاں مارکوں جیسا مال سال بھر ہماری کمپنی سے خریدتے رہوگے کسی دوسری کمپنی سے ہرگز نہیں لوگے تو ہم تم کو دو یا تین روپیہ فی سیکڑہ کے حساب سے سال کے تمام ہونے پر دیا کریں گے اور اگر تم نے دوران سال میں کبھی کسی دوسری جگہ سے بھی مال خرید کیا تو تم کو کچھ نہیں دیا جائے گا۔ واضح رہے کہ اس قسم کا معاہدہ انہیں مارکوں پر کیا جاتا ہے جو زیادہ چالو ہیں اور جیسا ان مارکوں کا مال ہے۔ دوسری کمپنیاں بھی رکھتی ہیں لیکن دوسری کمپنیاں مارکہ اپنا اپنا اور اپنے نام کا رکھتی ہیں یعنی فرق صرف مارکوں میں ہوتا ہے۔ مالیت اور چیز ایک ہی ہوتی ہے۔ چالو مارکوں کے علاوہ جو مارکہ معمولی ہیں اور بہت چلنے والے نہیں ہیں ان میں ہر ایک خریدار کو اختیار ہوتا ہے کہ ان معمولی مارکوں والا مال جہاں چاہیں اور جس کمپنی سے چاہیں خرید لیا کریں۔

پس ارشاد ہو کہ معاہدہ مذکورہ (کہ خریدار کو سال بھر برابر خاص چالو مارکو کا مال خریدتے رہنے کی حالت میں دو تین روپیہ سیکڑہ مثلاً تمام پر رعایت دی جاوے اور دوران سال میں دوسری جگہ ایک مرتبہ بھی خریدنے میں بالکل کچھ نہ دیا جائے) شرعاً جائز ہے یا ناجائز؟

الجواب

یہ معاہدہ جائز ہے کیونکہ خریدار کو سال تمام پر جو کمیشن ہر سیکڑہ پر دیا جاتا ہے وہ بائع کی طرف سے تبرع ہے خریدار کا حق لازم نہیں اور تبرع کو کسی شرط سے مشروط کرنا جائز ہے واللہ اعلم۔ حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ

۲۶ شوال ۱۳۴۶ھ

مشترکہ باغ کا گورنمنٹ کے استیلاء سے) ایک شریک مالک ٹھہرا، ایسے باغ کو خرید لینا کیسا ہے

سوال: ایک مسئلہ مندرجہ ذیل ہے کہ ایک باغ ہے جس میں چند شرکاء تھے عمرو بکر و زید و خالد۔ گورنمنٹ کے فیصلہ سے صرف زید کا قرار پایا یعنی گورنمنٹ کے استیلاء سے اب زید صرف اس باغ پر قابض متسلط ہے اور ذاکر کے ہاتھ فروخت کرنا چاہتا ہے اب دریافت طلب یہ ہے کہ ذاکر کو اس باغ کو خریدنا جائز ہوگا یا نہیں. جواب مدلل تحریر فرمائیں.

الجواب

سوال تنقیح طلب ہے اگر گورنمنٹ نے اس باغ کا مالک صرف زید کو اس لئے قرار دیا کہ عدالت کے نزدیک دوسرے شرکاء کا ثبوت ناکافی تھا یا انہوں نے ثبوت پیش کرنے میں سستی کی یا زید نے کوئی قانونی چالاکی کی، تو اس صورت میں ذاکر کو اس باغ کا خریدنا جائز نہیں جبکہ اس کو ذاتی طور پر علم ہے کہ باغ تنہا زید کا نہیں ہے اور اگر گورنمنٹ کے دوسرے شرکاء کا حصہ ضبط کر لیا تھا کسی جرم کی سزا میں اور ضبط کر کے سارے باغ کا مالک زید کو بنا دیا تو یہ صورت استیلاء کی ہے اور اس صورت میں دوسرے شرکاء کی ملک سے باغ نکل گیا اور استیلاء کے بعد گورنمنٹ کے قبضہ دلانے سے زید کل کا مالک ہو گیا اور اب ذاکر اس کو زید سے خرید سکتا ہے۔ دلائل کی کارڈ میں وسعت نہیں۔ ظفر احمد عفا عنہ ۲۸ شوال ۴۷ھ

تتمہ سوال بالا

جناب کا جواب تسلی بخش ہوا ذاکر کو دکھلایا اب تک تو میرا خیال تھا کہ استیلاء گورنمنٹ سے زید باغ کا مالک ہو گیا مگر صورت جواب سے معلوم ہوتا ہے کہ زید باغ کا حقیقۃً مالک نہیں ہوا اور دیانۃً مجھ پر مواخذہ ہوگا مگر ایک صورت اور قابل دریافت ہے وہ یہ کہ عمرو بکر، خالد، زید سب میرے موروثی کاشت کار ہیں. میری زمین پر موروثی کاشت کار ہونے کی حیثیت سے قابض و غاصب ہیں. ہر چند کہ ان کو سمجھایا گیا کہ شرعاً تم لوگوں کو میری زمین چھوڑ دینی چاہیئے مگر حرص و طمع میں آج تک نہیں چھوڑا۔ جو زمین آج کل دس بارہ بلکہ پندرہ روپے بیگہ پر اُٹھ سکتی ہے اس کو وہ ۱ ؏ روپیہ بیگہ پر جوتے ہوئے ہیں مگر قانونی مجبوری کی وجہ سے میں ان ارضیات کو ان لوگوں سے لے نہیں سکتا. اب اگر زید سے میں (ذاکر) باغ کو بطریق بیع لے کر قابض ہو جاؤں اور یہ سمجھوں کہ وہ لوگ میری اراضی پر غاصبًا قابض ہیں. میں بھی ان کے باغ کو لے کر قانونًا قابض ہو جاؤں اور دیانۃً یہ سمجھوں

کہ باغ کے منافع میری ان ارضیات کے منافع کے عوض میں ہیں تو یہ صورت جواز خرید باغ کی میرے (یعنی ذاکر) کے لئے درست ہوگی یا نہیں۔ علاوہ اس کے وہ درخت سب ذاکر ہی کی زمین پر لگے ہوئے ہیں اس کو شرعاً اپنی زمین خالی کرانے کا بھی حق حاصل ہے۔ امید ہے کہ جواب جلد مرحمت فرمائیں گے۔

الجواب

اگر وہ درخت سب ذاکر ہی کی زمین میں لگے ہوئے ہیں (جیسا کہ عبارت خط کشیدہ سے معلوم ہو رہا ہے) تو ذاکر کو اس باغ کا خریدنا جائز ہے مگر قیمت کل زید کو دینا جائز نہیں بلکہ سب شرکاء میں تقسیم کرنا ضروری ہے لیکن اگر زید سب شرکاء میں قیمت تقسیم نہ کرے اور ذاکر کو یقین ہے کہ وہ تقسیم نہ کرے گا تو اس کو چاہیئے کہ دوسرے شرکاء سے کچھ تھوڑا سا دے دلا کر صلح کرلے اور سب شرکاء کے حصہ کو تراضی سے ملک میں لے آئے۔ رہا یہ کہ وہ لوگ اس کے موروثی کاشتکار ہیں الخ سو موروثی کاشتکار کو قبضہ غاصبانہ کی وجہ سے گناہ تو ہوتا ہے مگر ان کے ذمہ کچھ ضمان نہیں کیونکہ امام صاحبؒ کے یہاں عقار میں غصب محقق نہیں ہوتا صرف منافع کا غصب ہے اور منافع غصب میں متقوم نہیں اور درحقیقت اس کو غصب بھی کہنا صحیح نہیں کیونکہ اس کو اول تو زمین اجارہ پر دی گئی تھی۔ بارہ سال بعد وہ اسی عقد اجارہ اول پر متمکن ہوگیا اور اجارہ سابقہ فسخ نہیں ہوا پس یوں کہنا چاہیئے کہ وہ مستأجر ہے مگر مؤجر کو زیادہ اجرت سے مانع ہے لہٰذا غصب محقق نہیں بلکہ اجارہ مع التحکم ہے پس ذاکر کا کچھ قرض ان کے ذمہ نہیں۔ صرف ان کو اپنے فعل کا گناہ ہو رہا ہے اور چونکہ وہ فعل حق العبد سے متعلق ہے اس لئے سخت گناہ ہے مگر زمیندار کا ان کے ذمہ کچھ روپیہ لازم نہیں ہوا۔

(نوٹ) البتہ اگر زمیندار موروثی کاشتکار سے یہ کہہ دے کہ آج سے اس زمین کا اجارہ فی بیگہ دس بارہ روپیہ سال لیا کریں گے اگر منظور ہو تو کاشت کرے ورنہ چھوڑ دو اور یہ بات زبانی ہی کہہ دے تحریر کی ضرورت نہیں تو اب اگر وہ یہ زمین کاشت کرے گا شرعاً اس کے ذمہ دس بارہ روپیہ فی بیگہ لازم ہوگا اور اس سے کم ادا کرنے میں وہ باقی کا مدیون ہوگا۔ اس باقی کو جس حیلہ سے بھی چاہے وصول کرسکتے ہیں پس ذاکر اس باغ کو خرید لے اور زبانی بقیہ حصہ داروں سے اپنی زمین کا اجارہ بڑھا دے۔ جب وہ اس

کرایہ کو ادا نہ کریں گے تو باغ کا حصہ اس کے عوض ضبط کرلے اور اگر ادا کردیں تو پھر وہی صورت کرے جو اوپر مذکور ہوئی۔ واللہ اعلم۔ حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ

از تھانہ بھون ۴ ذیقعدہ ۴۷ھ

ادھار بیچنے کی صورت میں قیمت میں زیادتی کا حکم

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ آج کل اکثر لوگوں کی یہ عادت ہوگئی ہے دھان اور چاول نقد ایک بھاؤ پر بیچتے ہیں اور باقی دوسرے بھاؤ پر مثلاً جو لوگ نقد روپیہ دیتے ہیں وہ پانچ روپیہ من دھان اور آٹھ روپیہ من چاول لے سکتے ہیں اور جو لوگ دو چار مہینے کے وعدہ پر باقی لیتے ہیں ان کو دھان پانچ روپیہ کے بجائے آٹھ یا دس روپیہ من دینا پڑتا ہے اس قسم کی بیع جائز ہے کہ نہیں؟

الجواب

اگر بیع کے وقت یوں کہے کہ نقد لوگے تو یہ بھاؤ اور ادھار لوگے تو یہ بھاؤ ہے یہ تو جائز نہیں اور اگر یہ معلوم کرکے کہ خریدار نقد لینے والا ہے یا ادھار ایک بھاؤ بیان کردے تو یہ جائز ہے خواہ ادھار کا نرخ زیادہ ہی بتلایا جائے۔

قال فی کنز العمال عن ابن مسعود لا تصلح الصفقتان فی الصفقۃ ان یقول ھو بالنسیۃ بکذا وکذا وبالنقد بکذا وکذا وعزاہ إلی تاریخ الحاکم (ص ۲۲۸ ج ۲)

وصرح بکراھتہ فی الھندیۃ ایضاً کتبتہ عنھا غیر مرۃ وعللہ الجصاص فی احکام القرآن بأن فیہ تعویضاً للأجل وھو لا یجوز۔ واللہ اعلم حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ

۲۲ ذی الحجہ ۴۷ھ

خود کو مورث کا تنہا وارث بتا کر قبضہ کرنا اور اس کی بیع کا حکم

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین صورت مسئولہ میں کہ زید کو شاہان مغلیہ ہندوستان کی طرف سے بطور وظیفہ جاگیر زمینیں ملی تھیں۔ ان زمینوں کی دستاویز میں یہ شرط تھی کہ ان زمینوں کا نفع زید اپنے اور اپنے فرزندوں اور توابعین پر بطور معاش کے خرچ کرے اور دعائے خیر بادشاہ کے حق میں کیا کرے۔ زید موافق دستاویز کے عمل کرتا رہا۔ اب زید

کا انتقال ہوگیا۔ اس نے اپنے پیچھے ایک بھائی جو مفقود ہے عرصہ پچاس ساٹھ سال سے اور ایک بہن اور تین لڑکیاں چھوڑیں۔ مرور زمانہ کے سبب جاگیر زمینوں والا ملک ہندو راجہ کے قبضہ میں ہے چونکہ زید کے ورثاء میں کوئی فرزند نرینہ نہ تھا اس وجہ سے مذکورہ زمینوں کی تولیت زید مذکور کے سمدھی کرتے تھے وظیفہ زمین کسی کے نام نہ ہوتی تھی۔ بعد میں راجہ مذکور نے ایک منادی کرائی کہ جس جس کی جاگیر انعامی یا کسی طرح کی ہو پہلی دستاویز پیش کر کے اپنا حق ثابت کریں۔ نئے سرے سے اپنے اپنے نام کراکے ریاست مذکور کی سند لے لے۔ تو زید مذکور کا ایک نواسہ عمرو جو عمر میں بڑا تھا اور عالم بھی تھا۔ وہ ریاست مذکور کے صیغہ دارالانعام میں حاضر ہوا اور اس نے اقرار کیا کہ زید مذکور کا میں نواسہ ہوں اور زید مذکور نے مجھے متبنیٰ لے پالک کیا ہے۔ اس لئے میں مذکورہ جاگیر کا حق دار ہوں۔ بجز میرے دوسرا کوئی بھی حق دار نہیں ہے۔ ریاست مذکور کے صیغہ دارالانعام نے یہ دعویٰ سن کر بعد تصدیق ریاست کے لے پالک کے قانون کے مطابق جاگیر عمرو مذکور کے نام کر دی اور جو نئی سند ملی اس سند میں عمر مذکور کو اختیار کلی دے دیا کہ جاگیر مذکور کا نفع بھی لے سکتا ہے اور فروخت بھی کر سکتا ہے۔ فروخت کرنے میں یہ شرط اس سند میں لکھی ہے کہ فروخت شدہ قیمت میں سے ایک متعین رقم دارالانعام ریاست مذکور میں داخل کرے۔ عمرو مذکور نے یہ غیر مشروع دعویٰ مصلحتاً دائر کر دیا کہ جاگیر تلف نہ ہو جائے اور زید کے ورثاء کا حق تلف نہ ہو جائے کیونکہ عمرو مذکور عالم باعمل تھا اور اپنے نانا زید مذکور کے نقش قدم پر چلتا رہا۔ اب عمرو مذکور کا بھی انتقال ہوگیا۔ اس کے بعد اس کا بڑا لڑکا بکر جاگیر مذکورہ کی تولیت کرتا رہا اور اپنے والد کے موافق چلتا رہا۔ اتفاقاً بکر کا بھی انتقال ہوگیا۔ اب اس بکر کے لڑکے خالد نے اور اس کے چچاؤں نے مل کر اتفاق کر کے جاگیر مذکور فروخت کر ڈالی اور اس روپیہ کو آپس میں تقسیم کر لیا اور زید مذکور کے ورثاء کو فروخت شدہ زمین کی قیمت میں سے کچھ بھی نہیں دیا۔ اب زید مذکور کے ورثاء کا اس روپیہ میں حق ہے یا نہیں اور حق تلف کرنے کی وجہ سے گناہ گار ہوئے یا نہیں؟

تنقیح

یہ سوال تنقیح طلب ہے۔ یہ بتلایا جائے کہ ہندو راجہ نے اس زمین پر جو زید کو شاہانِ مغلیہ کی طرف سے عطا ہوئی تھی قبضہ مالکانہ کر کے پھر از سر نو اپنی طرف سے زید کے ورثاءؒ

کو دی اور ثبوت کاغذی محض ترجیح بلا مرجح سے بچنے کے لئے مانگا گیا یا ہندو راجہ نے ان زمینوں پر قبضہ مالکانہ نہیں کیا بلکہ قبضہ انتظامی کر کے اصلی مالکوں کو ثبوت ملکیت پیش کرنے کے بعد ان کی ملک تسلیم کرتے ہی واپس کر دی جو صورت ہو اس کو واضح طور پر لکھ کر سوال کیا جائے

احقر ظفر احمد عفا عنہ

جواب تنقیح

ہندو راجہ کا زمین مذکورہ پر قبضہ انتظامی ہے کیونکہ اس نے دارالانعام کا صیغہ کھول کر اگلے شاہوں کے عطیہ جاگیرات جن لوگوں کو دی گئی تھیں ویسے ہی قائم رکھی ہیں اور اس کا انتظام کیا ہے۔

الجواب

چونکہ ہندو راجہ نے عمرو کو زید کا وارث سمجھ کر یہ زمین وجائیداد دی ہے اور درحقیقت اس کا مالک زید کو تسلیم کیا گیا ہے۔ عمرو کو مالک نہیں مانا گیا بلکہ عمر کو محض وارث زید سمجھ کر جائیداد دی گئی اور عمرو کا یہ قول صحیح نہ تھا کہ زید کا وارث میرے سوا کوئی نہیں بلکہ اس کے ورثاء عمرو کے سوا اور بھی ہیں اس لئے یہ زمین صرف وارثان عمرو کی ملک نہیں بلکہ تمام وارثانِ زید کا اس میں حق ہے پس عمرو کے ورثاء کا اس جائیداد کو بیع کر کے اس کی قیمت میں تنہا تصرّف کرنا جائز نہیں اور یہ بیع بھی تمام زمین کی صحیح نہیں ہوئی بلکہ صرف حصّۂ عمرو میں صحیح ہوئی اور بقیہ حصّہ ورثا زید کی اجازت پر موقوف ہے اگر وہ اجازت دیں تو بیع ان کے حصّے کی نافذ ہو گی اور ان کو ان کے حصّے کی قیمت دلائی جائے گی اور اجازت نہ دیں تو ان کے حصّے کی بیع جائز نہیں اور جو لوگ ان کے حصّے پر قبضہ کریں یا اس کے حصّے پر قبضہ کریں گے وہ گنہگار و فاسق و غاصب ہیں۔ عنداللہ وہ اس غصب کے جواب دہ ہوں گے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ رہا یہ کہ اس جائیداد میں ورثاء عمر کا کس قدر حق ہے اور ورثاء زید کا کس قدر۔ اس کو فرائض کے ذریعے سے معلوم کیا جائے۔ واللہ اعلم۔ فقط

ظفر احمد عفا عنہ

از تھانہ بھون، ۲۳ محرم الحرام ۱۳۴۸ھ

افیون کی بیع جائز ہے	سوال: افیون کا فروخت کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اور اس کو دوا میں استعمال کر سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب

افیون کی بیع جائز ہے اور دوا میں نشہ سے کم مقدار میں استعمال بھی جائز ہے۔ نشہ کی مقدار کا استعمال جائز نہیں۔ واللہ اعلم حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ

۲۰ ربیع الثانی ۵۱ھ

بیع الحیوان بالحیوان کی ایک صورت

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے ایک بھینس دے کر تین گائے خریدی ہیں اور جانبین سے تسلیم مبیع ہو چکی ہے۔ اب ایک مولوی صاحب فرماتے ہیں کہ یہ بیع فاسد ہے کیونکہ کسی جانب سے کسی جنس کی قیمت مقرر نہیں کی گئی ہے لہٰذا ثمن مجہول رہا اور اس مدعا پر برجندی کتاب البیع ص ۴ ج ۳ کی عبارت پیش فرماتے ہیں۔

اما الاعیان التی لیست من ذوات الامثال مبیعة ابداً ۔ ھ

اس صورت میں عوضین غیر ذوات الامثال میں سے ہیں لہٰذا جب تک کسی عوض کی قیمت مقرر نہ ہو۔ ہر ایک مبیع ہوا اور ثمن مجہول رہا۔ اور دوسری عبارت اس مدعا پر عالمگیری کی یہ پیش فرماتے ہیں۔ رجل قال بعت منك ھذہ المائة الشاة بھذہ المائة الشاة کل منھما بشاة فالبیع فاسد اھ فصل الثامن ص۱۴۵ ج ۳ کتاب البیع اور احقر یہ عرض کرتا ہے کہ صورت مسئولہ میں بیع صحیح ہے۔ اس پر یہ عبارت شرح وقایہ آخرین کی پیش کی جاتی ہے۔ واللحم بالحیوان، باب الربوا۔ لہٰذا عرض ہے کہ برائے مہربانی آپ جواب سے سرفراز فرمائیں کہ کون سا جواب صحیح ہے اور عبارات ثلاثہ برجندی و عالمگیری وشرح وقایہ کا کیا محل ہے۔

الجواب

صورت مسئولہ میں اگر مجلس بیع میں بھینس اور تینوں گائے موجود تھیں تو یہ بیع صحیح ہے کیونکہ بھینس اور گائے اشارہ سے متعین ہو چکی ہیں اور حیوانات میں باہم اتحاد مفقود ہے اس لئے نسیئہ حرام ہے۔ فقد نھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن بیع الحیوان بالحیوان نسیئة ومن ھٰھنا منع العلماء الاحناف عن الاستقراض فی الحیوانات قال فی الدر المختار جاز بیع اللحم بحیوان ولو من جنسه لانه بیع الموزون بما لیس

بموزون فیجوز کیفما کان (سواءً کان مساویًا اولا شامی) بشرط اما النسیۃ فلا ا ھ ص ۲۸۵ ج ۴) اور ظاہر کہ بیع الحیوان بالحیوان میں غیر موزون کی بیع غیر موزون کے عوض ہے۔ اس میں تفاضل بالکل جائز ہے۔ قال فی العالمگیریۃ: ولا بأس باسمك واحد باثنین لأنہ لا یوزن ص ۷۰ ج ۴)

اور ظاہر کہ گائے بھینس بھی موزون نہیں پس تفاضل جائز ہے البتہ نسیۂ (ادھار) حرام ہے۔ پس اگر مجلس عقد میں تینوں گائے اور بھینس موجود تھیں تو بیع جائز ہے۔ پس اگر ان میں سے کوئی مجلس عقد میں غیر موجود تھی تو بیع فاسد ہے اور عالمگیریہ فصل ثامن میں فسادِ بیع کی وجہ یہ ہے کہ سو بکریوں کے مجموعہ کو دوسرے مجموعہ کے عوض بیع نہیں کیا ہے بلکہ ایک کو ایک کے عوض بیع کیا ہے اور اس واحد واحد کی تعین کی گئی ہے۔ اگر مجموعہ کا مجموعہ کے عوض بیع کیا جاتا تو عقد صحیح ہو جاتا۔ واللہ اعلم۔

ظفر احمد عفا عنہ

از خانقاہ تھانہ بھون ۱۲ ربیع الثانی ۵۱ھ

ہڈیوں کی تجارت کا حکم سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ (۱) ہڈی کی تجارت کس حالت میں جائز ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ معہ ریشہ کے ہڈی دس پانچ روز میں سوکھ جاوے تو تجارت اس کی جائز ہے اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ جب تک گوشت کا ریشہ ہڈی پر رہے گا چاہے وہ سوکھ ہی جائے اس کی تجارت جائز نہیں ہوتی۔ برائے مہربانی اس کی اصلاح نہایت غور سے فرماویں اور سنتے ہیں کہ ہڈی سے گوشت کا ریشہ سال بھر میں جا کر جدا ہوتا ہے۔

(۲) اکثر ہڈی کے تاجر ایسا کرتے ہیں جو آدمی گیلی ہڈی لاوے اس کو اندازے سے اس کے خرچ کے واسطے دام دیتے ہیں اور ہڈی علیحدہ ڈلوا دیتے ہیں اور جب دس پانچ دن میں سوکھ جاوے جب اس کا وزن اور قیمت کرتے ہیں اسی طرح ہڈی لانے والا اگر جنگل سے گیلی اٹھا لاوے اور سوکھا کر اس کو بیچ لیا کرے تو لینے اور دینے والوں دونوں کی روزی میں کچھ فرق تو نہیں آتا۔

الجواب

(۱) فی العالمگیریۃ (ص ۷۰ ج ۴) فی العیون لا بأس ببیع عظام الفیل وغیرہ

من المیتات الا عظم الآدمی والخنزیر وھذا اذا لم یکن علی عظم الفیل واشباھہ دسومۃ فاما اذا کان فھو نجس ولا یجوز بیعہ، وفی الدر (کما ینتفع بما لا تحلہ حیاۃ منھا) کعصبھا وصوفھا کما مرّ فی الطھارۃ وقال الشامی ادخلت الکاف عظمھا وشعرھا (ص ۲۰۲ ج ۴)

ہڈیوں کی بیع جب جائز ہے کہ ان پر دسومت نہ ہو گوشت یا چربی کی اور دسومت ہو تو جائز نہیں اور ریشہ سے مراد اگر پٹھا ہے (جس کو عربی میں عصب کہتے ہیں) تو بیع جائز ہے کیونکہ پٹھا پاک ہے اور حلال جانور کو جب ذبح کیا گیا ہو تو اس کی ہڈیاں ہر طرح بیچنا جائز ہے خواہ دسومت ہو یا نہ ہو اور یہ بھی جائز ہے کہ جنگل سے گیلی ہڈیاں اٹھالاوے اور سوکھنے کے بعد فروخت کرے۔

(۲) اگر چربی وغیرہ ہڈیوں پر لگی ہوئی ہو تو فقط سوکھنے سے تو پاک نہ ہوگی لیکن چربی کو کھرچ دیا جائے تو پاک ہو جائے گی۔ کما فی الدر: ویطھر (صقل) لا سام لہ (کمرآۃ) وظفر وعظم (بمسح یزول بہ اثرھا) مطلقاً بہ یفتی (شامی ص ۳۱۹ ج ۱)

احقر عبدالکریم عفی عنہ
۱۰ ربیع الثانی ۴۵ھ

تتمۃ الجواب

قال فی الدر: وکل اھاب ومثلہ المثانۃ والکرش (ومثلہ الامعاء وفی البحر عن التجنیس اصلح امعاء شاۃ میتۃ فصلی وھی معہ جاز لانہ یتخذ منھا الأوتار اوھو کالدباغ اھ شامی) دبغ ولو بشمس طھر فیصلی بہ ویتوضاء منہ اھ (ص ۲۰۹ ج ۱) قلت جعل الکرش کالإھاب فی طھارتہ بالدباغ ولو بشمس ولا یخفی أن الإمعاء لا تخلو عن الدسومۃ فلما کفی فیھا الدباغ مالأولی ان یطھر ما علی العظم من الدسومۃ بالجفاف بالشمس فلیتأمل۔

اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ ہڈی کی دسومت یعنی وہ دسومت جو گوشت یا چربی کے اثر سے باقی ہو اور چربی یا گوشت کا ریشہ وقطعہ نہ ہو۔ اگر دھوپ سے خشک ہو جائے تو ہڈی پاک ہو جائے گی اس کی بیع درست ہے لیکن ہنوز اس مسئلہ میں شرح صدر

نہیں ہوا دوسرے علماء سے بھی رجوع کیا جائے۔ حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ

۱۶ ربیع الثانی ۴۵ھ

حکم تجارت افیون | سوال: تجارت افیون از گورنمنٹ لائیسنس گرفتہ شرعاً چہ حکم دارد و بدلیل فرمایند۔

الجواب

افیون کی تجارت جائز ہے کیونکہ اس کا استعمال بعض صورتوں میں حد نشہ سے کم مقدار میں جائز ہے اور لائیسنس کی وجہ سے جواز تجارت میں کچھ فرق نہ آئے گا اور کوئی شبہ ہو تو ظاہر کیا جائے۔ فقط احقر عبدالکریم عفی عنہ

الجواب صحیح ۷ شعبان ۴۵ھ

ظفر احمد عفا عنہ ۸ شعبان ۴۵ھ

بیع تام ہونے کے لئے قبضہ شرط نہیں | سوال: تیس بتیس سال کا عرصہ ہو چکا ہے کہ میرے والد شریف چند بیگہ زمین قرض کے عوض ایک ہندو کے پاس بیع کر دی تھی مگر اس وقت تک اس ہندو کے نام انتقال وغیرہ نہیں ہو سکا۔ اب پٹواری وغیرہ ہمیں تحریک دے رہے ہیں کہ اگر تم رہن یا مستاجری کا دعویٰ کر کے اس ہندو کو بیدخل کرنا چاہو تو کوئی مشکل بات نہیں۔ لہٰذا گذارش بحضور ہے کہ (۱) گروی یا مستاجری کا دعویٰ کرنا (۲) یونہی اسے ڈرا کے بغیر کسی لین دین کے زمین واپس لے لینا۔ (۳) راس المال یا کمی پر حالاً یا قالاً دھمکیاں وغیرہ دے کر زمین خرید لینا یا کوئی اور صورت ہو سکتی ہے جس سے عنداللہ گناہ بھی لازم نہ ہو اور ملکیت بھی حلال ہو جائے اور واضح ہو کہ کمترین بغایت مسکین اور نادار ہے اور ہندو متمول اور دولت مند۔ بینوا توجروا۔

الجواب من المولانا ظفر احمد صاحب مدّ فیوضہم

بیع کے تمام و صحیح ہونے کے لئے قبضہ شرعاً لازم نہیں لہٰذا وہ ہندو زمین کا مالک ہو چکا ہے۔ اب جب تک اس کی رضامندی کے ساتھ دوبارہ زمین نہ خریدی جائے اس پر قبضہ کرنا حرام ہے اور جتنی صورتیں سوال میں درج ہیں وہ ناجائز ہیں۔ بس سہل صورت یہ ہے کہ ہندو سے صلح کر لی جائے کہ تم اپنا قرض لے لو اور خوشی سے زمین کو چھوڑ دو جبر و تشدّد نہ کیا جائے ورنہ گناہ ہوگا۔ واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ ۲۳ ذی الحجہ ۴۷ھ

(نوٹ) اس کے بعد سوال مذکور ایک خاص صورت کی تحقیق کے واسطے مکرر آیا جو سائل کو پیش آئی تھی۔

سوال: اس وقت بلا کسی تحریک کے ٹھیکہ زمین مذکورہ کا سرکار کی جانب سے بندہ کے نام لگ کر آیا ہے اور بعد چندے حسب قواعد سرکاری ہماری ریاست کی زمینوں کے قبضے بھی ہونے والے ہیں۔ چنانچہ بہت سے مواقع پر قبضے ہو چکے ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ اگرچہ مقبوض الیہ قبضہ نہ بھی کرے تو آئندہ کو ٹھیکہ بہر حال اسی سے وصول کیا جاوے گا۔ ہندو کو فروخت کرنے کے لئے دیانت اور نیک نیتی کے ساتھ بہت کچھ کہا گیا مگر وہ ایک نہیں مانتا۔ اب جو حکم ہو ارشاد فرمائیں اور جب ہندوستان کے دار الحرب اور دار الاسلام ہونے میں علماء کا اختلاف ہے تو یہ بھی بتلائیں کہ دونوں تقدیروں پر ایک ہی حکم ہے یا کچھ فرق ہے۔

الجواب من الاحقر عبد الكريم عفي عنه

جب جواب سابق سے معلوم ہو چکا ہے کہ وہ زمین تمہاری نہیں رہی تو سرکار کی طرف سے ٹھیکہ بلا تحریک ہونا اور تحریک پر ہونا سب برابر ہے باقاعدہ اس ہندو کو اس پر قبضہ دے دینا اور مکمل اندراج کر دینا لازم ہے۔ تم نے اصل بات کو مخفی رکھا ہے۔ غالباً اس واسطے سرکار نے تمہارا نام برقرار رکھا۔ اس کو اپنی ملک کا اختیار ہے۔ تم بیع پر کیوں مجبور کرتے ہو وہ نہیں مانتا تو تم کیوں برا مانتے ہو اور دار الحرب اور دار الاسلام ہونے کا اختلاف انگریزی علاقہ اور ہندو ریاستوں کے متعلق ہے۔ اسلامی ریاستوں کے دار الحرب ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔ ان میں اختلاف نہیں بلکہ وہ دار الاسلام ہیں اور دار الحرب میں بھی دھوکہ دینا اور غصب کرنا کسی کے نزدیک جائز نہیں۔ فقط

احقر عبد الکریم عفی عنہ

الجواب صحیح

ظفر احمد عفا عنہ ۱۲ ربیع الثانی ۴۸ھ

بیع موقوف کی ایک صورت | سوال: ایک شخص مرگیا اور اس کے دو بیٹے اور تین بیٹیاں ہیں۔ ان دونوں بیٹوں نے باپ کے گھر کو دو حصے کر کے ہر ایک نے ایک ایک حصہ اٹھا لیا۔ بہنوں کو نہیں دیا۔ بہنیں بھی چپ رہیں۔ پھر ان دونوں بیٹوں میں سے ایک نے دوسرے

کے پاس اپنا ادھار گھر بیچ دیا. تب بھی بہنیں خاموش رہیں. پھر دوسرے بھائی نے پورے گھر کو ایک اور شخص کے ہاتھ بیچ دیا تب بھی بہنیں خاموش رہیں. اب وہ شخص جس نے پورا گھر لیا تھا اس گھر کو بیچنا چاہتا ہے. اس گھر کو دوسرے شخص کے لئے لینا جائز ہے یا نہیں.

الجواب

اس صورت میں اگر ان پانچ وارثوں کے علاوہ کوئی اور وارث نہ تھا تو اس مکان میں سے ہر ایک بیٹے کو ۲/۷ پہنچتا ہے اور ہر بیٹی کو ۱/۷. پس بیع مذکور کے ذریعہ ۴/۷ مشتری کی ملک ہو چکا ہے اور ۳/۷ کی بیع موقوف ہے. ان بیٹیوں کی رضامندی پر اگر وہ رضامند ہوں تو بیع درست ہو جائے گی اور اگر اس بیع کو قبول نہ کریں بلکہ رد کردیں تو بیع باطل ہو جائے گی اور حالت موجودہ میں جو شخص اس مکان کو خریدے گا وہ ۴/۷ کا مالک بنے گا اور ۳/۷ میں بیع موقوف رہے گی البتہ اگر خریدار اس عیب شرکت کے سبب واپس کرنا چاہے تو اس گھر کو بالکل واپس کر سکتا ہے.

فی الدر المختار: من خیار العیب استحق بعض المبیع فان قبل قبض خیر فی الکل تفرق الصفقہ و إن بعدہٗ خیر فی القیمی لا فی غیرہ لأن تبعیض القیمی عیب لا المثلی اھ واللہ اعلم

عبدالکریم عفی عنہ، ۷ ربیع الثانی ۵۰ھ

ادھار کی وجہ سے زیادہ قیمت لینا قائلین عدم جواز کا جواب

سوال: بیع نسیئہ از نرخ بازار یعنی ثمن نسیئہ زائد از قیمت نقد مثلاً بازار میں یداً بید غلہ مکئی یا گیہوں چار پیمانہ یعنی صاع فی روپیہ فروخت ہوتی ہے تو ادھار دو پیمانہ فی روپیہ فروخت کرنا جائز ہے یا کہ نہ ایک مولوی صاحب فرماتے ہیں کہ جائز ہے اور دلیل یہ پیش کرتے ہیں کہ کتاب ہدایہ باب المرابحۃ والتولیہ میں ہے.

ومن اشتری غلاما بالف درھم نسیئۃ فباعہٗ بربح مائۃ ولم یبین فعلم المشتری فان شاء ردّہٗ وان شاء قبل لأجل شبھًا بالمبیع الایری انہٗ یزاد الثمن لأجل الاجل ہدایہ[1]

---

[1] ج ۳/۴۷، افتخار

اس مسئلہ کو قاعدہ کلیہ تصور فرما کے مثلی چیز کو بھی کم از کم نرخ مروّج نسیئۃً فروخت کرنا جائز بتاتے ہیں یہ بیع شراء ان کی جائز ہے یا نہیں۔ بینوا بحوالۃ الکتاب۔

جواب مرسلہ سائل

یہ بیع شراء جائز نہیں کیونکہ بعض ثمن بمقابلہ اُجل ہوئی اور اُجل مال نہیں ہے۔ جیسا کہ مسئلہ مذکور میں یہ عبارت ذکر ہے۔

وإن استهلكه ثم علم لزمه بالف ومائة لأن الأجل لايقابله شئ من الثمن (هدايه) لأن الأجل ليس بمال متقوم فلا يقابله شئ من الثمن (عيني) لأن الأجل في نفسه ليس بمال فلا يقابله شئ (ردالمختار) مقتضى كونه ليس بمال انه لا يصح مقابلة الثمن (التحرير المختار على ردالمختار)

ان روایات سے صاف ظاہر ہے کہ اُجل مال نہیں۔ جب اُجل مال نہ ہوا تو اس کے مقابلہ میں ثمن جائز نہیں خاص کر یہ جزئیہ نقل کیا جاتا ہے۔ لا يجوز بيع الحنطة بثمن النسيئة اقل من سعر البلد فانه فاسد واخذ ثمنه حرام (قاضي خان) ان بيع الحنطة بنقصان حكم البلد فهو فاسد وإن اخذ الثمن بعد مضى المدّة فهو حرام لأن الثمن متفاضل بالحكم وهو الربا ایضاح اور اُجل کے ذریعے سے زيادة في الثمن ربوا میں داخل ہے۔ لقوله تعالىٰ واحلّ الله البيع وحرّم الربوا۔ يعني احل لكم الأرباح في التجارة بالبيع والشراء وحرم الربوا الذى هو زيادة في المال لأجل تاخير الأجل (خازن)

ان روایات سے معلوم ہوا کہ جس چیز کا نرخ ایک شہر میں جاری ہو تو ادھار پر اس نرخ مروّجہ سے کم پر فروخت جائز نہیں۔

علماء جو اس مسئلہ کے قائل ہیں

(۱) جناب من یہ بیع حرام ہے کہ نسیئہ مال متقوم نہیں۔ یہ حکم مذکور ہے شرح وقایہ ہدایہ وغیرہ میں اور جو لوگ غلام پر قیاس کرتے ہیں یہ قیاس مع الفارق ہے کہ مقیس علیہ غیر مقدرات سے ہے اور ربوا مقدرات میں جاری ہوتا ہے۔ خادم العلماء محمد عباس عفی عنہ

(۲) ویزاد الثمن لاجل الاجل بعد تسلیم قاضیخان کے صریح جزئیہ کا مقابلہ نہیں کرسکتا جیساکہ اُمر مسلم عند الفقہاء ہے۔ نیز قیمتی اور غیر قیمتی اشیاء میں باہمی اتحاد فی الحکم قابل غور ہے۔ البتہ اختلفا الجنسان فبیعوا قابل بحث ہے۔

عبدالمنان از دفتر جمعیت احناف

(۳) جواب مجیب موافق قاعدہ فقہ بالکل درست ہے اور عزیمت پر مبنی ہے اور جواز کی روایت جس کو مولانا عبدالحی مرحوم نے ہدایہ کی عبارت سے اخذ کیا ہے۔ رخصت کا معنی ادا کرتی ہے۔ سو میرے خیال میں تقوے کی روسے ایسی بیع کا ترک بہتر ہے۔ فضل حق۔

(۴) کتب فقہ کی روسے جواز ثابت ہوتا ہے جیسے عبارت ہدایہ سے ظاہر ہے مگر اجل کے مقابلہ میں قیمت زائد لینا اگر ربوا نہیں تو شبہ ربوا ضرور ہے۔ پس متقی مسلم کے لئے اجتناب لازم ہے۔ محمد اشرف خطیب جامع مسجد۔

الجواب من الخانقاہ

ادھار لینے کی وجہ سے زیادہ داموں میں گیہوں وغیرہ کا فروخت کرنا سود نہیں۔ سود وہ زیادتی ہے جو اجل کے مقابلے میں ہو اور اس صورت میں اجل کا مقابلہ نہیں ہے۔ مقابلہ اجل کا اس طرح ہوتا ہے کہ مثلاً ہر ماہ یا ہر سال کے عوض میں اتنی زیادتی ہوتی رہے گی، اور یہاں یہ بات نہیں بلکہ اگر وہ خریدار مدّت معینہ سے پیشتر ادا کرے تب بھی اتنی ہی رقم دے گا اور مدّت معینہ یا اس سے گذر جانے کے بعد ادا کرے گا تب بھی وہی رقم ادا کرے گا۔ غرض یہ کہ لاجل الاجل اور شیٔ ہے بمقابلۃ الشیٔ اور چیز ہے۔ دونوں میں بیّن فرق ہے۔ اوّل صورت ربوا نہیں دوسری ربوا ہے۔ خود صاحب ہدایہ نے خیار رد کی وجہ جزئیہ مرقومہ فی السوال (یعنی من اشتری غلامًا بالف درہم نسیئۃ الخ) میں یزاد الثمن لاجل لاجل لکھی ہے اور استہلاک کی صورت میں کل ثمن لازم ہونے کی وجہ لأن الأجل لایقابلہ شیٔ من الثمن تحریر کی ہے۔ اس سے صاف واضح ہے کہ مقابلہ اجل اور چیز ہے اور اُجل کو زیادت ثمن کا باعث بنانا دوسری چیز ہے۔ دونوں کو ایک گردانا کسی طرح بھی صحیح نہیں۔ کما لایخفی علی من لہ ادنی تامل باقی رہا ایضاح اور قاضیخان کا جزئیہ جو مجیب اوّل نے لکھا ہے یعنی لایجوز

بیع الحنطۃ بثمن النسیئۃ۔ اس کا جواب جب ہو سکتا ہے جبکہ اس جزئیہ کا موقع بتلایا جاوے یعنی باب فصل وغیرہ لکھیں اس وقت اس میں غور ہو سکتا ہے کہ اس کا کیا محمل ہے۔

مؤید اوّل نے جو حکم قیاس مع الفارق کا دیا ہے یہ بالکل عجیب ہے۔ مؤید صاحب نے یہ خیال نہ فرمایا کہ مثلی شئ کی بیع میں تفاضل کو اس وقت ربوا قرار دیا جاتا ہے جبکہ اس کی جنس سے مبادلہ ہو۔ اور جب غیر جنس سے ہو تو پھر تفاضل کا جواب منصوص علیہ ہے۔ چنانچہ مؤید دوم نے اپنے قول "البتہ اذا اختلفا الجنسان الخ" سے مؤید اوّل پر یہی اعتراض کیا ہے۔ پس جب غیر جنس کے ساتھ مبادلہ ہے تو مثلی چیز بھی اموال ربویہ سے خارج ہو گئی اور قیاس اس کا غلام پر صحیح ہے۔ فلیتأمل نیز مؤید صاحب نے یہ خیال نہ کیا کہ تفاضل کے معنی کیا ہیں۔ تفاضل کے معنی یہ ہیں کہ احد البدلین دوسری چیز سے زائد ہو سو اس کو وہ بھی جائز قرار دیتے ہیں۔ حنطہ اور دراہم وغیرہ میں ساواۃ شرط نہیں فرماتے اور تفاضل کے وہ معنی جو قول مؤید سے نکلتے ہیں کہ نرخ مقررہ سے اضافہ ہو۔ فہذا اختراع لا دلیل علیہ اور مؤید ثالث محض تقوے کے طور پر اس بیع سے منع کر رہے ہیں۔ فتوٰی کی رو سے اس بیع کو ربوا نہیں کہتے اور مؤید رابع بھی اس صورت کو ربوا نہیں کہتے اور شبہ ربوی کی وجہ نہیں لکھی جو جواب دیا جائے۔ فقط واللہ اعلم

تنبیہ: یہ سب گفتگو اس میں ہے کہ معاملہ مذکورہ فی السوال سودی معاملہ نہیں ہے البتہ کسی حاجت مند شخص کو غبن فاحش کے ساتھ چیز دینا جس کو وہ مجبوراً لیتا ہو کراہت سے خالی نہیں ہے لأن النبی صلی اللہ علیہ وسلم نہی عن المضطر۔ واللہ اعلم

(مراجعت کی گئی) احقر عبد الکریم عفی عنہ

از خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون ۴ جمادی الاولی ۱۳۵۰ھ

مسلم قاضی کا مدیون کے مال کو نیلام کرنا اور اس مال کے خریدنے کا حکم

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ریاست ہذا میں وصولیابی قرضہ دائن

؏ علاوہ ازیں اس جزئیہ میں غلاماً کی قید احترازی نہیں ہے چنانچہ فتح القدیر میں "وغیرہ" موجود ہے اور عینی شرح کنز میں من اشتری شیئاً ہے ۱۲ منہ

بذریعہ قرقی و نیلام مال مدیون کرائی جاتی ہے۔ دوسرے شخص کو اشیاء نیلام کردہ ناجائز ہیں یا نہیں؟

تنقیح

قرقی و نیلام کون کرتا ہے۔ حکام ریاست یا حکام انگریزی پھر ریاست اسلامی ہے یا غیر اسلامی۔

جواب تنقیح

حسب الحکم حضور عرض ہے کہ ریاست اسلامی اور قرقی و نیلامی کنندہ و حکم دہندہ ریاست کے ملازمین ہیں مگر ریاست ہذا میں جملہ قوانین انگریزی ہیں اور بطریق انگریزی ہی نیلام بھی ہوتا ہے اور اس وقت رئیس کے نابالغ ہونے کے باعث مینجر بھی انگریز ہے اور گورنر کی منظوری سے مقرر ہے۔ فقط

الجواب

قال في الدر: والقاضي يحبس الحر المديون ليبيع ماله لدينه وقضى دراهم دينه من دراهمه يعني بلا أمره وكذا لو كان دنانير باع ودنانيره بدراهم دينه وبالعكس استحسان لاتحادهما في الثمنية ولا يبيع القاضي عرضه ولا عقاره للدين خلافاً لهما وبه اي بقولهما ببيعهما للدين يفتى اختيار وصححه في تصحيح القدوري ويبيع كل ما يحتاجه في الحال (ص ۱۴۵ ج ۵)

قال الشامي عن التبيين ثم عندهما يبداء القاضي ببيع النقود ثم العروض ثم العقار فالحاصل أنه يبيع ما كان انظر له الى آخر ماقال والحال وافاد واجاد۔

صورت مسئولہ میں صاحبین کے قول پر حاکم مسلم اور قاضی مسلم کا مدیون کی جائیداد وغیرہ قرقی و نیلام کرنا جائز ہے۔ بشرطیکہ مدیون کے مال میں سے اول ان چیزوں کو فروخت کیا جائے جن کا فروخت کرنا زیادہ مضر نہیں وہ ناکافی ہو تو پھر جائیداد و مکانات کو نیلام کیا جائے اور اس قرقی، اور نیلام کا خریدنا مسلمانوں کو بہر حال جائز ہے۔ اگر قاضی یا حاکم خلاف مصلحت عمل کرے گا وہ گنہگار ہوگا خریدنے والا گنہگار نہیں۔ اگر مسلمان نہ خریدیں گے تو کفار خریدلیں گے اور مسلمان کی جائیداد کفار کے ہاتھ میں چلا جائے

اشد ہے۔ اور اگر نیلام اور قرقی کرنے والا کافر ہے جب بھی مسلمانوں کو اس کا خرید نا جائز ہے لأن الکافر یملك مال المسلم بالاستیلاء کما عرف فی موضعه اھ

واللہ اعلم۔

حررہ الاحقر ظفر احمد
از تھانہ بھون یکم ذی الحجہ ۴۹ھ

باپ نابالغ بیٹے کی کوئی چیز خود بھی خرید سکتا ہے

سوال: کیا باپ کو اختیار ہے کہ اپنے فرزند صغیر کی کوئی چیز آپ خرید لے۔ مثلاً یوں کہے کہ یہ اپنے فرزند کی کتاب میں چار آنہ پر خرید لی ہے۔ یہ صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب

ہاں جائز ہے بشرطیکہ صغیر کو نقصان فاحش نہ ہو غبن فاحش ہو تو جائز نہیں

واللہ اعلم۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ
۷ ذی الحجہ ۴۹ھ

فصل فی خیار الرؤیہ وخیار الشرط وخیار العیب

خیار عیب اور اس پر صلح کی ایک صورت

سوال: میں نے ایک شخص کے ہاتھ ہزار جلدیں ایک کتاب کی ہدیہ کیں اور دوسرے شخص کے ہاتھ آٹھ سو جلدیں۔ شخص اوّل نے پہنچنے کے بعد کہا کہ دفتر سے جانچ کرانے کے بعد معلوم ہوا کہ ۲۵۰ کتابیں مکمل ہیں اور بقیہ نامکمل۔ شخص دوم نے یہ لکھا کہ کل نامکمل ہیں۔ ان میں اوراق کم ہیں۔ یہ کتابیں میں نے ایک تیسرے شخص سے لی تھیں۔ اس شخص کو اطلاع دی تو اس نے کہا کہ میں نے دفتر سے مکمل کرا کے بھیجا ہے مگر میں نے شخص اوّل اور دوم کے بیان کو صحیح سمجھ کر یہ اقرار کر لیا کہ میں ان کتابوں کو مکمل کر دوں گا۔ چنانچہ میں ان اوراق کی کاپیاں لکھوا کر شخص دوم کو دے کر یہ کہا کہ میرے یہاں یہ نہیں طبع ہو سکتیں آپ خود چھپوا لیجئے اور جو صرف ہو میرے روپے میں سے وضع کر لیجئے انہوں نے منظور کر کے کاپیاں لے لیں کئی ماہ تک کاپیاں ان کے پاس رکھی رہیں۔ جب انہوں نے نہ چھاپا اور شخص اوّل کا بھی تقاضا ہوا۔ میں وہ کاپیاں شخص دوم سے لے کر شخص اوّل کو دیں۔ شخص اوّل نے اقرار کیا کہ میں اس کو چھاپ کر خود اپنی کتابیں بھی مکمل کر لوں گا اور شخص دوم کو بھی چھاپ کر دوں گا۔ وہاں بھی یہ کاپیاں

کچھ پتھروں پر جمی پڑی تھیں اور کچھ بغیر جمی کہ شخص دوم کے ہاں آگ لگی اور تمام مال کے ساتھ وہ کتابیں بھی جل گئیں۔ شخص اوّل نے منجملہ قیمت بارہ سو روپیہ کے ہزار روپے دے دیئے اور دو سو رکھ چھوڑے کہ کتابیوں کی طبع کے بعد اس کی چھپائی وغیرہ وضع کرکے جو نکلے گا دوں گا شخص دوم نے ایک حبہ بھی نہیں دیا تھا اگرچہ اقرار یہ تھا کہ ۲۰۰ روپے ماہوار کے حساب سے بااقساط ادا کر دوں گا مگر نامکمل ہونے کی وجہ سے اب تک مجھے وہ روپیہ نہیں دیا تھا اب دریافت طلب یہ مسئلہ ہے کہ ان کتابوں کی قیمت ایسی صورت میں واجب الادا ہے یا نہیں اور مجھے ان سے لینے کا شرعاً حق ہے یا نہیں۔

الجواب

فی العالمگیریہ: واذا اشتری مصحفاً علی أنه جامع فاذا فیه آیتان ساقطتان او آیة ساقطةٌ قال هذا عیب یرد به ص ۴۳ ج ۴[1]. قال فی موضع آخر و إذا احدث عند المشتری عیبٌ بآفة سماویة او غیرها ثم اطلع علی عیب کان عند البائع فله أن یرجع بنقصان العیب اھ وقال فی الدر: وجد المشتری بمشتریه عیبًا و أراد ردّ به فاصلحا علی أن یردّ البائع الدراهم (والاولی دراهم بالتنکیر شامی ۱۲) الی المشتری ولا یرد علیه جاز و یجعل حطامن الثمن (اھ ص ۱۵ ج ۵)

صورتِ مسئولہ میں شخص دوم کو ان کتابوں کو رد کرنے کا بائع کی طرف حق حاصل تھا کیونکہ بائع نے مبیع میں عیب تسلیم کر لیا لیکن جب بائع نے اور مشتری نے تکمیل نقصان پر صلح کر لی اور بائع نے یہ کہہ دیا کہ تکمیل نقصان میں جس قدر لاگت صرف ہو وہ میرے ذمہ ہے تو یہ صلح جائز ہے اور اب شخص دوم کو واپس کرنے کا حق حاصل نہیں رہا۔ پھر جب وہ کتابیں شخص دوم کے پاس آگ لگنے سے ہلاک ہو گئیں تو اب اس کے ذمہ ان کتابوں کی قیمت ادا کرنا واجب ہے البتہ تکمیل نقصان پر جو لاگت صرف ہوتی اس قدر قیمت میں سے وہ منہا کر سکتا ہے۔ باقی قیمت کا ادا کرنا اس کے ذمہ واجب ہے۔ واللہ اعلم۔

حررہ الاحقر ظفر احمد ۳۰ محرم ۵۳ھ

کپڑے میں اگر کوئی عیب ہو تو خریدنے والے کو اس عیب کا بتلانا ضروری ہے یا نہیں

سوال: میری دوکان میں ایسے کپڑے ہیں جن میں کوئی نہ کوئی عیب ہوتا ہے کسی میں

---

(۱) ج ۳/۴۷ - مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ۔

کوئی داغ ہوتا ہے کوئی کسی مقام پر سے کٹا ہوتا ہے اسی لئے یہ ٹکڑے بازار کے تھانوں سے کم نرخ پر بکتے ہیں جو لوگ کپڑے میں تفاوت چاہتے ہیں وہ میرے یہاں خرید نے آتے ہیں ان کو کپڑوں کا عیب بتلانا ضروری ہے یا نہیں ؟

الجواب

بہتر یہ ہے کہ عیب صاف صاف بیان کر دیا جائے اگر اس کی ہمت نہ ہو تو کم از کم یوں کہہ دے کہ اچھی طرح دیکھ کر لو میں عیب کا ذمہ دار نہیں جیسا مال ہے سامنے ہے اس کے بعد بھی جو راضی ہو کر خرید ے گا تو آپ پر شرعاً کتمانِ عیب کا گناہ نہیں ہوگا واللہ اعلم۔ ظفر احمد عفا عنہ ۱۴ صفر ۱۳۴۸ھ

رضاء بالعیب اور بائع کے خط ثمن کی ایک صورت

سوال: ہم نے دساور سے مال منگوایا جو خراب نکلا۔ کارخانہ دار سے واپسی مال یا کمی داموں کا جھگڑا کیا گفتگو بذریعہ خط و کتابت کے کرتے رہے اس اثنا میں ایک خریدار دوکان پر آیا اس کو پہلے ہی کہہ دیا گیا کہ مال خراب ہے اگر لینا چاہو تو خرید داموں پر دے دیں گے۔ بیجک اور مال دونوں اس کے آگے رکھ دیئے اس نے اپنا پڑتہ اور ضرورت دیکھ کر مال لے آیا۔ اس کے کچھ دنت بعد دساور سے جواب آیا کہ بیجک میں ۴ فی فرد کے حساب سے کم کر لو لیکن یہ بے چارے ۴/ فرد کی واپسی ہم نے اپنے خریدار کو نہیں دی اس لئے کہ اس نے بیجک و مال دونوں کو جانچ کر اپنا پڑتہ دے کر لے لیا تھا اگر اس سے اب کہا جائے کہ بیجک میں کچھ بھول ہے لہٰذا اور دام دو تو ہرگز نہیں دے گا۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ یہ ۴/ فی فرد کے واپسی لینے کا ہمارا خریدار حقدار ہے یا نہیں۔

الجواب

سائل کے خریدار کو ۴ فی فرد کی واپسی لینے کا حق نہیں ہے بلکہ یہ واپسی سائل کو رکھنا بھی جائز نہیں ہے کیونکہ اس کے مال کو بیع کر دینا عیب پر راضی ہونا ہے۔ اس دساور کو پورے دام دینا لازم ہے۔

قال فی الدر: وکذا کل مفید رضا بعد العلم بالعیب یمنع الرد والارش ومنہ العرض علی المبیع اھ (ج ۴ ص ۱۳۹) واللہ تعالیٰ اعلم

ظفر احمد عفا عنہ ۳ جمادی الاولیٰ ۱۳۴۸ھ

فصل فی البیع الفاسد والباطل

ذبح سے قبل بکری کی کھال یا گوشت فروخت کرنا بیع فاسد ہے

سوال: ایک مسئلہ دریافت طلب ہے کہ ایک شہر میں بکری کا گوشت اور کھال حسب تشریح ذیل فروخت ہوتی ہے۔ ایک شخص دیہات سے بکری خرید کر لاتا ہے اور شہر میں پہنچ کر بکری کی کھال زید کے ہاتھ اور گوشت عمر کے ہاتھ فروخت کر دیتا ہے اور ابھی بکری زندہ ہے ذبح نہیں کی گئی۔ پھر جب عمر مناسب سمجھتا ہے بکری کو ذبح کر کے گوشت نکالتا ہے اور کھال زید کے حوالے کر دیتا ہے۔ یہ بیع فاسد ہے یا باطل۔

الجواب

قال فی العالمگیریۃ: ولا یجوز بیع لبن فی ضرع ولا ولد فی بطن ولا یجوز بیع صوف علی ظهر غنم فی الروایۃ المشهورۃ کذا فی محیط السرخسی ولو سلم الصوف واللبن بعد العقد لم یجز ایضاً ولا ینقلب صحیحاً کذا فی البحر ولو باع الجلد والکرش قبل الذبح لا یجوز فان ذبح بعد ذالک ونزع الجلد والکرش وسلم لا ینقلب العقد جائزا کذا فی الذخیرۃ (ص ۷۵ ج ۳)

صورت مسؤلہ میں گوشت اور کھال کی بیع قبل الذبح فاسد ہے۔ واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفی عنہ

بأمر سیدی حکیم الامت ۲۸ جمادی الثانیہ ۴۵ھ

جس بکری کی بیع بطریق فاسد ہوئی ہو اس کا گوشت خریدنے کا حکم

سوال: ہمارے شہر میں یہ رواج ہے کہ ایک شخص کسی تاجر چمڑا سے روپیہ پیشگی لے کر دیہات سے بکری خرید کر لاتا ہے یا اپنے ذاتی روپیہ سے خرید کرتا ہے۔ دونوں حالتوں میں زندہ بکری کا چمڑا تاجر چمڑا کے ہاتھ فروخت کر دیتا ہے۔ اور شرط یہ ہوتی ہے کہ جب ذبح ہوگی اس وقت چمڑا ملے گا۔ اب وہ مالک بکری گوشت فروخت کرنے والوں کے ہاتھ مذکورہ بکری علاوہ چمڑا کے فروخت کر دیتا ہے اور یہ شرط ہوتی ہے کہ بعد ذبح چمڑا اس کو واپس کر دیں۔ گوشت والے اسی وقت اس

کو ذبح کرکے گوشت وغیرہ لے کر بازار میں برائے فروخت لے جاتے ہیں اور چمڑا مالک بکری کو واپس کر دیتے ہیں۔ اب دو امر دریافت طلب ہیں۔

(الف) اس قسم کی بکری کا گوشت بازار سے خرید کر کھانا جائز ہے یا نہیں؟

(ب) اس طرح سے چمڑا خریدنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

(۱) قال في العالمگيرية: ولا يجوز بيع لبن في ضرع ولا في بطن ولا يجوز بيع صوف على ظهر غنم في الرواية المشهورة كذا في المحيط السرخسي ولو سلم الصوف واللبن بعد العقد لم يجز ايضًا ولا ينقلب صحيحًا كذا في البحر ولو باع الجلد والكرش قبل الذبح لا يجوز فان ذبح ذلك ونزع الجلد والكرش وسلم لا ينقلب العقد جائزًا كذا في الذخيرة (ص۵ ج۴)

ان نصوص فقہیہ سے واضح ہے کہ صورت مسئولہ میں جس طرح بکری کا گوشت فروخت کیا جاتا ہے یہ بیع فاسد ہے۔

(الف) اگر معین طور پر یہ معلوم ہو جائے کہ اس بکری کی بیع بطریق فاسد ہوئی ہے تو اس کا گوشت خریدنا جائز نہیں اور اگر عام رواج کی تو خبر ہے مگر کسی خاص کی بابت معلوم نہیں کہ اس کی بیع کس طرح ہوئی ہے۔ اس صورت میں احتیاط کرنا اچھا ہے مگر خرید لے گا تو اس کا کھانا حلال ہوگا۔

قال في الاشباه ناقلًا عن القنية غلب على ظنه أن اكثر بياعات اهل السوق لا تخلو عن الفساد فان كان الغالب هو الحرام تنزه عن شراءه ولكن مع هذا لو اشتراه يطيب له اھ قال الحموي ووجهه ان كون الغالب في السوق الحرام لا يستلزم كون المشترى حرامًا لجواز كونه من الحلال المغلوب والاصل الحل اھ (ص ۹۲) قلت وهذا الإمكان يرتفع إذا علم كون المشترى بعينه من الحرام. والله اعلم.

(ب) جائز نہیں۔ واللہ اعلم۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ
بامر سیدی حکیم الامت ۹ رجب ۱۳۴۸ھ

حربی سے اس کی اولاد خریدنے کا حکم

سوال: میں سخاوت حسین نے اپنے پڑوسی چمار سے لڑکا لے کر مسلمان کر کے چند ماہ کا تھا جب اسے بطور غلام خرید کر پرورش کیا اور اس کا نام لیاقت رکھا جب یہ غلام لیاقت جوان ہوا تو اپنے آقا سخاوت حسین صاحب کی پروردہ لونڈی شبراتا کو لے کر اپنے آقا سے چھپ کر فرار ہو گیا اس وقت تلاش کیا مگر پتہ نہیں چلا. تخمیناً عرصہ ۲۰ سال یا اس سے زائد تک غلام لیاقت لونڈی شبراتا اپنے آقا سخاوت حسین سے پوشیدہ رہے اب لیاقت غلام و لونڈی شبراتاً کا پتہ لگا ہے تو اب اس صورت میں غلام لیاقت و لونڈی شبراتاً جبکہ سخاوت حسین نے آزاد نہیں کیا تھا سخاوت حسین کی ملک میں ہیں یا نہیں اور سخاوت حسین کا ان پر کوئی حق ہے یا نہیں؟

(۲) اس زمانہ میں ان کی جو اولاد ہوئی وہ کس کی ملک ہے. بعد سخاوت حسین کے جن کو ترکہ سخاوت حسین ملا ہے وہ ورثا لونڈی شبراتا و غلام لیاقت اور اس کی اولاد کے مثل ترکہ کے پانے کے حقدار ہیں یا نہیں؟

(نوٹ) اولاد غلام لیاقت کے نطفہ اور شبراتاً کے بطن سے ہے۔

الجواب

لڑکا حریت و عبدیت میں والدین کا تابع ہوتا ہے. بظاہر جس چمار سے لڑکا لیا گیا تھا وہ اور اس کی بیوی آزاد ہیں تو یہ لڑکا بھی آزاد پیدا ہوا۔ اب اس کی بیع حُر کی بیع ہے اور بیع الحرّ باطل ہے لأنہ لیس بمال عند أحد پس یہ لڑکا غلام اور سخاوت حسین کی ملک نہیں ہوا اور یہ معاملہ بیع باطل ہے۔

(۲) شرعی طور پر ہنوز یہی ثابت نہیں کہ لیاقت اور شبراتاً سخاوت حسین کے غلام کس طرح ہو گئے۔ ہندوستان میں جو بعض قومیں اپنی اولاد کو فروخت کر دیتی ہیں اس سے وہ اولاد خریدنے والے کی ملک نہیں ہو سکتی۔ لأنہ بیع الحرّ فی الأصل لہٰذا جو اولاد لیاقت اور شبراتاً سے پیدا ہو گئی ہے وہ سخاوت حسین کی ملک نہیں ہو سکتی نہ ورثاء سخاوت حسین کو ان میں کوئی حق ملک حاصل ہو سکتا ہے۔

قال فی فتاوی الشامیة فی النهر عن منیة المفتی اذا باع الحربی هناك ولدهٗ من مسلم عن الامام أنه لایجوز ولا یجبر علی الرد.

(قال سیدی حکیم الأمّة ووجه عدم الجبر علی الرّد أنهٗ واقعة ارض لم تکن لحاکم الاسلام ولایة فیها وقت وقوعها) ولو دخل دارنا بأمان مع ولده فباع الولد لا یجوز فی الروایات اھ ای لان فی اجازة بیع الولد نقض امانہ اھ (ص ۳۷۶ ج ۳)

قلت وما ذکرہٗ فی فتاویٰ عبد الحی من قول البزازیہ والصحیح ان البائع إن کان یری جواز بیعہ ملکہٗ مطلقًا و ان کان لا یریٰ ان اشتراہٗ وذھب بہ مکرھًا ملکہ بالقھر اھ (ج ۱۰۲/۲) لا یعول علیہ أن الروایات اذا تعارضت یرجح المحرم علی المبیح وایضًا فإن مدارہٗ علی اعتقاد البائع ولا یعرف ان اھل الھند یرون جواز بیع الاولاد فی مذھبھم بل الظاھر انھم یخالفون فی ذالك مذھبھم و معتقدھم ومع ذالك فقول البزازیة خلاف اکثر المشائخ کما صرح بہ ھو فلا یعتبر بہ اذا لم یوافق الأصول ونقل العلامة عبد الحیّ عن الواقعات الحسامیة دخل دار الحرب بأمان فاشتری من احدھم ابنًا او ابنة بطوع تکلموا فیہ قال اکثر المشائخ البیع باطلٌ مطلقًا وفی البرجندی ولو باع الحربی ابنہٗ او أباہٗ فی دار الحرب من المسلم بطل سواء یری البائع جواز البیع اولا وھو روایة الحسن عن ابی حنیفةؒ روایة ھشام عن محمد اھ (ج ۱۰۳/۲) واللہ اعلم۔

حرّرہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ

۱۷ ذی القعدہ سنہ ۱۳۴۱ھ

غیر ملکی کارخانوں سے مال منگوانے اور قبل الوصول بیع کرنے کا حکم۔ نیز دوسرے کے مال کا مارکہ استعمال کرنا اور اس پر جرمانہ لینا

سوال: یہاں شہر رنگون میں علی العموم بڑے تاجروں کا دستور ہے کہ نرخ طے کرکے ولایت انگلستان جاپان یا جرمنی وغیرہ کے کارخانوں میں خریداری کی فرمائش روانہ کرتے ہیں کہ فلاں نمونہ اور فلاں قسم کا اس قدر مال مثلاً تین ماہ کے عرصہ میں تیار کرکے اس قدر نرخ پر روانہ کریں کہ منجملہ کچھ فرمائش کے مثلاً تہائی مال چوتھے مہینہ میں اور تہائی مال پانچویں مہینہ میں اور بقیہ چھٹے

مہینہ جہاز پر چڑھائیں گے اور کبھی اس طرح فرمائش میں رکھتے ہیں کہ کل مال مثلاً تین ماہ کے ختم پر جہاز پر چڑھا دیا جائے اس فرمائشی مال کے ولایت سے روانگی سے پہلے ہی بلکہ بعض اوقات اس مال کی تیاری سے بیشتر یہ بڑے تاجر اسی طرح اس آنے والے مال کی فروختگی کا معاملہ یہاں کے چھوٹے تاجروں سے طے کر لیتے ہیں کہ فلاں قسم اور فلاں نمونہ کا مال اس قدر مدت میں اس قدر نرخ پر تم کو دیں گے۔ اگر کوئی مسلمان اس طرح پر خرید و فروخت نہ کرے تو دوسری قوموں کے مقابلہ میں کوئی بڑی تجارت نہیں کر سکتا۔ پس ارشاد ہو کہ اس طرح پر معاملہ کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

(۲) اور بعض اوقات یہ ہوتا ہے کہ صورت مذکورہ سابقہ میں یہ بڑا تاجر ولایت فرمائش روانہ کر دینے کے بعد بازار کا بھاؤ گرا ہوا دیکھ کر اپنا نقصان محسوس کرتا ہے۔ پس کل یا جزو غیر تیار شدہ مال کی بابت بذریعہ تار ولایت میں اطلاع دیتا ہے کہ فرمائشی مال تیار کرا کے نہ بھیجا جائے۔ اس صورت میں ولایت والے کوئی رقم بطور ہرجانہ صاحب فرمائش سے وصول کرتے ہیں پس ارشاد ہو کہ اگر یہ ہرجانہ کی رقم صاحب فرمائش ادا نہ کرے تو شرعاً گنہگار ہوگا یا نہیں۔

۳۔ بڑے تاجروں کا یہ بھی دستور ہے ولایت کے کارخانوں سے معاملہ کر کے اپنے مال کے لئے کوئی خاص مارکہ مقرر کر لیتے ہیں۔ یہ مارکہ اکثر جاندار چیزوں کا ہوتا ہے پھر وہ مارکہ کوئی دوسرا تاجر اپنے مال میں نہیں بنا سکتا اگر بنائے تو قانوناً جرم ٹھہرے اور ہرجانہ بطور تاوان اس کو دینا پڑے اور اس کے ساتھ ہی آئندہ کے لئے وہ مارکہ ڈلوا کر مال تیار کرانے سے یہی دوسرا تاجر روک دیا جائے۔ ابتداءً اس خاص مارکہ والے مال کو تاجر لوگ بہت کم نفع پر یا بالکل بغیر نفع لئے اصل لاگت پر فروخت کرتے ہیں پھر جب اس خاص مارکہ والا مال ملک میں پوری شہرت پالیتا ہے تو خاطر خواہ منافع پر بیچتا رہتا ہے چونکہ قانوناً دوسرا تاجر اس خاص مارکہ کو اپنے مال پر نہیں ڈال سکتا۔ اس لئے یہ دوسرا تاجر کوئی دوسرا مارکہ ڈال کر ویسا یا اس سے کسی قدر بڑھیا مال بھی تیار کرائے تو بھی خریداران اس کی طرف توجہ نہیں کرتے۔ ہمارے کارخانے میں بھی مدت دراز سے اس طور پر مختلف مارکوں کا مال آیا کرتا ہے۔ اب اگر نئے مال کی ہم کو ضرورت پڑتی ہے تو بے جان چیزوں کا مارکہ ڈلواتے ہیں لیکن جاندار چیزوں

کے کئی سابقہ مارکے برھما میں بہت شہرت پاچکے ہیں ان شہرت یافتہ مارکوں کی بدولت ہماری دوکان چل رہی ہے۔ اب اگر ان مارکوں کو بند کروایا جائے تو دوکان کا کام رک جائے گا اور لاکھوں روپے کا نقصان ہوجائے گا۔ اگر یہی مال موجودہ جاندار چیز کے مارکہ کو ترک کر کے بے جان چیز کا کوئی دوسرا مارکہ ڈالوا کر منگایا جائے تو اگرچہ پہلے سے عمدہ اور بڑھیا مال تیار کروایا جائے۔ پھر بھی اس قدر قیمت جو سابقہ مارکہ والی ہے ہرگز نہیں مل سکتی پس ارشاد ہو کہ ایسی حالت میں جاندار مارکہ والے مال کا جاری رہنے دینا درست ہے یا نہیں اور نیز اگر کوئی دوسرا تاجر ہمارا مارکہ ڈال کر مال تیار کرائے تو عدالت انگریزی سے رجوع کر کے اس کو بند کرا دینا اور اس کے ایسا کرنے سے جس قدر نقصان پہنچا ہے تخمیناً اسی قدر اس سے وصول کرنا جائز ہے یا نہیں ؟ یہود و نصاریٰ و ہندو اور دوسری قومیں اور نیز اپنی قوم اگر یہ یقین کرلے کہ فلاں مسلمان تاجر اپنے مارکوں کا دعویٰ نہیں کرے گا تو یقیناً وہ لوگ ان کے مارکوں کا مال تیار کرانے لگیں جس کا نتیجہ یہ ہو اس کی تجارت یا تو بالکل نیست ہوجائے یا بالکل کمزور پڑ جائے۔

الجواب

(۱) اس معاملہ کی تین صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ بیع اس وقت نہ ہو بلکہ اس وقت محض وعدہ ہو کہ اتنے عرصہ کے بعد جب مال آجائے گا ہم تم کو دیں گے۔ اس کا مضائقہ نہیں اور اس صورت میں چھوٹے تاجروں سے جو رقم پیشگی لی جائے گی وہ قیمت یا ثمن نہ ہوگا بلکہ اس کا قرض ہوگا بڑے تاجر پر مگر اس صورت میں تاجر اور خریدار دونوں کو اپنے قول سے پھر جانے کا حق ہوگا۔

دوسری صورت یہ ہے کہ مال آنے یا تیار ہونے سے پہلے ہی چھوٹے تاجروں سے بیع کا معاملہ کرلیا جائے اور یوں کہا جائے کہ ہمارا جو مال ولایت میں تیار ہو رہا ہے یا جو وہاں سے آرہا ہے ہم نے اس کو تمہارے ہاتھ فروخت کردیا۔ یہ صورت ناجائز ہے کیونکہ بیع معدوم ہے یا بیع مالم یقبض ہے اور دونوں فاسد ہیں۔ ہاں اگر خریدار کافر ہو تو اس سے اس طرح بیع کرنے کا مضائقہ نہیں مسلمان کے ساتھ اس طرح معاملہ نہ کیا جائے اور اگر بدون اس طرح معاملہ کئے ہوئے چارہ نہ ہو تو اس کے جواز اور صحت کی صورت یہ ہے۔ بعد مال پہنچ جانے کے ایجاب و قبول اسی وقت طے شدہ قیمت پر دوبارہ کرلیا

جائے۔ اگر خریدار مسلمان ہوگا تو وہ دوبارہ ایجاب وقبول ضرور کرلے گا کیونکہ اس میں زبان ہی ہلتی ہے اور تو کچھ نہیں ہوتا۔

(۳) تیسری صورت یہ ہے اس وقت بیع سلم کی جائے جس کو ہمارے ہاں بدھنی کہتے ہیں یہ بھی جائز ہے مگر اس کے لئے چند شرائط ہیں ان کا موجود ہونا ضروری ہے۔ منجملہ ان کے ایک شرط یہ ہے کہ جس مال میں بیع سلم کی جارہی ہے وہ ایسا مال ہو کہ اگر ولایت سے نہ بھی آوے تو ہندوستان سے خرید کر خریدار کو دیا جاسکے۔ دوسری یہ کہ اس مال کی صفات بیان کرنے سے اس کی کیفیت وحالت کا خریدار کو پورا اندازہ ہوجاوے کہ مجھ کو ایسا مال ملے گا۔ نیز وہ مال ایسا ہو جس کے افراد میں تفاوت بہت زیادہ نہ ہو بلکہ سب افراد قریب قریب ہوں۔ نیز مدت اور مال عقد کے وقت میں طے ہوجائے (گو کسی عذر کی وجہ سے مدّت کے بعد ادا ہو مگر مدّت متعین کردینا عقد کے وقت ضروری ہے۔ نیز خریدار سے مال کی قیمت عقد کے وقت ہی وصول کی جاوے بالاجمال یہ ضروری شرائط بیع سلم کی بیان کردی گئیں ہیں ان کی رعایت ضروری ہے۔

قال فی الدّر: ولو انقطع فی اقلیم دون آخر لم یجز فی المنقطع اھ قال الشامی ای منقطع فیہ لانہ لا یمکن احضارہ الا بمشقۃ عظیمہ فیعجز بالتسلیم بحر (ص ۳۱۸/ ج۴)

۲۔ اگر رقم ہرجانہ ادا نہ کرے تو گنہگار نہیں بشرطیکہ ابھی تک ان ولایت والوں نے تیاری فرمائش کا کام شروع نہ کیا ہو اور اگر انہوں نے اس کی فرمائش تیار کرنے کا کام شروع کردیا تھا۔ پھر اس نے انکار کیا تو اس کے متعلق مفصّل سوال کیا جائے کہ فرمائش کے واپس لینے میں اس حال میں ان کو واقعی ضرر پہنچا ہے یا نہیں مثلاً ملازموں کی مشغولی سے کارخانہ کا حرج یا کچھ تیار شدہ مال کا ان سے بے کار ہونا وغیرہ۔

(۳) ایک شخص کے مارکہ کو دوسرا شخص استعمال نہیں کرسکتا۔ لا لانہ حقہ فان الحقوق المجرّدۃ لاتملك بل لمافیہ من الخداع۔ اگر کوئی شخص دوسرے کا مارکہ استعمال کرے تو مارکہ والے کو اس پر جعل وفریب دہی کا مقدمہ دائر کرنے کا حق ہے (لیکن اگر اس صورت میں عدالت صاحب مارکہ کو رقم مدعی علیہ سے دلوائے تو وہ مقدار ضرر وصرف مقدمہ سے زائد رقم اس کو مدعی علیہ کی جانب واپس

کردینی چاہیئے) مارکہ بے جان چیز کا ہو تو اس میں شبہ ہی نہیں۔ یہ تو بالکل جائز ہے البتہ جاندار مارکہ بظاہر حرام ہے اس میں بھی دو درجے ہیں ایک درجہ استعمال کا ہے کہ جس مال پر تصویر مارکہ ہے اس کو دوکان میں رکھنا اور تصویر کے ساتھ فروخت کرنا دوسرا بنوانے کا ہے۔ پس ایسی مارکہ دار چیزوں کے دوکان میں یا گھر میں رکھنے کا حکم یہ ہے کہ اگر تصویر اتنی چھوٹی ہو جس کے اعضاء کی تفصیل کھڑے ہونے والے کو نظر نہ آوے تو اس کا گھر میں اور دوکان میں رکھنا ممنوع نہیں اور اگر اتنی بڑی ہو کہ تھوڑے فاصلہ سے بھی اس کی تفصیل اعضاء نظر آسکتی ہو تو اس کا رکھنا ممنوع ہے۔

قال فی الدر: أوکانت صغیرۃ لا تتبین تفاصیل اعضائہا للناظر قائمًا وھی علی الارض ذکرہ الحلبی اھ وفی الشامیہ لکن فی الخزانۃ ان کانت الصورۃ مقدار طیر (ای بقدر جثۃ الطیر) یکرہ وان کانت اصغر فلا، رہا تصویر کا بنانا یہ مسلمان کے لئے مطلقاً حرام ہے خواہ چھوٹی بنائے یا بڑی بنائے۔ اسی طرح مسلمان سے بنوانا بھی ممنوع ہے۔

قال فی الشامیۃ ھذا کلہ فی اقتناء الصورۃ امّا فعل التصویر فھو غیر جائز مطلقًا لأنہ مضاہاۃ لخلق اللہ تعالیٰ کما مرّ اھ ولو استأجر مصورًا فلا أجر لہ لان عملہ معصیۃ کذا عن محمدؒ وفی آخر حظر المجتبیٰ عن ابی یوسفؒ یجوز بیع اللعبۃ وان یلعب بھا الصبیان اھ ملخصًا (ج ۱/ ۶۷۹، ۶۸۰) رہا کافر سے تصویر بنوانا پس ہر چند کہ یہ بھی کراہت تحریمیہ سے خالی نہیں مگر مسلمان کے بنانے کے برابر اس میں حرمت نہیں۔

قال فی الدر: أوأمر المسلم ببیع خمر اوخنزیر او شراھما ای وکل المسلم ذمیًا او أمر المحرم غیرہ ببیع صیدہ یعنی صح ذالک عند الامام مع اشد کراھتہ اھ (ص ۸۵ ج ۴)

یہ تفصیل تو تصویر کے بنوانے اور رکھنے کی ہے۔ ابتدائی حالت میں نظر کرتے ہوئے اور صورت مسئولہ میں حکم یہ ہے کہ جب غلطی سے جاندار کا مارکہ ڈلوا دیا گیا اور اب اس کے ازالہ میں نقصان کثیر ہوتا ہے تو اب یہ مارکہ بظاہر تصویر سکہ کے حکم میں داخل ہے کہ جس طرح بضرورت وہ جائز ہے کیونکہ اس کی تخریب سے نقصان مالی لازم آتا ہے اسی طرح

اس مارکہ میں بھی گنجائش ہے جبکہ اس کا ازالہ موجب ضرر ہے لیکن اس میں شک نہیں کہ ہمت کر کے اس کا زائل کر دینا افضل واولیٰ ہے۔ یفرق بین تصویر سکۃ وفیھا فان فی الاول مجردُ الاقتناءِ ضرورۃ وھٰھنا فعل التصویر امرا فافترقا۔ واللہ اعلم۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ

۲۵ محرم ۱۳۴۳ھ

بیع بشرط الاقالہ سے بیع کا فاسد ہونا اور بیع فاسد کا حکم

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان کرام اس مسئلہ میں کہ زید نے ایک شخص کا مکان اس شرط پر بیع کیا کہ جس وقت تم کو ضرورت ہوگی فوراً اصلی قیمت پر تم کو واپس کر دوں گا۔ دو گواہوں کے سامنے مالک مکان نے اس کے مطابق رجسٹری کرادی اب جو مکان طلب کیا تو خریدنے والے نے کہا کہ جاؤ دعویٰ کرو، اس میں شریعت کا کیا حکم ہے۔

الجواب

قال فی الھدایۃ: وکل شرط لا یقتضیہ العقد وفیہ منفعۃ لأحد المتعاقدین أو لمعقود علیہ وھو من اھل الاستحقاق یفسدہٗ (ج ۲ ص ۱۷)

صورت مسئولہ میں یہ بیع فاسد ہے جس کا حکم یہ ہے کہ بائع ومشتری دونوں کو توڑ دینا دیانتاً واجب ہے لیکن اگر مشتری نہ توڑے تو اس پر جبر نہیں کیا جا سکتا۔ قبضہ سے شئ مبیع اس کی ملک میں داخل ہوگئی اور اگر یہ بیع بالوفاء تھی تو دوبارہ سوال کیا جائے۔ واللہ اعلم۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ

۲۲ ربیع الثانی ۱۳۴۳ھ

نابالغ کی جائیداد کو فروخت کرنے کا حکم

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین وحاملان شرع درج ذیل مسئلہ میں کہ بکر اور زید دو حقیقی بھائی تھے۔ دونوں کی جائیداد اور کاروبار مشترک تھے۔ نیز گھر بھی ایک ہی تھا یعنی کھانا پینا بھی علیحدہ نہیں تھا۔ ان میں سے زید فوت ہوگیا اور صرف دو لڑکے خالد اور ولید وارث نابالغ چھوڑے دونوں نابالغوں کا حقیقی چچا بکر ولی رہا۔ مثل سابق سب ساتھ ہی رہتے رہے اور کاروبار صرف ولی مذکور ہی کرتا رہا۔ جائیداد غیر منقولہ مشترکہ میں صرف دو مکان تھے۔ بکر اور خالد نے ہر

دو مکان سودی روپیہ پر رہن رکھ دیئے۔ اس وقت خالد بھی بالغ ہو چکا تھا۔ کچھ عرصہ بعد ہر دو مکانہائے مذکورہ میں بکر نے ایک مسلمان کے ہاتھ ایک مکان بیع کر دیا۔ بوقت بیع مذکور ولید کی عمر دس سال کی تھی۔ یہ بیع ۱۹۰۱ء میں ہوئی تھی اور ولید کو بیع کا بخوبی علم تھا۔ بیع شدہ مکان پر بیع کے وقت مشتری کا قبضہ ہو گیا اور اب تک مسلسل ہے اور فریقین بیع شدہ مکان کے عین متصل رہتے ہیں اس واسطے ولید کا یہ علم ہمیشہ تازہ رہا۔ کئی سال کے بعد مرتہن نے راہنان پر زر رہن مع سود کا دعویٰ کر دیا۔ دوران مقدمہ میں خالد و ولید نے عذر کیا کہ دونوں بوقت رہن نابالغ تھے۔ گو اب بالغ ہو گئے ہیں اس لئے ان کے حصے پر رہن کا اثر نہیں ہے۔ تحقیقات عدالت سے ثابت ہوا کہ خالد رہن کے وقت ۱۸ سال سے زیادہ عمر کا ہو چکا تھا البتہ ولید نابالغ تھا چنانچہ عدالت انگریزی نے رہن شدہ جائیداد کا چہارم یعنی ولید کا حصہ رہن سے خارج سمجھ کر علیحدہ کر دیا اور صرف بکر و خالد کے حصہ پر ڈگری کر دی چونکہ اس دوران میں ولید بھی بالغ ہو چکا تھا اور مقدمہ کی پیروی کر رہا تھا۔ اسے بخوبی علم ہو گیا کہ نابالغی کی وجہ سے اس کا حصہ ڈگری سے بچ گیا ہے۔ عدالت نے ہر دو مکان کی نیلامی کا حکم دیا جو مکان بیع ہو چکا تھا اس کے مشتری نے عذرداری کی اس لئے اس بیع شدہ مکان کی نیلامی ملتوی ہو گئی اور صرف دوسرا مکان نیلام ہوا۔ اب مرتہن اور مشتری کے بیع شدہ مکان کے باہم مقدمات دائر ہوئے اور کئی سال مقدمہ رہا۔ اگرچہ اس مقدمہ میں ولید فریق نہیں تھا لیکن فریقین کے وکلاء میں ولید کا حصہ بھی آیا اور عدالت نے صریح فیصلہ کر دیا کہ مکان متنازع میں کوئی حق مرتہن نیز ولید کا نہیں ہے۔ مرتہن کا دعویٰ خارج کر دیا۔ یہی فیصلہ عدالت ماتحت سے ہو کر ہائی کورٹ تک بحال رہا۔ قانون انگریزی کے بموجب اب ولید کا کوئی حق باقی نہیں رہا اس لئے وہ دعویٰ بھی نہیں کر سکتا۔ ۱۹۲۴ء میں ولید نے مشتری سے بالواسطہ کہلوایا کہ مکان کا میرا حصہ واپس کر دو اور بیع سے نارضامندی کا اظہار کیا۔ مذکورہ بالا حالات سے ظاہر ہے کہ ولید ۱۹۰۶ء میں بالغ ہو گیا تھا کیونکہ اس کی عمر ۱۵ سال کی ہو گئی تھی۔ بالغ ہونے اور بیع کا ابتداء سے علم ہونے کے باوجود اس نے ۱۹۲۴ء تک سکوت کیا یعنی بعد بلوغ ۱۸ سال تک عملاً بیع کو تسلیم کرتا رہا ان حالات میں شرع شریف کا کیا حکم ہے۔ آیا اس قدر مدت کے بعد اب بھی ولید کو بیع فسخ کرنے کا حق ہے

یا نہیں؟

الجواب

صورت مذکورہ میں جو مکان مشترکہ ما بین بکر وخالد و ولید بحالت نابالغی ولید بیع کیا گیا اس کی بیع حصۂ نابالغ میں نافذ نہیں ہوئی۔

قال الحموی علی الاشباہ لو ادعی یتیم بعد بلوغہ أن بیع عقارہ بغیر مسوغ فادعی المدعی علیہ المسوغ فالقول قول الیتیم وعلی المدعی علیہ البیّنۃ لأن الیتیم ینکر خروجہ عن ملکہ اذ بیعہ و الحالۃ ھذہ عندنا باطل کما صرح بہ فی التاتارخانیۃ ولا فرق عندنا بین ان یکون البائع أبا أو جداً أو قاضیاً او وصیاً من جانب الأب أو القاضی ولم أر من صرح بذلک وإن علم من کلامھم (ص ۳۱۵)

وفیہ ایضاً لا یجوز للوصی بیع عقار الیتیم عند المتقدمین ومنعہ المتاخرین ایضاً الّا فی ثلاث کما ذکرہ الزیلعی اذا بیع بضعف قیمتہ وفیما اذا احتاج الیتیم إلی النفقۃ ولا مال لہٗ سواہ فیما اذا کان علی المیت دین لا وفاء لہ منہ وردت اربعۃ فصار مستثنٰی سبعۃ ثلثۃ من الظھریۃ فیما اذا کان فی الترکۃ وصیۃ مرسلۃ لا نفاذ لھا الّا منہ وفیما اذا کانت غلاتہٗ لا تزید علی مؤنتہ وفیما اذا کان حانوتاً او داراً یخشی علیہ النقصان اھ والرابعۃ من بیوع الخانیۃ فیما إذا کان العقار فی ید متغلب وخاف الوصی علیہ فلہٗ بیعہٗ اھ قال الحموی ومثل الوصی الاب فلا یجوز بیعہٗ عقار الصغیر الّا فی المسائل المذکورۃ کما افتی بذلک شیخ مشائخنا شمس الملۃ والدین محمد الحانوتی اھ (ص ۳۱۳ و ۳۱۴)

خلاصہ ان نقول کا یہ ہے کہ باپ اور وصی کو نابالغ کی جائیداد کی بیع کا حق حاصل نہیں۔ پس صورت مذکورہ میں چچا اور بھائی نے جو ولید کا حصّہ بیع کیا یہ صحیح نہیں ہوا۔ مگر یہ کہ ان دونوں میں سے کوئی وصی ہو یعنی ولید کے باپ نے ان میں سے کسی کو ولید کا وصی بنایا ہو تو اس صورت میں بعض حالات میں یہ بیع درست ہو سکتی ہے۔ اگر ولید کے

باپ نے کسی کو وصی بنایا ہو تو اس صورت میں دوبارہ سوال کیا جائے اور یہ بتلائیں کہ وصی نے ولید کا حصہ کیوں اور کس وجہ سے بیع کیا۔ رہا ولید کا بعد البلوغ ۱۸ سال تک بیع سے سکوت کرنا یہ اس کے حق میں دعویٰ کو مسقط نہیں۔

لو كان أحد الورثة قاصرًا والباقي بالغين تسمع الدعوى (بعد المدة المذكورة) بالنظر الى القاصر لقدر ما يخصه دون البالغين اھ (ج ۳/ ۵۳۱) وقال ايضا تحت قول الدر حتى لو أمر السلطان بعدم سماع الدعوى بعد خمسة عشر عامًا مالم نصه عن الخيرية أن المستثنى ثلاثة مال اليتيم والوقف والغائب اھ (ج ۳/ ۵۳۱)

والله اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ
جمادی الثانیہ ۴۳ھ

اپنی زمین کے اندر پانی میں مچھلی کی بیع کا حکم

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرح مبین اس صورت میں کہ زمین کا ایک ٹکڑا نشیبی پر سرکاری لگان مقرر ہے اور ہمیشہ اس میں پانی رہ جاتا ہے۔ آبادی کا موقع نہیں ملتا۔ مالک کو بھاری لگان کی ادائیگی اپنی گرہ سے سخت نقصان ہے۔ طلباء اور حکام کی مدارت اس پر لازم ہے۔ اس نشیبی ٹکڑا مذکورہ میں مچھلی بہت جمع ہوتی ہے۔ راستہ آمد ورفت مچھلی کا بند ہے۔ ماہرین فن مچھلی کا اندازہ اور اپنے نفع کا خیال کر کے قیمت دینا منظور اور مچھلی کی بیع پر مجبور کرتے ہیں۔ مچھلی کی بیع فاسد یا باطل یا جائز ہے یا نہ اور بصورت بیع اس کا زرثمن حلال ہے یا نہ حکام اور طلباء پر اس زرثمن سے صرف کرنا کس طرح ہے۔ اگر ناجائز ہے تو اس کے جواز کا کوئی حیلہ ہے جس سے سرکاری معاملہ کا بوجھ مالک سے گر جائے۔ بحوالہ کتب فقہ حنفی مفصل طور پر جواب مرحمت فرمائیں۔

الجواب

قال في الدر وفسد بيع سمك لم يصد أو صيد ثم ألقي في مكان لا يوخذ منه الا بحيلة للعجز عن التسليم وإن أخذ بدونها صح وله خيار رؤية الا اذا دخل بنفسه ولم يسد مدخله فلو سده ملكه اھ قال الشامي والحاصل كما في الفتح أنه دخل السمك في حظيرة

فاما أن یعدّ ھالذلك اولا ففی الاوّل یملك ولیس لأحد أخذہ ثم ان أمكن أخذہٗ بلاحیلة جاز بیعهٗ لأنهٗ مملوك مقدور التسلیم والاّ لم یجز لعدم القدرة علی التسلیم (وان كان مملوكا ۱۲) والثانی لایملكهٗ فلایجوز بیعهٗ بعدم الملك الاّ أن یسدّ الحظیرة اذا دخل فحنئذٍ یملكهٗ ثم إن امكن أخذہٗ بلاحیلة جاز بیعهٗ والاّ فلا وان لم یُعدّ ھالذلك لكنه اخذہ و ارسلهٗ فیھا ملكه ثم حكم البیع منوط علی مامرّ من اخذہ بحیلة او بغیر حیلة اھ بمعناہ (ص ۱۶۴ ج ۴)

خلاصہ یہ کہ اگر یہ زمین مچھلیوں کے جمع ہونے کے لئے مقرر کرلی گئی ہو تو مچھلیاں صاحب زمین کی مملوک ہیں دوسروں کو پکڑنے کا حق نہیں۔ اسی طرح اگر زمین اس لئے تیار تو نہ کی گئی ہو مگر مچھلیوں کے دخول کے بعد نکلنے اور آنے کا راستہ بند کردیا گیا ہو تب بھی مالک زمین کی مملوک ہیں یا راستہ بھی بند نہ کیا گیا لیکن مالک زمین نے ان کو خود لاکر چھوڑا ہو تب بھی مملوک ہیں اور ہر صورت میں بیع کا حکم یہ ہے کہ اگر مچھلیاں بدون جال وغیرہ کے بآسانی پکڑی جاسکیں تب تو پکڑنے سے پہلے بیع جائز ہے ورنہ جائز نہیں جس صورت میں بیع جائز ہے اس صورت میں ثمن حلال ہے ورنہ حلال نہیں جس کا تصدق غرباء پر واجب ہوگا اور لگان میں بھی دے سکتا ہے اور اگر ان مذکورہ صورتوں میں سے کوئی صورت نہیں ہے تو مچھلیاں مالک زمین کی مملوک نہ ہوں گی اور ثمن کا خریداروں پر واپس کرنا واجب ہوگا۔ اس صورت میں بیع کرنا اور ثمن کو لگان وغیرہ میں دینا کچھ جائز نہ ہوگا۔ عدم ملک اور عدم جواز بیع کی صورت میں حیلہ جواز بیع یہ ہے کہ مچھلیوں کو شکار کرکے بیع کیا جائے۔ واللہ اعلم حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ

۱۴ جمادی الثانیہ ۴۳ھ

کھال کی بیع گوشت سے علیحدہ کرنے سے پہلے جائز نہیں

سوال: ہمارے محلے میں دو تین گائے کی ہر سال قربانی ہوتی ہے اور اس جگہ کے قصاب کھال نکالتے اور گوشت بناتے ہیں اور قربانی کی کھالوں کو خریدتے ہیں لیکن کھالوں کی قیمت واقعی نہیں دیتے کمی کے ساتھ تین یا چار روپیہ فی کھال دیتے ہیں چونکہ اور کوئی خریدار نہیں ہوتا اس لئے مجبوراً کھالیں انہیں کو دینی پڑتی ہیں۔ امسال ایک قصاب دوسرے گاؤں کا آیا اور

اور اس نے قبل از قربانی، قربانی کی گائے کو دیکھ کر کھالوں کا سودا کر لیا اور چھ روپیہ سات روپیہ فی کھال کی شرح سے کھالوں کو خرید لیا۔ بعد قربانی کے کھالیں قصاب کو دے دی گئیں۔ یہ عمل محض مساکین کے فائدے کے خیال سے کیا گیا۔ اب بعض لوگ کہتے ہیں کہ کھالوں کا قربانی سے پہلے سودا کرنے سے قربانی ناجائز ہو گئی۔

الجواب

کھال کی بیع کرنا قبل اس کے کہ کھال گوشت سے علیحدہ کی جائے درست نہیں۔ وجوّزہ الثانی و مالکؒ کما فی الدرّ (ج ۳/۱۶۷) اس لئے کھالوں کا معاملہ درست نہیں ہوا۔ اس کو دوبارہ کر لیا جائے اور تراضی طرفین کے ساتھ قصاب سے کہہ دیا جائے پہلی بیع صحیح نہ ہوئی تھی اب دوبارہ زبان سے اسی قیمت پر ایجاب وقبول کر لو (اور اگر وہ کھالیں اس وقت قصاب کے پاس نہ ہوں تو سوال دوبارہ کر لیا جائے) لیکن اس عمل سے قربانی میں کچھ نقصان نہیں آیا۔ قربانی درست ہو گئی۔ صرف یہ لازم ہے کہ جب تک کھالوں کا معاملہ دوبارہ صحیح نہ ہو جائے اس وقت تک کھالوں کی قیمت میں تصرف نہ کیا جائے بعد تصحیح عقد کے تصرف کیا جائے۔ واللہ اعلم۔

حرّرہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ

۲۱ ذی الحجہ ۴۵ھ

وقف کی بیع باطل ہے

سوال: زید کا وقف کردہ مکان متولی وقف عمرو بیع کر دے اور اس کے پیسوں سے اور جائیداد خرید ے تو آیا اس طرح کرنے سے وقف باطل ہو گا یا نہیں؟

الجواب

وقف تو باطل نہ ہو گا البتہ متولی کی بیع باطل ہے جبکہ بلا اذن قاضی ایسا کیا ہو اور ہندوستان میں بلا اذن قاضی ہی ایسا ہوتا ہے۔ پس عمرو کو لازم ہے کہ اس بیع کو جو باطل ہے کالعدم سمجھے اور مشتری کو ثمن واپس کر کے زمین موقوفہ کو واپس لے۔ واللہ اعلم

حرّرہ الاحقر ظفر احمد عفی عنہ

۱۶ جمادی الاولیٰ ۱۳۴۶ھ

قبرستان کی زمین کی بیع کا حکم

سوال: مسلمانوں کے ایک گاؤں میں سالہا سال سے مسلمان زمینداروں کی طرف سے مردہ دفن کرنے کے لئے ایک اراضی ۲ع بیگہ بنام

قبرستان معروف چلی آئی ہے۔ کاغذات سرکاری میں اس کا نمبر ۳۵ نوعیت قبرستان درج ہے تقریباً ساٹھ سال ہوئے ایک بندوبست میں زمینداران نے حسب ضابطہ ایک واجب العرض بھی داخل کیا جس کی دفعہ ع ۲۴ میں الفاظ ذیل لکھے ہوئے ہیں:

"اور مردہ مسلمانان کے قبرستان میں ہندوؤں کے جوانوں میں جلا اور گڑا کریں اور کچھ واسطہ ملکیت نہ ہوگا" ان الفاظ میں اب تک بھی کوئی تغیر نہیں ہوا بلکہ بدستور چلے آتے ہیں۔ تقریباً چالیس سال ہوئے اراضی قبرستان مذکورہ کے ملحق جو اراضی متعلق ع ۳۴/۱ تعدادی چودہ بسوہ اور متعلق ۳۶/۲ تعدادی سولہ بسوہ افتادہ ع ۳۴ تھی۔ برضامندی مالک وزمیندار اس میں مردے دفن ہونے لگے اور مالک کے زمانہ حیات ہی میں بہت سی قبریں بن گئیں تھیں اور بندوبست حال میں جس کو تخمیناً تینتیس ۳۳ سال ہوئے اراضی ع ۱ ع ۲ بیگہ گیارہ بسوہ متعلق ع ۳۵ سابقہ اور اراضی ع ۲ متعلق ع ۳۴ تعدادی چودہ بسوہ اور اراضی متعلق ع ۳۶/۲ تعدادی سولہ بسوہ کل چار بیگہ ایک بسو، بنوعیت قبرستان لکھی گئی اور بجائے ہر سہ نمبران مذکورہ ع ۳۵، ع ۳۴، ع ۳۶/۲ کے ایک ع ۱۷ قبرستان مذکورہ کا قائم کردیا گیا۔ مالک اور زمیندار نے بھی قبرستان مذکور کی اراضی چار بیگہ ایک بسوہ تسلیم کرتے ہوئے کاغذات بندوبست پر دستخط کردیئے اصل مالک وزمیندار کے انتقال کے بعد اس کے کسی وارث نے اپنی حقیت مندرجہ کھیوٹ ع ۲ و ع ۵ کا بیعنامہ ایک غیر مسلم کے نام کیا جس کو عرصہ تقریباً آٹھ سال کا ہوا اور اراضی متعلق نمبر ۳۶/۲ تعدادی سولہ بسوہ کو جو کھیوٹ ع ۲ میں درج تھی بیع سے مستثنیٰ قصداً یا سہواً بائع نے نہیں کیا۔ بجز درج کھیوٹ ع ۲ ہونے کے اس اراضی کی بیع کی بیعنامہ میں کوئی صراحت بھی نہیں کی گئی۔ پس صورت مذکورہ بالا میں حسب ذیل سوالات ہیں۔ (۱) اراضی متعلق ع ۳۴، ع ۳۵، ع ۳۶/۲ حکم قبرستان میں شامل ہوگئی یا نہیں اور کل اراضی چار بیگہ ایک بسوہ کو بحکم قبرستان تسلیم کیا جاوے گا یا نہیں جبکہ اصل مالک نے بوقت بندوبست حال تسلیم کرلیا تھا (۲) اس کل اراضی قبرستان میں کسی جزو کی بیع کرنا کسی کو جائز ہوگا یا نہیں؟

(۳) اگر غلطی یا سہو سے کسی جزو کی بیع کسی شرعی وارث نے کردی تو شرعاً اس بیع کا کیا حکم ہوگا۔

تنقیح

اراضی دو بیگہ گیارہ بسوہ ع ۳۵ کے متعلق تو چونکہ زمینداران نے تصریح کی ہے کہ کچھ واسطہ

ملکیت کا نہ ہو اس کو تو وقف کہا جا سکتا ہے بشرطیکہ سب مالکوں کی اجازت ہو اور ان میں کوئی نابالغ نہ ہو۔ باقی نمبروں کے متعلق یہ امر تنقیح طلب ہے کہ زمینداروں نے اس کے وقف ہونے کی تصریح کی ہے یا نہیں؟ صرف قبرستان قرار دینے سے وقف ہونا لازم نہیں آتا۔ لہٰذا جب تک اس تنقیح کا جواب نہ دیا جائے مسئلہ نہیں بتلایا جا سکتا۔

جواب تنقیح

واجب العرض جس کو تقریباً ساٹھ سال ہوئے ہیں وہ بدستور چلا آرہا ہے اس میں کسی نمبر کے متعلق زمینداروں کی جانب سے کوئی تبدیلی نہیں کی گئی ہے اس میں کسی جانب کی طرف سے کوئی تبدیلی نہیں کی گئی جس کی رو سے ۳۴ و ۳۶ بھی مثل ۳۵ ایک حکم میں ہیں اس لئے سوال میں اس تفصیل کی ضرورت نہ سمجھی گئی۔

الجواب

۱ اراضی دو بیگہ گیارہ بسوہ تو بحکم قبرستان موقوف ہے جس کا نمبر کاغذات سرکاری میں ۳۵/ تھا۔ اس کی تو بیع و شراء جائز نہیں کیونکہ زمینداروں نے اس کے متعلق وسطہ ملکیت نہ ہونے کی تصریح کردی ہے باقی اراضی ۳۴، ۳۶ کو محض اس وجہ سے کہ ان میں برضامندی مالک و زمیندار مردے دفن ہونے لگے اور زمیندار نے کاغذ پہ دستخط کردیئے تھے۔ تو یہ قبرستان موقوف نہیں کہا جا سکتا جب تک زمیندار کی طرف سے وقف یا قطع ملکیت کے الفاظ کا ثبوت نہ دیا جائے کیونکہ دفن اموات کی اجازت دینا وقف کو مستلزم نہیں بعض دفعہ اراضی مملوکہ میں بھی دفن کی اجازت دے دی جاتی ہے۔

۲ اراضی نمبر ۳۵ کے کسی جزو کی بیع جائز نہیں اور ۳۴ و ۳۶ کا وقف ہونا جب تک مالکان کی تصریح سے ثابت نہ ہو اس وقت تک اس کی بیع کو ناجائز نہیں کہا جا سکتا۔

۳/ اراضی نمبر ۳۵ کا کوئی جزو بیع ہو گیا ہو تو بیع باطل ہے بائع پر لازم ہوگا کہ مشتری کو ثمن واپس کرکے اس زمین کی بیع کو فسخ کرے اور اراضی ۳۴، ۳۶ کی بیع وارثان مالک کو جائز ہے۔ جب تک اس کے وقف کا ثبوت نہ ہو۔ اگر وقف کا ثبوت ہو جائے تو ان نمبروں کی بیع بھی درست نہ ہوگی۔ واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ

۲۳ ربیع الثانی ۵۷ھ

باغ کی خودرو گھاس کی بیع کا حکم

سوال: زید ایک آم کے باغ کا مالک ہے اور وقتاً فوقتاً اس کی درستگی اور حفاظت کرتا رہتا ہے۔ بارش کے زمانہ میں اس باغ کے اندر گھاس خود بخود پیدا ہو جاتی ہے۔ اس گھاس کو زید بعض لوگوں سے کچھ رقم لے کر ان کو اجازت دیتا ہے کہ وہ اپنے مویشی اس میں چرایا کریں۔ سوال یہ ہے کہ آیا زید کے لئے یہ جائز ہے اور اس طرح وصول شدہ قیمت حلال ہے یا ناجائز وحرام ہے؟

الجواب

باغ کی گھاس کو اس طرح فروخت کرنا جائز نہیں البتہ ایک صورت میں جائز ہے جبکہ ایک دو مرتبہ باغ کی زمین میں ہل چلا دیا جائے یا گھاس کو پانی دے دیا جائے جس سے گھاس بڑھ جائے۔ واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ

فصل فی بیع الأراضی والبساتین والزروع والثمار

باغ کا پھل بطور ٹھیکہ کے کئی سال کے واسطے بیع کرنا

سوال: ایک شخص کے پاس چند باغ ہیں۔ ایک باغ کا پھل آنے سے پہلے بلکہ کئی سال بیشتر بیچتا ہے اور کہتا ہے یہ بیع نہیں بلکہ ٹھیکہ ہے۔ ایک باغ مع زمین مال لگان لے کر دیتا ہے۔ لینے والا زمین میں آلو گاجر وغیرہ لگا لیتا ہے اور نہر وغیرہ کا پانی بھی مثل کاشت کاروں کے دیتا ہے۔ اب زکوٰۃ اصل باغ کے مالک پر ہے یا لینے والے پر یا دونوں پر کس تفصیل سے جنس پر یا رقم پر۔

الجواب

پھل آنے سے پہلے باغ کا پھل بیچنا حرام ہے اور ٹھیکہ پر پھل کی بیع درست نہ ہوگی اور جس باغ کو لگان پر دیتا ہے اس کی پیداوار میں زکوٰۃ نہ مالک پر ہے نہ کاشت کار پر[1]

[1] اس مسئلہ کی تحقیق امداد الاحکام ج ۲ ص ۳۶ پر باب العشر والخراج کے تحت "ارض حربی میں عشر وخراج کا واجب نہ ہونا" کے عنوان سے موجود ہے وہاں ملاحظہ ہو۔ مرتب

ردّ حیلہ جواز بیع ثمار قبل از ظہور	سوال: عرض ہے کہ ایک زمیندار صاحب کو خادم نے باغوں کی بیع فاسد مروجہ زمانے سے بچنے کا حیلہ بتلایا کہ زمین کا مع

درختوں کے ٹھیکہ دے دیں۔ انہوں نے ایک اپنے بڑے باغ کا (جس میں اراضی قابل زراعت بھی ہے اور لہسن پیاز بھی ہے اور درخت آم وغیرہ بہت ہیں) سب کا ٹھیکہ سات سو روپے میں دے دیا اور اس حیلہ کا ثبوت درمختار جلد ۳ ص۹ مجتبائی باب مایدخل فی البیع تبعاً کی اس عبارت سے سمجھا۔

وفی الزرع والحشیش یشتری الموجود ببعض الثمن ویستاجر الأرض مدۃ معلومۃ یعلم فیھا الادراک بباقی الثمن۔

ایک سیّد متدین عالم نے میری تائید کی۔ اب عرض ہے کہ احقر نے یہ مسئلہ صحیح بتلایا یا غلط۔ اگر غلط ہے تو اپنی غلطی سے زمیندار کو آگاہ کر دوں۔ درصورت غلطی کے تجدید معاملہ کی جائے یا کیا صورت اصلاح کی ہے بیان فرمائیں۔

الجواب

یہ صورتِ حیلہ درست نہیں ہوئی کیونکہ اس زمین میں اشجار کا ہونا مانع اجارہ ارض ہے اور درختوں کا ٹھیکہ دینا بدون صورت مساقات کے درست نہیں پس اوّل درختوں کا معاملہ بطور مساقات کے کرنا چاہیئے تھا۔ پھر زمین کا اجارہ کرنا چاہیئے تھا۔ قال فی الشامیہ: وفی الثالث (وھو ما اذا وجد بعضہ دون بعض کثمر الأشجار المختلفۃ الانواع) یشتری الموجود من الثمر بکل الثمن ویحل لہ البائع ما سیوجد لأن استیجار الأرض لا یتاتی منھا لأن الأشجار باقیۃ علی ملک البائع وقیامھا فی الارض مانع من صحۃ استیجار الارض الآن یأخذھا ولا معاملۃ کما مر لانھا تصیر فی تصرفہ او تکون الاشجار علی المسناۃ فانھا حینئذٍ لا تمنع صحۃ اجارۃ الأرض کما یعلم من بابھا۔ (ج ۴/ ۶۱)

(نوٹ) بدون شامی دیکھے ہوئے محض درمختار سے فتویٰ کبھی نہ دیا جائے۔ فقط

حررہ الاحقر ظفر احمد عفی عنہ ۲۸ ذوالقعدہ ۱۳۴۸ھ

حکم بیع الارض المملوکۃ مع ارض المشترکۃ

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ تین بھائی بہن تینوں علیحدہ علیحدہ رہتے ہیں۔ زید نے اپنی کچھ جائیداد اپنے ایک بھائی کے ہاتھ قیمت لے کر فروخت کر دی۔ یہ جائیداد زید کی زرخرید تھی اور تھوڑی سی جائداد اس میں مشترک بھی تھی۔ جائیداد بیع کرنے سے قریبًا پونے چار سال بعد زید لاولد مر گیا۔ بعد انتقال زید ایک بھائی دعویدار ہوتا ہے کہ جائیداد اور بیع شدہ زمین از روئے شرع شریف میں ایک ثلث جائیداد پانے کا مستحق ہوں اور بیعنامہ جائیداد محض فرضی ہے۔ از روئے شرع شریف مذہب حنفیہ زید کو اپنی جائیداد فروخت کرنے کا یا بلا قیمت کے ایک بھائی کو دینے کا حق حاصل ہے یا نہیں۔

الجواب

اس جائیداد میں جس قدر بائع کی زرخرید تھی وہ تو کل اور جس قدر آبائی تھی اس میں سے بقدر حصہ بائع مشتری کی ملک ہوگئی اور زمین آبائی میں سے جو مقدار حصہ بائع سے زائد ہے اس کی بیع صحیح نہیں ہوئی بلکہ بقیہ ورثاء اس کے حقدار ہیں اور دوسرے بھائی کا اس کو فرضی کہنا اس وقت تک تسلیم نہیں کیا جا سکتا جب تک کہ وہ شرعی حجت سے اس کا فرضی ہونا ثابت نہ کرے۔ واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفی عنہ

۲۸ رجب ۵۳ھ

پھلوں کی خرید و فروخت کی ایک صورت

سوال: گذارش ہے کہ میری ملک میں ایک باغ ہے جس میں مختلف اقسام کے پھلوں کے درخت ہیں جو جدا جدا موسموں میں پھل لاتے ہیں۔ حتی الامکان یہی سعی کی جاتی ہے کہ ہر ایک پھل کو اس کی تیاری پر فروخت کیا جائے مگر اس صورت میں بڑی دشواری اور بہت نقصان برداشت کرنا پڑتا ہے ہر پھل کا جدا جدا خریدار بمشکل دستیاب ہوتا ہے اور اگر کوئی خریدار آتا ہے تو قیمت بہت کم لگاتا ہے اور مجھے یہ دشواری پیش آتی ہے۔ ہر پھل کی حفاظت کے لئے فروخت ہونے تک ملازم تنخواہ دار رکھنا پڑتا ہے۔ اس صورت میں کچھ نفع نہیں ہوتا میں نے ایسا بھی کیا کہ باغ کو مع زمین کے ٹھیکہ پر دے دیا مگر ٹھیکہ دار کی بے پروائی اور عدم نگہداشت کی وجہ سے درختوں کو بہت زیادہ نقصان پہنچا اس لئے گذارش ہے کہ کوئی ایسی صورت ارقام فرما دیں جس میں سہولت بھی ہو اور نقصان بھی زیادہ برداشت نہ کرنا پڑے۔

الجواب

اس صورت میں یہ کہا جائے کہ پورے باغ کی جو قیمت خریدار لگائے آپ اس قیمت میں موجود پھل کو بیع کر دیں اور خریدار سے کہہ دیں اس موجودہ پھل کے سوا جو اور پھل بعد میں آئے گا وہ میں نے تمہارے لئے مباح و حلال کر دیا اور یہ قیمت اس پھل کی ہے جو اس وقت موجود ہے۔

قال فی الشامیہ: وجد بعضہ دون بعض کثمر الاشجار المختلفة الانواع وفیہ یشتری الموجود من الثمر بکل الثمن ویحل لہ البائع مالیستوجد لأن استیجار الارض لا یتاتی ھنا لان الاشجار باقیة علی ملك البائع وقیامھا فی الارض مانع من صحة الإستیجار الارض (ص ۶۴ ج ۴)

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم — ظفر احمد عفی عنہ

از تھانہ بھون، ۱ شوال ۴۶ھ

فصل فی بیع السلم

بیع سلم کی ایک صورت کا حکم

سوال: بائع مشتری کو ایک دری بطور نمونہ کے دکھلاتا ہے اور مشتری پسند کر کے نرخ ٹھہرا کر جس قدر دریوں کی ضرورت ہوتی ہے خریدار کا آرڈر دیتا ہے اور نقد روپیہ یا سوت جو کچھ ٹھہرتا ہے بائع کو خریدار پیشگی دے دیتا ہے اور بائع بلا تعیین میعاد جس طور مال تیار ہوتا جاتا ہے پہنچاتا رہتا ہے اور آخر میں حساب صاف ہو جاتا ہے لیکن معاہدہ کے بعد اگر دریوں کا نرخ کم و بیش ہو جائے تب بھی بائع کو اسی نرخ پر دری دینی پڑے گی اور سوت کا بھاؤ گھٹ بڑھ جائے تو خریدار کو اسی نرخ سے سوت دینا پڑے گا۔ دونوں کو معاہدہ کی پابندی کرنی پڑتی ہے۔ متعاقدین میں سے کوئی بدعہدی و وعدہ خلافی نہیں کر سکتا اس کو دری والوں کی اصطلاح میں پائی بیچنا یا پائی خریدنا کہتے ہیں۔ اسی طرح کا معاملہ اور معاہدہ بیع و فروخت شرعاً جائز ہے یا نہیں اور اس کے جواز کی کیا صورت ہے۔ اکثر بائع باہر کے بیوپاریوں کے پاس بھی نمونہ بھیج کر اس طرح کا معاملہ کرتا ہے۔

الجواب

یہ معاملہ بیع سلم ہے۔ بائع اگر کافر ہے تو شرائط سلم میں خلل ہونے سے بھی یہ مال خریدا ہوا مشتری کے لئے حلال ہے اور جو صورت سوال میں مذکور ہے اس صورت سے بھی مال حلال ہوگا اور اگر بائع مسلمان ہے تو بیع سلم کی شرائط کل رعایت کرنا بائع و مشتری دونوں پر واجب ہے اور شرائط بیع سلم کسی عالم سے زبانی دریافت فرمالیں۔ بقدر ضرورت بہشتی گوہر بہشتی زیور میں بھی مذکور ہیں۔ منجملہ ان کے چند شرائط یہاں بیان کی جاتی ہیں۔ صورت مسئولہ میں اگر بائع مشتری مسلمان ہیں تو اوّل تو دری کی صفت و نوع اور طول و عرض اور وزن معین کرنا ضروری ہے۔ دوسری مدّت معلوم و معین کرنا ضروری ہے کہ مال کتنے ماہ میں دیا جائے گا۔ چاہے اس سے پہلے ادا کر دیا جائے یا کچھ دیر ہو جائے مگر مجلس عقد میں اجل کا تعین لازم ہے۔ تیسرے جتنی دریوں کا معاملہ طے کیا جائے اس کی قیمت روپیہ یا سوت مجلس عقد میں ادا کر دی جائے۔ اگر مجلس عقد میں مشتری ایک دو دری کی قیمت ادا نہیں کر سکتا تو زیادہ کا معاملہ نہ کرے اور جتنی دریوں کا معاملہ قیمت پیشگی ادا کر کے طے ہوگا۔ اتنی ہی دریوں کے بارے میں بائع اور مشتری مجلس عقد کے معاہدے کے پابند ہوں گے۔ اس کے بعد کے مال میں نہیں بلکہ بعد کے مال کے لئے ہر دفعہ معاملہ از سرے نو کرنا ہوگا اور اس میں بھی شرائط مذکورہ کی رعایت لازم ہوگی۔

قلت: ولا یجب مراعاۃ المساواۃ فی الغزل والفرشیۃ فی ھذہ الصورۃ فقد قال فی الدّر: کما جاز بیع اللحم الحیوان ولو عن جنسہ وکما جاز بیع کرباس القطن وغزل مطلقاً کیف ما کان لاختلافہما جنساً کبیع القطن بالغزل فقال لا یجوز الّا متساویاً وادعی المجانست بینہما قال الشامی والفتوی علی قول محمّد کما فی الاختیار وفی الجوانۃ الأظھر اھ (ص ۲۸ ج ۴) واللہ اعلم

حرّرہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ ۸ رجب ۱۳۴۵ھ

بیع سلم بالفلوس جائز ہے یا نہیں؟

سوال: ایک مسئلہ کے جواب کا خواستگار ہوں بارہا لوگ مجھ سے پوچھتے ہیں کہ بیع سلم فی الفلوس جائز ہے یا نہیں؟ میں

آج تک اس کا جواب نہیں دے سکا. حضور سے اس کا جواب چاہتا ہوں انگریزی سکہ کے ایک روپیہ دے کر انگریزی سکہ کے بیس آنہ پیسہ پر بیع سلم کرنا درست ہے یا نہیں دلائل کی ضرورت نہیں صرف حکم کافی ہے۔

الجواب

قال فی الدر: ویصح فیما امکن ضبط صفته کجودته ورداءته ومعرفت قدره کمکیل وموزون وخرج بقوله مثمن الدراھم والدنانیر لأنها اثمان فلم یجز فیها السلم خلافا لمالك وعددی متقارب کجوز وبیض وفلس الخ۔

قال الشامی: قیل وفیه خلاف محمد لمنعه بیع الفلس بالفلسین (فهو ثمن عنده) الا ان ظاهر الروایة عنه کقولهما وبیان الفرق فی النهر وغیره اھ (ص ۳۱۵ ج ۴)

اس سے معلوم ہوا کہ پیسوں میں سلم جائز ہے جبکہ شرائط سلم کی رعایت کی جائے. واللہ اعلم. حررہ الاحقر ظفر احمد عفی عنہ

۷ جمادی الاولی ۴۶ھ

لیکن جہاں ربوا لینے کے لئے اس کو حیلہ قرار دیا گیا ہو وہاں باقاعدہ مقدمۃ الحرام حرام اس کو ناجائز کہا جائے گا. جواز اس صورت میں ہے کہ اتفاقاً ہو جائے اور اس میں افضاء الی ترویج الربا کا احتمال نہ ہو۔ اشرف علی

بیع سلم کی ایک خاص صورت کا حکم

سوال: ہمارے ہاں دھان میں بیع سلم جائز ہونے کے کل شرائط موجود ہیں فقط اس ملک کے بازاروں میں ملنے کی شرط میں تردد ہے کیونکہ ہمارے ہاں بازاروں میں دھان فروخت ہوتا ہی نہیں بلکہ لوگوں کے مکانوں میں خرید و فروخت ہوتا ہے لیکن ہمارے یہاں سے تقریباً ۲۸ میل دور ہبی گنج ضلع سلہٹ میں سب مزروعہ غلہ فروخت کے واسطے موجود رہتا ہے اور ہمارے یہاں سے کسی کے ذریعے سے وہاں ہبی گنج جا کر فروخت ہوتا ہے لیکن ہبی گنج سے ہمارے یہاں منگوانے کی ضرورت نہیں ہوتی اور ہر قسم کی چیز مثلاً چاول دال نمک مرچ بساطی اور منیاری بزازی وغیرہ دوکاندار کے سامان کشتی

کے ذریعہ ہی ہبی گنج سے ہمارے یہاں کے بازار وغیرہ میں آتا ہی رہتا ہے۔ اب تردد اس وجہ سے ہے کہ ہم ضلع بیڑہ میں مقیم ہیں اور ہبی گنج ضلع سلہٹ میں واقع ہے تو ہبی گنج میں موجود ہونے کی وجہ سے یہاں بیع سلم جائز ہوگی یا نہیں؟

دوسری گذارش یہ ہے کہ ہمارے یہاں پر بعض ہاٹ ایسے ہیں کہ ہفتہ میں فقط ایک دو دن لوگ جمع ہوکر ہر قسم کی ضروریات کی چیزوں کی خرید وفروخت کرتے ہیں ان ہاٹوں کی تاریخوں میں ہر موسم میں دھان بھی آکر فروخت ہوتا ہے روزانہ چاہے اور اشیاء موجود ہی ہوں مگر ہاٹ کی تاریخ کے علاوہ اور کسی دن دھان خرید وفروخت نہیں ہوتا اور نہ موجود رہتا ہے اب معروض یہ ہے کہ صورت مسئولہ میں دھان میں بیع سلم جائز ہوگی یا نہیں۔

الجواب

صورت مسئولہ میں بیع سلم درست ہے جبکہ ۲۸ میل کے فاصلے سے شہر میں دھان بازار میں موجود رہتا اور ہاٹ کے موقع پر اس موضع میں بھی بازار سے دستیاب ہوسکتا ہے۔

قال فی الدر: و منقطع لا یوجد فی الاسواق من وقت العقد الی وقت الاستحقاق. ولو انقطع فی اقلیم دون الآخر لم یجز فی المنقطع اھ

قال الشامی: لأنہ لا یمکن احضارہ الا بمشقۃ عظیمۃ فیعجز عن التسلیم (بحر: ج ۴/۳۱۷) قلت فالمدار علی العجز ولیس فی الصورۃ المسئولہ لما ذکرنا. واللہ اعلم حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ

۲ ذیقعدہ ۴۶ھ

فصل فی بیع بالوفاء

بیع بالوفاء کی تعریف اور اس کا حکم

سوال: بیع الوفا کی تعریف کیا ہے اور کسی کو قرضہ سودی کے عذاب الیم سے چھوڑا دینے کی غرض سے اس کا خود کرلینا یا سعی وکوشش دوسری جگہ کرا دینا کیسا ہے۔ عنداللہ اس کا کیا اجر ہے۔ بحوالہ نصوص

وحدیث جواب مرحمت ہو اور بیع الوفا میں مدّت جو قائم کی جاتی ہے وہ اختیاری ہے یا شرعی؟

الجواب

بیع الوفاء کی تعریف درمختار میں اس طرح ہے۔

صورته ان یبیع العین بالفٍ علی انہٗ اذا ردّ علیه الثمن ردّ علیه العین اھ وفیه ایضًا ثم ان ذکر الفسخ فیه او قبله او زعماہ غیر لازم کان بیعًا فاسدًا ولو بعدہٗ علی وجه المیعاد جاز و لزم الوفاء به لأن المواعید قد تکون لازمة لحاجة الناس وھو الصحیح اھ وفیه ایضًا وفی الظھیریة لو ذکر الشرط بعد العقد یلتحق بالعقد عند أبی حنیفة ولم یذکر انه فی مجلس العقد او بعدہٗ وفی البزازیة ولو باعہٗ لآخر باتًا توقف علی اجازة مشتریه وفاءً ولو باعہٗ المشتری فللبائع او ورثته حق الاسترداد اھ۔ وفیه ایضًا ناقلاً عن الأشباہ القول السادس فی بیع الوفاء انہٗ صحیح لحاجة الناس فرارا من الرباء وقالوا ما ضاق علی الناس امر الا اتسع حکمہٗ اھ

بیع وفا کی تعریف یہ ہے کہ اس شرط کے ساتھ بیع کرنا کہ مشتری جس وقت زرِثمن بائع کو واپس کردے بائع کو مبیع کا واپس کرنا ضروری ہوگا۔ اس طرح بیع کرنا اصولِ شرعیہ کے لحاظ سے دراصل ناجائز ہے۔

فقد نھی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم عن بیع و شرط رواہ الطبرانی۔ بطریق أبی حنیفة و ذکرہ عبد الحق فی احکامه وسکت عنه واعله ابن القیطان بأبی حنیفة کذا فی التخریج للزیلعی. قلت واعلالہٗ ردّ علیه فلیس مثل أبی حنیفة یعل به

مگر چونکہ بیع بالشرط کے ناجائز ہونے میں ائمہ کا اختلاف ہے۔ چنانچہ امام شافعی کے نزدیک بعض صورتوں میں بیع بالشرط جائز ہے اور ابن ابی لیلی اور ابن شبرمہ کا بھی یہی مذہب ہے کہ بیع بالشرط جائز ہے۔ اس لئے فقہاء متاخرین نے

ضرورت کی وجہ سے بیع بالوفاء کو جائز کر دیا ہے تاکہ اس طرح سود سے تو بچا رہے۔ باقی سود کا گناہ جس قدر سب کو معلوم ہے کہ سود خور پر حضور صلی اللہ علیہ نے سخت لعنت فرمائی ہے تو اس گناہ سے بچنے کے لئے بیع بالوفاء کرنے میں اگر ثواب کی امید نہیں تو یہ کیا کم نفع ہے کہ سود کے عذاب سے بچ جائے اور قواعد شرعیہ سے ثواب کی بھی امید ہوتی ہے گو یقین نہیں ہو سکتا۔ بیع وفاء میں جو مدّت قائم کی جاتی ہے وہ اختیاری ہے لازم شرعی نہیں لیکن یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ عوام جس طرح بیع وفا کرتے ہیں کہ بیع کے وقت یوں کہتے ہیں کہ فلاں مدّت تک تو یہ رہن ہے اور اس مدّت تک اگر زرثمن واپس نہ کیا تو پھر بیع ہے۔ یہ صورت بالکل ناجائز ہے۔ یہ کسی کے نزدیک بیع وفاء نہیں بلکہ بیع وفاء یہ ہے کہ معاملہ کے وقت بیع شراء ہی کا نام لیا جاوے اور ایجاب و قبول کے بعد ساتھ ہی ساتھ یہ شرط کر لی جائے کہ خریدار جس وقت (یا فلاں مدّت تک اگر) زرثمن واپس کر دے تو بائع کو مبیع کا واپس کرنا لازم ہوگا۔ اس طرح اگر بائع مبیع کو کسی وقت (یا فلاں مدّت تک) واپس کر دے تو خریدار کو قیمت واپس کرنی ہوگی۔ خوب سمجھ لو واللہ اعلم۔

حرّرہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ

۱۷ شوال ۱۳۴۷ھ

بیع بالوفاء کی مروّجہ صورت کا حکم

سوال: بعض لوگ علمدار کہلاتے ہیں بزرگ صورت پیشوائے قوم ہیں عیدگاہ وغیرہ میں انہیں لوگوں کا امام بھی بنایا جاتا ہے تراویح وغیرہ میں قرآن بھی سناتے ہیں۔ غرض لوگوں میں مقتدا سمجھے جاتے ہیں مگر وہ ایسا کرتے ہیں کہ ہزار روپے کا مکان پانچ سو روپیہ میں لیا اس طرح کہ اگر پانچ سال کے اندر روپیہ دوگے تمہارا مکان واپس مل جائے گا ورنہ بیع سمجھی جائے گی۔ مگر بہر دو صورت تم پانچ سال اسی مکان میں رہو اور چار روپیہ ماہوار کرایہ دیتے رہو حالانکہ ویسا مکان دو روپیہ ماہوار مل سکتا ہے اس کا نام بیع الوفا کبھی انتفاع بالرہن بتلاتے ہیں اور عام طور سے جائز کہتے ہیں بہت لوگ ضرورت سے ایسا کرتے ہیں۔ یہ جائز ہے یا ناجائز ان کو کس طریقہ سے سمجھایا جائے۔

الجواب

جو صورت سوال میں مذکور ہے عوام اس کو بیع بالوفا سمجھتے ہیں مگر یہ بیع

بالوفا ہرگز نہیں یہ بالکل باطل معاملہ اور قمار ہے اس طرح معاملہ کرنے والا سود خور ہے۔ بیع بالوفاء کا صحیح طریقہ صفائی معاملات (ص ۱۹) میں درج ہے۔ کسی عالم سے اس مقام کو سمجھ کر پڑھ لیا جائے۔ واللہ اعلم۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ
۱۰ رمضان المبارک ۱۳۴۲ھ

بیع بالوفاء کی ایک صورت کا حکم

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے عمر سے ایک قطعہ دوکان بطریق ذیل خریدا جس کی دستاویز کی نقل ذیل میں درج کی جاتی ہے یہ بیع صحیح ہوئی یا نہیں۔ کیا کسی امام کے نزدیک اس کرایہ کا لینا مشتری کو جائز ہے۔ بصورت عدم جواز کیا مشتری پر فرض ہے کہ وہ کرایہ مذکور بائع کو واپس کر دے۔

نقل دستاویز باختصار

عہ۱ منکہ فلاں مکان عزی فلاں ایک ہزار سات سو بدست فلاں فروخت و بیع کامل کیا اور زر ثمن تمام و کمال وصول پایا اور مشتری کو مکان پر قابض و دخیل کر دیا۔ چاہے مشتری و وارثان مشتری نسلاً بعد نسل باختیار مالکان قابض و دخیل رہیں۔ من مقر کو اور وارثان منمقر کو کوئی دعویٰ اور حق باقی نہیں ہے لیکن شرط باہمی یہ ہے کہ اگر بعد گزرنے پانچ برس کے اندر دو ماہ بائع یا وارثان بائع زر ثمن یکمشت مشتری کو یا وارثان مشتری کو ادا کر دیں تو دستاویز بیعنامہ ہذا مسترد ہو جائے گا اور بائع قابض ہو جائے گا لہٰذا یہ چند کلمے بطور بیعنامہ خیار کے لکھے گئے تاکہ سند رہیں اور وقت پر کام آئیں۔

عہ۲۔ مبلغ ایک ہزار سات سو روپیہ ۱۷۰۰ وزیر خیاط سے وصول پایا اور دستاویز واپس کر دیا۔ ۱۷ مارچ ۱۹۲۶ء

خلاصہ یہ کہ دوکان (یا مکان) مذکور زید نے عمر (وزیر خیاط) سے بطریق مذکورہ دستاویز خریدا بعد انقضاء پانچ سال عمرو نے زید کو زر ثمن واپس کر دیا اور دستاویز پر مشتری سے وصولیان کے دستخط لے کر جو عہ۲ پر مذکور ہے دستاویز واپس لے لیا۔ اب اس کے متعلق مندرجہ ذیل سوال کا جواب مطلوب ہے۔

اول یہ کہ بیع مذکور صحیح ہوئی یا نہیں۔ دوم یہ کہ پانچ سال مشتری نے جو کرایہ وصول

کیا وہ اس کے لئے حلال ہے یا نہیں۔
سوم یہ کہ مشتری کہتا ہے کہ بعض اماموں کے نزدیک جائز ہے آیا یہ صحیح ہے۔ کسی امام کے نزدیک یہ بیع اور منافع جائز ہیں یا نہیں۔ چہارم یہ کہ بصورت عدم جواز آیا مشتری پر فرض ہے کہ کرایہ مکان مذکورہ کا جو پانچ سال تک وصول کیا بائع یعنی عمرو کو واپس کردے یا نہیں؟

الجواب

قال فی الدّر: وبیع الوفاء صورتهٗ ان یبیعهٗ العین بالف علی أنّهٗ إذا ردّ علیه الثمن ردعلیه العین قیل هو رهن فتضمن زوائدهٗ وقیل بیع یفید الانتفاع به وفی اقالة شرح المجمع عن النهایة وعلیه الفتوٰی ثم ان ذکرا الفسخ فیه او قبلهٗ اوزعماهٗ غیر لازم کان بیعًا فاسدًا. ولو بعدهٗ علی وجه المیعاد جاز ولزم الوفاء به لأن المواعید تکون لازمة لحاجة الناس وهو الصحیح اھ قال الشامی: قولهٗ وقیل بیع یفید الانتفاع به هذا محتمل لاحد قولین الاوّل انهٗ بیع صحیح مفید لبعض احکامه من حل الانتفاع به الا انهٗ لا یملك بیعه قال الزیلعی فی الاکراه وعلیه الفتوٰی. الثانی القول الجامع لبعض المحققین أنه فاسد فی حق بعض الاحکام حتی ملك کل منهما الفسخ وصحیح فی حق بعض الاحکام کحل الانزال ومنافع البیع ورهن فی حق البعض حتی لم یملك المشتری بیعه من آخر ویسقط الدین بحلاکه فهو مرکب من العقود الثلاثة جوز لحاجة الناس الیه بشرط سلامة البدلین لصاحبهما قال فی البحر وینبغی ان لا یعدل فی الإفتاء عن القول ای القول الثانی ۱۲- الجامع وفی النهر والعمل فی دیارنا علی مارجحهٗ الزیلعی اھ (ص ۴/۳۸۲) وهو القول الاوّل ۱۲.

صورت مسئولہ میں فتویٰ متاخرین کے موافق یہ بیع صحیح ہے بلکہ الفاظ بیع نامہ سے معلوم ہوتا ہے کہ بائع نے اس کو بیع کامل کے عنوان سے بیع کیا ہے اور تمام

حقوق مبیع وثمن کو بیان کر کے آخیر میں شرطِ فسخ کو ذکر کیا ہے تو شرط بعد تمام عقد کے پائی گئی ہے جو صاحبین کے نزدیک مفسد عقد نہیں لہٰذا یہ معاملہ بعض متقدمین کے نزدیک بھی صحیح ہوا وان لم یکن ھذا الشرط لان مّا عند ھم۔

پس مشتری کو وہ کرایہ حلال ہے جو پانچ سال میں اس نے حاصل کیا اور ضرورت عامّہ کی وجہ سے بیع بالوفاء کو متأخرین نے جائز قرار دیا ہے اور اسی ضرورت سے قول صاحبین کو بھی لیا گیا ہے ورنہ اصل مذہب کا مقتضاء یہ ہے کہ یہ بیع نہیں بلکہ رہن ہے اور رہن کے منافع حاصل کرنا جائز نہیں۔ واللہ اعلم۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ ۲۱ صفر ۱۳۴۵ھ

بیع بالوفاء کا حکم | سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے عمر سے ایک بیگہ زمین سو روپیہ میں اس شرط پر چار سال کی مدّت ٹھہرا کر لیا کہ تم چار سال کے اندر اندر جس سال میں میرے کل سو روپے ادا کر دو گے میں بھی اسی وقت تمہاری زمین چھوڑ دوں گا اور اگر چوتھے سال ختم ہونے پر بھی تم نے میرا روپیہ ادا نہیں کیا تو یہ زمین بیع صحیح میں شامل ہو جائے گی اور میں اس زمین کا مالک بن جاؤں گا اور زید مدّت معینہ مذکورہ میں زمین کا خراج بھی ادا کرتا رہا۔ یہ معاملہ شرعاً جائز ہے یا نہیں جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب من بعض العلماء

صورت مذکورہ فی السوال کو بیع الوفاء کہتے ہیں۔ اس میں دو صورتیں ہیں۔ ایک صورت بیع کی اور دوسری صورت رہن کی تو یہ صورت ظاہراً بیع ہے اور حقیقةً رہن ہے اگر اس کو بیع سے تعبیر کیا جاوے تو صورت حرام ہے کیونکہ بیع مشروط ہے اور حدیث شریف میں ہے کہ نہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن بیع و شرط۔ اور شرط فاسد سے بیع فاسد ہو جاتی ہے کما ھو مقرر عند الفقہاء اور اگر اس کو رہن سے تعبیر کیا جائے تب بھی حرام ہے اس واسطے کہ مرتہن کو شیٔ مرہونہ سے نفع اٹھانا حرام ہے۔ اگرچہ راہن مرتہن کو انتفاع کی اجازت بھی دے دے۔ جیسا کہ درمختار میں (ج ۲ ص ۲۷۷) ہے کہ:

یکرہ للمرتھن أن ینتفع بالرھن وإن اذن لہ الراھن

قال المصنف وعليه يحمل ما عن محمد بن اسلم من انه لا يحل للمرتهن ذالك ولو بالإذن لأنه ربوا. قلت وتعليله يفيد انها تحريمية فتأمله. قلت هذا في المشروط وقد تقرر ان المعروف كالمشروط

نیز در مختار کے ص ۲۶۶ مجتبائی ج ۲ پر ہے کہ لا الانتفاع به مطلقاً الا بالإذن للآخر وقيل لا يحل للمرتهن لأنه ربوا وقيل ان شرطه كان ربوا والا لا۔ اس پر علامہ شامی فرماتے ہیں اور سابق روایت عبداللہ بن محمد اسلم سمرقندی کی پوری نقل فرمائی ہے۔

قال في المنح وعن عبد الله محمد بن اسلم السمرقندي وكان من كبار علماء سمرقند أنه يحل له ان ينتفع بشئ منه بوجه من الوجوه وان اذن له الراهن لأنه اذن في الربوا لانه يستوفي دينه كاملاً فتبقى له المنفعة فضلاً فيكون رباء هذا امر عظيم۔

پھر آگے فرماتے ہیں:

ثم رأيت في جواهر الفتاوى اذا كان مشروطا صار قرضا فيه منفعة وهو ربوا والا فلا بأس۔

پھر کچھ آگے فرماتے ہیں:

وما في الاشباه من الكراهة على الشروط۔

پھر فرماتے ہیں۔

قال الطحاوي قلت والغالب من احوال الناس انهم انما يريدون عند الدفع الانتفاع ولولاه لما اعطاه الدراهم وهذا بمنزلة الشرط لأن المعروف كالمشروط وهو مخالفين المنع۔

ان تمام عبارات سے بوضاحت معلوم ہو گیا کہ مرتہن کو شئ مرہونہ سے انتفاع بالأذن بھی حرام ہے۔ اس لئے کہ ربوا ہے اور ربوا اذن سے حلال نہیں ہوتا۔ نیز یہ بھی صاف معلوم ہوا کہ مرتہن کو شئ مرہونہ سے انتفاع جب حرام ہوتا ہے جب کہ مشروط ہو اور معروف ہو۔ جیسا کہ سوال کی صورت ہے اور اگر مشروط معروف نہ

ہو تو جائز ہے جیسے مدیون دائن کو قرض ادا کرتے ہوئے اپنی طرف سے بلاشرط کے کچھ زیادہ ادا کردے اور اگر زیادتی کی شرط کرلی جائے یا عرف زیادہ ادا کرنے کا ہو تو حرام ہے۔ نیز علامہ شامی نے بیع الوفا کی مختلف صورتیں نقل فرمائی ہیں منجملہ ان کے ایک یہ ہے کہ وفی حاشية الفصولين من جواهر الفتاوى وهو أن يقول بعت منك على أن تبيعه مني متى جئت بالثمن فهذا البيع باطلٌ هو رهن وحكمهُ حكم الرهن وهو الصحيح فعلم أنه لافرق بين قوله على ان ترده عليّ او على ان تبيعه منّي،

پھر آگے فرماتے ہیں۔

قال في الخيرية والذي عليه الاكثر أنه رهن لا يفرّق عن الرهن في حكم من الاحكام، شامی ج ۴/۲۷۴۔

اس عبارت سے اس صورت کا رہن ہونا صحیح اور راجح معلوم ہوا۔ نیز یہ حدیث شریف میں ہے کلّ قرض جر نفعًا فهو ربوا۔ تو اگر اصول مذہب کو صورت مذکورہ پر منطبق کرکے دیکھا جائے تو بالکل حرمت ثابت ہوتی ہے مگر درمختار میں یہ بھی موجود ہے۔

وفي الدّر: صح بيع الوفاء في العقار استحسانًا واختلف في المنقول

اس پر علامہ شامی فرماتے ہیں۔

قال في البزازية بعد كلام وبهذا لم يصح بيع الوفاء في المنقول وصح في العقار باستحسان بعض المتأخرين۔

اس سے معلوم ہوا کہ زمین میں بیع الوفا بعض متأخرین کے نزدیک جائز ہے لیکن اکثریت اس کی طرف ہے کہ یہ صورت حقیقتاً رہن ہی ہے اور رہن سے انتفاع حرام ہے اگرچہ اذن مالک بھی ہو تو خلاصہ کلام یہ ہے کہ راجح اور صحیح اصول مذہب کی بناء پر یہی ہے کہ یہ صورت ناجائز ہے البتہ اگر صحیح معنی میں اضطرار ہو تو بعض متأخرین کے فتوے پر عمل کرنے کی گنجائش نکل سکتی ہے کیونکہ الضرورة تبيح المحظورات بھی اُمر مسلّم ہے مگر اضطرار صرف بائع یعنی مالک زمین کے حق میں متصور ہو سکتا ہے مشتری یعنی روپیہ والے کو کوئی اضطرار نہیں ہے کہ وہ اس قسم کا معاملہ

کرے۔ فقط واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔ کتبہ عبدہ المذنب الاحقر محمد تقی عفرلہ
مدرسہ مصباح العلوم بریلی ۲۷ رجب ۴۷ھ

الجواب

الجواب صحیح والمجیب نجیح اور بیع الوفاء کی ایک صورت یہ ہے کہ ایجاب وقبول بیع شراء کا ہو اور ایجاب وقبول میں کوئی شرط واپسی وغیرہ کی نہ ہو بلکہ بعد ایجاب وقبول کے بعد شرط ردّ وغیرہ کی کی جاوے یہ بالاتفاق جائز ہے لخلوا لعقد عن الشرط اور جب زبانی ایجاب وقبول میں متصلاً شرط نہ ہو تو بیعنامہ میں متصلاً شرط کے لکھنے سے حرمت نہ آئے گی۔ لأن الأصل في العقود القول والکتابة وثیقة واللہ تعالیٰ اعلم
حررہ الاحقر ظفر احمد عفی عنہ

اصل الجواب وکذا تصحیحہ صحیحان ۳ شعبان ۴۷ھ
اشرف علی ۳ شعبان ۴۷ھ

باب الحقوق

حق مرور حاصل ہونے کی ایک صورت

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین کہ زید نے اپنا مکان اپنے پسر اور دختر کے نام بیع کیا۔ بیعنامہ کے الفاظ یہ ہیں کہ حویلی مذکورہ مع حقوق داخلیہ وخارجیہ توابع ولواحق اس کے لئے بمقابلہ مبلغ ... سکہ رائج الوقت بدست پسر ودختر خود کے فروخت کیا الخ اس کے بعد قطعات مکان کی تفصیل مذکور ہیں جس میں وہ دوکڑیہ جس کے اندر دروازہ مکان دختر کے نام ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ پسر کو اس دوکڑیہ کے اندر سے اپنے قطعہ میں جانے کے لئے حق مرور حاصل ہے یا نہیں؟

الجواب

صورت مسئولہ میں یہ بات ظاہر ہے کہ حقوق داخلیہ وخارجیہ کی بیع ہر دو مشتریان کے ہاتھ ہوئی ہے جن میں حق مرور بھی داخل ہے اور دروازہ کی زمین وغیرہ کی بیع صرف دختر کے ہاتھ ہوئی ہے اور چونکہ یہ کلام متصلاً واقع ہوا ہے اس لئے اس کی تصحیح بدون

اس کے نہیں ہو سکتی کہ رقبہ طریق کو دختر کے نام بیع مانا جائے اور حق مرور کو اس سے مستثنیٰ مان کر اس کی بیع دونوں کے حق میں مانی جائے اور حق مرور کی بیع چونکہ مفرد بھی قول مفتی بہ پر ہو سکتی ہے لہٰذا وہ قابل استثناء ہے۔

قال فی الدّر: وصح بیع حق المرور تبعًا للأرض بلا خلاف ومقصودًا وحدہٗ فی روایة وبه أخذ عامة المشائخ شمنی اھ

قال الشامی قوله تبعا للأرض یحتمل ان یکون المراد تبعًا لارض الطریق بان باع الطریق وحق المرور فیه وان یکون المراد ما اذا کان لهٗ حق المرور فی ارض غیره إلی ارضه فباع ارضهٗ مع حق مرورها الّذی فی ارض الغیر والظاهر ان المراد الثانی لأن الاوّل ظاهر لا یحتاج الی التنصیص علیه ولقولهم أنه لا یدخل الا بذکره او بذکر کل حق هو لها وهذا خاص بالثانی کما لا یخفی قوله وبه اخذ عامة المشائخ قال السائحانی هو الصحیح وعلیه الفتوی مضمرات اھ (ص ۱۸۲ ج ۴) وفیه ایضًا (ص ۱۸۱ ج ۴)

باع رقبة الطریق علی ان لهٗ ای للبائع حق المرور او السفل علی ان لهٗ قرار العلو جاز اھ پس بسر کو دروازہ وصحن دختر میں حق مرور حاصل ہے۔ واللہ اعلم۔

حرّرہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ
۹ ربیع الثانی ۱۳۴۲ھ

کوچہ غیر نافذہ میں ایسا دروازہ کھولنے کا حکم جو عرصہ دراز سے بستہ ہو

سوال: زید کا مکان کوچہ غیر نافذہ میں ہے۔ جس کا دروازہ دخول وخروج کا عرصہ ۳۵ سال سے بند ہے یعنی دروازہ مع کواڑ کے دیوار میں منصوب رہا مگر زنجیر لگی رہتی تھی۔ کبھی برس چھ ماہ میں اگر مٹی بھوسہ وغیرہ لانے کی ضرورت ہوتی تو کھول کر وہ کام کر لیتا بعدہٗ بدستور زنجیر ڈال دیتا اور آمد و رفت دوسرے دروازے سے کرتا رہا اب اس نے اسی مسدود دروازہ کو کھول کر آمد و رفت شروع کر دی ہے اور اس کو بجائے خام وخشت کے پختہ کر لیا ہے بکر وخالد جو کہ اس کوچہ غیر نافذہ میں رہتے ہیں اور ان کے مکانوں کا دروازہ دخول وخروج کا اسی کوچہ میں بمقابل دروازہ زید کے ہے۔ اس

دروازہ کو علی الدوام کھولنے سے مانع ہیں۔ آیا صورت موجودہ میں خالد وبکر کا زید کو اس بند دروازہ کو کھولنے سے منع کرنا درست ہے یا نہیں؟ عبارت کتاب مع باب وفصل تحریر فرمائیں (جس کی صورت یہ ہے)
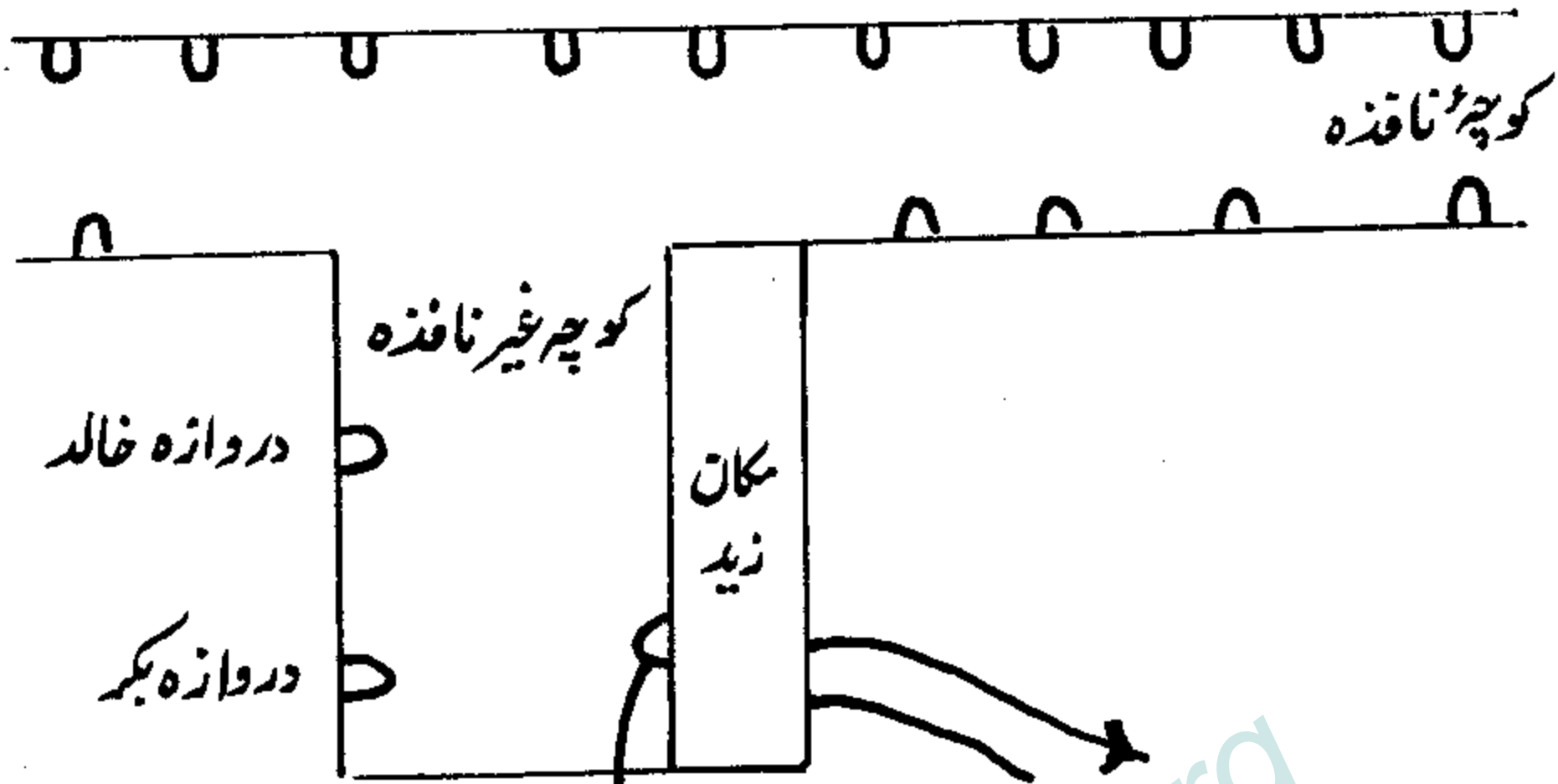
الجواب

قال فی الفتاویٰ الکاملیہ: سئلت فی رجل لہٗ دارٌ لہا باب فی سکّۃ غیر نافذۃٍ فاغلقہٗ وفتح لہا باباً من سکۃ اُخریٰ فاراد المشتری أن یفتح بابہا القدیم فی سکۃ الغیر النافذۃ ہل لہٗ ذلک؟ فالجواب أنہٗ إن اقرّ اہل السکۃ بذالک الباب فلہٗ فتحہٗ کبائعہ لقیامہ مقامہ افادہ فی جامع الفصولین واللہ تعالیٰ اعلم (ص۲۵۵) قلت واذا کان ذالک للمشتری فللمالک بالأولیٰ والمسئلۃ مذکورۃ کذالک فی الفتاوی الحامدیۃ (ص ۲۷۲ ج ۲) باب الحیطان۔

صورت مسئولہ میں جب زید کا ایک دروازہ سکہ غیر نافذہ میں قدیم سے بنا ہوا ہے۔ گو اس نے آمد ورفت ادھر سے بند کر رکھی تھی تو ظاہراً اس کے لئے اس

سکہ غیر نافذہ میں حق مرور کو ثابت کرتا ہے اور اس کو اس دروازہ کا دوبارہ کھولنا جائز ہے اور بکر وخالد کو روکنے کا حق نہیں مگر یہ کہ مانعین بینہ عادلہ سے اس بات کو ثابت کردیں کہ اس مکان کا یہ دروازہ جو کوچہ غیر نافذہ میں ہے جس وقت بنایا گیا تھا اس وقت یہ امر طے ہوچکا تھا کہ زید کو اس دروازہ سے سکہ غیر نافذہ میں حق مرور حاصل نہ ہوگا بلکہ یہ دروازہ صرف حاجت وضرورت کے وقت کے لئے ہوگا۔ تو اس بینہ کے بعد بے شک زید کو اس دروازہ مسدودہ کو علی الدوام کھولنا درست نہ ہوگا اور اگر ایسے بینہ موجود نہ ہوں تو محض زید کا ۲۵ سال تک اس کو بند رکھنا اور ادھر سے مرور نہ کرنا اس کی دلیل نہیں کہ زید کو اس کوچہ میں حق مرور حاصل نہیں۔ واللہ اعلم حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ

۲۰ محرم ۱۳۵۲ھ

کمپنی کو لمیٹڈ کرنا اور حقوق گڈول کی قیمت لگانا

سوال: ایک دوکان میں زید وعمرو بکر تین شخص مثلاً (یا زائد) شریک ہیں جن کے حصے برابر نہیں ہیں بلکہ مختلف ہیں۔ اب تینوں مذکورہ شریک یہ چاہتے ہیں کہ مذکورہ دوکان کو لمیٹڈ بنادیں۔ لمیٹڈ کمپنی کے لئے سرکاری قانون یہ ہے کہ اگر کسی وجہ سے دوکان میں نقصان ہوکر قرضخواہوں کا قرضہ ہوجائے اور وہ قرضخواہ عدالت میں دعوی دائر کرکے ڈگری حاصل کرلیں تو اس ڈگری کا اثر شرکاء دوکان کی دوسری جائیداد پر بالکل نہیں پڑے گا بلکہ دوکان بند ہوکر اس کا سارا مال سرکاری نگرانی میں آجائے گا۔ پھر سرکار اپنے انتظام سے بذریعہ نیلام وغیرہ اس دوکان کا روپیہ جمع کرکے قرض خواہوں پر حصہ رسد تقسیم کردے گی۔ خواہ ان کو کم ملے یا پورا پورا کمی کی صورت میں قرض خواہوں کو اس کا کوئی حق باقی نہیں رہتا۔ شرکاء کی دوسری جائیداد سے اس کمی کو پورا کرسکیں۔ پس ارشاد ہو کہ آیا مفصلہ بالا طریقہ پر کسی تجارتی دوکان کو لمیٹڈ بنانا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

یہ طریقہ شرعاً جائز نہیں۔ لما فیہ من اضاعۃ الحقوق ومنعہا عن اہلہا۔

سوال: تینوں شرکار مذکور یہ چاہتے ہیں کہ جس وقت اپنی دوکان کو لمیٹڈ بنائیں اس وقت موجودہ مال کی قیمت کے ساتھ ساتھ گڈول کے دام بھی باہمی مشورہ سے شامل کریں۔ (گڈول عرفاً وقانوناً ان حقوق کا نام ہے جو ہر تاجر کو ایک خاص دوکان میں مدت دراز تک بیٹھک اور اس کے نام اور اس کے رجسٹری شدہ مارکوں وغیرہ کی وجہ سے حاصل ہوتے ہیں اور ان میں شہرت کی حالت میں اس دوکان کے مال میں نفع بھی زیادہ ہوتا ہے اور بکری بھی زیادہ ہوتی ہے) مثلاً دوکان کے مال کی قیمت دو لاکھ روپے ہو تو اس کے ساتھ گڈول یعنی حقوقِ شہرت کے دام ایک لاکھ روپیہ رکھ کر جملہ تین لاکھ روپیہ قرار دیا جاتا ہے یہ بھی واضح رہے کہ لمیٹڈ نہ ہونے کی حالت میں اگر شرکار تجارت کی جائیداد دوسری بھی ہو تو قرضہ دینے والے اس کی حیثیت دیکھ کر زیادہ قرضہ دے دیتے ہیں اور لمیٹڈ ہو جانے کی حالت میں اتنا قرضہ نہیں دیتے۔ بلکہ محض دوکان کے سرمائے کے اعتبار سے کم قرضہ دیتے ہیں کیونکہ یہ قانون مشہور ہے اور سارے قرضہ دینے والے اس قانون کو خوب جانتے ہیں۔ پس ارشاد ہو کہ صورت مذکورہ میں بطریق مذکورہ تینوں شرکار کو تین لاکھ روپیہ مثلاً قرار دینا جائز ہے یا نہیں۔

الجواب

محض اس قانون کے مشہور ہونے سے قرضخواہوں کا حق عنداللہ ساقط نہ ہوگا اور حقوق گڈول کی تنہا قیمت کچھ نہیں۔ ہاں یہ درست ہے کہ حقوق گڈول کی وجہ سے مجموعی دوکان کی قیمت زیادہ شمار کی جائے مگر چونکہ تنہا یہ حقوق شرعاً قیمتی نہیں۔ اس لئے یہ جائز نہیں کہ ایک شریک کو صرف حقوق گڈول کی وجہ سے ایک لاکھ کا شریک مانا جائے بلکہ اس کی طرف تھوڑا بہت مال بھی ہو جس کی قیمت حقوق گڈول کی وجہ سے زیادہ شمار کی جائے اور یہ آخیر مسئلہ تتمیم فائدہ کے لئے لکھ دیا ہے۔ باقی سوال مقصود کا جواب جزو اوّل سے ہی ہو گیا۔ واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفی عنہ
۲۰ محرم الحرام ۱۳۴۷ھ

الجواب صحیح
اشرف علی عفی عنہ
۲۲ محرم الحرام ۱۳۴۷ھ

دوسرے کے مال کا مارکہ استعمال کرنا اور اس پر جرمانہ وصول کرنے کا حکم

سوال: یہاں شہر رنگون میں بڑے تاجروں کا یہ دستور ہے کہ ولایت کے کارخانوں سے معاملہ کرکے اپنے مال کے لئے کوئی خاص مارکہ مقرر کرتے ہیں۔ یہ مارکہ اکثر جاندار چیزوں کا ہوتا ہے پھر وہ مارکہ کوئی دوسرا تاجر اپنے مال میں نہیں بنا سکتا۔ اگر بنالئے تو قانوناً مجرم ٹھہرے گا اور ہرجانہ بطور تاوان اس کو ادا کرنا پڑے گا اور اس کے ساتھ ہی آئندہ کے لئے وہ مارکہ ڈلوا کر مال تیار کرانے سے بھی دوسرے تاجر کو روک دیا جائے گا ابتداءً اس خاص مارکہ والے مال کو تاجر لوگ بہت کم نفع پر یا بالکل بغیر نفع لئے ہوئے اصل لاگت پر فروخت کرتے ہیں پھر جب اس خاص مارکہ والا مال ملک میں پوری شہرت پالیتا ہے تو خاطر خواہ منافع پر بیچتا رہتا ہے چونکہ قانوناً دوسرا تاجر اس خاص مارکہ کو اپنے مال پر نہیں ڈال سکتا اس لئے یہ دوسرا تاجر کوئی دوسرا مارکہ ڈال کر دلیا یا اس سے کسی قدر بڑھیا مال بھی تیار کرائے تو بھی خریداران اس کی طرف توجہ نہیں دیتے۔ ہمارے کارخانہ میں بھی مدّت دراز سے اس طور پر مختلف مارکوں کا مال آیا کرتا ہے اگر اب نئے مال کی ہم کو ضرورت پڑتی ہے تو بے جان چیزوں کا مارکہ ڈلواتے ہیں لیکن جاندار چیزوں کے کئی سابقہ مارکے برما میں بہت شہرت پاچکے ہیں۔ ان شہرت یافتہ مارکوں کی بدولت ہماری دوکان چل رہی ہے اب اگر ان مارکوں کو بند کر دیا جائے تو دوکان کا کام رک جائے گا اور لاکھوں روپیہ کا نقصان ہوجائے گا۔ اگر یہی مال موجودہ جاندار چیز کے مارکہ کو ترک کرکے بے جان چیز کا کوئی دوسرا مارکہ ڈلوا کر منگایا جائے تو اگرچہ پہلے سے عمدہ اور بڑھ کر مال تیار کرایا جائے تاہم اس قدر قیمت بھی جو سابقہ مارکہ والی ہے ہرگز نہیں مل سکتی۔ پس ارشاد ہو کہ ایسی حالت میں جاندار مارکہ والے مال کا جاری رہنے دینا درست ہے یا نہیں؟ اور نیز اگر کوئی دوسرا تاجر ہمارا مارکہ ڈال کر مال تیار کرائے تو عدالت انگریزی سے رجوع کرکے اس کو بند کر دینا اور اس کے ایسا کرنے سے تخمیناً جس قدر نقصان پہنچا ہے اس قدر اس سے وصول کر لینا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ یہود و نصاریٰ اور ہندو، دوسری قومیں اور نیز اپنی مسلمان قوم اگر یہ یقین کر لے کہ فلاں مسلمان تاجر اپنے مارکوں کا دعوی دائر نہیں کرے گا تو یقیناً وہ لوگ ان مارکوں

کا مال تیار کرانے لگیں گے جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اس کی تجارت بالکل ٹھپ ہوجائے گی یا بالکل کمزور پڑجائے گی۔ بینوا توجروا۔

داؤد ہاشم یوسف، از رنگون

الجواب

ایک شخص کے مارکہ کو دوسرا شخص شرعاً استعمال نہیں کرسکتا لا لان حقہ فان الحقوق المجردۃ لا تملک بل لما فیہ من الخداع۔ اگر کوئی شخص دوسرے کا مارکہ استعمال کرے تو مارکہ والے کو اس پر جعل و فریب دہی کا مقدمہ دائر کرنے کا حق ہے لیکن اس صورت میں اگر عدالت صاحب مارکہ کو کچھ رقم مدعی علیہ سے دلوائے تو مقدار ضرر و صرف مقدمہ سے زائد رقم اس مدعی علیہ کی جانب واپس کردینی چاہیئے اور مارکہ بے جان چیز کا ہو تو اس میں کوئی شبہ نہیں یہ تو بالکل جائز ہے البتہ جاندار کا مارکہ بظاہر حرام ہے لیکن اس میں بھی دو درجے ہیں ایک درجہ استعمال کا ہے کہ جس مال پر تصویر مارکہ ہے اس کو دوکان میں رکھنا اور تصویر کے ساتھ فروخت کرنا دوسرا درجہ بنوانے کا ہے۔ پس ایسی مارکہ دار چیزوں کے دوکان میں یا گھر میں رکھنے کا حکم تو یہ ہے کہ اگر تصویر اتنی چھوٹی ہو قدرے فاصلہ سے کھڑے ہونے والے کو نظر نہ آئے تو اس کا گھر میں اور دوکان میں رکھنا ممنوع نہیں اور اگر اتنی بڑی ہو کہ تھوڑے فاصلہ سے بھی اس کی تفصیل اعضاء نظر آسکتی ہے تو اس کا رکھنا ممنوع ہے۔

قال فی الدر: او کانت صغیرۃ لا تتبین تفاصیل اعضائھا للناظر قائما وھی علی الارض ذکرہ الحلبی اھ

وفی الشامیۃ: لکن فی الخزانۃ ان کانت الصورۃ مقدار طیر (ای بقدر جثۃ الطیر) یکرہ وان کانت اصغر فلا اھ۔

رہا تصویر کا بنانا یہ مسلمان کے لئے مطلقاً حرام ہے خواہ چھوٹی بنائے یا بڑی بنائے اسی طرح مسلمان سے بنوانا بھی مطلقاً ممنوع ہے۔

قال فی الشامیۃ: ھذا کلہ فی اقتناء الصورۃ اما فعل التصویر

فهو غیر جائز مطلقاً لانہ فصاہاۃ لخلق اللہ تعالیٰ کما اھ۔
ولو استاجر مصورًا فلا اجر لہ لان عملہ معصیۃ کذا عن محمدؒ وفی آخر حظر المجتبیٰ عن ابی یوسفؒ یجوز بیع اللعبۃ وان یلعب بہا الصبیان اھ ملخصًا (ص ۶۷۹ و ۶۸۰ ج ۱)

رہا کافر سے تصویر بنوانا پس ہر چند کہ یہ بھی کراہت تحریمیہ سے خالی نہیں مگر مسلمان کے بنانے کے برابر اس میں حرمت نہیں۔

قال فی الدر: او امر المسلم ببیع خمر او خنزیر او شرائہما ای وکل المسلم ذمیا او امر المحرم غیرہ ببیع صیدہ یعنی صح ذالک عند الامام مع اشد کراھتہ اھ (ص ۱۸۵ ج ۴)

یہ تفصیل تو تصویر بنوانے اور رکھنے میں ابتدائی حالت پر نظر کرتے ہوئے ہے اور صورت مسئولہ میں حکم یہ ہے کہ جب غلطی سے جاندار کا مارکہ ڈلوا دیا گیا اور اب اس کے ازالہ میں نقصان کثیر ہوتا ہے تو اب بظاہر یہ مارکہ تصویر سکہ کے حکم میں داخل ہے کہ جس طرح بضرورت وہ جائز ہے کیونکہ اس کی تخریب سے نقصان مال لازم آتا ہے اسی طرح اس مارکہ میں بھی گنجائش ہے جبکہ اس کا ازالہ موجب ضرر ہے لیکن اس میں شک نہیں کہ ہمت کر کے اس کا زائل کر دینا افضل و اولیٰ ہے۔
بفرق بین التصویر سکۃ وبینہا فان فی الاول مجرد الاقتناء ضرورۃ وھٰھنا فعل التصویر امرا فافترقا۔

واللہ اعلم
از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ
۲۵ محرم ۱۳۵۳ھ

جس کوچہ میں مستورات کی آمد و رفت ہو اس طرف والے دروازے سے مردوں کو گزرنے کا حق ہے یا نہیں؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین درج ذیل مسئلہ میں کہ کسی شہر میں ایک مسلموں کا محلہ ہے نیز اسی محلہ میں ایک

مکان زید کا ہے. زید مسلم ہے اس مکان کے دو دروازے ہیں (ایک پیچھے اور ایک روبرو ایک دروازہ تو زید کے مکان کے روبرو کا ہے ایک کوچہ (گلی) ہے جس سے زید کی آمد ورفت ہمیشہ سے ہے اور پیچھے کے دروازے کے متصل ہے. ایک گلی (کوچہ یا راستہ) جو تقریباً دو گز عرض کی ہے یہ گلی زید کی ملک میں نہیں ہے جس کے اردگرد تمام مسلموں کے مکانات واقع ہیں. اس چھوٹی سی گلی سپندہ بادلی بھی ہے. پانی وغیرہ کے لئے ہمیشہ اور ہروقت یہاں کی مستورات کی آمد ورفت رہتی ہے. اب زید اپنے مکان کے پیچھے کے دروازے کے ہوتے ہوئے اس تنگ راستہ (گلی) سے جہاں یہ مستورات چلتی پھرتی رہتی ہیں. آمد ورفت رکھتا ہے حالانکہ زید محرم نہیں ہے بلکہ نامحرم ہے. اس لئے زید کو کہا گیا کہ تمہارا مستورات کے آمدورفت کے مقام میں بے کھٹکے بغیر گوشہ کے آمد ورفت کرنا ہمارے مذہب کے خلاف ہے. اگر آمد ورفت کا خیال ہو تو گوشہ واطلاع کر کے آنا جانا چاہیئے تو زید ہرگز نہیں مانتا اور ہمارے محلہ والوں کے خلاف ہنوز آمد ورفت رکھتے ہیں. پس عرض ہے کہ ہمارے مذہب وآئین وشرع شریف کے موافق زید کی کیا سزا ہے؟

الجواب

اگر تعامل قدیم سے یہ بات ثابت ہے کہ زید کے مکان میں جو دروازہ پیچھے ہے اس سے مردوں کی آمد ورفت نہ تھی بلکہ یہ دروازہ مستورات کی آمد ورفت کے لئے مخصوص تھا. نیز وہ کوچہ بھی پیچھے دروازہ کی طرف سے مردوں کی آمد ورفت کے لئے نہیں بلکہ صرف عورتوں کی آمد ورفت کے لئے مخصوص ہے تو زید کو پچھلے دروازہ سے بدون اطلاع واستیذان کے گزرنا جائز نہیں اور اگر وہ ایسا کرے تو برادری اس کو اس فعل سے روکنے کا حق رکھتی ہے اور اگر قدیم سے نہ دروازہ عورتوں کے لئے مخصوص ہے نہ یہ کوچہ عورتوں کے واسطے خاص ہے تو زید کو اس دروازے سے روکنے کا کسی کو حق نہیں. عورتیں خود اپنی حفاظت اور پردے کا اہتمام کریں. واللہ اعلم.

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ

۱۸ جمادی الاولیٰ ۴۸ھ

مسائل جدیدہ متعلقہ بیوع

باہر کے کارخانوں کے ساتھ بیع بثمن مؤجل اور سلم کی ایک صورت

سوال: اگر یہاں کا کوئی تاجر جاپان کے کارخانہ دار یا کسی تاجر سے تین مہینہ کی مدّت سے کوئی مال جیسے بنیان وغیرہ اس طور سے خریدے کہ میں نے تین مہینہ کی مدّت میں اتنا مال تجھ سے اتنے میں خریدا اور اس کارخانہ دار یا تاجر نے یہ بات منظور کر لی لیکن چونکہ دام میں کمی بیشی ہوتی رہتی ہے لہٰذا خریدار نے کسی جاپانی بینک سے ین کی قیمت روپیہ سے اس طرح مقرر کی کہ اتنے اتنے روپے میں میں نے تجھ سے خریدے اور اسی نرخ معین کے موافق جب میرا مال اس تاجر کے وہاں سے آجائے تو مجھ سے روپیہ لے کر اتنے اس تاجر کو دے دینا اور یہ معاملہ بینک سے اس لئے کیا کہ اس مہینہ کے عرصہ میں اگر بنک کے نرخ میں کچھ کمی بیشی ہو تو اس کا بار بینک کے ذمہ ہوگا اور تین مہینہ کے بعد مال کی آمد پر اتنے اتنے روپیہ کے عوض اس بینک والے کو دینے پڑیں گے جو پہلے سے معین کر لئے تھے خواہ ین کی قیمت بڑھی ہو یا گھٹی ہو تو غرض یہ ہے کہ یہ معاملہ ایسا بینک سے کرنا اور اس طور پہ مال خریدنا اور اس طرح اس کے دام دینا شرعًا درست ہیں یا نہیں اور یہ تجارت جائز ہے یا نہیں۔

الجواب

سوال کا یہ جملہ واضح نہیں ہے کہ "میں نے تین مہینہ کی مدّت میں اتنا مال تجھ سے خریدا" یہ تین مہینہ کی مدّت قیمت ادا کرنے کے لئے مقرر کی جاتی ہے یا مال آنے کے لئے ہے۔ اگر مال اس وقت منگوایا جاتا ہے اور مدت قیمت ادا کرنے کے لئے مقرر کی جاتی ہے تو یہ بیع بثمن مؤجل ہے جو کہ جائز ہے اور ثمن چونکہ ین قرار دیا گیا ہے اس لئے خریدار کے ذمہ یہی سکہ ادا کرنا ہوگا اور اس کے لئے جو یہ ترکیب کی جاتی ہے کہ کسی بینک سے روپیہ کے معاوضہ میں سکہ ین خرید لیا جاتا ہے۔ اس میں یہ بات قابل لحاظ ہے کہ سکہ ین اگر چاندی کا ہے تو روپوں کی چاندی اس کے برابر

ہونی چاہیئے۔ کم زائد نہ ہو۔ اگر کمی بیشی کے بغیر چارہ نہ ہو تو روپوں کے ساتھ کچھ پیسے ملانے چاہیئے اور اگر سونے یا تانبا وغیرہ کا ہو تو مضائقہ نہیں مگر ہر صورت میں خواہ سکہ ین چاندی کا ہو یا سونے کا یا کسی اور چیز کا یہ ضروری ہے کہ بیع ہاتھ در ہاتھ ہو ین والے سے بیع ہی کے وقت سکہ ین لیا جائے اور روپیہ اس کو دے دیا جائے کیونکہ اختلاف جنس اور اتحاد قدر کی صورت میں نسیئہ حرام ہے پھر یہ ہو سکتا ہے کہ اس وقت اس سے سکہ ین لے کر پھر اس کے پاس رکھوا دیا جائے وقت مقررہ پر جاپان کے فلاں تاجر کو یہ سکہ دے دیا جائے یہ حکم اصلی ہے اور اس کے موافق عمل کرنا احتیاط کا مقتضی ہے اور اگر یہ نہ ہو تو چونکہ دارالحرب میں کفّار سے معاملات ربویہ کی حنفیہ کے نزدیک اجازت ہے اس لئے اگر سکہ ین ہاتھ در ہاتھ بھی بینک والے سے نہ لیا جائے تو اس قول کی بنا پر جواز کی گنجائش ہے۔ بشرطیکہ ین والے سب کافر ہوں شرکاء ین میں مسلمان کوئی نہ ہو۔ اور مناسب یہ ہے کہ ایسے معاملات میں کفار کے ساتھ اس کا خیال رکھا جائے کہ حتی الامکان مسلمان کو حاصل ہو۔

وجعله اصحاب الشروح شرطاً للجواز ولکن المتون على الاطلاق فبينا الحكم عليه وهو مذكور في الدر والرد المحتار (ج ۴ ص ۲۹۱)

اور دوسری شق پر جبکہ تین ماہ کی مدت مال کی آمد کے لئے مقرر کی جائے یہ بیع سلم ہے جس میں شرائط بیع سلم کی رعایت ضروری ہے جن میں ایک شرط ثمن کا پیشگی دیا جانا و مقدار ثمن کا معلوم ہونا دوسری مبیع کی جنس و نوع معلوم و متعین ہونا ہے۔ باقی شرائط صفائی معاملات وغیرہ سے معلوم ہو سکتے ہیں اگر بیع سلم کے شرائط نہ پائے گئے تو بیع درست نہ ہو گی لیکن جس قول میں دارالحرب کے اندر اہل حرب کے ساتھ معاملات ربویہ کی اجازت ہے اس میں شرائط بیع سلم مفقود ہونے کی صورت میں بھی اس معاملہ کی اجازت ہو گی۔ واللہ اعلم۔ حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ

۱۹ ربیع الثانی ۱۳۴۲ھ

وقت بیع جو سکہ ثمن ٹھہرایا جائے اسی کی ادائیگی ضروری ہے، اس کے بدلے دوسرا سکہ ادا کرنے کی ایک صورت

سوال: ملک جاپان میں رائج سکہ ین ہے اور اس کا نرخ کچھ معین نہیں ہے اس ین کے نرخ میں اکثر بہت زیادہ کمی بیشی ہوتی رہتی ہے جیسے اس

ملک میں گنیّ اشرفی کبھی پندرہ روپیہ میں فروخت ہوتی ہے اور کبھی سولہ روپے میں. کبھی سترہ میں اور کبھی کم میں اور یہاں رنگون کے تاجروں سے اکثر بنیان وغیرہ منگواتے ہیں اور اس مال کا دام ین کے حساب سے مقرر ہوتا ہے. پھر اگر مثلاً جاپان سے مال منگوایا اس وقت ین کا دام کچھ ہے اور جب اس مال کے پیسے دیئے تو اس وقت ین کی قیمت میں کچھ کمی بیشی ہوگئی تھی تو روپیہ اس حساب سے یہاں کے تاجروں کے زیادہ کم دینے پڑے لہٰذا گذارش یہ ہے کہ وہ مال جو ین کے دام سے منگوایا اور پھر اس میں نرخ کے اعتبار سے کمی بیشی ہونے کے سبب روپیہ بھی کم زیادہ دینے پڑے یہ تجارت اور یہ معاملہ جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب

قاعدہ یہ ہے کہ بیع میں جو سکہ بیان کیا جائے گا خریدار کو وہی دینا پڑے گا اگر وہی نہ دے تو اس کی قیمت دوسرے سکہ سے دینا پڑے گی پس اگر بیع نقد ہے تو بوقت بیع جو قیمت اس سکہ کی ہوگی وہی قیمت معتبر ہوگی اور اگر بیع مؤجل ہے تو اختتام اُجل کے وقت کی قیمت معتبر ہوگی. چاہے وہ بیع کے وقت کی قیمت سے زیادہ ہو یا کم ہو یا برابر ہو پس اگر بیع کے وقت سکہ ین کی قیمت کم تھی اور ادائے ثمن کے وقت زیادہ ہوگئی یا پہلے زیادہ تھی اب کم ہوگئی تو اس کی بیشی سے بیع میں خرابی آ جائے گی. فقط

قال فی الکفایة: هذا اذا کسدت الدراهم او الفلوس فاما اذا غلت بأن ازدادت قیمتها فالبیع علی حاله ولا یتخیر المشتری واذا نتقصت الذی کان وقت البیع اھ (ص ۳۸۹ ج ۵) قلت وهذا عند الثانی وعند محمد یطالبه بالمعیار الذی کان یوم القبض.

واللہ اعلم.

حررہ ظفر احمد عفا اللہ عنہ
۱۹ ربیع الثانی ۱۳۴۳ھ

خریداری حصص کے مختلف احکام

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین درج ذیل صورت میں۔ (۱) قانون کمپنی کے موافق دس یا دس سے زیادہ اشخاص اپنے پاس سے کچھ روپیہ فراہم کر کے کمپنی کا کوئی نام تجویز کرتے ہیں اور کمپنی کے مقاصد

واغراض تحریر کرکے اس نام سے ان اغراض کے لئے کمپنی کو رجسٹری کراتے ہیں۔ رجسٹری کے وقت ان کو اختیار ہے کہ جس قدر سرمایہ کے لئے چاہیں رجسٹری کرالیں اور جو سامان بھی ان کو بنانا ہے فروخت کرنا ہے وہ تحریر میں پیش کردیں اگر ایک لاکھ روپیہ بھی سرمایہ کے لئے اور بجلی فروخت کرنے اور دیگر اشیاء کے لئے رجسٹری کرائی گئی تو یہ ضروری نہیں کہ اس وقت ایک لاکھ روپیہ موجود ہو بلکہ اس وقت تھوڑا سا روپیہ فراہم ہونا بھی کافی ہے جس پر کام کرنے کا سرٹیفکیٹ مل جاتا ہے۔ مثلاً ایک لاکھ روپیہ تک سے کام کرنے والوں کو دس ہزار روپیہ فراہم کر لینے پر کام کرنے کا سرٹیفکیٹ مل جائے گا اور یہ لوگ جنہوں نے اوّل روپیہ فراہم کرکے کمپنی کو رجسٹری کرایا ہے کمپنی کو ترقی دینے والے کہلاتے ہیں اب یہ لوگ ایک لاکھ روپیہ کے ایک ہزار حصص فی حصّہ سو روپیہ مثلاً قائم کرتے ہیں اور حصص فروخت کرنا شروع کرتے ہیں۔ یہ آج کل کمپنیوں کی ہیئت ترکیبی ہے اس کے متعلق سوال یہ ہے کہ جو لوگ کمپنی کے شیئرز (حصص) خریدتے ہیں شرعاً ان کی اس خریداری کی حقیقت کیا ہے؟

نیز یہ بات بھی قابل غور ہے کہ کمپنی قائم ہوجانے کے بعد جو لوگ اس کے حصص خریدتے ہیں وہ اعیان ونقود دونوں میں شریک ہوتے ہیں یعنی کمپنی میں اس وقت جو سامان از قسم مال تجارت اور اس کے لئے جس قدر عمارت ہے ہر خریدار اس میں بھی شریک ہے اور جو نقد سرمایہ کمپنی کے پاس ہے اس میں بھی شریک ہے۔ بغرض یہ شرکت اعیان میں بھی ہے اور نقود میں بھی یہ صورت شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

۲۔ جب کمپنی کے مقررہ حصص فروخت ہوجاتے ہیں تو آئندہ کے لئے حصص کی فروخت بند کردی جاتی ہے۔ اس وقت اگر کوئی کمپنی میں داخل ہونا چاہے تو وہ پہلے خریداروں میں سے کسی کا حصّہ خرید لیتا ہے یہ بیع وشراء صحیح ہے یا نہیں؟ کیونکہ اس وقت سارا معاملہ زبانی اور خط وکتابت سے طے ہوتا ہے باہم تقابض طرفین سے نہیں ہوتا اور چونکہ یہ شرکت نقد میں بھی ہے اور اعیان میں بھی تو نقد میں کمی بیشی کا بھی احتمال ہے۔

۳۔ ایک کمپنی گورنمنٹ سے بجلی خرید کر دوسروں کے ہاتھ فروخت کرتی ہے یہ بیع و شراء درست ہے یا نہیں؟ اور اس کمپنی میں شرکت جائز ہے یا نہیں؟ کمپنی جس کے

ہاتھ بجلی فروخت کرتی ہے اس کے گھر ایک آلہ لگاتی ہے جس سے معلوم ہوتا رہتا ہے کہ ہر شخص نے کتنی بجلی خرچ کی۔

۴۔ عموماً سب کمپنیاں سود لیتی بھی ہیں اور دیتی بھی ہیں۔ اس صورت میں ہر شریک کے حصہ میں سودی روپیہ بھی آتا ہے تو شریک کو اس کمپنی کے حصہ کا منافع لینا جس میں سودی رقم بھی شاید مخلوط ہو جائز ہے یا نہیں؟

۵۔ کمپنی ہر حصہ دار کو پورا منافع نہیں دیتی بلکہ ہر حصہ دار کی رقم منافع میں سے پس انداز بھی کرتی ہے۔ پس جو منافع حصہ دار کو ملا اس میں زکوٰۃ ہے یا نہیں؟ اور جو رقم پس انداز ہوئی اس پر زکوٰۃ ہوئی یا نہیں؟

الجواب واللہ الموفق للحق والصواب

(۱) بظاہر اس عقد کی حقیقت شرکت عنان ہے کیونکہ جو لوگ کمپنی قائم کرتے ہیں وہ دوسروں کو شریک کرنے کے وقت خود کو بھی کمپنی کا ایک حصہ دار قرار دیتے ہیں اور اپنی عمارات متعلقہ کمپنی اور جملہ سامان ومال وتجارت کو نقد کی طرف محول کر لیتے ہیں۔ مثلاً ان لوگوں نے دس ہزار روپیہ کمپنی قائم کرنے کے لئے عمارات وسامان وغیرہ لگایا تو وہ اپنے کو کمپنی کے سو حصوں کا حصہ دار ظاہر کریں گے۔ البتہ اس صورت میں کمپنی قائم کرنے والوں کی طرف سے شرکت بالنقد نہ ہوگی۔ بلکہ بالعرض ہوگی۔ سو بعض ائمہ کے نزدیک یہ صورت جائز ہے۔

فیجوز الشرکۃ والمضاربۃ بالعروض بجعل قیمتها العقد رأس المال عند احمد فی روایۃ وھو قول مالک وابن ابی یعلی کما ذکرہ الموفق فی المغنی (ص ۱۲۵ ج ۵)

پس ابتلاء عام کی وجہ سے اس مسئلہ میں دیگر ائمہ کے قول پر فتویٰ دے کر شرکت مذکورہ کے جواز کا فتویٰ دیا جاتا ہے۔

۲۔ قال فی الدر: بیع البراءات التی یکتبها الدیوان علی العمّال لا یصح بخلاف بیع خطوط الائمۃ لأن مال الوقف قائم ثمّ (رای فی خطوط الائمۃ) ولا کذلک منا اشباہ وقنیہ ومفادہٗ انّہٗ

يجوز للمستحق بيع خبزه قبل قبضه من المشرف راى المباشر الذى يتولى قبض الخبز) بخلاف الجندى (شامیه ص۱۹ ج۴) وحاصله جواز بيع للموجودة قبل القبض دون المعدومة:

پس یہ صورت بھی بیع خطوط کے مشابہ ہے کیونکہ جو خریدار اپنا حصّہ بیع کرتا ہے وہ معدوم یا غیر مملوک کی بیع نہیں کرتا۔

وفى الأشباه: بيع البراءات التى يكتبها الديوان على العمّال لا يصح وسميت براءة يبرأ بدفع ما فيها ط (شامی)

ما ورد الأئمة بخارا مويدة بالاثر فقد اخرج البيهقى فى باب بيع الارزاق التى يخرجها السلطان قبل قبضها من طريق سفيان عن معمر عن الزهرى عن ابن عمر وزيد بن ثابت انهما كانا لا يريان ببيع الرزق بأسًا اھ ص ۳۱۴ ج ۵۔

اور ظاہر ہے کہ صورت مسئولہ میں ایک شریک جو اپنا حصّہ دوسروں کے ہاتھ بیع کرتا ہے۔ یہ بیع خطوط أئمہ کے مشابہ ہے نہ کہ بیع برأت کے۔ واللہ اعلم۔

ہاں یہ ضرور ہے کہ بائع جس قدر نقد روپیہ خریدار کے حصّہ سے لے رہا ہے کمپنی میں اس کا نقد روپیہ اس مقدار سے کسی قدر کم ہو اور اکثر ایسا ہی ہوتا بھی ہے کیونکہ خریداروں کی رقم کا زیادہ حصّہ مال تجارت میں لگ کر بصورت عروض منتقل ہو جاتا ہے۔ نقل کم ہوتا ہے۔

۳۔ بظاہر یہ بیع وشراء محض روشنی کی نہیں ہے بلکہ یہ ایسا ہے جیسے کسی کی بوتل میں تیل بھر دیا جائے اور بجلی کا نظر نہ آنا اس کے جوہر نہ ہونے کو مستلزم نہیں۔ کیونکہ بعض جواہر غیر مرئی بھی ہیں جیسے ہوا البتہ بیع کے لئے مبیع کا مقدور التسلیم ہونا ضروری ہے تو ہر شئ پر قبضہ اور قدرت تسلیم اس کے مناسب ہوا کرتی ہے بجلی کا کرنٹ اور میٹر وغیرہ جو خریدار کے گھر میں لگایا جاتا ہے یہ اس کے مناسب قبضہ اور تسلیم ہے اور آلہ سے اس بات کا اندازہ لگانا کہ اس شخص نے کتنی بجلی

ع لانه لا يستحق الا الأجر وهو دين غير عين ولا يجوز بيع الدين من غير من هو عليه ۱۲

خرچ کی ہے۔ اس کے جوہر موجود اور جسم ہونے کی دلیل ہے۔ پس یہ ایسا ہے جیسے کسی کے موٹر اور سائیکل کے پہیہ میں ہوا بھر کر اجرت لی جائے۔

والبیع مبادلة المال بمال. والمال ما هو مرغوب فیه ولا یخفی کون البرق والهواء مما یرغب فیه فکل منهما بعد القدرة علیه والقبض مال کالماء فی القربة. والله اعلم

۴۔ قال الموفق فی المغنی اذا اشتری الوکیل لموکله شیئاً باذنه انتقل الملك من البائع إلی الموکل ولم یدخل فی ملك الوکیل وبهذا قال الشافعیؒ قال ابوحنیفةؒ یدخل فی ملك الوکیل ثم ینتقل إلی الموکل لأن حقوق العقد تتعلق بالوکیل بدلیل أنّه لو اشتراه باکثر من ثمنه دخل فی ملکه ولم ینتقل إلی الموکل، ویتفرع عن هذا أن المسلم لو وکل ذمیاً شراء خمراً وخنزیر فاشتراه له لم یصح الشراء وقال ابوحنیفةؒ یصح ویقع للذمی لأن الخمر مال لهم لأنهم یتموّلونها ویتبایعونها فصح توکیلهم فیها کسائر اموالهم اھ (ص ۲۶۳ ج ۵) وفیه ایضاً ولیس للمضارب ان یشتری خمراً أو خنزیراً سواء کانا مسلمین او کان احدهما مسلماً والآخر ذمیاً فان فعل فعلیه الضمان وبهذا قال الشافعیؒ وقال ابوحنیفةؒ ان کان العامل ذمیاً صح شراؤه للخمر وبیعه ایاها لأن الملك عنده ینتقل الی الوکیل اھ (ص ۱۶۲ ج ۵)

وفی المبسوط یکره للمسلم ان یدفع الی النصرانی مالاً مضاربةً وهو جائز فی القضاء (ص ۱۲۵ ج ۲۲) وفیه ایضاً ابوحنیفةؒ یقول الذی ولی الصفقة هو الوکیل والخمر مال متقوم فی حقه بملك ان یشتریها لنفسه فیملك ان یشتریها لغیره وهذا لأن الممتنع ههنا بسبب الاسلام هو العقد علی الخمر لا یملك فالمسلم من اهل ان یملك الخمر

الاترى انه لو تخمر عصير المسلم يبقى ملكاً له ثم اذا تخلل جاز له بيعهٗ واكلهٗ) واذا مات قريبهٗ عن خمر يملكها بالإرث فان اعتبرنا جانب العقد فالعاقد من اهله وهو فى حقوق العقد كالعاقد لنفسه وان اعتبرنا جانب الملك فالمسلم من اهل ملك الخمر فيصح التوكيل اھ (ص ۲۱٦ ج ۲) فان قيل ذكر فى الهندية فى باب المضاربة بين اهل الاسلام واهل الكفر اذا دفع المسلم الى النصرانى مالاً مضاربة بالنصف فهو جائز إلاّ أنه مكروه فان اتجر فى الخمر والخنزير فربح جاز على المضاربة فى قول أبي حنيفة وينبغى للمسلم ان يتصدق بحصّته عن الربح وعندهما لايجوز على المضاربة وان اربى فاشترى درهمين بدرهم كان البيع فاسداً. ولكن لايصير ضامناً لمال المضاربة والربح بينهما على الشرط اھ (ص ۲۰۳ ج ۵) قلنا قوله ينبغى للمسلم ان يتصدّق بحصّته محمول على الورع كما هو الظاهر وان حمل على الوجوب فهو إذا كان قد اتجر فى الخمر والخنزير فقط ولم يتجر فى غيرهما والا فحكمهٗ ما سيجئ فى المخلوط وقوله فى صورة ارباء الوكيل كان البيع فاسداً لايضرّنا فان الوكيل بالبيع كالعاقد لنفسه وفساد البيع فى حق الذمى لايستلزم حرمة الربح على المسلم فان تبدل الملك يدفع خبث الفساد واما على قول من جوّز الرباء بين المسلم والكافر فى دارالحرب فانّهٗ اوسع. پس صورت مذکورہ میں مال مستفاد میں حرمت نہ ہوگی جبکہ کمپنی قائم کرنے والے کافر ہوں۔" البتہ کفار کی کمپنیوں میں شرکت خود مکروہ ہے۔ جیسا مبسوط کے قول سے معلوم ہوا اور اگر مسلمانوں کی کمپنیاں بھی سودی لین دین کرتی ہوں جیسا آج کل غالب یہی ہے تو کفّار کی کمپنیوں کی شرکت مسلم کمپنیوں کی شرکت سے اہون ہے۔

ولنذكر بعد ذلك حكم المال المختلط بالحرام والحلال قال قاضيخان. ان كان الغالب مال المهدى من الحلال لابأس بأن

يقبل الهدية ويأكل مالم يتبيّن عنده أنه حرام لأن اموال الناس لا تخلو عن قليل حرام فيعتبر الغالب" واذا مات عامل من عمّال السلطان واوصى أن يعطى الحنطة للفقراء قالوا إن كان ما اخذه من اموال الناس مختلطًا بماله لا بأس به وان كان غير مختلط لا يجوز للفقراء أن يأخذوهُ إذا علموا انه مال الغير وان لم يعلموا الاخذ أنه من ماله اومال غيره فهو حلال حتى يتبين انه حرام"

وفيه ايضًا ان كان للسلطان مال ورثه عن آباءه يجوز أخذ جائزته فقيل له لو أن فقيراً يأخذ جائزة السلطان مع علمه ان السلطان ياخذها غصبًا ايحل له ذلك قال ان كان السلطان خلط الدراهم بعضها ببعض فانه لا بأس به وان وضع عين الغصب من غير الخلط لم يجز أخذه قال الفقيه ابو الليث هذا الجواب يستقيم على قول أبي حنيفة لأن عنده اذا غصب الدراهم من قوم وخلط بعضها ببعض يملكها الغاصب امّا على قولهما لا يملكها ويكون على ملك صاحبها اه ملخصًا.

(ص ٣٦٣، ٣٦٤ ج ٤) فاذا خلط الوكيل دراهم الربوا بعضها ببعض الدراهم التى اخذها من حلال يجوز اخذ الربح منها يكون الخلط مستهلكًا عند الامام لا سيّما اذا كان الوكيل كافراً لا سيمًا والتقسيم مطهر عندنا كما إذا بال البقر فى الحنطة وقت الدياسة فاقتسمها الملاك حل لكل واحدٍ مع التيقن يكون الحنطة مختلطة بالطاهر والنجس ولكن القسمة اورثت احتمالاً فى حصّة كل واحد من الشركاء فحكمنا بطهارة نصيب كل واحد منهم فكذا هٰهُنَا إذا ادى الوكيل بالتجارة وخلط الدراهم بعضها ببعض ثم قسمها على الشركاء يحكم بحل نصيب كل واحد منهم والله تعالىٰ اعلم. واخرج البيهقى فى سننه فى باب كراهية مبايعة من اكثر ماله من الرباء او ثمن

المحرم من طريق شعبة عن مزاحم عن ربيع بن عبد الله انه سمع رجلاً سأل ابن عمران لى جاراً يأ سهل الرّبا او قاب خبيث الكسب ور بما دعانى لطعامه أفاجيبه قال نعم، ومن طريق مسعر عن جواب التيمى عن الحارث بن سويد ـ قال جاء رجل إلى عبد الله يعنى ابن مسعود فقال ان لى جاراً ولا اعلم له شيئاً الا خبيثاً او حراماً وانه يدعونى فاحرج ان آتيه واتحرج أن لا آتيه فقال ائته او أجيبه فانما وزره عليه قال البيهقى جواب التيمى غير قوى وهذا اذا لم يعلم ان الذى قدم اليه حرام، فاذا علم حراماً لم يأكله اهـ (ج ٥/ ٣٣٥) (سنن الكبرى للبيهقى)

قلت وجواب التيمى وثقه ابن حبان ويعقوب بن سفيان كما فى التهذيب ـ (ج ٢/ ١٢١/ ١٢٢)

کتاب الرّبوا والقمار

دارالحرب میں کفار سے سود لینے کا جواز

سوال: پوسٹ آفس میں جو روپیہ جمع کیا جاتا ہے اس پر سود (بیاج) لینا جائز ہے یا نہیں؟ گورنمنٹ اس پیسے سے روزگار وغیرہ کر کے منافع حاصل کرتی ہے۔

الجواب

کفار سے سود لینا دارالحرب میں جائز ہے پس بنک والوں سے سود لے سکتے ہیں مگر اس میں حضرت مولانا کا خلاف ہے پس رسالہ "رافع الذنب عن مسائل البنک" ملاحظہ کر لیا جائے۔ واللہ اعلم

ظفر احمد عفا اللہ عنہ

دارالحرب میں بنک سے سود لینے کا حکم

سوال: یہاں مسلم راجپوت کے نام پر ہائی اسکول قائم کرنا چاہتے ہیں اور ہر شخص سے اس کی ماہواری آمدنی وصول کر کے بنک میں روپیہ جمع کرینگے، جسکے سود سے مدرسہ ھائی اسکول چلے گا، کچھ گورنمنٹ سے امداد ملے گی اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ ایسے موقع میں روپیہ دینا کیسا ہے؟ جبکہ بنک میں جمع ہو کر ہمیشہ سود لیا جاوے، اگر کوئی شخص اپنا چندہ ماہواری کسی ماسٹر کی تنخواہ دیدے اور بنک میں جمع نہ کرنے دے تو کچھ گناہ تو نہیں یا کوئی اور صورت جواز ہے؟ تو مطلع فرمائیے گا

الجواب

قال علماء نا رحمھم اللہ: لاربوا بین المسلم والحربی فی دارالحرب، اس قاعدہ کی بنار پر بنک سے سود لینا فتوی سے جائز ہے مگر تقویٰ کے خلاف ہے کیونکہ بعض لوگ جب بنک سے سود لینے کے عادی ہوجاتے ہیں تو وہ پھر مسلمانوں سے بھی سود لینے لگتے ہیں اور سود کی حرمت کا ان کے دل پر زیادہ اثر نہیں رہتا لہذا احتیاط اسی میں ہے کہ بنک سے بھی سود نہ لیا جاوے۔ واللہ اعلم۔

ظفر احمد

سودی حساب کی کتابت کا حکم

سوال: سود (بیاج) لینے کا کتابوں میں شرعی حرمت اور ممانعت پائی جاتی ہے لیکن ہمارے سندھ ملک میں بہت لوگ مفلس اور قرضدار ہیں اور وہ قرض اکثر ھندو (بنیہ) بیاج خور لوگوں کا ہے. قرض خواہ لوگ بیاج لیتے ہیں۔ اور قرضدار دیتے ہیں اگر نہیں دیتے تو قرضہ بغیر بیاج کے نہیں دیتے ہیں اور خاص تصادرں کی حکومت میں یہ قاعدہ پاس ہوا ہے، بیاج دینے لینے کا جب کسی بے علم اور بے عقل لوگ اپنے قرضخواہ کے ساتھ حساب قرضہ کا کرتے ہیں تو کسی عالم اور عاقل آدمی کو ساتھ لیکر قرضہ اور بیاج کا شمار کرتے ہیں، ابھی سوال کی غرض یہ ہے کہ کتابوں میں دیکھا ہے اور عالموں سے بھی سنا ہے کہ سود (بیاج) کا حساب کرنا اور سود والی رقم کے اوپر گواہ ہونا بھی حرام ہے، ابھی وہ عقلمند شخص جو اس بے عقل کے حساب سمجھنے کو گیا وہ بھی گنہگار ہوگا، اس نے تو بھلائی کی، پھر بھلائی سے اس پر گناہ لازم ہوا، اس کا طریقہ کس طرح کیا جائے؟ اگر قرضدار کے حساب سمجھنے اور بیاج شمار کرنے کیلئے عاقل حسابدان شخص نہیں جاتا تو وہ بہت ناراض اور رنج ہوتے ہیں۔

الجواب

پھر ناراض ہوکر کیا کرلے گا، خدا کی ناراضی اس سے زیادہ اشد ہے، لیکن سودی حساب کی دو قسمیں ہیں، ایک تو ابتدا میں ہوتا ہے سود لینے کے وقت ایک بعد میں ہوتا ہے، قرضہ ادا کرنیکے وقت اگر اس نیت سے حساب کتاب کردے کہ مبادا ھندو بنیہ کہیں مسلمان بھائی کو دھوکہ دیکر زائد لیلے تو اس میں ایک گونہ زائد سود سے مسلمان کو بچانا ہے، جس کے فی الجملہ جواز

کی گنجائش ہے۔

حررہ الاحقر ظفر احمد

مقیم خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون۔

سود سے حاصل شدہ مال کا حکم

سوال: ما قولهم رحمهم الله اس مسئلے میں کہ ایک شخص علیم الدین نامی یہ بیان کرتا ہے کہ میں ۱۲۹۷ء بنگلہ میں اپنے بھائی سے جدا ہوا۔ اور چند بیل خریدے، پھر سرسوں کا کھیت لیا اس سے اندازاً ستر روپیہ حاصل کر کے اس سے اور ایک قطعہ زمین خریدا، بعد اس کے ان سب زمین کے کھیتی سے اندازہ ڈھائی سو من دھان حاصل کیا اور یہ دھان ۱۳۰۰ء بنگلہ میں حاصل ہوا اور اس ۱۳۰۰ء تک وہ زمین اور خریدہ زمین مجموعہ اندازہ چار ایکڑ کی زمین میری ملک اور دخل میں آئی، پس اس دھان مذکورہ کو بالکل بیچ کر اس روپیہ سے سود کھانا شروع کیا اور ہر برس سود کی آمدنی سے اور اصل رقم روپیہ سے جو کچھ حاصل ہوتا ہے اور زمین خرید کرتا رہا، اور کھانے پینے میں اور پہننے میں خرچ کرتا رہا اس طرح پندرہ سولہ برس میں اور کئی ایکڑ زمین خرید کی گئی اور پہلے کی چار ایکڑ زمین اور اب کی آٹھ ایکڑ زمین مجموعہ بارہ ایکڑ زمین میری ملک و تصرف میں آئی بس اسی سنہ سے ۱۳۱۷ء بنگلہ میں سود کھانا چھوڑ دیا، اور اپنے مدیون لوگوں سے بلا سود کے اصل روپیہ وصول کرتا رہا، اور زمین مذکورہ کی کھیتی میں مشغول ہوا، اس پر بھی چودہ برس گذر گئے۔ اب اس سنہ حال یعنی ۱۳۳۰ء بنگلہ میں بخوف خدا بر ترسب گناہوں سے توبہ کیا، اور عزم بالجزم کیا کہ آئندہ پھر مرتکب معاصی کے نہ ہوں گا۔ اب میرا سوال یہ ہے کہ فی الحال میرے پاس جو نقد سود اصل اور زمین مذکورہ کی کھیتی، آمدنی موجود ہے، اس کو کیا کروں؟ شرعاً اس پر کیا حکم ہے؟ وہ میرے لئے حلال ہے یا حرام؟ اس میں خود تصرف کرنا، خود کھانا اور مسلمان بھائیوں کو کھلانا اور فی سبیل اللہ خیرات کرنا جائز ہے یا ناجائز؟ اور زمین مذکور کی کھیتی سے اب جو پیدا ہوتی ہے اور نقدی حاصل ہوتی ہے وہ حلال ہے یا حرام؟ اب اس صورت میں ان سوالات کے جوابات کیا ہیں؟

تنقیح: ۱۔ کیا اس کا اندازہ ہو سکتا ہے کہ موجودہ نقد مال میں حلال

کس قدر ہے اور سود کس قدر؟ ۲ اسی طرح زمین میں حلال روپیہ کی کتنی خرید ہے اور حرام کی کتنی؟

جوابات تنقیح

جواب اوّل: موجودہ نقد مال میں اندازہ نہیں ہوسکا کہ حلال اس قدر اور سود کا اس قدر کیونکہ بہت دن گذر گئے۔ جواب دوم: زمین میں حلال روپیہ کے کتنی خریدی اور حرام کے کتنی خریدی اس کا اندازہ نہیں ہوسکا کیونکہ آمدنی کے وقت حلال وحرام مختلط تھے۔ تمیز کا کچھ لحاظ نہیں کیا گیا، ہوسکتا ہے کہ حرام روپیہ سے زمین خرید کی گئی ہے۔ یا اکثر حرام روپیہ خرید میں لگا ہو۔

الجواب

قال فی الدر: السلطان اذا خلط المال المغصوب بماله ملکه فتجب الزکوٰة فیه ویورث عنه لأن الخلط استھلاك اذا لم یکن تمییزہ عند أبی حنیفة رحمه الله، وقوله ارفق بالناس اذ قلّما یخلو مال عن غصب اھ۔ قال الشامی: ای بمنزلة الاستھلاك من حیث ان حق الغیر یتعلّق بالذمة لا بالاعیان (ص ۳۹ ج ۲)۔ قال الشامی ناقلاً عن البزازیة: المغصوب ان علمت اصحابه او ورثتھم وجب ردّہ علیھم، والاّ وجب التصدّق به، وقد مرّ ان الامراء فقراء بما علیھم من التبعات ولا شك ان غرمائھم مجھولون اھ (ص ۴۰ ج ۲) وقال ایضاً ناقلاً عنھا: ما یأخذہ من المال ظلماً و یخلطه بماله وبمال مظلوم آخر یصیر ملکاً له و وینقطع حق الأوّل (ای عن عینه ویبقی فی الذمّة) فلا یکون اخذہ عندنا حراماً محضاً نعم لا یباح الانتفاع به قبل اداء البدل فی الصحیح من المذھب اھ - وفی الاشباہ: لو تنجّس بعض البرّ ثم قسم طھر لوقوع الشك فی کل جزء ھل ھو المتنجّس أو لا؟ وفیھا ایضاً ناقلاً عن السیر الکبیر: اذا فتحنا حصناً وفیھم ذمی لا یعرف فلا یجوز قتلھم لقیام المانع بیقین، فلو قتل البعض

أو أخرج حلّ قتل الباقي للشك في قيام المحرّم اھ (ص ۵۴ ص ۵۵)
وفيه ايضاً: لو لم يفته من الصّلوٰة شيئ وأحبّ ان يقضي صلوٰة عمره منذ ادرك اذا كان اكبر ظنّه فسادها بسبب الطّهارة أو ترك شرط فحينئذٍ يقضي ما غلب على ظنّه وما ازداد عليه يكره (ص۵۷) وفي العالمگيريه (ص ۲۴۳ ج ۲) له مال فيه شبهة اذا تصدّق به على أبيه يكفيه ذلك ولا يشترط التصدّق على الأجنبيّ وكذا اذا كان ابنه معه حين كان يبيع ويشتري وفيها بيوع فاسدة فوهب جميع ماله لابنه هذا خرج من العُهدة كذا في القنية (ص ۳۴۹ ج ۵)
قلنا وقال علماءنا: لا ربوا بين المسلم والحربيّ في دار الحرب۔
ان عبارات سے امور ذیل مستفاد ہوئے (۱) اگر شخص مذکور کو یہ معلوم ہو کہ میں نے کن کن لوگوں سے سود لیا اور جن لوگوں سے سود لیا وہ مسلمان لوگ ہیں تو اس صورت میں بمقدار سود رقم ان کو واپس کرے اور اگر رقم کی مقدار یاد نہ ہو تو غلبۂ گمان سے جتنی رقم سود کی ہوتی ہو اتنی واپس کرے اور احتیاطاً باقی سے معافی چاہ لے، اگر وہ لوگ خود موجود نہ ہوں تو ان کے ورثاء کو ادا کرے اور معافی چاہے (۲) اگر وہ مسلمان جن سے سود لیا ہے یاد نہ رہے کہ کون کون ہے یا یاد ہوں مگر اب لاپتہ ہیں، اور یہ بھی اندازہ نہ ہو سکے کہ سود کی رقم کتنی تھی تو موجودہ مال میں سے اتنی رقم صدقہ کر دے جس کے صدقہ کر دینے کے بعد دل میں یہ گواہی دیدے کہ سود سب ادا ہو گیا، اور اس صورت میں صدقہ کرنا اجنبی ہی پر ضروری نہیں بلکہ اپنی غریب اولاد اور غریب والدین اور غریب بیوی پر صدقہ کر دینے سے بری الذمہ ہو جائیگا (۳) اگر سود کفار سے لیا ہے تو وہ بقول بعض علماء جائز ہے اس کے اختلاط سے مال میں شبہ نہیں آتا (۴) یہ شخص بحالت موجودہ بھی (بدون اداء حق غرماء و بدون تصدّق کے) کسی کو ھدیہ دیدے۔ یا کھانا کھلا دے تو دوسروں کو قبول ھدیہ اور کھانا جائز ہے مگر اس شخص کو اپنے مال میں بدون طُرق مذکورہ پر عمل کئے تصرّف جائز نہیں (۵) اور جو زمین اس نے مال مخلوط سے خریدی وہ سب اس کے ملک ہے مگر بدون اداء حق مسلمین یا بدون تصدق کے ملک میں

خبث رہے گا۔ واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ

خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون

بحالت مجبوری سود دینے کا حکم جبکہ بغیر سود کے کام نہ چل سکے

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ آجکل تجارت کا طریقہ ایسا ہوگیا ہے کہ جس میں اگر سود نہ بھی لیں، تب بھی دینا ضرور ہوتا ہے، وہ یہ کہ اگر ہمیں مال کی ضرورت ہوئی اور کسی ایجنٹ کو آرڈر دیا، جب وہ آرڈر یورپ پہنچتا ہے تو جس وقت سے وہ لوگ مال روانہ کرتے ہیں اسی وقت سے اس مال کی قیمت کے ساتھ سود بھی چڑھاتے جاتے ہیں اور ہم سے رقم کی وصولی کے وقت رقم مع سود وصول کرتے ہیں اور اس سے کسی طرح کا چھٹکارا ہونا مشکل ہے تو کیا ایسے وقت میں یہ سود دینا جائز ہو سکے گا؟ اور اگر ناجائز ہو تو کونسی صورت کی جائے؟ جس سے مال بھی آسکے اور گناہ سے بھی بچ جائیں۔

الجواب

مجبوری کی حالت میں سود دینا جائز ہے جبکہ بدون اس کے کام نہ چل سکے اور لینا کسی حال میں درست نہیں، الّا عند البعض فی دار الحرب اذا اخذہ من الحربی فانہ لیس بربوا عندھم، قال فی الاشباہ: ماحرم اخذہ حرم اعطاءہ کالربوا ومھر البغی والرشوۃ واجرۃ النائحۃ والزامر الا فی مسائل الرّشوۃ لخوف علی نفسہ اومالہ اولیسوی امرہ عند سلطان او امیر اھ قال الحموی (قولہ الرشوۃ لخوف علی مالہ الخ) ھٰذا فی جانب الدافع امّا فی جانب المدفوع لہ فحرام وینبغی ان یستثنی الأخذ بالرّبا للمحتاج فانہ لایحرم کما صرّح بہ المصنف فی البحر ویحرم علی الدافع الاعطاء بالرّبا اھ (ص ۱۱۶) واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفاعنہ

تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ۔ ۲۷ صفر المظفر ۴۵ھ

بصورت مجبوری سود دینے کا حکم اور اس کا طریقہ جواز

سوال: اگر میرے والد صاحب امانت رکھ کر کچھ روپیہ سود پر قرض لیں، بعد میں سود دیکر کیا وہ مال واپس لے سکتے ہیں یا نہیں؟ اگر نہ لوں تو مثلاً دو روپیہ کے بدلے دس روپیہ کی چیز چلی جاوے۔

الجواب

یہ مجبوری کی صورت ہے کہ سود نہ دینے میں اپنے پاس سے زیادہ قیمت کی چیز جاتی ہے جس کے معنی یہ ہوئے کہ اس وقت چیز کے نہ چھڑانے سے گویا زیادہ سود اس کے پاس جائیگا، اسلئے اس کو سود دینا اور چیز کو چھڑا لینا جائز ہے مگر صورت یہ ہونا چاہئے کہ جتنے روپے اصل قرض کے تھے اس سے ایک روپیہ کم تو چاندی کا سکہ دیا جاوے اور باقی رقم کو پیسوں سے یا گلٹ کے سکہ سے ادا کیا جائے، چونکہ اختلاف جنس سے مساوات کا لزوم نہیں رہتا اس لئے یہ سب پیسے اور گلٹ کا سکہ اصل قرض کے اس ایک روپیہ کے عوض میں ہو جائے گا جو بصورت روپیہ نہیں دیا گیا اور قرضخواہ کو یہی کہکر دیا جائے کہ ہم تم کو یہ سارے پیسے یا گلٹ کے سکے صرف ایک روپیہ کے عوض میں دے رہے ہیں، اس طرح امید ہے کہ سود دینے کا گناہ نہ ہوگا واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ
خانقاہ تھانہ بھون

دری فروشوں کے ایک مخصوص معاہدے کا حکم

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین درج ذیل مسئلہ میں کہ ۲۵ر دسمبر ۱۹۲۶ء کو محلہ قلینہ فل گنج کانپور کے دری فروش مسلمانوں نے مجتمع ہو کر یہ طے کیا کہ بازار میں جو کچھ دری فروخت کی جائے۔ اگر دکاندار تیسرے روز روپیہ دیدے تو چھ آنہ سیکڑہ اور فی جوڑہ ایک پیسہ کاٹ لے۔ یعنی ۶ر سیکڑہ اور دو دری پر ایک پیسہ کٹوتی کاٹ لے، اور اگر بعد تیسرے روز کے پندرہ روز تک روپیہ دیوے تو چھ آنہ سیکڑہ نہیں کاٹ سکتا اور اگر بعد پندرہ روز کے دام دیگا تو فی سیکڑہ ایک روپیہ مہینہ خریدار کو منافع دینا ہوگا اور جن لوگوں کے اسٹامپ پر دستخط ہیں اگر خلاف

کرے گا تو اکیاون (۵۱) روپیہ جرمانہ دینا ہوگا، چنانچہ من مقران اس تحریر کے پابند ہوں گے اگر کوئی شخص خلاف اس تحریر کے کریگا تو مبلغ اکیاون (۵۱) روپیہ جرمانہ دے گا اقرار کرتے ہیں اور لکھکر دیتے ہیں کہ اگر اکیاون روپیہ جو شخص جرمانہ نہ دے گا بذریعہ نالش کے وصول کیاجاویگا لہذا من مقران نے بخوشی یہ اقرارنامہ لکھدیا اور دستخط کردیا کہ سند ہو اور بوقت ضرورت کام آوے۔

یہ اس رائے کی نقل ہے جو کثرت رائے سے منظور ہوا ہے۔ اس قسم کا معاہدہ شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

یہ صورت معاہدہ جو مسلمان دری فروشوں میں قرار پائی ہے بالکل خلاف شرع ہے خصوصاً پندرہ روز کے بعد ہر سیکڑہ پر ایک روپیہ منافع خریدار سے لینے کا معاہدہ صریح ربوا اور سود ہے، جسکا حرام ہونا سب کو معلوم ہے اسی طرح جرمانہ کا معاہدہ بھی ناجائز ہے کسی مسلمان پر جرمانہ مالی کرنے کا کسی کو حق نہیں واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ

خانقاہ تھانہ بھون ۸ رجب ۱۳۴۵ھ

مشتری کو بائع سے کٹوتی اور دلالی لینے کی ایک صورت کا حکم

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین درج ذیل مسئلہ میں کہ بازار کا عام دستور ہے کہ ہندو اور مسلمان سوت فروش تیسرے روز مال کا روپیہ ادا کردینے پر بٹہ دلالی کاٹ کر خریدار کو دیدتے ہیں اگر ایک ہفتہ کے اندر روپیہ بیباق نہ کیا جاوے تو بٹہ دلالی کچھ کم کردیتے ہیں، مثلاً بمبئی کے سوت خریدنے والے کو تیسرے روز روپیہ ادا کرنے پر بائع فیصدی ۳/۱ بٹہ دلالی کاٹ دیتا ہے، اگر چار یا پانچ روز کے بعد مشتری روپیہ ادا کرے تو بائع تو ایک ہی روپیہ بٹہ دلالی کا دیتا ہے۔ اس طرح دوسرے ملوں کے سوت خریدنے پر بھی بٹہ دلالی ملتا ہے، اور ہر قسم کے تجار اور مل کے مالک اپنے قاعدۂ مقررہ کے موافق بٹہ دلالی خریدار کو دیتے ہیں چنانچہ مسلمان دری فروشوں میں یہی کٹوتی و دلالی دینے کا رواج ہے،

کوئی فیصدی ۴ر کوئی دو دری پر ایک پیسہ خریدار کو کٹوتی دیتا ہے اور اس کے ساتھ کوئی دلال آتا ہے تو دلالی بھی دیتے ہیں، غرض کہ ہر قسم کے تجار ہندو اور مسلمان بٹہ دلالی اور کٹوتی وغیرہ لیتے دیتے ہیں، اور کٹوتی کی آمدنی بعض دینی کاموں میں بھی صرف کرتے ہیں، مساجد اور مدارس میں دیتے ہیں، کٹوتی اور بٹہ دلالی لینا دینا اور کٹوتی کی آمدنی کار خیر میں صرف کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اس کے جواز اور عدم جواز کی جو شرعی صورتیں ہوں وہ تحریر فرمائیں۔

الجواب

اس میں تفصیل ہے اگر بائع ہندو ہے تو خریدار کو اس سے کٹوتی اور دلالی لینا بہر صورت جائز ہے، جبکہ وہ اپنے قاعدہ کے موافق خوشی سے دیتا ہے۔ فانه یباح لنا فی مال الحربی برضاہ۔ اور اگر بائع مسلمان ہے اور خریدار اس کو دست بدست ثمن ادا کر رہا ہے اس صورت میں مسلمان بائع سے بھی کٹوتی اور دلالی کاردبیہ دستور کے موافق لینا جائز ہے اور اس وقت یوں کہیں گے کہ بائع نے قیمت سے کچھ مقدار کم کر دی۔ والزیادۃ فی الثمن والحط منه یلحق بالعقد ویجوز۔ اور اگر خریدار دست بدست قیمت نہیں دیتا تو اس کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ خریدار مجلس عقد میں بائع سے یوں کہدے کہ میں اس مال کی قیمت مثلاً تین روز کے بعد ادا کروں گا اور اسی قول کے موافق ادا بھی کر دے اس صورت میں بھی بائع مسلمان سے کٹوتی اور دلالی لینا جائز ہے اور یہی سمجھا جائیگا کہ بائع نے مجلس عقد ہی میں قیمت کم کر دی تھی، لأن المعروف کالمشروط۔ اور اگر خریدار نے مجلس عقد میں اپنے ادا کا وقت بیان نہیں کیا بلکہ قیمت طے کر کے چیز لے گیا تو اب قیمت ادا کرنیکے وقت اس کو مسلمان بائع سے کٹوتی اور دلالی لینے کا حق نہیں اور وہ کٹوتی اور دلالی کا روپیہ لینا بھی جائز نہیں کیونکہ اب وہ بازار کے دستور کے موافق کٹوتی وغیرہ لے گا اور اس دستور میں کٹوتی وغیرہ کی رقم کو اجل کا معاوضہ بنا یا گیا ہے کہ اگر تین دن میں ثمن دیگا تو اتنا کاٹ دینگے، ہفتہ بھر میں دیگا تو اتنا کاٹ دینگے اس میں صراحۃً معاوضۂ اجل ہے اور معاوضۂ اجل حرام ہے، (صرح به فی الهدایة: ولو کانت له الف مؤجلة، فصالحه علی خمس مائة حالة لم یجز (الی أن قال) وذلك

اعتیاض عن الأجل وھو حرام (ص۲۳۵ ج ۳)۔

البتہ ایک صورت سے اس شق میں بھی کٹوتی وغیرہ لینا جائز ہے یعنی جبکہ مشتری نے بس عقد میں وقتِ ادا بیان نہ کیا ہو یا بیان کیا ہو مگر اس وقت پر نہ لایا ہو، وہ صورت یہ ہے کہ جب ثمن بائع کو ادا کرے تو اس وقت یوں کہدے کہ میں کٹوتی وغیرہ تو نہیں لیتا کیونکہ میرے واسطے اس کا لینا جائز نہیں ہاں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ قیمت میں سے اتنی مقدار مجھے کم کر دیجئے (اور وہی مقدار بیان کر دے جو کٹوتی کے قاعدہ سے کم ہوتی ہے) اس صورت میں یہ بلاشبہ حطّ من الثمن میں داخل ہوگا اور مشتری کو اس روپیہ کا لینا مسلمان بائع سے بھی جائز ہوگا، اور بہتر ہے کہ مسلمان بائع سے بہر صورت یوں ہی کہکر کٹوتی لیا کریں واللہ اعلم۔

حررہ الاحقر ظفر احمد

خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون

حکم نالش مع سود برائے استیفائے اخراجات ضروریہ مقدمہ

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ جامع مسجد قصبہ سکندر آباد کے چند دوکانیں کرایہ پر ہیں، کرایہ دار ہندو بھی ہیں اور مسلمان بھی، ان میں سے کچھ عرصہ سے بعض کرایہ دار کرایہ ادا نہیں کرتے اور نہ دوکانیں خالی کرتے ہیں ہر چند کوشش کی کہ کرایہ وصول ہو جائے اور دکانات خالی کر دیں یہاں تک کہ حسب ضابطہ قانونی ان کو نوٹس بھی دیا گیا تو بھی نہ کرایہ دیا نہ دکان خالی کی، اب بحالت مجبوری نالش کرنا ضروری ہے مگر نالش کرنے میں جامع مسجد کا بہت زیادہ نقصان ہے وہ یہ کہ نالش کرنے میں دو قسم کا خرچ ہوتا ہے ایک تو وہ جو ضابطہ کا ہے، یعنی کورٹ، وکلیانہ و خوراک گواہان و محنتانہ وکیل جو عدالت کا مقرر کردہ ہے، دوم وہ خرچ جو اس کے علاوہ ہوتا ہے یعنی کرایہ آمد و رفت و خوراک وغیرہ بکار مقدمہ اور یہ خرچ دوم خرچ اول سے سر چند سے بھی بہت زیادہ ہو جاتا ہے اور عدالت سے یہ خرچ ملتا نہیں تو کیا ایسی حالت میں مع سود نالش کر کے اپنا خرچ لیکر باقی سود جس قدر بچے وہ کرایہ دار کو واپس کر دیا جاوے، یہ عند الشرع جائز ہے یا نہیں؟

سائل: محمد عبد الرزاق جان امام جامع مسجد سکندر آباد ضلع بلند شہر

الجواب

اس صورت میں متولی مسجد کو مقدمہ کی ضروری اور لابدّی مصارف کا کرایہ داروں سے وصول کرنا جائز ہے اور کرایہ آمدورفت وصرف خوراک بھی ضروری مصارف میں سے ہے، بشرطیکہ قدر ضرورت پر اکتفا کیا جاوے، پس ان ضروری مصارف کے وصول کرنے کیلئے نالش مع سود کرنا بھی جائز ہے، جب اور کوئی طریقہ وصول مصارف کا نہ ہو اور بعد وصول اس رقم نام نہاد سود کے ضروری مصارف سے جو فاضل ہو وہ کرایہ دار کو واپس کر دینا لازم ہے۔ واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ

از خانقاہ تھانہ بھون

عدم وجوب سود بوعدآں | **سوال:** زید وعمر نے ایک کھیت تخمیناً ۶۰ بیگہ نصفا نصفی کے شریک ہو کر آٹھ ہزار روپیہ کو خریدا، جس کی صورتِ معاملہ ذیل میں درج ہے۔

کہ زید نے عمر سے کہا کہ کھیت مذکور ہم تم دونوں شرکت میں خریدتے ہیں چار ہزار روپیہ نقد میں دیتا ہوں اور ما بقی چار ہزار نقد تم دو، عمر نے کہا کہ میرے پاس نقد چار ہزار روپیہ فی الحال نہیں ہے، ہزار روپیہ تک فی الحال میں انتظام کر سکتا ہوں، اس پر زید نے کہا کہ اچھا ہزار روپیہ نقد تم اس وقت دیدو اور باقی تین ہزار روپے تمہارے ذمّہ کے میں بائع کو دیئے دیتا ہوں، اور اس قرضہ کی ادائیگی کی یہ صورت ہوگی کہ کچھ روپیہ تو تھوڑا تھوڑا تم مجھکو نقد ادا کرتے رہنا، اور کچھ روپیہ اس کھیت کی سالانہ پیداوار میں سے میں لیتا رہوں گا، اس گفتگو پر دونوں راضی ہو گئے، چنانچہ عمر نے اٹھارہ سو روپیہ تو اسی وقت زید کو دیدیا اور زید نے کل ثمن بائع کو ادا کر دیا، اب ڈیڑھ دو سال کے بعد زید عمر سے کہتا ہے کہ میں نے جو تمہارے ذمّہ کا روپیہ دیا تھا، وہ ایک شخص کی امانت کا روپیہ تھا وہ شخص اپنا روپیہ طلب کرتا ہے، لہٰذا بقیہ روپیہ دو، اس پر عمر نے کہا کہ بوقتِ خریداری کھیت کے تم نے یہ بات ظاہر نہیں کی تھی، میرے پاس اس وقت نقد روپیہ نہیں، جب روپیہ ہوگا دوں گا، اب زید کہتا ہے کیونکہ وہ طالب امانت ہے۔ میں تو روپیہ کسی جگہ سے سودی لاکر اس کو دیتا ہوں، اور سود تم کو دینا ہوگا، عمر کہتا ہے کہ تم نے پہلی مرتبہ سود کی بابت کچھ بھی نہیں کہا تھا، اب سود کا جھگڑا

کیوں اٹھایا جاتا ہے، اس واقعہ کے پانچ چھ ماہ بعد عمر نے مابقی قرضہ زید کو دیدیا مگر زید کہتا ہے کہ سود کا بھی روپیہ دو۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ اگر عمر نے زید سے کہا ہو کہ تم سودی روپیہ لاکر دیدو میں تم کو سود دوں گا، تو کیا بروئے شرع شریف کے عمر کو سود دینا ضروری ہوگا؟ اور اگر عمر نے سود کی بابت کچھ بھی نہ کہا ہو بلکہ زید نے بغیر کہے سودی روپیہ لاکر دیا ہو اور اب بوقت ادا عمر سے زید کہتا ہے میں نے تو سود سے روپیہ نکال کر دیا ہے، وہ سود تم دو تو یہاں بروئے شرع عمر کو سود دینے پر مجبور کیا جاوے گا؟

فریقین نے یہ معاملہ حکم شرع پر موقوف رکھا ہے لہذا حسب حکم شرع براہ الطاف افضال فتوی تحریر فرماکر مرہون منت فرمادیں اور حوالہ کتب بھی فرمایا جاوے اگر یہ عمر سودی روپیہ نہ دے تو کیا عمر کے ذمہ یہ قرضہ باقی رہے گا؟ چونکہ اشد ضرورت ہے لہذا براہ تلطف جلد جواب مرحمت فرمایا جائے۔

السائل عبدالقادر پیش امام جامع مسجد

الجواب

عمر کے ذمہ دونوں صورتوں میں سود دینا واجب نہیں لانہ فی الأوّل قال ما قال بطریق المشورۃ والوعد، ولا یجب ایفاء الوعد بالحرام، وفی الثانی لم یقل شیئًا یوجب لزوم الرّبا علیہ۔ ہاں ایک صورت میں عمر کے ذمہ سود دینا آتا وہ یہ کہ عمر زید کو اپنا وکیل اور قاصد بناکر کسی کے پاس بھیجتا کہ زید کو میری طرف سے اتنا روپیہ سود پر دیدو، اس صورت میں زید محض سفیر ہوتا سود اس کے ذمہ نہ ہوتا بلکہ عرفاً عمر کے ذمہ ہوتا اور شرعاً تو کسی صورت میں بھی سود کسی کے ذمہ واجب نہیں ہوتا واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد از تھانہ بھون ۷ رجب ۴۶ھ

تبادلہ سکہ حالی بہ سکہ کلدار

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ یہاں ہمارے سرکار عالی کا سکہ حالی رائج ہے۔ بعض وقت کلدار کی ضرورت ہوتی ہے، جس کا نرخ گھٹتا بڑھتا ہے۔ ایک روپیہ کلدار کے بجائے ایک روپیہ ۳ر حالی دینے پڑتے ہیں، تو کیا یہ لین دین سودی ہوگا؟ مخفی مبادلہ

حالی سکہ ۱۱ر ماشہ کا ہوتا ہے اور کلدار ۱۲ر ماشہ کا۔

الجواب

سکہ حالی کا مبادلہ سکہ کلدار سے اس طرح جائز ہے کہ ایک طرف جدھر چاندی کم ہے چاندی کے سکہ کے ساتھ تانبے یا گلٹ وغیرہ کا سکہ بھی ملالیا جاوے ورنہ ربوا کا اندیشہ ہے۔ واللہ اعلم۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفاعنہ
از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ
۲۹ر ربیع الثانی ۴۷ھ

دار الحرب میں کفار یا بنک سے سود لینے کا حکم

سوال: فتاویٰ عزیزیہ جلد سوم ص۹۵ کے حوالہ سے یہ مسئلہ ایک کتاب میں نظر سے گذرا۔ در عملداری نصاریٰ کہ اہل اسلام در بنک نصاریٰ رقم جمع می سازند و سود آن از نصاریٰ میگرند، وآن را وثیقہ می نامند درست است یا نہ؟

جواب

در دار حرب میان کافر و مسلم حربی معاملہ ربوا درست است چنانچہ در کفایہ می آرد۔ ولا ربوا بین المسلم والحربی فی دارہ انتہیٰ، و عملداری نصاریٰ بنابر مذہب صاحبین علیہما الرحمۃ بہ سبب آنکہ شعائر کفر دغدغہ باعلان رواج گرفتہ دار حرب است پس وثیقہ درست است، و بنابر مذہب امام اعظم علیہ الرحمۃ دار اسلام کہ دار حرب می شود مشروط است بہ شروط ثلثہ بر تقدیر تحقق شروط ثلثہ عملداری نصاریٰ البتہ دار حرب خواہد گشت۔ و وثیقہ جائز خواہد شد۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صاحبین علیہما الرحمۃ کے نزدیک ہندوستان میں وثیقہ جائز ہے، میرے ذہن میں وثیقہ اور پرامیسری نوٹ ایک ہی چیز ہے جس کو یہ بھی کہا جاتا ہے کہ روپیہ گورنمنٹ واپس نہیں دیتی بلکہ اس کا سود ہی ملتا رہتا ہے البتہ اس پرامیسری نوٹ کو فروخت کیا جاسکتا ہے اور پرامیسری نوٹ کا نرخ کم و بیش بھی ہوتا رہتا ہے (نرخ کی کمی بیشی سے مراد یہ ہے کہ کبھی کبھی سو روپیہ کا پرامیسری نوٹ ننانوے روپیہ میں مل جاتا ہے۔ اور کبھی ایک سو ایک میں بھی لینا پڑتا ہے، یہ خرید و

فروخت رعایا کے آپس میں ایک انگریزی کمپنی کے ذریعہ سے اکثر ہوتی ہے، جو کلکتہ میں ہے، اب دریافت طلب دو امر ہیں، ایک یہ کہ کمی بیشی پر خرید و فروخت جائز ہے یا نہیں؟ دوسرے یہ کہ پرامیسری نوٹ خریدنے کے بعد پرامیسری نوٹ کے روپیہ پر زکوٰۃ ہے یا نہیں؟ معمولی کرنسی نوٹ پر زکوٰۃ کی وجہ تو ظاہر ہے کہ حوالہ ہے۔ اس وجہ سے کہ اس میں گورنمنٹ آف انڈیا کی طرف سے وعدہ لکھا ہوتا ہے کہ اس نوٹ کے لانیوالے کو اس قدر روپیہ گورنمنٹ کے ہر خزانہ سے دیا جاویگا، اور پرامیسری نوٹ کا روپیہ گورنمنٹ واپس نہیں دیتی بلکہ صرف سود دیتی ہے، تو جب پرامیسری نوٹ والا روپیہ گورنمنٹ سے لینے کا حقدار نہ رہا تو روپیہ کا مالک بھی نہ رہا اور وہ صرف پرامیسری نوٹ کا مالک ہے، تو اب زکوٰۃ کس چیز پر آوے گی؟ مہربانی فرما کر ہر دو مسائل کا جواب ایسا عنایت فرمادیجئے کہ ان پر کسی اور بات کے دریافت کرنے کی ضرورت نہ ہو اور اگر ان دونوں باتوں میں کسی صحیح تاویل سے کام چل سکے تو وہ بھی تحریر فرمادیجئے، اس وجہ سے کہ "الدین یسر" مسلّم امر ہے۔

مکرر یہ کہ ایک شبہ کا جواب عرض کرتا ہوں وہ یہ ہے کہ اس میں کفار کو اپنا مال سپرد کر دینا ہے جو ناجائز معلوم ہوتا ہے، مگر زمینداری جو سب کے نزدیک جائز ہے، اس میں جو گورنمنٹ کو مالگذاری دینی پڑتی ہے، اس کی واپسی تو محال ہے، اور اس کے عوض میں گورنمنٹ کچھ نہیں دیتی، اور پرامیسری نوٹ کی خریداری میں گورنمنٹ ہمیشہ سود دیتی ہے، جس کی تعداد غالباً سولہ سترہ سال کے بعد اصل رقم کی تعداد تک پہنچ جاتی ہے، پھر نفع ہی نفع ہے۔ فقط

محمد کامل سوداگر چشمہ امروہہ
دروازہ مرادآباد

الجواب

ہندوستان کو اگر دار حرب بھی مان لیا جاوے تب بھی جس روایت کی بناء پر "فتاوی عزیزیہ" میں دارالحرب میں سود کو کافر و مسلم کے درمیان جائز کہا گیا ہے وہ روایت ضعیف ہے، تفصیل دیکھنے کا شوق ہو تو رسالہ "رافع الضنک عن منافع البنک" مطبع اشرف المطابع تھانہ بھون سے منگا کر مطالعہ کیا جائے۔

رہا یہ کہ پرامیسری نوٹ کا مالک ہونے سے زکوٰۃ واجب ہوتی ہے یا نہیں؟ سو اس کا حکم یہ ہے کہ جب تک اصل رقم وصول نہ ہو اس وقت تک گورنمنٹ سے وہ رقم لینا جو سود کے نام سے وہ دیتی ہے جائز ہے اور اس رقم پر زکوٰۃ بھی واجب ہے۔ جب کہ بقدر چالیس عہ درہم کے وصول ہو تو وصول شدہ رقم سے چالیسواں حصّہ نکالنا واجب ہے، اور اگر ہر قسط چالیس درہم سے کم ہو تو زکوٰۃ واجب نہیں لیکن دو یا چند قسطیں چالیس درہم تک پہنچ جاویں تب اس میں زکوٰۃ واجب ہوگی، اور اگر کسی وقت پرامیسری نوٹ کو فروخت کیا جائے تو فروخت کے بعد جو رقم وصول ہوگی اس پر بھی زکوٰۃ واجب ہے، مجموعی رقم کا چالیسواں حصّہ دیدیا جاوے۔ اور پرامیسری نوٹ کو زیادت وقلت کے ساتھ فروخت کرنا جائز نہیں۔ کیونکہ وہ سکّہ نہیں محض وثیقہ ہے جو بمنزلہ حوالہ کے ہے، اور جب گورنمنٹ سے سود لیتے لیتے اصل رقم وصول ہو جائے اس کے بعد جو رقم لی جاوے گی وہ سود خالص ہے، جو قول صحیح میں جائز نہیں ہے۔

باقی رہا یہ امر کہ اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی یا نہیں؟ سو اگر آئندہ کیلئے اپنی جمع شدہ رقم چھوڑ دے تو زکوٰۃ نہیں ہے ورنہ مجموعہ پر زکوٰۃ واجب ہے، یہ نہیں کہ سود لینے کے لئے تو جواز کے قول کو اختیار کر لیا جاوے اور زکوٰۃ سے بچنے کیلئے حرمت کا قول لے لیا جاوے۔ اور سود کا حرام ہونا "الدین یسر" کے خلاف نہیں، کیونکہ سود لینا ظلم ہے اور ظلم سے روکنا یسر کے خلاف نہیں بلکہ عین یسر ہے واللہ اعلم۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ
از تھانہ بھون

گھوڑ دوڑ میں قمار جائز ہے یا ناجائز	**سوال:** عام طور پر یہ شہرت ہے کہ گھوڑ دوڑ

میں جو قمار ہوتا ہے وہ جائز ہے، بظاہر ناجائز معلوم ہوتا ہے اور حدیث سے صرف گھوڑ دوڑ کی اجازت معلوم ہوتی ہے نہ اسکے متعلق قمار کی۔

الجواب

قمار تو کسی طرح جائز نہیں جو صورت حدیث سے اور فقہاء کے کلام سے جائز معلوم ہوتی ہے وہ قمار نہیں بلکہ قمار سے خارج ہے۔

عہ چالیس درہم کی قیمت گیارہ روپیہ کے قریب ہوتی ہے، ایک درہم ۴؍ کا ہوتا ہے ۱۲ ظفر

قال فی الدر : ولا بأس بالمسابقة ان شرط المال من جانب واحد وحرم لو شرط فیہا من الجانبین إلا إذ أدخلا ثالثا بینھما بفرس کفوء بفرسیھما یتوھم أن یسبقھما وإلا لم یجز بقولہ صلی اللہ علیہ وسلم من ادخل فرسا بین فرسین وھو لا یأمن ان یسبق فلا بأس بہ وإن أمن ان یسبق فھو قمار رواہ احمد وابوداؤد وغیرھما زیلعی ۱۲ من الشامی۔

قال الشامی وصورتہ ان یقال ان سبقتما فلکما الف وان سبقتکما فلی الف انصافا وان یسبق لم یعطھما شیئاً وان سبق کل منھما الاخر فلہ ماۃ من مال الأخر قال الزیلعی وإنما جاز ھذا لان الثالث لا یغرم علی التقادیر قطعا ویقینا وانما یحتمل أن یأخذ اولا یأخذ فخرج بذلک من ان یکون قماراً إذا شرط من جانب واحد لان القمار ھوالذی یستوی فیہ الجانبان فی احتمال الغرامۃ کما بینا اھ من الشامی ص۲۹۸ ج ۵ باب الحظر والاباحۃ۔

حکیم الامۃ رحمۃ اللہ تعالیٰ۔

سودی فارم کا لکھنا اور فروخت کرنا کیسا ہے ؟

سوال : گذارش یہ ہے کہ یہ وہ فارم ہے جس کے واسطے آپ نے تحریر کیا تھا کہ فارم روانہ کرو، اس فارم کا لکھنا اور فروخت کرنا جائز ہے یا ناجائز ؟ اس میں سودی روپیہ کا قرض لکھا جاتا ہے۔

سائل۔ محمد عزیز خطوط نویس پوسٹ آفس

الجواب

گو اس کو فروخت کرنے میں اور لکھنے میں وہ گناہ تو نہیں جو سودی تحریر میں ہے کیونکہ اس کے کاتب و بائع کو کاتب الربا نہیں کہہ سکتے مگر پھر بھی یہ تحریر چونکہ سبب قریب کتابتِ ربا کا ہے اسلئے کراہت سے خالی نہیں پس اس کو بیع نہ کیا جائے۔

واللہ سبحانہ اعلم

احقر ظفر احمد عفی عنہ

یکم رمضان المبارک ۴۸ھ

مسئلہ قمار | **سوال:** گذارش یہ ہے کہ اس ملک میں کانجی ہوس کے رواج یعنی بیل بکریوں کی بند نخانہ جو لوگوں کی کھیتیاں نقصان کرتے ہیں، ان بندنخانوں کے سبب سے کھیتیوں کی حفاظت ہوتی ہے اسکا ایک نائب مقرر ہوتا ہے اسپر گورنمنٹ کی طرف سے یہ حکم ہے کہ اسمیں جتنے جانور مقید ہو دیں فی جانور چار آنے یا دو آنے کر کے مالک جانور سے لیوے اور جانور چھوڑ دیوے اور اس نائب کو گورنمنٹ کیساتھ یہ بندوبست ہوتا ہے کہ ایک سال میں چالیس یا پچاس روپے سرکار کو دیوے پس اس آمدنی سے آخر سال میں سرکار کو چالیس یا پچاس روپے دیکر اگر کچھ بچے تو اسکو یہ نفع حاصل ہوا، ورنہ سرکار ہی کو مل گیا اگر پچاس یا چالیس سے کم حاصل ہو تو اپنی طرف سے اس قدر روپے پورا کر کے دینا ہوگا اب اس صورت میں شرعاً اسکے لئے یہ جائز ہے یا نہیں؟ اور یہ آمدنی اسکے لئے حلال ہے یا حرام؟

الجواب

یہ صورت جائز نہیں فانہ مثل القمار وھو حرام۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

سود لینے، دینے والے اور گواہ وغیرہ کا حکم | **سوال:** گذارش یہ ہے کہ کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ سود لینے والے کا گناہ کبیرہ ہوتا ہے اور دینے والے، لکھنے والے اور گواہی دینے والے کا گناہ کبیرہ ہوتا ہے یا نہیں اور سود لینے والے کا اپنی ماں سے زنا کرنیکے برابر گناہ ہے، دینے والے، لکھنے والے اور گواہی دینے والے کا اپنی ماں سے زنا کرنے کے برابر گناہ ہے یا نہیں؟

الجواب من بعض العلماء

واللہ اعلم بالصواب۔ الربوا حرام قطعی حرمتہ ثابتۃ بالکتاب والسنۃ واجماع الامۃ منکر حرمتہ کافر منکر للکتاب والسنۃ والاجماع، مرتکب الربوا مرتکب لأکبر الکبائر، والاعانۃ علی الحرمۃ والمعصیۃ حرام ومعصیۃ ومن صور الاعانۃ الاعطاء والکتابۃ والشھادۃ فاعطاء الربوا حرام ومعصیۃ والمعطی مرتکب للکبیرۃ وکذا کتابۃ الربا والشھادۃ علیہ حرام ومعصیۃ والکاتب

والشاهد مرتكب للكبيرة ولذا جاء فى الحديث اللعنة عليهم جميعا وشدة حرمة الربا تضاعف سبعين ضعفا على حرمة نكاح الرجل امه فجزء من سبعين جزء من حرمة الربا يساوى حرمة نكاح الرجل امه فآكل الربا ناكح امه بتلك الكيفية والكاتب والشاهد والموكل ليسوا ناكحى امهاتهم بل هم معينون لناكح الام فعامل الربا عامل وآكل والكاتب والشاهد والموكل ليسوا بآكل كما ان معين السارق ليس بسارق فى الواقع لكن حرمة الإعانة ثابتة له فآكل الربوا والكاتب والشاهد والموكل شاركون فى اصل الحرمة والمعصية الكبيرة وان كانوا مختلفين فى قدرها۔

ودلائل هذه الامور كثيرة شهيرة يذكر منها نبذة يكون فيه كفاية قال الله تعالىٰ وأحل الله البيع وحرم الربوا۔ وقال تعالىٰ يمحق الله الربوا ويربى الصدقات وقال تعالىٰ يا ايها الذين آمنوا اتقوا الله وذروا ما بقى من الربوا ان كنتم مومنين الآية۔ وقال تعالىٰ يا ايها الذين آمنوا لا تأكلوا الربوا الآية وقال تعالىٰ وتعاونوا على البر والتقوىٰ ولا تعاونوا على الإثم والعدوان۔ وقال النبى صلى الله عليه وسلم أكل درهم واحد من الربا اشد من ثلاث وثلثين زنية يزنيها الرجل ومن نبت لحمه من السحت فالنار اولىٰ به كذا فى البحر وعن جابر رضى الله تعالىٰ عنه قال لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم آكل الربوا وموكله وكاتبه و شاهديه وقال هم سواء رواه مسلم وفى المرقاة فى قوله عليه السلام هم سواء اى فى اصل الاثم وان كانوا مختلفين فى قدره وعن ابى هريرة رضى الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: الربوا سبعون جزءًا ايسرها ان ينكح الرجل امّه رواه ابن ماجه كذا فى المشكوٰة - وفى «مالابد منه» ربا حرام قطعى است

منکر حرمت آن کافر است۔ وقال فی الحاشیۃ: مسلم از جابر رضی اللہ عنہ روایت کردہ است کہ لعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اٰکل الرّبوا وموکلہ وکاتبہ وشاھدیہ وقال: ھو سواء یعنی لعنت کردہ است آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خورندۂ ربا راکہ رباۓ ستاند وخورانندۂ ربا راکہ رباۓ دہد وبوسیلۂ آن قرض میگیرد ونویسندہ راکہ خط آن رامی نویسد وگواہان راکہ برین قضیہ گواہ می شوند از جہت اعانت وامداد ایشان امر نامشروع را وفرمود کہ آن برابر اند در وزر ولعنت وارتکاب معصیت انتہٰی۔

وفی "البنایۃ"، قال ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ: اٰکل الرّبوا وموکلہ وکاتبہ وشاھدہ اذا علموا بہ ملعونون علیٰ لسان محمد صلی اللہ علیہ وسلم انتہٰی

پس ان آیتوں اور حدیثوں سے یہ امر ظاہر ہوا کہ سود حرام قطعی ہے، سود لینے والا، دینے والا، لکھنے والا، گواہ ہونے والا سب مرتکب فعل حرام اور گناہ کبیرہ میں مبتلا اور فاسق ہیں، اور حرمت و معصیت میں سب برابر ہیں چنانچہ قولہ علیہ السلام "ھو سواء" اس پر صریح دال ہے اگرچہ مقدار حرمت میں کچھ فرق ہے، یعنی سود دینے والا اور گواہ ہونیوالا اور لکھنے والے کے گناہ کبیرہ اور حرمت و معصیت شدید ہے باعتبار معین علی المعصیۃ الکبیرہ ہونیکے، اور سود کھانے والا کے گناہ کبیرہ اور حرمت معصیت شدید تر ہے باعتبار ارتکاب نفس فعل حرام اور معصیت کبیرہ کے۔

سود کے گناہ کے ستّر اجزاء ہیں ایک ادنیٰ جزء ان میں سے اپنی ماں سے زنا کرنیکے برابر ہے۔ سود کھانے والا گویا اپنی ماں سے زنا کرنیوالا ہے، سود دینے والا، لکھنے والا اور گواہ ہونے والا اس زنا کرنیوالے کا معین ومددگار ہے۔

وقد قال النبی علیہ الصلوۃ والسلام: من رأی منکم منکرا فلیغیّرہ بیدہ، فان لم یستطع فبلسانہ فان لم یستطع فبقلبہ، وذٰلک اضعف الایمان رواہ مسلم۔

پس واجب تھا کہ سود کھانے والے کو ہاتھ سے روکنا، زبان سے منع کرنا،

کم از کم اپنے دل سے برا سمجھتا۔ حالانکہ سود دینے والا، گواہ ہونیوالا، لکھنے والا سود کھانیوالے کی اعانت علی المعصیۃ کرکے خلاف وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَی الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ اور خلاف حدیث مذکور کے کرتے ہیں، اور سخت گنہگار ہوتے ہیں، انتہیٰ

ھٰذا ما اخطر بالبال واللہ اعلم بحقیقۃ الحال، والصّلوٰۃ علی سید الانبیاء و آلہ الی یوم توفی فیہ کل نفس ماکسبت وتوزن فیہ الاعمال۔

کتبہ الاحقر محمد ادریس صحّح اللہ اعمالہ
وحصل اٰمالہ متوطن منداری

الجواب صحیح
جامع امداد الاحکام

قُلت: وقد قالت الفقہاء بجواز اعطاء الرّشوۃ للمضطر لدفع مضرّۃ لا تندفع الا باعطائھا، وامّا اخذ الرشوۃ فلایجوز بحال، والرّبا والرشوۃ من باب واحدٍ، فمقتضاہ ان یجوز اعطاء الرّبا للمضطر لدفع مضرّۃ لا تندفع الا باعطائہ، وامّا اخذ الرّبا فلایجوز اصلاً، وھٰذا وجہ اٰخر فارق بین اخذ الرّبوا واعطائہ، فالاوّل حرام فی کل حال والثانی حرام یسقط حرمتہ عند الاضطرار، وامّا جواز اخذ الرّبوا للمسلم من الحربی فتسمیتہ بالرّبا مجاز، والّا فھو لیس من الرّبو عند القائل بجوازہ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

ظفر احمد عفی عنہ خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون
۸ر محرم الحرام ۴۸ھ

مسائل جدیدہ متعلقہ ربوا وقمار

پراویڈنٹ فنڈ کا حکم | کیا فرماتے علمائے دین اس مسئلے میں کہ سرکاری ملازموں کیلئے یہ قاعدۂ عام ہے کہ اگر وہ چاہیں تو برابر اپنی تنخواہ سے ایک رقم جو کہ کم از کم چار

روپیہ یا زیادہ سے زیادہ دس روپیہ کے برابر ہو، ہر ماہ سرکار کے یہاں جمع کرد یا کریں، یہ کچھ تنخواہ بیکر پھر اتنی رقم جمع کر دینا نہیں پڑتا ہے، بلکہ تنخواہ سے سرکار کیطرف سے وضع کیجاتی ہے، پنشن کے وقت جو کچھ جمع ہوتا ہے وہ اور سیکڑہ چار یا پنچ کے حساب سے سود ملا کر ان کو دیدیا جاتا ہے، اس کو پراویڈنٹ فنڈ کہتے ہیں۔ اور اس کا منشأ یہ ہے کہ عام طور پر لوگ خود آل اولاد کیلئے یا بڑھاپے میں اپنے مصرف کیلئے جمع نہیں کر سکتے ہیں اس لئے ہر ماہ دینے کیوجہ سے بڑھاپے میں ایک اچھی رقم اصل اور سود ملکر مل جاتی ہے ــــ اس پر فتویٰ یہ طلب کرنا ہے کہ یہ سود شرعی ربوا میں شمار کیا جائیگا یا نہیں؟ اور اس کیلئے جائز ہوگا یا نہیں؟

اس کے متعلق اتنی بات کہدینا لازمی ہے کہ سرکار جو یہ سود دیتی ہے یہ اپنے گھر سے نہیں بلکہ اس روپیہ کو وہ مفید اور منفعت بخش کاموں میں لگاتی ہے مثلاً کھیتی کیلئے نہر وغیرہ جاری کرنا، ریل قائم کرنا وغیرہ ان کاموں سے گورنمنٹ کو نفع ہوتا ہے اور اس نفع کو روپیہ دینے والوں میں بجائے تجارتی اصول پر تقسیم کر دینے کے ان کو ایک مقدار معین پر سود کے نام سے دیا کرتی ہے، یہ مقدار معین ہر سال کیلئے برابر نہیں ہوتی ہے، تخمیناً دو سال قبل سیکڑہ چار روپیہ کے حساب سے دیا کرتی تھی، اور اس وقت سیکڑہ ساڑھے پانچ کے حساب سے دیتی ہے۔ علیٰ ھٰذا القیاس شرط یہ ہے کہ سرکار کو مقدار میں تغیّر و تبدّل کرنے کا حق ہوگا، اور اس میں کسی کو عذر نہیں ہوسکتا ہے، ایک پہلو سے اس لین دین کی حیثیت میں نے اوپر بیان کر دیا ہے، دوسرے پہلو سے روپیہ کا یہ لین دین بالکل سرکاری قرض کے لین دین کیطرح معلوم ہوتا ہے کیونکہ نہر وغیرہ کیلئے اس طرح سے جو کچھ روپیہ سرکار کو ملتا ہے وہ کافی نہیں ہوتا اس لئے زیادہ کی ضرورت ہوتی ہے، اور وہ عوام الناس سے قرض کے طور پر لینا پڑتا ہے، جس کی وجہ سے پرامیسری نوٹ جاری کئے جاتے ہیں، اگر اس یعنی پراویڈنٹ فنڈ سے سرکار کو روپیہ نہیں ملتا تو جس قدر قرض لیتے ہیں اس سے زیادہ لینے کی ضرورت ہوتی ہے، اس مسئلہ پر فتویٰ دینے میں ان باتوں کا خیال رکھا جائے۔

(۱) پراویڈنٹ فنڈ میں روپیہ دینا مجبوری نہیں ہے، جس کی طبیعت چاہے وہ دے سکتا ہے، جسکی طبیعت دینے کو نہ چاہے نہ دے، مگر جو روپیہ دیدیا

جاتا ہے وہ ترک خدمت تک یا ملازمت میں رہتے ہوئے مرنے تک وہ روپیہ ان کو یا ان کے وارث کو نہیں دیا جاتا۔

(۲) سود کی مقدار برابر کیلئے مقرر نہیں ہے، بدلتی رہتی ہے مگر جلد جلد نہیں بدلتی۔

(۳) استقراض کے سود کی مقدار اور پراویڈنٹ فنڈ کے سود کی مقدار لازمی طور پر برابر نہیں ہوتی، چنانچہ زمانہ موجودہ میں بھی فرق ہے۔

میں محکمۂ حساب میں ایک سرکاری ملازم ہوں اور پراویڈنٹ فنڈ میں تقریباً چھ پیسے کے حساب سے جیسا کہ اوپر تحریر ہو چکا ہے دیتا ہوں، روپیہ واپس لیتے وقت میرے لئے یا میرے وارث کیلئے جو رقم کہ بہ طور سود ملتی ہے، اس کا لینا اور استعمال کرنا جائز ہوگا یا نہیں؟ اگر نہیں جائز ہے تو اس روپیہ کو بجائے خود استعمال کرنیکے سرکاری کام میں جو رفاہ عام کیلئے ہو لگا دینا جائز ہوگا یا نہیں؟ مثلاً برسات میں دیہاتوں میں سڑک وغیرہ نہ ہونے کیوجہ سے بڑی تکلیف ہوتی ہے یا گرمیوں میں تالاب خشک ہو جانے کیوجہ سے اچھا پانی پینے کو نہیں ملتا تو اس سڑک بنوانے یا تالاب وغیرہ کھدوانے کیلئے ڈسٹرکٹ بورڈ کو دیجا سکتی ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا

الجواب

ملازمین سرکار اپنی تنخواہ سے جو رقم کٹوا کر سرکار میں جمع کرتے ہیں وہ قرض ہی ہے، اور واپسی کے وقت جو رقم اصل جمع سے زیادہ دیجاتی ہے وہ سود ہی ہے اب رہا یہ کہ اس سود کا لینا جائز ہے یا ناجائز؟ سو اس کا مدار اس پر ہے کہ دارالحرب میں کفار سے رضا کے ساتھ جو کچھ مال لیا جائے، سب مباح ہے خواہ وہ سود ہی کیوں نہ ہو یا مطلقاً مباح نہیں بلکہ جو قواعد شرعیہ کے موافق ہو وہ جائز ہے اور جو خلاف شرع ہو جیسے سود وغیرہ وہ ناجائز ہے، سو علماء کی ایک جماعت قول اوّل کی طرف گئی ہے اور یہی روایت ہے امام ابوحنیفہؒ سے اور ایک جماعت قولِ ثانی کی طرف گئی ہے اور یہی قول ہے ائمہ ثلاثہ اور صاحبین کا، اور اسی میں احتیاط ہے، گو گنجائش دوسری جانب کی بھی ہے، واللہ اعلم۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ

۷ ذی الحجہ ۱۳۴۲ھ

مال تجارت اور مکان بیمہ کرانا جائز ہے یا نہیں؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مندرجہ ذیل مسائل کے بارے میں کہ:-

۱- اپنی دکان کسی شخص کو کرایہ پر دیدی اور اس نے اس میں اپنی دکان لگائی، اور جو اس نے مال اس میں بھرا، اسکا کمپنی سے بیمہ کرالیا (موافق قواعد مروجہ فی زماننا) کہ آگ وغیرہ سے مال جل جائے۔ تو اسکا بیمہ، بیمہ کمپنی سے مل جائے۔

تو اب سوال یہ ہے کہ بہت سے ایسے دکان دار بدمعاشی کرتے ہیں۔ اور بیمہ حاصل کرنے کیلئے اپنی دکان کا مال خود جلا دیتے ہیں۔ اس میں صاحب مال کو بیمہ مل جاتا ہے۔ کچھ خسارہ نہیں ہوتا۔ مگر صاحب مکان کا خسارہ ہوتا ہے کہ مکان جل کر خاک بن جاتا ہے، اور مفت میں نقصان ہوتا ہے۔ تو کیا ایسی صورت میں جبکہ یہ بیمہ کا طریقہ رائج ہو رہا ہے۔ اور نہ کوئی ایسا ملک ہے کہ جہاں یہ طریقہ نہ ہو۔ اور کوئی ایسا شخص بھی بہت کم مل سکتا ہے کہ اسکو کرایہ پر دیں تاکہ یہ خسارہ سے بچ جائیں، ایسے وقت میں یا مالک مکان کو درست ہوگا کہ اپنے مکان کا بھی بیمہ کرالے۔ تاکہ جل جانے کی صورت میں وہ بھی خسارہ سے بچ جائے۔ اگر درست نہیں ہے تو کیا صورت اختیار کرے؟

۲- جب کوئی تاجر اپنے مال کو دوسرے ملک روانہ کرتا ہے تو اگر وہ مال کا بیمہ کرا دیتا ہے تو مال زیادہ حفاظت سے مالک تک پہنچا دیا جاتا ہے۔ اسٹر والے اسکی زیادہ حفاظت کرتے ہیں۔ تو کیا جس طرح سے ڈاکخانہ کا بیمہ وغیرہ جو کہ لفافہ کا کراتے ہیں۔ وہ درست ہے تو یہ بھی درست ہوسکیگا یا نہیں؟ اور اگر مال کا بیمہ کوئی اور کمپنی کرے مگر چونکہ بیمہ کمپنی اور اسٹر والوں میں معاہدہ ہوتا ہے۔ اس بنا پر بیمہ کیا ہوا مال وہ زیادہ حفاظت سے پہنچاتے ہیں، تو اس صورت میں بیمہ درست ہوگا؟ جواب مفصل سے مستفید فرمائیے گا۔ فقط

ابراهیم موسیٰ سوجھ
بکس ۱۷۳ رنگون۔ برھما

الجــواب

بیمہ کمپنی سے مکان کا بیمہ کرانا جائز نہیں، کیونکہ بیمہ کمپنی اس مکان کی

حفاظت نہیں کرتی، نہ اس سے نگہبانی مکان پر عقد اجارہ ہوتا ہے، بلکہ وہ تو سالانہ یا ماہوار مالک مکان سے ایک خاص مقدار رقم کی لیتی رہتی ہے، اور اس رقم لینے کی وجہ سے اسکے معاوضہ میں بوقت سوختگی مکان کے مکان کی قیمت ادا کر دیتی ہے، جسمیں کبھی تو کمپنی کو نفع ہوتا ہے اگر مکان مدت دراز کے بعد جلا ہو اور اس مدت میں کمپنی کو قیمت مکان سے زیادہ رقم پہنچ گئی ہو۔ اور کبھی صاحب مکان کو نفع ہو جاتا ہے اگر مکان جلدی سوختہ ہو گیا، اور کمپنی میں رقم قلیل پہنچی، اور یہ صورت قمار کی ہے۔ اور حقیقت اسکی ربوا ہے، اسلئے جائز نہیں۔

اور اگر یہ اندیشہ ہو کہ دکان کو کرایہ پر لینے والا کبھی خود اسمیں آگ لگا دیگا تو اس اندیشہ سے بچنے کی یہ صورت ہے: جس شخص کو دکان کرایہ دی جائے اس سے ایک عہد تو دکان کے استعمال کا کیا جائے، اس صورت میں تو مالک دکان اس سے کرایہ لیگا۔ اور دوسرا عقد حفاظتِ دکان پر کیا جائے کہ ہم تمکو اپنی دکان کی حفاظت کیلئے اجیر بناتے ہیں۔ اور اس حفاظت کے معاوضہ میں ماہوار تمکو اتنا دیا کرینگے یا سالانہ (یعنی مالک دکان کرایہ دار کو حفاظتِ دکان کا معاوضہ دیگا) اور اگر دکان میں آگ لگی، یا اور کوئی نقصان آیا، تو تم قیمت دکان کے ضامن ہوگے۔ اور اگر بیمہ کمپنی سے بھی اسیطرح عقد کیا جائے کہ ہم تمکو اپنی دکان کی حفاظت کیلئے اجیر بناتے ہیں، اور حفاظت دکان کا معاوضہ سالانہ یا ماہوار اتنا دیا کرینگے، اور بوقت دکان یا مکان کے جل جانے یا گر جانے کے تم دکان یا مکان کے کل قیمت کے ضامن ہوگے۔ تو یہ صورت درست ہے۔

قال فی الدر: واشتراط الضمان علی الأمین کالحمامی و الخانی باطل، بہ یفتی، خلاصہ، قال الشامی: واما من جری العرف بأنہ یأخذ فی مقابلۃ حفظہ أُجرۃً یضمن، لانہ ودیع بأجرۃ، لکن الفتوی علی عدمہ۔ سائحانی۔ قال: وانظر حاشیۃ الفتال۔ وقد یفرق بأنہ ھنا مستاجر علی الحفظ قصداً: بخلاف الأجیر المشترک، فانہ مستاجر علی العمل۔ تأمل

اھ (ج ۴ ص ۵۶۷)، باب الودیعة۔
وفی الدر فی باب ضمان الأجیر، ولا یضمن ما هلك فی یده وإن شرط علیه الضمان، لأن شرط الضمان فی الأمانة باطل کالمودع خلافاً للأشباه اھ قال الشامی: قوله خلافاً للأشباه - أی من أنه لو شرط ضمانه ضمن اجماعاً وهو منقول عن الخلاصة، وعزاه ابن ملك للجامع اھ (ج ۵ ص ۶۱ و ۶۲)

اور اس سے معلوم ہوگیا کہ سوال سوم میں جس بیمہ سے سوال ہے یعنی ڈاکخانہ کا بیمہ اور ڈاکخانہ سے ضمان لینا وہ جائز ہے کیونکہ اسکی حقیقت عقد اجارہ ہے، اور اجیر پر ضمان کی شرط ہے، اور ڈاکخانہ اس ذمہ داری کے معاوضہ میں اجرت زائد لیتا ہے تو یہ جائز ہے۔ اور یہی صورت بیمہ کمپنی کے ساتھ معاملہ میں اختیار کیجائے کہ اس سے حفاظتِ مکان ودکان پر عقد اجارہ کیا جائے اور حفاظت کے معاوضہ میں کچھ اجرت کمپنی کو ماہوار یا سالانہ دی جائے۔ اور مکان ودکان کے جل جانے پر اس سے ضمان لیا جائے تو درست ہے۔ بدون اسکے جو صورت بیمہ دکان و مکان کی رائج ہے وہ درست نہیں۔ واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ
از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ
۲۷ صفر ۱۳۴۵ھ

بیمہ کمپنی سے جان یا مال کا بیمہ کرانا کیسا ہے؟

سوال:۔ میں لف خط ہذا دو اشتہار ارسال کرتا ہوں، ایک اکرامی کے متعلق ہے اس کی شرائط حسب ذیل ہیں:۔
میری عمر آج ۳۵ سال ہے، اگر آئندہ دس سال تک میں کمپنی کو ۱۰۵۰ روپئے سالانہ دیتا رہوں، تو کمپنی دس سال کے بعد مجھکو مبلغ دس ہزار ۱۰۰۰۰ روپئے نقد دینے کا وعدہ کرتی ہے، اب دس سالوں میں میرا ۱۰۵۰۰ روپئے انکے پاس چلا جائیگا، اس ۵۰۰ روپئے کے عوض وہ مجھسے وعدہ کرتے ہیں کہ اگر خدانخواستہ میری موت قبل از دس سال واقع ہوجائے، تو وہ انشاء اللہ فوراً دس ہزار روپئے میرے ورثاء کو ادا کردینگے۔ اب سوال یہ ہے کہ کہاں سے یہ فالتو رقم دینگے؟

مجھے بتلایا گیا ہے کہ بیشتر اس سے کہ وہ اقرار نامہ پر دستخط کریں مجھ سے میری عادات اور گذشتہ حالات صحت کے متعلق ایک بیان باقرار صالح حاصل کرینگے پھر کسی ڈاکٹر سے سرٹیفکٹ حاصل کرینگے کہ بوقت معاینہ میری صحت بالکل درست ہے (اس سے کوئی غرض نہیں ہے کہ ایک ساعت بعد کیا ہو)۔ پھر مجھ سے ۱۰۵۰۔۔ پہلے سال کی قسط لیکر اقرار نامہ مجھے دیدینگے ۔ اسی طرح اگر ایک ہزار آدمی بیمہ کرائے تو وہ کمپنی کو (بشرط زندگی) ۵۰۰۰۰۰ پانچ لاکھ روپیہ زائد دیگا۔ لیکن کمپنی اپنے گذشتہ باون سال کے تجربہ پر مبنی اعداد سے بتلاتی ہے کہ خداوند تعالیٰ مسبب الاسباب ہر حیات و موت کے سلسلہ کو ایک خاص قانون کے ماتحت کارفرماں کرچکے ہیں، اور وہ یہ ہے کہ ہر ۱۰۰۰ ہزار انسان جو آج کامل الصحت اور شرابخوری اور نشوں سے بھرے ہوں، ان میں سے آئندہ دس سالوں میں صرف اسّی آدمی مرتے ہیں اس طرح کمپنی کو اسی آدمی تقریباً نصف روپیہ یا نصف میعاد تک روپیہ ادا کرکے فوت ہوجاتے ہیں، گویا کمپنی کو ۸۰ آدمیوں کو فی کس بحساب اوسط ۵۰۰ ہزار کل ۴۰۰۰۰ چالیس ہزار پلے سے دینا پڑتا ہے۔ اور ہزار آدمیوں میں سے ۹۲۰ سے ۵۰۰ فی کس منافع ہوتا ہے، کل منافع ۴۶۰۰۰۰ چار لاکھ ساٹھ ہزار، گویا ان اسّی آدمیوں کو ادا کرکے بھی چار لاکھ بیس ہزار بچتا ہے۔ فیس سولہ ہزار اور دیگر اخراجات بیس ہزار نکال کر تقریباً ساڑھے تین لاکھ بچتا ہے، جو کہ حادثات اور دیگر غیر متوقع اسباب سے پیدا شدہ اموات کیلئے کافی سے بھی بہت زیادہ ہوتا ہے۔ کمپنی اپنے ان حصہ داروں کو جو بیمہ ہونے والے اشخاص کے اصل رقم کے ذمہ دار بنتے ہیں۔ تقریباً بیس روپئے سالانہ منافع تقسیم کرتی ہیں۔ مجھے اس طرح یہ بتایا گیا ہے کہ یہ بیوپار اور صریح بلکہ واضح ترین اور مفصل ترین اقرار نامہ ہے جو دو فریق آپس میں کرتے ہیں۔

دوسری صورت یہ ہے:۔ کہ اگر میں کمپنی کو (۲-۱۰۹۸) ایک ہزار اٹھانوے روپئے دو آنے سالانہ دینے کا اقرار کروں، تو کمپنی کے حصہ دار مجھے دس سال کیلئے اپنے نفع و نقصان میں شامل کرلینگے ۔ اس صورت میں کمپنی کو جو منافع ہوا کریگا اسکا دسواں حصہ حصہ داروں کو دیا کرینگے۔ اور بقایا نو حصہ رسدی تمام ایسی بعید شدہ اشخاص میں تقسیم کردیا کرینگے جو انکے حصہ دار (بصورت مذکورہ بالا) بن جائیں

یہ منافع پچھلے سال بیمہ کرانے والوں کو بحساب اٹھارہ روپئے فی ہزار ملا۔ اس سے پندرہ۔ بارہ اور آٹھ بھی رہا۔ لیکن آئندہ اٹھارہ سے بھی بڑھ جانے کو توقع ظاہر کی جاتی ہے۔ لیکن ذمہ نہیں لیتے، نقصان بھی ممکن ہے گو اس وقت حالت ایسی اچھی ہے کہ نقصان کا احتمال غیر اغلب ہے۔

حضرت مولانا صاحب! میں اسمیں دو چیزیں مفید سمجھتا ہوں:۔

(۱) کہ انسان کو جمع کرنیکی عادت ہوجاتی ہے۔ اور وہ کچھ نہ کچھ جمع کرتا رہتا ہے اور پھر اُسے فوراً خرچ نہیں کرسکتا، بلکہ دس سال کے بعد اس کے ہاتھ آتا ہے۔ جلد موت ہوجانے والے ارکان کو کافی امداد مل جاتی ہے۔ اور عمر طبعی تک پہنچنے والوں کو محسوس ہی نہیں ہوتا کہ انہوں نے ان یتائی اور بیوگان کی امداد کیلئے کچھ زائد دیا ہے۔ پھر کوئی شخص نہیں کہہ سکتا کہ ہزار آدمی میں سے کون سے جلد مرینگے۔ اور کون وقت مقررہ بیمہ کے بعد، کہ یہ صرف خداوند قادر کے ہاتھ میں ہے۔ لھٰذا ملتجی و مستدعی ہوں کہ اپنے ارشادات سے فیضیاب کریں کہ عمل کرکے دین و دنیا میں سرخرو ہوں۔ والسلام

نیازمند خادم ازلی بشیر احمد

انسپکٹر اورنٹل لائف آفس

برائے ڈاکٹر عزیز احمد صاحب

الجواب

میں نے اس تمام تحریر میں اور کمپنی کے اشتہارات میں غور کیا تو مجھے معلوم ہوا کہ کمپنی جو رقم سالانہ لیتی ہے، اور دس سال سے پہلے موت واقع ہوجانے پر دس ہزار روپئے ورثہ کو دیتی ہے یہ انعام و بخشش نہیں بلکہ دراصل یہ معاوضہ ہے اس رقم کا جو ماہانہ یا سالانہ داخل کی جاتی ہے۔ کیونکہ ان کو مقصود وہی ہے اور درحقیقت یہ سود ہے۔ کیونکہ دس سال پورے ہوجانے پر کمپنی بحساب ۱۵۰۰ دس ہزار پانچسو کے صرف دس ہزار واپس کرتی ہے۔ اس صورت میں بیمہ کرنے والا کمپنی کو سود دیتا ہے اور دس سال سے پہلے موت ہوجانے پر کمپنی اسکو سود دیتی ہے کہ پانچ ہزار یا سات ہزار کے معاوضہ میں دس ہزار روپئے دیتی ہے، اور ظاہراً یہ ایک قمار ہے یعنی جوا جسمیں بیمہ کرنے والا دس سال سے پہلے مرجانے میں اپنی جیت سمجھتا ہے۔ اور کمپنی دس

سال پورے ہوجانے پر اپنی جیت سمجھتی ہے۔ لہٰذا یہ فعل شرعاً جائز نہیں ۔ نہ ان علماء کے نزدیک جو ہندوستان میں معاملہ سود کو کفار کے ساتھ بھی حرام سمجھتے ہیں۔ اور نہ ان کے نزدیک جو ہندوستان میں کفار کے ساتھ معاملات ربوا کو جائز سمجھتے ہیں۔ کیونکہ ان کے نزدیک شرط جواز یہ ہے کہ نفع مسلمان کو ملے۔ اور اس صورت بیمہ میں مسلمان ہی کو نفع ملنا متیقن نہیں بلکہ غالب یہ ہے کہ کمپنی کو نفع زیادہ ہوتا ہے جیساکہ خود آپکی تحریر سے ظاہر ہے کہ ہزار آدمیوں میں سے دس سال کے اندر ۸۰ آدمی مرتے ہیں، اور ۹۲۰ آدمیوں میں سے کمپنی کئی لاکھ کا سود حاصل کرلیتی ہے۔

قال الشامی تحت قول الدر: ولا بين حربي ومسلم مستأمن ولو بعقد فاسد أو قمار شمله ما نصه:۔ قال في الفتح القدير: لا يخفى أن هٰذا التعليل إنما يقتضي حل مباشرة العقد اذا كانت الزيادة ينالها المسلم، والربا أعم من ذلك، اذ يشمل ما إذا كان الدرهمان[1] في بيع درهم بدرهمين من جهة المسلم أو من جهة الكافر، وجواب المسئلة[2] عام في الوجهين، وكذا القمار قد يفضي إلى أن يكون مال الخطر للكافر، بأن يكون الغلب له۔ فالظاهر ان الإباحة بقيد نيل المسلم الزيادة، وقد الزم الاصحاب في الدرس أن مرادهم من حل الربا والقمار ما إذا حصلت الزيادة للمسلم نظراً إلى العلة، وإن كان إطلاق الجواب خلافه. والله سبحانه اعلم اھ قلت: ويدل على ذلك ما في السير الكبير وشرحه۔ حيث قال: واذا دخل المسلم دار الحرب بأمان، فلا بأس بأن ياخذ منهم اموالهم بطيب أنفسهم بأي وجه كان، لأن إنما أخذ المباح على وجهٍ عري عن الغدر، فيكون ذالك طيباً له، والاسير المستامن من سواء، حتى لو باعهم درهما

---

[1] في رد المحتار زيادة۔ أي ..... راجع النسخة الجديدة ۵ : ۱۸۶،

[2] في رد المحتار زيادة۔ بالحل عام الخ۔ المرجع نفسه۔

بدرهمين، أو باعهم ميتة بدراهم، أو أخذ مالاً منهم بطريق القمار، فذلك كله طيب له اھ ملخصاً۔

فانظر كيف جعل موضوع المسئلة الأخذ من أموالهم برضاهم. فعلم أن المراد من الربا والقمار في كلامهم ما كان على هذا الوجه، وإن كان اللفظ عاماً، لأن الحكم يدور مع علته غالباً اھ ج ۴ ص ۲۵۱[1]۔

اس سے معلوم ہوا کہ جو لوگ دار الحرب میں کفار سے معاملات ربا کو جائز بھی کہتے ہیں وہ اس شرط سے اسکو جائز کہتے ہیں کہ نفع اور زیادت مسلمان کو حاصل ہو، اور بیمہ کی صورت میں یہ شرط متحقق نہیں ہوسکتی، بلکہ غلبۂ ظن میں اسکے خلاف کا تحقق ہے کہ نفع زیادہ تر کمپنی ہی کو ہوتا ہے۔ پھر جب ایک "دفعہ" کمپنی کے قواعد میں ایسی بھی ہے کہ بیمہ کرنے والا زائد رقم دیکر کمپنی کا حصہ دار بھی بن سکتا ہے۔ تو قوی احتمال ہے کہ کمپنی کے اندر حصہ داروں کے حصے سے لینا تو کسی حال میں بھی جائز نہیں۔ پس بیمہ جان یا دکان وغیرہ کا کرانا کسی طرح جائز نہیں۔ واللہ اعلم

حررہ الأحقر ظفر احمد عفا عنہ

۲۰ صفر ۱۳۴۵ھ

از خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون

پراویڈنٹ فنڈ اور اسپر وجوب زکوٰۃ کا حکم

سوال:۔ جناب کا ایک فتویٰ میں نے دیکھا تھا کہ سود فنڈ لینا جائز ہے، اسوجہ سے کہ زرِ فنڈ ملک نہیں ہے، اور اس رقم پر جو ملک نہ ہو مزید روپیہ جو ہے وہ سود نہیں گو وہ سود کے نام ہی سے موسوم کیوں نہ ہو۔

فنڈ دو قسم کے ہوتے ہیں:۔

(۱) قسم اول ریلوے کے دفتروں میں کچھ روپیہ تنخواہ میں سے وضع ہوجاتا ہے، اسپر مزید روپیہ سود کے نام سے ملتا ہے۔ یہ روپیہ ملازمت ترک کرنے پر ملتا ہے، یہ روپیہ جبریہ وضع ہوتا ہے خواہ اہلکار رضامند ہو یا نہ ہو۔

---

[1] النسخة الجديدة مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی ج ۵ ص ۱۸۶۔

(۲) قسم دوم گورنمنٹ کے دفاتر میں ملازمانِ سرکار از خود فنڈ وضع کراتے ہیں یہ فنڈ خود اختیاری ہے، خواہ ملازم سرکار وضع کرائے یا نہ کرائے، تنخواہ ملنے سے پیشتر ہی فنڈ وضع ہو جاتا ہے، ملازم سرکار اس فنڈ کو ملازمت ترک کرنے سے پیشتر نہیں لے سکتا مگر جب چاہے فنڈ وضع کرانا بند کر دے۔

(۳) کیا قسم دوم فنڈ پر بھی سود لینا جائز ہے؟

(۴) اگر جائز نہیں تو وہ زرِ فنڈ ملک میں داخل ہے تو کیا اسپر زکوٰۃ دینا لازم ہوگا؟

(۵) ایک محتاج شخص کو عمر پانچ روپیہ ماہوار بلا کسی محنت واحسان کے لِلّٰہ دیا کرتا ہے، عمر پہ دس روپیہ زکوٰۃ واجب ہوتی ہے۔ ماہِ شعبان ورمضان شریف میں پانچ روپیہ دیتے وقت ادائیگی زکوٰۃ کی نیت کر لیتا ہے کیا اس صورت سے زکوٰۃ ادا ہو جائیگی؟

جوابات

(۱) ان الفاظ سے حضرت مولانا کا کوئی فتویٰ نہیں ہے اگر آپ نے دیکھا ہے تو بعینہٖ عبارت مع حوالہ صفحہ وغیرہ لکھکر بھیجیں۔

اشرف علی کہتا ہے کہ اگر فتویٰ ہو بھی تو مبنی اسکا یہ مقدمہ ہے کہ زرِ فنڈ ملک نہیں، اور یہ مقدمہ صحیح نہیں۔ اسلئے وہ فتویٰ ہی صحیح نہیں مجھکو خیال پڑتا ہے کہ میں ترجیح الراجح میں اس سے رجوع کر چکا ہوں۔

(۲) ـــ ہاں اس صورت میں جو روپیہ سود کے نام سے گورنمنٹ دیتی ہے وہ حقیقت میں سود نہیں ہے، اسکا لینا جائز ہے۔

لأن مالهم مباح برضائهم. وإنما يلحق في محض الصور إثم العقد، ولا عقد بالجبر.

(۳) ــــــ یہ صورت جائز نہیں کیونکہ جب یہ شخص ماہوار پوری تنخواہ کا مستحق ہے تو اس میں سے کس جزو کو وضع کرانا اور اسپر زیادت لینا تأجیل دین کا عوض لینا ہے، اور اجل کا معاوضہ لینا حرام ہے، لہٰذا قصداً ایسا معاملہ نہ کیا جائے۔ گورنمنٹ جبریہ وضع کرے تو اور بات ہے، اپنے اختیار سے ایسا نہ کیا جائے۔ اور

اگر کسی نے ایسا کیا ہو تو وہ بعد میں اس رقم کو صدقہ کردے۔

(۴) ـــــ اس صورت میں جتنی تنخواہ وضع ہوتی ہے اسپر ابھی زکوٰۃ نہیں۔ بلکہ جب وصول ہوجائے، اور وصول کے بعد اسپر سال گذرے تب زکوٰۃ واجب ہوگی، مگر یہ کہ وصول کے وقت اسکے پاس پہلے سے نصاب موجود ہو۔ تو نصاب سابق کے ساتھ ملا کر سب کی زکوٰۃ دینا ہوگی۔

وهي مسئلة الدين، وهو عند الإمام على ثلاثة انواع: قوي ومتوسط وضعيف، وهذا الدين من الضعيف، لأنه بدل غير مال. كمهر وبدل كتابة ونحوهما، ولا زكوٰة فيه قبل القبض كما في الدر والشامية (ج۲ ص۵۷)

قلت: قد عرفوا الدين القوي بما يملكه بدلاً عن مال الزكوٰة كقرض، وبدل مال تجارة، وثمن سائمة ونحوها. والدين المتوسط بما يملكه بدلاً عن مالٍ غير مال الزكوٰة كثمن عبيد خدمة ونحوها مما هو مشغول بحوائجه الأصلية كطعام وشراب واملاك۔

والدين الضعيف بما يملكه بدلاً عما ليس بمالٍ كالمهر وبدل الخلع والدية وبدل كتابة، ولا زكوٰة فيه عند الإمام حتى يقبض نصاباً، ويحول عليه الحول كما ذكره في الدر والشامية (ج۲ ص۵۵-۵۷، والهندية ج ۱ ص۱۱۳)۔

واختلفت الروايات في أجرة دار التجارة وأجرة عبد التجارة في رواية لا زكوٰة فيها حتى يقبض ويحول عليه الحول، لان المنفعة ليست بمال حقيقة، فصار كالمهر، وفي ظاهر الرواية تجب، ويجب الاداء إذا قبض نصاباً اھ من الشامية نقلاً عن المحيط (ج۲ ص۵۸)

قلت: ووجه ظاهر الرواية أن منافع مال التجارة بمنزلة ثمنها. وعبيد التجارة متقومة، ولكن منافع الحر ليست بمال حقيقةً۔ وإنما جوز الشارع أخذ عوضهما في الإجارة ضرورة

فالظاهر دخول اجرتها فی الدین الضعیف حتماً. یشیر الیه تقییدهم الأجرة بدار التجارة وعبید التجارة، فإن أجرة دور السکنی و وأجرة عبید الخدمة لا زکوٰة فیهما مالم تقبض وتبلغ نصاباً، ویحول علیها الحول. قال قاضیخان فی فتاواه: اذا أجره داره أو عبیده بمائتی درهم. لا تجب الزکوٰة مالم یحل الحول بعد القبض فی قول أبی حنیفة‌ؒ. فان کانت الدار أو العبد للتجارة، و قبض اربعین درهمًا بعد الحول کان علیه درهم بحکم الحول الماضی قبل القبض، لأن أجرة دار التجارة وعبد التجارة بمنزلة ثمن مال التجارة فی الصحیح من الروایة اهـ (ج ۱ ص۱۲۱)

قلت: ولکن إذا لم یکن الدار والعبد للتجارة فقد صرح بأن لا زکوٰة فی اجرتها مالم تقبض وتبلغ النصاب، ففی اجرة منافع الحر بالأولی. والله اعلم.

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ
۱۴ شعبان ۱۳۴۵ھ

باب القرض والدین

بشرط تعجیل دائن کا مدیون سے دین میں کمی کرنے کا حکم

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ عمرو نے بکر کو کچھ مال فروخت کیا، اور کہدیا کہ بیس روز کے عرصہ میں رقم ادا کردینا۔ لیکن عمرو پندرہ روز میں آیا اور بکر سے روپیہ کا تقاضا کیا، اور کہا کہ میں خوشی سے ایک روپیہ یا دو روپیہ کچھ زائد چھوڑتا ہوں۔ اگر تم مجھکو اس وقت روپیہ دیدو، تو یہ رقم ایک روپیہ یا دو روپیہ یا زائد جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

صورت مسئولہ میں مدیون کو یہ رقم ایک روپیہ دو روپیہ جو قرضخواہ

نے چھوڑے ہیں حلال نہیں، کیونکہ اس نے پیشگی لینے کے واسطے یہ رقم چھوڑی ہے، اور مدیون بھی اسوجہ سے رقم چھوڑ رہا ہے کہ اس سے وقت سے پہلے مطالبہ کیا گیا ہے، تو یہ رقم اجل کا عوض ہوئی، اور اجل کا معاوضہ لینا حرام ہے۔ صرح بہ فی الهداية (ج ۳ ص۲۳۵) ولوكانت له ألف مؤجلة، فصالح على خمس مائة حالة لم يجز، لان المعجل خير من المؤجل، وهو غير مستحق بالعقد، فيكون بازاء ماحطه عنه، وذلك اعتياض عن الأجل وهو حرام۔ قال المحشي: والأصل فيه أن الإحسان متى وجد من الطرفين يكون محمولاً عن المعاوضة كهذه المسئلة، فان الدائن اسقط من حقه خمس مائة والمديون اسقط حقه من الأجل، فيكون معاوضة۔ بخلاف ما إذا صالح من ألف على خمس مائة، فانه يكون محمولاً على إسقاط بعض الحق دون المعاوضة۔ لأن الإحسان لم يوجد إلا من طرف رب الدين ۱۲ ک۔

قلت: وقد غفلت مرة عن هٰذا الأصل، وحملت المسئلة على مطلق الإحسان، واستغفر الله العظيم۔

مدیون سے خرچہ مقدمہ لینا جائز ہے؟ | سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ زید نے عمرو کو بیس۲۰ روپیہ قرض دیئے، عمرو نے اسکا قرضہ ادا نہ کیا عدالت نے اس کے اوپر بیس روپیہ کی ڈگری دی، اب زید کا اس معاملہ میں دس روپیہ صرف ہوگیا، زید کہتا ہے کہ دس روپیہ میرے صرفہ کے اور بیس روپیہ اصل دیدیجئے، عدالت سے پانچ روپیہ صرفہ کے، اور پانچ روپیہ سود کے ملکر تیس۳۰ روپیہ ملتے ہیں۔ یہ طریقہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

اگر یہ دس روپیہ ضروری اخراجات میں صرف ہوئے، فضول خوشامدوں میں صرف نہیں ہوئے تو بیس کے علاوہ دس روپیہ کا لے لینا بھی زید کو جائز ہے، مگر تقویٰ کے خلاف ہے، اور اگر فضول خوشامدوں میں یہ صرف ہوا ہے تو انکا لینا جائز نہیں۔

حرام رقم سے قرض ادا کرنے کا حکم | **سوال ۱۷۱**: (الف) زید نے بکر سے کچھ رقم قرض لی، جسکو زید نے وجہ حرام کے روپیہ سے بذریعہ منی آرڈر بکر کو ادا کیا، تو آیا بکر کیلئے ایسی رقم کا بعوض اپنے حلال روپیہ کے لینا جائز ہوگا یا نہیں؟

(ب) درصورت عدم جواز اگر بکر نے بوجہ عدم علم مسئلہ لے لیا، تو اب اس رقم کو کیا کرے۔

۲: درصورت عدم جواز اگر بکر نے مذکورہ بالا رقم کو زید مدیون سے بوجہ عدم علم مسئلہ اپنے روپیہ کے عوض لے لیا، اور اس رقم کو ڈاکخانہ کے بینک میں داخل کر دیا، اور بعدہ اس رقم کو بینک سے لیکر عمرو کو ھبہ یا قرض دے سکتا ہے یا نہیں؟ اور عمر کو اس رقم کا قرض یا ھبہ لیکر اپنے استعمال میں لانا جائز ہوگا یا نہیں؟

الجواب

بکر اسکے لینے سے انکار نہیں کر سکتا۔

قال فی السراجیة: المغنیة إذا قضت دینها من کسبها أجبر الطالب علی الاخذ، کذا فی فتاوی العلامة عبد الحی اللکھنوی۔

پس زید اس صورت میں دین سے سبکدوش ہو جائیگا، اور بکر کو اسکا لینا جائز ہوگا رہا یہ کہ بکر کیا کرے؟ اسکو اپنے تصرف میں لاتے یا نہیں، اسکا جواب اس وقت دیا جائیگا جبکہ چند امور کی تنقیح ہو جائے:۔

(۱) وہ وجہ حرام کیا ہے؟

(۲) زید کی آمدنی وجہ حرام کے سوا کچھ حلال بھی ہے یا نہیں؟

(۳) حلال آمدنی زیادہ ہے یا حرام؟

(۴) اور حرام و حلال رقم مخلوط ہے یا غیر مخلوط؟

فقط۔ ظفر احمد عفا اللہ عنہ

۱۰ر شعبان ۱۳۴۴ھ

غیر مسلم قرضدار لاوارث مرجائے تو اسکا قرضہ کیسے ادا کیا جائے؟ | **سوال**: کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک مسلمان نے تخمیناً ساٹھ

ستر برس ہوئے ایک ہندو سے دست گرداں بلا تحریر قرض لیا، قرض دینے کے تخمیناً ایک سال کے اندر وہ ہندو قرض دینے والا کسی دوسرے مقام کو چلا گیا، اور وہیں مرگیا۔ اب اسکا کوئی وارث نہیں ہے۔ قرض لیتے وقت کوئی معاہدہ نہیں ہوا تھا کہ ہم کتنے دن میں ادا کرینگے۔ قرضدار مسلمان اپنا قرضہ جسکی تعداد اسّی روپیہ ہوتی ہے ادا کرنے کو تیار ہے، لیکن کس کو ادا کرے؟ قرض دینے والا لاوارث مرگیا ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ مسلمان قرضدار کیلئے کوئی چارہ کار یا تدبیر شرعی ایسی ہے کہ جس سے وہ مسلمان بار قرض سے سبکدوش ہوسکے؟

شیخ وہاج الدین احمد
مقام وڈاکخانہ امیٹھی
ضلع سلطان پور اودھ
۱۲/ اگست ۲۷ء

الجواب

اول تفتیش کامل ضروری ہے کہ یہ ہندو کس خاندان کا تھا، اور اس خاندان کے لوگ کہاں رہتے ہیں، اگر اسکے خاندان کا پتہ چل جائے، تو اس ہندو کے باپ، دادا، پردادا وغیرہ کی اولاد میں جو شخص اسکا سب سے زیادہ قریبی رشتہ دار ہو اسکو یہ رقم ادا کردی جائے اگر اسکے خاندان کا پتہ معلوم نہ ہوسکے تو سوال دوبارہ کیا جائے، اور یہ پرچہ بھی واپس کیا جائے۔

قال فی العالمگیریۃ: الکفار یتوارثون فیما بینھم بالأسباب التی یتوارث بھا أھل الاسلام فیما بینھم من النسب والسبب الخ ج ۶ ص ۴۹۷

ولا شك أن المسلم لومات کذلك، لا یدری له وارث، یلزم التفتیش والتنقیب عن ورثته الاباعد، لما روی الطحاوی فی مشکله بسنده عن عبد اللہ بن بریدۃ عن أبیه قال: أتی النبی صلی اللہ علیه وسلم رجل، فقال: عندی میراث رجلٍ من الأزد۔ ولا اجد أزدیًا۔ أدفعه إلیه، قال: تربص به حولاً، قال: ففعل، ثم أتاہ۔ فقال: إذھب

فادفعه إلى أكبر خزاعة. وذكر له طرقاً عديدة. وصرح بوجوب التنقيب في مثل هذه الصورة. والله اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ
۱۶ ر صفر ۱۳۴۶ھ

معاملہ قرض کی ایک صورت کا حکم

سوال: اگر مسلمان بوقت ضرورت از ہنود روپیہ سودی قرض گیرد و بوفق دستور ہنود دلیل سودی بدہد، و بوقت ادائے آن قرض برائے احتراز از گناہ سود دادن قدرے کم از روپیۂ اصل ہنود را دہد، و بعوض ما بقیہ روپیہ این قدر شالے وغیرہ کہ از جنس روپیہ نباشد بدہد، کہ ہنود را بحساب سود گرفتن خسارت نیفتد، پس آن مسلمان از گناہ سود دادن محفوظ خواہد شد یا نہ؟ بینوا توجروا عند اللہ

الجواب

اس صورت میں سود دینے کے گناہ سے تو یہ شخص محفوظ رہیگا صرف معاملہ سودی کرنے کا گناہ رہا، اگر بدون اضطرار کے یہ عقد ہوا تھا اس سے استغفار کیا جائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ أتم واحکم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ
۱۰ ر شعبان ۱۳۴۶ھ

قرض میں بشرط تعجیل کمی کرنا جائز نہیں ہے

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے سو بیگہ زمین موہری رام کو اس شرط پر ٹھیکہ پر دیدی کہ زر ٹھیکہ بارہ سو روپیہ میں سے چھ سو ماہ دسمبر ۲۸ء میں بوقت فصل دیگا، اور باقی چھ سو روپیہ کی دوسری قسط ماہ اپریل ۲۹ء میں دیگا، زید کو ماہ جنوری ۲۸ء میں یعنی پہلی قسط سے ہی سات ماہ قبل سخت ضرورت پیش آگئی، اور زید نے موہری رام ٹھیکیدار سے کہا کہ روپیہ کی ابھی سخت ضرورت ہے۔ جون ۲۸ء میں تم ابھی دیدو۔ موہری رام ٹھیکیدار نے کہا کہ تم بارہ سو روپیہ میں سے دو سو کے قریب زر سود علیحدہ کرکے باقی ہزار روپیہ لے لو تو کیا بوقت ضرورت شدیدہ اسطرح روپیہ لینا جائز ہے؟ اگر ناجائز اور حرام ہے تو کیا دوسری کوئی ایسی صورت ہے کہ جس سے اس میں جواز کی صورت نکل سکے،

اور زید روپیہ بھی جس قدر موہری رام کہتا ہے حاصل کر سکے، اور سود کے عذاب عظیم سے نجات حاصل کرلے، زید روپیہ حاصل کر کے اس سو بیگہ کی قیمت گورنمنٹ کو ادا کریگا، اگر اسوقت نہ کیا تو گورنمنٹ آئندہ سال بجائے ہزار روپیہ کے بارہ سو لیگی، اور دو سال بعد چودہ سو، اور تین سال بعد سولہ سو، علی ھذا القیاس ہر سال دو سو کی رقم گورنمنٹ بڑھاتی رہیگی یہ بھی سود ہوگا۔ بینوا توجروا

الجواب

دَین میں سے بشرط تعجیل کمی کرنا جائز نہیں کہ معاوضۂ اجل ہے اور یہ ربوا ہے البتہ ایک صورت سے جائز ہے کہ مدیون سے قرض کو غیر جنس[عہ] سے وصول کرے۔ مثلاً بارہ سو کے عوض ایک ہزار کی گنیاں، یا کچھ روپیہ اور کچھ پیسے یا کچھ روپیہ اور کچھ ٹکٹ کی ریزگاری۔ اس صورت میں یہ کہا جائیگا کہ اس نے بارہ سو روپیہ کے عوض یہ رقم لی ہے ولا ربوا حین اختلاف الجنس۔ واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ
یکم ذی الحجہ ۴۶ھ

قرضخواہ کے انتقال کے بعد دو بالغ لڑکا اور لڑکی اور ایک نابالغ لڑکی وارث ہوں تو قرض میں نابالغ کا حصہ کس کے سپرد کیا جائے۔

سوال: والد صاحب پر کچھ قرضہ تھا، قرضخواہ کا انتقال ہوگیا، اور ایک لڑکا اور دو لڑکی ورثا چھوڑے اسوقت چونکہ لڑکا ایک لڑکی بالغ تھی، اسلئے ان کا حصہ شرعی پہنچا دیا گیا، لڑکی جو نابالغ ہے اسکا حصہ شرعی کس طرح پہنچایا جاتے؟ جبکہ اسکے بھائی بہن جو بالغ ہیں قابل اعتبار نہیں۔ بھائی کے ہوتے ہوئے کیا اس بالغ بہن کا حصہ اس نابالغ کی سپرد کرسکتے ہیں؟ اور اس طرح اس قرض سے سبکدوش ہوجائیگا؟ یا کیا تدبیر کی جائے کہ جلد سبکدوش ہوجائے؟

الجواب

اگر نابالغ لڑکی سمجھدار ہو، مثلاً سات برس کی یا اس سے زائد کی ہو تو خود اسکو دیدینا بھی

[عہ] مگر یہ شرط ہے کہ جس مجلس میں یہ معاملہ ہو اُسی مجلس میں پوری پوری بیباقی ہوجائے، ایسا نہ ہو کہ مثلاً آدھی رقم کا عوض مجلس عقد میں ہو، اور آدھی رقم کا ایک مجلس میں۔ اشرف علی

کافی ہے۔ آگے کوئی خیانت کرے تو وہ جانے۔

اور جب بھائی قابل اعتبار نہیں تو بہن کو دیدینا ہی کافی ہے، کیونکہ ولی وہی ہے جو مأمون ہو، غیر مأمون ولی نہیں، اگر نابالغ سمجھدار ہو تو بہتر یہ ہے کہ بڑی بہن کے سامنے خود نابالغ کو قبضہ کرادیا جائے۔ فقط

ظفر احمد عفا عنہ

۲۲ رجمادی الاولیٰ ۱۳۴۸ھ

ادائے قرض کے وقت بلامعاہدہ وبدون مطالبہ قرض خواہ کو کچھ زائد دینا۔

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید یکصد روپیہ کا غیر مسلم کا مقروض تھا جس پہ عام فی صدی ماہوار کی ادائیگی کا اقرار تھا۔ وعدہ گذر گیا، قرضہ کی ادائیگی کا کچھ انتظام نہ ہوا، جسکی وجہ سے زید نہایت پریشان تھا، زید کی زوجہ کے پاس روپیہ موجود تھا، جسکا علم زید کو بھی تھا، لیکن زید نے اپنی زوجہ سے روپیہ نہیں مانگا زید کی زوجہ کو قرضہ کا صحیح علم نہ تھا، جب اسکو علم ہوا کہ میرے شوہر پر قرض ہے، اور اصل روپیہ کے علاوہ للعہ ۲۴ روپیہ سالانہ سود کے دینے پڑینگے تو اس وقت اس نے زید سے کہا کہ جو روپیہ اور جو کچھ میرے پاس ہے وہ سب تمہارا ہے۔ روپیہ لے کر قرض ادا کردو۔ زید نے اپنی زوجہ سے مبلغ یکصد روپیہ لیکر قرضہ ادا کردیا۔ اور کہدیا کہ انشاء اللہ ہم تم کو روپیہ دے دینگے، زید کے پاس خدا کے فضل سے ایک سال کے اندر، یا بعد سال کے روپیہ تیار ہوگیا اور چاہا کہ اپنی زوجہ کو روپیہ دیدوں۔ روپیہ دیتے وقت دل میں خیال پیدا ہوا کہ، اگر مہاجن کے یہاں روپیہ قرض رہتا تو بجائے یکصد روپیہ کے للعہ دینے پڑتے۔

ایسی صورت میں زید اگر بجائے یکصد روپیہ کے اپنی زوجہ کو عہ ۱۲۰ یا للعہ ۱۲۴ یا مہ ۱۳۰ دے تو شرعاً کیا حکم ہے؟ آیا زید دے سکتا ہے؟ اور اسکی زوجہ لے سکتی ہے یا نہیں؟ زید نے جس وقت اپنی زوجہ سے روپیہ لیا تھا دل میں عہد کیا تھا کہ کچھ روپیہ زائد دونگا۔ سائل۔

الجواب

ادائے قرض کے وقت بلاکسی معاہدہ کے اگر قرضدار بدون مطالبہ قرضخواہ

محض اپنی خوشی سے زائد دیدے تو جائز ہے۔ مگر اسمیں مقدار سود وغیرہ کا حساب ہرگز نہ کیا جائے، بلکہ ویسے ہی دو چار روپیہ تبرعاً دیدے تو جائز ہے۔ اور یہ زیادت مجلس عقد میں نہ ہو۔ اور اس زیادت کے ساتھ یہ بھی کہہ یا جائے کہ ہم تم کو تبرعاً زیادہ دیتے ہیں۔

۱۵ر رمضان ۱۳۴۸ھ

بقیہ سوال:۔ علاوہ اس کے اگر زید دو چار سال روپیہ اپنی زوجہ کو ادا نہ کر سکے اور سال بسال کچھ روپیہ دیتا جائے اسکے بعد جب یکصد روپیہ دیدے تو شرعاً جائز ہے یا نہیں۔

سائل بالا

جواب:۔ یہ صورت نہ کی جائے، اول قرض کی ادائیگی مقدم، یہ کیا واہیات ہے کہ کچھ رقم زائد تو دی جائے، اور اصل روپیہ میں جسکا ادا کرنا ضروری ہے مجرا نہ کی جائے۔ اس کی وجہ سے قرضخواہ قرض کا تقاضا نہ کریگا بلکہ تأخیر کو غنیمت جانیگا۔ اس واسطے یہ صورت سود ہی کے حکم میں ہے۔ لہٰذا پرہیز لازم ہے، قرض ادا کرنے سے پیشتر قرضخواہ کا ہدیہ لینا جائز نہیں، الاّ آنکہ ان میں پہلے سے لینا دینا جاری ہو۔ اور ظاہر ہے کہ یہ رقم محض قرض کی وجہ سے دینا چاہتا ہے، لہٰذا عدم جواز میں کلام نہیں۔ واللہ اعلم

تاریخ بالا

قرض کی ایک صورت کا حکم

سوال:۔ کسی وقت ایسا بھی ہوتا ہے کہ گھر میں لوگ اکثر ضرورت کے وقت اپنے بچوں اور چھوٹے بھائیوں اور عورتوں سے قرض لیا کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اسوقت ہم کو دس روپیہ دیدو، ہم تم کو بارہ روپیہ دیدینگے۔ ایسا لینا اور دینا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

سائل بالا

الجواب:۔ اگر یہ درحقیقت قرض ہوتا ہو تو جائز نہیں صریح سود ہے، اور اگر ویسی بطور ہدیہ لینا مقصود ہو اور آئندہ دینے کا وعدہ ہو تو گنجائش ہے، اور اس کو ہر شخص اپنے واقعہ سے سمجھ سکتا ہے کہ قرض لینا مقصود ہے یا نہیں ———

الأجوبۃ صحیحۃ
تاریخ بالا

ظفر احمد عفا عنہ۔ ۱۵ر رمضان ۱۳۴۸ھ
احقر عبد الکریم عفی عنہ

معاملہ قرض کی ایک صورت

سوال ۱ :- کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص اہل ضرورت ہے اسکا کام نہیں چلتا۔ عیال دار بھی ہے ایک شخص اس سے کہتا ہے کہ میں تجھکو روپیہ دوں اسکے جوتا خرید کر کے مجھکو دیدے۔ اور ایک آنہ فی روپیہ منافع پر میں تجھکو دیدونگا، جو ایک روپیہ کا جوتا خریدے سترہ آنہ کو میں تجھکو دیدونگا تو اپنی خریدا اسکو سترہ آنہ کی بتا کر اپنے منافع سے فروخت کر لینا وہ اہل ضرورت اپنے مہربان کو جواب دیتا ہے کہ یہاں پر یہ دستور ہے کہ دکان دار اپنے روپیہ سے خود مال خرید کرتے ہیں اور میں بھی اسی طرح کرتا ہوں، جو جوتا ایک روپیہ کو خرید کرتا ہوں اسکو روپیہ کا خرید بتاتا ہوں، اور وہ مال جو میں تم سے خرید کرونگا اس پر منافع جو تم کو دونگا اگر خریدار سے میں یہ کہونگا کہ ایک آنہ روپیہ منافع کا میں نے اور شخص کو دیکر مال خرید کیا، وہ ہرگز مجھ سے مال خرید نہ کریگا، اور اگر اس کی خبر نہ کرونگا تو بازار، اور میری عادت کے بھی خلاف ہے، اب یہ مجبور ہے، ایسی حالت میں اسکو کیا کرنا چاہیئے اس کام سے درگذر کرے؟ یا اس کو جاری کرے؟ سخت پریشان ہے۔

۲ :- اگر یہ امر ناجائز ہو تو اور کوئی شکل ایسی ہے کہ ایک آنہ روپیہ ان کا منافع لگ جائے، اور اس کو یہ شخص اپنا خرید اس شئ کو مع نفع بتا دے۔ یعنی اس مال کو، انہیں جوتوں کو۔ ؟

الجواب

یہ صورت جائز نہیں ہے، کیونکہ صاحب ضرورت مال خرید کر مال دار کے پاس جو لاتا ہے یہ منفعت بوجہ قرض کے ہے۔ اور کل قرض جرّ نفعا میں داخل ہو کر ممنوع اور سود ہے۔ البتہ اگر مال والا خود، یا اپنے کسی آدمی کے ذریعہ سے مال خرید کرنے کے بعد صاحب ضرورت کو نفع پر دیدے، تو جائز ہو سکتا ہے، اور جب یہ دکاندار ۱ر روپیہ نفع دیکر خرید یگا تو اسکو یہ کہنا جائز ہے کہ میری ۱؎ کی خرید ہے کیونکہ اس نے درحقیقت ۱؎ میں ہی خریدی ہے، اس میں جھوٹ نہیں ہے۔ البتہ اگر خریدار یہ تصریح کرے کہ تم نے کاریگر سے جتنے میں خریدا ہے، اسپر نفع لے لو تو یہ نہ کہا جاوے کہ کاریگر سے ہم نے ۱؎ کو خریدا ہے، کیونکہ یہ بلاشبہ جھوٹ ہے، بلکہ یوں کہدیا کرے کہ ہم نے سترہ آنے کو خریدا ہے خواہ کاریگر سے لیا ہو خواہ

دوسری دکان وغیرہ سے ہم اس کی تعیین نہیں کر سکتے، واللہ اعلم

کتبہ الاحقر عبد الکریم عفی عنہ

از خانقاہ امدادیہ۔ قصبہ تھانہ بھون

۱۳۵۰ھ

دائن کے ہر وارث کو دین میں اس کا حصہ دینا ضروری ہے یا مدیون کا کسی ایک کو دینا بھی درست ہے؟	**سوال**:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسائل ذیل میں کہ دائن کا

انتقال ہو گیا تو مدیون کے ذمہ اسکے ہر ہر وارث کو بقدر حصہ دین میں سے دینا ضروری ہے؟ یا ان میں سے کسی ایک کو دیکر کہدے کہ بقدر حصہ تم سب لوگ لیتے جاؤ، اور اگر دائن کافر ہے اس صورت میں مدیون کیا کرے؟ خاص کر ایسی صورت میں کہ اسکی قریبی رشتہ دار بھی نہ ہوں دوری ہوں۔ اور ان کا پتہ بھی دقت طلب ہو؟

الجواب

دائن کے ہر وارث کو بقدر اسکے حصہ کے پہنچایا جائے، ایک کو دینا کافی نہیں جبکہ دیانت کا یقین نہ ہو۔ دائن اگر ہندو ہو، تو ہندوؤں کے قاعدۂ میراث کے مطابق ہر وارث کو دیا جائے، اور جس کے رشتہ دار دور کے ہوں۔ ان کو تلاش کرنا ضروری ہے۔ اور ہر مقدار دین کیلئے مدت تلاش جدا جدا ہے۔ مثلاً سو روپیہ ہوں تو سال بھر تک ورثہ کی تلاش کی کوشش کی جائے اگر اس پر بھی ورثہ نہ ملیں تو سوال دوبارہ کیا جائے۔ واللہ اعلم۔

ظفر احمد عفا عنہ

از تھانہ بھون، خانقاہ امدادیہ

۲۴ ذیقعدہ ۱۳۴۶ھ

کتابُ الرّہن

مرتھن کیلئے شئ مرھون سے نفع اٹھانا جائز نہیں | **سوال** :۔ کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ ہمارے یہاں کا دستور ہے کہ زمیندار یا کاشتکار اپنا کھیت کسی مھاجن کے یہاں رہن رکھدیتا ہے، اور شرط یہ کرتا ہے کہ روپیہ کے عوض مھاجن کھیت جوتے، بوئے اور کھیت مالگذاری دیا کرے، اور کھیت کا کل پیداوار مھاجن لیا کرے، اور زمیندار یا کاشتکار سوائے مال گذاری کے کچھ نہ پائیگا، اور نہ روپیہ کا سود مہاجن کو دینا ہوگا۔ آیا اس قسم کا لین دین شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ اسکو صاف صاف مع دلیل کے لکھ دیں۔

الجواب

قال فی الدر(۱): لا الانتفاع به مطلقاً.... إلا بإذن کل للآخر وقیل: لا یحل للمرتھن، لأنه ربا۔ وقیل إن شرطه کان ربا وإلا لا۔ وفی الاشباہ والجواھر: أباح الراھن للمرتھن أکل الثمار، أو سکنی الدار، أو لبن الشاة المرھونة. فأکلها، لم یضمن وله منعه، ثم أفاد فی الأشباه أنه یکره للمرتھن الانتفاع بذلك اھ

قال العلامة الشامی: قال فی المنح: وعن عبد الله محمد بن أسلم السمرقندی. وکان من کبار علماء سمرقند. أنه لا یحل له أن ینتفع بشئ منه بوجه من الوجوه وإن أذن له الراھن،لأنه إذن له فی الربا، لأنه یستوفی دینه کاملاً فتبقی له المنفعة فضلاً، فیکون ربا۔ وھذا أمر عظیم۔

قلت: وھذا مخالف لعامة المعتبرات من أنه یحل بالإذن،

(۱) النسخة الجدیدة المطبوعة فی ایچ ایم سعید کمپنی ۶/۴۸۲، وراجع ایضاً ۶/۵۲۲۔ محمد عبد الله جعفر عفی عنہ

إلا أن يحمل على الديانة، وما في المعتبرات على الحكم.

ثم رأيت في جواهر الفتاوى: إذا كان مشروطاً صار قرضاً فيه منفعة، وهو ربا. وإلا فلا بأس اهـ ما في المنح ملخصاً، وأقره ابنه الشيخ صالح، وتعقبه الحموي بان ما كان ربا لا يظهر فيه فرق بين الديانة والقضاء على أنه لا حاجة إلى التوفيق بعد أن الفتوىٰ على ما تقدم. أي من أنه يباح.

أقول: ما في الجواهر يصلح للتوفيق. وهو وجيه، و ذكروا نظيره فيما لو أهدى المستقرض للمقرض، إن كانت بشرط كره وإلا فلا. وما نقله الشارح عن الجواهر أيضاً من قوله "لا يضمن" يفيد أنه ليس بربا. لأن الربا مضمون، فيحمل على غير المشروط، وما في الإشباه من الكراهة على المشروط، ويؤيده قول الشارح الا تى آخر الرهن أن التعليل بانه ربا يفيد ان الكراهة تحريمية. فتأمل. وإذا كان مشروطاً ضمن كما أفتى به في الخيرية فيمن رهن شجر زيتون على أن يأكل المرتهن ثمرته نظير صبره بالدين.

قال ط: قلت: والغالب من أحوال الناس أنهم انما يريدون عند الدفع الانتفاع، ولولاه لما أعطاه الدراهم. وهذا بمنزلة الشرط، لأن المعروف كالمشروط، وهو مما يعين المنع، والله تعالى اعلم اهـ

ان نصوص سے معلوم ہوا کہ رهن کی جو صورت سوال میں درج ہے یہ معاملہ ربوا میں داخل ہے۔ ولعن النبی صلی اللہ علیہ وسلم آکل الربا وموکلہ۔

پس اس صورت میں رهن رکھنا کسی مسلمان کو جائز نہیں، البتہ اگر سخت مضطر ہو کہ اسکے بدون چارہ نہ ہو، اور اسراف و تنعم کیلئے رهن رکھکر روپیہ نہ لیتا ہو، بلکہ ضرورت شرعیہ و مجبوری کی وجہ سے روپیہ قرض لینا چاہتا ہو تو

شاید رھن رکھنے والا گناہ سے بچ جائے۔ باقی مرتھن کو رھن سے نفع حاصل کرنا یہ تو کسی حال میں درست نہیں۔

ففی الأشباہ والنظائر، اخر القاعدۃ الخامسۃ من الفن الاول، مانصہ: وفی القنیۃ والبغیۃ، یجوز للمحتاج الاستقراض بالربح، وفی الحموی نحو ذلك اھ۔

اور بہتر یہ ہے کہ ایسی صورت میں بیع بالوفا کا طریقہ اختیار کرلیا جائے جسکے جواز پر متأخرین کا فتویٰ ہے۔ واللہ اعلم

۴ رجب ۱۳۴۱ھ

موروثی کاشتکار کا مالک زمین کے پاس رھن رکھوانا

سوال:۔ زید کی اراضی دس بیگہ کا ایک شخص (عمرو) موروثی ہے۔ اور کسی ضرورت سے عمرو موروثی اپنے مالک زید کو وہی اراضی دس بیگہ زرعی رھن رکھنا چاہتا ہے، تو زید کو اسکا رھن رکھنا جائز ہے یا نہیں؟

ممتاز خان خلف منی خان

رسالدار پنشنر، قصبہ کلانور، ضلع رہتک

الجواب

اگر موروثی کاشتکار موروثی زمین اسکے مالک کے پاس رھن رکھے تو مالکِ زمین کو رھن سے منتفع ہونا جائز ہے، کیونکہ وہ حقیقت میں اپنی زمین سے منتفع ہورہا ہے۔ کاشتکار کا موروثی زمین میں شرعاً کوئی حق نہیں۔ واللہ اعلم

۲۰ رجب ۱۳۴۱ھ

باغ مرہون کا حکم جبکہ راھن لاپتہ ہوجائے

سوال:۔ ایک امر دریافت طلب ہے وہ یہ کہ ایک ہندو نے اپنا باغ زید کے پاس رھن بالقبض کچھ روپیہ پر کیا۔ کچھ عرصہ کے بعد زید کا انتقال ہوا، اور اسکا بیٹا وارث ہوا، بیٹے نے راھن کو طلب کیا کہ اس کے معاملہ کو صاف کردے، یعنی بعد حساب وکتاب یا تو بیع کرے یا واپس لے۔ راھن نے اسوقت عدم فرصت کا کوئی عذر بیان کرکے دوبارہ کسی دوسرے وقت آنے کا وعدہ کیا اور عرصہ تک نہ آیا۔ زید کے بیٹے نے اس شخص کی تفتیش کرائی تو

معلوم ہوا کہ کہیں پردیس چلا گیا ہے، بار بار دریافت کرانے سے آٹھ دس برس کے بعد معلوم ہوا کہ وہ شخص مرگیا، اور اسکا ایک نابالغ بیٹا تھا وہ بھی مرگیا۔ اور اسکا کوئی رشتہ دار نہیں ہیں ایسی حالت میں اس باغ کے متعلق کیا کیا جائے؟ آیا مرتھن (زید کا بیٹا) اپنے تصرف میں لاتے یا نہیں؟ کیونکہ بیع کا معاملہ نہیں ہوا، صرف راھن نے زید کے بیٹے کے ساتھ بیع کا ارادہ ظاہر کیا تھا۔ یعنی زید کے بیٹے کے ساتھ بیع کرونگا۔

راقم: احقر العباد محمد معین الدین صدیقی
بر مکان مولوی حافظ محمد عثمان صاحب
محلہ پاندریبہ شہر الہ آباد۔

الجواب

صورت مسئولہ میں زید کا بیٹا یہ دیکھے کہ اس باغ کی آمدنی سے اصل قرض وصول ہو چکا ہے یا نہیں، اگر وصول ہو چکا ہے تب تو اس کی آمدنی اسی وقت سے لقطہ ہے، اور اگر قرض پورا وصول نہیں ہوا تو اول اس کی آمدنی سے اپنا قرض وصول کرے۔ جب قرض وصول ہو جائے تو اس باغ کی پیداوار کا حکم لقطہ کا ہے جو فقراء کا حق ہے، لہذا اس کی پیداوار یا آمدنی کو فقراء پر تصدق کرتے رہنا چاہئے، ھذا ما فھمتہ واللہ اعلم

مکرر آنکہ چونکہ موت وحیات سب کے ساتھ لگی ہوئی ہے، اس لئے اندیشہ ہے کہ پسر زید کے وارث بعد میں اس زمین کی پیداوار کو اپنے تصرف میں لائیں۔ لہذا بہتر یہ ہے کہ اگر قانوناً پسر زید کو اس باغ کی بیع کا حق ہو تب تو اسکو بیع کر کے اسی وقت اس کی قیمت فقراء پر صدقہ کر دے اور اگر اس کی بیع کا حق نہ ہو تو اس زمین کو وقف علی الفقراء کر دے تاکہ ہمیشہ اس کی آمدنی فقراء پر منقسم ہوتی رہے، ورثاء کے تصرف میں نہ آئے، اور اس کا متولی اپنے بعد مسلمانوں میں سے نیک آدمیوں کی ایک جماعت کو بنا دے۔ اگر وقف بھی قانوناً ممکن نہ ہو، تو اپنی اولاد کو وصیت کر دے۔ زبانی بھی اور تحریراً بھی کہ اس باغ کی آمدنی فقراء کو دیتے رہیں۔ پسر زید اس صورت میں بری الذمہ ہو جائے گا، اگر ورثا خلاف

کریں گے تو وہ جانیں ۔ واللہ اعلم

حررہ الأحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ

۲۸، محرم ۱۳۴۳ھ

انتفاع بالمرھون جائز نہیں

سوال :۔ قبلہ من ! دیگر اینکہ اگر کسے یک بیگہ زمین را بکصد روپیہ گرفتہ بدیگر دہد و گوید کہ تو آن خراج کہ مراین زمین را مقرر است ادا کنید و نفع گیرید ۔ من و قتیکہ روپیہ تو باز دہم آنگہ زمین را بمن تفویض کنید ، بدین صورت اجارہ روا باشد یا نہ ؟

الجواب

این صورت اجارہ جائز نیست ۔

متعلق رہن زمین

سوال ۱ :۔ زمین رھن رکھنا جائز ہے یا نہیں ، اگر جائز ہے تو زمین مرتھن کے قبضہ میں رہیگی ، کہ راھن کے قبضہ میں رہیگی ، اگر مرتھن کے قبضہ میں رہی تو مرتھن اس زمین کو کونسی صورت میں رکھیگا ، آیا کہ زمین میں مرتھن خود تصرف کریگا یا کہ بیکار چھوڑیگا ۔ اب دست بستہ عرض کرتا ہوں کہ کونسی صورت پر رکھنے سے شرعاً حلال ہوسکتا ہے ، بیان فرما کر بندہ کو اطمینان فرمائیں ۔

۲ :۔ زید نے ایک زمین جسکا ثمار ہر سال تقریباً سو روپیہ ہوسکتا ہے وہ زمین چالیس روپیہ سے ۴ سال یا ۵ سال یا دس سال کی میعاد مقرر کرکے رکھا ، اور زمین کا جو مالک ہے اسکو یوں کہا کہ ہر سال ۵ روپیہ یا تو آٹھ روپیہ وضع ہوتا رہیگا ، یہاں تک کہ چار سال یا تو پانچ سال میں کل روپیہ ادا ہو جائیگا ، اور زمین چھوڑ دی جائیگی ، اور اسکے قبل چھوڑانا چاہے اسی حساب سے جس قدر روپیہ باقی رہیگا وہ لیکر چھوڑ دیتے ہیں ۔

آیا یہ صورت شرعاً جائز ہے یا نہیں ، اسمیں کونسی صورت پر رکھنے سے شرعاً حلال ہوگا ؟

الجواب

۱ : زمین رھن رکھنا جائز ہے ، اور دیگر اشیاء رھینہ کی طرح زمین بھی

مرتھن کے قبضہ میں رہیگی۔ اور مرتھن کو کسی تصرف کا حق نہیں ہے فقط امانت کے طور پر قبضہ میں رکھے، نہ خود زراعت کرے، نہ کسی کو کرایہ وغیرہ پر دے، اگر کرایہ پر زمین وغیرہ دیدی، تو دیکھا جائے کہ مالک کی اجازت سے دی گئی ہے، یا بدون اجازت دی ہے؟ اگر اجازت سے دی ہے تو کرایہ مالک کا حق ہے اور رھن باطل ہوگیا اور مرتھن کو یہ حق نہیں رہا کہ اسکو بطور رھن روک رکھے، اور اگر مرتھن نے بدون اذن مالک کرایہ پر دی ہے تو کرایہ[عہ] لینے کا حق تو مرتھن کو ہے، لیکن یہ کرایہ اسکے لئے حلال نہیں ہے، بلکہ واجب التصدق[عہ] ہے، اور رھن باقی ہے۔ اور اگر مرتھن نے خود زراعت کی ہے، تو اگر اجازت راھن سے کی ہے تو اسپر ضمان کچھ نہیں لیکن یہ انتفاع ناجائز ہے، اور اگر بدون اجازت ہے تو نقصان ارض کا ضمان لازم ہے۔

فی العالمگیریة (ج ۶ ص۴۸۳) ما یجوز بیعه یجوز رهنه،

وایضاً فی ص۲۹۹، اعلم بان عین الرهن أمانة فی ید المرتهن بمنزلة الودیعة الخ

وایضاً فی الصفحة المذکورة: وإن أجر المرتهن من أجنبی بأمر الراهن یخرج من الرهن، وتکون الأجرة للراهن، وإن کانت الإجارة بغیر إذن الراهن یکون الأجر للمرتهن یتصدق به، وللمرتهن أن یعیدها فی الرهن، وقال ایضاً بعد السطر: ولو حبسه عن الراهن بعد ما انقضت مدة الإجارة صار غاصباً۔ هکذا فی شرح الطحطاوی وفی الدر المختار مع الشامی (ج ۵ ص۵۱۷) ثم نقل عن التهذیب أنه یکره للمرتهن أن ینتفع بالرهن وإن اذن له الراهن۔

قال المصنف رح: وعلیه یحمل ما عن محمد بن أسلم من أنه لا یحل للمرتهن ذلك ولو بالإذن، لانه ربا۔ قلت: وتعلیله

عہ البتہ اگر زمین میں کچھ نقص آگیا ہو تو ضمان دینا پڑیگا۔ منہ

عہ اور اگر یہ کرایہ مالک زمین کو دیدیا جائے تو مالک کیلئے حلال ہے۔ منہ

یفید أنها تحریمیة، فتأمله۔

وفی الصفحة المذکورة ایضاً: وفیها (ای الجواهر) زرع المرتهن أرض الراهن، إن أبیح له الانتفاع لایجب شیئ، وإن لم یبح لزمه نقصان الأرض وضمان الماء لومن قناة مملوکة فلیحفظ۔

وقال الشامی تحت (قوله: لومن قناة مملوکة): هذا خلاف المفتی به من أنه لا یضمن إلا ما ملکه بالإحراز، کما مر فی کتاب الشرب، وماء القناة غیر محرز۔

پس مرتھن کو چاہیئے کہ زمین وغیرہ کو بیکار رکھے۔

اور ایک صورت انتفاع کی یہ ہے کہ مرتھن ہی زمین کو راھن سے کرایہ پر لیکر خود زراعت کرے۔ اسمیں یہ تفصیل ہے:۔ کہ اگر وہی قبضہ جو رھن کے وقت ہوا تھا اجارہ کے وقت رہے، تو اجارہ صحیح نہیں ہوا۔ اور اگر واپس کر کے دوبارہ قبضہ کیا تو اجارہ صحیح ہوگیا۔ مگر رھن باطل ہوجائیگا۔

کما فی العالمگیریة (ج ۶ ص ۲۹۹) وکذلک لو استأجره المرتهن صحت الإجارة وبطل الرهن، إذا جدد القبض.

وفی الشامی (ج ۵ ص ۵۰۷) ویشترط فی الإجارة (ای لصحة الإجارة وبطلان الرهن جمیعاً، وعلل فی البدائع بأن قبض الرهن وقبض الإجارة متغائر، فلا بد من قبض جدید للإجارة) تجدید القبض[ع] کما علمت أنفاً انتهی۔

الجواب صحیح

ظفر احمد عفا عنہ

۲۱ / شوال ۱۳۴۳ھ

۲ ـــــ اس سوال کا یہ مطلب سمجھ میں آیا ہے کہ مرھون کی آمدنی سو روپیہ ہے۔ اور مرتھن اس میں سے آٹھ روپیہ یا چار روپیہ تو قرض میں وضع کریگا باقی

ع وقد صرح الشامی قبله بصفحة: أن الإجارة تصح بتجدد القبض۔ منه

خود رکھیگا، تو یہ صورت ناجائز ہے۔ وروایتہ عدم حل انتفاع المرتھن بالمرھون تقدم فی الجواب عن السوال الاول۔

اگر سوال کا اور مطلب ہے تو دوبارہ صاف لکھا جائے۔

حکم انتفاع بالمرھون | **سوال:** کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین ان مسائل میں:-

۱ زمین یا زیور یا مکان وغیرہ رھن یعنی گروی اپنے پاس رکھکر اس سے فائدہ اُٹھانا، اور زمین گروی وغیرہ کی پیداوار کھانا حرام ہے یا نہیں؟

۲ گروی چیز سے نفع حاصل کرنا سود ہے یا نہیں؟ اگر سود ہے تو اس سود کو حلال جاننے والے شخص کا شریعت میں کیا حکم ہے؟

۳ اور سود کو حلال جاننے والے کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں؟

۴ گروی چیز کے منافع کے حرام ہونے اور سود ہونے میں علمائے احناف میں اختلاف بھی ہے یا نہیں، اگر ہے تو کس کا؟ بینوا توجروا

الجواب

۱ حرام ہے، اگر رھن اس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ مرتھن نفع حاصل کریگا، یا مشروط نہ ہو مگر معروف ہو۔ جیسا اس زمانہ میں ہے، یا بدون اجازت راھن کے نفع حاصل کرے۔

۲ ہاں مرھون سے نفع اٹھانا سود ہے اور اسکو حلال سمجھنے والا فاسق ہے جبکہ انتفاع مشروط ہو یا، یا بلا اذن ہو۔

۳ اسکے پیچھے نماز مکروہ ہے۔

۴ اگر انتفاع مشروط فی الرھن ہو تو اتفاقاً حرام ہے۔ اور معروف بھی بحکم مشروط ہے۔ اگر معروف ومشروط نہ ہو، اور بلا شرط وبلا عرف کے راھن اجازت دیدے تو جواز میں اختلاف ہے۔ اور اگر بلا اِذن انتفاع ہو تو وہ بھی اتفاقاً حرام ہے۔

عہ مثلاً رھنِ بِرائی مراد ہو جو درحقیقت اجارہ ہے تو یہ جائز ہے ۱۲ منہ

والمسئلۃ فی رد المحتار (ج ۵ ص۲۷۸ وص۱۶۳)[1] واللہ اعلم

حررہ ظفر احمد عفاعنہ

از تھانہ بھون، خانقاہ امدادیہ

۱۰ ر صفر ۱۳۴۷ھ

رھن کی ایک خاص صورت کا حکم

سوال :۔ کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ زید نے عمرو کے پاس ایک حصۂ معینۂ زمین کے مثلاً دو سو روپیہ کے مقابل میں رھن رکھا، اس شرط پر کہ مرتھن عمرو اس زمین مرھونہ سے نفع اٹھائے، اور فی سال روپیہ مذکورہ سے پانچ روپیہ گھٹ جائے جس وقت راھن چاھے کہ زمین مذکورہ کو خلاص کرے زمین تو مابقیہ روپیہ دیکر خلاص کر سکتا ہے۔ مثلاً دو سال کے بعد اگر راھن زمین مذکورہ کو خلاص کرنا چاھے، تو ایک سو نوے ۱۹۰ روپے دیکر خلاص کرے۔

خلاصہ : راھن اور مرتھن نے زمین مرھونہ کے خلاص کیلئے کوئی مدت مقرر نہیں کی تو یہ صورت رھن شرعاً جائز ہوگا یا نہیں ؟ بر تقدیر ثانی سود ہوگا یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

المستفتی : علی احمد چاٹگامی

۱۶ ر رمضان ۱۳۴۷ھ

الجواب

یہ صورت جائز نہیں۔ ولا بتاویل انہ خمس الربائی قیمۃ لمنافع السنۃ کلھا لکونہ بیع مالم یوجد۔

اور اگر کسی نے سود کا حیلہ بنانے کی نیت سے یہ صورت اختیار کی تو اسکی اس نیت کا بھی گناہ ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ الأحقر ظفر احمد عفاعنہ

۲۳ ر رمضان ۱۳۴۷ھ

راھن اور مرتھن میں عقد اجارہ شئ مرھون میں موجب فسخ رھن ہے

سوال :۔ کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ ارض مرھونہ کا خراج اگر

[1] شامی (ایچ ایم سعید) ص ۴۸۲ ج ۶۔

مرتھن راھن کو ادا کردے۔ یعنی خراج کی مقدار اصل روپیہ سے منہا کرتا رہے، تو اس سے مرتھن کو انتفاع جائز ہے یا نہیں۔ اور خراج بھی سرکاری خراج دینا ہوگا یا بغیر رھن زمین کا جو خراج یہاں پر رائج ہے وہ دینا چاہئے۔

نوٹ:۔ مخفی نہ رہے کہ سرکاری خراج ہے اور بلا رھن دوسرے کی زمین اجارہ پر لینے کا خراج اس سے زیادہ ہے۔ اگر راھن مرتھن سے روپیہ نہ لیتا تو سرکاری خراج لینے پر کبھی رضامند نہ ہوتا، اور بصورت رھن راضی ہے اور یہی رواج ہے۔

الجواب

عقد اجارہ بین الراھن والمرتھن در شیئ مرھون موجب فسخ رھن ہے بشرطیکہ عقد اجارہ منعقد ہوا ہو۔ اور اگر عقد اجارہ منعقد نہ ہوا ہو، بلکہ مرتھن نے راھن کو ویسے ہی بلا عقد کے اجرت و لگان ادا کی تو اس سے کچھ نہیں ہوتا۔ یعنی انتفاع رھن کے ساتھ حلال نہ ہوگا۔

اور عقد اجارہ کرنے میں اگر یہ معلوم ہو کہ راھن نے اجرت متعارفہ سے کم لگان اسلئے منظور کر لیا ہے کہ اسپر قرض کا دباؤ ہے، تو متعارف سے کم لگان مقرر کرنا جائز نہیں۔ لکونہ داخلاً فی منفعۃ جرّھا القرض وھی ربا۔ فقط

ظفر احمد عفا عنہ
از تھانہ بھون
۱۰ ر ذی الحجہ ۱۳۴۷ھ

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید کی والدہ نے از روئے شفقتِ مادری بحالت صحت و درستی حواس جبکہ زید بالغ تھا بغیر زید کے کہے اور بدون درخواست اپنی جائیداد کے ایک جزء غیر منقسم کو زید کی زوجہ کے مہر میں مکفول کر دیا۔ باین الفاظ "کہ روپیہ دین مہر کا اپنے ذمہ عائد اور قبول کر کے اسکے معاوضہ میں فلاں جائیداد مکفول اور مستغرق کرتی ہوں کہ تا ادائے دین مہر مکفولہ کو کسی جگہ منتقل نہ کرونگی۔

بہو کو مہر کے عوض غیر منقسم جائیداد کا ایک حصہ مکفول کر دیا مگر قبضہ نہیں دیا، پھر یہ حصہ دیگر جائیداد کے ساتھ بیٹے کو ہبہ کر دیا تو بہو اس مکفولہ جائیداد کو روک سکتی ہے یا نہیں

لیکن یہ جائیداد مکفولہ زید کی والدہ کے قبضہ میں رہی، اور کچھ عرصہ کے بعد زید کی والدہ نے زید کو مع بقیہ جائیداد کے ہبہ کر دی۔ بحالت تندرستی و درستی حواس، درآنحالیکہ زید کی زوجہ کا دین مہر ابھی تک کچھ ادا نہیں ہوا، تو اگرچہ ہبہ بشرائط ہو گیا ہے اور زید اس کا مالک ہو گیا ہے، اور نیز اس کے ذمہ واجب نہیں کہ اپنی ہمشیرین کو بھی دے تاہم اگر اُسے وراثۃً تقسیم کیا جائے تو کیا اس حصہ مکفولہ کی بھی تقسیم ہو گی یا نہیں؟ اگر تقسیم ہو گی تو کیا بقدر اپنے اپنے حصہ کے ہمشیرین پر بھی بار کفالت ہو گا؟ یعنی اگر جائیداد بارہ ہزار کی ہے مثلاً۔ اور زید کی ہمشیرین ہیں۔ اور اس جائیداد میں ایک حصہ چار ہزار کا زید کی زوجہ کے دین مہر میں مکفول ہے تقسیم کی صورت میں نصف زید کا حصہ ہے اور چوتھائی ہمشیرین کا، تو کیا بقدر حصہ مکفولہ کے جو تقسیم کی صورت میں ان کے حصہ میں آئیگا بار کفالت کی بھی وہ ذمہ دار ہونگی؟ بیّنوا توجروا

حکیم سید نور الحسن رضوی

تنقیح

ع۱ جب زید کی والدہ نے جائیداد زید کو ہبۃً عطا کی تھی۔ اسوقت وہ جائیدادِ مکفولہ اسی میں شامل تھی؟ یا وہ تقسیم کر کے الگ رکھی تھی؟

ع۲ اگر تقسیم کر کے الگ نہ کی گئی تھی تو کیا زید کی بیوی نے اس ہبہ کی اجازت دیدی تھی یا نہیں؟

ع۳ اور زید نے ہبہ کے وقت اس جائیداد پر کامل قبضہ بھی کر لیا تھا یا نہیں؟

ان سب امور کا مفصل و مصرح جواب آنے پر انشاء اللہ مسئلہ لکھا جائیگا۔ فقط

احقر عبد الکریم عفی عنہ

از تھانہ بھون

مورخہ یکم صفر ۱۳۵۱ھ

جواب تنقیح

ع۱ جب زید کی والدہ نے جائیداد زید کو ہبہ کی تھی تو اسوقت وہ جائیدادِ مکفولہ اس میں شامل تھی، اور تقسیم نہیں کی گئی تھی۔

۲۔ زید کی زوجہ نے اس ھبہ کی نہ اجازت دی اور نہ مخالفت کی، بلکہ سکوت اختیار کیا
۳۔ زید نے اس جائیداد پر ھبہ کے وقت قبضہ کر لیا تھا۔
حکیم سید نورالحسن رضوی

الجواب

صورت مسئولہ میں وہ حصہ مکفولہ رھن نہیں ہوا۔
لما فی العالمگیریة (ج ۶ ص ۲۸۱) قال محمدؒ: فی کتاب الرھن: لایجوز الرھن إلا مقبوضاً، فقد أشار إلی أن القبض شرط جواز الرھن الخ
اسلئے اس حصۂ مکفولہ کو روکنے کا مسماۃ کو حق نہیں ہے۔ البتہ مسماۃ کو یہ حق ہے کہ ترکہ میں سے اپنا مہر وصول کرے۔ اور مہر ادا ہونے کے بعد جو ترکہ بچے وہ سب ورثہ میں حسب فرائض تقسیم کیا جائیگا۔ یعنی مہر سب ورثاء کے حصہ میں دیا جائیگا۔
لما فی العالمگیریة (ج ۴ ص ۳۸) ولو کان الابن کبیراً وضمن الاب عنه بغیر أمره فی صحته، ثم مات الأب وأخذت المرأة من ترکته، لم یرجع ورثته بالاجماع۔ واللہ اعلم بالصواب۔

کتبہ الأحقر عبدالکریم عفی عنہ — الجواب صحیح
ازخانقاہ امدادیہ تھانہ بھون — اشرف علی
مورخہ ۲۴ صفر ۱۳۵۱ھ — ۲۴ صفر ۱۳۵۱ھ

مسئلہ رھن | سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین مسائل ذیل میں کہ زید نے کچھ زمین مزروعہ عمر کے ہاتھ بیع کرنا چاہا عمر نے بخوف حق نفع میعادی پچاس سال رھن یا منافع لکھوایا زید کا ارادہ بعد پچاس سال گذرنے کے بھی فک رھن کرانے کا نہ تھا۔ آیا وہ زمین بیع سمجھی جائیگی یا رھن؟

الجواب

اگر زبان سے بیع وشراء کا ایجاب وقبول نہیں ہوا تو موافق رھن نامہ کے یہ زمین رھن سمجھی جائیگی، اور اگر زبانی ایجاب وقبول بیع وشراء کا ہوا ہو تو سوال دوبارہ کیا جائے۔
سوال:۔ اب باوجودیکہ ابھی میعاد پچاس سال ختم نہیں ہوئی، اگر عمر فک رھن

پر راضی ہو تو زید کو فک رھن کرالینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:- رضامندی سے تو فک رھن کرانا ہر وقت جائز ہے۔

سوال:- بعد پچاس سال گذرنے کے جبکہ عمر فک رھن کرنے پر مجبور ہوگا اس وقت زید کو فک رھن کرالینا جائز ہوگا یا نہیں؟

الجواب:- ہاں جائز ہوگا اگر زبان سے رھن کے وقت بیع وشراء کا ایجاب وقبول نہ ہوا ہو۔ واللہ اعلم۔

ظفر احمد عفا عنہ۔ از تھانہ بھون

۲۹ر شوال ۱۳۴۸ھ

کتاب الإجارة

سقہ اور خاکروب کے ساتھ معاملہ کی صورت

سوال:- ذیل کے سوال کے جواب سے ممنون فرمائیں کہ اگر دو چار مہمان کسی گھر پر آویں، اور تین چار روز قیام رکھیں، تو کیا بہشتی (سقہ) اور مہتر (بھنگی) کی اجرت جو پیشتر سے ماہواری مقرر ہے اس سے کچھ زائد دینی چاہئے؟ اور بہشتی کے متعلق یہ ہے کہ وہ اگر مقررہ روزانہ مشک سے زیادہ پانی اس دن لائے تو کیا حکم ہے؟ اور اگر نہ لائے، یعنی مقررہ روزانہ پانی لا دے، تو کیا حکم ہے؟

الجواب

اگر سقہ سے اسطرح معاملہ کیا گیا ہے کہ ہم کو جس قدر پانی کی ضرورت ہوگی تم کو دینا ہوگا، تب تو مہمانوں کے آنے سے اجرت زیادہ کرنا لازم نہیں۔ اور اگر مشکیں معین مقدار میں مقرر کی گئی ہیں، تو جتنی مشکیں مہمانداری کے زمانہ میں وہ زیادہ دیگا۔ ان کی اجرت علیحدہ دینی ہوگی۔

یہی حکم مہتر کے بارے میں ہے۔ اگر اس سے یہ معاملہ کیا گیا ہے کہ ہمارے گھر

میں اتنے آدمی ہیں، اسلئے تم کو یہ تنخواہ ملے گی۔ اس صورت میں مہمان داری کے زمانہ میں اجرت زیادہ دینی ہوگی۔ اور اگر یہ معاملہ کیا گیا کہ تم کو روزانہ پاخانہ صاف کرنا ہوگا، چاہے تھوڑا ہو یا زیادہ، اس صورت میں زیادہ اجرت لازم نہ ہوگی۔ اور اگر معاملہ مجمل ہے تو اسکو صاف کر لینا چاہیئے۔

ظفر احمد

کتاب کی تصنیف کی اجرت جبکہ مسودہ گم ہو جائے | **سوال:** جناب سے ایک مسئلہ دریافت کرنا چاہتا ہوں امید ہے کہ جناب مفصل جواب معہ سند عبارت کتاب دینگے، ممنون ہونگا وہ یہ ہے کہ ایک شخص نے مجھ سے کہا کہ مجھے چند کتابیں تیار کرا دو، جو اجرت ہوگی دونگا۔ میں نے ایک شخص سے ایک کتاب تیار کرا کے بھیجدیا اور لکھدیا کہ اس مسودہ کی اجرت سو روپیہ ہے۔ تیار کرنے والے سے یہ اقرار ہے کہ اگر کوئی بات اضافہ کرنے کو کہینگے تو میں کر دونگا۔ وہ مسودہ مجھے واپس نہیں ملا۔ شخص اول سے گم ہو گیا۔ ایسی صورت میں جس شخص نے مسودہ تیار کیا ہے وہ مجھ سے اجرت لے سکتا ہے یا نہیں؟ اور میں اس شخص سے جسکے لئے تیار کرایا تھا اور جسکے پاس سے مسودہ تلف ہوا (اجرت) لے سکتا ہوں یا نہیں۔

فقط ۲۳ر محرم الحرام ۱۳۴۰ھ
جلال الدین احمد جعفری
از مطبع انوار احمد۔ الہ آباد

الجواب

سائل نے جس شخص کے واسطے مسودہ تیار کرایا تھا، اور اس کے پاس مسودہ گم ہو گیا ہے، تو سائل اس شخص سے مسودہ کی اجرت لے سکتا ہے۔ اور جس شخص نے سائل کے کہنے سے مسودہ تیار کیا ہے وہ سائل سے مسودہ کی اجرت لینے کا مستحق ہے۔

واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد
۳۰ر محرم ۱۳۴۰ھ

نکاح خوانی کی اجرت کا حکم | **سوال:** عہدۂ میرج رجسٹری اور قضائی کا خلاصہ یہ ہے:

حسب تعداد مسلمانان ایک یا نصف تھانہ کے علاقہ میں بمطابق حکم گورنمنٹ ایک شخص مسلمان کو میرج رجسٹری اور قضائی دو بہرہ کیلئے مقرر کرتا ہے۔ اور ان کو دو بہرے کے دو مہر اور دو سند بھی دیا جاتا ہے۔ اور اسکے متعلق جتنے بھی حوالہ جات اور کاغذات ضروری ہے۔ گورنمنٹ وہ سب سرکاری مطبع میں چھپوا کر ان عہدہ داروں سے گراں نرخ پیشگی قیمت لیکر بیچتا ہے۔

میرج رجسٹرار کے فرض منصبی یہ ہے کہ کوئی نکاح یا طلاق عمل میں آنے کے بعد میرج رجسٹرار کے پاس رجسٹری کی درخواست کرے، تو وہ حسب ضابطہ عاقدین، یا ولی، یا وکیل معہ شاہدین یہ سب کے نام اور باپ کے نام، اور جائے سکونت، اور تعداد مہر و زیورات و شرائط کابین نامہ حسب مقتضائے ولی منکوحہ بالتفصیل لکھکر ان کے دستخط اور انگلی کے چھاپ میں بھی ثبت کر لینا۔ اور اسکی ایک تصدیقی نقل ولی منکوحہ کو دینا، اور ایک ڈسٹرکٹ رجسٹرار کے پاس بھیجنا۔

اور طلاق میں بھی علاوہ بریں اسکے متعلق اور چار پانچ (شرائط) منتخب طور پر تحریر ہوتی ہیں۔

قاضی کا فرض منصبی یہ ہے کہ فتوئ فرائض دینا، اور نکاح پڑھانا اور نکاح یا طلاق کے بارے میں کوئی فساد ہو اسکو فیصلہ کر دینا وغیرہ۔

اب سرکاری قانون یہ کہتا ہے کہ نکاح یا طلاق رجسٹری کرنیکے لئے ایک روپیہ رسوم ادا کرے۔ اور فریقین خوشی سے جو نذرانہ دیں اسکو لینا ممانعت نہیں، اور فتوئ، فرائض، نکاح، طلاق، پڑھانے کی کوئی اُجرت معین نہیں۔ یہاں کا یہ رواج ہے کہ جتنے نکاح یا طلاق رجسٹری ہوتے ہیں، بالکل میرج رجسٹرار یا ان کے ماتحت جو ایک دو محرر رہتے ہیں پڑھا دیتے ہیں۔ بہت کم نکاح جو مکان میں پڑھا چکا ہو رجسٹری کو آتا ہے۔ اب میرج رجسٹرار فریقین سے عقد خوانی کی بابت، یا نذرانہ یا رجسٹری کیلئے کچھ فیصلہ نہیں کرتا ہے۔ علی العموم دو روپیہ سے لیکر تین روپیہ تک اکثر لوگ۔ اور جو لوگ غریب ہوتے ہیں روپیہ آٹھ آنہ کم، اور مالدار ہونے سے روپیہ آٹھ آنہ زیادہ بھی کوئی دیتا ہے۔ اور جو نکاح مکان سے شاذ و نادر پڑھا کے آتا ہے ان سے بھی اسیطرح لیا جاتا ہے۔ اور میرج رجسٹرار و قاضی کو سرکاری کوئی

مشاہرہ نہیں۔ اور محرر کی تنخواہ اور فیس کے متعلق کل اخراجات میرج رجسٹرار کے ذمہ پہ ہے۔

عارض آثم: بدیع الرحمٰن

الجواب

قیاس کا مقتضا یہ ہے کہ گورنمنٹ نے نکاح یا طلاق رجسٹری کرنے کی جو اجرت ایک روپیہ مقرر کی ہے یہ جائز نہ ہو۔ لما فیہ من التسعیر المنھی عنہ۔
لیکن غور کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مقصود زیادہ لینے سے روکنا ہے کم کرنے سے ممانعت مقصود نہیں۔ اسلئے یہ مقدار مقرر کرنا صحیح ہو گئی۔ اور اس سے زیادہ لینا جائز نہیں۔ لأنہ تحکم بالزیادۃ بغیر رضاء العاقد، وھو حرام، بخلاف المعروف، لأنہ المشروط، وقد رضی بہ حیث دعا. فافھم
البتہ میرج رجسٹرار کے ذمہ اگر قانوناً نکاح پڑھانا نہیں ہے، تو اسکی اُجرت علیحدہ لے سکتا ہے، جسمیں شرط یہ ہے کہ اجرت معلوم ہو، اور جو شخص بلائے اس سے اُجرت لی جائے۔ اور جو شخص نکاح پڑھائے اُسی کو اُجرت دی جائے اگر لڑکے والے نے بلایا ہو تو لڑکی والے سے اُجرت لینا جائز نہیں۔ اسیطرح اگر نائب نے نکاح پڑھایا ہو تو اس اجرت میں سے قاضی کو لینا جائز نہیں۔

واللہ اعلم

حررہ ظفر احمد
۲ صفر سنہ ۱۳۴۰ھ

سرکاری مدارس میں ملازمت کا حکم | سوال:۔ سرکاری یعنی گورنمنٹ کے مدرسہ یا اسکول میں ملازمت کرنا جائز ہے یا ناجائز ہے بیان کریئے۔

شاہ محمد سالم
جونپور۔ محلہ ملاٹولہ

الجواب

سرکاری مدرسہ و اسکول میں ملازمت کرنا جائز ہے۔ بڑے بڑے علماء لوگ بڑے بڑے کالج و مدرسہ میں ملازم بھی ہیں پڑھاتے ہیں۔ کسی کتاب سے حرمت

ثابت نہیں۔ واللہ اعلم

رقمہ عبدالباقی جونپوری
ملا ٹولہ

من أجاب فقد أصاب
عبدالغنی عفی عنہ
۲۷ر دسمبر ۱۹۲۱ء

اگر کوئی مضمون خلاف شرع نہ پڑھانا پڑے تو جائز ہے ورنہ نہیں۔

ظفر احمد عفا اللہ عنہ
۶ر جمادی الاول ۱۳۴۰ھ

بڑھئی کا اپنی اجرت کے علاوہ لکڑی کی چھیلن لینا جائز نہیں

سوال:۔ ہم لوگ جو لکڑی کا کام کرتے ہیں، رواج مدت سے چلا آتا ہے کہ جو لکڑی سے کوئی چیز بناتے ہیں کنواڑ وغیرھا اسکے اوپر سے جو لکڑی اترتی ہے، وہ اپنے گھر جلانے کے واسطے لاتے ہیں، جسکی لکڑی ہو اسکی اجازت ہوتی ہے لے جانیکی لکڑی۔ چونکہ ہندوستان میں یہی رواج ہے، اور کوئی منع نہیں کرتا۔ اور جو ناواقف ہیں ان سے پہلے معاملہ طے کرلیتے ہیں کہ یا تو آدھے دن کی بڑھئی لیتا ہے۔ اور آدھے دن کی جسکا کام کرتے ہیں یا شام کو آدھی آدھی تقسیم کرلیتے ہیں۔ یا جسطرح معاملہ طے ہوتا ہے۔ اور لینے والا یا دینے والا کوئی عیب نہیں سمجھتے۔

عرض یہ ہے کہ بعض لوگ اسکو ناجائز کہتے ہیں کہ جس کام میں مزدوری کرے اسمیں سے اجرت لینی جائز نہیں ہے۔ کسی کو کہتے ہیں تو وہ لوگ تعجب کرنے لگتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ ہزاروں آدمی بڑھئی بھی پڑھے لکھے ہوتے ہیں مگر یہ بات کسی کو معلوم نہیں ہوئی۔ برابر جسکے یہاں کام کیا، لی دستور کے موافق۔

الجواب

لکڑی کے ادتارن[ع] لینے کا دستور جو باڑھیوں[عہ] میں ہے یہ جائز نہیں۔ لأنه نظير قفيز الطحان۔ و ايضاً يلزم منه جهالة الأجرة لكون ما يحصل

[ع] لکڑی کی چھیلن جو رندہ کرنے سے نکلتی ہے۔ محمد عبداللہ جعفر عفی عنہ

[عہ] یہ لفظ بڑھئی ہونا چاہئے۔ واللہ اعلم۔ محمد عبداللہ جعفر عفی عنہ

من النجز مجھولاً۔ پس اگر کوئی شخص یہ دیکھے کہ بدون لکڑی لئے نقصان ہوگا تو اسکو چاہئیے کہ مالک سے مزدوری عام رواج سے زیادہ طے کرے۔ اور اس سے یہ کہدے کہ اگر تم عام رواج ہی کے موافق مزدوری دینا چاہو گے، تو میں شام کو لکڑی کا اتارن تم سے اس زیادتی کے مقابلہ میں خرید لونگا۔ مثلاً بجائے دس آنہ روزانہ کے ۱۲ (بارہ آنہ) طے کرے، اور شام کو اگر مالک چاہے تو دس آنہ نقد دیدیں اور دو آنہ کے بدلہ میں لکڑی دیدے ــــــ بہرحال لکڑی کو مزدوری میں لینا جائز نہیں، اسکا معاملہ بطور خرید و فروخت کے علیحدہ کرنا چاہئیے۔ جبکہ اتارن شام کو جمع ہو جائے۔

بڑھئی کا اپنی اجرت میں لکڑی لینے کا حکم | **سوال:۔** ایک صورت یہ بھی کرتے ہیں کہ کوئی شخص کوئی چیز بنوانے بڑھئی کے پاس لیکر آیا۔ اسکی مزدوری طے کر لیتے ہیں، اور یہ بھی کہدیتے ہیں کہ جو لکڑی تمہاری چیز بن کر بچے گی وہ ہماری ہوگی۔ نیز بڑھئی کی اسطرح طے کرنا مزدوری اور لکڑی اور مالک کام کرنے والا رضامند ہو جائے جائز ہے؟

جواب

ناجائز ہے، مزدوری کے ساتھ لکڑی کا معاملہ نہ کرنا چاہئیے۔ اگر مالک رضامند ہے تو لکڑی بعد میں مانگ لے۔ اور صاف کہدے کہ یہ مزدوری میں نہیں مانگتا۔

سوال:۔ بعض سے جو ذکر ہوا اس بات کا۔ تو یہ شبہ کرتے ہیں کہ اگر دوسرے روز لے جائے تو کوئی حرج نہیں ہے۔ یعنی کوئی چیز ہم نے آج بنائے اور اسکے اوپر سے لکڑی چھیلنے سے، وہ کل کو لیجاؤ۔ اسیطرح اگلے روز لیجایا کرو۔ تو جائز ہے یہ بات، اور لوگ جو لکھے پڑھے ہیں وہ کہتے ہیں جو حکم شریعت کا ہو فرمایا جائے۔

جواب:۔

یہ بھی ناجائز ہے۔

سوال:۔ ایک صورت یہ بھی کرتے ہیں کہ کوئی شخص لکڑی کی چیز بنوائے۔

اور بڑھئی سے اسطرح معاملہ طے ہو کہ جو لکڑی تمہاری چیز بن کر بچے گی وہ لینگے اس چیز کی بنوائی کی اجرت میں اسپر دونوں رضامند ہو گئے۔ اسطرح جائز ہے۔

جواب:

یہ بھی ناجائز ہے۔

غیر حاضری کے دنوں میں مدرس کی تنخواہ کا حکم

سوال: ایک شخص کو گاؤں کے لوگوں نے اپنے لڑکوں کے پڑھانے کیلئے مقرر کیا ہے۔ اور بجز اسکے کہ ماہواری تنخواہ دیا کرینگے، اور کوئی شرط وغیرہ یا کسی قسم کا معاہدہ بھی نہیں کیا گیا، ایسی حالت میں جو عربی چھٹی جیسے ہفتہ میں ہمارے اِدھر یا اُدھر بھی ڈیڑھ روز ہوا کرتی ہے۔ یہ، یا مدرس مہینہ میں دو چار روز کہیں چلا جائے۔ یا دس پانچ روز اتفاقیہ بیمار ہو جائے، یا خود کوئی لڑکا اپنی شرارت سے دو چار روز پڑھنے میں اپنے سبقوں کا ناغہ کیا کریں، اور مدرسہ میں حاضری نہ دیں اور مدرس بقیہ لڑکوں کو درس دیتا ہے، یا لڑکوں کے ماں باپ بلا اجازت یا با اجازت اپنے لڑکوں کو دو چار روز کیلئے مہمانی یا کسی کام کیلئے بھیجدیں یا مدرس خود کسی عید یا بقرعید وغیرہ کی دو چار روز کی چھٹی دیدے تو آیا اِن سب حالات مذکورہ میں تنخواہ پورے مہینے کی ہر لڑکوں سے لینے کا حق ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو ان ایام میں بیکارہ کا مجرا دیکر، یا بے مجرا دیئے ہوئے تنخواہ کے لینے کا مستحق ہوگا؟

بحوالۂ کتب معتبرہ مرقوم ہو؟

الجواب

جن ایام کی تعلیم لڑکوں کے حاضر نہ ہونے کی وجہ ناغہ ہو، ان ایام کی تنخواہ کا مدرس مستحق ہے۔ اور جو ناغہ مدرس کی طرف سے ہو اسکا حکم یہ ہے کہ اگر ملازم رکھنے والوں نے غیر حاضری اور ناغہ اور رخصت کے متعلق کوئی قاعدہ مقرر کر کے اسکو اطلاع دیدی تھی، تب تو اس قاعدہ کے بموجب عمل ہوگا۔ اور اگر کوئی قاعدہ مقرر نہیں کیا تو عرفاً ایسے ملازموں کے لئے اسلامی مدارس میں جو قاعدہ ہے اسپر عمل کیا جائے گا۔ لأن المعروف کالمشروط۔ واللہ اعلم۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ
۷، شوال ۱۳۴۰ھ

نکاح خوانی کی اجرت لینا

سوال:۔ نکاح پڑھانے کی اجرت لینا جائز ہے یا نہیں؟ اور نکاح کے بارے میں دولھا کی طرف سے مع کچھ روپیہ سلام بھیج کر مع جواب سلام دلھن کی طرف مربیوں سے روپیہ حاصل کرنا کیسا ہے؟ اور اگر عالموں میں ایسا مروج ہے تو ان پہ شرعاً کیا حکم ہے۔

سائل: محمد محب الرحمن۔ ساکن چرچائل
ڈاکخانہ: حسین پور۔ ضلع: میمن سنگھ

الجواب

نکاح پڑھانے کی اجرت لینا جائز ہے بشرطیکہ اس سے اجرت لی جائے جس نے بلایا ہے۔ اور وہی شخص اجرت لے جس نے نکاح پڑھایا ہے۔ اور یہ جو رواج ہے کہ بلانے والا لڑکی والا ہوتا ہے۔ اور اجرت بیٹے والا دیتا ہے یہ ناجائز ہے۔
نیز یہ رواج بھی ناجائز ہے کہ نکاح پڑھانے والے کو تھوڑی سی اجرت دیکر باقی روپیہ قاضی شہر کو بطور اسکے حق کے دیا جاتا ہے۔ قاضی شہر نے جب کام نہیں کیا تو اسکا کچھ حق نہیں۔ اور سلام کے جواب میں بھی روپیہ لینا درست نہیں۔ واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ
تھانہ بھون۔ خانقاہ امدادیہ
۱۹ر جمادی الاولیٰ ۱۳۴۱ھ

مہتمم مدرسہ اگر کچھ شرائط مقرر کردے تو مدرسین پر اُن کی پابندی کرنا لازم ہے

سوال:۔ بعض مہتممین مدرسہ بوجہ ضرورت و حفاظت مدرسہ مدرسین سے بعض شرائط مثلاً اطراف مدرسہ کے پانچ میل کے اندر بدون اجازت مہتمم صاحب خارج وقت مدرسہ میں کسی مجلس وعظ یا ضیافت میں نہ جانا۔ یا بعد رخصت اتنے فاصلہ کے اندر قبل مضی ایک سال کے کوئی نیا مدرسہ بنا کر پڑھانا۔ یا مدرسہ کے طالبعلموں کو بد مشورہ دیکر مدرسہ سے نہ ہٹانا۔ یا کسی خارج کے، یا کسی دوسرے مدرسہ کے، یا اس مدرسہ کے مجرم طالبعلموں کو خارج وقت مدرسہ میں نہ پڑھانا۔ یا کوئی نیا قانون بدون اجازت مہتمم صاحب نہ نکالنا۔ یا رخصت لینے کے ایک مہینہ قبل درخواست کرنا وغیرہ ذالک) پر دستخط کراتے ہیں، اور عہد لیتے ہیں کہ ان شرائط کی بجا آوری میں اگر اپنے کو قاصر پائیں تو رخصت لیکر چلے

جائیں اور بوقت مخالفت مثلاً بیس روپیہ مدرسہ میں داخل کریں۔
اب سوال یہ ہے کہ اسطرح کی شروط کرنا۔ اور مدرسین کا اسپر دستخط کرنا جائز ہے یا نہیں، اور قاعدہ ومیعاد شروط وعہد صحیح وفاسد کیا ہے بیان فرماکر ممنون فرماویں۔ جزاکم اللہ فی الدارین جزاءً

السائل: محمد عبد اللطیف چاٹگامی
مقیم خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون

الجواب

قال فقهائنا رحمهم الله تعالیٰ۔ نص الواقف کنص الشارع فی وجوب العمل به،(۱) اس قاعدہ کے مطابق جو شرائط اہل مدارس ملازمین ومدرسین مدرسہ پر عائد کرتے ہیں ان کی پابندی مدرسین پر لازم ہے۔ اور مہتمم مدرسہ کو ان سے ایسے شرائط کرنا جائز ہے جو مدرسہ کے لئے مفید ہوں۔ مگر درصورت مخالفت شرائط جو بیس روپیہ مدرسہ میں داخل کرنے کی شرط ہے، یہ حنفیہ کے نزدیک صحیح نہیں کیونکہ جرمانہ مالی کو حنفیہ منع کرتے ہیں۔ واللہ اعلم

۸ رجب ۱۳۴۱ھ

کپڑے کی سلائی میں دھاگہ اگر درزی کے ذمہ ہو

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ درزی کا قاعدہ یہ ہے کہ کپڑے کی سلائی میں دھاگہ کی قیمت رکھ لیتا ہے، دھاگہ کی قیمت اوپر سے نہیں لیتا۔ یہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

قال الشامی: هذا ظاهر على القول بان الخيط على رب الثوب فی عرف صاحب الظهيرية، وأما على عرف مَن قبله وهو عرفنا الآن من أنه على الخياط اه (ج ۵ ص ۱۶)

زمین کے اجارہ میں نقد کے ساتھ جنس ٹھہرانا

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ بکر نے اپنا کھیت مزروعہ کسی کاشتکار کو

(۱) ومثله فی الشامی ۴/۴۳۳، ولفظه شرط الواقف کنص الشارع أی فی المفهوم و الدلالة ووجوب العمل به الفتاوی الخیریة ج ۱ ص ۲۴۰، والأشباه

واسطے کاشت نیشکر کے دیا۔ اور کاشت کار سے یہ طے کرلیا کہ اس قدر روپیہ لگان کا لونگا، اور اُسی کھیت کی پیداوار کا اس قدر قند سیاہ لونگا۔ تو وہ قند سیاہ کاشتکار سے وصول کرنا اور اسکا کھانا اور کھلانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

زمین کے اجارہ میں نقد اور جنس کا ٹھہرانا جائز ہے بشرطیکہ جنس کی مقدار معلوم ہو۔ پس صورت مسئولہ میں اگر کاشتکار سے یہ کہا جائے کہ میں یہ زمین تم کو کاشت نیشکر کیلئے اتنے مہینہ یا سال کے واسطے اجارہ پر دیتا ہوں، اور اس اجرت میں اتنے روپئے سالانہ اور اتنی مقدار قند سیاہ سالانہ لوں گا تو یہ جائز ہے۔ مگر اسی کھیت کی پیداوار کا قند سیاہ مشروط کرنا درست نہیں۔ کرایہ میں تو مطلقاً یہ کہنا چاہئے کہ میں تجھ سے اتنا گڑ لوں گا، پھر رضامندی سے چاہے اُسی کھیت کی پیداوار سے لے لے، یا اور کھیت کی پیداوار سے لے لے۔ واللہ اعلم

۳۰ رجب ۱۳۴۰ھ

مکان کے کرایہ میں گڑ کی بھیلی مقرر کرنا | **سوال**:۔ کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ خالد نے کچھ اراضی چند کاشتکاروں کو واسطے بنانے مکان کو اہو نیشکر کے دیدی، اور ان سے یہ طے کرلیا کہ ہر کاشتکار سے ایک ایک بھیلی قند سیاہ کے لوں گا، تو وہ بھیلی قند سیاہ کی کاشتکاران سے وصول کرنا، اور اس قند سیاہ کا کھانا، اور کھلانا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

محمد انعام اللہ خاں
از موضع شیر پور ضلع میرٹھ
تحصیل ہاپوڑ ڈاکخانہ ـــــــ

والاشباہ والنظائر ج۱ ص۳۰۵، وأحکام الأوقاف للزرقانی ج۱ رقم الفقرۃ: ۱۵۱، و الفرائد البھیۃ فی القواعد الفقھیۃ ص۱۵ رقم القاعدۃ: ۱۸۹، والمدخل الفقھی العام للشیخ مصطفی الزرقاء ج۲ ص۱۰۸۵۔ رقم القاعدۃ ۷۰۱ ـ ۱۲ محمد عبداللہ جعفر غفر اللہ لہ ولوالدیہ ولمن علیہ حق۔ المتخصص فی جامعۃ دار العلوم کراتشی ۱۴۔ ۱۰ رجب المرجب ۱۴۱۵ھ

الجواب

مکان کے کرایہ میں گڑ کی بھیلی مقرر کرنا جائز ہے مگر شرط یہ ہے کہ مدتِ کرایہ معلوم ہو کہ یہ مکان اتنے ماہ کیلئے کرایہ پر دیتا ہوں اور بھیلی کی مقدار معین ہو کہ بھیلی اتنے سیر کی ہوگی۔ واللہ اعلم

۳۰، رجب ۱۳۴۱ھ

چونگی اور تہ بازاری کے محکمہ میں ملازمت کرنا

سوال: حسب ذیل کام کرنے ہوتے ہیں ہر ایک کام سے متعلق جواب مفصل مرحمت فرمائیں۔

۱۔ مذبوح خانہ سے فیس جانور مذبوح پر وصول کرنی۔

۲۔ چوکی پر محصول فی راس یا فی گاڑی یا فی سر بوجھ وصول کرنا۔

۳۔ پھاٹک پر رہ کر جانوروں گائے بھینس وغیرہ کا محصول وصول کرنا۔

۴۔ دفتر میں رہ کر کاغذات جو چوکیات چنگی سے آتے ہیں ان کا حساب مکمل رکھنا۔

۵۔ دفتر دیگر میں رہ کر کام سررشتہ چونگی کرنا، احکامات جاری کرنا، یا جو کام متعلق دفتر ہوں۔ ان کو ترتیب دینا۔

۶۔ بازار میں تہ بازاری فی ٹوکرہ یا فی خوانچہ شیرینی فروش یا میوہ فروش سے وصول کرنا۔

بندہ عبدالرحیم عفی عنہ
قصبہ جوالاپور۔ ضلع سہارنپور
محصل اڈر کی چوکی، چومگر

الجواب

ملازمت چونگی کے اکثر افعال خلاف شرع اور ناجائز ہیں لہٰذا فی نفسہ یہ ملازمت حرام ہے لیکن اگر اس نیت سے اسکو اختیار کیا جائے کہ مسلمان اس سے الگ ہوجائیں گے تو ان کی جگہ ہندو ملازم ہو کر مسلمانوں کو بہت تنگ کردیں گے، تو اس نیت سے یہ ملازمت کرنا امید ہے کہ باعث مواخذہ نہ ہوگی بشرطیکہ مسلمانوں کو نفع پہنچانے کی، اور ضرر سے بچانے کی کوشش بھی کی جائے، محض اپنا ہی نفع مقصود نہ ہو۔ واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد
۲، شوال ۱۳۴۱ھ

کارخانہ کے ایگریمنٹ اور مالی جرمانہ کا حکم

سوال:۔ یہ ہے کہ کارخانہ کے کاریگر جن کو پیشگی روپیہ دیا جاتا ہے اور ایک ایگریمنٹ (اقرار نامہ) لکھا جاتا ہے کہ اتنا روپیہ پیشگی لیا ہے اتنی تنخواہ پر کام کرینگے۔ یا اتنی قیمت پر اشیاء بنا کر دینگے، اور ایک سال یا چند سال میں بتدریج اپنی تنخواہ یا مال کی قیمت یا اجرت میں سے رقم پیشگی ادا کرتے رہینگے۔

بعض اوقات چوری کرتے ہیں، مگر یہ یقینا نہیں معلوم ہوتا کہ کون چور ہے بعض ظنی وقوی قرائن سے کسی شخص کا پتہ چل جاتا ہے تو اس کیلئے میں یہ کرتا ہوں کہ اپنا نقصان پورا ہونے کے وقت تک تنخواہ میں تنزل کر دیتا ہوں۔

جواب

جب یقین نہیں تو جس متہم کی تنخواہ میں تنزل کیا گیا ہے وہ اس تنزل کی حالت پر محض اگریمنٹ لکھ دینے کی وجہ سے مجبور ہے تو وہی صورت ہوئی کہ جبراً تاوان لیا گیا۔ اگر تنزل اسطرح ہوتا کہ اگر وہ چاہتا تو اس حالت تنزل پر راضی نہ ہو کر جہاں چاہے چلا جاتا۔ آپ کی طرف سے مجبور کرنے والی کوئی بات نہ ہوتی تو البتہ یہ جرمانہ کی حد سے نکل جاتا۔

بقیہ سوال۔ ان پر یہی ظاہر کرتا ہوں کہ یہ تم پر جرمانہ ہے، اور جب میرا نقصان پورا ہو جاتا ہے تو کسی اور سے کہتا ہوں کہ تم اضافہ تنخواہ و عفو تقصیر کی سفارش کرو، چنانچہ اسکی سفارش پر پھر بحال کر دیتا ہوں۔ آیا یہ صورت شرعاً صحیح ہے ؟

الجواب : اوپر کی تقریر سے جواب ظاہر ہے۔

سوال : بعض وقت کسی ٹھیکہ پر کام کرنیوالے کیلئے یہ کرتا ہوں کہ کرایہ کارخانہ کے نام سے اس سے تاوان لے لیتا ہوں اور یہ کہہ بھی دیتا ہوں کہ تمہاری وجہ سے کارخانہ کو نقصان ہوا لہذا تمہیں اس کا کرایہ ادا کرنا ہوگا۔

الجواب : جو ٹھیکیدار آپکے کارخانہ میں کام کرتے ہیں کارخانہ میں کام کرنے سے اُن کو نفع ہے یا آپکو نفع ہے ؟ غالباً ان کو تو اپنے گھر میں کام کرنے میں زیادہ راحت ہوگی۔ کارخانہ میں کام کرنے سے آپکا نفع ہے کہ سارا کام سامنے تیار ہوتا ہے، تو پھر اس حالت میں ٹھیکہ داروں سے کرایہ وصول کرنے کا کیا مطلب ؟ اجارہ تراضی طرفین سے ہوتا ہے۔ یہاں فریق ثانی محض معاہدہ سے مجبور ہو کر کرایہ دیتا ہے نہ کہ خوشی سے۔

بقیہ سوال :۔ تنخواہوں میں شرح اقرار نامہ کی اُسے اضافہ و ترقی بھی

ہو چکی ہے، اور میں احتیاطاً تنزل بھی اتنا کرتا ہوں جتنا اضافہ کیا ہے کیونکہ پیشگی اجرت لینے کے بعد اجیر شرعاً اُسی اجرت کا مستحق ہے جو اس سے بوقت معاہدہ طے ہو چکی ہے، اب اسپر اضافہ یہ محض میرے کرم پر ہے اسکا کوئی حق اضافہ کا نہیں ہے۔ اس صورت میں میں ابتک جرمانہ کو جائز سمجھتا ہوں۔

الجواب

اگر شرح اقرارنامہ میں یہ معاہدہ طے ہو، مثلاً کہ ہر سال پانچ روپیہ کی ترقی ہوگی، اور کاریگر آپکے یہاں آتے ہی چار سال کی تنخواہ پیشگی لے لے۔ اس صورت میں صرف پہلے ہی تنخواہ کا مستحق کیوں ہے، ہر سال کے اضافہ کا مستحق کیوں نہیں؟ پس اس قول کی کچھ دلیل نہیں کہ (پیشگی اجرت لینے کے بعد) اجیر شرعاً اُسی اجرت کا مستحق ہوتا ہے جو اس سے بوقت معاہدہ طے ہو چکی ہے الخ

بقیہ سوال:۔ مگر جو صورت مشتبہ ہے وہ یہ ہے کہ اگر معاہدہ کی شرائط پر اضافہ نہ کیا گیا ہو تو جرمانہ کی کیا صورت ہو سکتی ہے اگرچہ آج تک مجھے ایسا اتفاق پیش نہیں آیا۔

الجواب

اضافہ ہو یا نہ ہو، جرمانہ ہر صورت درست نہیں۔

امامت نماز کی تنخواہ کا حکم | **سوال:۔** امامت نماز کی تنخواہ کا کیا حکم ہے؟

الجواب

امامت کی تنخواہ حسب فتویٰ متأخرین جائز ہے جبکہ شرائط اجارہ سب متحقق ہوں، مثلاً کام کا متعین ہونا، مدت کا معلوم ہونا، تنخواہ کا معلوم ہونا وغیرہ وغیرہ

واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ
مقیم خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون
۲۴ر شعبان ۱۳۴۲ھ

تراویح سنانے پر اجرت لینے کا حکم | **سوال:۔** جواز چندہ کے تمام شرائط کی رعایت کرنے پر تراویح کے روپے لینا ان مصارف کیلئے جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

جو شخص مسجد کا امام معین نہیں اسکو محض تراویح سنانے پر کچھ روپیہ لینا ناجائز ہے۔ اور اگر امام مسجد ہے تو اسکو محض تنخواہ معینہ کا لینا جائز ہے۔ تراویح سناکر اس سے زیادہ لینا ناجائز ہے خواہ کسی غرض کیلئے لیا جائے۔ رہا یہ عذر کہ لوگ محض خوشی سے ہدیۃً دیتے ہیں، تراویح کا عوض نہیں دیتے۔ سراسر غلط تاویل ہے۔ اگر ہدیہ بطیب نفس ہے عوض تراویح نہیں تو اور ایام میں کیوں نہیں دیتے؟ اور بدون تراویح سنے کیوں نہیں دیتے؟۔ (تاریخ بالا)

شراب کی بھٹی کے واسطے اپنا مکان کرایہ پر دینے کا حکم | **سوال:**۔ ایک مسئلہ زیر بحث ہے، اور تسکین نہیں ہوتی، حالانکہ بحر الرائق وغیرہ میں دیکھا گیا مگر جواب شافی نہ ملا۔ صورت یہ ہے کہ ایک شخص نے جو مسلمان ہے اپنا مکان شراب کی بھٹی کیلئے کرایہ کو دیا، اور مکان کے کرایہ کی حیثیت انتہائی دو روپیہ، مگر شراب کی بھٹی کے واسطے جو دیا ہے تو مبلغ تیس۳۰ روپیہ کرایہ وصول ہوتا ہے۔ اور پڑوس کے مسلمانوں کو بہت سخت تکلیف واقع ہوئی ہے۔ مولوی حامد رضا خان سے اس مسئلہ کیلئے بعض اشخاص نے رجوع کیا تو انہوں نے جائز کہدیا ہے، حالانکہ اس سے بہت شر پھیلنے کا احتمال ہے۔ چنانچہ دریافت طلب یہ امر ہے کہ اس مسئلہ کی اگر صورت جزئیہ حضور کی نظر سے گذری ہو تو تحریر فرمادیجئے ورنہ قیاس اور جواز و عدم جواز پر دلیل بیان فرمادیجئے۔ وہ شخص دلیل پکڑتا ہے: صح إجارة الدور و الحوانیت بلا بیان ما یعمل فیھا، إلا أنه لا یسکن حدّاداً او قصّاراً او طحاناً الخ۔

محمد سرور خان
شہر بریلی۔ محلہ کوہاڑا
یزنامی پریس

الجواب واللہ الموفق للصواب

(و) جاز إجارة بیت بسواد الکوفة ای کراھا لا بغیرھا علی الأصح و أما الا مصار وقری غیر الکوفة فلا یمکنون لظھور

شعار الاسلام فيها. وخص سواد الكوفة، لأن غالب أهلها أهل الذمة يتخذ بيت نار أو بيعة أو يباع فيه الخمر. وقالا: لا ينبغي ذلك، لأنه إعانة على المعصية، وبه قالت الثلاثة. زيلعي. درمختار مع الشامی ص۳۹ ج۵

یہ مکان جس محلہ میں ہے اگر اسمیں غالب آبادی مسلمانوں کی ہے تو اسمیں مکان کو شراب کی بھٹی کیلئے کرایہ پر دینا اتفاقاً حرام ہے اور اگر اس محلہ میں غالب آبادی کفار کی ہے، تو امام صاحبؒ کے قول پر یہ اجارہ درست ہے۔ اور صاحبینؒ اور ائمہ ثلاثہؒ کے نزدیک اسوقت بھی حرام ہے۔ واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ
۱۸ ر ذیقعدہ ۱۳۴۲ھ
از تھانہ بھون

تعمیر مسجد کے واسطے کافر کو مزدوری پر لینے کا حکم

سوال: مسجدوں کی عمارت کے کام پر غیر مذہب آدمی ہندو وغیرہ مزدوری کے ساتھ لگایا جائے یا نہ؟

الجواب

جائز ہے۔ واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد
مقیم خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون
۱۶ ر ذی الحجہ ۱۳۴۲ھ

گورنمنٹ کی جانب سے قاضی کیلئے کابین وغیرہ کے مقرر کردہ رجسٹری فیس لینے کا حکم

سوال: حضرت مخدومنا المطاع۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

گذشتہ محرم الحرام کو میں نے حضور کی خدمت میں ایک عرض لکھی تھی جسکا خلاصہ یہ تھا کہ "میں گورنمنٹ کی طرف سے منصب قضاء پر متعین ہوا ہوں امید کہ اس کمینہ کو اپنی رای سے مطلع فرمائیں" پھر حالاتِ عہدہ بمتعلق فیس مقررہ از گورنمنٹ آئندہ تفصیلوار عرض کرنے کا وعدہ بھی کیا گیا تھا۔ جسپر حضور نے فرمایا تھا کہ "پس بدون تفصیل چہ حکم شرعی دادہ شود" بناءً علیہ تفصیل درج کرتا ہوں۔

تفصیل: — آج کل گورنمنٹ نے ایسا قانون کیا ہے کہ جس ضلع محکمہ اور

علاقہ میں سب رجسٹری آفس (واسطے رجسٹری ہونے قبالہ اور قبولیت وغیرہ ہر قسم دلائل کے) کھولتا ہے، وہاں ساتھ ساتھ ایک قاضی آفس (واسطے رجسٹری کابین اور طلاق اور خلع کے) کھولتا ہے۔ سب رجسٹرار کی تنخواہ مقرر ہوتی ہے جو گورنمنٹ اپنی طرف سے ادا کرتی ہے۔ اور سب رجسٹر آفس کا کل خرچہ بھی گورنمنٹ کے ذمہ ہوتا ہے اور قاضیوں کی تنخواہ مقرر نہیں، کابین وغیرہ رجسٹری کرکے جو فیس ملتی ہے بس وہی ان کی تنخواہ ہے اور قاضی آفس کا کل خرچ یہاں قاضیوں کے ذمہ ہے۔ لیکن ہر چند کہ کابین اور طلاق اور خلع رجسٹری کرنے کو قاضی مقرر کیا ہے تاہم سب رجسٹروں کا بھی کابین وطلاق و خلع رجسٹری کرنے کا اختیار باقی رکھدیا ہے۔ پس سب رجسٹر کابین یا طلاق یا خلع رجسٹری کرنے کی فیس موافق تعداد مہر کے دو یا تین یا چار روپیہ وصول کرتا ہے، اور وہ گورنمنٹ کو ملتے ہیں۔ مگر قاضیوں کے واسطے فی کابین وغیرہ ایک روپیہ رجسٹری فیس مقرر کردیا ہے اور وہ فیس خود قاضیوں کو ملتی ہے وہی ان کی تنخواہ ہے، لیکن پھر بھی تحریری حکم دیا ہے کہ اگر کوئی شخص قاضیوں کو فیس مقررہ لیکر روپیہ سے زائد بطور سلامی ونذرانہ کے کچھ دے، تو قاضی اس کو لے سکتے ہیں چاہے جتنا دے، ایک روپیہ یا دو روپیہ یا زیادہ۔

اور حال یہ ہے کہ عوام الناس اور لاعلم لوگ کابین یا طلاق یا خلع رجسٹری کرانے کو جب آتے ہیں تو پہلے سب رجسٹرار سے دریافت کرلیتے ہیں کہ اس کی کتنی فیس ہے؟ پس سب رجسٹرار اپنے قواعد کے موافق جتنا کہدیتا ہے بس قاضی صاحب کے پاس آکر اتنا ہی ادا کردیتے ہیں، اور رجسٹری کرالیتے ہیں لیکن اگر ان کو یہ معلوم ہو جائے کہ قاضی آفس میں ایک روپیہ فیس مقرر ہے تو ایک روپیہ سے زائد دینے پر راضی نہیں ہوتے، بلکہ حجت اور تکرار کرتے ہیں مگر جب ان کو اچھی طرح یہ سمجھا دیا جاتا ہے کہ بھائیو! تم سب رجسٹرار آفس میں بخوشی اتنا اور دیتے ہو حالانکہ وہ گورنمنٹ کو ملتے ہیں اور حالانکہ محنت اور کام دونوں جگہ برابر ہے۔ دیکھو یہاں قاضی صاحبوں کا ذمہ کس قدر خرچ ہے کہ بیچاروں کو آفس بنانا، کرسی، میز وغیرہ وغیرہ، غرض رجسٹری کے متعلق جتنی چیزوں کی ضرورت ہے سب کچھ اپنی طرف سے مولنا ہوتا ہے پھر رجسٹری بھی ہر موسم میں نہیں ہوتی ہے، بلکہ کبھی تین چار مہینے یا اور زیادہ ویسا ہی بالکل

بیکاری حالت میں بسر ہوجاتی ہے کہ ان اوقات میں شادی بیاہ نہ ہونے کی وجہ سے رجسٹری بالکل نہیں ہوتی۔ لیکن قاضیوں کو ہروقت مفید رہنا پڑتا ہے۔ اور کاتبوں کی تنخواہ برابر چلتی ہے۔ پس تم اگر ہم لوگوں (قاضیوں) کو ایک روپیہ سے زائد نہ دو گے تو ہمارا کام کیسے چلے گا۔ پس آدمی یہ سن کر زائد دیتے ہیں۔

میں تو چند روز سے ہوں۔ آفس بھی تیار ہے، بعض قاضی صاحبوں کی زبانی یہ بھی معلوم کیا ہے کہ اگر ایک روپیہ سے زائد نہ لیکر سلامی یا نذرانہ کے خانہ خالی چھوڑ دیا جائے، تو گورنمنٹ کے محاسبوں کے آفس تدارک کرتے وقت اس خانہ کو خالی دیکھکر اعتراض کرتے ہیں کہ خالی نہ چھوڑنا۔ پس اس سے گورنمنٹ کی رضا زائد از ایک روپیہ لینے کی ظاہر ہے۔ اسکے علاوہ آج آٹھ دس برس سے قاضیوں سے فی کابین وغیرہ تین چار روپیہ تک لے رہے ہیں، اور گورنمنٹ اسکو دیکھ رہی ہے پھر آج تک کوئی اعتراض یا ممانعت نہیں کی گئی۔ پھر قاضیوں کو برس کے اخیر میں حساب دینا ہوتا ہے کہ اس برس میں کتنی دلیلیں رجسٹری ہوتی ہیں؟ اور فیس کتنی؟ اور نذرانے کتنے وصول ہوئے ہیں؟ تو وہ لوگ حساب اسطرح دیتے ہیں کہ۔ تعداد دلیل ۳۰۰ مثلاً، تعداد فیس ۳۰۰ روپیہ، تعداد سلامی و نذرانہ ۵۰۰ روپیہ مثلاً یا ۶۰۰ روپیہ۔ مجموعہ کذا کذا۔ پس گورنمنٹ اسمیں کچھ اعتراض نہیں کرتی، تو یہ ان کی رضا کی صاف اور بین دلیل ہے۔ گویا گورنمنٹ بعبارت دیگر یوں حکم دیتی ہے کہ ایک روپیہ سے کم نہ لیا جائے اور زائد لینے کا مضائقہ نہیں چاہے جتنا ہو۔ لیکن زائد کو فیس کے خانہ میں نہ رکھا جائے، بلکہ سلامی و نذرانہ کے خانہ میں ثبت کیا جائے۔

اب عرض یہ ہے کہ جب گورنمنٹ اپنے واسطے سب رجسٹروں کے ذریعہ فی کابین و طلاق و خلع تین چار روپیہ تک وصول کرواتی ہے مگر قاضیوں کو تو بظاہر ایک روپیہ لینے کا حکم دیتی ہے حالانکہ کام اور محنت برابر ہے دونوں جگہ۔ اور پھر سلامی و نذرانہ لینے کی بھی اجازت ہے، نہ لینے پر اعتراض بھی ہوتا ہے، چنانچہ اوپر مذکور ہوا ہے۔ پس قاضی اگر اس اجازت و رضا کی رو سے اور اپنے خرچہ اور محنت کی طرف نظر کرکے لوگوں کو سمجھا بوجھا کر (یا یوں ہی) فیس مقررہ ایک روپیہ سے زائد لے تو

اسکا کیا حکم ہے؟ جائز ہوگا یا نہیں؟

اکثر لوگ قاضی آفس میں باوجود کم خرچی کے رجسٹری نہ کرواکر سب رجسٹری آفس میں زیادہ خرچ دیکر بھی رجسٹری کروانا چاہتے ہیں، لیکن سب رجسٹرار کے انکار کرنے یا ترغیب سے، یا قاضیوں کے سمجھانے پر یا کسی وجہ سے قاضی کے پاس آتے ہیں، مگر یہاں زائد دینے میں حجت اور تکرار کرتے ہیں اور وہاں بطیب خاطر ادا کرنے کو مستعد ہوتے ہیں۔ پس جب وہاں اپنی خواہش سے زیادہ دینے کو تیار ہوتے ہیں اگر یہاں ان سے سمجھا بوجھا کر یا یوں ہی اسی قدر لیا جاوے تو کیا مضایقہ ہے؟ حالانکہ کام اور محنت دونوں جگہ برابر ہے۔ اگر کوئی شخص قاضی آفس میں جاکر رجسٹری نہ کرواکے اپنے گھر میں قاضی صاحب کو بلائے تو اسکی کمیشن فیس قاضی صاحب کو جس قدر چاہے لینے کا حکم گورنمنٹ نے دیا ہے اور حالانکہ اسمیں دو چار قدم چلنے کے سوا اور کچھ نہیں۔ مگر اسمیں اختیار دیا ہے کہ زیادہ لیں، لیکن رجسٹری فیس ایک روپیہ معین کر دیا ہے۔

تو عرض یہ ہے کہ اسکے حکم پر جواز و عدم جواز کا مدار ہے یا کیا ہے؟ اور اسکا حکم (یعنی رجسٹری فیس ایک روپیہ مقرر کر دینا) بمنزلہ تسعیر ہے یا نہیں؟ قاضیوں کو اس محل میں جائز ہے یا نہیں کہ لوگوں کو سمجھا بوجھا کر، یا یوں ہی اپنی محنت اور خرچ کے انداز سے زائد لے ویں۔ بنگالہ کے سب قاضی صاحبوں کو دیکھا یا سنا گیا کہ سب کے سب زائد لیتے ہیں۔ میں نے چند قاضی صاحبان سے زائد لینے کی وجہ پوچھی، تو انہوں نے جواب دیا کہ جب گورنمنٹ سب رجسٹراروں کے ذریعہ کابین وغیرہ میں وصول کرواتا ہے اور لوگ بخوشی ادا کرتے ہیں، اس لئے ہم بھی اپنے واسطے اسی قدر لیتے ہیں کیونکہ کام اور محنت برابر۔ پھر کیا وجہ ہے کہ وہ تو زیادہ لیں اور ہم کم؟ اور کیوں لوگ وہاں زیادہ دیں اور یہاں کم۔ والناس علی دین ملوکھم۔ گورنمنٹ بھی تو کوئی کچھ زیادہ لینے سے ممانعت نہیں کرتی۔ اور زیادہ لئے بغیر ہمارا گزارا بھی نہیں ہے۔

حضرت سے درخواست کہ اس جواب کی حقیقت سے مطلع فرمائیں۔

مولانا عبدالودود اسلام آبادی "واقعات ودودی" میں لکھتے ہیں

"در ہر امریکہ عامہ مردمان دیار مبتلی باشند و در منع آن مر اوشان را ضیق و

و دشوار یست و آن امر حرام یا منصوصاً مجمعاً علیہ نیست پس باید کہ فتوی باباحت و حلت آن امر دہد انتہی ،، (ج ۱ ص۱۳۱ مطبع برکتی) ۔

قاضیوں کو اس دلیل سے کچھ نفع پہنچتا ہے یا نہیں۔ حضور! چونکہ میں بھی عہدۂ قضا پر متعین ہوں، اور اس مسئلہ کے حکم شرعی میں مجھکو تردد ہے لھٰذا حضور کو تکلیف دینے کی جرأت کرتا ہوں، تاکہ حضور سے جواب پاکر مطمئن ہو جاؤں۔ اللّٰھم اھدنا الصراط المستقیم، وأرنا الحق حقاً وارزقنا اتباعاً وأرنا الباطل باطلاً وارزقنا اجتناباً۔ آمین۔

کمترین عقیدت مند سید عبدالرؤف عفاعنہ حنفی سلہٹی

الجواب

صورت موجودہ میں جو سوال میں مذکور ہے جب قاضیوں کی تنخواہ مقرر نہیں بلکہ فی رجسٹر ایک روپیہ ان کی اجرت مقرر کی گئی ہے تو قاضیوں کا رجسٹری کرنا ایک عمل ہے جسکی اجرت برضاء متعاقدین جو کچھ مقرر ہو جائے جائز ہے، گورنمنٹ کا ایک روپیہ اسکی اجرت مقرر کرنا داخل تسعیر ہے جو شرعاً واجب العمل نہیں، خصوصاً جب گورنمنٹ اس سے زیادہ لینے کی اجازت دیتی ہے تو اس میں اب تو کچھ حرج بھی نہ رہا، لھٰذا رجسٹری کرنے والے قاضیوں کو اپنے عمل رجسٹری کے معاوضہ میں ایک روپیہ سے زائد معاوضہ لینا جائز ہے۔ واللہ اعلم۔ البتہ صاحب حاجت کو یہ دھوکہ دینا کہ فیس رجسٹری ایک روپیہ سے زیادہ اسکو بتلائی جائے یا اسطرح گفتگو کی جائے جس سے وہ یہی سمجھے جائز نہیں۔ بلکہ اس سے صاف کہدیا جائے کہ قانوناً تو فیس ایک روپیہ ہے مگر میں اسپر راضی نہیں ہوں بلکہ اس سے زیادہ لوں گا۔ تمہارا جی چاہے کروالو یا نہ کرواؤ! اسکے بعد اگر وہ ایک روپیہ سے زائد دینے پر راضی ہو جائے تو زائد درست ہے۔ فقط

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ

مقیم خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون ۲۹ صفر ۱۳۴۳ھ

اسیطرح صاحب معاملہ کو ایسا دھوکا دینا کہ وہ رجسٹری کو لازم سمجھے یہ بھی جائز نہیں۔ اشرف علی

مسئلہ اجرت علی الطاعات

سوال: علماء وفقہاء مدقق اندریں مسئلہ چہ می فرمایند کہ فقہاء در بسیار کتب فقہ اجرت علی الطاعات والقربات جائز نوشتند۔ چنانکہ در کتب ذیل اجرت علی الطاعات والعبادات بقول مفتی بہ جائز ولازم بزنگاشتند، ودر بعض کتب درجواز اجرت ہر مذہب عامۃ المتأخرین نیز مذکور است، آیا این قول مفتی بہ صحیح ہست یانہ؟ درصحت وعدم صحت چہ دلیل ست؟ ومقلدین بفتویٰ وظیفہ عوام ست بقول الفقہاء وافعالہم دون التمسك بالکتاب والسنۃ، چنانکہ درفتوی حامدیہ ست برآن اقوال فقہاء علماء تواند کردیانہ؟ بینوا بالدلائل الواضحۃ والبراھین الساطعۃ وتصلوا فی الجواب توجروا یوم الحساب۔

(۱) شرح الملتقی: وتبطل الاجارۃ عند المتقدمین علی الطاعات کالأذان والحج والإمامۃ وتعلیم القرآن والفقہ وقرأتہما ویفتی الیوم۔ أی المتأخرون بالجواز للإجارۃ علی ھٰذہ الطاعات لفتور الرغبات ومنع العطیات۔ انتھٰی

(۲) حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار: جواز الاستیجار علی قرأۃ القرآن علی القبور مدۃ معلومۃ۔ انتھی (ص ج ۴)

(۳) البحر الرائق: ان المفتی بہ جواز اخذ الاجارۃ علی القرأۃ۔ انتھٰی۔

(۴) جامع الرموز: تبطل الاجارۃ عند المتقدمین للعبادات کالأذان والإمامۃ والتذکیر والتدریس والحج والغزو وتعلیم القرآن والفقہ وقرأتہما، یفتی الیوم أی المتأخرون بصحتہا أی الإجارۃ لھٰذہ العبادات۔ انتھٰی۔

(۵) مولانا شاہ عبدالعزیز مرحوم درفتاوی عزیزی فرمود، شخصے قرآن را نہ بروجہ طاعت بلکہ بنابر قصد مباحی می خواند، وبرآن اجرمی گیرد مثل رقیہ وتعویذ وختم بعض سورہ قرآنی برائے حصول مطالب دنیوی، یابرائے استخلاص ازعذاب گور، یابرائے انس زندہ یامردہ بصوت خوش۔ واین قسم نیز جائزست بلاکراہیت، وعین ست مراداین حدیث «إن أحق ما تخذتم علیہ أجر کتاب اللہ»

(۶) در در مختار: ينبغي أن يكون القول ببطلان الوصية لمن يقرأ عند قبره بناءً على القول بكراهة القراءة على القبور، أو لعدم جواز الإجارة على الطاعات، أما على المفتى به من جوازهما فينبغي جوازها مطلقاً. انتهى۔

(۷) عالمگیریة: اختلفوا في الاستيجار على قراءة القرآن على القبر مدة معلومة. قال بعضهم: لا يجوز، وقال بعضهم يجوز. وهو المختار۔

(۸) فيض: الأصح أنه يجوز الاستيجار على الطاعات،

یہ کتاب فتاوی حنفیہ میں ہے۔ اسکا مصنف ابراہیم بن عبدالرحمن کرکی۔ مصنف نے کہا کہ اس کتاب میں میں نے انہیں مسائل کو بیان کیا ہے جو راجح اور معتمد ہیں۔ كذا في رد المحتار والكشف۔

(۹) استاد عبدالغنی نابلسی شرح طریقۂ محمدیہ میں لکھتے ہیں: ولم أر حكم من أخذ شيئاً من الدنيا. لجعل شيئاً من عبادته للمعطي، وينبغي ان لا يصح۔ قال الوالد رحمه الله تعالى: وفيه نظر، بل إطلاق ما سبق يقتضي الصحة۔ انتهى۔

عبدالغنی نابلسی علامہ شامی کے استاد ہیں۔ اور دمشق شام کے مفتی تھے۔ كذا في العقود الدرية۔

(۱۰) حديقه نديه شرح طريقه محمديه: من تلا القرآن أو ذكر الله تعالى لوجه الله، وأخذ شيئاً من الدنيا وجعل عبادته هذه للمعطي جاز، ووجهه: أن أخذ الدراهم صدقةٌ من المعطي، وأخذ الصدقة لا يمنع الثواب للمعطي۔ انتهى ملخصاً۔

(۱۱) ابن شحنه شرح وهبانيه: المسئلة في التجنيس والمزيد وهي فرع لقول عدم جواز أخذ الأجرة على القربات۔ الفتوى على الجواز۔ وهو اختيار المتاخرين واختيار مشائخ بلخ۔ والمتقدمون على المنع وقد صرح بان الفتوى على جواز أخذ الأجرة على القربات۔

(۱۲) ربع افادات: ومن أخذ شيئًا من الدنيا، فجعل شيئًا من عبادته للمعطي، ينبغي أن يصح. ولا فرق بين الفرض والنفل. فاذا صلى فريضة، وجعل ثوابها لغيره، صح. لكن لا يعود الفرض الى ذمته. انتهى. فقد جوز أخذ الأجرة على جميع الطاعات، مصنف شيخ عبد الغنى نابلسى۔

(۱۳) حموی على الأشباه: الوصية بالقرأة إنما بطلت لعدم جواز الاجارة على القرأة، وينبغي أن تكون صحيحة على المفتى به من جواز الاجارة على الطاعات، كما هو مذهب عامة المتأخرين۔

(۱۴) فتاوى كازرونى: في البزازية: أوصى لقارى القرآن ليقرأ عند قبره. فالوصية باطلة اھ وهو محمول عند المتقدمين على جواز أخذ الأجرة على القرأة، أما على المفتى به فينبغي الجواز۔

(۱۵) مجموعه على أفند عمادى: القول ببطلان الوصية مبنى على القول بكراهة القرأة على القبور، أو لعدم جواز الإجارة على الطاعات، أما على المفتى به من جوازهما فينبغي جواز ذلك. أقواله معتبرة مذكورة في العقود الدراية، ورد المحتار للشامى۔

(۱۶) مولانا عبد الحق مرحوم محدث دهلوی در "مدارج النبوة" نوشته فتوی داده است قاضی حسین که استیجار برائے قرأة برسر قبر جائز ست چنانکه استیجار برائے اذان و تعلیم قرآن انتهى۔

(۱۷) الجوهرالنيرة: اختلفوا في الاستيجار على قرأة القرآن، قال بعضهم لا يجوز، قال بعضهم يجوز، وهو المختار۔

(۱۸) فتاوى هنديه: اختلفوا في الاستيجار على قرأة القرآن عند القبر مدة معلومة، قال بعضهم: لا يجوز، وقال بعضهم: يجوز، وهو المختار۔

(۱۹) فتاوى حامد آفندى: في المبسوط: رجل قال للقارى: اختم القرآن لي، أو لأبي، أو لأمي، ولم يسم شيئًا من الأجر، وختمه، يجب على

الأمر أجر المثل للقاری، و هو ما نطق به النص۔ أعنی أربعین درهماً۔ ورد به الحدیث، ولیس له أن یأخذ أقل من اربعین درهماً شرعیاً۔

بجز کتب مذکورہ مذکورہ درکتب ذیل نیز اجرت علی الطاعات جائزست۔

(۲۰) فتاوی ابوسعود عمادی (۲۱) بهجة الفتاوی (۲۲) فتاوی عبدالرحیم آفندی (۲۳) فواکہ طوریہ (۲۴) محقق ابن کمال پاشا کے فتاوی میں نقلاً عن الظهیریة (۲۵) مهمات الفتوی، مولفہ ابن کمال پاشا میں تفسیر کواشی سے منقول ہے کہ قرآن کی اجرت عہدرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں جیساکہ عبداللہ بن مسعود اور انس بن مالک رضی اللہ عنہما سے مروی چار دینار تھے، ایک دینار دس درہم کا۔

(۲۶)۔ تکملة البحر (۲۷) خزینة الاسرار میں بھی "درر" سے "مهمات الفتاوی" کا یہی مضمون منقول ہے۔ یہ مضمون کتاب ملا خسرو کی تصنیف ہے اور معتبر کتاب ہے۔ کذا فی رد المحتار و عمدة الرعایة (۲۸) درمختار بر حاشیہ طحطاوی نقلاً عن المبسوط وغیرها۔

ودیگر گذارش این ست کہ در ہدایہ ورد المحتار وحامدیہ وفتح القدیر وغیرها اجرت علی الطاعات حرام یافتہ شود، مگر برخلاف نص "من أخذ قوساً علی تعلیم القرآن، قلده الله قوساً من نار"۔ برائے معلم قرآن وفقہ، ومؤذن و امام ضرورۃً بقول مفتی بہ اجرت جائز نوشتند۔ اذان وجماعت سنت موکدہ است۔ برائے ادائے سنت اجرت جائز نوشتند۔ حالانکہ نماز جنازہ فرض کفایہ است، وبرآن اجرت ناجائز، ما السبب فیہ؟

الحاصل: دربسیار کتب فقہ فتوی جواز وعدم جواز یافتہ شود۔ پس کدام فتوی أصح وواجب العمل است۔ فقط۔

بالجواب

امام ابوحنیفہ اور صاحبین رضی اللہ عنہم کا اصل مذہب یہ ہے: إن کل طاعة یختص بها المسلم لا یجوز الاستیجار علیها، لقوله صلی الله علیه وسلم: اقرأوا القرآن ولا تأکلوا به۔ رواه احمد وابو یعلی والطبرانی و البیهقی فی الشعب عن عبد الرحمن بن شبل الأنصاری، ورجاله ثقات،

كذا في العزيزي (ج ١ ص٢٦١)

وفي آخر ما عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم إلى عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ: وإن اتخذت مؤذناً فلا تأخذ على الأذان أجراً اھ ولأن القربة متى حصلت وقعت عن العامل، فلا يجوز له اخذ الأجر من غيره كما في الصوم والصلوٰة۔ هداية اھ من رد المحتار (ج ٥ ص٥٢)

قلت: حديث عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ أخرجه ابو داؤد، والنسائي، والترمذي. وحسنه، ولفظه: اتخذ مؤذناً لا يأخذ على الأذان أجراً اھ كذا في الزيلعي (ج ٢ ص٢٤٠)

اسی لئے اصل مذہب عدم جواز اخذ اجرت علی الطاعات ہے کما صرح به في المتون۔ پھر متأخرین نے یعنی مشایخ بلخ نے امام صاحب رحمہ اللہ اور صاحبین رحمہما اللہ کے خلاف بعض طاعات پر اجارہ کو جائز کیا، کما في الهداية: واستحسن بعض مشايخنا الاستيجار على تعليم القرآن اليوم لظهور التواني في الامور الدينية، ففي الامتناع تضييع حفظ القرآن. وعليه الفتوى اھ ھدایہ میں صرف تعلیم قرآن کے استثناء پر اکتفا کیا ہے، اور متن کنز اور متن مواہب الرحمٰن اور بہت سے متون میں بھی اسپر اکتفا کیا ہے۔ اور مختصر وقایہ اور متن اصلاح میں تعلیم فقہ کو بھی بڑھایا۔ اور متنِ مجمع میں امامت کو زیادہ کیا۔ اسیطرح متن ملتقی و "درر بحار" میں بھی امامت کو ذکر کیا ہے، اور باقی متون میں اذان و امامت کو بھی ذکر کیا ہے۔ ذكر كل ذلك في الشامية (ج ٥ ص٥٣)

یہ وہ امور ہیں جن پر اجارہ کو متأخرین نے جائز کہا ہے اور علت جواز میں ضرورت کو ذکر کیا ہے کہ ان کے بغیر دین کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہے اسلئے بضرورت اسمیں جواز اجرت کا فتویٰ دیا گیا ہے۔ متون معتبرہ اور شروح فقہ میں ضرورت ہی کے ساتھ جواز کو ان امور میں معلق کیا ہے اسی سے صاف ظاہر ہوا کہ متأخرین کے نزدیک ہر طاعت پر اجرت مفتی بہ نہیں۔ بلکہ صرف انہیں امور میں جواز مفتی بہ ہے جن میں حفظ دین کیلئے اجازت اجرت کی ضرورت ہے۔ اور قاعدہ ہے کہ متون و شروح کے مقابلہ میں کتب فتاوی کا قول معتبر نہیں ہوتا۔ پس جن روایات سے سوال میں جواز اجرت علی جمیع

الطاعات پر استدلال کیا گیا ہے وہ متون مذاہب اور شروح کے مقابلہ میں ہرگز قابل اعتبار نہیں ہیں۔ ورنہ پھر نماز اور روزہ پر بھی اجرت کو جائز کہدیا جاوے کہ کسی شخص کو نماز پڑھنے کیلئے نوکر رکھ لیا، یا روزہ کے واسطے نوکر رکھ لیا کہ وہ نماز اور روزہ نفل پڑھ پڑھ کر موجر کو بخشا کرے۔ وھذا لایقول بہ أحد من مشایخنا لا المتقدمین ولا المتأخرین۔ پس اخذ اجرت علی قرأۃ القرآن حنفیہ متقدمین ومتأخرین دونوں کے نزدیک حرام و ناجائز ہے۔ موجر و اجیر دونوں گنہگار ہیں۔ اور میت کو اس قرأت سے کچھ بھی ثواب نہیں ہوتا، کیونکہ نیت دنیا سے قاری ہی کو ثواب نہیں ملا تو مہدی لہ کو کہاں سے ملیگا۔

رہا حدیث لدیغ سے جسکو بخاری وغیرہ نے روایت کیا ہے جواز اجرت علی الطاعات پر استدلال محض غلط ہے کیونکہ اس سے صرف رقیہ اور جھاڑ پھونک پر جواز اجرت مستفاد ہوتا ہے۔ اور رقیہ طاعات نہیں ہے گو قرآن میں سے ہو، بلکہ وہ مثل طب کے ایک طریق علاج ہے۔ یہ خلاصہ ہے اس تحقیق کا جسکو علامہ شامی نے باب الاجارۃ (ج ۵ ص ۵۲-۵۳-۵۴) میں ذکر کیا ہے اور علامہ موصوف نے اس مبحث پر ایک مبسوط رسالہ؏ تقریباً پانچ جزمیں تالیف فرمایا ہے۔ جس میں پچاس سے زیادہ متون مذہب و شروح فقہ و فتاوی معتبرہ سے ثابت کیا ہے کہ متاخرین نے مطلقاً جواز اجرت علی الطاعات کا فتویٰ نہیں دیا۔ بلکہ محض امور ضروریہ میں جواز کا فتویٰ دیا ہے، جن کا ذکر اوپر گذر چکا ہے۔ اور ثابت کیا ہے کہ اخذ اجرت علی قرأۃ القرآن متقدمین و متاخرین دونوں کے فتوی سے حرام و ناجائز ہے، کیونکہ اسمیں جواز اجرت کی طرف کوئی ضرورت داعی نہیں۔ اسلئے وصیت بالذکر والتہلیل وقرأۃ القرآن بھی باطل ہے۔ اسی رسالہ میں ان تمام روایات کا کافی جواب اور رد نقل کیا ہے جو سوال میں مذکور ہیں۔ اسکو مطالعہ کرنا چاہیئے۔ ھذا واللہ اعلم

حررہ العبد الفقیر الی اللہ تعالیٰ الصمد عبد المذنب ظفر احمد وفقہ اللہ لما تحب وترضٰی
یوم الخمیس ۱۳۴۳ھ بالرباط المبارک المعروف بالخانقاہ الامدادیہ۔ تھانہ بھون۔

؏ اس رسالہ کا نام "شفاء العلیل و بل الغلیل" ہے، جو "مجموعہ رسائل ابن عابدین" میں شامل ہے، اس رسالہ پر علامہ طحطاوی محشی درمختار کی تقریظ و تصویب ہے۔ منہ

ایجنٹی کے بارے میں چند سوالوں کے جوابات | سوال :۔........

.... ایک صابون کے کارخانہ والے کو ایجنٹوں کی ضرورت ہے، کارخانہ والے نے ایجنٹوں کے واسطے شرائط ذیل تجویز کئے ہیں۔ ان میں کوئی شرط خلاف شرع شریف تو نہیں ہے؟ اور اگر کوئی شرط ایسی ہے تو بجائے اسکے کوئی اور شرط ایسی ہوسکتی ہے یا نہیں جس سے وہ ضرورت پوری ہوسکے جسکے لئے وہ شرط مقرر کی گئی ہے؟ اس واسطے ان ضروریات کا بیان بھی شرائط کے ساتھ کیا جائیگا۔

دفعہ ۱۔ ایجنٹ دو قسم کے ہوسکتے ہیں تنخواہ دار یا کمیشن پر کام کرنے والے۔

دفعہ ۲۔ قسم اول یعنی تنخواہ دار ایجنٹ کی تنخواہ ۱۵ ماہوار سے ۵۰ ماہوار تک حسب لیاقت یا کارگذاری ہوگی۔ اور علاوہ تنخواہ کے سفرخرچ ملیگا، اور ایک روپیہ یا دو روپیہ کمیشن فیصدی دیا جائیگا یعنی اگر ان کی کوشش سے مہینہ میں پانچ سو روپیہ کی درخواستیں آئیں تو پانچ روپیہ یا دس روپیہ حسب قرارداد ایجنٹ کو علاوہ تنخواہ اور سفرخرچ کے ملیگا۔ اس کمیشن فیصدی کے مقرر کرنے کی ضرورت یہ ہے کہ ایجنٹ کام شوق سے کرے اسپر ایک صاحب کو یہ اشکال ہے کہ یہ کمیشن اجرت میں داخل ہے، اور اسکی مقدار مجہول ہے، نہ معلوم ایجنٹ کتنی درخواستیں بھیج سکے، اور کتنی اجرت کا مستحق ہو؟

الجواب

اجرت کا مجہول ہونا اس صورت میں اصل قاعدہ سے موجب فسادِ عقد ہونا چاہئے، مگر فقہاء نے اجرت دلال کو حاجت کے واسطے جائز کہا ہے۔ اور یہ بھی اسکے مشابہ ہے لہٰذا جائز ہے۔

قال فی الشامیۃ عن الحاوی: سئل محمد بن سلمۃ عن أجرۃ السمسار، فقال: أرجو أنہ لا بأس بہ وإن کان فی الاصل فاسدًا لکثرۃ التعامل، وکثیر من ھٰذا غیر جائز، فجوزوہ لحاجۃ الناس اھ ج۵ ص۶۰

دفعہ ۳۔ تنخواہ دار ایجنٹ کے متعلق کارخانہ دار کو اختیار ہوگا کہ اگر ضرورت سمجھے تو اسکو کارخانہ میں کسی کام پر رکھے یا سفر پر جہاں چاہے بھیجے۔

الجواب :۔ تراضی طرفین کے بعد یہ شرط جائز ہے۔

دفعہ ۴ ۔ قسم دوم کے ایجنٹ وہ ہیں جو کمیشن پہ کام کرنا چاہتے ہیں۔ ان کا کام یہ ہوتا ہے کہ کارخانہ کا نمونہ اپنے پاس رکھیں اور لوگوں کو دکھلا کر خریدار بنائیں، اور ان سے فرمائش لیکر کارخانہ کو بھیجیں۔ کارخانہ سے مال صاحب فرمائش کے پاس براہ راست بھیجدیا جائے، اور اس کوشش سے ایجنٹ اس کمیشن کا مستحق ہو جائے جو اسکے لئے مقرر ہے مثلاً ایک مہینہ میں پانچسو روپیہ یا اس سے کم ہر مال فروخت کرادے تو کمیشن فیصدی چھ روپیہ چار آنہ پانے کا مستحق ہے۔ اور اگر اس سے زیادہ کا مال فروخت کرادے، تو بحساب سات روپیہ فیصدی کا مستحق ہوگا۔ اسپر ایک صاحب کو اشکال ہے کہ یہ کمیشن بمقابلہ سعی کے ہے، اور سعی متقوم چیز نہیں۔ اسکی ضرورت کارخانہ دار کو جو کچھ ہے ظاہر ہے۔ یہ صورت طرفین کیلئے سہل اور قابل اطمینان ہے۔

الجواب

جائز ہے، اور اشکال فضول ہے، مزدور جو مزدوری کرتا ہے وہاں بھی تو محنت کا معاوضہ ہے یہاں بھی محنت کا معاوضہ ہے، شبہ اگر ہو سکتا ہے تو جہالت اجر و عمل کا ہو سکتا ہے کہ وقت عقد کے وہ معلوم نہیں مگر یہ صورت اجرت دلال میں ہوتی ہے اور اسکو فقہاء نے بضرورت جائز کیا ہے، پس یہ صورت بھی جائز ہے۔

دفعہ ۵ ۔ دونوں قسم کے ایجنٹوں کو ایک مدت متعینہ تک کام کرنے کا ایک عہدنامہ کارخانہ میں داخل ہوگا کہ اگر اس مدت کے اندر کام چھوڑیں تو قانونی چارہ جوئی کرکے بجبر ان سے کام لیا جائیگا۔ اس دفعہ کی ضرورت یہ ہے کہ لوگ ایجنٹی کا کام سیکھ کر اور تجربہ حاصل کرکے بیٹھے رہیں اسمیں کارخانہ کا نقصان ہے، کیونکہ وہ اس صورت میں کارخانہ کے محض تجربوں کے رازدار ہو جائینگے، اب کارخانہ کو نئے آدمی سے کام لینا پڑے گا، اور اسکے سکھانے میں مال و وقت صرف کرنا ہوگا۔ اور وہ سابق ایجنٹ خود ان تجربوں سے کام کا فائدہ اٹھائینگے، یا دوسرے کسی کارخانہ کو فائدہ پہنچائینگے۔

الجواب

اسکی صورت جواز یہ ہے کہ اجارہ اس مدت کے ساتھ مقید کردیا جائے، مثلاً ایک شخص کو ماہوار ۱۵ روپیہ پر ملازم رکھنا ہے، تو اس سے اسطرح عقد کیا جائے کہ میں تم کو سال بھر کے واسطے بمعاوضہ ایک سو اسی ۱۸۰ روپیہ کے ملازم رکھتا ہوں پھر چاہے وہ

یہ اجرت سال بھر کے بعد لے، یا ہر مہینہ کے کام کا معاوضہ ماہوار لیتا رہے اختیار ہے۔ لیکن اجارہ ماہوار تنخواہ پر نہ ہو، کیونکہ اس صورت میں ہر مہینہ کے ختم پر اسے فسخ عقد کا حق ہوگا۔ بلکہ جتنی مدت تک اسکا رکھنا ضروری ہو عقد ہی اس مدّت پر کیا جائے پھر اسکو بدون قضاء یا رضاء یا عذر صریح کے حق فسخ اجارہ نہ ہوگا، اور موجر اسکو اسی مدت میں عمل کرنے پر مجبور کر سکیگا جبکہ وہ بلا وجہ طمع زیادت تنخواہ وغیرہ کی وجہ سے الگ ہوا ہو، اور بیماری عذر معتبر ہے۔ یا وہ اس کام کو بالکل ہی ترک کرنا اور کسی دوسرے کام میں لگنا چاہتا ہے یہ بھی عذر ہے لیکن بلا عذر علیحدگی کی صورت میں اسکو کام پر تو مجبور کیا جا سکتا ہے، کوئی جرمانہ اور تاوان لینا اس سے جائز نہیں۔

قال بالدر: تفسخ بالقضاء او الرضاء و بخیار عیب و رؤیۃ إلی أن قال ـــ و بعذر۔ و قال: إن العذر ظاهرا ینفرد (ای بالفسخ ۱۲) و إن مشتبهاً لا ینفرد، قال الشامی: و إنما قال تفسخ لأنه اختار قول عامة المشائخ۔ و هو عدم انفساخ العقد بالعذر و هو الصحیح، نص علیه فی الذخیرة اھ (ج ۵ ص ۲)

دفعہ ۶۔ دونوں قسم کے ایجنٹوں کو خواہ وہ تنخواہ پر کام کرنے والے ہوں یا کمیشن پر۔ ایجنٹوں کو پچاس روپیہ نقد کی یا کسی بینک کی یا کسی معتبر شخص کی۔

دفعہ ۷۔ دونوں قسم کے ایجنٹ کمیشن پانے کے مستحق اسوقت ہونگے جبکہ مال کا روپیہ کارخانہ میں وصول ہو جائے، اور اگر کوئی مال بلا عذر معقول کے واپس آیا تو اس رقم پر کمیشن نہ دیا جائیگا، بلکہ صرف آمد و رفت نصف ذمہ ایجنٹ ہوگا۔ اسکی ضرورت یہ ہے کہ ممکن ہے کہ ایجنٹ اپنی ماہواری تعداد پوری کرنے اور کمیشن کے مستحق بننے کیلئے غیر معتبر اشخاص سے فرضی فرمائشیں بھجوا دے اور اس وجہ سے کارخانہ کو تاوان دینا پڑے، اس دفعہ کو خیال کرنے سے کام احتیاط سے کریگا۔

دفعہ ۸۔ دونوں قسم کے ایجنٹوں کو کارخانہ ہذا کے جملہ قواعد کی جو اس وقت تک منضبط ہو چکے ہیں، یا آئندہ ترمیم یا اختراع ہونگے، پابندی کرنی ہوگی۔

تکلف معصوم علی
از میرٹھ خیر نگر

جواب ۶:- ضمانت کا تو مضائقہ نہیں، لیکن اگر ایجنٹ نے کارخانہ کا کوئی نقصان چوری وغیرہ سے نہ کیا ہو، صرف بلا وجہ میعاد مقررہ سے پہلے الگ ہوگیا تو اس صورت میں رقم ضمانت کا ضبط کرنا جائز نہیں، اور اگر اس نے کارخانہ کا کوئی نقصان مالی کیا ہو، جیسے چوری وغیرہ اور اسکا ثبوت شرعی مل گیا ہو اس صورت میں بقدر نقصان کے رقم ضمانت سے لینا بھی جائز ہے۔ واللہ اعلم۔

جواب ۷:- یہ قاعدہ تو ٹھیک ہے کہ جبتک مال کا روپیہ کارخانہ میں نہ آجائے اسوقت تک ایجنٹ کمیشن پانے کا مستحق نہ ہو کیونکہ اسکا عمل اُسی وقت ثابت ہوگا، لیکن اگر بلا عذر معقول مال واپس آئے صرف آمد و رفت نصف ایجنٹ کے ذمہ ہو۔ یہ قاعدہ مطلقاً درست نہیں، کیونکہ جب یہ احتمال ہے کہ ایجنٹ نے فرضی فرمائش بھیجدی ہو یہ بھی احتمال ہے کہ واقعی فرمائش بھیجی ہو، اور وی۔ پی۔ پہنچنے پر فرمائش کنندہ نے بلا وجہ واپس کردیا ہو۔ چنانچہ ایسا ہی ہوتا ہے، بجائے اسکے یہ قاعدہ ہونا چاہئے کہ واپسی مال کی صورت میں کارخانہ مرسل الیہ سے بذریعہ جوابی خط کے دریافت کریگا کہ اس نے فرمائش کی ہے یا نہیں؟ اگر وہ جواب دے کہ فرمائش کی تھی تو ایجنٹ پر کوئی تاوان نہیں، اگر جواب دے کہ فرمائش نہیں کی تھی یا کچھ جواب نہ دے اس صورت میں ایجنٹ سے قسم لی جائیگی۔ اگر وہ قسم کھالے کہ میں نے فرمائش کے بعد کارخانہ کو روانگی مال کیلئے لکھا تھا تب بھی اسپر تاوان نہیں۔ اگر قسم سے انکار کرے تو وہ نصف محصول آمد و رفت کا ذمہ دار ہوگا۔

ووجه التنصيف في هٰذه الصورة أن الدلال يدعي طلبه وهو ينكره فلو كان الدلال صادقاً لم يضمن شيئاً. ولو كان المرسل اليه صادقاً ضمن الدلال كل الغرم، وإذا لم يدر صدق الدلال من كذبه ينصف الغرم فيغرم نصفه عن اليمين ليس باقرار عند الإمام، وهذا لم أره صريحاً، و القواعد تقتضيه عندي. والله اعلم۔

جواب ۸۔ دفعہ ۸ محتاج جواب نہیں۔

هٰذا وقد كتبه مولانا المولوی استاذی الصوفی ظفر احمد صاحب عفا اللہ عنہ
۱۲ ربیع الاول ۱۳۴۳ھ

ایسی دکان پر ملازمت کا حکم جہاں ناجائز اشیاء کی فروخت اور سودی معاملہ و دغا فریب ہوتا ہو۔

سوال:۔ ایک بڑی دکان پر مختلف قسم کی اشیاء جائز و ناجائز کے فروخت ہوتے ہیں، مگر بمقابلہ اشیاء ناجائز کے کثرت اشیاء جائزہ کی ہے، البتہ یہ بات ضروری ہے کہ معاملات بیع و شراء میں سودی معاملہ بھی کبھی کبھی برتا جاتا ہے۔ اگرچہ تاجر دوکان مشتری سے سود لینا تو کم ہے مگر بعض اوقات خود دوسرے کو دینے سے چارہ نہیں ہوتا۔
اس دوکان پر متعدد ملازم ہوتے ہیں جن میں بعض جاہل محض ہوتے ہیں۔ اور بعض کچھ شدبد والے۔ یہ ملازم دغا کذب وغیرہ بے کھٹکے اعلیٰ درجہ کا برتتے ہیں اور مالک دوکان باوجود وقوف و آگہی کے ان افعال پر ملازمین سے کچھ تعرض نہیں کرتا۔
حاصل یہ کہ اس دکان پر ایک روپیہ میں آٹھ آنہ سے زائد کی نسبت سے لین دین کذب و دغا برتی جاتی ہے، اور بعض معاملات بیع فاسد کے بھی ہوتے ہیں (مگر یہ معاملات بیع فاسد کی بوجہ لاعلمیٔ مسئلہ فقہی کے ہوتے ہیں) پس ایسی دوکان پر ملازمین از قسم منشی گری، یا تعلیم اطفال، یا خرید و فروخت اشیاء دوکان درست ہے یا نہیں؟ اور یقین کامل ہے کہ تنخواہ اسی رقم دوکان سے ملے گی۔ اور ایسی دوکان پر بطور مہمان دعوت کھانا، یا پان و چائے معمولی رسمی اشیاء دوستانہ رسم کی خورد و نوش درست ہے یا نہیں؟

الجواب

سود دینے سے دکان کے مال میں حرمت نہیں آتی۔ دینے والوں کو گناہ ہوتا ہے اگر بدون سخت مجبوری کے دیں۔ اور سود لینا مسلمان سے تو مطلقاً حرام ہے، اور کفار سے لینا بھی بعض علماء کے نزدیک حرام ہے، مگر جب وہ قلیل ہے اور زیادہ آمدنی بے سودی ہے تو ملازم دکان کو تنخواہ لینا جائز ہے جبکہ تنخواہ[ع] مال مخلوط سے دی جاتے۔ اس طرح جب اشیاء حلال زیادہ ہیں تو غلبہ حلال کو ہے۔ اور ملازموں کی دغا فریب سے انکو گناہ عظیم ہوتا ہے۔ اسیطرح دکاندار کو بھی اگر وہ اس سے واقف ہے لیکن جو قیمت حاصل ہوتی ہے وہ حلال ہے گو کراہت سے خالی نہیں۔ لیکن دکاندار کی ملک ہو جاتی ہے۔ اسیطرح بیع فاسد میں قبضہ سے دکاندار کی ملک ہو جاتی ہے، البتہ کراہت و خبث

ع اسکے متعلق ایک مفصل تحریر آئندہ بھی آتی ہے، اسکو دیکھکر عمل کیا جائے ۱۲ منہ

ضرور ہے اب اگر ملازم دکان کو یہ معلوم ہو کہ یہ تنخواہ جو مجھے دی گئی ہے یہ بیع فاسد کے ثمن سے دی گئی ہے یا سود کی آمدنی سے، جب تو اسکا لینا درست نہیں۔ اور اگر سب مخلوط ہو۔ اور اسکو معلوم نہ ہو کہ یہ تنخواہ بیع صحیح کی قیمت سے ہے یا فاسد کی تو تنخواہ حلال ہے۔

قال فی الأشباه: غلب علی ظنه أن أکثر بیاعات أهل السوق لاتخلو عن الفساد، فان کان الغالب هو الحرام تنزه عن سرائه، لکن مع هذا لو اشتراه یطیب له اهـ. قال الحموی: ووجهه أن کون الغالب هو الحرام لا یستلزم کون المشتری حراماً. لجواز کونه من الحلال المغلوب و الاصل الحل اهـ (ص ۹۲)

اور ایسے دکاندار کی دعوت وضیافت وهدیہ وغیرہ قبول کرنا درست نہیں، لعدم تبدل الملك فیه بیعًا وشراءً، ولعدم الحاجة إلی ذلك۔

وقال الشیخ دام ظله: إذا اعطی الموجر الأجرة من المال المخلوط والأجیر عالم بالخلط، فکیف یجوز له أخذها، والخبث قد تمکن بها بالخلط. قلت: هذا علی قولهما. وهو الأحوط. ولکن علی قول أبی حنیفة فالخلط مستهلك. فان قیل هذا یفید ملکه لأجل استمتاعه به. قلت: عبارات الفتاوی تدل علی جواز الاستمتاع أیضاً علی قوله قال فی فتاوی قاضیخان إن کان غالب مال المهدی من الحلال، لا بأس بان یقبل الهدیة ویأکل مالم یتبیّن عنده أنه حرام، لأن اموال الناس لاتخلو عن قلیل حرام فیعتبر الغالب. وإذا مات عامل من عمال السلطان وأوصی أن یعطی الحنطة للفقراء، قالوا: إن کان ما أخذه من الناس مختلطا بماله لا بأس به. وإن کان غیر مختلط لایجوز للفقراء أن یأخذه إذا علم أنه مال الغیر، فان کان ذلك الغیر معلوماً رده إلیه. وإن لم یعلم الأخذ أنه من ماله أو مال غیره، فهو حلال حتی یتبیّن انه حرام۔ قال الفقیه ابو اللیث إن کان مختلطاً بماله علی قول أبی یوسف ومحمد هو علی ملك صاحبه، لایجوز أخذه إلا لیرده علی صاحبه. وعلی قول أبی حنیفة یملك المال بالخلط ویکون للأخذ أن یأخذ إذا کان

فی بقیۃ مال المیت و فاءً بمقدار ما یؤدی بہ حق الخصماء اھ ......

....

..................(ج ۲ ص ۳۶۳و۳۶۴)..................

..................والله اعلم ۔حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ

از تھانہ بھون۔ خانقاہ امدادیہ

۷، ربیع الاول ۱۳۴۵ھ

سرکاری ناجائز ملازمتوں کو مسلمانوں کی راحت رسانی کیلئے اختیار کرنا

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ خاص میں کہ ملازمت سب رجسٹرار جائز ہے یا نہیں؟ کیونکہ زید نے سنا ہے کہ سود کا لینے والا، اور اسکا دینے والا، اور اسپر گواہی کرنے والا اور اسکا دستاویز لکھنے والا، اور اسکا دستاویز کرنے والا۔ یعنی سب رجسٹرار سب کا یکساں حکم ہے اور سب فعل حرام کے مرتکب ہوں گے۔ یعنی عرائض نویس اور سب رجسٹرار بھی اتنا ہی گنہگار ہے جتنا کہ سود کا لینے والا اور دینے والا۔ اگر گناہ ہے تو کس درجہ کا؟ اور کن کن اشخاص کی گرفت ہوگی؟ جواب تحریر فرمائیں، عند اللہ ماجور ہوں گے۔

المرسل: حمایت اللہ

تاجر کتب سندریہ پٹی ۹۹ کلکتہ

الجواب

اگر سب رجسٹراری میں سودی دستاویز کی رجسٹری کرنا لازم ہو تو یہ ملازمت حرام ہے۔ البتہ اگر یہ اندیشہ ہو کہ مسلمان اس ملازمت کو ترک کریگا تو اس عہدہ پر ہندو آجائیگا جو مسلمانوں سے تعصب کا برتاؤ کریگا۔ تو اس صورت میں عامہ اہل اسلام کی نفع رسانی کی غرض سے اس ملازمت کو اختیار کرنا بعض کے نزدیک جائز ہے۔ اور ہر شخص اپنی نیت کو دیکھ لے کہ واقعی یہی قصد ہے؟ یا قصد تو مال وجاہ ہے اور یہ محض حیلہ ہے۔ فان اللہ علیم بذات الصدور۔ وھذا داخل تحت اصل کلی، وھو أن ضرر الخاص یتحمل لدفع ضرر عام۔ وفرعوا علیہ جواز الرمی إلی کفار تترسوا بصبیان المسلمین وأساراھم۔ (أشباہ ص ۶۷)۔ فالرمی الی صبیان المسلمین و اساراھم حرام، ولکن جاز لازالۃ الضرر عن

عامۃ المسلمین۔ فافھم واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ

از خانقاہ اشرفیہ تھانہ بھون

مورخہ ۱۲ ربیع الثانی ۱۳۴۵ھ

یتیم کی جائداد کا ٹھیکہ اسکی ماں سے لیا بعد میں وہ مرتد ہوگئی، تو ارتداد کے بعد کرایہ کس کو دیا جائے گا؟

سوال:- خاکسار نے ایک نابالغ کافر کی والدہ سے کچھ اراضی زرعی سال تمام ٹھیکہ پر میعاد مقررہ تک لی پھر وہ عورت بدچلن ہوکر بظاہر ایک فاسق مسلمان کیساتھ نکل گئی، اور مسلمان بظاہر ہوگئی، لیکن اسلام اور ایمان سے کوئی تعلق وواسطہ نہ تھا، اور خاکسار سے وہ زرٹھیکہ طلب کرنے لگی، خاکسار نے یہ خیال کرکے کہ یہ اس کا نابالغ کافر کی ولی سرپرست اور خیر خواہ نہیں رہی، چونکہ اس نابالغ کی دیگر جائداد کو بھی وہ بدچلنی میں خورد برد کرچکی تھی، احقر نے اسکو زرٹھیکہ ادا نہ کیا، چنانچہ وہ عورت تو پھر کافر بدستور اول ہوگئی، اور ایک کافر کے قبضہ میں ہے۔ لیکن اسکا وہ نابالغ لڑکا اب جوان اور بالغ ہے، مگر قانوناً اسکی معیاد مجھ سے وصول کرنیکو نہیں رہی نہ اسکو خیال ہے، قبضہ اراضی کئی سال سے خاکسار کا نہیں رہا، اور روپیہ ٹھیکہ قریب دوسو کے ہے، پس سوال ہے کہ یہ دوسو روپیہ اس نابالغ کافر کو جواب جوان بالغ ہے۔ اسکا حق ہے یا اسکی والدہ کا یا خدمت کار خیر میں خرچ کیا جائے، یا احقر کے پاس رہے، شرعی فتویٰ صادر فرماویں

الجواب

صورت مسئولہ میں جو عقد اجارہ عورت سے واقع ہوا ہے وہ باطل ہوگیا، اس لئے اسکے مطالبہ کا حق اسکو حاصل نہیں، لھذا وہ روپیہ یتیم کو دینا چاہئے جواب جوان ہے، اور جسکی وہ زمین اصل میں ہے، اور بطلان اجارہ کے بعد اجر مثل واجب ہوگا۔

قال فی الشامیۃ بعد نقل الخلاف بین الامام وصاحبیہ فی توقف تصرفاتہ حال الردۃ عندہ ونفاذھا عندھما ما نصہ وکذا لاتوقف فی بطلان ایجارہ واستئجارہ ووصیتہ وایصائہ وتوکیلہ ووکالتہ،

(ای اتفاقاً) وتمامہ فی البحر اھ، (ص۲۶۳ ج۳)

ظفر احمد از تھانہ بھون

خانقاہ امدادیہ۔ ۲۶ ربیع الثانی ۱۳۴۵ھ

زمین کو بعوض غلّہ معلوم المقدار اجارہ پر دینے کا حکم

سوال :۔ میں اپنی زمین دوسرے کو ایک دو سال کیلئے اس طرح دیتا ہوں، کہ ہر سال فی بیگہ بارہ من دھان مثلاً مجھکو دوگے، (بطور خزانہ کے) تخم وعمل سب دوسرے کا ہے مجھکو کچھ کرنا نہیں پڑتا، وہ دوسرا ہی اگر اپنی رضا وخوشی اقرار کرلے تو یہ صورت یعنی دھان لینا جائز ہے یا نہیں، اور یہ صورت مزارعہ ہے یا اجارہ، یا اور کچھ جواب ارشاد فرماکر ممنون فرماویں۔

محمد عبد العزیز، ڈاکخانہ، شیر پور ٹاؤن، باغ دخشہ
قاضی باڑی، ضلع میمن سنگھ، بنگلہ دیش۔

الجواب

یہ صورت اجارہ ہے، اور چند شرائط سے جائز ہے، ع۱، یہ کہ بارہ من دھان فی بیگہ جو مقرر کیا گیا ہے، اسمیں یہ شرط نہ ہو کہ اس زمین کی پیداوار سے دیا جائے، یا اس زمین کے کسی خاص حصّہ کی پیداوار سے دیا جائے بلکہ مطلق ہو۔ ع۲، یہ کہ ان بارہ من دھانوں کی صفت بیان کردی جائے، کہ اعلیٰ ہونگے یا ادنیٰ، یا متوسط اور کس نوع سے ہونگے، ع۳، یہ کہ اجارہ پر دیتے وقت بائع ومشتری اسکو ذکر کردیں کہ، اس زمین میں اس قسم کی زراعت کی جائیگی۔ اور کیا چیز بوئی جائے گی، اور اسکے علاوہ جو شرائط اجارہ ہیں مثل تعین مدت وغیرہ وہ بھی مرعی ہوں۔

قال فی الھدایہ، ومایصلح ثمناً یصلح اجرةً ایضاً، وفیہا ایضا ویجوز استیجار الارض للزراعة لانہا منفعة مقصودة و وللمستاجر الشرب والطریق وفیہ ایضاً ومن استأجر ارضا ولم یذکر انہ یزرعہا او ایّ شئ یزرعہا فالاجارة فاسدة، اھ کتاب الاجارات ج۳۔ واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفی عنہ از تھانہ بھون
خانقاہ امدادیہ، مورخہ، ۹/۲/ ۱۳۴۵ھ

نوکری بصورت مضاربت کی ایک صورت

سوال :۔ ایک آدمی کو اس شرط پر دوکان میں نوکر رکھنا چاہتا ہوں، کہ اگر میرے دوکان میں دوسو روپیہ کا کاروبار کرو تو جو کچھ نفع ہوگا، تم کو روپیہ میں چار آنہ نفع دونگا، اگر پانچ سو روپے کا کاروبار کرو تب روپیہ میں دو آنہ نفع دونگا اگر اس شرط پر وہ راضی ہو تو اس شرط پر رکھنا کوئی حرج تو نہیں؟ اگر حرج ہے تو کس صورت پر رکھنا بہتر ہے یہ دوکان دیگر جو کچھ نفع ملے اس سے ایک مدرسہ میں خرچ کر دینا چاہتا ہوں۔ اس صورت میں دوکان دیگر کاروبار کرنا بہتر ہوگا یا چھپ کر کے کاروبار سے دور رہونگا، خرچ کے واسطے زمین کی آمدنی ہے، فقط۔

الراقم، بندہ عزیز احمد چاٹگامی، بنگلہ دیش

جواب

اگر یہ اجارہ ہے تو اجرت کا معلوم ہونا وقت عقد کے لازم ہے، اور صورت مذکورہ میں اجرت مجہول ہے، لهذا اجارہ فاسد ہے، اور اگر شرکت مضاربت ہے تو اسمیں بھی ربح کی جہالت مفسد عقد ہے، لهذا دونوں صورتیں ناجائز ہیں، رہا یہ کہ پھر کس طرح کرنا چاہئے، تو اس کے لئے پہلے سائل یہ بتلائے کہ وہ اس کو نوکر رکھنا چاہتا یا مضارب بنانا چاہتا ہے، اور مضاربت کی صورت میں عمل فقط مضارب کریگا یا مالک دوکان بھی عمل کریگا، اسکے بعد جواب دیا جائیگا۔

واللہ اعلم

حررہ الاحقر محمد ظفر احمد عفا اللہ عنہ

از خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون

۱۶/ ۸ / ۱۳۴۳ھ

جہالت مدت مفسد اجارہ ہے

سوال :۔ زمین کو اجارہ پر لینا دس یا بیس سال کے واسطے فی بیگہ دو روپیہ سال کے حساب سے مثلاً دس بیگہ زمین لی، اور یہ شرط طے ہوگئی کہ دس سال کے واسطے میں یہ زمین تمہاری اجارہ پر لیتا ہوں اور مبلغ دوسو روپیہ پیشگی تمکو دیتا ہوں ہر سال دس بیگہ کا فی بیگہ دو روپیہ کے حساب سے مبلغ بیس روپیہ منہا ہوتے رہینگے، جب دس سال پورے ہوگئے تو میرا روپیہ دوسو ختم اور آپکی زمین آپکے قبضہ میں، اور اگر تم کو روپیہ دوسرے یا تیسرے یا پانچویں

سال مل جائے اور تم کو زمین کی ضرورت ہوجائے تو جتنے سال میرے قبضہ میں زمین رہی ہو اتنے سال کے حساب سے فی سال بیس روپیہ کاٹ دیئے جائیں گے، باقی روپیہ دیکر اپنی زمین چھڑا لینا اس اجارہ کو عرف میں مستاجری کہتے ہیں۔ آیا ایسا اجارہ شریعت میں جائز ہے یا نہیں؟

آپ کا تابعدار: مسکین غلام رسول

۱۲ رجادی الثانی ۱۳۴۳ھ

الجواب

یہ صورتِ مستاجری ناجائز ہے۔ کیونکہ مدتِ اجارہ مجہول ہے نامعلوم کس وقت مالک کو زمین کی ضرورت پڑ جائے اور وہ رقم واپس کر کے زمین کو واپس لے لے،

وکون المدۃ معلومۃ شرط لصحۃ الاجارۃ، صرح بہ الفقہاء۔

صورتِ جواز یہ ہے کہ اجارہ مدّتِ معینہ پر کیا جائے کہ اتنے سال کے واسطے یہ زمین کرایہ پر دی جاتی ہے اور سالانہ یہ کرایہ ہے، اس کے حساب سے چاہے اجرت پیشگی طے کر لی جائے یا سالانہ لی جائے اختیار ہے معاملہ کو تو اس پر ختم کر دیا جائے اس کے بعد جب مالک کو ضرورت ہو تو تراضی طرفین سے اس وقت عقد فسخ کر دیا جائے مگر کسی کو کسی پر جبر کا حق نہ ہوگا اور اس کا بھی مضائقہ نہیں کہ عقد کو اسی صورت مذکورۂ جواب پر کر کے اس کے پہلے یا بعد کو مجلس آخر میں یہ بات باہمی رضامندی سے کر لی جائے کہ اگر مالک کو بیچ میں ضرورت ہوگی تو وہ اجارہ کو فسخ کر کے زمین مدت معلومہ سے پہلے بھی واپس لے سکتا ہے۔ اور حساب مذکور سے کرایہ کی واپسی ہو جائے گی مگر یہ صرف وعدہ ہوگا جس میں جبر نہ ہوگا، واللہ اعلم۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ

از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ

۱۵/۹/۴۳ھ

حکم ملازمت رجسٹری **سوال:** ملازمت رجسٹری، جس میں بیع نامہ ورھن نامہ وسودی تمسک وغیرہ کی رجسٹری کرنا ہوتی ہے جائز ہے کہ نہیں؟

الجواب

رجسٹری کی حقیقت توثیقِ عقد ہے تو اس کا جواز و عدم جواز عقد کے تابع ہے اگر عقد جائز ہے تو اس کی رجسٹری بھی جائز ہے اگر عقد ناجائز ہے تو اس کی رجسٹری بھی ناجائز ہے،

پس صورتِ مذکورۂ سوال میں سودی تمسک کی رجسٹری کرنا حرام ہے اور اگر ملازمت میں ایسا کرنا ناگزیر ہو تو ملازمت بھی ناجائز ہے اور اگر اس سے بچنا ممکن ہو مثلاً دوسرے رجسٹرار یا سب رجسٹرار کا حوالہ دے سکے کہ سودی تمسک کی رجسٹری وہاں لیجاؤ ہم نہ کریں گے تو ملازمت جائز ہے،

واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفی عنہ

۶ر شوال ۱۳۴۳ھ

دھوبی سے کپڑے دھلوانے کی خاص صورت کا حکم

سوال: پرسوں فدوی نے دھوبی کے متعلق کچھ مسائل دریافت کئے تھے تو ارشاد ہوا تھا کہ تحریراً پیش کیا جائے تاکہ بعد غور جواب دیا جائے۔ امور مفصلہ درج ذیل ہیں:

(۱) زید دھوبی کو کچھ ماہوار اس شرط پر مقرر کرتا ہے کہ ماہانہ اتنے شوب دھونے ہوں گے اور ہر شوب میں کپڑوں کی ایک مقررہ تعداد ہوگی، اگر کسی وقت تعداد میں زیادتی ہو جائے تو فی کپڑا اتنی اجرت ادا کر دی جائے گی بعض اوقات مہمانوں کے کپڑے بھی تعدادِ مقررہ کے اندر دلوائے جاتے ہیں، ان کے لئے کوئی مقررہ اجرت نہیں دی جاتی۔

(۲) بعض اوقات دھوبی بعوض پندرہ یوم میں ایک شوب دھونے کے زیادہ دن لگا دیتا ہے تو تعدادِ مقررہ پارچہ جات میں بھی زیادتی ہو جاتی ہے مثلاً دھوبی سے یہ ٹھہراؤ ہوا تھا کہ اگر ہر ماہ دو شوب لائیگا تو ہر شوب میں تیس سے زائد کپڑا نہ ڈالے جائیں گے اگر دھوبی بجائے پندرہ دن میں ایک شوب دھونے میں بیس یا بائیس دن میں دھوئے تو تیس کپڑوں سے بھی زیادہ ڈال دیئے جائیں گے، مگر اتنا لحاظ رکھا جاتا ہے کہ فی یوم دو کپڑے سے زائد تعداد نہ ہو جائے مگر اس حالت میں تعداد زائد کے لئے علٰحدہ اجرت نہیں دی جاتی اور نہ دھوبی کو اس کے متعلق کوئی اعتراض ہوتا ہے۔

خادم محمد عبدالرحیم حیدرآبادی

۱۰ر محرم الحرام ۱۳۴۴ھ

الجواب

قال فی العالمگیریة: ومما یتصل بھذا الفصل اذا جمع فی عقد الاجارة بین الوقت والعمل اذا استأجر رجلاً لیعمل لہ عملاً الی اللیل بدرھم صیاغة

اوخبزا اوغیر ذلك فالاجارة فاسدة فی قول ابی حنیفة وفی قولهما یجوز استحسانًا ویکون العقد علی العمل دون الیوم حتی اذا فرغ منه نصف النهار فله الاجر کاملًا وان لم یفرغ فی الیوم فله ان یعمله فی الغد اھ (ص۲۵۸ ج ۵)

اس سے معلوم ہوا کہ صورتِ مذکورۂ سوال امام صاحبؒ کے نزدیک تو درست نہیں کیوں کہ عمل اور وقت دونوں کو جمع کیا گیا ہے، اور صاحبینؒ کے نزدیک استحساناً جائز ہے اور اجارہ وقت پر منعقد ہوگا بلکہ عمل پر منعقد ہوگا۔ پس جب ماہواری اجرت دھوبی کی معین ہو اور مہینہ بھر کے کپڑے متعین ہوں کہ ایک مہینہ میں اس اجرت پر اتنے کپڑے دیئے جائیں گے (جن کو دھوبی دو مرتبہ یا تین مرتبہ کر کے دھوئے گا) تو مہینہ میں تعداد مقررہ کا پورا کر لینا جائز ہے۔ چاہے ہر شوب میں برابر کپڑے ہوں یا کسی شوب میں کم اور کسی میں زائد ہوں اور چاہے یہ تعداد اتنی ہی کپڑوں سے پوری ہو یا مہمانوں کے کپڑوں سے ملا کر پوری کی جائے اور اس تعداد سے زیادہ کے لئے فی کپڑا کچھ اجرت مقرر کر دینا تو بلاشبہ صحیح ہے کیونکہ وہ تو اجارہ صرف عمل پر ہے وھو یجوز بالاتفاق۔

واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ

از تھانہ بھون - ۷ صفر ۱۳۴۴ھ

جانوروں میں حصہ دینے کے عوض دوسرے کو جانور پالنے کے لئے دینا

سوال: زید کے پاس چار بیل تھے قحط سالی کی وجہ سے بیلوں کا چرانا پلانا زید کو بن نہ آیا لہٰذا نصفاً نصفاً بیلوں کو عمرو کے سپرد کئے بشرطیکہ سال دو سال تک بیلوں کے چارہ وغیرہ کا تمام خرچ عمرو کے ذمہ ٹھہرا بعد گذشتن مدت مقررہ کے دو بیل عمرو نے زید کو واپس دیئے اور دو بیل چرانے پلانے کی اجرت میں رکھ لئے یہ معاملہ شرعاً جائز ہے یا نہیں۔

۲۔ زید نے عمرو کو کہا کہ ان دو بیلوں کو چرانا پلانا ایک سال تک تیرے ذمہ ہے اس کی اجرت میں پیشگی یہ دو بیل دیتا ہوں۔ ۳۔ زید نے عمرو کو کہا کہ ان دو بیلوں کو چرانا تیرے ذمہ ہے اور سالانہ اجرت کے اسی روپیہ ٹھہرائے گئے پھر زید کو دل میں خیال پیدا ہوا کہ بوجہ مفلسی کے سال گزرنے پر روپے وصول کرنے کی گنجائش نہیں لہٰذا سالانہ اجرت کے اسی روپیوں میں پیشگی یہ دو بیل دیتا ہوں ان تینوں صورتوں میں شرعاً کیا حکم ہے۔

سائل

امیر الدین عفا اللہ عنہ

از مدرسہ اسلامیہ کومٹ - ۲۵/۴/۱۳۴۲ھ

الجواب

صورت اول ناجائز ہے اور صورتِ دوم بھی جائز نہیں قال فی تنقیح الفتاوی الحامدیۃ، سئل فیما اذا دفع زید حصانہ لعمرو لیعلفہ ویربیہ بنصفہ فرباہ وعلفہ مدۃ ثم باعہ عمرو جمیعہ من رجل بدون وکالۃ عن صاحبہ ویرید رفع ید المشتری عن الحصان واحدۃ منہ فہل لہ ذلک ولیس لعمرو سوی اجر المثل لتربیتہ ومثل علفہ، الجواب نعم وعللہ بجہالۃ الأجر الی ان قال واذا سمّٰی لہ نصف الدابۃ مثلاً فی مقابلۃ تربیتہا وعلفہا یکون المسمّٰی معلوماً وقد یقال ان المسمّٰی مجہول لانہ قد جعل نصف الدابۃ اجرۃ للتربیۃ للعلف ولا یدری مقدار العلف فیلزم جہل ما یقابلہ من الدابۃ وجہل ما یقابل اجرۃ التربیۃ لکن رأیت فی الخلاصۃ وفی فتاوی الفضل لو دفع الی نداف قباء لیندف علیہ کذا من قطن نفسہ بکذا من الدراہم ولم یبیّن الاجر من الثمن جاز اھ وفی المنتقی عن محمد رفع الی خیاط ظہارۃ وقال بطنہا من عندک فہو جائز قاسہ علی مسئلۃ الخف فصار فی المسئلۃ روایتان ولو قال ظہارتہا من عندک فہو فاسد باتفاق الروایات لانہ لا تعامل فیہ، اھ ومفاد ھٰذا ان المدار علی التعارف فلو جری التعامل جاز کما یشہد بہ التعلیل فتأمل، ومن ذلک ما ذکرہ فی استئجار الکاتب لو شرط علیہ الحبر جاز لا لو شرط علیہ الورق ایضاً اھ (ص ۱۱۹ ج ۲) ملخصاً۔

ان عبارات سے معلوم ہوا کہ تیسری صورت بھی ناجائز ہے

قلت وتعامل ما بعد القرون الثلٰثۃ لیس بحجّۃ، البتہ تیسری صورت کے جائز ہونے کا ایک طریقہ ہے وہ یہ کہ معاملہ اس طرح کیا جائے کہ دو بیلوں کی خدمت اور تربیت سال بھر تک کرنے کی اجرت مثلاً بیس روپے طے کیا جائے اور چارہ ساٹھ روپے کا طے کیا جائے کہ ہم تم کو سال بھر کے بعد اسّی روپیہ اس طرح دیں گے کہ ان میں سے بیس روپے خدمت کی اجرت ہوگی اور ساٹھ روپے چارہ کی قیمت ہوگی اس طرح زبانی معاملہ طے کر کے پھر چاہے اسّی روپے پیشگی دے دیئے جائیں یا ان کے عوض میں بیل پیشگی دے دیئے جائیں یہ جائز ہے اور اس طرح صورتِ دوم بھی جائز ہے۔ ویکون قیمۃ العلف ودیعۃ عندہ بملکہ

شيئًا فشيئًا كما اذا اعطى الخباز عشرة دراهم وقال اعطنى بها عشرة اقراص كل يوم الى عشرة ايام فانه جائز استحسانًا بجعل الدراهم وديعة عنده يملكه شيئًا فشيئًا۔ واللہ اعلم

حررہٗ ظفر
از تھانہ بھون ۶ جمادی الاولیٰ
۱۳۴۴ھ

اجارہ زمین کاشتکار اول را بادیگر بازیادہ از اجارۂ اول

سوال: اگر کوئی شخص ایک قطعہ زمین کو ایک برس کے لئے مبلغ پندرہ روپیہ سے نقد دیکر اجارہ پرلے پھر اسی وقت یا دوچار روز بعد وہ شخص دوسرے کے پاس اسی زمین کو مبلغ بیس روپے نقد لیکر اجارہ پردے یا باقی مبلغ پچیس روپیہ میں وہی ایک برس کے لئے اجارہ پردے تو یہ اجارہ درست ہوا یا نہیں اور یہ زائد روپیہ اس کے لئے حلال ہے یا نہیں۔

السائل: احقر محمد عبدالرحمٰن فتحپوری عفا اللہ عنہ
مقام بہلانگر مدرسہ، ڈاکخانہ سیف اللہ کندھی
بنگال

الجواب

اس نفع کو صدقہ کردے البتہ اگر یہ شخص دوسرے کو عقدِ اول کے غیر جنس پر دے مثلاً صورتِ مسئولہ میں روپیہ پر نہ دے بلکہ غلہ وغیرہ پر دے تو نفع بھی حلال طیب ہے مگر مستاجر کو اجارہ پر زمین کا دینا اس شرط سے جائز ہے کہ جن چیزوں کی زراعت کی مالک زمین کی طرف اول شخص کو اجازت ہے دوسرے کو انہی شرائط پر دیجائے۔ (شامی۔ ص ۲۶ ج ۵) واللہ اعلم۔

حررہٗ احقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ
از تھانہ بھون۔ جمادی الثانی ۱۳۴۴ھ بروز جمعہ

حکم استحقاق مدرس تنخواہ ایام بطالت وتعطیل

سوال: در مدرسہ از مدارس اسلامیہ مدرس قدیم یک سال از مہتمم صاحب اجازت گرفت، بجائش دیگر معلم را جانشین جہت تعلیم کرد، چون مورخہ ۲۰ شعبان امتحان سالانہ شد مہتمم بجانب مدرس جدید کہ سی روپیہ اجرت ماہ شعبان مرسول دوم اینکہ آئندہ سال را تو یقینًا امیدوار نباشی چراکہ تو یک سال را مدرس بودی بجائے مدرسِ قدیم، چون سالِ تدریس از شوال شروع بر رمضان ختم

می شود لہٰذا ماہ رمضان داخل سال موعود و معقود باشد چراکہ سال دوازدہ ماہ راگویند، ماہ رمضان ماہ تعطیل اوست یا نہ، تعطیل درحکم تعلیم اند۔ پس چنانچہ دہ روز شعبان ایام تعطیل بودند و بر وقت مہتمم اجرت دہ ایام مذکور مدرس راداد ہمچنین ماہِ رمضان شریف ماہِ تعطیل است مدرس مستحقِ اجرت آن باشد یا نہ، درکتاب بہشتی زیور مسئلہ مذکورہست خلاصۂ آن اینکہ مہتمم صاحب معلم را ۹ شعبان معزول کرد آیا مستحقِ اجرت رمضان باشد یا نہ، وجواب بنفی اجرت است۔ ودرمسئلہ مسئولہ ظاہراست کہ عزل حالی نیست بلکہ معلق است بتمام سال بل بدخول معلم قدیم، ورمضان درعقد اجرت برسال ہم داخل ست چنانچہ ازپرچۂ مہتمم ظاہرست پس جواب سوال مسئولہ مثل جواب سوال بہشتی زیور بنفی بود یا نہ۔ ودرپرچۂ مہتمم صاحب غور فرمایند تاحق ظاہر گردد

الجواب

قال فی الدر، وھل یاخذ ایام البطالة کعید ورمضان لم اره وینبغی الحاقه ببطالة القاضی واختلفوا فیھا والاصح انه یأخذ لانھا للاستراحة اشباه من قاعدة العادہ محکمة اھ (ص ۸۷ ۵ ج ۳ مع الشامی)

اس سے معلوم ہوا کہ تعطیل کے زمانہ میں استحقاقِ تنخواہ کا سبب یہ ہے کہ استراحت کیلئے یہ تعطیل ہوتی ہے اور یہ علت اس شخص میں موجود ہوسکتی ہے جو تعطیل سے پہلے معزول نہ ہوا ہو دوسرے شامی نے اس کا مبنی عرف پر کیا ہے جیسا کہ درمختار میں بھی اس کو قاعدۂ عادت سے نقل کیا ہے اور ہمارے یہاں عرف یہ ہے کہ ایام تعطیل کی تنخواہ کا مستحق وہی مدرس ہوتا ہے جو بعد تعطیل کے اپنے کام پر برقرار رہے اس کا مقتضیٰ بھی یہی ہے کہ صورتِ مسئولہ میں یہ مدرس تنخواہِ رمضان کا مستحق نہیں، اور مہتمم کے قول میں سال سے اکثر حصہ سال کا مراد ہوسکتا ہے جس سے دخول رمضان لازم نہیں آتا، اگر مقام سوال کا عرف اس بارہ میں ہمارے عرف کے خلاف ہو تو سوال پھر کیا جائے۔

ظفر احمد عفا اللہ عنہ
ازخانقاہ اشرفیہ تھانہ بھون
۱۰ صفر ۱۳۴۴ھ

سرکاری نوکری کے متعلق ایک استفتاء کا جواب

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ سرکاری نوکری سب قسم کی حرام ہے یا خاص کوئی قسم کی، اور حرام

لعینہ ہے یا حرام لغیرہ۔ اور جب لغیرہ ہوئی تو نوکری کا روپیہ کھانا اور کوئی نیک کام کرنا اور وہ روپیہ مدرسہ کا چندہ یا مسجد کا خرچ لینا کیسا ہے اور کونسی کتاب میں اور کہاں یہ مسئلہ ملے گا، تحریر کیجئے۔

راقم کفیل الدین عفی عنہ

مقام اس آباد۔ ۱۰ر صفر ۱۳۴۴ھ

الجواب

سرکاری نوکری حرام لعینہ کوئی نہیں۔ صرح فی الدر یجوز قبول القضاء من السلطان الکافر (باب القضاء)

پس قاعدہ یہ ہے کہ جس نوکری میں حرام کام کرنا پڑے وہ حرام ہے اور جس میں حرام کام نہ ہو وہ جائز ہے، اور جو نوکریاں جائز ہیں ان کی آمدنی سے نیک کام کرنا اور مسجدوں میں لگانا بھی جائز ہے، واللہ اعلم۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ

۲۵ ربیع الثانی ۱۳۴۴ھ

یتیم کی زمین کا اجارۂ طویلہ جائز ہے یا نہیں؟

سوال: زید نابالغ کی ولی جائز نے زید کی اراضی ۲۸ بیگہ چار سو روپیہ میں ۱۷ ½ سال کے واسطے بکر کو دے دی یعنی آمدنی نفع ونقصان مدتِ مذکورہ کا ذمہ دار بکر ہے روپیہ زید کے قرضہ میں ادا ہو چکا اب کسی سال میں خسارہ ہوتا ہے، کسی میں منافع بھی ہوتا ہے اس سب کا ذمہ دار بکر ہے زید بلا ادائے روپیہ مدت پوری ہونے پر زمین لے لے گا طریقہ تو مستاجری کا ہے مگر ثانوی اصطلاح میں اس کو رہن مجرائی بولتے ہیں آیا طریقۂ مذکورہ بشکل اجارہ ہے اور یہ فعل جائز ہے؟ فقط

لیاقت حسین عفی عنہ

ضلع پنجلالہ انبالہ

الجواب

فی العالمگیریہ (۲۵۳ج ۵) یصح العقد علی مدۃ معلومۃ ای مدۃ کانت قصرت المدۃ کالیوم ونحوہ او طالت کالسنین کذا فی المفردات والدر (وجاز) ولو اجر من مال الیتیم (للیتیم) (۶۹۹ج ۵) پس اجارۂ مذکورہ جائز ہے۔

کتبہ الاحقر عبدالکریم عفی عنہ

ربیع الثانی ۱۳۴۴ھ

الجواب صحیح۔ ظفر احمد عثمانی عفا اللہ عنہ

۲۸ ربیع الثانی ۱۳۴۴ھ

اجارہ زمین باموجر | **سوال** : کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ زید نے عمرو سے کسی قدر زمین سات سال کے لئے اجارہ پر لی اور سات سال کا کرایہ پیشگی دیدیا بعدازاں زید نے بکر کو وہ زمین بٹائی پر دے دی تھی، اب تین سال کے بعد عمرو سے کہتا ہے کہ میں خود اس زمین پر کھیتی کر کے تم کو ما بقی چار سال تک بٹائی کی حساب سے غلہ دیتا رہوں گا یہ معاملہ جائز ہے یا نہیں۔ بیّنوا توجروا

المستفتی:

بندہ نذیر احمد سلہٹی عفی عنہ

مقیم خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون، حجرہ ۳۴

الجواب

زید عمرو کو صورتِ مسئولہ میں زمین نہیں دے سکتا کما فی الدر المختار (للمستاجر ان یوجر الموجر) بعد قبضہ قیل وقبلہ (من غیر موجرہ واما من موجرہ فلا) یجوز ان تخلل ثالث بہ یفتی للزوم تملیک المالک وقال الشامی (قولہ وبہ یفتی) وھوالصحیح وبہ قال عامۃ المشائخ ابن الشحنۃ (ص ۶۲ ج ۵)

قلت والمزارعۃ مثل الاجارۃ فی لزوم تملیک المالک کما لا یخفی، پس صورتِ مسئولہ میں نہ موجر کے ذمہ بٹائی ہے نہ مستاجر کے ذمہ کرایہ ہے، کما ھو مصرح فی الشامی (ص ۶۳ - ج ۵)

واللہ اعلم	الجواب صحیح۔
کتبہ الاحقر عبدالکریم عفی عنہ	ظفر احمد عفا اللہ عنہ
۲۹ رجادی اولیٰ ۱۳۴۴ھ	۲۹ رجادی الاولیٰ ۱۳۴۴ھ

حکم منہائی اجرت بکرایہ مکان موقوفہ | **سوال** : اگر بکر نے بوجہ اس کے کہ رقم اس کی ذمہ وقف باقی ہے کرایہ میں مجرا کرنا چاہے یا طلب کرے تو ایسا کرنے سے بکر گنہگار ہوگا ؟

(۱) کیا مالک مکان پر یہ فرض نہیں ہے کہ مرمت مکان کی کرایہ دے (۲) اور حسب معاہدہ چھپر ڈلوادے (۳) اور اگر بوجوہ مذکور نصف کرایہ کم کر دیا جائے تو جائز ہے یا نہیں (۴) اور کیا کل کرایہ کا بحالتِ موجودہ مالک مکان مستحق ہے ؟

طالب استفتاء

محمد اسیر علی عفی عنہ

شہر کانپور، محلہ ٹپکا پور۔ یکم مئی ۱۹۲۶ء

الجواب

بکر کو حق طلب تو ہر حال میں ہے اور مجرا کرنے کا حق بھی ہے جب تک زید متولی ہے اور اگر متولی بدل جائے تو کرایہ سابق میں تو مجرا کر سکتا ہے کرایہ آئندہ میں مجرا کرنے کا حق نہ ہوگا، البتہ اگر دوسرے متولی کو بھی وقف کے ذمہ بکر کا حق شرعی قاعدہ سے ثابت ہو جائے تو پھر کرایہ آئندہ میں بھی مجرا کرنے کا حق ہوگا، وھلم جراً۔ لیکن اگر متولی ثانی کو یہ حق بذمہ وقف شرعی قاعدہ سے ثابت نہ ہو تو وہ بکر سے یہ کہہ سکتا ہے کہ تم متولی اول سے اپنا حق وصول کرو، اور متولی ثانی یہ جواب کرایہ سابق اور کرایہ آئندہ دونوں میں دے سکتا ہے جبکہ اس کے پاس حق بکر کا ثبوت نہ ہو۔ بہر حال جن صورتوں میں بکر کو کرایہ میں مجرا کرنے کا حق ہے اس میں یہ لازم نہیں کہ متولی ثانی کو بھی اس کا مجرا کر دینا جائز ہو بلکہ اس کے لئے جواز و عدم جواز کا مدار ثبوت و عدم ثبوت حق پر ہے۔

کرایہ کا مکان جس حیثیت پر عقد اجارہ کے وقت تھا بعد میں اگر حیثیت کا نہ رہے اور اس کا کوئی حصہ گر پڑے اور بقیہ حصہ میں سکونت ممکن ہو مگر تکلیف ہو تو اس صورت میں کرایہ دار کو فسخ اجارہ کا حق ہے، لیکن اگر اس نے اجارہ کو فسخ نہیں کیا تو پورا کرایہ دینا پڑیگا۔

قال الشامی قال ابن الشحنة إنه لا یسقط فی ظاهر الروایة من الاجر شیٔ بانهدام بیت منها او حائط، بخلاف ما اذا شغل الموجر بیتاً منها لانه بفعله فیسقط بحسابه (ھ ملخصًا۔ (ص ۴۰ ج ۵)

اور اگر انہدام سے تکلیف زائد نہ ہو تو پھر تو فسخ کا بھی اعتبار نہیں کما ھو مصرح فی عبارة البزازیة

اور چھپر کے متعلق یہ لکھا جائے کہ اجارہ میں اس کے بنوانے کی شرط لگائی گئی تھی یا ویسا ہی وعدہ کیا گیا تھا۔؟ فقط

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ

خانقاہ امدادیہ از تھانہ بھون۔ ۵ رشوال ۱۳۴۴ھ

نسخہ کی تیاری میں طبیب کا ایک حصہ اپنے لئے مقرر کرنے کی شرط اور بیچنے کی دواؤں پر وجوب زکوٰۃ

سوال: ایک طبیب کے پاس اکثر مرکب ادویہ ہیں (ان میں اکثر قیمتی مرکبات کی تیاری کی یہ صورت ہے کہ کسی مریض کے لئے کوئی خاص نسخہ تجویز کر کے تیار کروایا اس شرط پر کہ تیار شدہ

دوا کا ایک ربع طبیب کو ملے اور تین ربع مریض کو ملے، گویا اجرتِ نسخہ نویسی ونگرانیٔ تیاری کے عوض ایک ربع اس کو ملے اور مفردات کم ہیں جو گاہ گاہ کام آتے ہیں، روزانہ دوا کی قیمت ۳ر بڑے اور چار سال تک کے بچہ سے ۲ر ربع رکھے ہیں، بجز کشتہ طلا کے اس کی قیمت روزانہ ۸ر ہیں) خواہ ۳ر کی دوا ہو یا نہ ہو، کیونکہ تشخیص و تجویز نسخہ اور ترکیب ادویہ کی محنت ہی اس کو کرنی پڑتی ہے۔ ادویہ آگے پیچھے تیار ہوکر دواخانہ میں شامل ہوتی رہتی ہیں۔ بعض پر حولان الحول ہوجاتا ہے اور بعض اس سے پہلے ختم ہو جاتی ہیں۔ کل ادویہ مفردہ و مرکبہ کی اصلی قیمت (قطع ترکیب سے) تخمیناً سو روپیہ ہوگی۔ ادویۂ مذکورہ پر زکوٰۃ واجب ہوگی یا نہیں؟ اور (۱) اصلی قیمت پر زکوٰۃ کا حساب کیا جائے یا (۲) مرکبات کی قیمت بعد از ترکیب لگائی جائے .... مثلاً کشتہ طلاء یا نظرہ یا ابرک یا خبث الحدید یا قلعی یا سنگ جراحت یا سنکہ یا شاخ گوزن یا مرجان، یا قشر البیض کہ کوئی قیمتی چیز ہے کوئی نہیں۔ پھر ایک صرف دو آنچ میں تیار ہوتی ہے، اور کوئی زائد میں۔ مثلاً فولاد یا ابرک پانچ سو یا ہزار آنچ والا، یا (۳) روزانہ ۳ر کے حساب سے۔

صورتین اخیرین میں تشخیص مرض، تجویزِ نسخہ ترکیبِ ادویہ کی کوئی اجرت مقرر کر کے ان میں سے وضع کر لی جائے یا نہیں؟ مفصل جواب سے مشرف فرمائیں، والسلام۔

الجواب

اول یہ بات بتلا دینا ضروری ہے کہ طبیب کا تیاریٔ نسخہ کے وقت مریض سے اس طرح معاملہ کرنا کہ بعد تیاری کے تین ربع مریض کو ملیگا اور ایک ربع طبیب کو، یہ صورت درست نہیں لانہ من قفیز الطحان، وقد نھی الشرع عنہ۔ پس یہ ادویہ بعد قبض کے ملک طبیب میں داخل ہوگئیں، مگر ملک خبیث ہوئی اس سے احتراز لازم ہے۔

جائز صورت یہ ہے کہ مریض سے تیاری نسخہ و تشخیص وغیرہ کی اجرت طے کی جائے پھر چاہے اس نقد کے عوض بعد تیاری کے ربع دوا برضامندی و طیب خاطر مریض کے خرید کی جائے۔ فافہم۔

اب اس سوال کا جواب دیا جاتا ہے کہ زکوٰۃ تجارت میں ہر سال پر حولان الحول شرط نہیں بلکہ شرط یہ ہے کہ ابتدائے حول وانتہاءِ حول میں مالِ تجارت قیمتاً نصاب کو پہنچا ہوا ہو۔ پس جس وقت ادویۂ مرکبہ کی قیمت نصاب کو پہنچ جائے اس وقت سے شروع

کیا جائے گا اگر ختم سال پر بھی مال بقدر نصاب ہو تو زکوٰۃ واجب ہوگی۔ درمیان سال میں کمی آگئی ہوگی۔ اور اگر ختم سال پر ادویہ کی قیمت تو نصاب سے کم ہو لیکن دواؤں کی فروخت کرنے سے جو روپیہ حاصل ہوا ہے اس میں سے کچھ رقم دین سے زائد جمع ہو، تو اس کو بھی قیمتِ ادویہ کے ساتھ ملایا جائے گا۔ اگر نصاب پورا ہوگیا تو زکوٰۃ واجب ہوگی خواہ اس رقم پر حولان الحول ہوا ہو یا نہ ہوا ہو۔ نیز قیمتِ ادویہ کے علاوہ بھی اگر کچھ رقم نقد اس کے پاس دین سے زائد جمع ہو، تو اس کو بھی ادویہ کے ساتھ ملایا جائے گا۔ اور نصاب پورا ہوگیا تو زکوٰۃ واجب ہوگی، اور یہی حکم ابتداء سال کا بھی ہے کہ اس وقت بھی اگر قیمت نصاب سے کم ہو لیکن کچھ رقم دین سے زائد جمع ہو، جس سے مل کر نصاب کامل ہوجائے تو زکوٰۃ واجب ہوگی۔ اور اگر اس طرح بھی نصاب کامل نہ ہوا تو زکوٰۃ واجب نہ ہوگی، اور قیمت ہر دوا کی بازاری قیمت لگائی جائے گی۔ اور مرکب ادویہ کی وہ قیمت بازاری معتبر ہوگی، جو بعد ترکیب کے اس کی قیمت ہے۔ ابتداء سال میں اس وقت کی قیمت لگائی جائیگی اور انتہاء سال میں وقت انتہاء کی۔

قال فی الدر: وشرط کمال النصاب فی طرفی الحول فی ابتداء الانعقاد وفی الانتهاء للوجوب فلا یضر نقصانه بینهما۔ وقیمة العرض للتجارة تضم الی الثمنین لأن الکل للتجارة وضعاً وثمناً اھ (ج ۲ ص ۵۳)

وقال فی حاشیة الدر: فتعتبر القیمة وقت الاداء فی زکوٰة المال عندهما وهو الأظهر، وعنده یوم الوجوب اھ (ج ۱ ص ۱۸۱)

وفی ردالمحتار: والفرق بین الثمن والقیمة ان الثمن: ما تراضی علیه المتعاقدان، سواء زاد علی القیمة او نقص، والقیمة: ما قوم به الشیٔ بمنزلة المیعاد اھ۔ (ج ۴ ص ۷۹)

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ
از خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون
۳۰ محرم ۱۳۴۴ھ

مملوکہ پہاڑی زمین کی خودرو گھاس کے اجارہ کا حکم

سوال: حضرت والا! میں نے دربار بھوپال سے دو ہزار روپیہ سالانہ میں چری کا ٹھیکہ لیا تھا (چری کا ٹھیکہ یہ ہے کہ کوہی

اور جنگلی دیہات کا رقبہ جنگل میں جو خودرو گھاس پیدا ہوتی ہے اس کو مویشی چرتے ہیں، مالکان مویشی سے اس چری کے عوض میں محصول وصول کیا جاتا ہے) میں نے ۳۱ مواضعات کا ٹھیکہ چری دو سال کا دو ہزار روپیہ سالانہ میں لیا تھا، پہلے سال تو مجھے سوڈیڑھ سو روپیہ کا نقصان ہوا، دوسرے سال نفع محصول فی مویشی بجائے ۵ر کے ۸ر فی مویشی کے حساب سے وصول کیا تو سال اول کی کمی پوری ہو کر کچھ بچت بھی ہو گئی۔ اس دو سال کے ٹھیکہ میں کبھی تو میں نے اپنے پاس کا روپیہ ٹھیکہ میں لگایا۔ اور اکثر اس چری کے ٹھیکہ کی آمدنی کا روپیہ اپنی کھیتی کے کام میں لگایا۔ وہ اس طرح کہ اس روپیہ سے غلہ خرید کر کے تخم ریزی کی اور ندائی یعنی وغیرہ مزدوری کھیت کی اسی میں سے دی۔ ہلواروں کو بھی تنخواہ اسی میں سے دی۔ اسی طرح سے میری ذاتی آمدنی میں یہ ٹھیکہ کی آمدنی مشترک ہو گئی۔ اب مجھ پر خیال پیدا ہوا ہے کہ میں نے جو یہ ٹھیکہ لیا ہے وہ شرعاً ناجائز تھا، اس لئے سخت پریشانی ہو رہی ہے کہ میرے کھیتی کی جائز آمدنی میں ناجائز آمدنی شامل ہو گئی، لہذا اب مجھے کیا کرنا چاہئے، امسال جو غلہ پیدا ہوا ہے یا بپابندی احکام بہشتی زیور ایسی آمدنی سے بیع سلم کے ذریعہ سے جو چیزیں ملی ہیں اور بحالتِ موجودہ وہی میرا سارا سرمایہ ہے اس کو کیا کروں، اور کس طرح اپنی گزر بسر کروں۔

ادنیٰ خادم

غلام مرتضیٰ مستاجر

موضع مرسی تحصیل دلوری ریاست بھوپال

تنقیحات منجانب مفتی صاحب

(۱) یہ اجارہ کا عقد زمین کی بابت ہوتا ہے یا گھاس کے متعلق؟

(۲) یہ زمین ملک کس کی ہے والیہ کی یا ریاست کی یا اور کسی کی؟

(۳) یہ گھاس خودرو ہے یا اس زمین میں پانی نہر وغیرہ سے دیا جاتا ہے؟

(۴) اپنے پاس سے ٹھیکہ میں روپیہ لگانے کا کیا مطلب ہے؟

(۵) غلہ وغیرہ میں یہ روپیہ کس طرح صرف کیا یعنی معاملہ بیع کا خاص ان روپیوں سے ہوا تھا یا ویسے ہی بلا تعین روپیہ بیع ہونے کے بعد ان روپیوں میں سے ثمن ادا کیا تھا؟

جواب تنقیحات

حضور والا جواب تنقیحات حسب ذیل پیش ہے

جواب تنقیح (۱) اجارہ کا عقد زمین کی بابت ہوتا ہے اور فی بیگہ کچھ جمع قائم کی جاتی ہے۔ (۲) یہ زمین ایک ھندو جاگیردار کی ہے جن کو ریاست سے جاگیر ملی ہے اور ان کو راجہ کا خطاب ہے لیکن فی الحال جملہ مواضعات کا رقبہ جنگل قرق ہے، اور زیر اہتمام ریاست ہے اور بعد تحقیقات کے جاگیردار کا حق ثابت ہوگا تو اس کی آمدنی جاگیردار کو ملے گی ورنہ رقبۂ جنگل ضبط ہو کر شامل ریاست ہو جائے گا۔

(۳) گھاس خودرو ہوتا ہے قدرتی پانی سے، نہر وغیرہ سے پانی نہیں دیا جاتا لیکن جس رقبہ میں گھاس ہوتا ہے اس کی حفاظت منجانب ریاست ملازمان جنگل کرتے ہیں۔

(۴) اپنے پاس سے روپیہ لگانے کا مطلب یہ ہے کہ ٹھیکہ لینے کے بعد چار، چھ، آٹھ اور حسب ضرورت کم و بیش سپاہی بغرض انتظام و حفاظت رقبۂ جنگل ملازم رکھنا پڑتے ہیں ان کو تنخواہ دینی پڑتی ہے، کیونکہ ٹھیکہ لیتے ہی وصولی شروع نہیں ہوتی، چار مہینہ کے بعد ہوتی ہے۔ یا اگر رقم وصولی (زرچری) کم ہوئی، تو جس قدر رقم میں ٹھیکہ لیا گیا ہے بقدر کمی اور سپاہیوں کی تنخواہ یہ سب اپنے پاس ہی سے دینا پڑتی ہے۔

(۵) غلہ اول خرید لیا گیا خاص ان روپوں سے نہیں خرید اگیا لیکن غلہ کی قیمت میں یہی روپیہ ادا کیا گیا۔

اگر حضور والا اجازت دیں تو میں اپنی تمام حالت ابتداء سے آج تک کی مختصراً عرض کروں۔ فقط

حضور والا کا ادنیٰ غلام مرتضیٰ مستاجر

الجواب

قال في الشامية : الاجارة اذا وقعت على العين لاتصح فلاتجوز على استئجار الأجام، والحياض للسمك، أو رفع القصب وقطع الحطب، أو لسقي ارضها أو لغنمه منها۔ وكذا إجارة المرعى۔ والحيلة في الكل أن يستاجر موضعًا معلومًا لعطم الماشية وبيبع الماء والمرعى۔ استأجر نهرًا يابسًا أو أرضًا اوسطحًا مدةً معلومةً ولم يقل شيئًا صح، وله أن يجري فيه الماء اھ (ج ۵ ص ۵۹)

صورتِ مسئولہ میں سائل نے جو ٹھیکہ ریاست سے لیا ہے اور نیز مالکانِ مویشی سے جو محصول وصول کیا گیا ہے اس کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ ٹھیکہ گھاس کا لیا گیا ہو، اور یہ محصول گھاس چرانے کے معاوضہ میں لیا گیا ہو۔ یعنی مالکانِ مویشی سے گھاس چرانے پر عقد اجارہ کیا گیا ہو تو یہ صورت اجارۂ فاسدہ کی ہے۔ ریاست کو جو رقم دی گئی وہ ریاست کو حلال نہیں اور جو کچھ محصول مالکان مویشی سے لیا گیا ہے وہ سائل کی ملک میں بسبب خلیث داخل ہوا ہے جس کو مالکان مویشی کی طرف واپس کرے، یا ان سے برأت و معافی کرے۔ اور اگر یہ محصول کے استعمال پر لیا گیا ہے اور عقد اس طرح ہوا ہے کہ ہم تم کو یہ زمین سال بھر کے لئے کرایہ پر دیتے ہیں کہ تم اس میں اپنے مویشی کو بیٹھاؤ اور چراؤ! یا صرف اتنا کہا جائے کہ یہ زمین تم کو سال بھر کے لئے کرایہ پر دیتے ہیں، اور عمل کچھ بیان نہ کیا جائے، تو یہ اجارہ صحیح ہے، اور اس صورت میں محصول مالکانِ مویشی سے لینا بھی درست ہے اور اس طرح ریاست سے ٹھیکہ لینا بھی درست ہے۔ اور چونکہ سائل نے محصول کی رقم سے اپنے گھر کا غلہ وغیرہ تعیین رقم کے ساتھ نہیں خریدا، اس لئے یہ غلہ وغیرہ اس کے لئے حلال ہے۔ البتہ یہ محصول بصورت اولی لیا گیا ہے تو اس کی واپسی یا معافی ضروری ہے۔ واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ
۱۸ ذی الحجہ ۱۳۴۴ھ

اس دلال اور کمیشن ایجنٹ کا حکم جس کی اجرت عقد کے وقت متعین نہ کی گئی ہو

زید نے اپنا ایک باغ معرفت عمرو کے مبلغ ا ع صمار میں فروخت کیا جس کو ایک عیسائی نے خرید کیا عیسائی کی طرف سے ایک شخص رستم جی وکیل تھا، وکیل خریدار نے سو روپیہ بطور بیعانہ کے عمرو کو دیئے تھے، بعد میں جب بیعنامہ کی رجسٹری ہوئی، وہ سو روپیہ بیعنامہ کے وکیل مشتری کو واپس کر دیئے گئے، رجسٹری بیعنامہ کے وقت وکیل خریدار نے عمرو سے کہا کہ میرا کمیشن دلواؤ! مگر مقدار کمیشن کچھ طے نہیں ہوئی تھی۔ اس اثناء میں زید علیل ہو گیا اور اس نے یہی وکیل خریدار سے کمیشن دینے کا وعدہ کیا تھا کہ ہاں دیدیں گے۔ اسی اثناء میں زید نے عمرو سے مبلغ دو سو روپیہ قرض مانگے، زید نے اپنی امانت میں سے اپنے ماموں نتھو سے اس کو دو سو روپیہ قرض دلوا دیئے۔ اس کے بعد زید کا انتقال ہو گیا۔ انتقالِ زید کے بعد وکیل خریدار نے عمرو پر کمیشن کا تقاضا کیا۔ عمرو کہتا ہے کہ میں نے مبلغ سو روپیہ زید کی جانب سے کمیشن میں وکیل

کو دیتے ہیں۔

اب ورثاءِ زید تو عمرو سے مبلغ دو سو روپیہ کا تقاضا کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ روپیہ تم نے قرض لیا تھا سب ادا کرو! عمرو کہتا ہے کہ میں نے سو روپیہ زید کی طرف سے کمیشن میں دیا ہے اب میرے ذمہ صرف سو روپیہ ہے۔ شرعی حکم سے **اس صورت میں مطلع** فرمایا جائے کہ عمرو کو یہ سو روپیہ کمیشن کے دینے کا حق تھا یا نہیں؟ اور اس کے ذمہ مبلغ دو سو روپیہ وارثانِ زید کو ادا کرنا واجب ہیں یا صرف سو روپیہ؟

الجواب

قال فی تنقیح الفتاوی الحامدیہ (سئل) فیما اذا دفع الی زید جاریتہ لعمرو، وأذن لہ أن یصرف علیہا لنفقتہا کل یوم کذا ویرجع بنظیر ذلک علیہ۔ وصار ینفق القدر المذکور علی الجاریۃ مدۃً معلومۃً۔ وزید غائب۔ ثم مات زید عن ورثۃ وترکہ ویرید عمرو المأذون لہ الرجوع فی ترکۃ الأذن، بنظر ما صرفہ باذنہ بعد ثبوت الاذن والصرف، وقدر المبلغ المصروف بالوجہ الشرعی فہل لعمرو ذلک؟ (الجواب) نعم! سئل ابو حامد عمن وکّل رجلاً وکالۃً مطلقۃً علی ان لا یقوم بأمرہ وینفق علی اہلہ من مال الموکل۔ ولم یعین علیہ شیء فی الانفاق۔ ولکن اطلق لہ ثم مات الموکل وجاء ورثتہ فطالبوا الوکیل ببیان ما أنفق وبصرفہ ہل یجب علیہ ان یبین؟ فقال: ان کان ثقۃ یصدق فیما قال وان اتہموہ حلفوہ الخ (ج ۱ ص ۳۴۲)

قلت: ثبت بہ ان الوکیل لہ الرجوع فی مال الموکل بعد موتہ بقدر ما انفق فی حیاتہ باذنہ۔

والحاصل ان الوکالۃ تنقطع بالموت، ولما کان حقوق العقد راجعۃً الی الوکیل فکل ما عقدہ فی حیاۃ المؤکل باذنہ یرجع بحقوقہ فی مال

الموكل بعد موته۔

قال فی التنقیح ایضًا ولو دفعه الوکیل الی رجل لیعرضه علی من احب فھرب به الرجل ولم یقدر علیه او تلف عنده المبیع، فالوکیل ضامن، وبه أفتی المرغینانی أیضًا، وأفتی الشیخ النغسی وشیخ الاسلام عطاء بن حمزة السغدی بأنه لایضمن، لأن البیع غالبًا لایتأتّٰی إلا علی ھذا الوجه، فیطلق له فیه، والاول أصح، لما ذکره المرغینانی أیضًا لأن لیس له التسلیم إلی أحدٍ قبل البیع۔ اقول: لقائل أن یقول: ان کونه لایملك التسلیم قبل البیع مسلم، ولکن اذا کان بدون إذنٍ من الموکل۔ أما لوکان بالاذن الصریح، فلاشبھة فی أن الوکیل یملك ذلك۔ وکذلك إذا کان معروفًا عادةً بان کان ذلك الشئ إنما یباع مع الدلّال ولم یکن الوکیل دلالًا فاذا وکله ببیعه مع علمه بذلك کان اذنًا منه بذلك عادةً والمعروف کالمشروط کما مر نظیره اھ (ج ۱ ص ۳۵۲)

وفیه أیضًا: فی وکالة البحر، وکیل البیع لو دفع المبیع إلی دلالٍ لیعرضه علی من یرغب فیه، فغاب أوضاع فی یده لم یضمن، لکن المختار الضمان۔ کما فی البزازیة۔ لکونه دفع ملك الغیر بغیر اذنه وان کان أصیلًا فی الحقوق الخ

وکتبت فیما علقته علیه انه ینبغی تقیید الضمان بما اذا لم تکن العادة جاریة لذلك فلوجرت العادة بدفعه إلی دلال لیعرضه علی البیع لایضمن لأنه بمقتضی العادة یکون ماذونًا بذلك اھ (ج ۱ ص ۳۴۵)۔

قلت: فکذا فی الصورة المسئولة لما وکل زید عمروًا ببیع عقاره وباعه الوکیل بواسطة الدلّال والعادة أن مثل ھذا البیع لایکون الابالدلّال وکذا المعروف ان الدلّال لایبیع لاحد إلابأجر فکان عمرو ماذونًا فی ذلك عادةً۔ فاذا باعه الدلّال ولم یسم له اجر کان له اجر مثل عمله عرفًا، وکان عمرو ماذونًا عادةً فی دفعه اجر المثل إلی الدلال کما لایخفی۔

فما قاله فی التنقیح فی موضعٍ أخر ما نصّه: «حیث کان وکیلًا ولم یشترط له اجرة، فلیس له ذلك، والحالة ھذه۔ العامل لغیره أمانة لااجر له، إلا الوصی

والناظر، فیستحقان بقدر اجرۃ المثل اذا عملا۔ إلی ان قال ۔ ولا أجر للوکیل

الا بالشرط الخ (ج ۱۔ ص ۳۴۷)

لا ینا فی ما قلنا لان فی الصورۃ المسئولۃ لم توجب الأجر للوکیل الذی ھو عمرو

بل انما اوجبناہ للدلال الذی باع عمرو عقار موکلہ بواسطۃ وثانیا انما ھذا الکلام

محمول علی ما اذا لم تکن الاجر معروفاً فی مثل ھذہ الوکالۃ واما لو کان معروفاً فلہ الأجر

لان المعروف کالمشروط، فان کان الاجر مسمی یستحقہ بلا شبھۃ وان کان غیر مسمی

یؤدی الیہ اجر مثلہ ۔ واللہ اعلم ۔

صورتِ مسئولہ میں چند امور قابلِ غور ہیں :

(۱) یہ شخص جس کا نام رستم جی ہے کیا اس کا پیشہ دلالی ہے یا اور، کیا یہ بات لوگوں کو عام طور پر معلوم ہے کہ یہ شخص کمیشن لیکر لوگوں کا مال بکوا دیتا ہے اور بدون کمیشن کے عام طور پر نہیں بکوا دیتا یا ایسا نہیں

(۲) اگر یہ دلال ہے اور کمیشن لیکر اس کا کام کرنا عام طور پر معلوم ہے تو یہ دیکھا جائے کہ ڈھائی ہزار کی جائیداد بکوانے کا کمیشن عرفاً کس قدر ہوتا ہے آیا سو روپیہ سے کم ہوتا ہے یا اسی مقدار میں ان دو باتوں پر غور کرنے کے بعد جواب مسئلہ حسب ذیل ہے :

اگر زید کو رستم جی کا دلال ہونا اور اس کا کمیشن لیکر عام طور پر کام کرنا معلوم تھا (جیساکہ زید کے وعدہ اور ادا کمیشن سے یہی مفہوم ہوتا ہے) تو اس صورت میں یہ شخص رستم جی بعد عمل کے اپنے کمیشن کا مستحق ہوگیا اور چونکہ عمرو جانبِ زید سے وکیل تھا اور حقوق عقد وکیل کی طرف راجع ہوتے ہیں اور موت مؤکل سے وہ عقود باطل نہیں ہوتے جو وکیل نے موکل کی حیات میں کئے ہیں لہٰذا رستم جی کو عمرو سے اپنے کمیشن کے مطالبہ کا حق تھا اور عمرو کو کمیشن ادا کرنا لازم تھا جس کو عمرو ترکہ زید سے وصول کرنے کا مستحق ہے ۔ اگر کمیشن اول طے ہوگیا ہوتا تو جس قدر طے ہوتا وہی دیا جاتا اور جب اولاً طے نہیں ہوا تو اب کمیشن عرف کے موافق دیا جائے گا، اگر عرفاً اس بیع وشراء کا کمیشن سو روپیہ ہو تب تو عمرو کا سو روپیہ کمیشن میں دینا درست ہوا، اور ورثہ زید کو ان سو روپیوں کے مطالبہ کا عمرو سے حق نہیں ۔ اور اگر کمیشن عرفاً اس صورت میں سو روپیہ سے کم ہو تو جتنا حق کمیشن کا ہو وہ چھوڑ کر باقی روپیہ کا مطالبہ ورثہ کر سکتے ہیں ۔

اور اگر رستم جی کا عام طور پر کام کرنا معروف نہیں نہ اسکا دلال ہونا معروف ہے تو اس صورت میں جبکہ کمیشن پہلے کچھ طے نہیں ہوا تھا رستم جی کمیشن کا مستحق نہیں، نہ عمرو کو اسے کمیشن دینے کا کچھ اختیار تھا اس حالت میں البتہ ورثہ زید پورے دوسو روپئے عمرو سے وصول کرنیکے مستحق ہیں، کیونکہ اس نے اس حالت میں جو کچھ رستم جی کو دیا محض تبرعاً دیا، اور اس رقم کو ترکۂ زید میں سے وصول کرنیکا اسے حق نہ تھا۔

دونوں صورتوں کا حکم لکھنے کے بعد فیصلہ یہ ہے کہ صورت سوال سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ، اس جگہ پہلی صورت کا تحقق ہورہا ہے نہ کہ دوسری صورت کا، کیونکہ سوال میں مذکور ہے کہ زید نے بھی اس معاملہ کے انجام پانیکے بعد رستم جی کو کمیشن دینے کا وعدہ کیا تھا گو طے کچھ نہ ہوا تھا، مگر بظاہر اسکو یہ معلوم تھا کہ یہ شخص اپنے عمل کی وجہ سے اجرت کا مستحق ہے جب اسکا استحقاق معلوم تھا تو وکیل یعنی عمرو کو حقوق عقد ادا کرنیکا عرف کے موافق اختیار ہے، واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ
۹ رشوال ۱۳۴۱ھ

نوکری میں یہ شرط کہ تنخواہ سے اتنے رقم ہر ماہ لیکر کار خیر میں لگاؤنگا

سوال:- زید اس شرط سے مزدوروں کو ملازم رکھتا ہے کہ روپیہ شہر یہ تیری مزدوری یعنی اجرت سے وضع کر لیا کرونگا پھر میں کسی فعل خیر میں یہ روپیہ صرف کرونگا یہ تعامل مشروع ہے یا غیر مشروع۔ والسلام علی من اتبع الھدیٰ۔

دوٹانکی ابراہیم پان فروش دوکان پر
انارالدین کو ملے۔ شہر بمبئی۔

الجواب

یہ جبر فی التصدق ہے اس لئے ناجائز ہے اور چونکہ اس شرط کی دنیوی منفعت احد العاقدین یا معقود علیہ کو نہیں پہونچتی اس لئے اجارہ فاسد نہ ہوگا۔ واللہ اعلم

کتبہ
احقر عبدالکریم عفا اللہ عنہ
۲۱ رذی الحجہ ۱۳۴۳ھ

نکاح خوانی کی اجرت جائز ہے

سوال:۔ نکاح کے وقت اپنی اجرت یعنی ہم قاضی درست ہے یا نہیں

الجواب

نکاح کی اجرت لینا جائز ہے نکاح پڑھنے والے کو، اور بدون نکاح پڑھے لینا جیسا کہ دستور ہے کہ کسی آدمی سے نکاح پڑھواتے ہیں اور اسکی اجرت میں قاضی کا بھی حق سمجھا جاتا ہے یہ ناجائز ہے اور یہ بھی ناجائز ہے کہ کوئی قاضی وغیرہ اپنے سے نکاح پڑھوانے پر مجبور کرے، اور یہ امر بھی یاد رکھنا چاہئے کہ جو شخص نکاح پڑھانے کیلئے بلاوے اجرت اس کے ذمہ واجب ہے (والتفصیل فی امداد الفتاوی ج ۳)

الجواب صحیح
ظفر احمد عفا اللہ عنہ
۱۴ / صفر ۱۳۴۴ھ

کتبہ
عبد الکریم عفی عنہ
۱۴ / صفر ۱۳۴۴ھ

ایصال ثواب کیلئے تلاوت قرآن پر اجرت لینا حرام ہے

سوال:۔ صفات مروجہ لایصال ثواب جائز ہے یا نہیں، بر تقدیر ثانی مجوزین عالمگیری کی سند پیش کرتے ہیں کہ کتاب الاجارہ میں جواز لکھا ہے، گو مولانا عبد الحئی صاحب اپنے فتاوی میں عدم جواز کا فتوی دیتے ہیں، لیکن عمدۃ الرعایۃ میں حاشیہ متعلقہ باب المہر میں نقل کرتے ہیں: اشبہ ذالک مالو استأجر شخص لقرائۃ القرآن ونحوہ فأتی بہ علی قصد کونہ للمستاجر وقد صرحوا منہ بان ثوابہ للمستأجر، برائے عنایت میرے تردد کو رفع فرمایئے، نیز صورت مسئولہ ولاتشتروا الآیۃ کی تحت داخل ہے یا نہیں

الجواب

قراۃ قرآن عند القبر اور اس پر اجرت کو عالمگیریہ وجوہرہ میں اگرچہ جائز لکھا ہے جبکہ مدت متعین کر کے معاملہ کیا جائے لیکن عالمگیریہ وغیرہ کے اس فتوی کی علامہ شامی نے تردید و تغلیظ کی ہے اس لئے صحیح یہ ہے کہ قراۃ قرآن پر اجرت لینا حرام ہے، لکونہ إستیجاراً للطاعۃ وھو لایجوز واستثناء التعلیم والاذان والامامۃ للضرورۃ ولاضرورۃ فیہ (صرح

بہ فی رد المحتار ج ۵ ص ۵۲/۵۳)

الجواب صحیح
ظفر احمد عفا اللہ عنہ
۸ ربیع الثانی ۱۳۴۴ھ

کتبہ
احقر عبد الکریم عفا اللہ عنہ
۸ ربیع الثانی ۱۳۴۴ھ

مہتمم کے نائب نے بعض ممبران مدرسہ کے حکم سے مہتمم کو ترکِ ملازمت مدرسہ کے بعد تنخواہ دیدی تو اسکو لینا جائز ہے یا نہیں اور نائب کو ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں۔

سوال: زید ایک مدرسہ کا مہتمم ہے جسکی تنخواہ ۲۵ روپیہ ماہوار ہے چند اسباق بھی پڑھاتا ہے اور بعض مواقع میں حسب ضرورت مدرسہ، مدرسہ سے باہر جاکر فراہمی سرمایہ بھی کرتا ہے، و نیز دیگر مدرسین مدرسہ و مبلغین بھی حسب مواقع فراہمی سرمایہ کا کام دیتے ہیں، ترک موالات کے سلسلہ میں خلافت کمیٹی کا ایک جلسہ ہوا، جسمیں زید نے حسب خواہش اپنی شرکت کی اور اس میں جو تقریر کی اس کو گورنمنٹ نے باغیانہ تصور کرکے جیل کی سزا دی جس وقت وہ جیل جانے لگا تو مجمع عام میں اپنے بچوں کو مخاطب کرکے یہ کہا کہ آج سے ہمارے تنخواہ مدرسہ سے بند ہوگئی، آج سے ہم مدرسہ کے ملازم نہ رہے، آخر زید جیل گیا مگر جیل سے بہت سے خطوط واسطے امداد مدرسہ لوگوں کو لکھے، جس میں بعض خطوط کی بناء پر مدرسہ کو کچھ فائدہ بھی ہوا، زید کے نائب نے بحکم بعض ممبر جیل کی تنخواہ خاص مدرسہ کی فنڈ سے دے دی باوجود اس کے کہ جلسۂ انتظامیہ موجود ہے۔ باقاعدہ جلسہ سے کوئی اجازت نہ ملی، یہ تنخواہ جو نائب نے دیا، اسکو دینا اور زید کو لینا جائز ہے یا نہیں اگر ناجائز ہے، تو نائب اور اس کے بعض حکم دہندہ ممبروں پر ضمان واجب ہے یا نہیں،

(۲) مدرسین مدرسہ یا مہتمم جو عہدہ دار مدارس میں ہوتے ہیں، اجیر عام ہیں یا اجیر خاص یا شرعی اصطلاح میں اس معاملہ کا دوسرا کوئی نام ہے۔

الجواب

جب زید نے ملازمت ترک کردی تو تنخواہ کا مستحق کیسے بن سکتا ہے، اور خطوط بھیجنا تبرعاً ہوگا، کیونکہ کوئی عقد ملازمت طے نہیں ہوا، پس نہ زید کو تنخواہ لینا جائز ہے اور نہ نائب یا ممبران مدرسہ کو دینا، خواہ باقاعدہ جلسہ بھی منظور کرلے، لہذا جو رقم دی گئی وہ مدرسہ میں واپس دینا لازم ہے اور اگر زید نہ دے تو ضمان کے متعلق دریافت کرلیا جائے۔

(۲) کیا اجیر خاص قرار دینے سے ضمان سے سبکدوشی مقصود ہے اجیر خاص کی سبکدوشی تو وہاں ہو سکتی ہے جہاں بلا قصد کوئی نقصان ہو جائے، اور جب قصداً کیا ہو تو ضمان ہوتا ہے اور ترک ملازمت یا حبس کی صورت میں تو نہ اجیر خاص ہے نہ اجیر عام بلکہ غیر ہے یا اسیر۔ فقط

الجواب صحیح
ظفر احمد عفا اللہ عنہ
از تھانہ بھون، خانقاہ امدادیہ

کتبہ
الاحقر عبد الکریم عفی عنہ

تراویح میں ختم قرآن پہ اجرت لینا حرام ہے

سوال: زید و عمر ایک ہی محلہ کے رہنے والے ہیں، اور اس محلہ میں ایک ہی مسجد ہے، جس میں جماعت کے ساتھ نماز ہوتی ہے۔ زید نے اس مسجد میں ختم تراویح کیلئے اُجرت پہ ایک حافظ مقرر کیا ہے، عمر و اس فعل کو حرام جانتا ہے۔ اور حافظ کی اجرت کی شرط سے منکر ہے۔ اس حالت میں عمرو ختم تراویح میں شریک ہو سکتا ہے یا نہیں۔

سائل: احقر محی الدین مجمعہ

الجواب

جو حافظ اجرت پر ختم قرآن شریف کیلئے رکھا گیا ہے، اگر وہ اس تنخواہ میں مہینہ بھر پانچوں نمازوں کی امامت بھی کریگا، تو اسکو واضح کر کے سوال کیا جائے، اور اگر ایسا نہیں تو اس کے پیچھے قرآن سننے سے ثواب نہ ملے گا۔ اور ایسا حافظ جو کہ فاسق بھی ہے، اس لئے اس کے پیچھے نماز مکروہ ہے، پس عمرو اس حالت میں نماز الگ پڑھ لے، اس حافظ کے پیچھے نہ پڑھے،

قال فی مراقی الفلاح ولذا کرہ امامۃ الفاسق لعدم اهتمامه بالدین فتجب اهانته شرعاً، فلا یعظم بتقدیمه للامامة واذا تعذر منعهٗ ینتقل عنه إلی غیرہ للجمعة وغیرها وان لم یقم الجمعة إلا هو یصلّی معه اھ (۱۷۶)

اور اگر اپنے گھر میں تراویح کی جماعت کر لے تو اور بھی اچھا ہے، باقی فرضوں کی جماعت ترک نہ کرے، اگر اس امام مذکور کے سوا اور کسی کے پیچھے فرض کی جماعت نہ ملے تو اس کے ہی پیچھے پڑھ لے۔

والاصل فیہ ما حققہ ابن عابدین فی رسالتہ "شفاء العلیل وبل الغلیل" من حرمۃ الإجارۃ والاستیجار علی مجرد تلاوۃ القرآن، ولا یخفی ان الحافظ الذی لا یؤم فی الصلوات الخمس وانما للتراویح و یختم فیھا و یأخذ الاجر علی ذالك انما ھو یأخذ الاجر علی الامامۃ بإمامۃ التراویح بمجردھا لایجوز أخذ الأجر علیھا لعدم الضرورۃ التی بھا ابیح الاجرۃ فی تعلیم القرآن وامامۃ المکتوبۃ والأذان و غیرھا فانھا فرائض او سنن موکدۃ من شعائر الاسلام وامامۃ التراویح سنۃ کفایۃ وتتأتی بقرائۃ سورۃٍ قصیرۃٍ من اٰخر القرآن ولاتتوقف علی الختم۔ قال فی مراقی الفلاح: وسن ختم القرآن فیھا مرّۃ فی الشھر علی الصحیح، وان ملّ بہ القوم قرأ بقدر مالا یودی إلی تنفیرھم فی المختار، لان تکثیر القوم افضل من تطویل القرأۃ وبہ یفتی۔ قال الزاھدی: یقرأ کما فی المغرب ای بقصار المفصل بعد الفاتحۃ اھ (ص: ۲۴۱)

قال الصدر الشھید: الجماعۃ سنۃ علی الکفایۃ فیھا حتی لو اقامھا البعض فی المسجد بجماعۃ وباقی اھل المحلۃ اقامھا منفرداً فی بیتہ لا یکون تارکا للسنۃ لأنہ یروی عن إفراد الصحابۃ التخلف اھ۔ من مراقی الفلاح (ص: ۲۴۰)

بخلاف جماعۃ المکتوبات فانھا واجبۃ علی العین او سنۃ مؤکدۃ وایضاً فانھا من الشعائر فتحققت الضرورۃ فیھا دون جماعۃ التراویح فلا یجوز أخذ الأجرۃ علی إمامتھا مجردۃ ولا علی الختم فیھا والتخلف عن مثل ھذا الإمام اولیٰ۔ واللہ اعلم۔

ظفر احمد عفا اللہ عنہ

۷ رمضان ۱۳۴۵ھ

مؤجر کی زمین میں متأجر کے کنواں بنوانیکا حکم

سوال:۔ حامد و ماجد باپ بیٹے ایک جائداد میں شریک ہیں حامد اپنا حصّہ بیع کرتا ہے اور شرطِ ادائیگی اندر مدت بارہ

سال یعنی اگر حامد نے بارہ سال میں روپیہ ادا کر دیا تو مشتری پر وایسی جائداد لازم ہوگی۔ کذا فی بیع الاقالۃ۔

ماجد ابن حامد بائع مشتری سے اسی جائداد کو ٹھیکہ پر لیتا ہے اور یہ معاہدہ کرتا ہے کہ میں اس زمین میں اپنے روپیہ سے چاہ پختہ بناؤنگا، اور چاہ بنانے سے اس زمین کی آمدنی زیادہ ہوجائے گی جو زر معاہدہ جواس نے مشتری کو دینا تسلیم کیا ہے اس سے زیادہ ہوگی اس ازدیاد کا میں مالک ہونگا، اور سات سال تک میں اس ازدیاد کو حاصل کرتا رہوں گا، بعد سات سال اگر حامد بائع نے روپیہ ادا کر دیا تو زمین کے وہ حسب عہد مالک ہوگا ، ورنہ مشتری ازدیاد کا بھی مالک ہوگا، جو اس زمین میں چاہ پختہ کے بعد ہوگیا ہے اور جب تک مدت بیع سے بارہ سال پورے ہوں مالک (رہے گا اگر) بارہ سال میں حامد نے بائع کا روپیہ ادا کر دیا تو وہ جائداد مبیعہ کے مع حصہ چاہ مالک ہوگا ، اور اگر روپیہ ادا نہ کیا تو مشتری اس حصہ چاہ کا جو اس کی زمین میں ہے مالک ہوگا، اور جو نفع ماجد معاہد نے سات سال تک حاصل کیا ہے اس کو وہ قیمت چاہ قرار دیتا ہے یعنی یہ معاہدہ کرتا ہے کہ سات سال میں بعد بنانے چاہ کا زر معاہدہ کے سوا جو نفع میں حاصل کرونگا، وہ اس چاہ کے اس حصہ کی قیمت ہے جو مشتری کے حق میں ہوگا اور اس کی زمین میں ہوگا، گویا مشتری حقیقت حامد کا ماجد ابن حامد کو زمین کا ٹھیکہ پر دے دینا اور اس میں ماجد کا تصرف کرنا جس سے قیمت زمین بڑھ جائے اور اس سے نفع حاصل کر کے نفع کو قیمت چاہ مقرر کرنا درست ہے یا نہیں، اور حصہ چاہ جو بعد مدت بارہ سال قبضہ مشتری میں آئے گا یہ مشتری کے لئے ربوا تو نہیں ہوگا، اس لئے کہ مشتری نے اس کی قیمت ادا نہیں کی، بلکہ ماجد معاہد نے نفع حاصل شدہ کو اس کی قیمت قرار دیا ہے۔ بینوا للناس توجروا من اللہ

محمد یعقوب قدوسی بن یوسف حکم قدوسی

الجواب

صورت مسئولہ میں یہ چاہ جو ماجد بن حامد نے مشتری کی زمین میں بنایا ہے اصل میں اسکی ملک ہوتا، پھر اگر وہ بلا اذن مشتری بناتا تو ٹھیکہ ختم ہونے پر مشتری کو یہ حق تھا کہ ماجد سے کہتا کہ اپنے کنویں کا ملبہ لے جاؤ اور میری زمین چھوڑ دو، اور اگر کنویں

اکھاڑنے میں زمین کو ضرر بیّن ہوتا تو وہ کنویں کی قیمت دیکر اس پر قابض ہوجاتا۔

اور اجازت سے بنانیکی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ اجازت حاصل کرتے ہوئے یہ تصریح ہوجاتی کہ جو اس میں خرچ ہوگا وہ مشتری سے لیاجائیگا، اس صورت میں ماجد کو مشتری قیمت اور لاگت چاہ کی وصول کرنے کا حق ہوتا۔ دوسری صورت یہ کہ اجازت سے کنواں بنایا گیا اور تصریح کردی گئی کہ کنواں بنانے والا مشتری زمین سے اس کا کوئی معاوضہ نہ لے گا، اس صورت میں کنواں مالک زمین یعنی مشتری کا ہوگا اور بنانے والے کو اس کے معاوضہ کے مطالبہ کا حق نہ ہوگا۔

صورت سوال میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ صورت مسئولہ میں ماجد بن حامد نے یہ کنواں مشتری کی زمین میں اسکی اجازت سے بنایا ہے، اور وہ مشتری سے اپنی لاگت کا معاوضہ لینا نہیں چاہتا بلکہ کنواں بنانے سے جو زمین کی آمدنی میں اضافہ ہوگا اس اضافے کو سات برس تک وصول کرتے رہنے ہی کو وہ اپنی لاگت کا عوض سمجھتا ہے، جبکا مطلب یہی ہے کہ وہ مشتری کی زمین میں کنواں بنا کر اس سے معاوضہ کا طالب نہیں، بلکہ خود نفع ونقصان کا ذمہ دار ہے، گویا ماجد کنواں مشتری کو ایک شرطِ فاسد کے ساتھ ھبہ کر رہا ہے، اور شرط فاسد سے ھبہ فاسد نہیں ہوتا، بلکہ خود شرط لغو ہوجاتی ہے اور بعد انقضاءِ مدتِ اجارہ وہ اقرار کرتا ہے کہ کنواں اسکا نہ ہوگا، بلکہ مالک زمین کا ہوجائیگا خواہ وہ حامد ہو یا مشتری۔ پس یہ کنواں بعد انقضاءِ مدتِ اجارہ مع اپنے منافع کے مشتری کی ملک ہوجائیگا، اور اس میں ربوا کا کوئی احتمال نہیں۔ اور جب کنواں مشتری کی ملک ہوگیا، اور حامد سے بارہ سال کے بعد صرف زمین کی واپسی کا وعدہ ہے نہ زوائد کا، تو مشتری کو حق ہے کہ وہ بارہ سال کے بعد حامد کو صرف زمین واپس کرے، اور کنواں کو اپنی ملک میں رکھے، یا کنواں کی قیمت حامد سے لیکر کنواں بھی اس کو دیدے، اور ماجد کا یہ کہنا کہ اگر سات سال کے بعد حامد (بائع) مشتری کا روپیہ ادا کردے تو حامد زمین کا مع چاہ اور منافع چاہ کے مالک ہوگا لغو ہے، کنواں بنانے کے وقت زمین مشتری کی ملک میں ہے، اُسکی زمین میں اسکی اجازت سے جو زیادت ہوگی وہ اُسی کی ملک ہوگی، حامد کو اس سے اسوقت کوئی تعلق نہیں۔

قال فی الحامدیۃ (ج ۲ ص ۱۳۵): طحان رکب فی الطاحونۃ حجراً

من ماله، وحد يدا وشيئا أخر ونحو ذلك، قالوا: إن فعل ذلك بأمر صاحب الطاحونة ليرجع عليه. كان له أن يرجع بذلك على صاحب الطاحونة. وإن فعل بغير أمره، فإن أمكن رفعه من غير ضرر يرفعه، وإن كان مركباً لا يمكن رفعه إلا بضرر، كان لصاحب الطاحونة أن يدفع إليه قيمته ويمنعه من الرفع. فإن أحدث المستأجر في المستأجَر بناءً، أو غراسًا ثم انقضت مدة الإجارة، كان للآجر أن يأمره بالرفع قلت قيمته أو كثرت، وإن شاء منعه من الرفع، وأعطاه القيمة، إذا لم يكن أمره أن يفعل ذلك ليرجع عليه. خانية ۱ھ

قلت: وفي ما نحن فيه إنما بنى المستأجر في أرض المؤجر بإذنه مع التصريح بأنه لا يؤخذ من المؤجر في عوضه شيئًا، بل عوض عمله ما يتحصل من المنافع الزائدة في مدة سبع سنين. فلا يكون له حق الرجوع على المؤجر، ولا حق رفع عمارته بعد انتفاعه بالأرض سبع سنين، نعم! إن نقض الموجر الإجارة قبل المدة يسئل عن حكم ذلك ثانيا. والله تعالى أعلم

حرره الأحقر ظفر احمد عفا الله عنه

۲۲ صفر ۱۳۴۶ھ - از تھانہ بھون

متولی اجیر وقف کو معزول کرنے کی صورت میں ایک ماہ کی پیشگی تنخواہ وقف سے دینے کا مجاز ہے یا نہیں؟

سوال:- آج کل یہ صورت رائج ہے کہ ملازم اگر ملازمت سے علیحدہ ہونا چاہے تو اس کو ایک مہینہ قبل اطلاع دینی ہوتی ہے، اس طرح اگر دکاندار ملازم کو علیحدہ کرتا ہے تو اسکی آئندہ ماہ کی تنخواہ بھی مجرا دے دیتا ہے، اگرچہ اس سے کام نہ لے، یہ اصول جس طرح دکانداروں میں رائج ہے اسی طرح مدارس میں بھی، اور وقف کے آفسوں میں بھی تو اگر متولی مسجد کسی ملازم کو برطرف کر دے، اور متولی مسجد نے اس کو جس ماہ میں برطرف کیا ہے اس کی تنخواہ اور ماہ آئندہ دونوں کی تنخواہ اس اصول رائجہ کے مطابق دے دے تو کیا ملازم کو یہ لینا صحیح و درست ہے یا نہیں، نیز متولی مسجد کو

دینے کا اختیار ہے یا نہیں جبکہ یہ اصول اس میں رائج ہو۔

الجواب

یہ اصول عام طور پر اوقاف میں جاری نہیں، پس کسی وقف میں اس اصول کا جاری کرنا اس وقت جائز ہو سکتا ہے جبکہ وقف نامہ میں یہ اصول درج ہو، یا قدیم سے اس وقف کے سب متولی ایسا ہی کرتے رہے ہوں، اگر قدیم سے ایسا طرز عمل نہیں نہ وقف نامہ میں اسکی تصریح ہے، تو متولی کو ایسا کرنا جائز نہیں، ہاں اگر ہر ملازم کو ملازم رکھتے ہوئے یہ عہد کر لیا جاتا ہو تو پھر مطلقاً جائز ہے۔

وحاصله أن أجرة الشهر الذي يعزل فيه تكون مضاعفة ولا بأس بذالك كما جاز ان يشترط زيادة قدر معلوم على مضي سنة أو سنتين أو فصاعدًا۔ والله اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ

از تھانہ بھون۔ ۱۶ جمادی الاولی ۱۳۴۶ھ

سوال :۔	به سبب قرض مدیون سے اجارۂ قلیلہ پر کاشت کیلئے زمین لینا

اگر کسی نے سو روپیہ لیکر تین بیگہ زمین اجارہ پر دی، اس طرح کہ ہر سال اصل روپیہ سے تین روپیہ کر کے وضع کیا جائے گا، حالانکہ یہ تین بیگہ زمین کم از کم سال کے لئے بیس روپیہ پر لگا سکتا ہے۔ بوجہ اکٹھا روپیہ لینے کے سالانہ تین روپیہ مقرر ہوا، یہ صورت جائز ہے یا نہیں،

سائل: ممتاز الکریم

الجواب

یہ صورت فی نفسہ تو جائز ہے لیکن اگر اس کو سود لینے کا حیلہ بنایا جائے تو مکروہ ہے۔ لكراهة الاحتيال للربوا۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ

از تھانہ بھون۔ ۷ شعبان ۱۳۴۶ھ

سوال :۔	ایام تعطیل اور خارج اوقات میں ایام غیر حاضری کی تلافی کرنے سے سبکدوشی ہوگی یا نہیں۔

کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ زید مدرس ڈسٹرکٹ بورڈ کا صدر مدرس ہے، اس نے نیابت کی حالت میں اور اب نائب

ہوتے ہوئے بھی گاہ گاہ بلا حصول رخصت غیر حاضری کی، کیا یہ حق العباد ہے؟ اگر ہے تو ایام تعطیل میں ایام غیر حاضری کی تعداد کے موافق کام کرنے سے ادائیگی ہوجائیگی یا نہیں اگر ہوجائے تو بہتر ہے، اور اگر نہ ہو تو ایام غیر حاضری کی تنخواہ بورڈ میں جمع کرنے سے ادائیگی ہوجائیگی یا نہیں، دونوں صورتوں میں جواب کی ضرورت ہے، زید ایام غیر حاضری کی ادائیگی کی نیت سے ایام تعطیل میں کام کرچکا ہے، یہ ادائیگی ہوئی یا نہیں مطابق قواعد ڈسٹرکٹ ایک سال میں چودہ یوم کی رعایتی رخصت ملتی ہے، اگر ان ایام رخصت میں کام غیر حاضری کی ادائیگی کی نیت سے کیا جائے تو ادائیگی ہوگی یا نہیں (بورڈ سے رخصت حاصل کرکے ایام رخصت میں کام کیا جائے) فقط والسلام۔

مرتضی علی

مدرس مدرسہ اسلامیہ ڈسٹرکٹ بورڈ سہنپور

الجواب

ہاں یہ حق العباد ہے، کافر کے ملازم کو بھی ملازمت کے حقوق کا ادا کرنا لازم ہے، رہا یہ کہ ایام تعطیل یا خارج اوقات میں تلافی ما فات کرنے سے سبکدوشی ہوگی یا نہیں یہ امر قواعد بورڈ معلوم ہونے پر موقوف ہے، کہ بورڈ کے نزدیک خارج اوقات میں تلافی معتبر ہے یا نہیں، اس کو ظاہر کرکے سوال کیا جائے ورنہ یہی صورت ہے کہ ان ایام کی تنخواہ بورڈ میں داخل کردی جائے۔ واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ

از تھانہ بھون، خانقاہ امدادیہ

۱۸ر شوال ۱۳۴۶ھ

طلبۂ اسکول سے فیس لینے کے احکام سوال:۔ گذارش یہ ہے کہ ہمارے مدرسہ میں جو قوانین ہیں، ان میں سے کئی قانون کے متعلق احقر کو شبہ ہوگیا ہے اس لئے حضرت والا سے دریافت کرنا چاہتا ہے، کہ شرعاً یہ جائز ہے یا نہیں، مہربانی فرماکر جواب سے مشرف فرمادیں۔

(۱) جب کوئی نئے لڑکے مدرسہ میں داخل ہوتے ہیں تو علاوہ ماہواری فیس کے ان سے داخلہ فیس ماہواری فیس کے مقدار میں لی جاتی ہے، اسکا لینا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

(۲) اگر کوئی لڑکا مدرسہ سے چلا جاتے تو دو ماہ تک حاضرہ کاپی میں اس کا نام رکھا جاتا ہے پھر اگر وہ یہاں داخل ہو تو اس سے ان دونوں مہینوں کی فیس لی جاتی ہے، حالانکہ اس زمانہ میں اس نے ایک سبق بھی نہیں پڑھا تھا، اور پھر داخلہ فیس بھی لی جاتی ہے، یہ جائز ہے یا نہیں؟

(۳) اگر کوئی لڑکا کسی مہینے میں کلاً یا بعضاً غیر حاضر رہے، تو دوسرے مہینے میں اس سے پوری فیس لی جاتی ہے، یہ جائز ہے یا نہیں؟

(۴) نئے لڑکے سے فیس داخلہ کے علاوہ اس مہینے کی پوری فیس لی جاتی ہے، خواہ مہینے کی شروع میں داخل ہو یا درمیان میں یا اوائل عشرہ آخر میں، یہ جائز ہے یا ایام کے اعتبار سے کمی بیشی کر کے لینا چاہئے؟

احقر اطہر غفرلہ

مدرسۂ جامعہ ملیہ، شہر کملا ضلع پرڈہ

الجواب

(۱) — اس تاویل سے جائز ہے کہ یوم داخلہ کی اجرت تعلیم سب ایام سے زیادہ ہے، اور اس کی تعجیل مشروط ہے اور تعجیل اجر جائز ہے۔

(۲) — یہ بھی اس تاویل سے جائز ہے، کہ جو لڑکا ایسا ہوگا اس سے یوم داخلہ کی اجرت تعلیم دوسروں سے زائد لی جائے گی اور وہ زیادت پیشگی لی جائے گی، اور اس زیادت کے تعین کا معیار یہ قرار دیا گیا کہ جتنی فیس ایام غیر حاضری کی ہو وہ مع فیس داخلہ کی مقدار کے مجموعۂ دوسرے لڑکوں کی فیس سے زائد ایسے لڑکے سے لی جائے گی۔ اور یہ مقدار گو بصورت قانون مجہول ہے، مگر وقت وصول و ادا کے مجہول نہ ہوگی، للعلم بایام عدم حضورہ حینئذٍ و العلم باجرۃ الدخول۔

(۳) — اس صورت میں جواز کی گنجائش اصلاً نہیں۔

تنبیہ :- اس صورت کے متعلق جو یہ لکھا گیا ہے کہ اس میں جواز کی گنجائش اصلاً نہیں، یہ اس صورت میں ہے جبکہ طالب علم پورے مہینے میں غیر حاضر رہا ہو، اور اگر بعض حصہ میں غیر حاضر اور بعض میں حاضر رہا ہو، تو اس میں اس طرح گنجائش ہے کہ قانون میں تصریح کر دی جائے کہ جس مہینے کے کسی حصہ میں طالب علم مدرسہ سے نفع حاصل

کریگا، اس سے پورے ماہ کی فیس لی جائیگی، گویا اجرت تعلیم کل ماہ اور بعض ماہ کی مساوی ہے۔ واللہ اعلم۔ ظفر احمد ۲۴، محرم ۱۳۴۷ھ

(۴) — اس کا بھی حاصل وہی ہے، جو صورت ثالثہ کا حاصل ہے، کہ جس طرح یوم داخلہ کی فیس واجرت دیگر ایام سے زائد ہے اسی طرح ماہ داخلہ کی اجرت دوسرے مہینوں سے زائد ہے، اس لئے یہ بھی جائز ہے، لازم یہ ہے کہ جس تاویل سے ان قواعد کو جائز کہا گیا ہے قواعد میں ان وجوہ کی تصریح ہو جائے تاکہ شبہ فساد باقی نہ رہے۔ واللہ اعلم۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ
از تھانہ بھون، خانقاہ امدادیہ
۲۱، محرم ۱۳۴۷ھ

(نوٹ) یہ تو آئندہ کے لئے ہے، لیکن جو زمانۂ ماضیہ میں لی جا چکی ہے، چونکہ وہ اس تاویل سے نہیں لی گئی اس لئے اس کی واپسی لازم ہے۔

اشرف علی

ایام تعطیل کی تنخواہ حلال ہے | سوال :- ما قولکم رحمکم اللہ فی ہذہ المسئلۃ تنخواہ ایام تعطیل چوں جمعہ وعیدین ورمضان بحسب دستور وآنچہ در عید وآغاز بعض سورتہائے قرآن مجید وغیرہ چوں پارچہ وروپیہ وشیرینی وغیرہ مدرس صاحبان را دادن ست معروف مشہور، گرفتنش مباح است یا محظور۔

الجواب

مباح ست۔ کما فی رد المحتار وینبغی الحاقہ ببطالۃ القاضی واختلفوا فیہا والأصح انہ یأخذ لانّہا للإستراحۃ۔ اشباہ من قاعدۃ والعادۃ محکمۃ۔

ودر گرفتن اشیاء مرسومہ شکے نیست واگر کسے مانع آید جبرہم کردہ شود کما فی جامع الرموز وغیرہ فلو امتنع الأب من الرسوم مثل پنج شنبی وعیدی وغیرہما حبس علی ذالک وفی الدر المختار:۔ ویجبر علی دفع الحلوۃ المرسومۃ الخ۔

الجواب صحیح
ظفر احمد عفا اللہ عنہ
از خانقاہ امدادیہ، تھانہ بھون، ۲۹، ذی الحجہ ۱۳۴۶ھ

مشین سے آٹا پسوانے کے متعلق چند سوالات

سوال :۔ کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسائل ذیل میں۔

(الف) کہ زید کے پاس آٹا پیسنے کی ایک مشین ہے، اور ایک من گیہوں کی پسوائی یعنی اجرت میں (چار آنہ نقد اور ایک سیر آٹا) لیتا ہے تو آیا ایسے اجرت لینا جائز ہے یا نہیں؟

(ب) اور اسی زید کے پاس جو غلّہ آتا ہے اس کے پسوانے کے بعد اسی آٹے کو تول لیا، جتنا غلہ جل جانے میں ضائع ہوا تھا اس کو کاٹ لیا، اب ہر روز اتنا غلہ کاٹ لیتا ہے ہر ایک سے جتنا کہ اس سے پہلے شخص سے کاٹ لیا تھا تو آیا ایسی صورت میں ہر ایک سے ظرح پہ غلہ کاٹنا جائز ہے یا نہیں۔

(ج) زید کے پاس جو غلہ آتا ہے مثلاً گیہوں کہ کسی کا اعلیٰ اور کسی کا ادنیٰ، اور زید مذکور اس کا اصلاً لحاظ نہیں کرتا بلکہ سب غلوں کو ایک بار مشین میں داخل کرتا ہے اور پس جانے کے بعد جتنا غلہ جس کا ہوتا ہے اسی مقدار کے موافق ظنی کٹوتی کے علاوہ ہر ایک کو حوالہ کرتا ہے اور یہ احتمال بلکہ متیقن ہے کہ کسی کا غلہ کسی کے پاس پہونچ جاتا ہے کیونکہ اعلیٰ گیہوں والے کے پاس ادنیٰ، اور ادنیٰ والے کے پاس اعلیٰ چلے جانے کا یقین ہے تو آیا یہ صورت بھی جائز ہے یا نہ۔

(د) زید مذکور مشین بند کرتے وقت کچھ غلہ مشین کے اندر روکتا ہے اور کہتا ہے کہ اگر ایسا نہ کیا جائے تو مشین کے بگڑ جانے کا احتمال ہے اور طرہ یہ ہے کہ وہ غلہ جس کا ہوتا ہے اس کو واپس بھی نہیں کیا جاتا ہے بلکہ اپنے خرچ میں لایا جاتا ہے تو آیا یہ غلہ روکنا اور مالک کو واپس نہ کرنا اور اپنے صرف میں لانا درست ہے یا نہ؟

(ہ) یہاں پر ایک عالم صاحب عرصہ چھ ماہ سے تشریف فرما تھے جب مندرجہ بالا سوالات ان کے سامنے پیش ہوئے، تو جواب میں فرمایا کہ یہ سب صورتیں ناجائز اور حرام ہیں، جب زید مذکور کو یہ اطلاع ملی کہ عالم صاحب نے سب صورتیں ناجائز قرار دی ہیں، تو غصے میں آکر عالم صاحب کو سخت سست کہا، اور اسپر اکتفا نہ کیا بلکہ لکڑی اٹھاکر اس پر حملہ آور ہوئے، عالم صاحب نے نہایت صبر وتحمل سے کام لیا اور فرمایا کہ بھائی اگر تمہیں تسکین نہ ہو تو میں فتوی لکھے دیتا ہوں، آپ اور عالم صاحب سے تحقیق فرمالیں، اس پر اس کو سکون نہ ہوا، خانہ خدا سے دھکے دیکر نکال دیا، عالم صاحب راضی برضا ہوکر یہاں سے

قریب دوسری بستی میں قیام پذیر ہوئے، آنحضرت والا کی خدمت میں عرض ہے کہ زید مذکور کے لئے شرع سے کیا حکم ہے اور اگر زید مذکور نادم ہوں تو توبہ کی کیا صورت ہے۔ بینوا توجروا

منتظر جواب

خادم العلماء محمد احمد تاڑ والا

منگرول، سورت، گجرات

الجواب

(ا)۔ پسوائی میں ایک سیر آٹا فی من لینا جائز نہیں، لکونہ من قفیز الطحان وقد نہی عنہ۔ بلکہ جس قدر اجرت لینا ہو نقد لیجائے۔

(نوٹ) ع۔ لیکن اگر یہ امر یقینی ہو کہ آٹا پسوانے والا اگر اس آٹے میں سے نہ دے بلکہ اپنے پاس سے دینے لگے تو آٹا پیسنے والا لینے سے انکار نہ کرے تو اس صورت میں خود اس پسے ہوئے سے بھی دینا لینا جائز ہے ۱۲ اشرف۔

(ب) یہ صورت بھی جائز نہیں بلکہ ہر شخص کا غلہ الگ پیسنا چاہئے پھر اسکو تول کر دیدیا جائے جس قدر کم ہوگا وہ جلا ہوگا، اس سے زیادہ کاٹنے کے کیا معنی ہے۔

(ج) یہ فعل بھی ناجائز ہے بلکہ ہر شخص کا غلہ الگ پیسنا چاہئے اور اگر بدون خلط کے چارہ نہ ہو تو مالکان غلہ کی اجازت سے خلط کرنا جائز ہے، بدون اجازت کے جائز نہیں، اور اگر ہر شخص سے روزانہ اجازت لینا دشوار ہو تو اس کو چاہئے کہ اس قاعدہ کو تحریراً اور تقریراً اچھی طرح مشتہر کردے، کہ ہم ایک دوسرے کے غلہ کو خلط کیا کرینگے، جس کو یہ منظور نہ ہو وہ یہاں غلہ نہ پسوائے، جب اسکی کافی شہرت ہوجاتے اس کے بعد خلط کا مضائقہ نہیں، فان المعروف کالمشروط، اور کٹوتی کا حکم اوپر گزر چکا۔

(د) زید کا یہ فعل بھی جائز نہیں، اور جو ضرورت اس نے بیان کی ہے وہ اس طرح پوری ہوسکتی ہے کہ آخری غلہ کے ساتھ مالک غلہ کی اجازت سے اپنے پاس سے ایک یا دو سیر غلہ اضافہ کردے، اور کچھ آٹا مشین میں چھوڑ کر مشین کو بند کردے، اس صورت میں دوسرے شخص کا آٹا مشین میں بند نہ ہوگا، بلکہ مشین والے کا بند ہوگا، اور اگر دوسرے ہی شخص کا آٹا بند کرے تو لازم ہے کہ اس کو اس کمی کا معاوضہ ادا کرے۔

(ہ) زید پر لازم ہے کہ عالم مذکور سے مجمع عام کے سامنے معافی چاہئے جس طرح مجمع عام

میں اسکی توہین کی تھی اوراس کے بعد اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہ کے لئے صدق دل سے مغفرت کی درخواست کرے، سچے دل سے توبہ کرے۔ واللہ اعلم۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ
از تھانہ بھون، خانقاہ امدادیہ
۱۷ر جمادی الثانی ۱۳۴۷ھ

حکم تنخواہ مدرسین ایام تعطیل
سوال :۔ آج کل مدارس عربیہ میں یہ دستور ہے کہ ماہ رمضان المبارک کی تعطیل ہوتی ہے، اوراہل چندہ سے اسکے متعلق نہیں کہا جاتا ہے کہ مدارس اسلامیہ میں ماہ رمضان المبارک میں مدرس کو رعایتی تنخواہ اور تعطیل دی جاتی ہے، اور مہتمم مدرسہ اور ممبران مدرسہ کی طرف سے روئداد مدرسہ میں اعلان ہے کہ ان ایام میں تنخواہ رعایتی دی جائے گی، اور تعطیل دی جائے گی، اوراہل چندہ دریافت نہیں کرتے ہیں، وہ یہ جانتے ہیں کہ اہل مدرسہ کواس کا اختیار ہے، اور مہتمم مدرسہ سب کی طرف سے وکیل ہے اور وہی مدرسوں کو تعطیل دیتا ہے، اور وہی حالت مرض وغیرہ میں رخصت دیتا ہے جب مہتمم وکیل ہے تو اسکے ذمہ میں کس طرح مواخذہ ہوگا، اور معاہدہ مدرس سے یا مہتمم سے، کسی قسم کا اہل چندہ سے نہیں ہے، اوراختیارات کل جو کچھ ہوتے ہیں وہ سب مہتمم کو ہوتے ہیں، اور آج کل ہندوستان میں ہر مدرسہ میں یہی دستور ہے کہ کلی وجزئی اختیارات جو کچھ ہوتے ہیں وہ مہتمم کو اوراہل شوریٰ کو، اسکا اعلان عوام الناس میں بذریعۂ روئداد اور قانون مدرسہ کے جو ایک سال میں شائع ہوتا ہے کرتے ہیں، اگراہل چندہ سے فرداً فرداً اجازت لی جائے گی، تواس صورت میں کوئی مدرسہ نہیں چل سکتا ہے، اور صورت اولیٰ میں دشواری ہے، تواس کے لئے جملہ واقعات اور مانعات اور تمام باتوں کو دیکھ کر جواب تحریر فرمائیے گا، اور عوام الناس کا اعتماد بھی مہتمم مدرسہ اوراہل شوریٰ پر ہے وہ ان قانون کو جو مدرسہ کا ہے نہیں دیکھتی ہیں بلکہ یہ کہتی ہیں کہ ہم کچھ نہیں جانتے ہیں مہتمم کو اختیار ہے اور وہی تغیر وتبدل کا مالک ہے اسی کو اختیار ہے۔ فقط

الجواب

جب مدرسہ کی روئداد میں رخصت وتعطیل کا قانون شائع کردیا گیا اور چندہ دھندوں کے پاس روئداد بھیج دی جاتی ہے، تواب مدرسین کو تنخواہ رمضان ودیگر تعطیلات

لینا جائز ہے، اور اتنی بات سب جانتے ہیں کہ مدرسوں میں چھٹی اور رخصت وتعطیل ضرور ہوتی ہے کیونکہ اس کے بغیر کام چلنا دشوار ہے واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ
از تھانہ بھون، خانقاہ امدادیہ
۱۰ر شعبان ۱۳۴۷ھ

اس شرط پر مدرس کو رکھنا کہ جو هدایا مدرس کو لوگوں کی طرف سے ملیں گے تنخواہ میں محسوب ہوں گے، اور مدرس کا ان کو مخفی رکھکر پوری تنخواہ کا مطالبہ کرنا

سوال:۔ ایک شخص نے ایک مدرس قرآن کو رکھا اور کہدیا کہ اگر کچھ ہدیہ ملیگا تو وہ تنخواہ میں محسوب ہوگا یعنی ہدیہ کی مقدار تنخواہ میں سے وضع ہوگی لیکن جب اسکو لوگوں نے هدیہ دیا تو اس نے مخفی رکھا اور کامل تنخواہ کا مطالبہ کیا۔ اب دریافت طلب یہ امر ہے، کہ تنخواہ وضع کرنا جائز ہے یا نہیں، اور وہ ھدایا ان لوگوں کی طرف سے ہیں جن کے بچے پڑھتے ہیں، بلکہ بعض نے تو صراحۃً کہا کہ ہم تم کو اتنا دیا کریں گے خاص خیال کرنا انہوں نے اوقات مدرسہ ہی میں خاص توجہ کی اور تنخواہ کی طرح مطالبہ کرکے وہ رقم لی، گو ہدیہ کے نام سے تھی۔

الجواب

صورت مسئولہ میں اس مدرس کو لازم تھا کہ مقدار ہدیہ وضع کرکے بقیہ تنخواہ کا مطالبہ کرتا، پوری تنخواہ لینا جائز نہ تھا۔

ولا یتوھم فساد الإجارة بھذا الشرط، فان معنی قول المستأجر ھذا ان اجزلك کذا وإن انما لك ان لم تتم من الصبیان الذین استأجرتك لتعلیمھم ومثل ھذا الشرط جائز۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ
از تھانہ بھون، ۱۷ر شعبان ۱۳۴۷ھ

عقد اجارہ کی ایک خاص صورت کا حکم

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ موجودہ مکان جس میں احقر کی بود وباش ہے مجھے معتبر اور متواتر روایتوں سے یہ معلوم ہوا کہ یہ مکان میرے بزرگوں کا زر خرید نہیں ہے، بلکہ یہ کسی سوداگر کا مکان تھا، اس نے جب زمانہ غدر سے تین چار سال پیشتر کہیں تلاش روزگار کے لئے جانا

چاہا، تو بغرض محافظت مکان واثاث البیت میرے دادا صاحب کو اس میں آباد کر دیا، اور لسے) ماہوار ان کی تنخواہ محافظت مقرر کی، اور اس معاہدہ کی ایک تحریر بھی لکھ دی داد صاحب ایک عرصہ اس مکان میں رہتے رہے، لیکن مالک مکان نے نہ کبھی تنخواہ محافظت روانہ کی، اور نہ اپنے مکان کی اور اثاث البیت کی خبر لی، حتیٰ کہ دادا صاحب کا غدر سے تقریباً پندرہ سال بعد انتقال ہوگیا، اس کے بعد اسی طرح والد صاحب محافظت فرماتے رہے، والد صاحب کی محافظت کے زمانہ میں والد صاحب کی عدم موجودگی میں ان سوداگر کا سالہ یا بھوئی غرض انکا کوئی رشتہ دار آیا۔ اور مکان میں سے اثاث البیت نکال کرلے گیا ایک عرصہ بعد والد صاحب کا بھی انتقال ہوگیا، لیکن چونکہ میرا زمانہ طفولیت تھا، اس لئے پورے حالات مکان اور صاحب مکان اور ان کے جائے قیام کے مجھے مطلقاً معلوم نہ ہوسکے البتہ قاری ناظر حسن صاحب سے کئی مرتبہ معلوم ہوا کہ یہ مکان تمہارے پاس اس طریقہ سے آیا ہے تمہارے پاس صاحب مکان کی ایک تحریر بھی ہے، جس کی رو سے اب تمہارا ایک ہزار کچھ روپئے یا دو ہزار کچھ روپئے حسب روئے تحریر صاحب مکان کے ذمہ واجب ہوگئے، اور یہ بھی فرمایا کہ اس تحریر کو تلاش کرکے حفاظت سے رکھنا، لیکن چونکہ ہماری والدہ کے انتقال کے بعد والد صاحب نے دوسری شادی کرلی تھی، اور دوسری والدہ مجھ کاوش رکھتی تھی اور تمام کاغذات انہیں کے قبضہ میں تھے، اس لئے جب میں نے ان سے اس تحریر کو طلب کیا تو انہوں نے تحریر کے ہونے کا تو اقرار کیا، لیکن دینے سے انکار کیا پھر اسی ناراضی کی حالت میں وہ اپنے میکہ چلی گئیں، اور ان کا انتقال ہوگیا، اس لئے وہ تحریر بھی تلف ہوگئی، اب چونکہ یہ واقعہ مدّت دراز کا ہوچکا ہے، اس لئے یہ معلوم ہونا نہایت دشوار ہے بلکہ غیر ممکن کہ معاہدہ مذکورہ کی رو سے ان کے ذمہ کس قدر روپیہ واجب ہوا، نیز باوجودیکہ سن رسیدہ اور معمّر لوگوں سے دریافت کیا گیا، لیکن کسی کے ذریعہ سے یہ معلوم نہ ہوسکا کہ اس سوداگر صاحب کا کیا نام تھا، اور کس مقام پر وہ یا ان کے اولاد مقیم ہے۔

لھذا سوال یہ ہے کہ صورت مذکورہ میں مجھے کیا کرنا چاہئے، آیا مکان مذکور میں مجھے بحالت موجود رہنا اور استعمال کرنا درست ہے یا نہیں۔

السائل

رونق علی تھانوی

سوداگر مذکور سے عقد اجارہ دادا کے انتقال پر ختم ہوگیا، پس ان کی اولاد سوداگر مذکور سے صرف اسی رقم کے لینے کی مستحق ہے جو دادا کے انتقال تک واجب ہوا ہے، اس کے بعد جو سکونت ہوگی نہ اس کے عوض کا مطالبہ سوداگر کے ورثاء کر سکتے ہیں، کیونکہ یہ سکونت خود مکان کی حفاظت کا سبب تھی، اور نہ محافظ کے ورثاء کر سکتے ہیں، کیونکہ ان سے کسی نے عقد اجارہ منعقد نہیں کیا، اور موت مستاجر سے اجارہ فسخ ہو جاتا ہے، اب سائل اس رقم کو جو محافظ اول کی حفاظت کا معاوضہ ہے دیکھ لے، کہ وہ کس قدر ہے، اور کتنا مکان اسکا عوض ہو سکتا ہے اس کا مستحق تو وہ بطور معاوضہ کے ہے، اور باقی مکان بیت المال کا حق ہے، چونکہ سائل بھی بیت المال کا مصرف ہے اور دوسروں سے احق ہے اس لئے بقیہ پر بھی وہ بدستور قابض رہے، البتہ اگر کسی وقت سوداگر مذکور کے وارث کا پتہ چل جائے، تو بقیہ مکان کو وہ لے سکتا ہے اور سائل کو اسے دینا ہوگا، اس لئے بہتر یہ ہے کہ اسی مضمون کی ایک یادداشت لکھکر اپنے ورثاء کے پاس رکھ دے اور ان کو زبانی بھی سمجھا دے، اور جس صورت میں کل مکان اس کی ملک ہو جائے اس صورت میں ایسے یادداشت کی ضرورت نہیں، اور اگر رقم مذکور سے کچھ نہ بچے تو سب مکان اسی کی ملک ہے، اور قیمت اسی وقت کی یعنی وقت افتاء کی معتبر ہے،

واما کونہ احق من غیرہ فلکون المالك أسکن جدّہٗ فیہ وایضاً لکون السائل مستحقا شقصۃً عوضاً فکان شریکاً،

الدلیل: قال فی الھدایۃ فی باب الغصب: فان لم یقدر علی مثلہ فعلیہ قیمتہ یوم یختصمون، ھذا عند ابی حنیفۃ وقال ابو یوسف یوم الغصب وقال محمد یوم الانقطاع اھ (ج ۳ ص۳۵۶)

والراجح قول الامام کما ھو ظاھر من صنیع صاحب الھدایۃ۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ
از تھانہ بھون، ۴ر شوال ۱۳۴۷ھ

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین مسئلہ مندرجہ ذیل میں کہ ایک مدرسۂ اسلامیہ کے قواعد و | مدرس کو شعبان میں ملازمت سے برطرف کردیا، تو وہ ماہ رمضان کی تنخواہ کا مستحق ہوگا یا نہیں، جبکہ مدرسہ کے قواعد کے رو سے وہ اس کا مستحق نہیں اور اس نے ماہ شوال میں آکر کام بھی نہ کیا

ضوابط کی ایک دفعہ یہ ہے «مدرسین و ملازمین مدرسہ کو تنخواہ ماہ رمضان المبارک کا استحقاق اس وقت ہوگا، جبکہ وہ ماہ شوال المکرم میں آکر مدرسہ میں کام کریں، پیشگی دینا ممکن نہ ہوگا» اراکین مدرسہ یہ سمجھے ہوئے ہیں اور اسی پر عمل درآمد بھی ہے، کہ اس دفعہ کی رو سے اگر کسی مدرس کو (عام اس سے کہ وہ مدرسہ میں دو تین سال ملازم ہو یا اسکو آٹھ نو ماہ کی مدت گذری ہو، مدرسہ کیلئے اگر وہ غیر مفید ثابت ہوا، اور کمیٹی مدرسہ اس کو علیحدہ کرنا چاہے تو اگر) شعبان میں علیحدہ کرکے اس کو رمضان سے پہلے یا رمضان کے اوائل میں اطلاع دے دے تو وہ مدرس رمضان کی تنخواہ کا مستحق نہیں، دریافت طلب یہ امر ہے کہ کیا شرعاً یہ مدرس رمضان کی تنخواہ کا مستحق ہے یا نہیں، نیز بموجب قانون مذکور کمیٹی کو اس تنخواہ کا روک لینا جائز ہے یا نہیں۔

المستفتی

چودھری اشتیاق احمد

میونسپل کمشنر

تنقیح :- کیا کوئی مدرس یا ملازم اس میں کچھ عذر کرتا ہے؟ اور کیا عذر کرتا ہے؟ سوال میں اسکا ذکر بھی ضروری ہے۔

جواب تنقیح :- مدرس کہتا ہے کہ میں بذات خود مدرسہ سے علیحدہ نہیں ہوا، بلکہ کمیٹی نے علیحدہ کیا ہے، میں تو شوال میں آنے کے لئے تیار ہوں، نیز گیارہ مہینہ کام کرنے کے بعد رمضان کی تنخواہ کا مستحق ہوں اس لئے مجھے رمضان کی تنخواہ ملنی چاہئے۔

الجواب

جب اس مدرس نے ماہ شوال میں آکر کام نہیں کیا (خواہ کام نہ کرنے کا سبب اس کی طرف سے ہو یا کمیٹی کی طرف سے مگر بہر حال کام نہ کرنا متحقق ہوگیا) تو وہ رمضان کی تنخواہ کا مستحق نہیں۔

لان شرط الاستحقاق هو العمل فی شوال ولو یوجد، واذا فات الشرط فات المشروط بخلاف ما اذا لم یعمل بحصول الرخصة والاذن من المتولی فانہ فی حکم العمل کما لا یخفی۔ واللہ اعلم۔

(نوٹ) کمیٹی کو چاہئے کہ اس قانون کو واضح کردے تاکہ آئندہ نزاع نہ ہو۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ از تھانہ بھون - ۲۵ ذی قعدہ ۱۳۴۶ھ

کھجور وغیرہ درختوں کو ٹھیکہ پر دینا | سوال :۔

ایک شخص کی زمین میں کھجور اور تاڑ کے درخت بکثرت ہیں، جن سے رس نکال کر بہت قیمت میں فروخت ہوتا ہے، تاڑ کا رس منشی ہے، ان درختوں کو ٹھیکہ پر دینا اور ٹھیکہ کی رقم کو اپنے کام میں لانا جائز ہے یا نہیں؟ اور اگر زمین کو اجارہ پر دیا جائے اور اس وجہ سے کہ مستاجر درختوں کے رس سے بھی انتفاع کریگا، اضافہ لگان کر دیا جائے تو جائز ہے یا نہیں؟

مولوی خیرات احمد
از گیا موضع سنڈبھا

الجواب

صورت اولیٰ جائز نہیں، لکون الإجارة فيها على استهلاك العين، فكان كإجارة البقرة شرب اللبن، وهي فاسدة۔

اور صورت ثانیہ جائز ہے، بشرطیکہ زمین قابل زراعت فی الجملہ ہو، اور درختوں کا وجود زراعت سے بالکلیہ مانع نہ ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہٗ ظفر احمد عفا عنہ
۲۰ ذی قعدہ ۱۳۴۷ھ

مسئلہ اجرت علی الطاعات | سوال :۔ علماء مدارس کے ایک مولوی صاحب نے فن فقہ میں ایک کتاب تصنیف کی ہے، اس میں فتاوی مہدویہ سے ایک مسئلہ نقل کیا ہے، وہ یہ ہے کہ فتاویٰ مہدویہ جلد سابع صفحہ ۱۵۴ میں ہے کہ آجکل لوگ نیک کاموں میں سست رہنے کی باعث ضرورت کے واسطے علماء متأخرین نے فتویٰ دیا ہے کہ اذان وغیرہ طاعتوں کے واسطے اجرت لینا جائز ہے، پس قرآن پڑھنے کے واسطے اجرت لینا جائز ہے، رد المحتار کے مصنف ابن العابدین نے متأخرین کے اس فتویٰ کو تعلیم قرآن اور امامت جیسی بعض طاعتوں پر حصر کر کے کہا ہے کہ، فقط ان ہی طاعتوں پر اجرت لینا جائز ہے، اور ختم قرآن میں ضرورت نہیں ہے، اگر اس کے واسطے اجرت دیا تو دونوں گنہ گار ہوں گے، اور ثواب بھی نہیں ملیگا اور اس کے واسطے وصیت کرنا باطل ہے، یہ سب اکثر علماء اور قاضیوں اور تمام مسلمانوں کے معمول کو نیک عملوں میں آجکل سستی اور کاہلی ہے، اور ایسے عملوں کے واسطے اکثر مسلمانوں نے وقف کئے ہیں، ہر ہر زمانہ میں بہت عالموں کے سامنے شریعت کے حاکموں نے

ان وقفوں کی صحت کا کیا حکم ہے ۱۲

اسکو دیکھکر علماء مدارس نے رد المحتار کے مضمون کو بالکل غیر معتبر سمجھکر اور فتاویٰ مہدویہ کو معتبر سمجھکر اجرت لینے پر لوگوں کو ترغیب دیتے ہیں، اس فتاوی مھدویہ کے متعلق حضور کا ارشاد کیا ہے؟

منتظر ہوں، فتاویٰ مھدویہ کی عبارت کو بعینہٖ عربی بوجہ کتاب نہ ہونے کی نقل نہیں کرسکا۔

الجواب

رد المحتار مصنفہ علامہ ابن عابدین رحمۃ اللہ علیہ کے معتبر ہونے پر ہمارے اکابر علماء کا اتفاق ہے إلا نادراً من أقواله، اور فتاوی مھدویہ کے معتبر ہونے پر اتفاق نہیں، لهٰذا علامہ ابن عابدین کا قول علامہ مھدی سے مقدم ہے۔ دوسرے یہ کہ علامہ ابن عابدین نے اس مسئلہ میں نصوص وروایات مذھب کو پیش کیا، اور علامہ مھدی نے صرف اپنے زمانہ کے علماء وحکام کا عمل بیان کیا ہے۔ اور اس زمانہ کے علماء وحکام کا عمل نصوص مذھب کے مقابلہ میں ہرگز قابل اعتبار نہیں۔ واللہ اعلم۔

۲۶ ذی الحجہ ۱۳۴۷ھ
ظفر احمد عفی عنہ۔ از تھانہ بھون

کھیت کا کرایہ بصورت دھان لینا، جبکہ دھان میں اسی کھیت کا ہونا مشروط نہ ہو۔

سوال:۔ .... ہمارے ملک میں عام رواج ہے کہ دھان کھیت کا کرایہ دھان ہی لیا جاتا ہے، کیونکہ ایسا کرنے سے کرایہ جلد وصول ہوجاتا ہے، اور مالکانِ زمین کو مزید دردسری سے نجات ملتی ہے، لیکن فی بیگہ دس بیس اڑی مقرر کرلیتے ہیں، لیکن یہ قید نہیں کہ دھان اُسی زمین کی پیداوار میں سے پیمانہ ہو، مگر عام طور پر وہی دھان کرایہ میں دیا جاتا ہے جو اُسی کھیت سے پیدا ہوتا ہے، یعنی کاشتکار کرایہ میں مقررہ دھان دینے کے اقرار سے زمین کرایہ کرتا ہے چاہے جس قسم کی پیداوار اس زمین سے حاصل کرے یا کچھ نہ کرسکے، مگر مقررہ دھان دینا اسکے ذمہ واجب الاداء ہے، یہ معاملہ جائز ہے یا نہیں؟ بصورت عدم جواز کیا وجہ ہے کہ اسکے کے عوض ایسا لے سکتے ہیں، اور غلہ کے عوض نہیں؟ سائل: عبد الرشید۔ ساکانہ پاڑا اسکول

الجواب

یہ صورت جائز ہے، جبکہ اجارہ میں اسی کھیت کے دھان کی قید نہیں، اور وجہ پوچھنے کا حق طالب علم کو ہے نہ کہ مستفتی کو۔ فقط

۲۹ ربیع الثانی ۴۸ھ

منی آرڈر کے جواز پر ایک اشکال کا جواب

سوال: منی آرڈر کے بارہ میں یہ شبہ ہے کہ جو رقم ڈاکخانہ کو دی جاتی ہے، وہ امانت تو ہے نہیں، کیونکہ بوقت ضیاع ڈاکخانہ سے ضمان لیا جاتا ہے، ظاہر یہ ہے کہ قرض ہے اور قرض کے ساتھ زائد رقم دینا جسکو فیس کہتے ہیں۔ کل قرض جر نفعًا میں داخل ہے، اور اگر یہ کہا جائے کہ یہ نفع تو ڈاکخانہ لیتا ہے تو اسمیں یہ اشکال ہے کہ نفع دینے کا گناہ تو مرسل کو بھی ہوا، پھر مرسل بھی قرض سے ایک نفع قصداً حاصل کرتا ہے یعنی امن خطر طریق وغیرہ۔ جو سفتجہ کی کراہت کی علت ہے۔ پس منی آرڈر کے جواز کی صورت کیا ہے۔ بینوا توجروا

السائل: مولوی شبیر علی تھانوی

الجواب

اس میں کچھ شک نہیں کہ عام لوگ تو اسکو عقد اجارہ ہی سمجھتے ہیں اور فیس کو اجرت سمجھتے ہیں، اور اجیر گورنمنٹ ہے جس کے وکلاء ڈاکخانہ والے ہیں، اسلئے حق یہ ہے کہ اسکو عقد اجارہ قرار دیا جائے جیسا کہ اذہان عامہ میں مقرر ہے۔

اسپر یہ اشکال ہوگا کہ اجیر امین ہے، اس سے ضمان لینا کب جائز ہے؟

اسکا جواب یہ ہے کہ امین پر ضمان اسوقت نہیں جبکہ وہ امانت کو مخلوط بالغیر نہ کرے، چونکہ یہ معلوم ہے کہ ڈاکخانہ میں مرسل کی رقم مخلوط ہو جاتی ہے۔ اسلئے وہ اس تعدی کی وجہ سے ضمان لیتا ہے۔

دوسرا (جواب یہ ہے کہ) اجیر مشترک سے صاحبینؒ کے نزدیک ضمان لینا جائز ہے۔

إلا إذا لم يكن الضياع بفعله، وكان بأمر لا يمكن الاحتراز عنه۔ وذلك نادر فيما نحن فيه، وبقولهما يفتى، لتغير أحوال الناس۔ (شامی ج ۵ ص ۶۱)

اور جس صورت میں صاحبین کے نزدیک بھی ضمان نہیں، اس صورت میں گورنمنٹ سے اس بنا پر ضمان لے سکتے ہیں کہ وہ اپنے قانون کے موافق بخوشی ضمان دیتی ہے۔

فيجوز عنده بيع أخذ أموال الحربيين من غير عذر وسرقة۔
دوسرے یہ کہ امین سے ضمان نہ لینا مطلقاً نہیں ہے۔ بلکہ اس قید کے ساتھ مقید ہے کہ امین بلا اجر ہے، اور امین بالأجر سے ضمان لینا درست ہے۔
قال في الدر في باب الوديعة: وهي أمانة فلا تضمن بالهلاك إلا إذا كانت الوديعة بأجر، اشباه معزياً للزيلعي۔ (قال الشامي: و مثله في النهاية والكفاية وكثير من الكتب، رملي على المنح اهـ
قلت: وقد نبه الشامي هناك على الفرق بين الأجير المشترك و المودع بأجر، بأن الأول مستاجر على العمل، والثاني مستأجر على الحفظ (ج ۴ ص۵۵۷)
والظاهر أن في الصورة المسئولة ليست الحكومة مستاجرة على الحفظ، بل مستأجرة على العمل. فالأولى بناء الجواز على ما ذكره أولاً من جواز أخذ الضمان عند الأجير المشترك عندهما۔
أو لأنه لخلط الأجير دراهم الناس بعضها ببعض. والله تعالیٰ اعلم.

حرره الاحقر ظفر احمد عفا عنه
۲۰ر جمادی الاولی ۱۳۴۸ھ

حکیم اور ڈاکٹر کو اجرت معالجہ اور فیس دینے کے متعلق چند سوالات

سوال: نہایت ادب سے گذارش ھیکہ اس احقر کو بعض دفعہ حکیم یا ڈاکٹر صاحب کو اجرت معالجہ یا فیس دیتے وقت شبہات ہوتے ہیں کہ آیا یہ فیس درست ہے، یا بصورت ھدیہ ہے، یا بطور رشوت؟ حسب ذیل صورتوں میں غور فرما کر مسئلہ سے آگاہ فرمائیں انشاء اللہ عند اللہ ماجور ہونگے۔
سوال ۱: کس معالجہ پر اجرت واجب ہے، اور اصطلاحاً معالجے کے کیا معنی ہیں؟ یعنی ذیل میں کونسی صورت ایسی ہے جس میں اجرت دی جائے تو درست ہے؟
(۱) مریض کو زبانی تکلیف سن کر نسخہ بتا دیا جاتا ہے، یہی معالجہ ہے یا (۲) تشخیص نبض و تشخیص مزاج کے بعد جو علاج شروع کیا جائے وہ معالجہ ہوگا؟

جواب :۔ معالجہ کی دونوں صورتیں ہیں، اور طبیب کو دونوں پر اجرت لینا جائز ہے مگر پہلی صورت میں اجرت کا حق اسوقت ہے جبکہ طبیب نسخہ لکھے، اگر زبانی بتلائے تو حق نہیں۔

بقیہ سوال :۔ حکیم یا ڈاکٹر کو علاج شروع کرنے سے پیشتر اجرت یا فیس لینا درست ہے یا بعد معالجہ یا صحت کے طلب کرنا درست ہے؟ اور یہ اجرت یا فیس مقرر ہونا چاہئے یا جو کچھ مریض پیش کرے اسی کو قبول کر لینا چاہئے؟

جواب :۔ طبیب کو دونوں حق حاصل ہیں، خواہ فیس معین کردے کہ تم سے یہ لونگا، یا عام قاعدہ مقرر کردے، یا کچھ مقرر نہ کرے بلکہ جو جسنے دیدیا قبول کر لیا، مگر مقرر نہ کرنے کی صورت میں طبیب کو مریض سے منازعت کا حق نہیں کیونکہ اس صورت میں جو کچھ دیا گیا وہ ھدیہ ہے باقاعدہ اُجرت نہیں۔

بقیہ سوال :۔ اس شبہ (کے) پیدا ہونے کی وجہ یہ ہے کہ جب حکیم یا ڈاکٹر سے روپیہ دیکر علاج کرایا تو امید ہوتی ہے کہ خوش ہوکر علاج شروع کریگا، اور جب پہلے روپیہ نہ دیا جائے، تو اندیشہ رہتا ہے کہ مریض پر کافی توجہ نہ کریگا، مگر بغیر طلب رقم پیش کرنے میں ایک یہ اندیشہ بھی ہوتا ہے کہ شاید تھوڑی رقم پیش کی گئی ہو، اسلئے ڈاکٹر خوش نہ ہو، اور یہ بھی ممکن ہے کہ شاید وہ تھوڑی رقم میں خوش ہوجاتا، ناحق زیادہ رقم دی، ایسی صورت میں ظاہراً یہ معلوم ہوتا ہے کہ ڈاکٹر خود رقم مقرر کرکے طلب کرے؟

جواب :۔ ہاں تعیین ہی اولی ہے۔

بقیہ سوال :۔ بعض دفعہ حکیم صاحب کو کچھ روپیہ بطور ھدیہ مگر اسمیں غرض خفی ہوتا ہے جسکا ذکر آئندہ آتا ہے، اسلئے شبہ ہوتا ہے کہ یہ رقم لینا دینا کس کے حق میں ناجائز ہے؟ دینے والے کا قصور ہے یا حکیم کو قبول کرنا ناجائز ہے؟ وہ صورت یہ ہے کہ اول تو حکیم صاحب کے سابقہ احسانات ہوتے ہیں کہ حکیم صاحب نے عرصۂ دراز تک مفت علاج کیا تھا، اسلئے خیال پیدا ہوا کہ کچھ رقم معاوضۂ احسان سمجھکر بطور ھدیہ یا نذرانہ دیا جائے؟

جواب :۔ یہ صورت جائز ہے، کچھ شبہ نہیں۔

بقیہ سوال :۔ دوسری یہ ہے کہ اگرچہ ابھی تک حکیم صاحب سے کوئی خدمت

نہیں لی ہے، مگر هدیہ دیتے وقت یہ نیت ہوتی ہے کہ آئندہ حکیم صاحب مفت علاج کرینگے یا تھوڑے معاوضہ پر بھی زیادہ توجہ سے علاج کریں گے۔ تو فرمائیے کہ ایسی صورت میں نذرانہ دراصل هدیہ ہے یا رشوت، یا اجرت پیشگی وغیرہ؟

جواب:— یہ رشوت یا اجرت تو نہیں، بلکہ هدیہ ہی ہے، اور جائز ہے۔ أما عدم کونه رشوة، فلان الرشوة أخذ العوض عن عمل واجب علیه من قبل، وعدم کونه أجرة لخلوه عن أرکان الإجارة وشرائطها۔

بقیہ سوال:— اور یہ صورت تو کبھی کبھی اور بزرگوں کے ساتھ بھی پیش آتی ہے کہ هدیہ اگرچہ فی الفور کوئی غرض ظاہر نہ کی، بلکہ نیت میں اسکو یا تو سابقہ احسانات کا معاوضہ سمجھا، یا آئندہ احسانات کی توقع رکھی، اور توقع احسانات سے میری مراد محبت زیادہ ہونا ہے، تو ایسی صورت کا ہدیہ ناجائز ہے یا درست ہونے کی کوئی تاویل ہے؟

جواب:— جائز ہے۔ فان الغرض من الهدیة هو هذا. أی زیادة الارتباط والتعلق، تهادوا وتحابوا۔

فقط۔ حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ
۲۲ رجمادی الاولی ۱۳۴۸ھ

مقدمات وغیرہ میں مشورہ دینے پر معاوضہ لینا

سوال:۔ ایک شخص ڈیوٹی کے وقت کے علاوہ دیگر وقت میں مکان پر یا کچہری پر آتا ہے اور اپنے مقدمہ کے حالات بیان کرتا ہے اور مشورہ طلب کرتا ہے، کہ کس طرح کاروائی کرے کہ کامیاب ہوجائے اس پر اسکو بتلادیا جاتا ہے، کہ اس طرح بیان دو یہ قانونی بات ہے، ایسا ثبوت دینا چاہئے تو کامیاب ہوگے اور اگر ضرورت ہوتی ہے تو درخواست یا بیانات کا مضمون اس کو لکھوادیا جاتا ہے، ان کاموں کے کرانے میں اگر وہ کسی وکیل یا سوال نویس کے پاس جاتا ہے، تو اس کو زیادہ پیسہ خرچ کرنا پڑتا ہے، اور اگر اس مشورہ دینے والے ان کاموں کا محنتانہ اس سے لے تو کوئی حرج شرعی واقع ہوگا، ذرا بالتفصیل بیان فرمائیے، کیونکہ یہ کام ہمارے ڈیوٹی میں تو ہے نہیں اور ایسا کرنے میں ہم کو اپنا وقت خرچ کرنا پڑتا ہے۔ اور محنت کرنی پڑتی ہے۔

الجواب

اگر یہ کام ملازمت میں داخل نہیں ہے، تو مثل وکیلوں کے اس کا معاوضہ جائز ہے، جبکہ کوئی دوسرا شرعی محذور اس میں نہ ہو، واللہ اعلم

کتبہ الاحقر عبدالکریم عفی عنہ
۹ ؍ صفر ۱۳۴۵ھ

الجواب صحیح
ظفر احمد عفا اللہ عنہ

ملازمت کے دوران غیر متعلق کام کرنا اور اسپر اجرت لینا۔

سوال:- ڈیوٹی کے وقت میں ایک شخص آتا ہے اور ہم سے کسی ایسے کام کے واسطے کہتا ہے کہ مطلق ہماری یا کسی دیگر ملازم کی بھی ڈیوٹی میں نہیں، اور چونکہ پڑھا لکھا نہیں ہوتا، یا ٹھیک طور سے معاملہ نہیں سمجھتا، اسلئے اسکو دوسرے کی مدد کی ضرورت محسوس ہوتی ہے، اس وجہ سے اُسے قاعدۃً پیسہ خرچ کرکے آدمی مقرر کرنا پڑتا ہے، اگر اسی کام کو ہم کریں تو کیا اپنا محنتانہ نہیں لے سکتے ہیں؟ وجہ یہ ہے کہ ہمارا کام بٹا ہوا ہے، اور اتنا کام ہمیں چاہے جتنی دیر میں کریں کرنا ہی پڑتا ہے اب اگر اس شخص کا کام کرتے ہیں تو اول تو ہم کو وقتِ مقررہ سے زیادہ ٹھیرنا پڑتا ہے۔ دوسرے ایسے کام کیلئے محنت کرنا پڑتی ہے جو ہماری ڈیوٹی میں نہیں

سوال ۲:- ایک شخص آتا ہے اور اپنا کام ہونے کے بعد اسی دن یا اسکے بعد کسی دن بھی خوشی سے بلا کسی سوال کے کچھ دیتا ہے کیا یہ لینا درست ہے یا نہیں؟

الجواب

(۱) اگر بہ حکام کی طرف سے اسکی اجازت ہے کہ وقت ملازمت کے درمیان میں دوسرا کام بطریق مذکورہ درسوال کر دیا جائے، تو یہ کام اور اسکی اجرت مثل جائز ہے ورنہ بلا معاوضہ اور بمعاوضہ ہر طرح ملازمت کے وقت خارجی کام ناجائز ہے۔ فقط

(۲) یہ رشوت اور ناجائز ہے۔

کتبہ الاحقر عبدالکریم
۹ ؍ صفر ۱۳۴۵ھ

الجواب صحیح
ظفر احمد عفا اللہ عنہ

اجرت علی تعلیم کی ایک صورت کا حکم

سوال:- اگر کسی شخص نے نیت کی ہو کہ اپنی زندگی میں لوجہ اللہ تعلیم دونگا، اور ذریعہ روزی کچھ مقرر تھا، اور ایسی حالت میں ایک مدرسہ کی صورت میں تعلیم شروع کردی۔ رفتہ رفتہ وہ روزینہ بھی لوگ یہ سمجھکر کہ مدرسہ بھی اسی کا ہے

مدرسہ کو دینا شروع کردیا، اب خرچ فقط کھانے کا مدرسہ سے لے سکتا ہے یا نہیں؟ اور اگر اسکے کوئی مہمان آئے اسے کھلا سکتا ہے یا نہیں؟ اور نیز مسافر کو کھانا دے سکتا ہے یا نہیں؟ اور اگر صاحب نصاب ہو جائے تب بھی کھانا کھا سکتا ہے؟۔

احمد علی از ہوشیار پور، سنہری
مدرسہ سبیل الرحمۃ۔

الجواب

مدرسہ سے باقاعدہ تنخواہ مقرر کرلی جائے تو جائز ہے، نیت کرلینے کی وجہ سے عمر بھر کے واسطے بلا تنخواہ پڑھانا ضروری نہیں ہوجاتا۔ اور اگر چندہ دینے والے سب اسپر خوش ہوں کہ تم جسطرح چاہو اپنے اور دوسرے طلبہ کے خرچ میں لاؤ! تو پھر بلا تعین تنخواہ بھی خرچ کرنا جائز ہے۔ اور اگر ایسا شخص جو کہ سلسلۂ معاش دوسرا ہونے کی حالت میں بدون تنخواہ تعلیم پر آمادہ ہو، اگر تنخواہ لیکر تعلیم دے تب بھی اسکو ثواب ملتا ہے۔

احقر عبد الکریم عفی عنہ۔ خانقاہ امدادیہ اشرفیہ
ضلع مظفر نگر۔ از تھانہ بھون۔ ۱۵ صفر ۱۳۴۵ھ

مدرسہ کی وقف زمین ہندو کے انگریزی اسکول کیلئے کرایہ پر دینا

سوال:۔ ایک شخص نے اپنی مملوکہ زمین "مدرسہ انجمن اسلام" کے نام سے دینی تعلیم کیلئے وقف کردی، اور چھ متولی مقرر کئے، جماعت نے چندہ کرکے مدرسہ قائم کیا۔ اور ایک عرصہ سے کلام مجید اور ابتدائی دینی تعلیم جاری ہے، سرکار نے پڑوس کی زمین میں ایک اسکول برائے تعلیم انگریزی ہندوؤں کیلئے کھول دیا مکان اسکول کی قلت گنجائش کی وجہ سے مشرک ٹیچر نے متولیوں سے چھ ماہ کیلئے مدرسہ عاریۃً مانگا، تاکہ ۹ بجے سے ۱۲ بجے یا ۲ بجے تک کفار کے لڑکے بشمول مسلم بچوں کے انگریزی تعلیم حاصل کریں۔ متولیین نے آپس میں مشورہ کیا، نصف دینے پر راضی ہوئے اور نصف ناراض، آخر کار جماعت نے تقاضا کیا کہ عام جلسہ کیا جائے اور جو جماعت کی رائے ہو اسپر عمل کیا جائے، چنانچہ نتیجہ یہ ہوا کہ سوائے مذکور تین متولیان کے جماعت ناراض رہی جسکی وجوہات جماعت نے حسب ذیل بیان کیا:۔

(۱) واقف نے برائے اہل اسلام، دینی تعلیم کیلئے وقف کیا چنانچہ مدرسہ بنایا گیا،

اب جماعت کو اختیار ہے کہ ہر وہ عمل جو خلاف مذہب اور مقصود ہو اس سے متولیین اور خود واقف کو بھی منع کرے۔

(ع۲) چونکہ مدرسہ مسلم بچوں کیلئے ہے، اسلئے کفار کو اس مدرسہ کا عاریۃً دینا تاکہ وہ دنیوی فائدہ حاصل کرے ناجائز ہے اسلئے کہ یہ اسکا مصرف نہیں ہے۔

(ع۳) غضب یہ ہے کہ مسلمان بچے قرآن پڑھنے والوں کیلئے کہا گیا کہ وہ کفار کے بچوں کے آنے سے پہلے کلام پاک کو لیکر مدرسہ خالی کرکے مدرسہ کے مکان کے برآمدہ میں بیٹھکر دینی تعلیم پائیں۔ اور یہ استخفاف دین اور استخفاف کلام اللہ وعلم دین ہے۔

(ع۴) اور ہم نے کئی دفعہ متبرک ایام میں اور رمضان میں تراویح وغیرہ پڑھی ہے گوکہ ایسا کرنے سے اسکا حکم مسجد کا سا نہیں ہوتا، تاہم ہماری غیرت اسلامی اور ہمارا ایمان اس بات کو گوارا نہیں کرسکتا کہ جس جگہ ہم نے خدائے بزرگ و برتر کے سجدہ کیا ہو، اس جگہ کو کفار اپنے دنیوی فائدہ حاصل کرنے کیلئے اپنے مصرف میں لائیں۔

(ع۵) اگرچہ بعض متولیین شریعت کی اجازت کی دلیل بھی لائیں تاہم عامۂ جماعت کے خلاف مرضی جواز پہ عمل نہیں کرسکتے۔ نصف مذکور متولیین مع واقف وکا فرنیچر کے ایک مولوی صاحب کے پاس گئے، اور واقعہ سنا کر فتویٰ چاہا، کہ آیا ہم اسلامی مدرسہ کو سرکاری اسکول کے بچوں کی تعلیم کیلئے (جو کثرت کفار اور قلت مسلمین پر مشتمل ہے) کچھ مدت کیلئے دے سکتے ہیں یا نہیں، تو اعلیٰ حضرت نے فتویٰ دیدیا کہ جائز ہے کوئی حرج نہیں، انگریزی پڑھا سکتے ہیں چھ مہینہ تو کیا چار برس کیلئے بھی دیدو! سرکار کی مدد کرو، اسمیں فائدہ ہے، کفار کے بچوں کا دینی مدرسہ کو اپنے مصرف میں لانا، اور انگریزی پڑھنے پڑھانے کی دلیل میں ارشاد ہوتا ہے کہ حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار کو مسجد میں مہمان رکھا، اور ایک کافر نے پائخانہ بھی کردیا تھا وغیرہ وغیرہ، چہ جائیکہ یہ مدرسہ ہے نہ کہ مسجد؟

اب علماء کرام سے دست بستہ عرض ہے کہ مع دلائل شریعت غرا جواب سے سرفرانہ فرماکر عند اللہ ماجور ہوں۔

السائل

شیخ احمد مسلم

الجواب

اگر مدرسہ میں جگہ زائد ہو، اور کرایہ پر دیدیا جائے تو جائز ہے، ورنہ طلبۂ دین کو پریشان کر کے کسی اور کو وہ مکان کرایہ پر دینا بھی جائز نہیں، اور بلاکرایہ دینا تو کسی حال میں جائز نہیں، جگہ زائد ہو یا نہ ہو، بچے کفار کے ہوں یا مسلمانوں کے۔ اور یہ مسئلہ بالکل ظاہر ہے، کیونکہ واقف نے جس شرط پر وقف کیا ہو، اسکی رعایت کرنا واجب ہے، جیسا کہ تمام کتب فقہ میں موجود ہے۔ اور جو دلیل جواز کی سوال میں لکھی ہے اسکو اس مقام سے کوئی تعلق نہیں۔ مسجد نبوی (علی صاحبہا الصلوۃ والسلام) میں کفار کا آنا اسلام کی باتیں سننے کے واسطے تھا نہ کہ اپنا کوئی دنیوی کام کرنے کو، سو اب بھی اگر کوئی کافر اسلام کی خوبیاں دریافت کرنے مدرسہ میں یا مسجد میں آئے تو کوئی منع نہ کریگا بلکہ جملہ اہل اسلام بہت خوش ہونگے۔ فقط

واللہ تعالیٰ اعلم

احقر عبدالکریم عفی عنہ

اگر کرایہ پر دینے سے بھی یہ خطرہ ہو کہ آئندہ مدرسہ کو یہ زمین واپس نہ ملیگی، یا طلبۂ دین پر ان کے اخلاق و اعمال کا برا اثر پڑیگا، تو کرایہ سے دینا بھی جائز نہیں۔

ظفر احمد عفا اللہ عنہ

۱۲ ربیع الثانی ۱۳۴۸ھ

اجارۂ فاسدہ کی دو صورتوں کا حکم | **سوال ۷۱:۔** دھان کوٹنا بعوض چاولوں کے اور سپاری اور ناریل درخت سے توڑنا بعوض اسی سپاری اور ناریل کے، اور مچھلی پکڑنا بعوض بعض اسی مچھلی کے درست ہے یا نہیں؟ خلاصہ یہ ہے کہ جس چیز میں کام کرے اس چیز سے اجرت لینا دینا درست ہے یا نہیں؟

(۲) ــــ اگر کوئی شخص گائے یا مرغی یا بیل وغیرہ کا معاملہ اسطرح پر کرے کہ یہ گائے یا مرغی میری پرورش سے جتنے بچے دیوے اسکا ربع یا نصف یا ثلث تمہارا اور باقی ہمارا۔ یا اسطرح پر کرے کہ گائے یا بکری کو پرورش کرنے سے اگر بچے دیوے تو دودھ اور بچے پرورش کرنے والے کے، اور گائے مالک کی۔ یا اسطرح پر کہ اس گائے یا مرغی یا بکری کو پالنے کے بعد جس قدر قیمت ٹھیرے اسکا آدھا یا ثلث پانے

والے کا، اور باقی مالک کا، اسطرح کا معاملہ شرعاً درست ہے یا نہیں ؟

سائل: قاری محمد ریحان الدین

مدرسۂ اسلامیہ کامرانگہ بازار ضلع تیپرہ

جوابات

(عــ۱) اگر یہ بات طے کی جائے کہ انہیں چاولوں میں سے اجرت لی جائے گی، تب تو یہ معاملہ ناجائز ہے۔ اور اگر معاملہ میں معین نہیں ہوا، بلکہ معاملہ مطلق چاولوں پر کیا گیا کہ اتنے چاول اجرت میں لئے جائینگے، اور بعد میں مالک اپنی خوشی سے انہیں چاولوں میں سے دیدے۔ تو جائز ہے۔ کما ھو مصرّح فی الدر (ج۵ صـ۵۴)

(عــ۲) یہ صورت بھی جائز نہیں ہے، بلکہ اجارہ فاسد ہے۔ کما ھو مصرّح فی العالمگیریۃ (ج۵ صـ۲۷۱) واللہ اعلم۔

کتبہ الاحقر عبدالکریم عفی عنہ
از خانقاہِ امدادیہ تھانہ بھون
یکم شعبان ۱۳۴۸ھ

الجواب صحیح
ظفر احمد عفا اللہ عنہ
۵ر شعبان ۱۳۴۸ھ

| مدرس مدرسہ سے استعفیٰ دیدے مگر منتظمین اسے نامنظور کر دیں تو استعفیٰ دینے اور نامنظوری کے درمیانی مدت کی اجرت کا وہ مستحق ہے یا نہیں؟ |

سوال:- کیا فرماتے ہیں علماءِ دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل میں زید مدت چھبیس ۲۶ سال سے ایک مدرسہ میں مدرس ہے اور تعلیم کے علاوہ دیگر خدمات متعلق مدرسہ کو بھی تبرعاً انجام دیتا رہا ہے اور مدرسہ کا مخصوص خیرخواہ معاون ہے، اب چند ماہ سے منتظمین مدرسہ کی بے توجہی سے مدرسہ میں بہت بدنظمی ہو رہی ہے، حتّٰی کہ تنخواہ بھی کئی ماہ کی ملازمین کو نہیں ملی، اسپر زید نے ملازمین مدرسہ کو چند مرتبہ متوجہ کیا، لیکن بجائے نظم مطلقاً توجہ نہیں کی بالآخر مجبور ہو کر مجلس نظامیہ کو متوجہ کرنے کیلئے زید نے یہ تدبیر کی مضمون ذیل کی ایک تحریر دیکر مدرسہ کا جانا ترک کر دیا، جس میں تحریر تھا، کہ متعدد مرتبہ نہیں بلکہ اکثر مرتبہ تنبیہ وتوجہ دلا چکا ہوں مدرسہ کی بدنظمی اور بے عنوانیوں کی طرف، مگر کوئی صاحب مطلقاً توجہ نہیں فرماتے۔ لھٰذا ایسی حالت میں رہنا بے سود ہے۔ اسلئے ابتک جو کچھ مجھے مدت مذکورہ چھبیس سال میں ہو سکا، اللہ کے واسطے سمجھکر خدمت مدرسہ ادا کی، اور اب اللہ ہی (کے) واسطے برطرف ہوں۔ اور اس

یوم بیشتر اطلاعاً لکھتا ہوں کہ آپ یکم تاریخ سے اپنے مدرسہ کا انتظام فرمالیں "۔

چنانچہ دس یوم گذر جانے کے بھی چند روز بعد مجلس انتظامیہ نے نظم وغیرہ کی طرف توجہ دی، اور زید کو بلا کر دریافت کیا، چنانچہ جو کچھ شکایات تھیں زید نے قلمبند کرکے روبرو پیش کردیں۔ اسپر کہا کہ بس کل سے کام شروع کردینا، بے ابتری ہورہی ہے، اور یہ جو کچھ شکایات ہیں سب رفع ہوجائینگی ..... اور زید کی تحریر کو بصورت استعفاء خیال کرکے نامنظور واپس کردی، اور خدمتِ مدرسہ بدستور سپرد کردی، زید نے حسب خواہش ووعدہ ممبران دوسرے روز سے کام شروع کردیا، اس دوران میں صرف پچیس ۲۵ روز زید نے مدرسہ کا کام نہیں کیا، اب سوال یہ ہے کہ زید کو ان ایام کی تنخواہ لینا (جن میں اس نے کام نہیں کیا، جبکہ مقصد اسکا اس تحریر سے محض اصلاح مدرسہ تھی، نہ کہ استعفار) جائز ہے یا نہیں؟ جبکہ حسب قانون مدرسہ زید کو ایک ماہ دس یوم رعایتی رخصت کا بھی استحقاق ہے، اور وہ ایام جن میں اس نے کام نہیں کیا صرف پچیس ہیں۔

بینوا توجروا

الجواب

اس تنخواہ کے استحقاق وعدم استحقاق کا مدار استعفار کی صحت وعدم صحت پر ہے لہذا اولاً صحت استعفار کی صورتیں لکھی جاتی ہیں۔ فی العالمگیریة (ج ۵ ص ۴۵۳) وإن أجر داراً كل شهر بدرهم صح العقد في شهر واحد، وفسد في بقية الشهور، وإذا تمّ الشهر الأول، فلكل واحد منهما أن تنقض الإجارة لانتهاء العقد الصحيح، ولو سمى جملة الشهور جاز (و بعد سطر) ولو قدم أجرة شهرين، أو ثلاثة وقبض الأجرة فلا يكون لواحد منهما الفسخ في قدر المعجل أجرته كذا في تبيين۔ (و بعد سطر) ولو قال أجرتك هذه الدار سنة، كل شهر بدرهم جاز بالإجماع، لأن المدة ملومة، والأجرة معلومة فتجوز، فلا يملك أحدهما الفسخ قبل تمام السنة من غير عذر كذا في البدائع۔ وفيه أيضاً (ج ۵ ص ۴۷۹) وكل عذر لا يمنع المضي في موجب العقد شرعاً ولكن يلحقه نوع ضرر يحتاج فيه إلى الفسخ، كذا في الذخيرة۔

واذا تحقق العذر ومست الحاجة إلى النقض ينفرد صاحب العذر بالنقض، أو يحتاج إلى القضاء أو الرضاء. اختلفت الروايات فيه، والصحيح أن العذر إذا كان ظاهراً ينفرد. وإن كان مشتبهاً لاينفرد كذا في فتاوى قاضيخان ـــ وفيه أيضاً (ج ۵ ص ۲۵۳) وفي ظاهر الرواية لكل منهما الخيار في الليلة الأولى من الشهر الداخل ويومها. هكذا في الكافي. والفتوى على ظاهر الرواية، هكذا في فتاوى قاضيخان. لو فسخ في اثناء الشهر لم ينفسخ، وقيل ينفسخ به إذا خرج الشهر. وبه كان يقول محمد ابو نصر، ولو قال في أثناء الشهر فسخت رأس الشهر ينفسخ إذا اهل الشهر بلاشبهة إلى أن قال: ولو فسخ احدهما الإجارة بغير محضر صاحبه قيل لا يصح عند ابي حنيفة ومحمدؒ. وقيل لا يصح في قولهم جميعاً، كذا في محيط السرخسي۔

ان روایات سے معلوم ہوا کہ جب مدرس وغیرہ کو ماہوار تنخواہ پر رکھا جائے (کما هو المتعارف فی دیارنا) تو ہر ماہ کے ختم پر مدرس کو، ونیز اہل مدرسہ کو استعفا دینے، اور علیحدہ کرنے کا اختیار رہے، دوسرے کی منظوری شرط نہیں، پس مدرس وغیرہ فقط استعفا دینے پر مدرسہ سے علیحدہ ہوجاتے ہیں۔ (روایات ۱) البتہ اگر کسی نے پیشگی تنخواہ لے رکھی ہو تو جبتک پیشگی تنخواہ کے مطابق کام نہ کرچکے اسوقت تک بلاکسی عذر کے محض استعفا دینا کافی نہیں علیٰ هذا اہل مدرسہ اسکو بلاوجہ الگ نہیں کرسکتے (عذر کا حکم آگے آئیگا) بلکہ ہردو کی رضامندی سے علیحدگی ہوسکتی ہے (روایات ۲) اسیطرح اگر کسی مدرس وغیرہ نے کوئی مدت ملازمت کی مثلاً ایک سال وغیرہ معین کرلی ہو. تب اس مدت سے پیشتر علیحدگی میں طرفین کی منظوری شرط ہے (روایات ۳)۔ یہ حکم تو اس صورت کا تھا جبکہ کوئی نہ ہو، اور اگر طرفین میں سے کسی کو کوئی عذر پیش آجائے تو اسمیں یہ تفصیل ہے کہ عذر اگر ظاہر ہے یعنی اسکے عذر ہونے میں کوئی شبہ نہ ہو تب تو ہر ایک بدون دوسرے کی منظوری کے عقد ملازمت کو فسخ کرسکتا ہے، اور اس عذر میں کوئی شبہ ہو تو پھر فسخ کیلئے رضائے فریقین لازم ہے (روایات ۴)۔ (جن صورتوں میں رضائے فریقین ضروری لکھا ہے ان میں قضائے قاضی سے بھی فسخ ہوسکتا ہے جیسا کہ روایات

نمبر ۵ ہی میں موجود ہے)۔ بس اب صاحب واقعہ خود منطبق کرلیں کہ ان کی ملازمت کس قسم کی تھی۔ اور استعفاء ان کا بدون منظوری مجلس انتظامیہ کے صحیح ہوا تھا یا نہیں؟ اگر ان کے استعفاء دینے سے عقد ملازمت فسخ ہوچکا ہو تو پھر دوبارہ کام کرنا از سر نو ملازم ہونا ہے، اور ان ایام کی تنخواہ کا حق نہیں رہا، اور دوبارہ ملازمت سے حق نہ لوٹیگا لأن الساقط لا یعود۔ اور اگر واقعہ برعکس ہو تو حکم بھی برعکس ہوگا کما لا یخفیٰ۔

لیکن بقائے عقد کی صورت میں ایک بات اور دیکھنا ضروری ہے۔ وہ یہ ہے کہ ان ایام میں کام نہ کرنا قواعد مدرسہ کی رو سے رخصت میں داخل ہے یا غیر حاضری میں اور وضع تنخواہ کا کیا قاعدہ ہے؟ سب میں غور کرکے تنخواہ کا فیصلہ کیا جائے۔ باقی رہا یہ کہ فسخ کے واسطے دو شرط اور بھی روایت ۵ سے معلوم ہوتی ہے:۔ اول یہ کہ فسخ اجارہ شروع ماہ میں ہونا چاھئے، درمیان میں اختیار نہیں۔ دوسری یہ کہ فریق ثانی کے سامنے ہونا چاھئے سو یہ ہر دو شرط صورت سوال میں موجود ہیں، کیونکہ فسخ شروع ماہ ہی سے کیا ہے، گو اسکی اطلاع اثناء ماہ میں دی ہے، اور یہ بلا شبہ صحیح ہے، جیسا کہ روایت عہ ۵ میں مصرح ہے۔ اور دوسری شرط یعنی حضور صاحب کا وجود بھی ظاہر ہے کیونکہ خط وغیرہ کے ذریعہ سے اطلاع دیدینا ایسا ہی ہے جیسا کہ بالمواجہ کہا ہو۔ فقط واللہ اعلم۔

فائدہ: ——— روایت اول سے شبہ ہوتا ہے کہ جو طریقہ ہمارے مدارس وغیرہ میں مروّج ہے یہ اجارۂ فاسدہ ہے۔ اسواسطے اسکی وضاحت کرنا مناسب خیال کرتا ہوں، لھٰذا عرض ہے کہ عموماً فقہاء کی عبارات میں فساد کا لفظ پایا جاتا ہے، مگر شامی نے اسمیں اختلاف نقل کیا ہے، اور جواز کو صحیح قرار دیا ہے، اور فساد کے قول کی توجیہ کی ہے۔ وھو ھٰذا۔ فھو فاسد لکن ینقلب صحیحاً بالسکنیٰ۔ ھٰکذا یستفاد من کلامہ ثم رأیت الطوری قال: وظاھر قولہ: صح فی شھر واحد

عہ ای فی اول کل شھر، وھو اللیلۃ الأولیٰ ومع یومھا، کما مر فی الروایۃ الخامسۃ اھ منہ۔

الفساد في (ای الدر ۱۲) الباقي، قال في المحيط: وهذا قول بعضهم، والصحيح أن اجارة كل شهر جائزة، واطلاق محمد رح يدل عليه، فيجوز العقد في الشهر الأول، والثاني، والثالث وإنما يثبت خيار الفسخ في أول الثاني، لانها مضافة إلى المستقبل. ولكل منهما فسخ المضافة الخ وهو مخالف لقول المصنف كالهداية والتبيين، وفسد في الباقي، إلا أن يقال: المراد بالفساد عدم اللزوم، أطلق عليه ذلك، لأنه قابل للإفساد (ای الفسخ) تأمل. (شامی ج ۵ ص ۴۲)

کتبہ الأحقر عبدالکریم عفی عنہ

از تھانہ بھون، مؤرخہ ۲۲ جمادی الاولیٰ ۱۳۵۰ھ

حکم اجرت دلّال **سوال:۔** (الف) ایک شخص زید ہے، دوسرا بکر ہے، تو زید نے بکر سے کہا کہ ہمارے پاس سودا ہے، اور اگر سودا کو تم اپنی معرفت کسی کے ہاتھ فروخت کروادوگے تو تم کو اتنا روپیہ کمیشن دینگے، تو اسطرح کمیشن لینا درست ہے یا نہیں؟ (ب) اور اگر بکر نے زید سے یہ نہیں کہا، اور بکر نے زید کا سودا فروخت کروادیا تو یہ لینا شریعت میں درست ہے یا نہیں؟

السائل: جمال میاں مان پوری
محلہ پھانی، ڈاکخانہ بناد گنج، ضلع گیا۔

الجواب

(الف) اس صورت کو عالمگیریہ نے ذخیرہ سے حرام لکھا ہے، اور شامی نے بھی تاتارخانیہ سے حرمت نقل کی ہے، ولیکن محمد بن سلمہ سے اس میں گنجائش نقل کی ہے۔ ونصه (تتمہ) قال في التاتارخانية: وفي الدلال والسمسار أجر المثل، وما تواضعوا عليه أن في كل عشرة دنانير كذا فذلك حرام عليهم، وفي الحاوي، سئل محمد بن سلمة عن أجرة السمسار، فقال: أرجو أنه لا بأس به، وإن كان في الأصل فاسدًا لكثرة التعامل، وكثير من هذا غير جائز، فجوزوه لحاجة الناس اليه كدخول الحمام، وعنه قال: رأيت ابن شجاع يقاطع نساجاً ينسج له ثياباً في كل سنة (۱)۔ (ج ۵ ص ۶۳)۔

---

(۱) نسخہ جدیدہ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی ۶/۶۳ ۔عبداللہ جعفر عفی عنہ

اور حضرت مولانا تھانوی مدظلہم اس صورت میں جواز ہی کو اختیار کرتے ہیں۔
والجواب عن الفساد للجهالة، ان هٰذه الجهالة لا يفضی إلی ان النزاع، فكانت يسيرة، وهی لا يفسد الإجارة والبيع۔ اور اس زمانہ میں اسکی ضرورت بھی بہت زیادہ ہے، پس اسکو جائز کہنا ہی بہتر ہے واللہ اعلم

(ب) اس میں یہ تفصیل ہے کہ اگر بکر ان لوگوں میں سے ہے جو اس قسم کا کام کمیشن لیکر کرتے ہیں تب تو بکر کے مطالبہ پر زید کو دستور کے موافق کمیشن دینا ضروری ہے، ورنہ زید کے ذمہ کچھ واجب نہیں اور یوں اپنی خوشی سے وہ کچھ دیدے تو اسمیں کوئی شبہ ہی نہیں۔

فی الدر المختار، استعان برجل فی السوق يبيع متاعه. فطلب منه أجراً، فالعبرة لعادتهم۔ وقال الشامی تحت قوله (لعادتهم) ای لعادة اهل السوق، فان كانوا يعملون بأجر، يجب أجر المثل و إلا فلا۔ (ج ۵ ص۲۷)۔

کتبہٗ الاحقر عبد الکریم عفی عنہ
از تھانہ بھون۔
۲۳، جمادی الاُخریٰ ۱۳۵۰ھ

سوال | مدرسین و ملازمین مدرسہ کی تنخواہوں میں تخفیف کا مسئلہ

یہ سوال مندرجہ ذیل مع دو جوابوں کے آیا تھا۔ اسپر تنقیح کی گئی تھی اسکا جواب آنے پر یہاں سے جواب لکھا گیا ہے اسواسطے اولاً سوال مع ہر دو جوابات کے لکھا جاتا ہے، بعد ازاں تنقیح، بعد ازاں جواب تنقیح جس میں فتوی ۳ بھی شامل ہے، اسکے بعد جواب درج ہوگا۔

مدرسۃ الشرع، سنبھل کے متعلق جائیداد وقف ہے، اور ایک مجلس شوریٰ ہے۔ امسال کمی پیداوار غلہ اور عدم وصولِ لگان کی وجہ سے مجلس مشاورت نے تمام متعلقین مدرسہ کی تنخواہوں میں تخفیف کی، تین مدرس عربی ہیں ایک فارسی ایک حافظ قرآن شریف، ایک مہتمم دفتر، ایک دربان مدرسہ، تین مدرسین عربی میں ایک مدرس "اول صاحب" عرصہ تخمیناً دس سال سے متعلق ہیں، اور دو مدرسین صاحبان

اسی شوال میں متعلق ہوئے ہیں، اور وقت تقرر مہتمم مدرسہ نے یہ ظاہر کر دیا تھا کہ اگرچہ اس جگہ کی تنخواہ زیادہ ہے مگر بوجہ کمیٔ سرمایہ اور ارزانیٔ ضروریات آپ سے مقرر تنخواہ سے کم پر معاہدہ کیا جاتا ہے، باوجود اس معاہدہ کے دوران سال تعلیم یعنی ماہِ محرم میں کمیٹی نے ان دونوں مدرسین کی تنخواہ کم کر دی۔ سوالات حسب ذیل ہیں:—

(۱) مدرسین عربی کی تنخواہوں میں دوران سال میں کمی جائز ہے یا نہیں؟

(۲) مدرسین جدید العہد کی تنخواہوں میں معاہدۂ مذکورہ کی بناء پر تخفیف جائز ہے یا نہیں؟

(۳) دوسرے متعلقین کی تنخواہوں میں تخفیف جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب.... اس مسئلہ کا جواب پہلے بھی یہاں سے جا چکا ہے اب دوبارہ بھی وہی جواب ہے، کہ اصل مسئلہ کا مدار اجارہ اور ملازمت کی نوعیت پر ہے۔ اگر یہ تحقیق ہو جائے، یا بوقت ملازمت آپسمیں طے ہو گیا ہو کہ یہ ملازمت کم از کم سال بھر کے لئے ہے۔ اور یہ معاملہ سالانہ کا ہے، ماہوار کا نہیں، تب تو جواب مذکورۂ بالا صحیح ہے کہ دوران سال میں تخفیف تنخواہ کا اہل شوریٰ اور مہتمم کو حق نہیں لیکن اگر مدرسین کا معاملہ ماہوار کا ہو اور ہر ماہ اجارۂ جدید بطور تعامل ہو جاتا ہے، تو پھر ختم ماہ پر تخفیف و عزل ہر قسم کا اختیار ارباب انتظام کو ہوگا، تنخواہ کا ماہوار مقرر ہونا اور سال بھر کی مدت کا بوقت ملازمت عموماً تذکرہ نہ ہونا تو قرینہ اجارۂ شہریہ کا ہے سالانہ کا نہیں، البتہ زیر بحث حضرات کا معاملہ اگر بوقت ملازمت ایک سال یا زائد کیلئے طے ہو چکا ہے، جیسا کہ فاضل مجیب کی عبارت سے مستفاد ہوتا ہے، تو بہرحال وسط سال میں تخفیف کا ارباب انتظام کو حق نہ ہوگا۔ لیکن عام طور پر یہ فتویٰ نہیں دیا جاتا، کیونکہ قرائن مذکورہ اجارۂ شہریہ پر دلالت کرتے ہیں اور اسکی علامہ شامی کی بعض تصریحات سے بھی ثابت ہوتا ہے، صاحب درمختار نے ملازمت مدرسین کی بحث کو کتاب الوقف میں بعنوان "جامکیہ" تحریر فرمایا ہے اور یہی اس مسئلہ کا اصطلاحی عنوان ہے۔

نصه الجامكيه فى الأوقاف لها شبهة الأجرة فى زمن المباشرة والحل للأغنياء، ونسبة الصلة، فلومات أو عزل لا تسترد المعجلة وشبه الصدقة، نصحيح أهل الوقف، فانه لا يصح على الأغنياء ابتداءً، قال الشامى: الجامكية: هى مايترتب فى الاوقاف لأصحاب الوظائف كما يفيده

كلام البحر عن ابن الصائغ . وفى الفتح، الجواب كالعطاء، وهو ما يثبت فى الديوان بإسم المقاتلة اوغيرهم، إلا أن العطاء سنوى، والجامكية شهرية، إلى قول ومن حيث أن المدرس لومات ، اوعزل فى اثناء السنة قبل مجئ الغلة وظهورها من الأرض، يعطى بقدر ما باشر، ويصير ميراثاً عنه كالأجير. شامى كتاب الوقف۔

عبارت مذکورہ میں اسکی بھی تصریح ہے کہ یہ معاملہ عادۃً شہریہ ہوتا ہے، اور اسکی بھی کہ عزل وسط سال میں جائز ہے تو تخفیف بدرجہ اولیٰ جائز ہوگی۔ واللہ سبحانہ اعلم

الجواب صحیح خادم دارالافتاء دیوبند
حسین احمد غفرلہ محمد شفیع غفرلہ

الجواب[۲] ..... ۱ے شبہ بالاجارہ کو اجارہ پر قیاس کرنا اور اختتام ماہ پر عزل وتخفیف کو متفرع کرنا صحیح نہیں ہے۔ اسلئے کہ یہ ضروری نہیں کہ دونوں میں باہم کل احکام میں اشتراک ہو ۲ے اور اس اسلئے کہ مدرس کا عزل بلاوجہ جائز نہیں ہے۔

(درمختار) لايصح عزل صاحب وظيفة بلا جنحة اوعدم أهلية.

(شامى) وقدمنا عن البحر، عزل القاضى لمدرس ونحوه، وهو أنه لايجوز إلا بجنحة أو عدم أهلية، وايضاً قال فى البحر، واستفيد من عدم صحة عزل الناظر بلا جنحة عدمها لصاحب الوظيفة فى وقف بغير جنحة وعدم أهلية۔(شامى) وقوله: (وإن كانوا أصلح) الذى رأيته فى فتاوى مؤيد زاده، إذا لم يكونوا أصلح اوفى امرهم تهاون، فيجوز للواقف الرجوع عن هذا الشرط، إلى ما قال..... وإن كان مشروطاً كالمؤذن والامام والمعلم ان لم يكونوا أصلح، أو تهاونوا فى امرهم فيجوز للواقف لمخالفة الشرط۔

اور جبکہ عزل ناجائز ہوا تو جواز عزل پر تخفیف کا مرتب کرنا صحیح نہ رہا۔

۳ے اور عبارت ”اوعزل فى اثناء السنة“ میں جو لفظ عزل مذکور ہے وہ جواز عزل اور عدم جواز سے ساکت ہے، چہ جائیکہ اسمیں جواز عزل کی تصریح ہو، جیسے کہ اگر ”لومات“ کی جگہ ”لوقتل“ ہو تو جواز قتل سے ساکت ہے۔

۴ بلکہ تخفیف کا ایک علیحدہ مسئلہ ہے، عزل پر مرتب نہیں۔ فقہاء کے کلام سے یہ سمجھ میں آتا ہے اگر مدرسہ میں اس سال اتنا سرمایہ موجود ہے کہ اس سرمایہ سے مدرسوں کی پوری تنخواہیں ادا ہو سکتی ہیں تو تخفیف جائز نہیں، ورنہ تخفیف علی قدر المراتب جائز ہے۔ درمختار۔ و یبدأ من غلته بعمارته. ثم ما هو أقرب بعمارته کإمام مسجد و مدرس مدرسة، یعطون بقدر کفایتهم۔ قال الشامی: قوله بقدر کفایتهم أی لا بقدر استحقاقهم المشروط لهم. وفی موضع آخر والحاصل تقرر و تحرر أنه یبدأ بالتعمیر الضروری، حتی لو استغرق جمیع الغلة صرفت کلها إلیه. ولا یعطی أحد، ولو إماما أو موذنا. فإن فضل عن التعمیر شیئ یعطی ما کان أقرب إلیه مما فی قطعه ضرر بین۔ إلی ما قال ۔ إذا کان قدر کفایته، وإلا یزاد أو ینقص۔

واللہ اعلم بالصواب

کریم بخش غفرلہ

از سنبھل ضلع مراد آباد

تنقیح

اس سوال کا جواب لکھنے اور جواب محررہ کی تائید سے قبل چند امور قابل تحقیق ہیں، ان تنقیحات مندرجہ ذیل کے بعد انشاء اللہ جواب لکھا جائیگا۔

۱ ان ہر سہ مدرسین کو کسی مدت تک کے واسطے مدرس رکھنے کی تصریح کی گئی ہے یا نہیں؟

۲ کیا وقف نامہ میں مدرسین کے واسطے کوئی مقدار معین ہے؟ کہ مدرس اول کو اتنا ثانی کو اتنا، یا کل مدرسین کو اتنا دیا جائے (گا)۔ نیز یہ بھی لکھا جائے کہ خاص رقم معین ہے؟ مثلاً ایک صد روپیہ وغیرہ، یا آمدنی کا کوئی حصہ نصف، ثلث وغیرہ معین کیا گیا ہے؟

۳ ان مدرسین کو وقف کنندہ نے مقرر کیا ہے یا بعد والوں نے؟

۴ تنخواہ مدرسین کا مدار محض آمدنی وقف پر ہے یا چندہ کی امداد بھی ہے؟

۵ دیوبند کے جواب سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے قبل اور کسی جگہ سے لکھا ہوا جواب وہاں بھیجا گیا ہے اسکی نقل بھیجی جائے، تاکہ غور میں زیادہ مدد ملے۔

جواب تنقیح:۔ ۱ تصریح نہیں کی گئی ہے، البتہ مدرس اول نے بروقت معاملہ

یہ طے کیا تھا کہ اراکین مدرسہ کو میرے معزول کرنے کا حق حاصل نہ ہوگا کیونکہ اس مدرسہ میں اکثر مدرسین کا سال دو سال میں تغیر و تبدل ہوتا رہتا تھا، مدرس اول کے متعلق یہ وعدہ اور معاہدہ ہوگیا ہے کہ آپکو معزول نہیں کیا جائیگا۔

۲۔ کسی مدرس کیلئے کوئی مقدار معین نہیں کی گئی، اور نہ کل مدرسین کیلئے کوئی مقدار معین ہے، کوئی حصہ اور کوئی رقم معین نہیں ہے۔

۳۔ بعد والوں نے۔

۴۔ امداد نہیں ہے۔

الجواب ...... ۵ اس جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ معاملہ عادۃً اس زمانہ میں اجارۂ سالانہ ہے، اسی واسطے کسی مدرس کو وسط سال میں معزول نہیں کیا جاتا ہے تو ماہ رمضان کی بھی تنخواہ اکثر مدارس میں دی جاتی ہے۔ اور اگر ماہانہ کہا جائے تو اس تنخواہ کے جواز کی کوئی صورت نہیں، پہلے زمانہ میں بھی یہ معاملہ سالانہ ہوا کرتا تھا عالمگیری الباب الرابع عشر میں ہے۔ غاب المتفقه شهراً أو شهرين يحرم عليه أخذ المدرس بلاخلاف، إن كان مشاهرة، وإن كان مسانهة، وحضر وقت القسمة، وقد أقام اكثر السنة يحل كذا في القنية۔

اور اس وجہ سے اگر کسی مدرس سے مہتمم مدرسہ یوں معاملہ کرنا چاہے کہ مجھکو درمیان سال میں علیحدہ کرنے کا اختیار ہوگا، تو کوئی مدرس بھی اس طرح کا معاملہ کرنا نہیں چاہیگا، کم سے کم مہتمم مدرسہ ایک سال کیلئے مقرر کرتا ہے، اور بعدہ بطور تعامل اجارۂ سالانہ ہوتا رہتا ہے، سالی تقرر ہے، اور اس سال میں کہ کام کیا گیا عقد لازم ہوگیا، اور بوجہ لزوم عقد ہر ایک کا حق کل تنخواہ کے ساتھ متعلق ہوگیا، لہٰذا تخفیف جائز نہیں۔ کتاب الاجارہ کی بعض عبارتیں جو لزوم عقد پر دلالت کرتی ہیں تحریر کی ہیں۔ اور ایک عبارت عالمگیری کی کتاب الاجارہ باب الرابع کی جو کل تنخواہ کے ساتھ حق متعلق ہوجانے کے ساتھ دلالت کرتی ہے تحریر کی ہے، وھو ھٰذا ...... ولو أبرأه عن الكل إلا درهماً صح بالإجماع، لانه بمنزلة الحط۔ اور واضح ہو کہ مدرسہ میں امسال روپیہ اس قدر موجود ہے کہ امسال کے کل مصارف مدرسہ اور تنخواہوں کیلئے بخوبی کافی ہوسکتا ہے، اس مدرس اول کی تقرری سے قبل ہمیشہ دو مدرس عربی مدرسہ

ہیں مقرر رہے ہیں، جبکہ طلبہ زائد ہوگئے تو مدرس اولی کی تقرری کے کئی مہینہ بعد مدرس سوم مقرر ہوئے ہیں۔ والسلام

الجواب

دیوبند کا فتوی صحیح ہے کہ یہ معاملہ ماہوار عقد ہوتا ہے۔ اور ختم ماہ پر عاقدین میں سے ہر شخص کو اختیار ہے کہ آئندہ وہ عقد کو فسخ کردے یا کمی بیشی پر معاملہ طے کرلے، ہاں اگر کسی مدت کے لزوم کی کوئی وجہ پائی گئی ہو مثلاً ایک سال یا چھ ماہ کا معاہدہ ہوا ہو تو اسکو بدون عذر عاقدین میں سے ایک شخص فسخ کا اختیار نہیں رکھتا، اور جن حضرات نے اس ملازمت کو سالانہ عقد قرار دیا ہے اسکی کوئی وجہ نہیں ہے اور جو وجوہ بیان کی گئی ہیں وہ سب مخدوش ہیں۔

ایک وجہ یہ لکھی ہے کہ وسط سال میں معزول نہیں کیا جاتا، یہ بھی خلاف واقعہ ہے وسط سال میں استعفاء اور معزولی دونوں واقع ہوتی رہتی ہیں (اور غالباً استعفار دینے کا حق مدرس کے واسطے یہ حضرت بھی تسلیم کرتے ہونگے اگر حق استعفار تسلیم ہے تو پھر معزولی کیوں جائز نہیں ؟) اور شعبان میں معزولی کے وقت تنخواہ رمضان کا دینا اسکی نسبت اکثر مدارس کی طرف صحیح نہیں، دیوبند، سہارنپور وغیرہ تمام معروف مدارس کے قواعد میں درج ہے کہ تنخواہ رمضان کا حق اس مدرس کو ہے جو شوال میں کام پر آجائے، اور کسی جگہ یہ قاعدہ ہو بھی تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہ معاملہ عقد سالانہ ہے، بلکہ اسکی وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ ۱۱ ماہ کو بمنزلۂ ۱۲ ماہ قرار دے لیا ہے بناء بر للاکثر حکم الکل، اور یہ جو تحریر فرمایا ہے کہ اگر (اس عقد کو) ماہانہ رکھا جائے تو اس تنخواہ کے جواز کی کوئی صورت نہیں، اگر اسکی وجہ کی طرف بھی اشارہ ہوجاتا، تو جواب آسان ہوتا، مگر اب صرف اتنا عرض ہے کہ ماہانہ تسلیم کرنے کی صورت میں جو شبہ مشہور متعددہ کی تنخواہ پر واقع ہوتا ہے، وہی شبہ سالانہ مان کر سنین متعدد کی تنخواہ پر وارد ہوگا۔ فما هو جوابكم فهو جوابنا۔

اور عالمگیری کی عبارت "غاب المتفقه شهراً أو شهرين" سے کوئی مطلب حاصل نہیں ہوتا، اسمیں تو مرسوم کے مشاہدہ اور مسانہہ ہونے کی حالت میں ہر ایک کا جداگانہ حکم لکھا ہے اسمیں تو کسی کو کلام نہیں، ضرورت تو اسکی ہے کہ معاملہ مبحوث فیہ

سالانہ ہے یا ماہوار؟ اسیطرح دوسرے جزئیات مندرجہ فتوی ۱۲ ماتحن فیہ سے تعلق نہیں رکھتے۔

اب رہا فتوی ۲ سو اسکے متعلق یہ عرض ہے کہ:۔

۱ بیشک صحیح ہے، مگر محض اسپر مدار نہیں، کما سیجیٔ۔ اور فتوی ۲ میں جو عبارت در مختار کی تحریر فرمائی ہے وہ در مختار کی عبارت نہیں، بلکہ شامی کی سرخی ہے، اور شامی کی جو عبارت نقل فرمائی ہے وہ صورت مسئولہ سے متعلق نہیں، کیونکہ قول بحر و استفید من عدم صحة عزل الناظر الخ، سے معلوم ہوتا ہے کہ صاحب بحر نے مدرس وغیرہ کو ناظر پر قیاس کیا ہے۔ اور ناظر کیلئے یہ حکم عدم جواز عزل کا مطلق نہیں ہے بلکہ مقید ہے۔ پس جب ناظر کی معزولی میں تفصیل ہے تو یہ مقیس علیہ ہے، تو مدرس کی معزولی میں بھی تفصیل ہونا لازم ہے ورنہ مقیس علیہ اور مقیس میں فارق تسلیم کرنا پڑیگا جو کہ مانع قیاس ہے۔

اور تفصیل یہ ہے..... قال فی شرح الملتقی معزیاً إلی الأشباہ لایجوز للقاضی عزل الناظر المشروط له النظر بلا خیانة۔ ولو عزله لایصیر الثانی متولیاً ویصح عزل الناظر بلا خیانة لو منصوب القاضی أی لا الواقف، ولیس للقاضی الثانی أن یعیده، وإن عزله الاول بلا سبب لمحل أمره علی السداد، إلا أن تثبت أهلیة اهـ۔

وأما الواقف فله عزل الناظر مطلقاً وبه یفتی الخ (شامی ج ۳ ص۵۹۶)

اس سے معلوم ہوا کہ جس شخص کو وقف کنندہ کے علاوہ اور کوئی معزول نہیں کرسکتا۔ نہ واقف کی حیات میں نہ بعد موت کے، اور خود واقف اسکو بھی معزول کرسکتا ہے، اسیطرح قاضی اپنے مقرر کردہ ناظر کو بلا کسی خطا کے بھی معزول کرسکتا ہے، جب یہ قید ناظر میں ہے تو مدرس میں بدرجۂ اولیٰ ہوگی لأنه المقیس، اور صورت مسئولہ میں مدرس مشروط لہٗ التدریس نہیں ہے، اسواسطے اسکا معزول کرنا غیر واقف کو بھی بلا کسی خطا کے جائز ہے۔

اور ۳ بھی صحیح ہے، اسمیں بلاشبہ مفتی دیوبند سے مسامحت ہوئی ہے۔

اور ۴ میں جو تفصیل مذکور ہے، یہ جب ہے جبکہ وقف کنندہ نے کوئی مقدار معین

کردی ہے کہ مدرس کو اتنا اور امام کو اتنا وغیر ذٰلک۔ اور صورت مسئولہ میں ایسا نہیں ہے اسواسطے یہ تفصیل جاری نہ ہوگی، باقی رہی یہ بات کہ اس تفصیل کو خاص کیوں کیا جاتا ہے اسکی وجہ یہ ہے کہ شامی نے "بقدر کفایتھم" کے تحت میں "لا المشروط لھم" کہا ہے۔

یہ تو جواب استدلالات مذکورہ ۲ اور ۳ کا تھا، اب حقیقت اس معاملۂ مبحوث کی عرض کی جاتی ہے، وہ یہ ہے کہ یہ ملازمت صریح اجارہ ہے، اور تمام احکام اجارہ کے جاری ہونگے۔

شبہ الاجرۃ تو مقدار مشروط لھم کو کہا گیا ہے، یہاں کوئی مقدار مشروط نہیں، جو مقدار بھی واجب ہوگی، وہ محض عقد عاقدین سے واجب ہوگی اسلئے حسب قواعد اجارہ مدت اجارہ ختم ہونے پر عقد جدید یا ختم معاملہ کا فریقین کو حق ہے۔ اور اگر ان مدرسین و ملازمین مدارس پر "لا یجوز العزل بلا جنحۃ" جاری کیا جائے تو اختتام سال پر بھی معزولی وغیرہ جائز نہ ہو۔ اور اسکو کوئی بھی تسلیم نہیں کرتا۔ ھٰذا ما بالبال واللہ اعلم بحقیقۃ الحال۔

کتبہ الاحقر عبدالکریم عفی عنہ

از خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون

۲۰ رجب ۱۳۵۰ھ

سوال ۱:۔ کیا شریک اجیر بن سکتا ہے اور اسکے جواز کی کوئی صورت ہے یا نہیں؟ ..... کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ بمبئی کے موجودہ ہنگامہ پر نظر کرکے (جس میں اناج اور غلہ کے بیپاری اپنی دکانیں اور بیکری بند کرکے بھاگ گئے تھے، عام طور پر لوگوں کو اناج کئی کئی روز میسر نہ ہوا نہایت پریشانی خلق خدا کو ہوتی) ایک کمپنی ایسی قائم کی کہ جس میں پچیس پچیس روپیہ کا ایک حصہ قرار دیا گیا، کسی نے دو سو حصے خریدے کسی نے سو۔ کسی نے پچاس، کسی نے پچیس، کسی نے دو، کسی نے ایک۔ اسطرح مشترکہ سرمایہ پندرہ ہزار روپیہ کے قریب جمع ہو گیا، ایک دوکان بڑے پیمانے پر کھولی گئی، جس میں ہر قسم کا اناج اور ضرورت کی چیزیں مہیا کی گئیں، اور خرید و فروخت جاری ہوگئی، اس کمپنی کے ایکسو ساٹھ

کے قریب حصہ دار ہیں کام کرنے کیلئے پانچ آدمی ان میں سے منتخب کئے گئے کہ وہ کاروبار سنبھالیں لیکن وہ لوگ جو منتخب کئے گئے ہیں شب و روز اسی کام میں مشغول رہتے ہیں۔ غریب طبقہ کے لوگ ہیں جو ایک ایک دو دو کے حصوں کے خریدار ہیں۔ پس ان کی گذر بسر کیلئے ان کی ماہانہ تنخواہ مقرر کرنا درست ہے یا نہیں؟

۲۔ اگر درست نہیں ہے تو کونسی صورت اختیار کی جائے، جس سے ان کا گذارہ ہو سکے۔

الجواب

۱۔ درست نہیں ۔ ونظیرہ ما فی الدر المختار، لو استأجرہ لحمل طعام مشترك بینهما فلا أجر له، لأنه لا یعمل شیئًا لشریکه والا ویقع بعضه لنفسه، فلا یستحق الأجر اھ

۲۔ ان کے واسطے نفع میں زیادہ حصہ مقرر کردیا جائے۔ مثلاً ان کی رقم ۱/۴ کی نسبت رکھتی ہے، اور ان کو نفع میں سے ۱/۲ دیا جائے تو یہ جائز ہے کما فی العالمگیریہ (ج ۳ ص ۱۸۶) ولو شرطا الربح للعامل أکثر من رأس ماله جاز علی الشرط، ویکون مال الدافع عند العامل مضاربة۔ فقط واللہ اعلم

کتبہ الاحقر عبدالکریم عفی عنہ
از تھانہ بھون
مؤرخہ ۲۸ ربیع الثانی ۱۳۵۱ھ

حکم الاجارۃ من الموجر | سوال:۔ احقر نے اپنی جائیداد کا ٹھیکہ مبلغ دوسو روپیہ کے عوض گیارہ سال کو تحریر کرادیا، اور رجسٹری بھی تحصیل میں کرادی، اور کل رقم مذکور وصول پالی، پھر ٹھیکیدار نے اسی وقت مبلغ اڑتالیس (۴۸) سالانہ وہی جائیداد احقر کو دیدی، اب قابل دریافت یہ بات ہے کہ وہ جائیداد احقر کو کاشت کرانی یا کرنی جائز ہے یا نہیں؟ اور اگر ناجائز ہے تو اب تک جو ڈیڑھ سال اسکو میں نے تصرف میں رکھا اسکا اجارہ کس کے ذمہ واجب ہے، جواب سے مطلع فرمائیں۔

از سائل عبداللطیف، پٹرانہ

الجواب

دوسرا ٹھیکہ صحیح نہیں ہوا اس واسطے مالک کے ذمہ ٹھیکیدار کو کچھ دینا لازم نہیں،

اور چونکہ ٹھیکیدار کا تصرف اس عرصہ میں اس زمین پر نہیں ہوا۔ اس لئے ٹھیکیدار کے ذمہ بھی ان دونوں کا مقررہ روپیہ واجب نہیں، پس جتنے دن تک مالک کا قبضہ زمین پر رہا، ان ایام کا زرِ ٹھیکہ دوسو روپیہ میں سے حساب کرکے واپس کردینا ضروری ہے۔ اور آئندہ ٹھیکیدار کو زمین پر قبضہ کرادیا جائے پھر چاہے وہ خود کاشت کرے، چاہے مالک کے سوا کسی اور کو اجارہ پر دیدے۔ اور ایک بات یہ بھی قابل لحاظ ہے کہ اگر ٹھیکیدار کسی دوسرے کو نقد لگان پر دے تو اس لگان سے زیادہ پر دینا جائز نہیں جو اس نے مالک کو دیا ہے۔ البتہ اگر بجائے نقد کے غلہ مقرر کرلیا جائے تو جائز ہے، خواہ وہ غلہ ادا کردہ لگان سے زیادہ ہی قیمت کا ہو۔ فقط والسلام۔

(اضافۂ مفیدہ) مستفتی کے پاس جواب مذکور روانہ کرنے کے بعد مناسب سمجھا کہ کتب فقہ کی عبارت بھی لکھدی جائے۔ وھی ھٰذہ: فی الدر المختار۔ (وله السكنى بنفسه ....) وكذا كل ما لا يختلف بالمستعمل يبطل التقييد، لأنه غير مفيد، بخلاف ما يختلف به، كما سيجئ ولو آجر بأكثر تصدق بالفضل، إلا في مسئلتين: إذا أجرها بخلاف الجنس، أو اصلح فيها شيئًا، ولو أجرها من المؤجر لا تصح و تنفسخ الإجارة في الأصح. بحر معزيًا عن الجوهرة. وسيجئ تصحيح خلافه فتنبه. ———— وفي رد المحتار (قوله ويبطل) بضم الياء من أبطل ويجوز الفتح. ولكن كان حقه أن يجعله مستانفًا، ويقول: ويبطل فيه (قوله بخلاف ما يختلف فيه) كالركوب واللبس، قوله بخلاف الجنس أي جنس ما استأجر به، وكذا إذا أجر ما استأجر شيئًا من ماله يجوز أن تعقد عليه إجارة فإنه تطيب له الزيادة كما في الخلاصة. (قوله أو أصلح فيها شيئًا) بان جصصها أو فعل فيها مسناة وكذا كل عمل قائم لأن الزيادة بمقابلة ما زاد من عنده حملاً لأمره على الصلاح، كما في المبسوط والكنس ليس باصلاح الخ

(قوله لا تصح) أي قبل القبض أو بعده كما في الجوهرة، ولو تخلل ثالث على الراجح، وهي رواية عن محمد وعليها الفتوىٰ بزازية (قوله في الأصح) أي الاولى، وأما الثانية فبالاتفاق (ج ۵ ص ۲۷)۔

قلت: (وقوله كما سيجئ) إشارة إلى قوله الآتي في ص٣٣، وفيما لا يختلف منه بطل تقييده به، كما لو شرط سكنى واحد، له أن يسكن غيره، لما مر أن التقييد غير مفيد اهـ۔ (وقوله وسيجي الخ) المراد به قوله وهل تبطل الأولى بالاجارة للمالك الصحيح لا، وهبانية۔
قلت: وصححه قاضيخان وغيره. وفي المضمرات، وعليه الفتوى الخ۔
وقال الشامي تحت (قوله الصحيح لا) بل في التاتارخانية عن شمس الأئمة أن القول بالانفساخ غلط، لأن الثاني فاسد والأول صحيح. اى والفاسد لا يرفع الصحيح اهـ (ج ۵ ص۸۵)۔
وفي الهداية، وأما العقار وما لا يختلف باختلاف المستعمل إذا شرط سكنى واحد، فله أن يسكن غيره لأن التقييد غير مفيد الخ (ج۳ ص۲۸۳)
ان عبارات سے جواب کے سب اجزاء صراحۃً ثابت ہوگئے۔ اب ایک سوال یہ ہوتا ہے کہ جس شخص نے اجارہ پر زمین لی ہے وہ کسی اور کو مزارعت پر دے سکتا ہے یا نہیں؟ سو اسکے متعلق صریح جزئیہ تو ملا نہیں، مگر ایجار باکثر مما استاجر بہ کے ممنوع ہونے کی وجہ مبسوط سرخسی میں یہ لکھی ہے، لا يطيب له الفضل لنهي النبي صلى الله عليه وسلم عن ربح ما لم يضمن، والمنفعة بالعقد لم تدخل في ضمان المستاجر، فيكون هذا استرباحا على ما لم يضمنه، فعليه أن يتصدق به الخ۔
اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مزارعت پر دینا جائز ہے کیونکہ اجارہ بخلاف الجنس کی طرح اسمیں بھی ربح اور فضل غیر ظاہر ہے کما لا یخفی۔ واللہ اعلم

کتبہ الاحقر عبدالکریم عفی عنہ
از خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون
مؤرخہ ۲۵ ذیقعدہ ۱۳۵۱ھ

اطباء کے علاج کی ایک خاص صورت

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء عظام ومفتیان کرام اس مسئلہ میں کہ عام طور پر اطباء بعض خاص مرضوں کا ٹھیکہ لیتے ہیں اس طرح کہ مریض سے کہتے ہیں، کہ اگر تمہارے اس مرض میں حق تعالیٰ نے تم کو شفاء بخشی تو مجھے

اتنی رقم مثلاً ایک سو روپیہ دے دینا، اور اگر تم کو شفا نہ ہوئی تو مجھے کچھ نہ دینا لیکن بصورت عدم شفا ر کل رقم ثمن لے لیتا ہے، اور طے ہونیکی وقت نصف قیمت ابتدا ر علاج میں ہی لی جاتی ہے، اور باقی قیمت شفاء ہونیکے بعد لیتے ہیں کیا یہ صورت جائز ہے ؟

الجواب

یہ صورت تو جائز نہیں لیکن اس عقد کے جواز کی یہ صورت ہے کہ طبیب تخمینہ سے علاج کی مدت اپنے ذھن میں معین کرکے اس مدت کا ٹھیکہ کرلے کہ اتنی مدت تک علاج کا یہ معاوضہ لونگا، اور اس کا آٹھواں حصّہ پیشگی لونگا، اور اسکے ساتھ ہی یہ بھی کہدے کہ اگر خدا نخواستہ شفا ر نہ ہوئی تو اس آٹھواں حصّے کے علاوہ کچھ نہ لونگا جو پیشگی لیا جائیگا، اور اسکے علاوہ کل رقم مقرر کردہ چھوڑ دونگا۔

اور مریض کی طرف سے یہ بھی وعدہ کیا جائے کہ اگر جلد صحت ہوگئی تب بھی آپکو پوری رقم دی جائیگی، اور یہ دونوں طرف کے وعدے لازم ہونگے۔ کما قال الفقہاء فی البیع بشرط الوفاء۔ اور اگر درمیان میں طبیب علاج چھوڑ دے یا مریض چھوڑ دے تو جتنی مدت تک علاج ہو لیے اسکا معاوضہ حساب سے لازم ہے، یعنی اگر اس مدت کے آٹھویں حصّہ سے قبل علاج چھوٹ گیا ہے تو حساب کرکے باقی رقم واپس کی جائے، اور اگر مدت سے آٹھویں حصہ سے زائد مدت تک علاج ہوچکا ہے تو زائد معاوضہ مریض کے ذمہ واجب ہوگا۔ البتہ اگر کوئی خاص وعدہ ہو جائے تو اسکے موافق عمل ہوگا۔

یہ صورت قواعد سے لکھی ہے، اس لئے دوسرے علماء سے بھی اسکا حکم دریافت کرلیا جائے اور جو جواب ملے اس سے ہمیں بھی مطلع کریں۔

کتبہ الأحقر عبد الکریم عفی عنہ
از خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون
مؤرخہ ۱۰ ربیع الثانی ۱۳۵۲ھ

اوقات درس میں طالب علم حاضر نہ ہوں یا تکرار میں مشغول ہوں تو اس وقت مدرس اپنی تلاوت کرسکتا ہے یا نہیں ؟	سوال :- اگر مدرس مدرسہ کے وقت میں جبکہ طالب علم نہ آئے ہوں۔ اپنا قرآن پڑھ سکتا ہے یا نہیں ؟

سائل ....

الجواب

ہاں اسوقت پڑھ سکتا ہے۔

ظفر احمد عفا اللہ عنہ
۲۸ رمضان ۴۸ھ

بقیہ سوال :- یا آئے ہوں تو اپنا پچھلا سبق یاد کر رہے ہوں یا پڑھا چکا ہو، تو اپنے کلام مجید کی تلاوت کرنا جائز ہے یا نہیں۔

جواب ... نہیں، بلکہ اس وقت کو طلبہ کی نگرانی میں صرف کرنا چاہئے جو بچے پڑھنے میں کمزور ہوں ان کو اپنے سامنے سبق یاد کرائے۔

ظفر احمد عفا اللہ عنہ
تاریخ بالا

ختم قرآن پر اجرت لینا جائز نہیں ہے

سوال :- گذارش یہ ہے کہ ہمارے مشرقی بنگالیوں کا یہ معمول ہے کہ کسی مردے کے ایصال ثواب کیلئے علماء و قاریوں و ملاؤں کی دعوت کر کے ختم قرآن مجید کرتے ہیں، اور بغیر کسی اجرت کے کے ان کو دو تین یا پانچ روپے تک دیتے ہیں۔ لھٰذا اس صورت سے ختم قرآن مجید کرانا، یا ملاؤں کو بقدر مذکور دینا جائز ہے یا نہیں؟

سائل : عبد المالک
پوسٹ کچوا بازار، دولت پور۔ نوا کھالی

الجواب

جائز نہیں بلکہ اس سے بہتر یہ ہے کہ خود تین بار قل ھو اللہ پڑھ دے۔

۲۸ رمضان المبارک ۱۳۴۸ھ

نکاح خوانی اور طلاق رجسٹری کا پیشہ اختیار کرنا اور اسکی آمدنی کا حکم

سوال :- نکاح و طلاق رجسٹری کیلئے گورنمنٹ کی طرف سے ایک قاضی مقرر ہوتا ہے، اور فی دلیل کابین نامہ یا طلاق نامہ رجسٹری کرنے میں ایک روپیہ لینے کا حکم ہوتا ہے۔ تنخواہ ماہواری کچھ مقرر نہیں، مگر نذرانہ کچھ لینے کی اجازت ہے، اگر ناکح یا مطلق بخوشی دیں۔ اب قاضئ مذکور بحکم سرکار یہ روپیہ تو لیتے ہی ہیں، پھر کچھ زائد روپیہ بھی

لیتا ہے، چنانچہ فی دلیل نکاح کی پانچ سو سے کم مہر میں دو روپیہ گیارہ آنہ، اور طلاق کی فی دلیل تین روپیہ گیارہ آنہ، اب اس صورت میں یہ قاضی گیری پیشہ شرعاً روا ہے یا نہیں؟ اور روپیہ اسکے لئے حلال ہے یا حرام؟

سائل بالا ــــــ

الجواب

لیکن اگر قاضی صاحب ایک ہی روپیہ میں دلیل نکاح وطلاق کی رجسٹری کر دیں تو کوئی بھی انکو خوشی سے ایک پیسہ زیادہ نہ دیں گے، لوگ زیادہ جب ہی دیتے ہیں جبکہ یہ ایک روپیہ میں رجسٹری نکاح نہیں کرتے، پس یہ جبر ہوا، اور جبر جائز نہیں، یہ حکم تو اس صورت میں ہے جبکہ گورنمنٹ کے مقرر کردہ اجر پر عمل کیا جائے پھر زیادہ لیا جائے، اور اگر نکاح وطلاق والوں سے پہلے ہی کہدیا جاتے کہ میں گورنمنٹ کے مقرر کردہ اجر پر رجسٹری نہ کروں گا، بلکہ زیادہ لونگا، اور زیادہ بھی عمل سے پہلے معین کر دیا جائے تو یہ زیادت جائز ہے۔ واللہ اعلم

ظفر احمد عفاعنہ
از تھانہ بھون
۱۷ ارشوال ۱۳۴۸ھ

وصولیابی قرض کی خاطر سابق ملازم مدرسہ کی ملازمت بحال کرنا

سوال:۔ .... زید عرصۂ دراز تک ایک دینی واسلامی مدرسہ کی ذمہ دارانہ خدمت انجام دے چکا ہے، اور کچھ عرصے اپنی ذاتی مشکلات کی بنا پر مدرسہ سے علیحدہ ہو کر زید نے دوسرا سلسلۂ معاش اختیار کر لیا، لیکن اس میں ترقی نہ ہوئی اور وہ ناکام رہا، زید ملازمت مدرسہ کے زمانہ سے مدرسہ کا مقروض ہے، اور اسکی ادائیگی باوجود کوشش کے نہ ہو سکی، اور نہ اب اسکی موجودہ حالت اس قابل ہے کہ وہ اس قرض کو ادا کر سکے، لیکن اسکی دلی خواہش یہ ہے کہ وہ اس عذاب الدین سے جلد سے جلد بری ہو جائے۔ جس کی صورت اسکے سوا کچھ نہیں کہ زید بدستور سابق مدرسہ کی خدمت انجام دیکر حق الخدمت قرضہ میں محسوب کرائے، نیز وہ یہ بھی کہتا ہے کہ میں اس کام کو نسبتاً دوسرے کی تنخواہ سے کم میں محض ادائیگی قرض کی بنا پر کرنے کیلئے

تیار ہوں، حالانکہ اس صورت میں زید کا مالی نقصان ہے۔ تو اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ ایسی حالت میں جبکہ مدرسہ کی تخفیف مصارف پر بھی نظر ہے کارپردازان مدرسہ کو کیا کرنا چاہئے؟ اور زید کا یہ خیال اس حالت میں کہ بارعظیم سے ہمیشہ کیلئے نجات ملتی ہو مستحسن ہے یا نہیں؟

عبدالرشید

خطیب جامع مسجد۔ صدر میرٹھ

الجواب

جب اہل مدرسہ کو اس شخص سے قرض مدرسہ کی وصولیابی کی اور کسی صورت سے امید نہیں، اور یہ شخص مدرسہ کی خدمت کرنے کا اھل ہے تو یہ صورت جائز ہے کہ اس شخص کو مدرسہ کی کسی خدمت[ع] پر مقرر کر لیا جائے، اور اس خدمت کے مناسب اسکی تنخواہ مقرر کر دی جائے، دوسرے لوگوں سے کم تنخواہ مقرر کرنے کی ضرورت نہیں بلکہ جتنی تنخواہ دوسروں کو دی جاتی ہے وہی اسکو دی جائے، اور اسکی تنخواہ میں سے جزو یا کل قرضہ میں ہر مہینہ اس سے بعد القبض لے لیا جائے، تو یہ شخص قرض مدرسہ سے سبکدوش ہو جائیگا، اور مدرسہ کو بھی فائدہ ہوگا مگر یہ امر ضروری ہے کہ ہر مہینہ اس شخص کو پوری تنخواہ دیکر پھر کہا جائے کہ اس میں سے کل یا بعض قرض مدرسہ میں ادا کرو! بدون تنخواہ دیئے اور تنخواہ پر قبضہ کرائے ہوئے تنخواہ وضع نہ کی جائے کہ اس شخص کے سبکدوش ہونے میں شبہ[ع] رہے گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

ظفر احمد عفا اللہ عنہ، از تھانہ بھون

۱۷ ر شوال ۱۳۴۸ھ

ع بشرطیکہ مدرسہ کو اسکی خدمت کی ضرورت ہو، محض اسکی اعانت سے کام ایجاد نہ کیا جائے ۱۲ ظ

ع اور یہ شبہ اس صورت میں ہوگا جبکہ اس شخص کو یہ کہکر رکھا جائے کہ تم قرض مدرسہ کے معاوضہ میں اتنی مدت تک مدرسہ کی خدمت کرو! اس صورت میں خدمت کو قرض کا عوض بنانا لازم آتا ہے۔ اور منافع مال متقوم نہیں، اور اگر یہ کہکر رکھا جائے کہ تم اس تنخواہ پہ اتنی مدت تک مدرسہ کا کام کرو، تمہاری تنخواہ سے مدرسہ کا قرض وصول کیا جائیگا تو شبہ نہیں، خواہ اسکے قبضہ کے بعد تنخواہ وضع کی جائے، یا بدون قبضہ کے ۱ھ ظ

فصل ہی کا ایک حصہ کٹائی کی اجرت میں دینا | سوال :۔ جناب حضرت مولانا صاحب!
اگر کوئی شخص اپنی تین یا چار کیار زمین ایک مزدور سے اس شرط پر کٹوائے کہ یہ تین یہ چار کیار زمین کاٹ دو، تو میں تم کو ایک کیار ان سب کے علاوہ دوں گا یہ جائز ہے یا نہیں؟ ہمارے دیس میں یہ رواج ہے کہ مزدور سے دھان کٹوا کے اسی مزدور کی کٹی ہوئی دھان سے کچھ دیدیتے ہیں، اسکی جواز کی کوئی صورت ہے یا نہیں؟

الجواب

پہلی صورت جائز ہے بشرطیکہ وہ کیار جو معاوضہ میں اسکو دیا جائے گا عقد اجارہ کے وقت اسکو دکھلا دیا جائے، ورنہ اجر مجہول ہو گا۔ اور اجارہ فاسد ہو گا نیز جو کیار مزدور کو دیا جائے، اسکے کاٹنے کی شرط مزدور سے نہ کی جائے۔ اگر مزدور بعد عمل کے اسکو نہ کاٹے تو مالک کو کاٹ کر دینا لازم ہو گا۔

(۲) یہ بھی جائز ہے جبکہ ہر مزدور سے عقد کے وقت یہ کہدیا جائے کہ ہم کو اختیار ہو گا خواہ تمہارے کاٹے ہوئے دیں یا دوسرے مزدور کے کٹے ہوتے سے۔ واللہ اعلم

ظفر احمد عفا عنہ
از تھانہ بھون
۲۲ر شوال ۱۳۴۸ھ

اس شرط پر جانور کا بچہ پرورش کے لئے دینا کہ جب بڑا ہوگا فروخت کر کے قیمت نصفا نصف تقسیم کرلیں گے۔

سوال: گائے یا بھینس کا بچہ کسی کو اس شرط پر پرورش کے لئے دینا کہ جب یہ بچہ تمہاری پرورش میں بڑا ہوگا تو اس کو بیچ کر جو قیمت آئے گی۔ وہ نصف نصف تقسیم کرلیں گے۔ یعنی آپ کو پرورش کے عوض میں نصف قیمت ملے گی۔ اور اگر یہ بچہ بڑا ہونے سے پہلے ہی مرجائے تو ہمارا کچھ نہیں۔ یہ درست ہے یا نہیں؟

الجواب

یہ صورت حنفیہؒ کے نزدیک جائز نہیں، یہ اجارہ فاسد ہے، پرورش کرنے والے کو اجر مثل عمل کا استحقاق ہوگا، جانور میں کچھ حق نہ ہوگا۔ وجہ الفساد جہالۃ الأجر والعمل۔ واللہ اعلم

ظفر احمد عفی عنہ

از خانقاہ امدادیہ

تھانہ بھون۔ ۲۰ محرم ۱۳۴۹ھ

داخلہ اور ماہواری فیس لینا

سوال: مدارس میں فیس داخلہ اور فیس ماہواری طلبہ سے لینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

جائز ہے، کیونکہ یہ اجرت نہیں بلکہ چندہ ہے اور چندہ میں شرط جائز ہے کیونکہ اس سے جبر لازم نہیں آتا جس کو شرط منظور نہ ہوگی۔ اس کو عدم داخلہ کا اختیار ہوگا۔

ودلیہ انہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لمن أضافہ: "وعائشةؓ؟" قال لا، قال: فلا إذن، حتی قال فی الثالثة: وعائشة، قال فنعم!

واللہ اعلم بالصواب

۱۰ ربیع الثانی ۱۳۵۷ھ

کتاب الودیعۃ والعاریۃ

امانت کا حکم جبکہ اس کا رکھوانے والا غائب ہو جائے

سوال: ایک شخص کی امانت میرے پاس موجود ہے اور اس شخص کا کچھ پتہ نہیں، میں نے اپنی رای میں اس امانت کی اہمیت کی نسبت سے کافی تحقیق اس شخص کی کی مگر نہ تو اس کا اور نہ اس کے ورثاء کا کچھ پتہ ملا، اب اس امانت کو کیا کروں، اور اس بارے کس طرح سبکدوش ہوں، انتظار کی بھی حد گذر گئی۔ بظاہر کوئی صورت اس شخص کے پتہ ملنے کی نہیں معلوم ہوتی امید ہے کہ خالصاً للہ شرعی حکم سے مطلع کیا جاؤں گا۔ جزاکم اللہ احسن الجزاء

الجواب

اس صورت میں اگر وہ مال دو درہم کی مقدار سے کم ہے تب تو لقطہ کے حکم میں ہے اور اگر زیادہ کا ہے تو بیت المال کا حق ہے بشرطیکہ کئی برس تک اس امانت والے کی اور اس کے ورثاء کی کافی تحقیق ہو گئی ہو، اور پتہ نہ ملا ہو، اور آج کل مدارس اسلامیہ کا حکم مثل بیت المال کے ہے، اور اگر سائل صدقہ کا مصرف ہو تو وہ خود بھی صرف کر سکتا ہے۔ وفی الحاوی: غریب مات فی بیت انسان ولم یعرف وارثہ، فترکتہ لقطۃ، ما لم یکن کثیرًا، فلبیت المال بعد الفحص عن ورثتہ سنین، فان لم یجدھم فلہ لو مصرفًا اھ، (درمختار ج ۲ ص ۴۹۹)

حررہٗ ظفر احمد

۲ ر صفر ۱۳۴۰ھ

حکم امانت مفقود

سوال: منشی .... صاحب مرحوم کے پاس زید مسمّٰی .... بعمر بیس سال کچھ روپیہ نقد امانۃً رکھ کر مفقود الخبر ہوگیا، کہ جس کو مفقود ہوئے بھی اغلب پچیس سال کا عرصہ ہوگیا اور آج تک مفقود کا کچھ پتہ ونشان معلوم نہیں ہوا، اور نہ اس کا کوئی خط وغیرہ تاریخ مفقود سے اس کے ورثاء کے پاس آج تک آیا، واللہ اعلم کہ مفقود زندہ بھی ہے یا فوت ہوگیا ہے، بوقت سپردگی امانت منشی صاحب مرحوم نے مفقود سے سپردگی امانت سے ہر چند انکار کیا اور کہا کہ ہمارے پاس تمہارا روپیہ صرف ہوجائے گا، اور عند الطلب روپیہ ہمارے پاس موجود نہ ہوا تو تمہارا بھی نقصان ہوگا، اور ہم کو بھی خفت ہوگی۔ لہٰذا تم یہ امانت کسی اور معتمد کو سپرد کردو، کو بدین وجہ سپردگی امانت سے انکار ہے، لیکن چونکہ مفقود کو بجز منشی صاحب مرحوم کے سپردگی امانت سے کسی اور پر اعتماد نہ تھا لہٰذا مفقود نے منظور نہ کیا، بجواب منشی صاحب مرحوم عرض کیا کہ میں بوقت ضرورت روپیہ آپ کو اپنے خرچ میں لانے کی بخوشی اجازت دیتا ہوں، اور جب کبھی میں آؤں گا اور مجھ کو روپیہ کی ضرورت ہوگی، اور آپ کے پاس روپیہ موجود بھی ہوگا تو لے لوں گا۔ ورنہ نہیں۔ چنانچہ ایک وقت منشی صاحب مرحوم کو کچھ باہمی تنازعات مکان مسکونہ کی وجہ سے کچھ روپیہ کی ضرورت پڑی، تو منشی صاحب مرحوم نے کچھ روپیہ اپنا فراہم کرکے اور بقیہ کی کمی کو امانت کے روپیہ سے کچھ حصہ مکان متنازعہ فیہ کا خرید کر بعینامہ اپنے فرزندوں کے نام کرادیا، اور تنازعہ فیما بین رفع کرالیا، اب دریافت طلب امور یہ ہیں کہ منشی صاحب مرحوم کی زوجہ اور تین فرزند اُن کے مال سے ورثاء شرعی قرار پائے کہ جو اس وقت موجود ہیں، اور منشی صاحب بوقت رخصتی دار آخرت ان چاروں ورثاء موجود سے کسی کو بابت روپیۂ امانت کچھ وصیت نہ کرسکے۔ اور فوت ہوچکے، اور یہ واقعہ امانت ان چاروں ورثہ کو معلوم وتسلیم ہے۔ آیا اس کے ادا کرنے کی کیا صورت ہے، مفقود کے ورثاء شرعی کو یہ روپیہ از روئے فرائض بحصہ رسد تقسیم کردیا جائے تو منشی صاحب مرحوم اس بارگراں سے سبکدوش ہوسکتے ہیں یا نہیں، اور روز آخرت میں منشی صاحب مرحوم سے اس کا مطالبہ تو نہ ہوگا۔

جواب باصواب سے للہ سرفراز وممنون فرمائیے۔

المستفتی: محمد رفیع اللہ غفرلہ

الجواب

صورت مسئولہ میں مفقود کی رقم منشی صاحب مرحوم پر قرض ہے (لأن قولہ "بوقت ضرورت بخوشی خرچ کرنے کی اجازت دیتا ہوں، لیس بھبة، بل ودیعة إذن تصرفه فیه) پس ورثاء منشی صاحب کو چاہیئے کہ اس رقم کو ورثاء مفقود میں سے کسی امانت دار شخص کے پاس امانت رکھ دیں۔ اور ایک کاغذ باقاعدہ لکھ کر ورثاء مفقود کے دستخط اس پر کرالیں کہ مفقود کی اتنی رقم اس کے ورثاء میں سے فلاں شخص کے پاس امانت رکھی گئی ہے، اس طرح منشی صاحب مرحوم اس بار قرض سے سبکدوش ہوجائیں گے۔ اور ورثاء مفقود کو اس رقم کا ابھی تقسیم کرلینا جائز نہیں۔ بلکہ جب مفقود کے سب ہم عمر مرجائیں، یا مفقود کی عمر نوے ۹۰ سال ہوجائے، اس وقت ورثاء جو موجود ہوں وہ کسی عالم کے فتوی کے مطابق عمل کریں بلکہ اس کاغذ میں یہ حکم بھی لکھ دیا جائے کہ یہ رقم اتنی مدت تک امانت رکھی جائے اس کے بعد کسی عالم کے فتوی کے مطابق عمل کیا جائے۔

حررہ الاحقر ظفر عفا اللہ عنہ
۱۰ر شعبان ۱۳۴۴ھ

بغیر کچھ کہے سامنے کوئی چیز کسی نے رکھ دی اور وہ ضائع ہوگئی تو اس پر ضمان لازم نہیں

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ مولوی سید محمود الحق صاحب وکیل ہردوی کی تحویل میں سے ان کے محرراول میں سے منشی سید ظفریاب علی صاحب نے ایک نوٹ قیمتی دس۱۰ روپیہ کا یہ کہہ کر امجد علی کے پاس تخت پر ڈال دیا کہ اس کے روپیہ درکار ہیں۔ مگر امجد علی کے ہاتھ میں نہیں دیا امجد علی تخت پر بیٹھا ہوا اپنا موزہ سی رہا تھا، امجد علی نے کچھ توجہ کی، تھوڑی دیر کے بعد امجد علی نے جب وہ موزہ سی چکا، دریافت کیا کہ نوٹ اٹھالیا تھا؟ منشی ظفریاب علی صاحب نے جواب دیا کہ میں نے نہیں اٹھایا، میں تم سے لوں گا، امجد علی صاحب نے اِدھر اُدھر تلاش کیا مگر کہیں پتہ نہیں چلا اس تخت پر ایک اجنبی

شخص بھی بیٹھا ہوا تھا، اور منشی ظفریاب علی صاحب بھی ادھر بیٹھے تھے، جب نوٹ نہیں ملا تو میں فوراً اس اجنبی شخص کو ڈھونڈ کر مکان تک لایا، اور اس سے کہا، اس نے اپنے کپڑے اور رضائی وغیرہ دکھلائی مگر نوٹ نہیں نکلا، اس کے بعد جب وہ چلا گیا، تو پھر تلاش کیا مگر نہیں ملا، امجد علی و ظفریاب علی صاحب دونوں کا گمان غالب یہ ہے، کہ نوٹ وہ اجنبی شخص لے گیا، امجد علی نے بدرجۂ مجبوری مایوس ہو کر اپنی بیوی کے جہانجھ دس روپیہ پر گرو کر کے منشی سید ظفریاب علی صاحب نے ان روپوں کو قبول کر کے رکھ لئے، اس حالت میں شرع شریف کا کیا حکم ہے؟ آیا وہ روپیہ امجد علی کو دینا چاہئے تھا یا نہیں؟ میں بھی مولوی سید محمود الحق صاحب کے پاس نائب محرری کا کام کرتا ہوں۔

آپ کا خادم امجد علی خان

از ہردوئی

۱۳ر رمضان المبارک ۴۶ھ

الجواب

سوال سے بظاہر یہ مفہوم ہوتا ہے کہ جس وقت ظفریاب علی صاحب نے تخت پر نوٹ ڈالا، اس وقت امجد علی نے زبان سے کچھ نہیں کہا، نہ یہ کہا اچھا دیتا ہوں، نہ یہ کہا کہ رکھ دو! تو اگر واقعہ یہی ہے کہ امجد نے زبان سے کچھ نہیں کہا تو یہ نوٹ ظفریاب علی کا گیا امجد علی کا نہیں گیا، اور اس صورت میں ظفریاب علی کا امجد علی سے تاوان لینا درست نہیں، اور اس تاوان کو واپس کرنا اس پر واجب ہے اور اگر امجد علی نے تخت پر نوٹ ڈالنے کے وقت زبان سے کچھ کہا تھا تو سوال دوبارہ کیا جائے، اور بتلایا جائے کہ اس نے زبان سے کیا کہا تھا۔ فقط

ظفر احمد عفا عنہ

از خانقاہ امدادیہ اشرفیہ

۱۹ر رمضان ۱۳۴۶ھ

امانت میں قلت احتیاط موجب ضمان ہے سوال: کیا فرماتے ہیں

علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید عمرو کے پاس امانت رکھا کرتا تھا، اب عمرو کے پاس زید کی امانت مبلغ تین سو پچیس روپیہ تھے۔ رمضان شریف میں زید نے ایک سو پچاس روپے طلب کئے، عمرو نے تھیلی باہر نکالی جن میں سے زید کو حسب ضرورت ایک سو پچاس روپیہ دو تین بار گن کر دے دیئے، اور کہا کہ اب تمہارے دو سو پانچ روپیہ رہ گئے، چنانچہ زید ایک سو پچاس روپیہ لے کر اور سو سو کے دو نوٹ اور پانچ روپیہ عمرو کے پاس باقی رکھ کر چلا گیا، اس کے بعد عمرو نے تھیلی اس جگہ رکھی جہاں سے نوٹ چوہے لے جا سکتے تھے، اور عمرو کے ملازم بھی وہاں آتے جاتے تھے، دس بارہ روز کے بعد عمرو کے لڑکے کی نظر اس تھیلی پر پڑی۔ اور یہ دیکھا کہ تھیلی باندھی ہوئی نہیں ہے بلکہ کھلی ہوتی ہے۔ تھیلی کو غیر محفوظ حالت میں دیکھ کر اس نے تھیلی کو اٹھایا تو اس میں صرف پانچ روپیہ تھے، بعد کو عمرو کے لڑکے نے عمرو سے کہا کہ تھیلی میں صرف پانچ روپیہ ہیں، جس پر عمرو نے زید سے دریافت کیا، زید نے کہا کہ مجھے بخوبی یاد ہے کہ دو نوٹ سو سو کے، اور پانچ روپیہ تمہارے پاس چھوڑ گیا ہوں، عمرو نے کوٹری میں نوٹوں کو دیکھا بھالا نوٹوں کو نہ پایا، اب عمرو زید سے کہتا ہے کہ تم بھول گئے ہو، میں تم کو دے چکا ہوں، عمرو کے پاس کوئی شہادت دو سو روپیہ کے دینے کی نہیں ہے۔ اور زید بھی دو سو پانچ روپیہ باقی رہنے کی شہادت پیش نہیں کرتا صورت مذکورۂ بالا میں دو سو روپیہ عمرو کے ذمہ عائد ہوتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب

صورت مسئلہ میں عمرو کی قلت احتیاط ظاہر ہے۔ پس اگر عمرو اپنی قلت احتیاط کا اقرار کرے، یعنی اس کو قبول کرے کہ میں نے تھیلی ایسی جگہ رکھی تھی جہاں سے چوہے نوٹ لے جا سکتے تھے، اور عمرو کے ملازم بھی وہاں آتے جاتے تھے اور یہ بھی تسلیم کرے کہ میرے پاس دو سو پانچ روپئے رہ گئے تھے تو اس کے ذمہ ضمان واجب ہے اور اگر وہ ان دونوں میں سے کسی ایک کا انکار کرے، تو عمرو کے ذمہ قسم ہے، اگر وہ قسم کھائے تو اس کے ذمہ ضمان نہیں، اور یہ قسم مجلس حکم میں ہونی چاہیئے۔

ففی الحامدیة، سئل فیما إذا دفع زید لعمرو صدر نحاس

ليبيعه له، فعرضه على البيع، فلم يشتره أحد، فرده عمرو على زيد ثم جحد زيد وصوله من عمرو، فهل يقبل قول عمرو بيمينه؟
الجواب نعم! لأنه أمين، والقول للأمين مع اليمين، إلا إذا كذبه الظاهر، وفى الأشباه، كل أمين ادعى ايصال الأمانة إلى أهلها، قبل قوله، كالمودع إذا ادعى الرد، والوكيل والناظر ومثله فى تنوير الأبصار اهـ (ج ٢ ص ٧٩)

قلت: ومثله إذا ادعى الأمين الحفظ، ورب المال عدم حفظه فالقول للأمين، لأن الظاهر معه ويستحلف والله اعلم،

وفيه ايضاً، رجل اودع عند رجل صرة من المال غالية الثمن فوضعها المودع فى اصطبل دار فسرقت، هل يضمنها أولا؟
والجواب مبنى على معرفة الحرز، ففى البزازية، ولو قال وضعتها بين يدى وقمت ونسيتها، فضاعت، يضمن۔ ولو قال: وضعتها بين يدى فى دارى، والمسئلة بحالها، إن مما لا يحفظ فى عرصة الدار كصرة النقدين، يضمن۔ ولو كانت مما يعد عرصتها حصناله لايضمن اهـ ومثله فى الخلاصة والتاترخانية وغيرهما، وظاهره أنه لايجب حرز كل شيئ فى حرز مثله اهـ (ج ٢ ص ٧٥)

قلت: والمكان الذى يدخل فيه الغلمان والخدم ليس بحرز لصرة النقدين إذا كانت بمرأى منه غير مقفلة فى صندوق ونحوه كما هو المعروف۔ والله اعلم

حرره الاحقر ظفر احمد عفا الله عنه
از تهانه بهون
۱۶ ذیقعدہ ۱۳۴۶ھ

مودِع مفقود کی ودیعت کا حکم

سوال: عرصہ ایک سال سے زیادہ ہوگیا ہے کہ خاکسار کا سالہ ایک بکرا

خرید کر اس وجہ سے کہ اس کے تیار ہو جانے پر بنام خدا مسکینوں کو کھلا دیا جائے گا لیکن وہ بکرے کو ہمارے پاس چھوڑ کر چلا گیا، اور ابھی تک کچھ اس کا پتہ نہیں اور بکرا قابل قربانی ہوگیا ہے۔ اس کی نگرانی ہمارے لئے مشکل ہو رہی ہے عجب نہیں کسی کا نقصان کرے، اور کوئی مار دے یا کہیں گم ہو جائے، بدین خیال جناب والا کی خدمت میں التماس ہے کہ اس کے متعلق ہم کو کیا کرنا چاہیئے، جیسا آپ حکم فرمائیں گے، وہی عمل میں لاؤں گا۔ کیونکہ وہ تین چار ماہ کے لئے کہہ کر گیا تھا، اور اب اس سے سال بھر سے بھی زائد ہوگیا، وہ لاپتہ ہے۔

ازسائل:۔ ابراہیم عرف کھیسٹا
بہشتی محلہ کوٹ، ازیلول
ضلع گوڑگانوہ

الجواب

فی العالمگیریة (ج ۵ ص۲۲۰) وان کانت الودیعة شیأً لا یمکن أن یؤاجر، فالقاضی یأمرہ بأن ینفق من ماله یوماً أو یومین، اوثلاثة رجاء أن یحضر المالك، ولا یأمرہ بالانفاق زیادة علی ذلك۔ بلی ایأمرہ بالبیع وامساك الثمن اھ

وفی دیارنا لا یمکن الرفع إلی القاضی، فجماعة المسلمین قائمة مقامه۔

اس سے معلوم ہوا کہ صورت مسئولہ میں بکرے کو فروخت کر کے اس کی قیمت امانت میں رکھنی چاہیئے، مگر خود تنہا فروخت نہ کرے، بلکہ چند معتبر مسلمانوں کی رائے سے فروخت کرے۔

واللہ اعلم
احقر عبد الکریم عفی عنه
از خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون
مورخہ ۷ ربیع الثانی ۱۳۵۰ھ

کتاب الغصب

زمین مغصوب کا حکم اور غاصب پر حج اور زکوٰۃ فرض ہونے کا بیان

سوال :- اگر کسی کے باپ دادا نے غصبی روپیہ کی جائیداد خریدی، اور اس جائیداد کی وجہ سے وہ مالدار چلا آتا ہے۔
آیا ایسے شخص کے اوپر زکوٰۃ یا حج یا قربانی وغیرہ واجب ہوں گے یا نہیں؟ اور ایسی جائیداد سے خود آپ یا اپنے لڑکے بالغ یا اور کسی یگانے بیگانے کی دعوت کرسکتا ہے یا نہیں؟ اور بعض لکھتے ہیں کہ ملکیت ہوجانے سے حرمت حلت سے مبدل ہوجاتی ہے، مگر میری سمجھ میں نہیں آتا، امید ہے کہ آپ اس مسئلہ کو بہت اچھی طرح سے بحوالہ دلائل تصدیر فرمائیں گے؟

از سائل محمد شمس الدین عفی عنہ

الجواب

اگر اس نے دوسرے کی زمین غصب کی ہو تب تو وہ اس زمین سے مالدار نہیں ہوسکتا، لیکن زمین مغصوبہ میں غاصب جو کچھ کاشت وغیرہ کرے گا، وہ کھیتی اور اس کا منافع غاصب کی ملک ہے گو ملک خبیث ہے، اگر کھیتی اور پیداوار کی آمدنی مقدار زکوٰۃ اور مقدار حج کو پہنچ جائے گی، تو اس کے ذمہ زکوٰۃ و حج سب فرض ہے اور زمین مغصوب منہ کی ملک ہے اور غاصب کے ذمہ اس زمین کے استعمال کرنے کی اجرت واجب ہے، یعنی عرفاً جس قدر لگان کاشتکاروں سے زمیندار لیا کرتے ہیں۔ وہ اس کو دینا واجب ہے، نیز اس سے معافی چاہنا بھی واجب ہے۔ کیونکہ اس نے بدون اجازت کے اس کی زمین کو استعمال کیا، جب تک غاصب ایسا نہ کرے دوسروں کو اس کی آمدنی سے دعوت قبول کرنا حرام ہے، اور اگر غاصب نے زمین غصب نہیں کی بلکہ روپیہ غصب کیا، اور اس روپیہ سے زمین خریدلی، تو یہ زمین غاصب ہی کی ملک ہے، روپیہ والے کی ملک نہیں، لیکن جب تک غاصب

مغصوب منہ کا روپیہ ادا نہ کرے اس وقت تک زمین اس کی ملکیت خبیث ہے، لیکن جب یہ زمین کا مالک ہے تو اس پر اس کی آمدنی میں زکوٰۃ و حج وغیرہ کی فرضیت ضرور ہوگی (بشرطیکہ آمدنی اس قدر ہوجائے کہ مغصوب منہ کی رقم ادا کرنے کے بعد بھی مقدار نصاب مقدار حج باقی رہے) اس صورت میں غاصب کے ذمہ مغصوب منہ کا روپیہ ادا کرنا واجب ہے اور وہ روپیہ اس کے ذمہ قرض ہے۔ زمین میں مغصوب منہ کا کوئی حق نہیں، زمین غاصب ہی کی ملکیت ہے، لیکن اگر غاصب اس کا روپیہ ادا نہ کرے تو وہ بعد حکم حاکم کے زمین بھی اپنے روپیہ کے معاوضہ میں لے سکتا ہے۔

یہ تو ملکیت کا حکم تھا۔ رہا دوسروں کا اس کے یہاں کھانا کھانا، دعوت قبول کرنا، اس کا حکم یہ ہے کہ اگر غاصب کی آمدنی اسی زمین سے ہے جس کو اس نے غصب کے روپئے سے خریدی ہے تب تو لوگوں کو اس کا کھانا کھانا حرام ہے، اور اگر دوسری آمدنی بھی ہے اور حلال آمدنی حرام آمدنی پر غالب ہے، تو دعوت قبول کرنا فتوی سے جائز ہے، مگر تقویٰ کے خلاف ہے، جب تک یہ شخص غصب کو واپس نہ کردے۔

واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ

۷ر شوال سنہ ۱۳۴۰ھ

موروثی زمین کا حکم

سوال :- زید کے پردادا کے وقت سے ایک زمین موروثی ہے۔ لیکن یہ علم نہیں ہے کہ زید کے پردادا نے مالکان زمین کی رضامندی سے یا بارہ سال کے بعد، یا کچھ رقم ادا کرکے موروثی کیا، اور نہ یہ معلوم ہے، کہ پیشتر یہ زمین اہل ہنود کے قبضہ میں تھی یا مسلمانوں کی تھی، فی الحال زمین مذکورہ اہل ہنود کے قبضہ میں ہے، اب زید کو زمین مذکورہ بالا کی پیداوار جائز ہے یا نہیں، اور اس زمین کی پیداوار اس قدر نہیں ہے کہ زید کے اخراجات کو بخوبی سرانجام دے سکے، بلکہ زید امامت کرتا ہے تب بسراوقات ہوتا ہے۔

آپ کا خادم : محمد حنیف راجپور

دہرہ دون۔

الجواب

صورت مذکورہ میں جب یہ معلوم ہے کہ زمین موروثی ہے، خواہ وہ کسی طرح موروثی ہوئی ہو، بہرحال زید کو اس پر قبضہ موروثی رکھنا جائز نہیں، اور اس کی پیداوار خبث وکراہت سے خالی نہیں، زید کو قبضۂ موروثی سے استعفاء دیدینا لازم ہے۔ پھر مالک کی رضا وخوشی سے ازسرنو زمین کو کاشت پر لے سکتا ہے۔

واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ

از خانقاہ امدادیہ اشرفیہ تھانہ بھون

۵ / ربیع الثانی ۱۳۴۵ھ

حکم وراثت اولاد غاصب در ترکہ مغصوب منہ

سوال: ....

مسماۃ حسینی دختر اور چار پسر، مظہر علی خان صاحب نے وارث چھوڑا ہے مگر جائیداد متروکہ مظہر علی خان سب کی سب چاروں بھائیوں نے لیلی بہن کو کچھ نہیں دیا، بعدہٗ وہ سب جائیداد معہ حصہ مسماۃ حسینی کے بھائیوں، بھتیجوں کے قرض میں نیلام ہوگئی، نیلام ہوجانے کے بعد مسماۃ حسینی نے خریداران نیلام سے مقدمات لڑوا کر کچھ جائیداد اپنے حصہ کی نکالی، جو تقریباً نصف حصہ کے قریب ہوگئی، یعنی جتنا حصہ مسماۃ حسینی کو شرعاً اپنے باپ سے ملتا اس سے نصف کے قریب اب دو ہزار روپیہ خرچ کرکے ملا ہے۔ اور نصف سے زائد جائیداد جو بھائیوں، بھتیجوں کے قرضے میں نیلام ہوگئی اور جس کو مسماۃ حسینی نے واپس نہ لیئے اس سے مسماۃ حسینی اور اس کی اولاد محروم رہ گئے، مسماۃ حسینی کے انتقال کو تقریباً باون ۵۲ سال ہوگئے، بروقت انتقال اس کی ایک لڑکی مسماۃ سکینہ اور پانچ بھتیجے باقی تھے، علاوہ مواضعات کے باغات ومکانات وجائید غیر منقولہ سے بھی مسماۃ حسینی کو بھائیوں نے حصہ نہیں دیا، اور وہ تقریباً کل بھائیوں، بھتیجوں کے قبضہ میں رہا، اور کچھ اب بھی ہے اب ۵۲ سال کے بعد بھتیجوں سے ورثاء دعویدار ہیں کہ اس بقیہ جائیداد میں بھی جو نصف حصہ سے کم مسماۃ حسینی نے خریداران نیلام سے مقدمات لڑوا کر واپس کرایا تھا، اور وہ ان کی لڑکی مسماۃ

حسینی کے ورثاء کے قبضہ میں ہے، نصف کے ہم مالک ہیں، اور اس جائیداد کا زیادہ حصہ مسماۃ حسینی بیگم نے اپنی زندگی میں حاجی محمد فضل حق صاحب مرحوم کے نام رہن لکھدیا تھا پس از روئے شرع شریف کے یہ کہنا ان کا صحیح ہے یا نہیں؟ آیا جو نصف سے زائد ان کے قبضہ میں پہنچ چکی ہے، اور ان کے قرضوں میں نیلام ہوچکی ہے۔ اور کچھ اب تک ان کے قبضہ میں ہے۔ اس کے علاوہ اس نصف سے کم حصہ میں سے جس کا زیادہ حصہ رہن ہے، اور جو مسماۃ حسینی لڑکی مسماۃ سکینہ کے ورثاء کے قبضہ میں ہے، عصبات مسماۃ حسینی شرعاً مالک ہیں یا نہیں؟ یا مسماۃ سکینہ کے ورثاء مالک ہیں؟

الجواب مع تنقیح

مسئلہ $\frac{10}{2}$ مسماۃ حسینی

میت

بنت سکینہ	ابن الاخ	ابن الاخ	ابن الاخ	ابن الاخ	ابن الاخ
$\frac{1}{5}$	١	١	١	١	١

بعد تقدیم ما حقہ التقدیم علی تقسیم الترکۃ مسماۃ حسینی کا کل متروکہ جس کو چھوڑ کر اس نے انتقال کیا ہے دس سہام پر تقسیم ہو کر پانچ سہام مسماۃ سکینہ اور اس کے ورثاء کا حق ہے، اور پانچ سہام مسماۃ حسینی کے بھتیجوں کا حق ہے۔ رہا یہ کہ مسماۃ حسینی کو اس کے والد کے ترکہ میں سے پورا حصہ نہیں ملا، بلکہ نصف کے قریب ملا ہے اور بقیہ نصف بھائیوں اور بھتیجوں کے قرضہ میں نیلام ہوا ہے تو سوال سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ نیلام مسماۃ حسینی کی حیات میں ہوا ہے لیکن سوال سے یہ معلوم نہیں ہوا کہ وقت نیلام چاروں بھائی زندہ تھے، یا بھائی زندہ نہ تھے، صرف بھتیجے زندہ تھے، تو جب تک اس کو واضح نہ کیا جائے اس وقت یہ نہیں کہا جاسکتا، کہ یہ پانچوں بھتیجے بھی اس نصف کے غاصب تھے جس کو بھائیوں نے غصب کیا تھا، لہٰذا اس معاملہ کو واضح کیا جائے کہ وقت نیلام کے بھائیوں میں سے کون زندہ تھا اور کون زندہ نہ تھا، اور یہ بھتیجے کون سے بھائی کی اولاد ہیں، آیا اس کی جو وقت نیلام زندہ تھا؟ یا اس کی جو وقت نیلام

مرگیا تھا؛ واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ
ازخانقاہ امدادیہ اشرفیہ تھانہ بھون
۱۷ رجب سنہ ۱۳۴۶ھ

کتاب الضمان

کسی شخص کا جانور اگر دوسرے کے جانور کو ہلاک کردے الخ

سوال ۱؎:- ....
ایک گابھن گائے کو نروں نے کودتے کودتے بالکل ہلاک کردیا، اور چرانے والا بھی نر و مادہ کا ایک شخص ہے، بعض کہتے ہیں کہ چرانے والے پر تاوان ہوگا اور بعض کہتے ہیں کہ نروں کے مالک پر، اور بعض کہتے ہیں کہ کسی پر نہیں، جواب باصواب مع دلائل مرحمت فرمائیں؟

۲؎ ایک شخص نے ایک بھینس کو خوب کھلایا پلایا، اور وہ خوب تازہ ہوئی اور مالک کا ارادہ تھا کہ اسے دوسرے کی بھینس سے لڑائے، اب اس بھینس نے دوسرے کی بھینس کو سینگ سے مار کر ہلاک کر ڈالا وہ بھینس خود بخود تازہ ہوا، اور دوسرے کی بھینس کو مار ڈالا، اب اس کے مالک پر مردہ بھینس کا تاوان آئے گا یا نہ؟ ہر دونوں جواب کو دلائل سے مزین فرمائیں۔

پتہ بندہ کا
ستھراکیاب، ملک برما
پوسٹ میوبازار۔ انگریزی میں میومگبوئی،
محلہ ستاپاڑا
احقر الانام فقیر محمد حبیب الرحمٰن کے نام پہنچنے سے خاکسار کو ملے گا۔

الجواب

۱؎ صورت ثانیہ میں کسی پر ضمان نہیں، نہ چرانے والے پر، نہ نروں کے مالک پر البتہ اگر چرانے والا نروں کو ہٹا سکتا تھا، اور پھر بھی نہیں ہٹایا، تو وہ ضامن ہوگا، اور اگر نر اس کے قابو سے باہر تھے جیسا ظاہر یہی ہے تو اس پر ضمان نہیں۔

قال فی رد المختار: إذا کان فی دارہ بعیر، فادخل علیه آخر بعیراً مغتلما اولا، فقتل بعیرہ، إن بلا إذن صاحبه یضمن کما فی البزازیة اھ (ج ۵ ص ۶۰۱)

قلت: والصورة المسئولة ظاهرها الإذن، لأن الراعی ماذون من أصحاب الدواب عرفاً أن یرعی دابته من شاء بکم شاء۔

واللہ اعلم

۲؎ ..... صورت ثالثہ میں حکم یہ ہے کہ اگر بھینس والے نے دوسرے شخص کی بھینس پر اس کو بلا اجازت چھوڑا ہو تو اس صورت میں وہ ضامن ہوگا، اور اگر اجازت سے چھوڑا ہو، یا اس نے خود چھوڑا ہی نہیں تو اس پر ضمان نہیں، البتہ اگر اس نے خود تو نہیں چھوڑا لیکن جب بھینس نے دوسرے بھینس پر حملہ کیا، تو یہ وہاں موجود تھا، اور اگر یہ روکتا تو وہ رک جاتی، پھر بھی نہیں روکا تو ضامن ہوگا، اور اگر اس کے قابو سے باہر تھی جیسا کہ ظاہر یہی ہے تو ضامن نہ ہوگا۔

قال فی الدر: وفی الصیرفیة، حمار یأکل حنطة إنسان فلم یمنعه حتی أکل، الصحیح ضمانه اھ ۔ وفی رد المختار، ظاهرہ ولو کان الحمار یفر الرائی، وهو المستفاد من کلامه فی کتاب اللقطه، والذی فی القنیة وغیرها، رای حمارہ، اسم بالإضافة إلی ضمیر الرائی، تأمل۔ ثم رأیت فی حاشیة الرملی علی جامع الفصولین فی احکام السکرت، ما نصه، اقول فلو رای حمار غیرہ یأکل حنطة الغیر، فلم یمنعه، صارت واقعة الفتوی، فأجیب بأنه لا یضمن والفرق ظاهر وهو أن فعل حمارہ ینسب إلیه مع رجوع المنفعة، وامکان دفعه، وقویت علته الضمان، بخلاف حمار الغیر، تامل اھ وفی الدر، ومن أرسل بهیمة أو کلباً (ملتقی) وکان خلفها سائقاً لها فاصابت

فی فورها ضمن، لأنه الحامل لها، وان لم یخش خلفا فی مادامت فی فورها فسائق حکمها، وان تراخی القطع السوق اھ۔ وفیہ ایضاً، اوانفلتت دابته بنفسها فاصابت مالاً او آدمیا نهاراً أولیلاً لا ضمان فی الکل، لقوله صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم: العجماء جبار، أی المنفلتة هدر اھ

واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنه

۲۴ر صفر ۱۳۴۱ھ

پالتو کتے نے کسی کی بکری کو کاٹ لیا اور وہ مرگئی تو کیا کتے کے مالک پر ضمان ہے؟

سوال: مسئلہ مرقومۃ الذیل بخدمت جناب عالی عرض کردہ آید کہ بندہ ناچیز امیدوار کہ از تفضلات کریمانہ جوابش تحریر فرمودہ رفع شبہ فرمایند۔

اندریں کہ زید سگے پرورد، وآں سگ بزرع عمرو رفتہ گوسفند عمرو را گزید، و زید و عمرو ہر دو راضی شدہ دو شخص را از اہل محلہ حاکم قرار دادہ انصاف طلب کردند، وآں ہر دو حاکمان بعد تدارک قیمتش چار روپیہ برصاحب سگ حکم کردند، وگوسفند مجروحہ را حوالہ صاحب سگ نمودند، وبعد مرور روز چند باعث آں در دو زخم گوسفند ہلاک شد، پس صاحب گوسفند را آں قیمت اخذ نمودن شرعاً جائز گردد یا نہ؟ زیادہ گستاخی معاف فرمودہ باشد۔

ملک برما، ڈاکخانہ: منگڈو، محلہ کامرڈیل

حبیب اللہ کو ملے۔

الجواب

قال فی الدر: وإن أرسل طیراً ساقه اولا، أودابة اوکلباً، ولم یکن سائقاله، أوانفلتت دابة بنفسها فأصابت مالاً أوآدمیًا نهارًا اولیلاً لاضمان فی الکل، لقوله صلی اللہ علیه وسلم، العجماء

جبار۔ ای المنفلتۃ ھدر اھ۔ وقال فیہ ایضاً قبیل ذاک فالمراد بالسوق المشی خلفھا اھ، وفی رد المختار، قلت وفی غایۃ البیان عن الاسبیجابی یرید بہ إذا أرسلہ وضربہ أو زجرہ عند ذالک حتی صار لہ سائقاً اھ۔ (ج ۵ ص۵۹۸)

سوال سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ زید کا کتا عمرو کے مزرعہ میں خود چلا گیا ہے، زید اس کو چھوڑ کر خود اس کے ساتھ نہ تھا، اس صورت میں زید پر عمرو کی گوسفند کا ضمان لازم نہیں، جیسا کہ عبارت مذکورہ سے واضح ہے، البتہ اگر زید نے اپنے کتے کو بھڑکا کر چھوڑا ہوتا اور وہ اس کے ساتھ ہوتا، تب بے شک اس پر ضمان کا عائد ہونا صحیح ہوتا، مگر جب یہ صورت نہیں تو زید پر چار روپیہ کا ضمان عائد کرنا درست نہیں۔

واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد

۲ر جمادی الثانیہ ۱۳۴۱ھ

ایضاً ایضاً

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص کے کتے نے دوسرے شخص کی بکری کو کاٹا، اور دو صاحب عدل بنے جو بین العام والخاص معروف ومشہور ہیں، انہوں نے قیمت بکری پانچ روپیہ ٹھہرائی، اس میں سے چار روپیہ صاحب کتا کے ذمہ، ایک روپیہ صاحب بکری کے ذمہ دلوایا، اور وہ دونوں بہت سے معاملات کو فیصلہ کر چکے ہیں۔ اب صاحب بکری نے انصاف نہ مانا، اور ایک سرکاری ملازم جو ہر قصبہ میں مقرر کر دیتے گئے ہیں۔ ان کے پاس مقدمہ گیا، مگر اس ملازم گورنمنٹ کے پاس لے جانے کے پیشتر بکری مر گئی۔ اب ملازم گورنمنٹ نے کوئی حکم نہ دیا، اس نے مولویوں سے استفتاء کیا، اب دو فرقے ہو گئے ہیں، بعض کہتے ہیں کہ ضمان لے سکتا ہے، بعض کہتے ہیں کہ حرام ہوگا، اب بحکم ملت حنفیہ تاوان لے سکتا ہے یا نہیں، جواب مدلل مرحمت فرمائیں۔

ملک: برما، ضلع: اکیاب، تھانہ منگڈو
ڈاکخانہ: بلی بازار، موضع: گارادربیل،
محمد بدیع الرحمٰن

الجواب

قال فی الدر، وإن أرسل طیرًا ساقه اولا، أودابة أوکلباً ولم یکن سائقاله، أوانفلتت دابة بنفسها، فاصابت مالاً أوآدمیاً نهاراً اولیلاً لاضمان فی الکل، لقوله علیه السلام العجماء جبار والمنفلتة هدر اه وقال فیه ایضا قبیل ذلك: فالمراد بالسوق المشی خلفها اه، وفی رد المحتار، قلت: وفی غایة البیان عن الاسبیجابی یرید به إذا أرسله وضربه، أوزجرهٗ عند ذلك حتی صار له سائقاً اھ (ج ۵ ص ۵۹۸)

اس سے معلوم ہوا کہ مالک سگ وغیرہ پر جنایت سگ سے ضمان اس وقت آتا ہے، جبکہ دو باتیں پائی جائیں۔ (۱) یہ کہ مالک کتے کے ساتھ ہو (۲) یہ کہ مالک نے اس کو بھگایا، یا بھڑکایا، یا ڈانٹا ہو۔

ان دو باتوں کے پائے جانے کے بعد جو نقصان کتا کرے گا اس کا ضمان مالک پر ہوگا، اور اگر ان میں سے ایک بات بھی نہ پائی گئی ہو تو مالک پر ضمان نہ ہوگا۔ اور اگر وہ کتا ہمیشہ سے کاٹنے والا تھا تو سوال دوبارہ کیا جائے۔

واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنه
بامر سید حکیم الامت دام مجدہم
۲۸ رجمادی الثانیہ ۱۳۴۱ھ

سرپنچ یا ممبر غلطی سے کسی پر زیادہ ٹیکس لگا دے تو ضامن ہے یا نہیں؟

سوال[۱]:- .... سرپنچ ممبروں کو لے کر گھروں پر چونگی یعنی چوکیداری ٹیکس جو مقرر کرتے ہیں

یہ اکثر سرپنج اپنی رائے پر کرتے ہیں۔ کبھی کبھی چوکیداروں سے باشندوں کی حالت معلوم کرکے بھی ٹیکس مقرر کرتے ہیں، اس میں اکثر غلطی واقع ہوتی ہے، یعنی بعض وقت غریبوں پر زیادہ اور رئیسوں پر کم، اور اکثر دوست، آشنا پر بھی کم کی جاتی ہے، یہ کبھی تو بھول سے کبھی اپنی جی سے کیا جاتا ہے ایسی حالت پر گذشتہ واقعہ پر کیا لازم ہوگا، اور کبھی کبھی ٹیکس وقتوں پر نہ دینے کی وجہ سے سرکار کی طرف سے ڈبل لینے کا حکم ہے۔ مگر بجائے ڈبل لینے فی آدمی ایک آنہ خرچ لیتے ہیں۔ مگر دیر ہونے کی وجہ سے کس کے ساتھ کیا معاملہ کیا تھا اچھی طرح یاد نہیں ان صورتوں میں ان سرپنج کو کیا کرنا ہوگا؟

۲ اور ابھی وہ قانون بدل کے دوسرے طور پر ہوگیا، چوکیدار بڑھایا گیا، اور ممبری پانچ کی جگہ نو عدد کردیا، چھ تو الیکشن پر ہوتے ہیں اور تین سرکار کی طرف سے ہوتے ہیں یہ نو ممبر ملکر ایک صدر اور دوسرا نائب صدر کرتے ہیں۔ یہ نو ممبر مل کر علاوہ چوکیداری ٹیکس کے راستہ وغیرہ اور تالاب اور مدرسے اسکول کی مدد کے لئے ٹیکس مقرر کرتے ہیں، جو یہ مقرر کرتے ہیں، وہ محلہ والوں کو ضرور دینا ہوتا ہے، ورنہ ڈبل وصول کرتے ہیں۔ اگر کوئی شخص اپنی قوم کی نفع رسانی کے لئے ممبر ہو، تو شریعت کی رو سے منع تو نہیں ہے؟ ورنہ دوسری قوم میں سے ہو کر اپنی قوم کے لئے ضرر ہوں گے۔ اور مدرسہ والوں کو اس میں سے مدد لینا ناجائز ہوگا؟

عزیز احمد چاٹگامی
ساکن خانقاہ اشرفیہ

الجواب

جس ممبری اور سرپنچی کی بابت سوال ہے وہ قاعدہ سے جائز نہیں کہ اعانت فی الظلم ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص مسلمانوں کی نفع رسانی کی غرض سے قبول کرے، اور وہ جانتا بھی ہے کہ میں مسلمانوں کو نفع پہنچا سکتا ہوں۔ اور اپنے جاہ ومال کے لئے یہ عہدہ قبول نہیں کرتا تو ایسے شخص کو شریعت سے اجازت دی جاسکتی ہے کہ ممبر یا سرپنج ہوجائے۔ اور اللہ تعالیٰ قلوب کی نیت کو خوب جانتے ہیں اور مسلمان بھی اس کے طرز عمل کو پہچان لیں گے کہ اس کی نیت کیا تھی۔ یہ تو سوال ثانی کا جواب ہے۔

اور سوال اول کا جواب یہ ہے کہ جتنا ٹیکس قاعدہ کے مطابق لگایا ہے اس کا تو یہ سرپنچ ضامن نہیں، اور جتنا ٹیکس قاعدہ کے خلاف زیادہ لگایا ہے۔ اس کا ضامن ہے،ؔ خواہ قصداً زیادہ لگایا ہو یا باشندوں کے کہنے سے لگانے میں غلطی کی ہو، کیونکہ غلطی کے علم ہونے کے بعد لازم تھا کہ اپنی غلطی کو تسلیم کرکے، اور اس کو ظاہر کرکے ٹیکس کم کردیا جاتا، یا کم از کم ٹیکس کم کرنے کی سفارش کردی جاتی۔ اگر ان میں سے ایک کام بھی نہیں کیا، تو جن پر قاعدہ سے زیادہ ٹیکس لگایا ہے، ان کو یہ زیادتی اپنے پاس سرپنچ کے ذمہ ادا کرنا لازم ہے، ان کو تلاش کرے اور محنت کرکے دریافت کرے کہ میرے ہاتھ سے کس پر ٹیکس زیادہ لگایا گیا ہے اور اس کو وہ رقم ادا کرے۔ رہا یہ کہ بعض پر قصداً یا بھولے سے کم ٹیکس لگایا گیا ہے سو اس کا کچھ ضمان واجب نہیں، البتہ غریبوں پر رئیسوں اور آشناؤں کو ترجیح دینا گناہ ہے کہ غریبوں پر تو زیادہ لگادیا، اور رئیسوں دوستوں پر کم، اس گناہ سے توبہ کی جائے اور دیر ہونے کی صورت میں جو ڈبل لینے کا قاعدہ ہے، اس میں اگر ڈبل بھی لیا گیا ہو بشرطیکہ وہ اصل ٹیکس بھی قاعدہ کے موافق ہو اور قاعدہ سے زیادہ نہ ہو، تو سرپنچ پر تاوان لازم نہیں، کیونکہ قاعدہ کے تحت میں ہے۔ البتہ اگر ڈبل کو معاف کرنے کا بھی اس کو حق تھا اور پھر مسلمانوں کو معاف نہ کیا، تو اس کوتاہی سے گناہ ہوگا، جس سے استغفار کرنا چاہئے۔

فقط واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ

۴ رجمادی الثانیہ ۱۳۴۵ھ

اور مدرسہ والوں کے لئے حکم بتلانا جواب تنقیح پر موقوف ہے۔

تنقیح

مدرسہ والوں کو یہ رقم گورنمنٹ دیتی ہے یا سرپنچ اور ممبر دیتے ہیں تو وہ گورنمنٹ کے حکم سے دیتے ہیں یا اپنے اختیار سے؟ اس کے بعد حکم بتلایا جائے گا۔

ع لکونہ متسبّباً، وقد أفتی المتأخرون بضمان المتسبّب کالساعی لغلبة السعاة فی ھٰذا الزمان صرح بہ فی الأشباہ و تنقیح الحامدیة ۱۲ منہ

مشترکہ جائیداد کی آمدنی سے متولی جائیداد شرکاء کو بے حساب زائد وکم دیتا رہا تو اب اہل حقوق کے حق سے کس طرح سبکدوشی ہو

سوال: ایک شخص، ایک زوجہ اور تین لڑکے، اور پانچ لڑکیاں وارث چھوڑ کر انتقال کر گیا جن میں ایک لڑکا اور ایک لڑکی نابالغ اور باقی سب بالغ ہیں۔ اور جو دو لڑکے بالغ ہیں ان کے اذن سے بجائے خود اپنے حقیقی چچا کو جملہ جائیداد کا متولی بنایا، اور جائیداد اموال متروکہ مشترکہ تقسیم نہیں ہوئی اور ان کے چچا جو فی الحال جملہ جائیداد کے متولی اور جملہ آمد و صرف کے محاسب ہیں، اس کا طرز عمل چار سال تک یہ رہا کہ جملہ جائیداد کے منافع کو ایک تہ رکھ کر اس میں سے جس کو جس قدر ضرورت ہو، اس کو اسی قدر خرچ دیدیتا، لیکن ہر شخص کے لئے الگ الگ حساب کتاب نہیں رکھتا تھا، اور جائیداد کے منافع کو بموجب حصۂ شرعی تقسیم کر کے الگ الگ نہیں رکھتا تھا اب سوال یہ ہے کہ یہ طرز عمل متولی صاحب کا جائز تھا یا نہیں؟ اور اگر کسی کے حق میں کمی بیشی ہوگئی ہو اس کا شرعاً کیا حکم ہے؟ اور جن چیزوں میں یہ معلوم نہ ہو سکا کہ کس کے حق میں کس قدر خرچ ہوئے ان کے بارے میں کیا کرنا چاہیئے؟ اور اب کوئی دو مہینہ سے متولی صاحب نے یہ انتظام کیا کہ بموجب حصۂ شرعی سب جائیداد کے منافع کو تقسیم کر کے سب کا حصہ الگ الگ کر رکھا ہے اور حساب کتاب بھی سب کا الگ الگ کرتا ہے، اور ہر شخص کو اپنے حصے سے اس کی ضرورت کے مطابق روپیہ دیا کرتے ہیں، تو ایسی حالت میں قبل جائیداد تقسیم بموجب حصۂ شرعی منافع کی تقسیم سے وارثوں کو خرچ کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

فقط بینوا توجروا۔

المستفتی: بندہ عبد الجبار عفا اللہ عنہ چاٹگامی

مورخہ: ۲۰ رجمادی الثانیہ ۱۳۴۵ھ

الجواب

متولی کا سابق طرز عمل جائز نہ تھا، اس کو لازم تھا کہ ہر شریک کا حصہ الگ الگ تقسیم کر کے رکھتا، اب اس کی تلافی یہ ہے کہ اول تو اس عمل سے توبہ و استغفار کرے، پھر اس کی کوشش کرے کہ نابالغوں وغیرہ کے حق میں جو کچھ کمی ہوگئی ہو، اس کو

پورا کرے، جس کی صورت یہ ہے کہ نابالغوں اور بالغوں کی ضروریات کو دیکھے کہ نابالغوں کو تو اس نوع کی ضروریات پیش آتی ہیں اور آئی تھیں اور بالغوں کو اس نوع کی، پھر دو عادل وصالح مسلمانوں سے اندازہ کرائے کہ ان ضروریات میں ماہوار یا سالانہ نابالغوں پر کتنا خرچ ہو سکتا ہے اور بالغوں پر کتنا، اور اس میں خود بھی غور کرے کیونکہ آخر متولی صاحب ان لوگوں کو چار سال تک خرچ دیتا رہا ہے۔ اس کو یہ اندازہ ہو سکتا ہے کہ بالغوں اور نابالغوں کی ضروریات میں کتنا فرق ہے اس نسبت فرق پر چار سال گذشتہ کی آمدنی کو تقسیم کر کے معلوم کرے کہ اندازہ سے نابالغوں کو کتنا دیا گیا اور بالغوں کو کتنا؟

پھر زمین کی آمدنی اور نابالغوں اور بالغوں کے حصہ سے جو زمین میں ہے موازنہ کر کے دیکھے کہ اس اندازہ کو اصل آمدنی سے کتنا فرق ہے، اس موازنہ سے جس قدر کمی معلوم ہو وہ نابالغوں کو ادا کی جائے، بلکہ کچھ زیادہ دے دیا جائے، یہاں تک کہ دل گواہی دیدے کہ ان کو پورا حق پہنچ گیا، اور جن لوگوں کو ان کے حق سے زیادہ دیا گیا ہو، متولی کو ان سے رجوع کا بھی حق ہے، جبکہ وہ زیادہ لینے کو تسلیم کر لیں، پس ان سے رجوع کر کے ان لوگوں کو دے جن کو کم پہنچا ہے، اور اگر وہ تسلیم نہ کرے یا واپس نہ کرے تو متولی کو ان لوگوں کا حق خود اپنے پاس سے پورا کرنا ہوگا جن کا حق اس نے دوسروں کو دیا ہے۔ واللہ اعلم وھٰذا کلہ بالقواعد۔ اب جو صورت متولی نے اختیار کی ہے۔ وہ جائز ہے۔

قال فی الھندیۃ: علیہ دیون لہ ناس شتّٰی، لزیادۃ فی الأخذ و نقصان فی الدفع، ولو تحرّی ذلک، وتصدق علی الفقراء بوب قومٍ بذلک یخرج عن العھدۃ اھ (ج ۲ ص ۲۴۳)

ومحل الاستشھاد (قولہ فلو تحرّیٰ ذلک) ففیہ دلالۃ علی ان حق الغیر إذا اختلط علیہ، ولم یعرف مقدارہ، قام التحری مقام العلم، ولو استنار فی ذلک عدلین کان أولیٰ، واللہ اعلم ــــ واما ثبوت حق الرجوع للمتولی علی من اخذ الزائد عن حقہ فظاھر غیر خفی، فإن کل شریک لا یستحق الأخذ إلا بقدر حقہ، فلم یملک الزائد منہ۔ واللہ اعلم۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ، ۲۷ رجمادی الثانیہ ۱۳۴۵ھ

حکم ضمان امانت

سوال: حضرت قبلہ مولانا صاحب، السلام علیکم
امرتسر میں ایک انجمن تجوید القرآن کے نام سے کام کر رہی ہے، اور میں اس انجمن کا سکریٹری اور خزانچی ہوں، چنانچہ اس انجمن کا کئی روپیہ جو قریباً اسی یا نوے روپے تھے میں نے اپنے روپیے کے ساتھ ایک الگ ڈبہ میں روپیہ والے بکس کے اندر رکھا ہوا تھا، اس بکس کی چابیاں کبھی میز پر رہ جاتی ہیں، مگر بہت کم، چنانچہ چند روز ہوئے بکس کھولا تو دیکھا کہ انجمن کے روپئے والا ڈبہ نہیں ہے جواب تک نہیں ملا، اب وہ روپیہ میں ادا کروں، یا شرعاً میرے ذمہ ضمان نہیں، اور روپیہ کے گم ہونے کے وقت اور اس کے قریب ایام میں نہیں کہہ سکتا کہ چابی میز پر رہ گئی تھی یا نہیں؟

عزیز احمد امرتسری

الجواب

قال فی الحامدیۃ: سوقی قام من حانوتہ الی الصلوٰۃ وفی حانوتہ ودائع فضاع شئ منہا لاضمان علیہ، لأنہ غیر مضیع، لما فی حانوتہ لان جیرانہ یحفظون، وفی البزازیۃ: قام من حانوتہ إلی الصلوٰۃ، وفیہ ودائع الناس: وضاعت لاضمان، وإن أجلس علی بابہ إبناً لہ صغیراً، فضاع، ان کان الصبی یعقل الحفظ ویحفظ لایضمن، وإلا یضمن، إلی أن قال: والمعتبر فی ضمان الودائع، التعدی والتقصیر فی الحفظ، ألا تری أنہ لو وضعہا فی دارہ فخرج، وکانت زوجتہ غیر امینۃ، یضمن ولو وضعہا فی الدار وخرج والباب مفتوح ولم یکن فی الدار احد من عیالہ، یضمن، إلی أن قال: ومعلوم ان وضع الودیعۃ فیما لایوضع فیہ، امثالہا تقصیر فی الحفظ، کماھو صریح عبارۃ البزازیۃ وغیرہا، فالمراد بالحرز ھنا، حرز کل شئ بحسبہ اھ (ج ۲ ص۷۵ و ۷۶)

وفی العالمگیریہ: غاب المودع وترک مفتاحہ عند غیرہ فلما رجع لم یجد الودیعۃ فی مکانہ، لا یضمن، لدفع المفتاح إلی غیرہ،

کذا فی الوجیز للکردری اھ (ج ۵ ص ۲۱۱)

صورت مسئولہ میں قاعدہ سے تو ضمان لازم نہیں، جبکہ مودع نے ودیعت کو محفوظ مقام میں رکھا، جہاں وہ اپنی رقم کو رکھتا تھا، اور چابی کا میز پر رہ جانا تقصیر فی الحفظ ہوسکتا ہے، جبکہ گھر والے وہیں نہ ہوں، اور میز پر چابی رہ جانے سے غالب گمان تلف کا ہے اور اگر ایسا نہیں، تو یہ تقصیر فی الحفظ نہیں، اور خصوصاً جبکہ مودع کو یہ بھی یاد نہیں، کہ ایام ضیاع ودیعت میں چابی میز پر رہ گئی تھی یا نہیں، تو اس صورت میں محض اس احتمال پر کہ شاید چابی میز پر رہ گئی ہو، وجوب ضمان نہیں ہوسکتا، لأنّ الضمان لا یجب بالشك، مگر مودع کو بہتر یہ ہے کہ اگر زیادہ بار نہ ہو، تو یہ رقم انجمن مذکور میں اپنی طرف سے داخل کردے، تاکہ تہمت سے برأت ہوجائے، جو کہ مطلوب ومحمود ہے۔ واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ
۷ر شوال ۱۳۴۴ھ

طالب علم سے مدرسہ کی کتاب ضائع ہونے پر ضمان لازم ہوگا یا نہیں

سوال: مدرسہ سے طالب علموں کو جو کتابیں پڑھنے کو دی جاتی ہیں، ضائع ہونے سے ان کا ضمان لازم ہوگا یا نہیں؟

السائل
ممتاز احمد گیاوی
مقیم خانقاہ

الجواب

اگر باوجود احتیاط کے گم ہوجائیں، تو ضمان لازم نہیں، کما فی الشامی (ج ۳ ص ۵۶۷) بعد تفصیل طویل تحت قول الدر، (فبطل شرط واقف الکتب الرھن کما فی التدبیر) وعلی کل فلا یثبت لہ احکام الرھن، ولا بیعہ ولا بدل الکتاب الموقوف بتلفہ، ان لم یفرط، اور اسی سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ

بے احتیاطی اور لاپروائی سے گم ہو جائے تو ضمان واجب ہے۔

واللہ اعلم

احقر عبدالکریم عفی عنہ

۱۶ رجمادی الاولیٰ ۱۳۴۴ھ

الجواب صحیح

ظفر احمد عفا اللہ عنہ

۱۷ رجمادی الاولیٰ ۱۳۴۴ھ

مسئلہ ضمان

سوال: المعروض اینکہ، فی الحال غلام را جواب مسئلہ ذیل اشد ضرورت است، غلام نوازی فرمودہ جلدی بہ باز جواب برکارڈ متصلہ بسند کتاب سرفراز فرمایند، کہ واقعہ درپیش است۔ (مسئلہ)

شخصے برائے شکار خنزیراں در وقت شب مع بندوق منتظر شکار بود، کہ خنزیراں نقصان زراعت می کردند، بخیال خود بندوق بسمت خنزیر رہا کرد، دراصل خرکرہ بود، مردہ شد، بیان فرمایند، کہ دریں قتل خطاء، بر صیاد ضمان خرکردہ لازم می شود یا بسبب خطاء معاف است؟ بینوا توجروا۔

خلاصہ:۔ صاحب مالک خرکرہ قیمت بموجب منصفان طیب می کند، از صیاد مذکور کہ بخطاء قتل کردہ است، رسانیدہ آید یا نہ۔

۱۰ رجمادی الاوّل ۱۳۴۴ھ

محمد محسن عفی عنہ

از سرچوئی، ضلع ڈیرہ غازی خان، صوبہ پنجاب

امام مسجد جامع

الجواب

قال الشامی:۔ (ج ۵ ص ۵۸۵) تحت قول الدّر (ضمن کمن حمل علی رأسه اوظهره شیأً فی الطریق فسقط منه علی اٰخر، الخ وکذا اذا سقط متعثربه انسان، هدایه، لان حمل المتاع الطریق علی راسه أو علی ظهره مباح له، لکنّهٗ مقید بشرط السلامة، بمنزلة الرمی الی الهدف او الصید، اه

پس در صورت مسؤلہ کہ خنزیر پنداشتہ بندوق رہا کرد، و در اصل خر کرہ بود، ضمان خر کرہ لازم شود، و معنی معاف شدن خطا، معافی از گناہ است، نہ از ضمان۔ فقط

عبدالکریم عفی عنہ

الجواب صحیح ۳۰/ جمادی الاولیٰ ۱۳۴۴ھ

ظفر احمد عفا اللہ عنہ

غرۃ الجمادی الثانیہ ۱۳۴۴ھ

ایسے شخص پر وجوب ضمان جو کسی وارث کا نام سرکاری کاغذات میں نہ لکھوائے

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں،

(۱) بشمبر ناتھ (ہندو) نے ایک قطعہ مکان کا ⅓ ثلث خریدا، جس کے دو ثلث ⅔ پر خالد بیع سابقہ مالک و قابض ہے۔

(۲) خالد اس مکان کے تمام محاصل کرایہ داروں سے (معہ بشمبر ناتھ کے ⅓ حصہ کے) وصول کرتا رہا،

(۳) تین ۳ چار ۴ سال بعد مسمی خالد نے ثلث ⅓ محاصل سے ثلث ⅓ اخراجات وضع کر کے بقیہ بشمبر ناتھ کے حوالہ کیا جس پر اس نے کوئی اعتراض نہیں کیا،

(۴) اس کے بعد برابر خالد کہلواتا اور کہتا رہا کہ تقسیم حصہ بقدر ایک ثلث ⅓ کروالو، اور اپنا کرایہ تم خود وصول کرو، ہم حساب وغیرہ نہیں رکھ سکتے، یا ہر ماہ آ کر اپنے حصہ کا کرایہ بعد وضع اخراجات بقدر ⅓ لیجایا کرو، مگر بشمبر ناتھ نے اس کا کوئی جواب شافی نہ دیا بلکہ بد دیانتی سے یہ کہا کہ ہم ⅔ دو ثلث کے مالک ہیں اس لئے ہم کو محاصل وغیرہ بقدر دو ثلث ⅔ ملنا چاہئے، خالد نے کہا اگر ایسا ہے تو دیکھا جائے گا، اس کے بعد بھی خالد نے ایک آدمی اس غرض کے لئے بھیجا، کہ وہ اپنے حصہ کا کرایہ لے جائے، مگر وہ نہ آیا،

(۵) سابق کرایہ دینے کے تین سال بعد بشمبر ناتھ نے بلا کسی قسم کی اطلاع و تقاضا کے دیوانی دعویٰ ⅓ حصہ تقسیم مکان اور ⅓ حصہ کرایہ کا دائر کیا، اور جعلی طور پر سمن یہ کہہ کر تعمیل کرا دیا کہ مدعی علیہ مکان مسکونہ سابق میں اب بھی موجود ہے، اور مدعی علیہ کے ایک فرضی ملازم کے جعلی دستخط سمن پر کرا دیئے، حالانکہ امر واقعہ یہ ہے، کہ مدعی علیہ وہاں سے کئی سو میل کے فاصلہ پر نوعیت معاملہ سے بالکل بے خبر تھا، یہ تمام فرضی کارروائی کر کے عدالت سے ڈگری حاصل کرلی، خالد

کہ اتفاقیہ طور پر اس کا علم ہوا تو اس نے عذر خواہی کی، اور مقدمہ از سرِ نو چلایا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ عدالت نے مدعی کو صرف ۳ سال کے محاصل بعد وضع اخراجات مرمت وغیرہ دینے کا حکم دیا،

اب قابل سوال یہ امر ہے کہ (۱) عدالت نے بجائے چھ سال کے صرف تین سال کی جوڈگری بنام خالد دی ہے تو کیا خالد کو یہ مجاز ہے کہ (۲) بقیہ تین سال کے محاصل جو بشمبر ناتھ کے خالد کے ذمہ ہیں، اور جس کو عدالت نے نہیں دلایا، خالد اپنے مصارف عدالت مثل طلبانہ گواہی وفیس وکیل، وغیرہ یہ وضع کر کے بقیہ محاصل بشمبر ناتھ کو ادا کرے؟

الجواب

صورت مسئولہ میں چونکہ مدعی نے بلا وجہ اور ناحق عدالت میں مقدمہ دائر کیا، کیونکہ مدعی خالد اس کا حق دینے سے انکار نہ کرتا تھا بلکہ بار بار خالد اس سے کہتا رہا، کہ اپنا کرایہ بعد وضع مصارف کے لے جاؤ، تو اس حالت میں مدعیٰ علیہ خالد کو مدعی کے اس دعویٰ سے جو کچھ زیر باری ہوتی، اس کا سبب مدعی ہے۔

وأفتى المتأخرون بالغرامة على المتسبب في مثل هذه، قال في الحامدية: سئل قارئ الهداية عن رجل له حق على أخر، فطالبه به عند الولاة والحجاب، فغرم مبلغًا للنقباء، وأعوان الظلمة، هل يلزم الشاكى بذلك، اجاب: اذا كان في البلد قاض يخلص الحقوق، وعدل المدعى عنه، وشكاه من غيره، وغرم المدعى عليه، افتى المتأخرون ان للمتشاكى ان يرجع بما غرم على الشاكى اھ (ج ۱ ص ۲۹۰)

پس مدعی اس زیر باری کا ضامن ہے، اس لئے مدعی علیہ خالد کو جائز ہے کہ وہ بقیہ تین سال کے محاصل میں سے اپنے مصارف عدالت وضع کر کے، بقیہ محاصل مدعی کو ادا کردے، مگر یہ لحاظ ضروری ہے کہ مصارفِ عدالت وہی وضع کئے جائیں جن کے بغیر مقدمہ میں چارہ نہ تھا، اور جو مصارف بلا ضرورت صرف ہوتے ہوں، وہ وضع نہ کئے جائیں، فقط

حررہ الأحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ
از تھانہ بھون، خانقاہ امدادیہ
۲۱ محرم ۱۳۴۶ھ

اگر دو محافظوں سے مال کم یا ضائع ہو جائے تو ضمان دونوں پر یا ایک پر لازم آئے گا؟

سوال :- کیا حکم ہے علماء دین کا اس مسئلہ میں کہ، ایک کوٹھار کی دو کنجیاں دو ذمہ داروں کے پاس رہتی تھیں، ایسی حالت میں تین من آرد کی کمی ہوئی، تو صورت مذکورہ میں ضمان دونوں ذمہ داروں پر یا ایک پر لازم آئے گا، یا نہیں، بینوا توجروا،

بندہ عنایت الٰہی عفی عنہ
مہتمم مدرسۂ مظاہر علوم، سہارنپور،

الجواب

قال فی الدر: فان أودع رجل عند رجلین ما یقسم إقتسماہ وحفظ کل نصیبہ، کمرتھنین ومستبضعین ووصیین وعدلی رھن، ووکیلی شراء، ولو دفعہ احدھما إلی صاحبہ ضمن الدافع ای النصف فقط، اھ (ج ۴ ص ۶۲۳) باب الودیعۃ

صورت مسئولہ میں چونکہ ظاہر یہ ہے، کہ یہ دونوں ذمہ دار مدرسہ کی جنس کو تقسیم کر کے بطور خود حفاظت کرنے کے ماذون نہ تھے، بلکہ مدرسہ ہی کے مکان میں حفاظت کرنے کے مامور تھے، اس لئے کسی پر ضمان نہیں آسکتا، فقط قفل کے ذمہ دار ہونے سے وہ غلہ کے ذمہ دار نہیں ہوسکتے، غلہ کے ذمہ دار جب ہوتے، جبکہ ان کو اجازت دی جاتی کہ جو صورت حفاظت کی تم کر سکو کرو، خواہ اپنے گھر لے جا کر رکھو، یا جہاں چاہو رکھو، چونکہ یہاں بظاہر یہ صورت نہ تھی۔ اس لئے کسی پر ضمان نہیں ہوسکتا، البتہ اگر یہ ثابت ہو جائے، کہ ان لوگوں نے قفل لگانے میں سستی کی، اور کبھی قفل کھُلا رہ گیا، یا بینہ سے ثابت ہوجائے کہ ان ذمہ داروں میں سے کسی نے غلہ چرا کر اپنے گھر بھیجا ہے، یا کسی کو دیا ہے، تو سوال دوبارہ کیا جائے۔ واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ
۸ رجمادی الاولیٰ ۱۳۴۶ھ

مدعی ناحق سے مصارف دعوی لینا جائز ہے یا نہیں

سوال :- ایک شخص نے ناحق دوسرے شخص پر عدالت میں دعویٰ کیا، عدالت

نے مدعی پر ڈگری کردی، پھر مدعیٰ علیہ نے خرچ کا دعویٰ کیا جو اس کو مدعی کے ناحق مقدمہ کی پیروی میں وکلاء وغیرہ کو دینا پڑا، عدالت نے احقر کو ثالث مقرر کیا ہے، اور فریقین نے شریعت پر فیصلہ منظور کرلیا ہے، کیا مدعی علیہ کو یہ خرچہ مدعی سے لینا جائز ہے؟ اگر ناجائز ہے تو حرام ہے یا مکروہ تحریمی یا تنزیہی؟ اور اگر جائز ہے تو کون خرچ لے سکتا ہے اور کون نہیں؟ مولانا عبدالحی رحمہ اللہ نے اس کو ناجائز لکھا ہے۔ اور عدالت نے چھ روپیہ ہر دو فریق سے ثالث کے لئے مقرر کئے ہیں کہ تین تین روپے ہر ایک فریق سے لے لے۔ کیا ثالث کو یہ رقم متخاصمین سے لینا جائز ہے یا نہیں۔ ولا بد من حوالۃ الکتب۔ فقط والسلام

الجواب

قال فی الحامدیة، أفتی المتأخرون أن للمشکی أن یرجع بما غرم علی الشاکی، وسئل (السراج قارئ الهدایة) عن شخص تسبّب فی غرامة شخص عند بعد الظلمة، وأغراهم علیه، حتی غرم مالاً للظلمة، هل یلزم المتسبّب أم لا؟ الجواب —:

إذا تعاون شخص، ورفعه إلی ظالم فعادة الظالم أن من رفع إلیه، وتعوون علیه أن یأخذ منه مالا مصادرة، یضمن الشاکی فی هذه الصورة ما أخذه الظالم، هذا هو المفتی به أفتی به المتأخرون من علمائنا رحمهم الله تعالی۔ اھ (ج ا صـ۳۱)

اس سے معلوم ہوا کہ مدعی ناحق سے مدعی علیہ کو مصارف مقدمہ لینا جائز ہے، متأخرین کا فتوی اسی پر ہے۔ مولانا عبدالحی رحمہ اللہ کا فتوی متقدمین کے قول پر مبنی معلوم ہوتا ہے۔ لیکن مصارف وہی لینا چاہیئے جو لابدی اور ضروری ہے اور جو مصارف اپنی سہولت و راحت کے لئے اعوان عدالت کو بطور خوشامد کے دیئے گئے۔

وہ لینا جائز نہیں، فان الشاکی لم یکن متسبباً لها، اور حکم کو فیصلہ پر اہل مقدمہ سے بظاہر یہ رقم (جو سوال میں مذکور ہے) لے لینا جائز ہے۔

فان الأصل أن کل طاعة یختص بها المسلم لایجوز الاستئجار علیها عندنا، کما فی الشامیة نقلاً عن الهدایة (ج ۵ ص ۵۲)

وقال فی الکفایة فی شرح قوله یختص بها المسلم: أی یختص بملة الاسلام، أما إذا لم تختص بها، فیجوز، کما إذا استاجر ذمیاً علی تعلیم التوراة، لأن تعلیمها لا یختص بملة الاسلام اھ (ج ۸ ص ۴۰)

قلت: وکذا التحکیم لا یختص بملة الإسلام بل هی فی کل ملة من الملل۔ والله اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنه
۱۶؍ شعبان ۱۳۴۶ھ

دھوبی بے احتیاطی سے کپڑے ضائع کرے تو اس سے ضمان لینا جائز ہے

سوال: آج کل دھوبی اکثر کپڑے کھو دیتے ہیں، یا اپنے استعمال میں لگا لیتے ہیں۔ غرض اس سے بہت نقصان ہوتا ہے تو اگر متعدد بار معاف کرنے پر بھی وہ باز نہ آئے تو اس سے حسب حیثیت کپڑے کے قیمت کا اجرت میں سے وصول کرنا جائز ہے یا نہیں؟

احقر محمد احمد رضا عفا الله عنه
از بجنور،
۲۵؍ شوال ۴۶ھ یوم سہ شنبہ

الجواب

اگر بے احتیاطی سے کپڑے ضائع کرتا ہے، اور آج کل یہی غالب ہے تو ضمان لینا جائز ہے لیکن اگر وہ بے احتیاطی کا انکار کرے تو اس سے حلف لے سکتے ہیں، اگر وہ قسم کھالے تو پھر ضمان لینے کا حق نہیں۔

والله اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنه

از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ اشرفیہ

۲۸ / شوال ۱۳۴۶ھ

حکم صورت ضمان بر ضامن

سوال: مسمّی احمد نے ایک مہاجن کے بل چرا لئے چند روز کے بعد چور معلوم ہو گیا، اور مسمّی احمد نے مہاجن کو فتح محمد خان ضامن دیا کہ اگر دس یوم میں تمہاری حق رسی نہ کر دوں تو تم مبلغ ۱۵۰ روپیہ قیمت بل فتح محمد سے لے لینا، فتح محمد خان نے منظور کر لی، مدت معینہ تک مسمّی احمد نے رقم ادا نہ کی، فتح محمد مسمّی احمد سے تقاضا کرتا رہا، مگر مسمی احمد نے ادا نہ کئے، آخر کار فتح محمد خان کے نام مہاجن نے رقم مذکور سودی لکھ لی، اس کے بعد فتح محمد خان نے مسمی احمد کو اطلاع دی، کہ رقم سودی لکھی گئی اس کو جلدی ادا کرو، ورنہ تم کو سود دینا پڑے گا۔ تاہم مسمی احمد نے ادا نہ کئے حتی کہ اب سود بہت بڑھ گیا۔ اب سوال یہ ہے کہ مسمی احمد کو قرضہ مہاجن کا کل ادا کرنا پڑے گا، اور سود فتح محمد خان کے ذمہ نہ ہوگا، یا صرف ایک سو پچاس روپے دینا پڑے گا، اور سود فتح محمد خان کے ذمہ رہے گا؟

سائل ......

الجواب

سود کا ادا کرنا ضامن کے ذمہ تو کسی طرح بھی نہیں، کیونکہ ضامن تو صرف ایک سو پچاس کا ضامن ہے، مگر مسمی احمد کے ذمہ بھی عرفاً سود کا ادا کرنا واجب نہیں، کیونکہ مہاجن نے سودی رقم تنہا اپنی مرضی سے اس کے نام لکھی ہے، اس کی رضامندی سے نہیں لکھی، اور شرعاً تو سود لینا اور دینا دونوں حرام ہے۔

فقط ظفر احمد عفا عنه

از تھانہ بھون

۲۹ / ربیع الثانی ۱۳۴۸ھ

وقف میں تعدی و استہلاک سے ضمان لازم آتا ہے،

سوال: ایک مدرس صاحب مدرسہ سے تعلق قطع کر کے اپنے مکان پر آگئے، پھر اسی مدرسہ میں

جا کر ایک کتاب امور عامہ ایک طالب علم کو پڑھانے کے واسطے لے آئے، غالباً مہتمم مدرسہ کے بلا اجازت لائے تھے، پھر اس طالب علم کو پڑھنے کے لئے دے دی اور مدرس صاحب خود بھی اس کتاب کا مطالعہ کرتے تھے، کچھ دن وہ طالب علم اس مدرس صاحب کے پاس پڑھتا رہا۔ پھر وہ طالب علم وہ کتاب لے کر بلا اجازت اس مدرس کے دوسری جگہ چلا گیا، اور کتاب اس خیال سے لے گیا تھا کہ کتاب پڑھ کر اس مدرس صاحب کو دے دیگا یا اس مدرسہ میں دے دے گا، مگر وہ طالب علم دوسری جگہ پڑھتا ہی تھا کہ کتاب مع اسباب کے گم ہوگئی، اور وہ مدرسہ بھی زمانہ دراز سے موقوف ہوگیا ہے، مہتمم مدرسہ کا بھی انتقال ہوگیا ہے، اور اس مدرسہ کی کتابیں کچھ مدرسین لے گئے اور کچھ طلبہ لے گئے، غرض یہ ہے کہ وہ طالب علم جو کتاب امور عامہ مدرس مذکور سے بلا اجازت لے گیا تھا اس کے لئے کیا حکم ہے؟ آیا کتاب امور عامہ لے کر کسی اور مدرسہ میں دے دی جائے یا کسی طالب علم کی دی جائے، یا قیمت امور عامہ کی مدرسہ میں دی جاوے، یا کسی محتاج کو یا ان سب باتوں میں خیار ہے؟ بینوا توجروا

الجواب

وقف کی کتابوں میں استہلاک وتعدی سے ضمان لازم آتا ہے اور بدون اذن لے جانا تعدی میں داخل ہے، اس لئے صورت مسئولہ میں ضمان واجب ہے، اور وہ مدرسہ باقی نہیں تو اس کے زیادہ قریب میں جو مدرسہ ہو اس میں داخل کر دی جاتے۔ فقط

احقر عبدالکریم عفی عنہ

از خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون

۲۹؍ربیع الثانی ۱۳۴۵ھ

ودیعت بالأجر میں مفتی بہ عدم لزوم ضمان ہے

سوال:- پچھلے سال سفر حج میں جہاز اترتے ہوتے جدہ کی بندرگاہ پر جب مزدور سامان اٹھا کر باہر لے گئے، تو ان مزدوروں نے گھی کا ایک ڈبہ کسی طرح گم کر دیا، معلم ووکیل کے باوجود بہت تلاش کرنے کے کہیں نہیں ملا، بعد ازاں مکہ معظمہ جاتے ہوئے اپنا سامان وکیل کی تحویل میں دیئے گئے، جب مدینہ منورہ سے واپس جدہ پہنچے تو

کرایہ دیکر اپنا سامان لینا چاہا، لیکن ایک بوری سامان کی کہیں نہیں ملی، اس رسید پر میں نے لکھوالیا کہ سامان میں ایک بوری گم ہے، جو چیزیں بوری میں تھیں، ان چیزوں کا اس ملک کے بھاؤ کے مطابق اندازے سے قیمت لگاکر ایک فہرست تیار کرلی، مگر ساتھ ہی وکیل کو جدہ سے گھی کا ڈبہ وصول کرنے کی فکر تھی، مگر اس کی کوئی رسید نہیں تھی، اس لئے مستقل مطالبہ کرنے کے بجائے یہ کیا کہ اس فہرست میں گھی کی قیمت کا اندازہ کرکے وہ قیمت بوری والی چیزوں میں بڑھادی، پھر ایک عربی درخواست اور وہ رسید حکومت حجاز کے نام تیار کرکے پہلے وکیل کو دکھلادی کہ یا تو اس کا فیصلہ کردیجئے ورنہ یہ درخواست حکومت میں دیتا ہوں، اس غریب نے کوئی حجت نہیں کی، اور غالباً حکومت کے دباؤ سے اس نے پوری قیمت میرے حوالہ کردی مگر ساتھ ہی یہ کہہ دیا کہ میں قیامت تک معاف نہیں کروں گا مجھے اپنی اس حرکت پر بے چینی رہتی ہے، اور ڈر لگتا ہے کہ کہیں آخرت میں میری پکڑ نہ ہوجائے اب تو معلم سید امین عاصم کا ملازم بمبئی آیا ہوا ہے، روپیہ منی آرڈر کے ذریعہ اس کے پاس بھیج سکتا ہوں، تاکہ وہ وکیل جدہ کے حوالہ کردے، نیز اس وصول شدہ روپیہ کی ایک تہائی دوسرے ساتھی کے پاس چلی گئی ہے۔ میرے پاس دو تہائی باقی ہیں، اس ایک تہائی کا مطالبہ میرے ذمہ تو نہیں ہوگا۔

والسلام

عبدالغفور عفاعنہ

الجواب

صورت مسئولہ میں وکیل سے گھی کا ضمان لینا جائز نہ تھا، کیونکہ وہ تو مزدوروں نے گم کیا تھا، وکیل نے گم نہیں کیا، پس اس کا واپس کرنا لازم ہے، اور بوری گم شدہ کا ضمان لینا بھی مطابق قول مفتی بہ جائز نہ تھا کیونکہ ودیعت بالأجر میں عدم ضمان پر فتوی ہے پس بوری کا ضمان بھی قابل واپسی ہے۔

كذا في الخلاصة ج ۳ ص۱۲۷، والشامي ج ۴ ص۵۶، قال في الخلاصة: فإن شرط عليه الضمان إذا هلك يضمن في قولهم جميعاً، لأن الأجير المشترك إنما لا يضمن عند أبي حنيفة إذا لم يشترط عليه الضمان اما إذا اشترط يضمن، قال الفقيه أبو الليث، الشرط وعدم الشرط سواء،

لأنہ أمين، واشتراط الضمان على الأمين باطل، وبه يفتی اھ، وقال الشامی، وأما من جری العرف بأنہ يأخذ فی مقابلة حفظه أجرة يضمن لأنه وديعة بالأجر، لكن الفتوى على عدمه۔ سائحانی۔ فقط

احقر عبدالکریم عفی عنہ
ازخانقاہ امدادیہ تھانہ بھون
۲۴؍ شوال ۱۳۴۸ھ

الجواب صحیح
ظفر احمد عفا عنہ

مسئلہ ضمان کی ایک خاص صورت

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک امین مدرسہ جس کو مہتمم صاحب مدرسہ یعنی مختار مدرسہ کی جانب سے مدرسہ کی ضرورت کے لئے بھیجا امین مذکور نے ایک جگہ بیٹھ کر جیب میں سے بٹوہ نکالا، بٹوہ میں اوپر ایک پوڑیہ میں نوٹ کی رقم تھی جو بغرض حفاظت پھٹنے ٹوٹنے کی وجہ سے پوڑیہ میں رکھی تھی۔ اور پوڑیہ کے نیچے اور رقم ریزگاری وغیرہ میں بٹوہ مذکور میں تھی، سو پہلے وہ پوڑیہ اوپر کی نکال کر ضرورت رفع کر کے بقیہ دام ریزگاری وغیرہ بٹوہ میں ڈال کر جیب میں بٹوہ ڈال لیا، وہ پوڑیہ یاد نہیں رہی، بٹوہ میں ڈالتے بیٹھے بیٹھے یہ قصہ ہوا، اس کے بعد اس جگہ سے اٹھ کر چلے گئے بعد میں کئی گھنٹہ کے وہ پوڑیہ یاد آئی، وہ پوڑیہ کسی نے اٹھالی، اس کا پتہ نہیں چلا، کیا اس صورت میں امین مدرسہ کو ضمان دینا واجب ہوگا؟ بینوا توجروا،

احقر فرزند علی، شاہ پور، ضلع سہارنپور،

الجواب

صورت مسئولہ میں امین مذکور کے ذمہ ضمان لازم ہے، کما صرح فی العالمگیریہ، ونصه هكذا، لو قال المودع: وضعت الوديعة بين يدی، فقمت ونسيتها، وضاعت ضمن، وبه يفتی۔ كذا فی جواهر الأخلاطی (ج ۵ ص ۲۰۸) فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ عبدالکریم عفی عنہ
ازخانقاہ امدادیہ تھانہ بھون، ۲۸؍ رجب ۱۳۵۰ھ

مرغی یا بکری نے کسی کا کھیت یا غلہ کھالیا تو مالک پر تاوان آئے گا یا نہیں؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ بکری یا مرغی کسی کا کھیت چر جائے، یا وہ غلہ جو سکھلانے کے لئے رکھا گیا ہو، کھا جائے، تو اس کا تاوان جانور والے کو دینا ہوگا یا نہیں؟ بینوا توجروا،

المستفتی: ولایت حسین

الجواب

فی العالمگیریۃ (ج ۷ ص ۳۵) وان کانت فی ملک غیر صاحب الدابۃ فان دخلت فی ملک الغیر من غیر إدخال صاحبھا، بأن کانت منفلتۃ فلا ضمان علی صاحبھا، وإن دخلت بادخال صاحبھا فصاحب الدابۃ ضامن فی الوجوہ کلھا سواء کانت واقفۃ أو سائرۃ، وسواء کان صاحبھا معھا یسوقھا أو یقودھا، أو کان راکبا علیھا، أو لم یکن معھا، ھکذا فی الذخیرۃ اھ۔

اس سے معلوم ہوا کہ اگر بکری وغیرہ کسی کھیت وغیرہ میں خود جاکر نقصان کرے تو مالک پر تاوان نہیں، اور اگر مالک خود کھیت میں چھوڑ دے، تو کھیت والا اس سے تاوان لے سکتا ہے، فقط واللہ اعلم

احقر عبد الکریم عفی عنہ

از تھانہ بھون،

۳ ذی الحجہ ۱۳۵۰ھ

جائیداد منقسم کے تین حصوں میں ایک وقف کا تھا، پٹواری کے غلط اندراج کے سبب وقف کی جمع سرکاری جائیداد لی گئی، تو یہ زائد جمع سرکاری کس سے لی جائے گی۔

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ایک زمین کے تین قطعہ منقسم ہیں، اور تین مالک ہیں، ایک زید اور ایک عمرو اور ایک موقوفہ للمدرسہ اور اس

کی جمع سرکاری بھی پٹواری کے کاغذات میں اس طریقہ پر منقسم ہیں، کہ مدرسہ کے، زید کے، عمر کے،
میزان کل مبلغ ما۔ [illegible] [illegible] [illegible]
زید نمبردار ہے وہ بقیہ حصہ داروں سے جمع سرکاری کی معینہ رقم وصول کر کے سب تحصیل میں
سالانہ داخل کرتا رہتا ہے اب پندرہ بیس سال کے بعد معلوم ہوا کہ پٹواری کے کاغذات میں اندراج غلط
تھا، اور اب اسی طریقہ سے صحیح کیا گیا ہے۔ [illegible] [illegible] میزان کل مبلغ ما
اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ مدرسہ سے سالانہ مبلغ [illegible] روپیہ جو زائد گئے ہیں
وہ زید و عمر سے وصول کئے جائیں یا نہیں؟ کیونکہ ان کے پاس سے کم گئے ہیں، جواب باصواب
سے مطلع فرمائیں اور اپنے دستخط سے مزین فرمائیں،

السائل:۔ محمد سعید

الجواب

اہل مدرسہ کو چاہئیے کہ سرکار سے مطالبہ کریں۔ یا نمبردار پر نالش کریں، ان میں جو
طریقہ موافق قانون ہو وہ اختیار کریں، پھر سرکار خواہ اپنے پاس سے مدرسہ کو زائد رقم
واپس کردے، خواہ زید و عمر سے لے کر دیوے، اور اگر اس قسم کے مطالبہ اور نالش کا حق مدرسہ
کو قانون سرکاری میں نہ ہو، تو دوبارہ سوال کر لیا جائے، فقط واللہ اعلم بالصواب

احقر عبدالکریم عفی عنہ

از تھانہ بھون، مورخہ ۱۹ ربیع الثانی ۱۳۵۱ھ

ایضاً ایضاً

سوال:۔ سائل بالا کا دوبارہ خط آیا کہ ..... قانون
میں نالش کرنے کا کوئی حق نہیں ہے، لہٰذا دوسرا جواب
عنایت فرمایا جائے۔

الجواب

اول نمبردار کے متعلق غور کرنا چاہئیے کہ شرعاً وہ کیا حیثیت رکھتا ہے، سو وہ درحقیقت
سرکار کا آلہ کار ہے، اور زمینداروں کی طرف سے بھی نمبردار کی منظوری ہوتی ہے، اس واسطے
زمینداروں کا وکیل بھی ہے، آلہ ہونے کی وجہ سے وہ اس رقم کا ضامن نہ ہوگا جو دراصل
سرکار کی طرف سے زمینداروں کے ذمہ مقرر کی گئی ہے اور وکیل ہونے کی وجہ سے وہ اس
رقم کو زمینداروں سے وصول کر سکتا ہے جو اس نے زمینداروں کی جانب سے سرکار کو دی

ہے، اور جو زائد رقم نمبردار نے کسی سے وصول کرلی ہو وہ اس کا ذمہ دار اور ضامن خود ہے خواہ دانستہ وصول ہوئی ہو، خواہ کسی غلطی کی وجہ سے، کیونکہ حقوق مالیہ میں عمد اور خطا کا ایک ہی حکم ہے، لہٰذا مدرسہ سے جو زائد رقم زید نے لے کر سرکار کو دی ہے وہ زید کے ذمہ ہے اہل مدرسہ کو اُسی سے مطالبہ کا حق ہے، اور زید کو اختیار ہے کہ وہ عمرو سے رقم لے لے، جو درحقیقت اس کی طرف سے دی گئی ہے۔ اہل مدرسہ کا عمرو سے براہ راست کوئی مطالبہ نہیں ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

وفی الدر المختار (باب الغصب) واعلم أن الأمر لا ضمان علیه بالأمر إلا فی ستة، إذا کان الأمر سلطانا الخ وقال الشامی تحته - لأن أمرہ إکراہ لما مر فی بابه، وفی اکراہ الدر، وضمن رب المال المکرِہ بالکسر لأن المکرَہ بالفتح کالآلة اھ

قلت: والمال الذی أخذ بغیر امر السلطان، فکون الأمر ضامنا له ظاهر غیر خفی، واللہ اعلم

کتبه الاحقر عبدالکریم عفی عنه
از تھانہ بھون
۴ جمادی الثانیہ ۱۳۵۱ھ

الجواب عندی صحیح
اشرف علی
۴ جمادی الثانیہ ۱۳۵۱ھ

ع۱ کیونکہ زید عمرو کا وکیل فی الادا تھا، تو اس کو رجوع کا حق ہے، جیسا کہ شروع میں زمینداروں کی منظوری سے نمبردار کا وکیل بن جانا مذکور ہے، ۱۲ منہ

ع۲ اگر اس پر یہ شبہ ہو کہ نمبردار خود آلۂ کار بنتا ہے، سرکار کسی طور پر نمبرداری کے لئے مجبور نہیں کرتی، تو اس کا جواب یہ ہے کہ گو خاص شخص کو مجبور نہیں کیا جاتا، مگر اس پر تو زور دیا جاتا ہے کہ کوئی نہ کوئی ضرور بنے جیسا کہ ظاہر ہے۔ ۱۲ منہ

مدت مقررہ میں مستعیر چیز واپس نہ کرے پھر وہ چوری یا ہلاک ہوجائے تو اس پر ضمان آئے گا یا نہیں؟

سوال :- زید یہ کہہ کر کہ چار پانچ روز میں واپس آجاؤں گا، خالد سے گھوڑا لے گیا، اس وقت تک اتفاقاً واپسی نہ ہوئی، اس کے بعد اگر گھوڑا کہیں گم ہوجائے، یا چوری ہوجائے، یا مر جائے، اور اس وجہ سے خالد زید سے قیمت گھوڑے کی طلب کرے، اس صورت میں زید کو قیمت کا دے دینا، اور خالد کو تقاضا کر کے لینا جائز ہے یا ناجائز؟ بینوا توجروا۔

سائل ....

الجواب

جتنے روز کے لئے جانور مستعار لیا گیا تھا، اس سے زیادہ وقت گزر جانے پر مستعیر ذمہ دار ضمان کا ہوگیا، پس خالد کو مطالبۂ قیمت کا حق حاصل ہے، بشرطیکہ مستعیر نے مدت مقررہ کے بعد بھی اس کو استعمال کیا ہو، (عالمگیریہ ج ۵ ص ۲۲۴)

ظفر احمد عفا اللہ عنہ

۲۷ ر رمضان ۱۳۴۸ھ

قانونی گرفت سے بچنے کے لئے خریدا ہوا مسروقہ مال تلف کردیا، تو ضمان لازم آئیگا یا نہیں

سوال :- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین، اس مسئلہ میں کہ، زید کے پاس کوئی شخص چند تصاویر لایا، اور ظاہر کیا کہ یہ میری ہیں، ان کو بیچنا چاہتا ہوں، زید نے ان کو خرید لیا، چند روز کے بعد زید سے حامد غیر مسلم ملا، اور کہا میری چند تصاویر گم ہوگئیں، اگر تمہیں پتہ لگے اطلاع دینا، زید سمجھ گیا وہ تصاویر جو میرے ہاتھ فلاں شخص اپنی ملکیت ظاہر کر کے فروخت کر گیا، دراصل اس کی ملک نہ تھی، اس نے حامد سے چرائی ہیں، اس لئے چاہا کہ کسی ایسے طریقہ سے حامد کے پاس وہ تصاویر پہنچادوں، کہ قانونی حیثیت سے مجرم بھی نہ ہوں، اس غرض سے زید نے حامد سے کہا، کہ ہم نے تمہاری چیز کا پتہ لگایا، جو جگہ تم تجویز کرو میں خفیہ طریقہ سے وہاں پہنچادوں گا، تم اٹھالینا، حامد نے زید کو قانونی مجرم بنانا چاہا، اور اس کی کوشش کے لئے پولیس میں اطلاع کردی، زید کو جب یہ معلوم ہوا، تو اس نے قانونی

جرم سے بچنے کی غرض سے تمام تصاویر کو معہ اس آئینہ کے اور چوکٹے کے، جس میں وہ چسپاں تھیں، توڑ کر جلا دیا،

اب سوال یہ ہے کہ، کیا زید کے ذمہ لازم ہے، کہ حامد کو تصاویر کی قیمت ادا کرے یا نہیں؟ اور اگر لازم ہے تو ادائیگی کس طریقہ سے کر سکتا ہے۔

الجواب

اگر زید کو اس امر کا یقین ہے، کہ یہ تصاویر حامد کی تھیں، اور اس کا بھی یقین ہو کہ بیچنے والے نے چوری کی تھی، تو اس کے ذمہ ضمان لازم ہے، وہ ان تصاویر کو زمین میں دفن کر کے بھی پولیس کی گرفت سے بچ سکتا تھا، یا حامد سے یہ نہ کہتا کہ میں نے پتا لگایا، بلکہ خفیہ طور سے اس کے یہاں بھیج دیتا، اب جس طرح ممکن ہو اس کو ان تصاویر کی قیمت ادا کر دے، جس کی ایک صورت یہ ہے کہ یہ ظاہر نہ کرے کہ یہ روپیہ تصاویر کی قیمت ہے، بلکہ یہ ہدیہ دوستانہ ظاہر کر کے اس کو رقم دے دے، اور اس بیچنے والے سے قیمت واپس لے سکتا ہے۔ واللہ اعلم

ظفر احمد عفا عنہ

از تھانہ بھون،

۷ر شوال ۱۳۴۸ھ

ایک طالب علم نے دوسروں کی کاپیوں کے سادہ اوراق اپنے خرچ میں کر لئے اور یہ معلوم نہ ہو، کہ وہ اوراق کن کن لڑکوں کے تھے، تو اس سے سبکدوشی کیسے ہوگی؟

سوال: سرکاری اسکول کے ایک طالب علم نے دوسرے طالب علموں کی کاپیوں کے سادہ اوراق جو ایک جگہ جمع تھے، اٹھا کر اپنے خرچ میں کر لئے، اب یہ معلوم کرنا نہایت دشوار بلکہ ناممکن ہے کہ وہ اوراق کن کن لڑکوں کے تھے، تو یہ حق کس طرح ادا کیا جا سکتا ہے؟

الجواب

اپنے ساتھیوں میں سے جن کا نام اور پتہ معلوم ہو، ان سے بذریعۂ خط وغیرہ کے ان واقعات سے معافی چاہ لیں، اور جن کے نام وغیرہ یاد نہ ہوں، ان کے حقوق کا گمان غالب سے اندازہ لگا کر رقم خیرات کر دیں، ان کی نیت سے ان کی طرف سے۔ واللہ اعلم

ظفراحمدعفاعنه
ازتھانہ بھون
۲۹ر شوال ۱۳۴۸ھ

سرکاری حقوق تلف ہوں توان کی ادائیگی کی کیا صورت ہوگی

سوال :۔ اگر سرکاری حقوق تلف ہوئے ہوں، مثلاً ریل کے سفر میں پندرہ سیر سے زیادہ بوجھ بلاکرایہ لے جایا گیا، یا سرکار کی کسی چیز کا نقصان کردیا، یا کوئی سرکاری چیز چرالی، توان حقوق کی ادائیگی کی کیا صورت ہے۔

الجواب

تخمینہ گمان غالب سے لگاکر، اس ریلوے کے ٹکٹ اور ڈاکخانہ کے ٹکٹ خرید کر چاک کردیں، اس طرح ریلوے کو اور سرکار کو حق پہنچ جائے گا۔ واللہ اعلم

ظفراحمدعفاعنه
ازتھانہ بھون
۲۹ر شوال ۱۳۴۸ھ

باپ سے روپیہ اور دیگر اشیاء چھپاکر دوسرے شخص سے مل کر خرچ کئے تو اس دوسرے شخص پر ضمان آئے گا یا نہیں

سوال : زید وعمرو آپس میں دوست تھے، زید اپنے باپ کے مال میں سے نقد اور دیگر اشیاء چھپاکر لاتا تھا، اور عمرو کے ساتھ مل کر خرچ کرتا تھا، نیز باپ کے مال میں سے بلا اجازت زید نے عمرو کو نقد اور قیمتی اشیاء وغیرہ دیں، تو اگر عمرو پر زید کے والد کے یہ حقوق واجب الاداء ہوں، توان کی ادائیگی کی کیا صورت ہے۔

الجواب

اس صورت میں آپ کے ذمہ صرف توبہ واستغفار ہے، مالی حق کچھ نہیں، اس کا ضمان لڑکا خود ہے۔ واللہ اعلم

ظفراحمدعفاعنه
ازتھانہ بھون، ۲۹ر شوال ۱۳۴۸ھ

بلا اجازت سرکاری درخت کاٹنے اور ان کی قیمت داخل خزانہ کرنے کی جائز صورتیں

سوال :- زید نے دس درختان تاڑ بلا اجازت سرکار کاٹ لئے، ان کی قیمت عہ روپیہ داخل خزانہ سرکار کرنا چاہتا ہے، حضرت والا نے تلافی کی صورتیں دریافت فرمائی تھیں، وہ حسب ذیل معروض ہیں۔

(۱) ایک صورت یہ ہے کہ، سررشتۂ آبکاری میں عہ مزید تاڑ کے درختوں کے لئے داخل کئے جائیں، مگر اجازت نامہ قطع و برید کا ملنے پر مزید درخت نہ کٹوائے جائیں، اور اجازت نامہ چاک کر دیا جائے، لیکن اجازت نامہ کی اجرائی کے لئے اہل عملہ رشوت طلب کریں گے، اور ستائیں گے، مزید درخت نہ کٹوائے جائیں، تو اندیشہ ہے کہ کوئی نقل اجازت نامہ حاصل کر کے ناجائز طور پر درخت کٹوالے، یہ صورت خالی از دقت نہیں۔

(۲) دوسری صورت یہ ہے کہ عہ روپیہ کے ٹکٹ ڈاکخانہ سے خرید کر ان کو تلف کیا جائے اور کام میں نہ لایا جائے، اس طرح رقم داخل خزانہ ہو جاتی ہے، گو بجائے سررشتۂ آبکاری میں جمع ہونے کے سررشتۂ ڈاکخانہ جات میں جمع ہوگی، مگر ہر دو سررشتۂ جات ایک ہی گورنمنٹ کے ہیں، اور یہ صورت ثانی صورت اولیٰ سے اسہل اور بے خطر ہے۔

الجواب

دوسری صورت کافی ہے، مگر درختوں کی خود تجویز کردہ قیمت کافی نہیں، بلکہ جو قیمت دو معتبر عادل مسلمان جو درختوں کی قیمت لگانے میں ماہر ہوں تجویز کریں، وہ قیمت داخل کی جائے۔ واللہ اعلم

ظفر احمد عفا عنہ

از تھانہ بھون، ۱۲ ذی قعدہ ۱۳۴۸ھ

متعلق سوال بالا

سوال :- باسلاک عریضہ مؤرخہ ۸ ذیقعدہ ۴۸ھ رواں باادب عرض ہے کہ زید نے درختان تاڑ بلا اجازت سرکار قطع کر لئے تھے، ان کی قیمت بصورت ٹکٹ ڈاک داخل کرنا جائز بتلایا گیا ہے، لیکن یہ ارشاد ہوا ہے کہ درختوں کی خود تجویز کردہ قیمت کافی نہیں، اس کی قیمت عرض ہے کہ سرکار سے ہر درخت تاڑ

کی قیمت بلالحاظ چھوٹے بڑے ہونے کے عا؍ مقرر ہے، اگر زید سرکار سے اجازت لیتا تو اس کو فی درخت عا؍ ہی داخل خزانہ سرکار کرنے پڑتے تھے، کیا ایسی حالت میں بھی قیمت کی قرارداد دو معتبر عادل مسلمان سے کرانے کی ضرورت ہے۔

فقط سائل بالا

الجواب

اس صورت میں دو مبصرین سے تجویز قیمت کی ضرورت نہیں، بلکہ سرکاری ریٹ کے موافق قیمت دے دینا بھی کافی ہے کیونکہ خود مالک کی مقرر کردہ قیمت دوسروں کی تجویز سے مقدم ہے جیسے ریل کا کرایہ جو ریلوے کمپنی نے مقرر کر دیا ہے، وہی معتبر ہے،

متعلق سوال بالا سوال :- السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، ذات انور، بانسلاک عریضۂ سابقہ مورخہ ۱۹ ر ذیقعدہ ۱۳۴۸ھ، بادب عرض ہے کہ زید نے درختان تاڑ بلا اجازت سرکار آج سے سات آٹھ سال پیشتر جبکہ سرکاری نرخ فی درخت عا؍ روپیہ مقرر تھا، قطع کر لئے تھے، اب جبکہ تلافیٔ مافات کے لئے قیمت درختان مذکور داخل خزانۂ سرکار کرنا چاہتا ہے، نرخ فی درخت للعہ روپیہ ہو گیا ہے۔ دریافت طلب یہ امر ہے کہ آیا زید کو اب فی درخت عا؍ روپیہ کے حساب سے قیمت داخل کرنی چاہیئے، یا بحساب للعہ فی درخت ؟

الجواب

کاٹنے کے وقت جو نرخ تھا اس کے حساب سے روپیہ داخل کر دینا کافی ہے بعد کے حساب کی رعایت لازم نہیں۔

قال فی الھدایۃ: وما لا مثل لہ فعلیہ قیمتہ یوم غصبہ اھ (ج ۳ ص ۳۵۷)

واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ

۲۸ ر ذی الحجہ ۱۳۴۸ھ

بیوی کے ہاتھ پر تھپڑ مارا اس کے ہاتھ میں لونگ تھی گر کر گم ہو گئی، تو شوہر پر ضمان آئے گا یا نہیں؟ | **سوال :** میرے گھر میں ایک لونگ گم ہو گئی ہے اس میں میرا بھی کچھ دخل ہے، وہ یہ کہ میں ان پر

کسی بات پر خفا ہورہا تھا، گھر میں زبان چلانے لگی، میں نے ان کے ہاتھ پر ایک تھپڑ ماری اس وقت انکے اسی ہاتھ میں لونگ تھی، وہ لونگ ہاتھ سے چھوٹ کر گر پڑی، اور کہیں گم ہوگئی تو اب مجھ کو اس کا تاوان دینا ہوگا یا نہیں؟

یکے از مقیمین خانقاہ امدادیہ

الجواب

قال فی الهندية فی تفسیر الغصب شرعاً، هو أخذ مال متقوم محترم بغیر إذن المالك علی وجه یزیل ید المالك إن كان فی یده، أو یقصر یده (بالمنع والحبس) إن لم یكن فی یده، كذا فی المحیط، ومَن حال بینه وبین ملکه (یضمن لأنه لیس بغصب ومن منع ماله من حفظ ماله حتی هلك لم یضمن، كذا فی الینابیع اه (ج ٦ ص ٧٩)

صورت مسئولہ میں سائل پر ضمان نہیں، کیونکہ اس کا فعل غصب میں داخل نہیں باقی تطییب قلب زوجہ کے لئے ضمان دے دیا جائے تو اچھا ہے۔

واللہ اعلم

ظفر احمد عفا عنہ

١٤ رجب ١٣٥٥ھ